باسمہ تعالیٰ

دیوانِ حافظ

مترجم

بہ ترجمہ مولانا قاضی سجاد حسین صاحب

صدر مدرس مدرسہ عالیہ فتحپوری دہلی

ناشر

سب رنگ کتاب گھر دہلی

قسم دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حافظ اور کلامِ حافظ

از

جناب کوثر چاند پوری

ایران اپنی تاریخ تہذیب اور ثقافت کے لحاظ سے ہمیشہ ممتاز رہا ہے، اور ہندوستان سے اس کے روابط تاریخی حیثیت رکھتے ہیں، دونوں ملکوں کے درمیان تجارتی اور تہذیبی تعلقات کی قدامت سے کبھی انکار نہیں کیا جا سکتا ایران کے باشندے حسن اور آرٹ سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں، فنونِ لطیفہ سے انہیں بڑی مناسبت ہے اس علمی سرزمین نے بہت سے عالم فلاسفر، شاعر صوفی اور آرٹسٹ پیدا کئے جن کو اپنی انفرادی خصوصیات کے لحاظ سے صفحاتِ تاریخ پر نمایاں مقام حاصل ہے ایرانی شعراء میں فردوسی، خیام، سعدی اور حافظ کو جو قبولِ عام ملا ہے وہ ان کے باکمال ہونے کی ایک روشن دلیل ہے، ایران کے یہ چاروں فن کار دنیا بھر کی تاریخِ شاعری میں ہمیشہ کے لئے اپنی جگہ محفوظ کر چکے ہیں شاعرانہ نکتہ سنجیوں، قدرتِ کلام اور اصنافِ شعر پر فن کارانہ قدرت کے اعتبار سے ایران کے یہ عناصرِ اربعہ ہر دور میں مقبول اور ہر دلعزیز رہے ہیں ان کے کلام کے تراجم نہ صرف اردو، بلکہ انگریزی، فرانسیسی، جرمنی اور ترکی زبانوں میں بھی ہو چکے ہیں، ہندوستان میں گلستاں، بوستاں اب تک پڑھائی جاتی ہے فردوسی کا شاہنامہ اور دیوانِ حافظ بھی اربابِ علم و تحقیق کی توجہ جذب کرتے رہے ہیں اسی طرح رباعیاتِ خیام کی مقبولیت سے انکار ممکن نہیں، فردوسی مناظرِ رزم و بزم کی عکاسی کی بنا پر زندۂ جاوید رہے گا، خیام کی رندی و سرمستی اس کی رباعیات کے آبگینوں سے چھلکتی رہیگی، سعدی کی اخلاقی شاعری خراجِ تحسین حاصل کرتی رہیگی اس کے ساتھ ان کی غزل کے اشعار دلوں کی دھڑکنوں میں اضافہ کرتے رہیں گے اور حافظ اپنی غنائی شاعری اور اس سے زیادہ بقول میر محمدی[1] اپنے جذبۂ غیبی و خدائی کی بدولت ہمیشہ عوام میں مقبول رہیں گے۔ یہ کہنا کسی بے انصافی پر مبنی نہیں کہ حافظ ایران کے تمام شاعروں سے زیادہ شہرت اور مقبولیت کے مالک ہیں یہ شہرت جغرافیائی حدود کی پابند نہیں بلکہ نسیم صبح کی مانند ایران سے چل کر بغداد، رے، بنگالہ اور دکن تک جا پہونچی اس کے بعد اس نے فرانس، جرمنی، انگلینڈ اور ترکی کو بھی اپنی بادہ ریزا ور خنک لہروں سے سرشار کیا حافظ کا شمار ان خوش نصیب شعراء میں ہے جن کا کلام ان کی زندگی ہی میں قبولِ عام کے درجہ تک پہونچا ان کے اشعار سیہ چشمانِ کشمیر اور ترکانِ سمرقند کو بھی بیخود بنا دیا کرتے تھے، وہ انہیں سن کر وجد کرنے لگتے تھے ؎

زشعرِ حافظِ شیراز می گویند و می رقصند[2]
سیہ چشمانِ کشمیری و ترکانِ سمرقندی

عراق، عرب اور ہندوستان کے فرمانرواؤں نے خواجہ کے کلام کو جوشِ بیان حسنِ بندش

---

[1] دیوان حافظ - مرتبہ میر محمدی [2] دیوان حافظ، ص ۲۰۰

نفگی اور غنائیت کی وجہ سے بیحد پسند کیا اور آرزو کی کہ وہ ان کے دربار میں آئیں لیکن خواجہ دنیا کی تمام فراغتوں، مسرتوں اور عیش و عشرت کو چمنستانِ مصلّٰی کی فرحت افزا ہواؤں اور آبِ رکناباد کی دلفریب موجوں پر نثار کر دینے کی جراتِ رندانہ رکھتے تھے اور جس فیاضی کے ساتھ خالِ ہندی پر سمرقند و بخارا کو لٹا سکتے تھے اُسی دریادلی کے ساتھ تمام دولت اور بلندی کو نسیمِ خاکِ مصلّٰی اور آبِ رکناباد پر قربان کر دینے کی ہمت رکھتے تھے ؎

نمی دہند[1] اجازت مرا بہ سیر و سفر
نسیمِ خاکِ مصلّٰی و آبِ رکناباد!

لیکن جس طرح اربابِ فضل و کمال میں ایک خاص قسم کی نازک مزاجی کی جھلک ہوتی ہے حافظ میں بھی تھی چنانچہ وہ آزردہ اور بیزار ہو کر کبھی کبھی شیراز سے نکل جانے کی تمنا بھی کرنے لگتے تھے یہ جذبہ عام طور پر اہلِ شیراز کی بے التفاتی اور ناقدرشناسی کی بنا پر پیدا ہوا کرتا تھا ؎

سخندانی[2] و خوشخوانی نمی ورزند در شیراز
بیا حافظ کہ ما خود را بملکِ دیگر اندازیم

انہیں یہ شکوہ بھی ہے کہ وطن میں رہ کر ان سربلندیوں تک نہیں پہونچ سکے جن کو وہ اپنی منزلِ مقصود خیال کرتے تھے۔

رہ[3] نبردیم بمقصودِ خود اندر شیراز
خرّم آں روز کہ حافظ رہِ بغداد کند

یہ جذبۂ بیزاری بالکل لمحاتی اور ہنگامی ہوتا تھا جو ہوا کے جھونکے کی طرح آتا اور گذر جاتا تھا ایرانی اپنے قومی جوش اور وطن پرستی کے نقطۂ نظر سے ہر دور میں ناقابلِ شکست رہے ہیں حملہ آوروں نے انہیں خوب روندا ہے لیکن جب موقعہ ملا ہے وہ دامن جھاڑ کر خاکِ مذلت سے اُٹھے ہیں اور اورنگِ سلطنت پر جا بیٹھے ہیں ان کی یہ خصوصیت تاریخ میں نمایاں حیثیت رکھتی ہے حافظ کے احساس میں جس وقت وطن کی محبت کروٹیں بدلنے لگتی تھی بیزاری کا وہ لمحاتی جذبہ ٹھٹر کر رہ جاتا تھا اور وہ اپنے مسقط الراس کے گن گانے لگتے تھے ؎

خوشا[4] شیراز و وضعِ بے مثالش
خدا وندا نگہدار از زوالش

عجب اتفاق ہے کہ حافظ اپنی مقبولیت اور بے مثال ہردلعزیزی کے باوجود نہایت بے التفاتی کا شکار رہے ہیں۔ تذکرہ نگاروں اور مورخین نے ان کے حالات زندگی سے زیادہ اعتنا نہیں کیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے وارداتِ حیات تلاش کے بعد بھی مکمل طور پر دستیاب نہیں ہوتے علّامہ شبلی نے شعراء فارس کے کلام پر بے لاگ تنقید کرنے کے ساتھ ہی ان کی زندگی پر روشنی ڈالنے کی بھی سعی کی ہے لیکن حافظ کے وہی کوائف و حالات انہیں مل سکے ہیں جو میخانہ عبدالنبی، تاریخ فرشتہ، حبیب السیر اور چند دوسری تاریخوں میں مذکور ہیں

---

[1] دیوان حافظ ص۱۸۱ [2] دیوان حافظ ص۲۹۴ [3] دیوان حافظ ص۱۹۰
[4] دیوانِ حافظ ص۲۵۵

اور جن سے حافظ کا صرف زمانۂ حیات ہی متعین کیا جاسکتا ہے
یا چند ماورائی قسم کے وہ افسانے مل جاتے ہیں جن کو خواب و خیال کی باتوں
سے زیادہ اہمیت نہیں دی جاسکتی۔ مسٹر براؤن نے شبلی سے زیادہ دادِ تحقیق
نہیں دی اکثر مقامات پر وہ شعر العجم کا ترجمہ ہی پیش کر دیتے ہیں ایرانِ جدید کے بعض مصنفین
نے بھی اس میدان میں گامزنی کی ہے ان میں میر محمدی اور دکتور محمود بامداد قابلِ ذکر ہیں میر محمدی، صرف اس لئے کہ انہوں نے
حافظ کا سنہ ولادت ۷۲۶ھ متعین کر دیا ہے، سالِ وفات باتفاق رائے ۷۹۱ھ ہے ان سنین کے پیش نظر آسانی سے کہا جاسکتا
ہے کہ حافظ نے پینسٹھ[۶۵] سال کی عمر پائی اس عرصہ میں وہ مختلف مراحل سے گذرے سلطنت کی تبدیلی کے مناظر بھی دیکھے
میخانوں کو مقفل ہوتے دیکھا، محتسبوں کی چیرہ دستیوں کے تماشے دیکھے، دوسری طرف رندانِ قدح خوار کو پوری آزادی
اور بیباکی کے ساتھ جامِ شراب مُنہ سے لگاتے دیکھا، شراب خانوں میں ان کے جھمگٹوں کا نظارہ کیا اور اکثر اصنافِ سخن میں
طبع آزمائی کی مخمس، رُباعی، قطعہ، مثنوی، قصیدہ، غرض سب ہی کچھ کہا، میخانہ کے مصنف نے ان کے ساقی نامہ کو بیحد سراہا ہے
لیکن حافظ دراصل غزل کے شاعر تھے وہ جس جوش، صداقت، جذبات اور برجستگی سے اپنی داخلی و خارجی کیفیات کو
غزل میں پیش کرتے ہیں وہ انہیں کے ساتھ خاص ہے۔ ایران کی غزل پر سب سے زیادہ رنگین اور حسین نقوش جس
شاعر نے بنائے وہ صرف حافظ ہیں۔

میخانۂ عبدالنبی میں جو حالات قلمبند کئے گئے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ حافظ کا نام شمس الدین تھا ان کے باپ
بہاء الدین اصفہانی تھے اور اتابکوں کے عہدِ حکومت میں شیراز گئے تھے یہیں توطن اختیار کر لیا تھا حافظ کی والدہ
گاذرون کی تھیں بہاء الدین شیراز میں تجارت کرنے لگے تھے حافظ اپنے تین بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے
باپ کی وفات کے بعد جب مال واسباب باقی نہ رہا تو دو بڑے بھائی شیراز چھوڑ کر کہیں چلے گئے حافظ ماں کے
زیرِ سایہ وہیں رہے، ماں نے افلاس سے مجبور ہو کر انہیں محلّہ کے ایک شخص کے سپرد کر دیا حافظ کو اس کے طور و طریق پسند
نہ آئے اور وہ خمیر گری کا پیشہ کرنے لگے۔ قریب ہی مکتب تھا پوری محنت اور سرگرمی سے اپنا کام ختم کرنے کے بعد
حافظ وہاں پڑھنے بھی چلے جاتے تھے خمیر گری کی آمدنی وہ چار حصّوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے ایک حصّہ والدہ کو
دیتے، دوسرا استاد کی خدمت میں پیش کرتے، تیسرا خیرات کر دیا کرتے تھے اس کے بعد جو کچھ بچ رہتا تھا وہ اپنی ذات
پر صرف کرتے تھے، آہستہ آہستہ انہوں نے قرآن حفظ کر لیا اور کچھ حرف شناس بھی ہو گئے اُس کے بعد انہوں نے
عربی اور فارسی میں پوری دسترس بہم پہونچائی میر محمدی لکھتے ہیں کہ حافظ کو بیس برس کی عمر میں شعر گوئی کا اتنا سلیقہ آگیا
تھا کہ اپنے اشعار سلاطین اور اکابرِ وقت کے سامنے پیش کر کے ان کی توجہ مبذول کر سکیں حافظ اپنی رندی و آزاد مشربی
کے باوجود منزلی زندگی کے دور سے گذر چکے ہیں ان کے دو بیٹے بھی تھے ایک کا نام شاہ نعمان تھا انہوں نے سفرِ ہندوستان
میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا علامہ شبلی کی روایت کے مُطابق ان کا مزار قلعۂ اسیر (برہان پور) میں ہے شاہ نعمان نے
غالباً دکن سے دہلی جاتے ہوئے وفات پائی دوسرا لڑکا شیراز ہی میں انتقال کر گیا تھا حافظ نے اس حادثہ سے
متاثر ہو کر مرثیہ کے طور پر یہ اشعار قلمبند کئے تھے ؎

۱۔ تذکرہ میخانہ از ملا عبدالغنی۔

دلا دیدی کہ ایں فرزانہ فرزند
چہ دید اندر خمِ ایں طاقِ نیلیں
بجائے لوحِ سیمیں در کنارش
فلک بر سر نہادش لوحِ سنگیں

میر محمدی کا خیال ہے کہ شاہ نعمان نے باپ کی زندگی ہی میں جامِ فنا نوش کر لیا تھا حافظ نے دونوں بیٹوں کی موت کے متعلق اپنے اشعار میں اشارات کئے ہیں، حافظ کا زمانہ حیات بڑی افراتفری کا تھا حافظ کے دیکھتے ہی دیکھتے خاص شیراز میں بیش ایسے ہنگامے ہوئے جن کو حرب و پیکار سے موسوم کیا جا سکتا ہے، حافظ اس عہد کے ممتاز ترین فن کار تھے، وہ ان سیاسی مناقشات سے دامن نہیں بچا سکتے تھے، انہیں مجبوراً مداحی اور قصیدہ گوئی کا سہارا لینا پڑا اس کے باوجود وہ خطرات سے دوچار ہوئے بغیر نہ رہ سکے، جن ممدوحین یا معاصرین کے نام حافظ کے اشعار میں ملتے ہیں ان میں یہ حضرات شامل ہیں۔ شاہ ابو اسحٰق، امیر مبارز الدین۔ شاہ شجاع۔ شاہ نصرت الدین یحیٰی۔ خواجہ قوام الدین۔ حاجی قوام حسن، شاہ منصور، شاہ قطب الدین محمود۔ عماد ابن محمود۔ خواجہ عماد الدین محمود ان کے علاوہ بھی کچھ لوگ ہیں جن کا ذکر دیوانِ حافظ میں ملتا ہے۔

[1] حافظ کے زمانہ میں دہلی کے تخت پر فیروز شاہ تغلق جلوہ افروز تھا۔ دکن کا حکمران محمود شاہ بہمنی ابن علاء الدین بہمنی تھا جس کا وزیرِ اعظم فیض اللہ تھا اور بنگال کا حکمران غیاث الدین تھا۔

ایران میں طوائف الملوکی تھی مختلف حصّوں پر مختلف حکمراں تھے جنکو شاہ سے مخاطب کیا جاتا تھا اور ان میں باہمی جنگ و جدال رہتی تھی بالآخر آلِ مظفر کو کامیابی ہوئی اور ان کی سلطنت وسیع تر ہو گئی۔

اس خاندان کا مورثِ اعلیٰ غیاث الدین احمد حاجی خراسانی تھا۔ اس کے تین لڑکے ابوبکر۔ محمد۔ منصور تھے ابوبکر اور محمد نے ہلاکو خاں کی رفاقت اختیار کر لی۔ ابوبکر مصر پر حملہ کے وقت مارا گیا اور چند دن بعد محمد بھی اس دنیا سے رخصت ہوا۔ منصور باپ کی خدمت میں رہا۔ منصور کے تین بیٹے محمد۔ علی اور مظفر تھے۔ مظفر اگرچہ تمام بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا لیکن شجاعت اور اولوالعزمی میں سب سے بڑھا ہوا تھا۔

ہلاکو خان کی اولاد ایران پر قابض ہو چکی تھی۔ مظفر کو عروج شروع ہو گیا تھا۔ ہلاکو خان کی نسل میں شاہ غازان خان مظفر پر بہت مہربان تھا پھر اس کے بھائی سلطان اولجائیتو کے دورِ سلطنت میں مظفر امیر بنا۔ ہرات اور مرو وغیرہ کی صوبہ داری اس کے سپرد کر دی گئی اور بالآخر امیر مظفر ہی آلِ مظفر کی سلطنت کا بانی بنا۔ امیر مظفر کے بعد اس کا لڑکا امیر مبارز الدین محمد اس کا جانشین ہوا جو حافظ کا ہمعصر تھا۔

سلطان اولجائیتو کے بعد ہلاکو خان کی آٹھویں پشت میں سلطان ابو سعید بہادر خاں برائے نام ایران کا بادشاہ تھا۔ صوبوں میں امراء نے علمِ بغاوت بلند کر رکھا تھا امیر شیخ ابو اسحاق کا باپ امیر محمود عراق کے ایک حصّہ کا والی تھا امیر مبارز الدین محمد یزد کا حاکم تھا اور امیر حسین شیراز پر حکومت کرتا تھا۔ امیر ملک اشرف کو شیراز پر حکومت کرنیکا لالچ پیدا ہوا تو وہ عراق پہونچکر ابو اسحاق سے ملا اور پھر دونوں نے ملکر شیراز پر حملہ کر دیا ابو اسحاق نے ملک اشرف کو دھوکا دیکر خود شیراز پر قبضہ

---

[1] دیوان حافظ ص ۲۵۲ [1] یہ عبارت اس جگہ سے مع سطر ۱۵ تک کوثر صاحب کی نہیں ہے۔ (ناشر)

کرلیا اور اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اب ابواسحاق
کو اپنی سلطنت وسیع تر کر دینے کا خیال دامن گیر ہوا تو اس نے
۷۵۱ء میں مبارز الدین محمد کو شکست دینے کے لئے یزد پر حملہ کر دیا اس حملہ میں
اسکو سخت ناکامی ہوئی اور اس کے نتیجہ میں مبارز الدین محمد نے ابواسحاق کے خلاف
شیراز پر حملہ کا ارادہ کر دیا۔ ابواسحاق نے قاضی عضد الدین عبدالرحمان کو صلح کا پیغام دیکر یزد بھیجا مگر قاضی
صاحب کو مقصد میں کامیابی نہوئی۔ یہی قاضی عضد الدین ہیں جن کے بارے میں خواجہ صاحب نے اپنے اور
ابواسحاق کے دور کی پانچ شخصیتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

دگر شہنشہِ دانش عضد کہ در تصنیف

بنائے کارِ مواقف بنامِ شاہ نہاد[1]

اب وہ وقت آچکا تھا کہ ابواسحاق کا ستارہ گردش میں تھا اور فتحمندی اس سے منہ پھیر چکی تھی اس کے معتمد و مشیر کار دنیا سے رخصت ہو چکے تھے اور اس کے دور کی پانچوں شخصیتیں رفتہ رفتہ ختم ہو رہی تھیں شیخ مجد الدین کا وصال ہو چکا تھا شیخ امین الدین بھی عالم آخرت کی طرف کوچ کر گئے تھے۔

امیر مبارز الدین محمد نے ۷۵۴ء میں شیراز پر حملہ کر دیا ابواسحاق کے وزیر اعظم خاص قوام الدین حسن بھی اس محاصرہ کے دوران انتقال کر گئے۔ اس حملہ کے نتیجہ میں مبارز الدین محمد کا شیراز پر قبضہ ہو گیا اور ابواسحاق نے شیراز سے راہ فرار اختیار کی تین سال تک مارا مارا پھرتا رہا اور بالآخر گرفتار ہوا اور مبارز الدین کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔

مبارز الدین محمد نے شیراز پر قبضہ کے بعد عراق کا رخ کیا اور اپنے بیٹے جلال الدین شجاع کو شیراز میں اپنا قائم مقام بنایا اس دوران میں خواجہ عماد الدین محمود نے جو ابواسحاق کا وفادار وزیر تھا شجاع کے خلاف ایک ناکام بغاوت کی اور مارا گیا خواجہ عماد الدین محمود بھی خواجہ صاحب کا ممدوح رہا ہے۔

ابواسحاق پر فتح پانے کے بعد مبارز الدین محمد بادشاہ تو بنگیا لیکن برابر خانہ جنگیوں میں مصروف رہا۔ تبریز۔ اصفہان اور عراق اس کی جولانگاہ بنے رہے۔

مبارز الدین محمد کے پانچ لڑکے تھے۔ شجاع۔ شرف الدین مظفر۔ قطب الدین محمود۔ سلطان افسر اور سلطان ابویزید شرف الدین مظفر کا تو مبارز الدین محمد کی زندگی میں انتقال ہو گیا۔ شجاع برابر باپ کا ساتھ دیتا رہا لیکن آخر عمر میں مبارز الدین بدمزاج اور تند خو ہو گیا عموماً بڑے بیٹوں کے ساتھ ترشروئی سے پیش آتا تھا۔ اور صرف سلطان ابویزید سے محبت کرتا تھا۔

شجاع اور قطب الدین کو یہ خیال پیدا ہوا کہ مبارز الدین محمد ان کو محروم کر کے ان کے چھوٹے بھائی سلطان ابویزید کو تخت وتاج کا مالک بنا دینا چاہتا ہے۔ چنانچہ ان دونوں نے اور شاہ سلطان نے جو ان کا بہنوئی اور اصفہان کا گورنر تھا ملکر سازش کی اور مبارز الدین محمد کو گرفتار کر کے اس کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھروا کر معزول کر ڈالا مبارز الدین محمد کا اسی حالت میں ۷۶۵ء میں انتقال ہو گیا۔

اس انقلاب میں شاہ شجاع اورنگِ سلطنت پر قابض ہو گیا اور اس نے اپنے
بھائیوں اور بھتیجوں نصرت الدین یحییٰ اور منصور کو مختلف علاقے سپرد کر دئے

---

[1] دیوان حافظ صـ ۲۵۵

لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں باہمی نفاق پیدا ہوا
اور قطب الدین محمود نے شیراز پر چڑھائی کردی اور سلطان ادلیس
ابن امیر شیخ حسن ایلکانی حاکمِ عراق کی مدد سے شیراز پر قبضہ کرلیا عماد ابن محمود
انہی قطب الدین کا وزیر تھا جو حافظ کا ممدوح ہے جس کو اکثر غزلوں میں آصفِ دوراں
کہا ہے شاہ شجاع شیراز سے نکلکر خواجہ جلال الدین توران شاہ کے پاس پناہ گزین ہوا اور کچھ دن بعد شاہ شجاع نے
توران شاہ کی مدد سے کرمان وغیرہ پر قبضہ کرلیا نصرت الدین یحییٰ بھی اُس کا فرماں بردار بنگیا کچھ عرصہ کے بعد شاہ شجاع نے
شیراز کا رخ کیا اور قطب الدین محمود کو شکست دیکر شیراز پر قبضہ کرلیا۔

اب شاہ شجاع کا اقتدار پھر واپس آیا۔ اور خواجہ جلال الدین توران شاہ وزیر اعظم مقرر ہوا جو بہت ہر دلعزیز تھا
اس سے قبل خواجہ قوام الدین محمد اور کمال الدین شاہ شجاع کے وزیر اعظم رہ چکے تھے جو بغاوتوں کے الزام میں قتل کردئے
گئے۔ شاہ شجاع کے یہ تینوں وزراء بھی خواجہ حافظ کے ممدوح رہے ہیں۔

شاہ شجاع کی وفات سنہ ۷۸۶ھ میں ہوئی اس کے بعد اُس کا بیٹا سلطان زین العابدین تخت نشین ہوا مگر شاہ شجاع کے
بھتیجے منصور۔ اور نصرت الدین یحییٰ باغی ہوگئے اور شاہ شجاع کے بھائی سلطان ابویزید نے بھی علمِ بغاوت بلند کیا اور
ملک فارس پھر خانہ جنگی کا شکار ہوگیا نتیجہ میں منصور کامیاب ہوا اور اس نے پورے ملک میں اپنی سلطنت قائم کرلی
کچھ ہی عرصہ گذرا تھا کہ فارس پر تیمور کے حملے شروع ہوگئے اور منصور تیمور کے ہاتھوں قتل ہوا اور فارس سے آلِ مظفر
کا خاتمہ ہوگیا۔

حافظ شیراز چھوڑنا پسند نہ کرتے تھے انہوں نے عمر میں صرف تین سفر کئے پہلا شاہ نصرت الدین کی خواہش پر اس
سفر میں وہ شیراز سے یزد گئے دوسرا سفر محمود شاہ بہمنی شاہ دکن کے اصرار پر شیراز سے جزیرہ ہرمز تک کیا گیا۔ قصد
ہندوستان کا تھا اسی ارادے سے ہرمز آئے تھے مگر سمندر کی طوفانی لہروں کو دیکھ کر دل دہل گیا اور ارادہ فسخ
کردیا۔ میر فضل اللہ کو جس کے توسط سے شاہ محمود نے انہیں زادِ راہ بھیج کر بلایا تھا یہ غزل لکھ کر بھیجدی۔ جس کا مطلع ہے

دمے باغم بسر بردن جہاں یکسر نمی ارزد
بمے بفروش دلقِ ماکزیں بہتر نمی ارزد

تیسری مرتبہ حافظ آخری ایام عمر میں اصفہان گئے یہ شاہ منصور کا زمانہ تھا۔

حافظ کا کلام ان کی وفات کے بعد سنہ ۷۹۲ھ میں محمد گل اندام[1] نے مرتب کیا براؤن محمد گل اندام کے حوالہ سے لکھتے ہیں
دیوان کی ترتیب اس زمانہ کے ممتاز عالم قوام الدین عبداللہ کی خواہش پر شروع کی گئی تھی۔

> ...The writer of these lines, this least of men, Muhammad Gulandam, when he was attending the lectures of our Master, that most eminent teacher Qiwamu'd-Din 'Abdu'llah, used constantly and repeatedly to urge, in the course of conversation, that he (Ḥafiẓ) should gather together all these rare gems in one concatenation and assemble all these lustrous

---

[1] دیوان حافظ صفحہ ۱۵۷

pearls on one string, so that they might become a necklace of greatprice for his contemporaries or a girdle for the brides of his time. With this request, however, he was unable to comply, alleging lack of appreciation on the part of his contemporaries as an excuse, until he bade farewell to this life....in A.H.791" (A.D. 1389).

- A Literary History of Persia
Volume III, page 272

(مشہور مدرس مولانا قوام الدین عبداللہ گفتگو کے دوران میں برابر تلقین کرتے رہے کہ وہ (حافظ) اپنے بے مثل جواہر کو ایک جگہ جمع کریں اور تمام چمکدار موتیوں کو ایک لڑی میں پرو دیں تاکہ ان کے معصروں کے لئے وہ ایک قیمتی ہار بن جاتے اور ان کے زمانے کی دولہنوں کے لئے گلو بند۔ بہر حال حافظ ان کی یہ درخواست پوری کرنے کے لئے تیار نہ ہوتے اور وہ ہمیشہ اپنے ہم عصروں کی قدر ناشناسی کا گلہ کرتے رہے حتیٰ کہ ۷۹۱ھ (۱۳۸۹ء) میں انہوں نے اس دنیوی زندگی کو خیر باد کہدیا!)

انگریزی زبان میں لٹریری ہسٹری آف پرشیا کے علاوہ حافظ کے متعلق کچھ اور سرمایہ بھی موجود ہے سر گور اوزلے (SIR GORE OUSELEY) کے جغرافیائی نوٹس جو انہوں نے فارسی شعراء پہ لکھے ہیں حافظ کے کلام سے متعلق اکثر امور پہ روشنی ڈالتے ہیں لیکن حافظ کے زمانۂ حیات اور ان کے کلام پر سب سے اچھی اور قابلِ اعتماد معلومات ــــ MISS GERTRUDE LOWTHIAN BELL (مس گرٹروڈ لوتھیں بیل) ــــ نے اپنے تعارف میں مہیا کی ہیں۔ براؤن نے اس سلسلہ میں مولانا شبلی نعمانی کی بھی تعریف کی ہے۔

حافظ پر بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں ان میں سے اکثر میں پورا زورِ قلم اس بات پر صرف کیا گیا ہے کہ حافظ لسان الغیب ہیں ان کے اشعار میں ایک ایسا خدائی جذبہ موجود ہے جو آئندہ واقعات کی خبر دیدیتا ہے ان کی شراب جس کا وہ بہت زور شور سے ذکر کرتے ہیں معرفت کی شراب ہے اسی طرح ان کا محبوب بھی اس دنیا کا باشندہ نہیں وہ ایک ایسا ماورائی وجود ہے جس کو پیغمبرانہ صلاحیتیں ودیعت کیگئی ہیں کچھ ایسے اربابِ علم بھی ہیں جو حافظ کو رندِ لم یزل سمجھتے ہیں علامہ شبلی یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ حافظ پر رندی و سرمستی کا جذبہ غالب تھا جس کو وہ نہایت جوش و خروش کے ساتھ ظاہر کرتے تھے لیکن ان کے شاہد و شراب کے متعلق وہ بھی کوئی واضح فیصلہ صادر نہیں کرتے وہ ان کی مستی پر ہی اپنے اظہارِ خیال کی بنیاد رکھتے ہیں جو شرابِ معرفت اور شرابِ انگور دونوں سے پیدا ہو سکتی ہے لیکن شاعر اگر داخلی واردات کے ساتھ خارجی واقعات اور سماجی تقاضوں کی عکاسی بھی کرتا ہے تو ماننا پڑیگا کہ حافظ کے ان اشعار میں جو عہدِ شباب کی یادگار ہیں ایسی سرخوشی اور سرشاری ملتی ہے جو اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب شاعر عملی طور پر ان کیفیات سے گزر رہا ہو حسن کی جو خصوصیات ان کے یہاں ملتی ہیں وہ ماورائی حسن سے زیادہ اس جہانِ آب و گل کے جمال و رعنائی کی تصویر کشی کرتی ہیں حافظ کے ان پرستاروں سے میں بحث نہیں کروں گا جو ان کے ہر اشارے اور استعارے کو تاویلاتِ بارده کی طاقت سے معرفت و حقیقت کا رنگ دینے کی کوشش کرتے ہیں میری رائے میں شاعر سے صرف شاعرانہ بلند خیالی کی توقع رکھی جا سکتی ہے۔ اس میں پیغمبرانہ اوصاف کی تلاش نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی۔ حافظ کا ایک مشہور شعر ہے ؎

مَے دوساله و محبوب چهارده ساله
همیں بس است مرا صحبتِ صغیر و کبیر

ـــ دیوان حافظ ص ۲۳

ظاہر ہے کہ شعر میں جو الفاظ استعمال ہوتے ہیں وہ اپنے
صحیح معانی پر دلالت کر رہے ہیں مئے دو سالہ سے وہ شرابِ عتیق مراد
ہے جسے اس کے نشہ اور تاثرات کے لحاظ سے زیادہ پسند کیا جاتا ہے اور
محبوبِ چہار دہ سالہ کا خطاب کسی ایسے نوخیز امرد سے ہے جس پر ایرانی حضرات ہمیشہ
سے ہوش و حواس نثار کرتے آئے ہیں اور اکثر شعراءِ فارس کے یہاں ایسی مثالیں ملتی ہیں شاہ طہماسپ کے دربار
میں جلال الدین بحیثیت طبیب ملازم تھا جو حسن و جمال کے اعتبار سے بہت جاذبِ نظر تھا ایک مرتبہ وہ شاہ کی مجلس میں
پہونچا تو شاہ طہماسپ نے اسے دیکھتے ہی بے اختیار کہا

خوش طبیبے است بیا تا ہمہ بیمار شویم[1]

اس مصرعہ سے شاہ کا اصل ذوق اس شدت سے نمایاں ہے کہ اسے کسی تاویل کے پردے میں نہیں
چھپایا جا سکتا بیرم خان ترکمان زبردست فاتح سپہ سالار اور بڑے دبدبے کا وزیر تھا لیکن اس کے دیوان
میں ایسے قصائد ملتے ہیں جو اس عہد کے حسین و جمیل امردوں کی تعریف میں کہے گئے ہیں شہنشاہ بابر کی کیفیت
بھی یہی ہے یہی بیماری اردو کے بہت سے شاعروں کو فارس کی طرف سے ورثے میں ملی ہے حافظ سے پہلے
شیخ سعدی کے کلام میں بھی اس نوع کی پرچھائیاں ملتی ہیں۔ حافظ بہر حال انسان تھے انہوں نے ایران ایسے ملک میں
آنکھ کھولی تھی جہاں شراب و شاہد اپنی اصل صورت اور معانی میں تسکینِ ذوق کے لئے کام میں لائے جا رہے تھے
اگر انہوں نے ایسا کیا تو یہ کوئی سماجی جرم نہیں جسے چھپانے کی کوشش کی جائے انسان اپنے سماج ہی کا پروردہ
ہوتا ہے وہ اس کی بہت سی خصوصیات اپنے اندر جذب کرتا ہے یہی دنیا کا اصول ہے لیکن ان عقیدت کیشوں
پر حیرت ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ مئے دو سالہ سے قرآن مراد ہے اور محبوب چہار دہ سالہ سے رسولِ اکرم کی ذات
مبارک۔ اس قسم کی تاویلات نہ صرف بے اثر اور بے کیف ہیں بلکہ ان سے شاعر کے وہ اصل تصورات بھی باطل
ہوتے ہیں جو اپنے سماج کے متعلق اس کے ذہن میں موجود ہیں۔ شعر کی لطافت اور بلاغت پر ان باتوں کا جو اثر ہوتا
ہے وہ صاحبانِ ذوق سے مخفی نہیں ہے دکتور محمود باداد حافظ شناسی میں لکھتے ہیں کہ آقا محمد رضا مرحوم قمشہ سے
اس شعر کے متعلق استفسار کیا گیا تھا انہوں نے اس کا نہایت معقول جواب دیا تھا۔

البتہ انتظار دارید کہ بگویم مراد از مئی دو سالہ قرآن است واز محبوبِ چہار دہ سالہ انسانیکہ
بحدِ جمال و کمال رسیدہ باشد و چوں در انبیا این کمال بچہل سالگی دست مید ہد پس مقصود
از انہم رسولِ اکرم (ص) است لکن بحق ہمان خبران کہ مقصود حافظ درین شعر ہمان معانی
ظاہری و لغوی است[2]۔

حافظ کے علم و فضل اور ان کے اس عرفان سے انکار نہیں کیا جا سکتا جو آگے چل کر انہیں حاصل ہوا لیکن ادبی تحقیق
اور تنقیدی مباحث میں ایسا غلو جذباتیت کی تعریف میں آتا ہے اور جذباتی و تاثراتی اظہارِ خیال میں کوئی وزن
نہیں ہوتا حقیقت پسندانہ اسلوبِ بیان ہی قابلِ اعتماد ہوتا ہے ایک حقیقی

---

[1] توزک جہانگیری صفحہ ۲۰ والمتایے عہد مغلیہ (کوثر چاند پوری صفحہ ۷۸)

[2] حافظ شناسی چاپ دوم مطبوعہ چاپ خانہ اتحاد صفحہ ۷

شاعر جس میں ذرا سا ذوقِ جمال بھی موجود ہے وہ حسن سے
متاثر ہونے کی وہی صلاحیت رکھتا ہے جو بارود میں آگ پکڑنے کی ہوتی
ہے اور یہ حس حقیقت و معرفت کی شراب سے مدہوش اور سرشار ہونے کے
باوجود اس میں زندہ رہتی ہے زندگی بجائے خود تغیر پذیر ہے وہ مختلف ادوار اور
مراحل سے گزرتی ہے اور ان سے گزرتے وقت جو اثرات مرتب ہوتے ہیں ان کا اظہار ضرور کسی نہ کسی طرح ہوتا ہے۔
زندگی کے ادوار اور مراحل میں عمر کے وہ سنگِ میل شامل ہیں جن سے ان کو تقسیم کر دیا گیا ہے مثلاً بچپن، جوانی اور
بڑھاپا، بچپن کے عادات و خصائل شباب اور بڑھاپے کے اطوار سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ حافظ عمر کے جن منازل
سے گزرے ہیں انہوں نے ان کی نہایت کامیاب ترجمانی اور عکاسی اپنے اشعار میں کی ہے اور یہی ایک بلند پایہ
شاعر کی خصوصیت ہے دیوانِ حافظ کے مطلع کو دیکھ کر یہ نہیں سمجھ لینا چاہئے کہ شاعری کے آغاز ہی میں انہیں پیرِ طریقت
اور ہادیٔ معرفت کا منصبِ جلیل مل گیا تھا۔ دیوان کا یہ پہلا شعر یقیناً حقائق و معرفت کا ترجمان ہے۔

اَلَا یَا اَیُّھَا السَّاقِی اَدِرْ کَاْساً وَّ نَاوِلْھَا
کہ عشق آساں نمود اوّل ولے افتاد مشکلہا

لیکن یہ بات کسی طرح قرینِ عقل نہیں کہ دیوانِ حافظ جس ترتیب سے مدون ہو کر شائع ہوا ہے اسی ترتیب سے شاعر نے
نظم بھی کیا ہے۔ میخانہ عبدالنبی کا بیان ہے کہ حافظ کم عمری میں شعر کہنے لگے تھے شروع میں وہ موزوں اشعار نہیں کہہ
سکتے تھے چنانچہ بے تکے اور غیر موزوں اشعار نے انہیں لوگوں کے مذاق کا ایک دلچسپ ذریعہ بنا دیا تھا آہستہ آہستہ
ان کا ذوقِ شعرگوئی نکھرتا گیا آخر کار وہ اس مرتبہ تک پہونچ گئے کہ ان کے کلام پر جذبۂ خدائی کا گمان ہونے لگا۔
دیوان حافظ کے صحافی میر محمدی بھی لکھتے ہیں

از اوانِ جوانی بطبع آزمائی در شعری پرداخت

لیکن کمالِ شعرگوئی کی منزل تک پہونچنے میں بہت دیر لگی اسی طرح سلوک و طریقت کا ادراک بھی چالیس سال سے قبل
نہ ہو سکا اس عرصہ میں وہ ناکامی، یاس و ناامیدی اور تنگ ودو کے بیشمار پیچ و خم سے گذرے دکتور بامداد لکھتے ہیں۔
شاید در چہل سالگی بمراد رسیدہ است کہ فرمودہ۔

چل سال رنج و غصہ کشیدیم و عاقبت
تدبیرِ ما بدست شرابِ دوسالہ بود
علم و فضلے کہ بچہل سال دلم گرد آورد
ترسم آن نرگس مستانہ بیکجا ببرد

حافظ نے ایک اور شعر میں بھی اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ انہیں چالیس سال کی عمر ہی میں تصوف کا ادراک نصیب ہوا۔

کہ اے صوفی شراب آنگہ شود صاف
کہ در شیشہ بماند اربعینے

۱۔ دیوان حافظ ص ۲۹ — ۲۔ دیوان حافظ ص ۱۵۶
۳۔ دیوان حافظ ص ۲۰۹ — ۴۔ دیوان حافظ ص ۳۰۰

اس کے بعد انہیں سلوک وطریقت میں وہ مرتبہ میسّر ہوا جس کو فضل
وکمال اور صدق وصفا کا آئینہ کہا جاسکتا ہے اس کے ساتھ رشد وہدایت کا
منصب بھی مل گیا ہو تو بعید نہیں جیسا کہ وہ خود کہتے ہیں۔

سحرم ہاتفِ میخانہ بدولت خواہی
گفت باز آی کہ دیرینۂ ایں درگاہی
با منِ راہ نشیں خیز و سوئے میکدہ آی
تا بہ بینی کہ درآں حلقہ چہ صاحب جاہم

حافظ کے اشعار میں جو تناقض اور تضاد نظر آتا ہے وہ غزل کے متفرق اور منتشر اشعار میں عام طور پر پایا جاتا ہے
غزل کا شاعر مشکل ہی سے کوئی ایسا سالم نظریہ پیش کرسکتا ہے جس کو فلسفہ کا نام دیا جاسکے جس طرح آج غزل کی اس
خصوصیت پر اعتراض کیا جاتا ہے حافظ کے عہد میں بھی ذہنوں میں اس قسم کے تصوّرات موجود تھے چنانچہ شاہ شجاع
نے حافظ پر بھی اعتراض کیا تھا تذکرۂ دولت شاہ سمرقندی کا بیان ہے کہ شاہ شجاع نے ان سے یہ سوال کیا تھا۔

ابیاتِ غزلہائے شما ارتباطے باہم ندارند یک بیت در وصال است ویک بیت در فراق وسومی در مذمتِ
زہد وریا دانگاہ بمے ومیخانہ پرداختہ وازرندی وبیخودی حکایت میکنی بازدم از بے نیازی واستغنا زدہ ودرعینِ حال
ہمدح می پردازی یعنی از شاخ بہ شاخ پروازمی نمائی ودرینِ تلوّن ذہنِ شنوندہ مشوّش خواہد شد ورونقِ کلام از بین می
رود کہ ایں خود برخلافِ فصاحت است۔

یہ اعتراض حافظ پر نہیں در حقیقت غزل پر ہے جس میں کوئی مضمون تسلسل کے ساتھ بیان نہیں کیا جاتا،
اس کا ہر شعر ایک واحدہ کی حیثیت رکھتا ہے شاہ شجاع کے اس سوال سے پتہ چلتا ہے کہ وہ شعر کا کتنا اچھا ذوق
رکھتا تھا اور کتنی عمدہ تنقید کرسکتا تھا اس وقت کا ذہن نظم یا مسلسل غزل کا طالب تھا جس میں کسی موضوع پر
ربط وتسلسل کے ساتھ خیالات کا اظہار کیا جاتا ہے فردوسی کی مثال سامنے تھی جس نے ایران کی پوری تاریخ
مثنوی میں بیان کردی ہے عمر خیّام رُباعی میں ایک سالم نظریہ پیش کردیا کرتے تھے اس اعتبار سے ان کا شمار فلسفی
شعرا میں ہونا چاہیئے۔ حافظ اور خسرو میں یہ بات مشترک ہے کہ دونوں نے متعدد سلاطین کا زمانہ دیکھا خسرو
نے حافظ سے بادشاہوں کے درباروں کا نظّارہ کیا حافظ نے صرف چار سلاطین ہی کے عہد حکومت کی تبدیلیاں
دیکھیں یعنی ابو اسحٰق۔ مبارز الدین محمد۔ شاہ شجاع اور شاہ منصور جو شاہ شجاع کا بھتیجہ تھا ان چاروں بادشاہوں کا
زمانہ حالات کے لحاظ سے بالکل مختلف تھا شیخ ابو اسحٰق جن کو جمال الدین شاہ ابو اسحٰق بھی لکھا جاتا ہے۔ ابتداءً
فارس کے گورنر مقرر ہوئے اور ۷۴۲ھ۔ ۱۳۴۱ء میں تختِ حکومت پر رونق افروز ہوئے یہ سب سے پہلے بادشاہ
ہیں جنہوں نے حافظ کے جوہرِ ذاتی کو پہچانا۔ حکیم غلام مہدی ایم۔ اے اپنے انگریزی (غیر مطبوعہ) مقالہ میں لکھتے ہیں۔

Shah Jamaluddin Abu Ishaq was the first g eat ruler who came to the throne in 742 A H. He was a wise and just king and for the first time discovered the genius of our great poet.

۱؎ دیوان حافظ ص۲۰۰   ۲؎ دیوان حافظ ص۲۵۵

(شاہ جمال الدین ابواسحٰق پہلا عظیم حکمراں
تھا جو ۷۴۲ھ میں تخت نشین ہوا۔ وہ ایک عاقل اور انصاف پسند
بادشاہ تھا۔ اور اُس نے ہی پہلی بار ہمارے اس عظیم شاعر کی صلاحیت
کو دریافت کیا تھا۔)

ابواسحٰق شاعر بھی تھا اور شاعر دوست بھی یہ دوسرے شعراء کی عزت کرتا تھا لیکن عیش پرست تھا اور امورِ مملکت پر کوئی توجہ نہ کرتا تھا آخر کار اسی عیش پرستی کی بدولت سلطنت اس کے ہاتھ سے نکل گئی اس واقعہ کو علامہ شبلی نے بھی لکھا ہے اور براؤن نے بھی۔ براؤن لکھتا ہے:

This Abu Ishaq was a poet and friend of poets, heedless, pleasure-loving, and so negligent of the affairs of state that when he was at last induced by his favourite Shaykh Aminu'd-Din to fix his attention on the Muzaffari hosts who were investing the capital, he merely remarked that his enemy must be a fool to waste the delicious season of Spring in such fashion, and concluded by reciting the verse:[1]

بیا تا یک امشب تماشا کنیم
چو فردا شود فکر فردا کنیم

(یہ ابواسحٰق ایک شاعر تھا، وہ شاعروں کا دوست، لاپرواہ اور عیش پسند تھا اور ملک کے حالات سے اتنا بے پرواہ تھا کہ جب آخر کار اس کے عزیز مصاحب شیخ امین الدین نے اُس کی توجہ ان مظفری سپاہ کی طرف دلائی جو اس کے دارالسلطنت پہ یلغار کر رہے تھے تو اس نے سرسری طور پر جواب دیا کہ اس کا دشمن بیوقوف ہے جو موسم بہار کے اس خوشگوار وقت کو اس طرح ضائع کر رہا ہے اور اپنی بات مندرجہ ذیل شعر کہہ کر ختم کر دی۔)

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مبارزالدین محمد نے شیراز فتح کر لیا اور ابواسحٰق کو تہ تیغ کر دیا گیا اس اندوہناک سانحہ پر حافظ بیحد ملول ہوئے انہوں نے اس تاثر میں ایک قطعہ نظم کیا جس میں اس عہد کے تمام اربابِ علم کا ذکر کیا۔

بہ عہدِ[2] سلطنتِ شاہ شیخ ابواسحٰق
بہ پنج شخص عجب ملک فارس بود آباد

شاہ ابواسحٰق کو حافظ بھول نہ سکے ان کی یاد عرصہ تک ان کے دل و دماغ سے محو نہ ہوئی، غزلوں میں بھی ان کا نام حافظ کے مُنہ پر آجاتا ہے۔

راستی[3] خاتم فیروزۂ بواسحاقی
خوش درخشید ولے دولتِ مستعجل بود

ابواسحٰق کا دورِ فرمانروائی اس اعتبار سے نہایت مبارک تھا کہ شیراز میں بڑے بڑے صوفی، محقق اور دانشور جمع ہو گئے تھے۔

ابواسحٰق کے بعد مبارزالدین محمد شیراز اور فارس کا فرمانروا ہوا یہی بادشاہ

---

[1] لٹریری ہسٹری آف پرشیا جلد سوم صفحہ ۲۷۵ [2] دیوان حافظ ص
[3] دیوان حافظ ص ۴۵۵ [4] دیوان حافظ ص ۲۱۷

آلِ مظفر کی حکومت کا بانی اور موسس ہے مبارز الدین محمد
نہایت مذہبی قسم کا فرمانروا تھا اس نے شراب خانے بند کر دیئے اور
محتسب مقرر کر دیئے گئے۔ حافظ اس وقت جوان تھے لیکن اپنے اشعار میں
سماجی تغیرات کی تصویر کشی کا بہت اچھا شعور ان میں پیدا ہو چکا تھا چنانچہ اس عہدِ
پرہیزگاری پر انہوں نے نہایت کامیاب طنز کئے ہیں۔

در مے[1] خانہ بہ بستند خدایا مپسند
کہ درِ خانۂ تزویر و ریا بکشایند

محتسبوں کی چیرہ دستیوں سے حافظ تنگ تھے ان کے خوف سے نہایت احتیاط سے شراب نوشی کی تلقین کرتے ہیں۔

اگرچہ[2] بادہ فرح بخش و باد گلریز است
بہ بانگِ چنگ مخور مے کہ محتسب تیز است

مبارز الدین محمد کے بعد اس کی جگہ اس کے نامور فرزند شاہ شجاع کو ملی یہ بھی ان لوگوں میں تھا جن کو شراب بندی سے اذیت
پہونچی تھی چنانچہ باپ کے زمانہ ہی[3] میں اس نے بھی ایک رباعی لکھی تھی۔

در مجلسِ دہر سازِ مستی پست است
نہ چنگ نہ قانون و نہ دف بر دست است
رنداں ہمہ ترکِ مے پرستی کردند
جز محتسبِ شہر کہ بے مے مست است

شاہ شجاع نہایت علم دوست اور وسیع النظر تھا اس نے وہ تمام پابندیاں اٹھا دیں جو اس کے باپ نے عائد کر دی تھیں
اب دورِ جام پر کوئی قدغن نہ رہی میخانے آباد ہو گئے رندانِ بلانوش بے خطر آتشِ سیال سے کھیلنے لگے اور محتسب شاعروں
کے طنز کا شکار ہو گئے۔ حافظ سماجی آزادی کے اس اعلان کو سن کر باغ باغ ہو گئے اسی عالم مسرت میں انہوں نے کہا

سحر[4] ز ہاتفِ غیبم رسید مژدہ بگوش
کہ دورِ شاہ شجاع است مے دلیر بنوش

حافظ آلام حیات سے نجات پانے کی غرض سے "شرابِ لعل" کا سہارا ڈھونڈنے لگے

شرابِ[5] لعل میخواہم کہ مرد افگن بود زورش
کہ تا یکدم بیاسایم ز دنیا و شر و شورش

شرابِ لعل می نوشم من از جامِ زمرد گوں
کہ زاہد افعیِ وقت است میسازم بدان کورش

اُن تکالیف کے پیشِ نظر زاہد کو افعیِ وقت قرار دینا جو اس سے عوام کو پہونچ رہی تھیں بیحد قابلِ تعریف تشبیہہ ہے البتہ
زمرد سے سانپ کے اندھا ہو جانے کا عقیدہ تجربات سے درست ثابت نہیں ہوا۔

---

[1] دیوان حافظ صفحہ ۱۲۴ [2] دیوان حافظ صفحہ ۵۱ [3] شعر العجم صفحہ ۱۹۴/ج ۲
[4] دیوان حافظ صفحہ ۲۲۴ [5] دیوان حافظ صفحہ ۲۵۸

شراب و شاہد سے پابندیاں اٹھ گئیں تو حافظ تنہا مئے دو سالہ ہی کو غمِ زندگی کا حریف نہیں بناتے ہیں بلکہ اسی پیراہن پر خرقہ و دستار کو بھی نثار کر ڈالنے کی جرأتِ رندانہ رکھتے ہیں جو کسی محبوب کے عشق میں چاک کر ڈالا گیا ہو۔

فدائے پیرہن چاکِ ماہرویان باد
ہزار جامۂ تقوی و خرقۂ پرہیز

وہ شراب و نگار ہی کو فروغِ مجلس کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

ہیچ وجہ نباشد فروغِ مجلسِ انس
مگر بروئے نگار و شرابِ انگوری

ان تمام اشعار میں حافظ نے اپنے مخصوص جوشِ بیان کے سہارے اس مسرت کا اظہار کیا ہے جو شراب اور دوسرے لوازمِ عیش و نشاط پر سے پابندیاں ہٹ جانے کے باعث انہیں حاصل ہوئی تھیں۔ شراب کے بغیر حسن میں کوئی کشش باقی نہیں رہتی زمانہ وہ آ گیا ہے دونوں سے ایک ہی بزم میں پوری آزادی کے ساتھ لطف اٹھایا جا سکتا ہے۔ اسی بنا پر حافظ بیحد مسرور ہیں وہ جوشِ انبساط میں وجد کرتے نظر آ رہے ہیں اپنی ذاتی کیفیات کے ساتھ ہی حافظ اس سماج کی عکاسی بھی کرتے جا رہے ہیں جس میں وہ زندگی گذار رہے ہیں انہیں جامِ زمرّد گون بھی گردش کرتا نظر آ رہا ہے ماہرویوں پر چاک پیرہن بھی پیشِ نظر ہیں اور ان خرابات میں بھی شمعیں جھلملاتی دکھائی دے رہی ہیں جہاں کل تک "تاریکی، سوگواری اور سناٹے" کے علاوہ کچھ نہ تھا یہ ساری باتیں ہماری آپ کی دنیا سے متعلق ہیں ان میں اس کائنات کا جلوہ نہیں دیکھا جا سکتا جس کو حقیقت اور معرفت کا عالم کہتے ہیں اسی عالمِ انبساط میں حافظ نے شاہ شجاع کی مدح میں غزل کہہ ڈالی

عید است و آخرِ گل و یاراں در انتظار
ساقی بروئے شاہ ببین ماہ و مے بیار

حافظ شراب نوشی کے آداب اور لوازم سے پوری طرح باخبر ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ تنہا پینے میں کوئی لطف نہیں اور شراب کی کمی کے متعلق وہ اس نقطۂ نظر کے حامل ہیں جو بعد کو غالب نے اپنایا یعنی

غم کھانے میں بودا دلِ ناکام بہت ہے
یہ رنج کہ کم ہے مئے گلفام بہت ہے

حافظ اس وقت تک شراب پینا پسند نہیں کرتے جب تک منوں شرابِ عتیق ان کے سامنے نہ ہو۔

دو یارِ زیرک و از بادۂ کہن دو منے
فراغتے و کتابے و گوشۂ چمنے

وہ شاہدانِ سیمیں رخسار کی زلفوں کو چہرے پر منتشر دیکھ کر کہتے ہیں۔

دی در میانِ زلف بدیدم رخِ نگار	بر ہیئتے کہ ابر محیطِ قمر شود
گفتم کہ ابتدا کنم از بوسہ گفت نے	بگذار تا کہ ماہ ز عقرب بدر شود

---

۱ دیوان حافظ ص ۲۳۹ ۲ دیوان حافظ ص ۲۹۱ ۳ دیوان حافظ ص ۲۳۱
۴ دیوان حافظ ص ۲۹۹ ۵ دیوان حافظ ص ۱۸۹

ان اشعار کو سلوک و معرفت کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا یہ حافظ کی ایسی واردات ہیں جو خارجی تاثرات کی ترجمانی بھی کرتی ہیں اور داخلی کیفیات کو بھی نمایاں کرتی ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ دورِ شباب کی عذرخواہی ضروری سمجھتے ہیں مگر یہ کہکر کہ یہ سب چیزیں تو عہدِ شباب کے مظاہر ہیں۔

حافظ چو شد ار عاشق و رند است و نظر باز
بس طورِ عجب لازمِ ایامِ شباب است

حافظ عالمِ مستی میں بھی لعلِ بتاں کے ساتھ بادۂ خوشگوار کو ضروری سمجھتے ہیں وہ ان میں سے کسی کی برائی پر آمادہ نہیں۔

ما عیبِ کس برندی و مستی نمی کنیم
لعلِ بتان خوش است و مئے خوشگوار ہم

جوانی کا دور اپنی تمام سرمستیوں کے ساتھ گذر گیا اور اس کے بعد وہ زمانہ شروع ہوا جب وہ اسرارِ سلوک سے واقف ہوئے اس وقت بھی انہوں نے نقطۂ نظر کی تبدیلی کے ساتھ ان کیفیات کا اظہار کیا جو اس نئی دنیا میں قدم رکھنے کے بعد پیدا ہوتی تھیں۔

بہ سِرِّ جامِ جم آنگہ نظر توانی کرد
کہ خاکِ میکدہ کحلِ بصر توانی کرد

اس غزل میں حافظ کی قلبِ ماہیت ہوگئی ہے وہ بالکل بدلے ہوئے نظر آرہے ہیں انہوں نے رندی و سرمستی کی قبائے زریں اتار دی ہے اور سالکوں کا بوسیدہ لباس پہن لیا ہے یہاں سے ان کی زندگی کا وہ مرحلہ شروع ہوتا ہے جس میں وہ رند کی حیثیت سے گامزن نہیں بلکہ سالک اور پیرِ طریقت کے روپ میں آہستہ آہستہ چہل قدمی کر رہے ہیں اس تبدیلی کے باوجود حافظ اپنی دنیوی فلاح اور طلب معاش سے غافل نہیں ہوئے وہ آخر عمر تک سلاطین کی مدحی کر کے صلات حاصل کرتے رہے۔ لیکن ان کی قصیدہ سرائی کی سطح انوری۔ ظہیر فاریابی۔ اور سلمان ساوجی وغیرہ سے بہت بلند تھی انہیں قصائد کا صلہ نہ ملتا تو ہلکا سا شکوہ تو ضرور کرتے لیکن مذمت اور ہجو سے ان کا دامن کبھی داغدار نہ ہوتا۔ وہ حسنِ طلب کے طور پر نہایت لطیف اشارے کر کے خاموش ہو جاتے اس قطعہ سے ان کے حسنِ طلب کا انداز معلوم ہو

بہ سمعِ خواجہ رساں اے رفیقِ وقت شناس
بہ خلوتے کہ در آں اجنبی صبا باشد

حافظ کا عہدِ شباب رندی و سرمستی میں ضرور بسر ہوا ہے لیکن ان کی اس معنوی خصوصیت کو کسی عالم میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ ان کا طبعی میلان ابتدا ہی سے معرفت و حقیقت کی طرف رہا ہے ان کے دل میں کوئی ایسی چنگاری دبی ہوئی تھی جو کملا سکتی تھی ہاں اس کا بجھنا ممکن نہ تھا یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں عام اس سے کہ وہ ظاہری بادہ و دوست کا عکاس ہو یا سلاطین اور اکابرِ وقت کی مدح میں ہو اس میں عرفان کا ایک تڑپتا ہوا جذبہ ضرور مل جاتا ہے۔ اسی معنوی رجحان کا اثر تھا کہ آخرکار حافظ اس منزل پر پہونچ گئے جہاں انہیں "لسان الغیب" کا

۱؎ دیوان حافظ ص ١١ ۲؎ دیوان حافظ ص ٣٠٢ ۳؎ دیوان حافظ ص ١٢١
۴؎ دیوان حافظ ص ٢٥

خطاب دیدیا گیا۔ حافظ کا مرثیہ بھی اس خصوصیت سے خالی نہیں
چنانچہ ان دو اشعار کو دیکھئے جو شیخ ابو اسحٰق کے سانحۂ ارتحال پر ایک غزل میں
کہے گئے ہیں۔

یاد باد آنکہ سرِ کوئے توام منزل بود
دیدہ را روشنی از خاکِ درت حاصل بود

در دلم بود کہ بے دوست نباشم ہرگز
چہ تواں کرد کہ سعیِ من و دل باطل بود

جن اشعار میں حافظ اپنی ذاتی واردات کی تصویر کشی کرتے تھے وہ اس قسم کے اشعار سے بالکل مختلف معلوم ہوتے ہیں یہ بظاہر ایک قسم کا تضاد ضرور ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ جب اس فطری جوہر کی چنگاری کملا جاتی تھی وہ زیادہ تر اسی قسم کی تخلیقات پیش کرتے تھے جن میں ان کی ذات نمایاں رہتی تھی۔

جلال الدین توران شاہ، عہد شاہ شجاع کا نہایت ممتاز امیر تھا بعد کو وزارت کے عہدے پر بھی مامور ہو گیا تھا اس کا عہد وزارت کافی طویل ہوا حافظ کی اکثر غزلوں میں توران شاہ کا ذکر ملتا ہے اور اس انداز سے ملتا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ توران شاہ بھی عالم عرفان کی دلچسپیوں کا لذت کش تھا ایک مقام پر حافظ نے اس کے متعلق اشارہ بھی کیا ہے

من غلامِ نظرِ آصفِ عہدم کو را
صورتِ خواجگی و سیرتِ درویشانست

توران شاہ سے متعلق مدحیہ اشعار میں عرفانی کیفیات کی جھلک بھی پائی جاتی ہے۔

حافظ زاہد اور محتسب کی ریاکاری کو قطعی پسند نہ کرتے تھے اور اس پر طنز کرنا ضروری سمجھتے تھے جب اس کا موقعہ آجاتا وہ مصلحت اندیشی کے پابند نہ رہتے اور نہایت بیباکی کے ساتھ اپنا فرض ادا کر دیتے تھے۔ شاہ شجاع کے زمانہ میں خواجہ عماد ایک مشہور فقیہ تھے شاہ شجاع کو ان سے عقیدت تھی خواجہ عماد نے ایک بلی پال رکھی تھی جس وقت خواجہ نماز پڑھتے بلی بھی اسی انداز سے جھکتی اور پھر سر اٹھاتی تھی عام طور پر مشہور ہو گیا تھا کہ خواجہ کی بلی نماز پڑھتی ہے اسی زمانہ میں حافظ نے ایک غزل کہی جس میں یہ دو شعر بھی تھے۔

صوفی نہاد دام و سرِ حقّہ باز کرد
بنیادِ مکر با فلکِ حقّہ باز کرد

اے کبکِ خوش خرام کہ خوش می روی بناز
غرّہ مشو کہ گربۂ عابد نماز کرد

آخری شعر میں طنز بھی ہے اور ظرافت کی چاشنی بھی شجاع کو یہ بات ناگوار ہوئی اور اس نے حافظ کے اسلوب غزل پر وہ اعتراضات کئے جو پہلے لکھے جا چکے ہیں ان کا جواب حافظ نے نہایت معقول دیا تھا انہوں نے کہا تھا کہ ان تمام نقائص کے باوجود میری غزلیں دور دور تک مشہور ہو جاتی ہیں

۱؎ دیوان حافظ ص۲۱۰ ۲؎ دیوان حافظ ص۲۵
۳؎ دیوان حافظ ص۱۰۲

جبکہ دوسرے شعرا کا کلام شہر کی چہار دیواری سے ٹکرا کر لوٹ آتا ہے۔ اسی دوران میں حافظ نے ایک اور غزل کہی جس کا یہ شعر

گر مسلمانی ہمین است کہ حافظ دارد
وائے گر در پئے امروز بود فردائے

معرضِ بحث میں آگیا شاہ شجاع پہلے ہی سے مکدر تھا اس نے اس شعر میں قیامت کے انکار یا شک کا پہلو نکال لیا۔ حافظ نے نزاکتِ وقت کا احساس کرتے ہوئے مولانا زین الدین ابوبکر کی رائے سے مقطع سے قبل اس شعر کا اضافہ کر دیا اس طرح وہ دوسرے شخص کا مقولہ بن گیا۔

این حدیثم چہ خوش آمد کہ سحر گہ می گفت[۱]
بر درِ میکدۂ باد ف و نے ترسائے

سنہ ۷۸۳ھ میں شاہ شجاع نے شاہ منصور بن محمد بن منظفر کے لئے جگہ خالی کر دی۔ خواجہ صاحب نے اس کی تخت نشینی پر بھی غزل کی صورت میں تہنیت پیش کی۔

بیا[۲] کہ رایتِ منصور بادشاہ رسید
نویدِ فتح و ظفر تا بہ مہر و ماہ رسید

منصور کے دورِ فرمانروائی میں تیمور نے شیراز پر حملہ کر دیا اور منصور اس لڑائی کے دوران میں قتل ہو گیا۔

تیمور سنہ ۷۸۹ھ میں شیراز میں داخل ہوا۔ حافظ اور تیمور کی جس ملاقات کا حال تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے وہ غالباً اسی سن میں ہوئی دولت شاہ سمرقندی نے ملاقات کا صحیح وقت نہیں لکھا وہ سنہ ۷۹۵ھ سنہ ۱۳۹۳ء میں اس ملاقات کا ہونا ظاہر کرتا ہے۔ اس وقت تیمور دوبارہ شیراز ضرور آیا ہے لیکن حافظ اس سے پہلے یعنی سنہ ۷۹۱ھ میں انتقال کر چکے تھے۔ ایسی صورت میں سنہ ۷۹۵ھ میں ان دونوں کی ملاقات کا کوئی امکان نہیں میخانہ کی روایت کے مطابق تیمور نہایت التفات سے پیش آیا تھا۔ اس نے حافظ سے کہا تھا کہ میں نے سمرقند اور بخارا کو آباد کرنے کی کوشش میں نہ جانے کتنے ممالک کو ویران کر ڈالا اور آپ ایک خالِ ہندی پر ان شہروں کو جو میرا وطن ہیں نثار کئے ڈالتے ہیں اور پکار کر کہتے ہیں

اگر آن ترکِ[۳] شیرازی بدست آرد دلِ مارا
بہ خالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

خواجہ نہایت بذلہ سنج اور حاضر جواب تھے متانت کے ساتھ فرمایا کہ انہیں فضول خرچیوں کا نتیجہ ہے کہ فقر و فاقہ کی زندگی بسر کر رہا ہوں۔

سنہ ۷۹۱ھ میں حافظ کا انتقال ہو گیا۔ خاکِ مصلیٰ سے تاریخِ وفات برآمد ہوتی ہے۔ علامہ شبلی کا یہ ارشاد درست نہیں کہ اس میں ایک سال کی کمی ہے مصلیٰ جس کو زندگی بھر سراہتے رہے تھے ان کا مدفن ہے۔ سلطان بابر بہادر کے دورِ سلطنت میں محمد معمائی نے جو صدارت کے عہدے پر مامور تھا کافی روپیہ صرف کر کے مقبرہ تعمیر کرا دیا جس کو "حافظیہ" سے موسوم کر دیا گیا ہے۔ حافظیہ مرجع انام ہے۔ ہفتہ میں ایک روز

۱؎ دیوان حافظ ص۳۹۹ ۲؎ دیوان حافظ ص۳۹۹ ۳؎ دیوان حافظ ص۱۲۶
۴؎ دیوان حافظ ص۳۰

لوگ زیارت کو جاتے ہیں کھانے پکتے ہیں چائے نوشی ہوتی
ہے۔ مینوش حضرات شراب بھی پیتے ہیں اور حافظ کے نام کی شراب زمین پر
گرا دیتے ہیں۔

حافظ کی غزل کا انداز بالکل انفرادی ہے یہ لب و لہجہ انہیں کے لئے مخصوص ہے ان کے اشعار ایک خاص کیفیت کے آئینہ دار ہوتے ہیں ان کے کلام میں ایک ایسی سحر آفریں تاثیر پائی جاتی ہے جو دلوں کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے انہیں خصوصیات کی بنا پر کلامِ حافظ ہر جگہ مقبول ہے ہندوستان میں جب تک فارسی کا ذوق رہا دیوانِ حافظ کو بغیر ترجمہ کے پڑھا اور سمجھا جاتا رہا جب یہ مذاق کم ہوگیا تو حافظ کو پڑھنے اور سمجھنے کی غرض سے تراجم کی ضرورت ہونے لگی۔ ماضی قریب میں بعض حضرات نے وقت کے تقاضوں کا خیال کرتے ہوئے دیوانِ حافظ کے اردو تراجم شائع کئے لیکن جس انداز سے ان کی اشاعت ہوئی اس میں وہ حسن اور معیار نہ تھا جس سے جدید ذوق کی تسکین ہوتی۔ ملک میں سب سے پہلے مولانا سجاد حسین صاحب صدر، مدرسہ فتحپوری دہلی نے عوام کے ذوق کی بلندی کا احترام کرتے ہوئے دیوانِ حافظ مترجم کا ایک معیاری نسخہ بازار میں پیش کیا ترجمہ میں زبان کی سلاست روانی اور اختصار کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے اور زائد، غیر ضروری الفاظ کے استعمال سے احتراز کیا گیا ہے کوشش کی گئی ہے کہ اصل شعر کی روح ان کی رواں دواں اور آسان نثر میں منتقل ہو جائے مولانا عربی و فارسی کے نہایت ممتاز عالم ہیں اور درس و تدریس کا طویل تجربہ رکھتے ہیں انہیں فارسی اور اردو پر پوری قدرت حاصل ہے۔ مشرقی علوم کی روشنی بچپن ہی سے ان کے ذہن و دماغ کو منور کرتی رہی ہے وہ کرتپور ضلع بجنور کے ایک ایسے علمی اور تاریخی خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں جس کو قدیم زمانہ سے منصبِ قضا حاصل رہا ہے ان کے والد حکیم قاضی شمشاد حسین صاحب مرحوم نے مولانا کی تعلیم و تربیت پر غیر معمولی توجہ فرمائی مولانا ۳ نومبر سنہ ۱۹۱۰ء کو پیدا ہوئے تاریخی نام قاضی خلیل الرحمٰن (۱۹۱۱ء) اور قاضی نور العین (۱۳۲۸ھ) رکھا گیا۔ عربی اور فارسی کی ابتدائی تعلیم کرتپور ہی میں ہوئی سنہ ۱۳۴۲ھ میں انہیں دار العلوم دیوبند میں داخل کیا گیا۔ سنہ ۱۳۴۸ھ تک وہاں تعلیم پاتے رہے۔ سندِ فراغت حاصل کرنے کے بعد سنہ ۱۳۴۹ھ سے مدرسہ فتحپوری دہلی میں درس کی خدمات انجام دینا شروع کیں اور سنہ ۱۹۴۷ء میں صدر مدرس کے منصب پر پہونچ گئے۔ اگرچہ مولانا عربی علوم میں پوری مہارت پیدا کر چکے تھے لیکن علم کی پیاس نہیں بجھی تھی چنانچہ انہوں نے پڑھانے کے ساتھ پڑھنے کا سلسلہ جاری رکھا اور سنہ ۱۹۳۴ء میں الہ آباد بورڈ سے فاضل ادب کا امتحان دیگر تمام بورڈ پر درجہ اول میں کامیابی حاصل کی پھر سنہ ۱۹۳۵ء میں پنجاب یونیورسٹی سے آنرز ان عربک (مولوی فاضل) پاس کیا جس میں تمام یونیورسٹی میں اول آئے اور نقرئی میڈل حاصل کیا۔ اس کے علاوہ منشی فاضل درجہ اول میں پاس کیا اور عربی و فارسی کے دوسرے امتحانات بھی دیئے۔ تصنیف اور ترجمہ کے مشاغل سے فطری دلچسپی تھی ان کی کتاب التوشیحات جو عربی کی شہرۂ آفاق کتاب سبعہ معلقات کی شرح ہے ہند و پاک کے علمی حلقوں میں کافی مقبول ہے۔ انہوں نے گلستاں۔ بوستان اور اخلاق محسنی کے تراجم بھی کئے ہیں۔ ان وجوہ سے دیوانِ حافظ کے ترجمہ میں ان خصوصیات کی موجودگی جن کا ابھی ذکر کیا جا چکا ہے تعجب خیز نہیں۔ بحالت موجودہ مولانا ہمدرد دواخانہ میں معاون متولی کے فرائض بھی انجام دے رہے ہیں۔

مولانا سجاد حسین صاحب کے دیوانِ حافظ مترجم کا پہلا اور دوسرا ایڈیشن ملک میں بہت زیادہ مقبول ہوا ہے۔ اس قبول عام کے پیشِ نظر انہوں نے ایک قدم اور آگے بڑھایا ترجمہ اور

حاشیہ پر نظرِ ثانی کر کے تیسرا ایڈیشن عکسی آفسیٹ پر چھپوانے
کا اہتمام کیا یہ کام بڑی جراتِ مردانہ کا طالب تھا۔ اسی نسبت سے مصارف
کا بار بڑھ رہا تھا۔ مولانا نے عشق نبرد پیشہ کے اس چیلنج کو قبول کیا اور اس
ایڈیشن میں انہوں نے ایرانی مصنفین کی ان تخلیقات کے حسن اور معیار کو پیش نظر رکھا
ہے جو ایران میں حافظ کے متعلق مصور اور غیر مصور شائع ہو رہی ہیں۔ یوں مولانا بھی ذاتی طور پر آرٹ سے دلچسپی
رکھتے ہیں شاید یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ترجمہ کے لئے دیوان حافظ کا انتخاب کیا جو ایران کا بہت بڑا حسن دوست
اور غنائی شاعر ہے وہ مناظر قدرت پر جہاں چھڑکنے کا خوگر ہے رکناباد کی حسین لہروں سے دل کی دھڑکنوں میں اضافہ
کرتا ہے اور مصلّیٰ میں عطر بیز ہواؤں سے دماغ کو معطر کرتا ہے حافظ کی غزلیہ شاعری کا محور ہی حسن و شباب اور جمال
و رعنائی ہے وہ ظاہری خوبصورتی کی عکاسی کریں یا ماورائی محبوب کے زلف و رخسار کی تصویر کشی، اس میں حسن کا
ایک مخصوص تصور کار فرما رہتا ہے مجلسی زندگی میں بھی مولانا کی اس خصوصیت کا اظہار ہوتا رہتا ہے وہ نہایت ہنس مکھ
اور بذلہ سنج ہیں ۱۹۶۶ء میں صدر جمہوریہ ہند نے انہیں سرٹیفکیٹ آف آنر زان پر شین دیا ہے۔ جس کی تاریخ قمر
سنبھلی صاحب نے یہ نکالی ہے:

قاضی سجاد کو خوب آج یہ انعام ملا
حق کے الطاف و عنایت کا ایک انداز ہے یہ
عیسوی میں کہی بے ساختہ تاریخ قمر
محض اللہ کا بخشا ہوا اعزاز ہے یہ
۱۹۶۶ء

[۱] فارسی وہ زبان ہے جس نے ہندوستان پر بڑے خوبصورت نقش و نگار بنائے ہیں اردو پر فارسی کا اثر بہت گہرا
ہے جس طرح مغلوں کے ان نقوش کو ملک کی تہذیب اور کلچر سے محو نہیں کیا جا سکتا جو صدیوں تک ابھرتے رہے ہیں اور
اب اس کے جوہر میں سرایت کر چکے ہیں اسی طرح فارسی کی حلاوت کو اردو سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اردو کی بین الاقوامی
شہرت اور مقبولیت میں فارسی کا حصہ بہت زیادہ ہے۔ فارسی نہایت میٹھی رسیلی اور اثر انگیز زبان ہے اس میں
روبان اور وہ نزاکت و رعنائی ہے جو صرف محسوس ہی کی جا سکتی ہے اس زبان کے اشعار میں بھی بڑی دل نشین
تاثیرات پائی جاتی ہیں۔ یہ کافی مالدار زبان ہے اور لٹریچر کا بہت بڑا ذخیرہ اپنے دامن میں رکھتی ہے فارسی کی
بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں قوم پرستی اور وطن دوستی کا عنصر زبند ہے۔ ایران کی تاریخ سے ظاہر ہے کہ قوم پرستی
کا جذبہ ہر دور میں وہاں موجود رہا ہے حملہ آوروں نے بار بار اسے فتح کیا ہے لیکن ان کے قدم سرزمین فارس پر
جمنے نہیں پائے کسی نہ کسی نوبت پر انہیں ملک و مکان سے جانا ہی پڑا۔ ایران کے باشندے اپنی حکومت ہی
کے سامنے سر جھکانے کے خوگر ہیں وہ کسی بیرونی پرچم کے آگے سرنگوں رہنا پسند نہیں کرتے۔ فارسی کتابوں
کے تراجم کی وساطت سے حب الوطنی کی یہ شراب بھی چھن چھن کر آتی رہی ہے فارسی لٹریچر کو اردو لباس
پہنانے کا سب سے بڑا فائدہ یہی ہے۔ خاص طور پر حافظ جیسے بین الاقوامی فنکار
کی تخلیقات کو اردو میں منتقل کرنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ وہ مختلف

---

[۱] ملاحظہ ہو — IRAN TO-DAY

فرقوں میں یک جہتی اور ہم آہنگی کی روح پیدا کرنے کے محرک ہیں وہ صوفی ازم کے علمبردار تھے جس میں سب سے زیادہ اہمیت انسانیت کو حاصل ہے مذہب ان کے یہاں ثانوی درجہ رکھتا ہے۔

ہمارے ملک میں بیرونی زبانوں کی تعلیم پر کافی توجہ کی جا رہی ہے۔ فارسی اور عربی کالجوں میں بھی پڑھائی جاتی ہے اور جو لوگ فارسی کا ذوق رکھتے ہیں وہ انفرادی طور پر اس کے لٹریچر کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ہندوستان ہر ملک سے دوستانہ تعلقات استوار رکھنا چاہتا ہے۔ وہ امن اور دوستی کی بنیاد پر بقائے باہمی کے عقیدہ کا احترام کرتا ہے۔ ایران سے بھی اسی اصول پر ہندوستان کے روابط بالکل دوستانہ ہیں۔ ان حالات میں فارسی تراجم کی اہمیت اور افادیت مسلم ہے۔ مولانا سجّاد حسین صاحب کو عربی اور فارسی سے گہری دلچسپی ہے۔ ان کی ذات سے یہ توقع بیجا نہیں کہ وہ اپنے کام کو نہ صرف جاری رکھیں گے بلکہ اس کی رفتار تیز اور اس کا دائرہ وسیع کردیں گے۔ اسی کے ساتھ مجھے یہ بھی یقین ہے کہ دیوان حافظ کا یہ معیاری ایڈیشن عام طور پر پسند کیا جائے گا اور ملک میں اس کا پرجوش خیر مقدم ہوگا۔

کوثر چاند پوری
ہمدرد ریسرچ کلینک اینڈ نرسنگ ہوم
آصف علی روڈ۔ نئی دہلی۔ ۱۹۷۳ء

کلام حافظ اور فال

مولانا محمد میاں صاحب قمر دہلوی، مسجد فتحپوری دہلی

حافظ کا کلام جس طرح رندانِ قدح خوار کے لئے سرمستی اور خوش عیشی کا ذریعہ ہے۔ اسی طرح ہمیشہ سے اہلِ باطن بھی اس سے استفادہ کے قائل رہے ہیں۔ اہلِ صفا کی مجلسیں حافظ کے زمزموں سے گونجتی رہی ہیں اور ان پر حافظ کے اشعار سے وجد حال کی کیفیتیں طاری ہوتی رہی ہیں۔

ایک بہت بڑا طبقہ ہے جو اپنی مہموں اور پیش آنے والے واقعات میں حافظ کے کلام سے فال نکال کر اپنے قلب کو مطمئن کرتا رہا ہے اور حافظ کی صدا کو ایک غیبی آواز یقین کر کے اپنے کاموں کی اس کو بنیاد بناتا رہا ہے اور حافظ و کلامِ حافظ کو لسان الغیب کا درجہ دیتا رہا ہے تیموری بادشاہ اپنی تمام مہموں میں دیوانِ حافظ سے راہنمائی حاصل کرتے رہے ہیں۔ ہمایوں، اکبر اور جہانگیر ہی نہیں بلکہ عالمگیر بھی دیوان حافظ سے فال لے کر پیش قدمیاں کرتا رہا ہے۔

حافظ کے تذکرہ نگاروں نے ایسے سینکڑوں واقعات نقل کئے ہیں جن سے فال نکالنے والوں کو حافظ کے کلام سے محیّر العقول اشارے حاصل ہوئے ہیں۔ ہم ان میں کے کچھ واقعات نقل کرتے ہیں۔

تذکرہ حسینی میں مذکور ہے (۱) ایک شخص کا لڑکا گم ہوگیا تھا تلاش اور جستجو کی گئی لیکن لڑکے کا کچھ پتہ نہ چلا اس نے دیوانِ حافظ سے فال نکالی تو یہ شعر سامنے آیا؎

فاش میگویم واز گفتۂ خود دلشادم — بندۂ عشقم واز ہر دوجہاں آزادم

اس شعر میں جو اشارہ تھا وہ نہ سمجھ سکا۔ کچھ عرصہ بعد اس کو اُس کا لڑکا ایک خانقاہ میں فقیرانہ لباس میں ملا اس نے اپنے لڑکے سے احوال دریافت کئے تو اس نے بتایا کہ میں نے فرقۂ آزاداں اختیار کر لیا ہے اور میں شاہ عشق اللہ کا مرید ہوگیا ہوں۔ اس نے شاہ عشق اللہ سے درخواست کی اُنہوں نے اس لڑکے کو باپ کے حوالے کیا تب اس پر دیوانِ حافظ کے شعر کا مطلب واضح ہوا۔

(۲) مولوی احمد رضا کو اپنے ایک شاگرد بنیاد خاں سے بہت محبت تھی بنیاد خاں کی بیماری پر مولوی صاحب نے فال نکالی تو یہ شعر نکلا؎

ماکہ دادیم دل ودیدہ بطوفانِ بلا
گو بیا سیلِ غم و خانہ ز بنیاد ببر

دوسرے ہی روز بنیاد خاں کا انتقال ہوگیا۔

(۳) ایک شخص کا بھائی قید تھا اس نے دیوانِ حافظ

سے فال نکالی تو یہ مصرع سامنے آیا ؎

کہ دم ہمتِ ما کرد زبند آزاد ست

اسی روز اُس کا بھائی قید سے رہائی پاکر گھر آگیا۔

(۴) ہمایوں بادشاہ نے جب ایرانی فوج لے کر ہندوستان پر حملہ کا ارادہ کیا تو دیوانِ حافظ سے فال نکالی یہ شعر سامنے آیا ؎

عزیزِ مصر برغمِ برادرانِ غیور　　　زقعرِ چاہ برآمد براوجِ ماہ رسید

تاریخ داں صاحبان جانتے ہیں کہ اس حملہ میں سب بھائیوں کو شکست دیکر وہ ہندوستان پر قابض ہوا ۔

(۵) جہانگیر بنگال کی مہم پہ جارہا تھا دیوان حافظ سے فال نکالی تو یہ شعر سامنے آیا ؎

خوردہ ام تیرِ نظر بادہ بدہ تا برست　　　دست در بند کمر ترکشِ جوزا فگنم

اس مہم میں عثمان جو کہ بالمقابل تھا کی پیشانی پر تیر لگا اور وہ مرگیا اور جہانگیر بنگال پہ قابض ہوگیا۔

(۶) جہانگیر، اکبر کی ناراضگی کی وجہ سے الہ آباد میں مقیم تھا اور آگرہ کا سفر کرنے میں متردد تھا دیوانِ حافظ سے فال لی تو یہ غزل برآمد ہوئی ؎

چرا نہ در پئے عزمِ دیارِ خود باشم　　　چرا نہ خاکِ رہِ کوئے یارِ خود باشم

آگرہ پہونچا باپ سے تعلقات استوار ہوئے ۔ چند روز بعد اکبر کی وفات ہوئی اور جہانگیر تخت و تاج کا وارث بنا۔

(۷) شاہانِ صفویہ میں کا شاہ عباس ثانی تبریز پر لشکر کشی کا ارادہ کر رہا تھا دیوان حافظ سے فال لی تو یہ شعر برآمد ہوا ؎

عراق و پارس گرفتی بشعرِ خوش حافظ　　　بیا کہ نوبتِ بغداد و وقتِ تبریز است

تاریخ شاہد ہے کہ شاہ عباس نے اس مہم میں تبریز کو فتح کرلیا۔

(۸) اس سلسلہ میں حافظ کی نمازِ جنازہ اور تدفین کا بھی دلچسپ واقعہ ہے حافظ کے انتقال کے بعد ان کے مخالفین نے کچھ شور و غوغا کیا نمازِ جنازہ اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کی مخالفت شروع کردی۔ اسلامی عقائد کے سلسلہ میں ان کا کلام زیرِ بحث آیا تو سب سے پہلے یہ شعر سامنے آیا ؎

قدم دریغ مدار از جنازۂ حافظ　　　کہ گرچہ غرقِ گناہ است میرود بہ بہشت

اس پر باتفاقِ رائے نمازِ جنازہ ہوئی اور جنازہ خاکِ مصلیٰ کی سپرد کردیا گیا۔

(۹) سلطنت صفویہ کا بانی شاہ اسماعیل جس نے شیعیت کو ایران کا مذہب قرار دیدیا تھا اور سنی بزرگوں کے مقبروں کو ڈھانے کا بھی حکم جاری کر دیا تھا۔ ایک روز ایک شیعہ عالم ملاگس کے ساتھ خواجہ حافظ کے مزار کے پاس سے گذرا ملاگس نے خواجہ حافظ کے مزار کو مسمار کرنے کا مشورہ دیا تو شاہ اسماعیل نے دیوانِ حافظ سے فال نکالی تو یہ شعر نکلا ؎

جوزا سحر نہاد حمائل برابرم　　　یعنی غلام شاہم و سوگند میخورم

شاہ اسماعیل نے اس شعر کا مطلب یہ لیا کہ حافظ اس کا تابع اور فرمانبردار ہے ملاگس کے مزید اصرار پر اس نے دوبارہ فال نکالی تو حسبِ ذیل شعر برآمد ہوا ؎

اے مگس حضرتِ سیمرغ نہ جولانگہ تست
عرضِ خود میبری و زحمتِ ما میداری

(۱۰) فتح علی سلطان ایک نہایت حسین نوجوان تھا۔ خواجہ حافظ کے مزار کے پاس پہونچا اور فال نکالی تو یہ شعر نکلا ؎

سرمست با قبائے زر افشاں چو بگزری — یک بوسہ نذرِ حافظِ پشمینہ پوش کن

فتح علی نے کہا کہ ایک بار نہیں بلکہ دو بار بوسہ دوں گا لیکن بوسہ نہ دیا اور واپس ہوگیا۔ اگلے ہفتہ پھر مزار پر پہونچا اور فال نکالی تو یہ شعر برآمد ہوا ؎

گفتہ بودی کہ شوم مست و دو بوست بدہم — وعدہ از حد بشد و ما نہ دو دیدیم و نہ یک

فتح علی نے پھر کہا کہ میں دو بوسے نہیں بلکہ تین بوسے دوں گا اور پھر بغیر بوسے دئے چلا گیا۔ تیسری بار جب خواجہ صاحب کے مزار پر پہونچا اور فال نکالی تو یہ شعر برآمد ہوا ؎

سہ بوسہ کز دولبت کردہ حوالتِ من — اگر ادا نہ کنی وام دارِ من باشی

فتح علی اپنی جگہ سے اٹھا اور بے اختیار پے در پے مزار کو بوسے دئے۔

دیوانِ حافظ سے فال نکالنے کے مختلف طریقے رائج رہے ہیں۔ بعض صاحبان بسم اللہ پڑھکر دیوانِ حافظ کھولتے ہیں۔ اور پھر کسی شعر پر انگلی رکھ کر اس شعر کے مطلب سے فال نکالتے ہیں۔

بعض صاحبان دیوانِ حافظ کھولکر دائیں صفحے کے ساتویں شعر سے فال لیتے ہیں۔

بعض صاحبان نے فال نکالنے کی حسبِ ذیل جدولیں تجویز کی ہیں۔ جنسے فال نکالنے کا طریقہ یہ ہے۔

فال نکالنے کا طریقہ

جب فال نکالنے کا ارادہ ہو، پہلے معلوم کریں کہ دن یا رات کے چار پہروں میں سے کونسا پہر ہے (رات اور دن کے آٹھوں پہروں کی جدولیں الگ الگ دیگئی ہیں) پھر اُس پہر کی جدول نکال کر پہلے باوضو سورۂ فاتحہ پڑھکر خواجہ حافظ کی روح کے لئے ایصالِ ثواب کریں۔ پھر سورۂ فاتحہ ایک بار قل ھو اللہ تین بار، اوّل و آخر درود شریف سات سات بار پڑھیں اور اپنے مقصد کا خیال کرکے اس جدول کے کسی خانہ میں انگلی رکھدیں اور اس خانہ میں جو حرف ہو اس کو الگ کاغذ پر لکھ لیں پھر لکھے ہوئے حرف کے علاوہ (بائیں سے دائیں) چھ حروف چھوڑنے کے لئے اس جدول کے اوپر لکھا ہوا تے حروف گن کر اگلا حرف بھی اُسی کاغذ پر، پہلے لکھے ہوئے حرف کی برابر دائیں طرف لکھ لیں جب سطر ختم ہو جائے تو اس سے اوپر والی سطر میں بائیں سے دائیں یہی عمل کریں یہانتک کہ سب سے اوپر والی (پہلی) سطر پر پہنچ جائیں۔ اگر اس سطر میں کچھ خانے ایسے بچ جائیں جو حساب میں نہ آتے ہوں تو اُنہیں چھوڑ دیں۔

پھر اس کے بعد (جس حرف پر انگلی رکھی تھی) اُس سے آگے دائیں سے بائیں اسی طرح حروف گن گن کر، کاغذ پر لکھے ہوئے حروف کی سطر میں بائیں طرف لکھتے جائیں جب سطر ختم ہو جائے تو اُس سے اگلی نیچے والی سطروں میں سے گن تے

اور کاغذ پر لکھتے جائیں یہانتک کہ سب سے نیچے
والی آخری سطر پر پہنچ جائیں۔ اگر اس سطر میں کچھ حروف زائد بچ
جائیں جو حساب میں نہ آئیں تو اُنہیں بھی چھوڑ دیں۔

اب ان حروف کو جو مذکورہ طریقہ سے کاغذ پر جمع کئے ہیں، ملاکر دیکھیں تو ضرور غزلیاتِ حافظ میں سے کسی غزل کے مطلع کا پہلا مصرع بن گیا ہوگا۔ پھر اس مصرع کو دیوانِ حافظ میں تلاش کرکے اس کے ترجمے اور مفہوم سے اپنا مطلب نکالیں۔

مثال

رات کی جدولوں میں سے پہلے پہر کی جدول ۵ میں حرف ج پر انگلی رکھی۔ جو اوپر سے نیچے ساتویں سطر میں ہے۔ اس ج کو الگ کاغذ پر لکھ لیا۔ پھر اس جدول کے اوپر لکھی ہوئی ہدایت کے مطابق ج کے علاوہ سات حروف بائیں سے دائیں چھوڑ کر اگلا حرف ن کاغذ پر لکھے ہوئے ج کی داہنی طرف بڑھا دیا۔ اسی طرح اوپر والی سطروں میں سے بائیں سے دائیں سات سات حروف چھوڑ کر اگلا حرف کاغذ پر داہنی طرف بڑھاتے رہے یہانتک کہ سب سے اوپر والی سطر میں ب تک پہنچ گئے۔ باقی چار حرف چونکہ حساب میں نہیں آتے اس لئے اُنہیں چھوڑ دیا۔

پھر اسی طرح (اُس ج سے آگے جس پر انگلی رکھی تھی) دائیں سے بائیں سات سات حروف چھوڑ کر اگلا حرف، کاغذ پر لکھے ہوئے حروف کی بائیں طرف بڑھاتے رہے یہانتک کہ سب سے نیچے والی سطر میں پہلے ش تک پہنچ گئے۔ جس کے بعد تین حروف بچے جو حساب میں نہ آنے کی وجہ سے چھوڑ دئے۔ تو کل حرف حسب ذیل ہوئے۔

ب ا غ ب ا ن گ ر پ ن ج روزی ص ح ب ت گ ل ب ا ی د
ش جنسے یہ مصرع بن گیا۔ ع

باغباں گر پنج روزی صحبتِ گل بایدش

نوٹ

وہ وقت جس میں رات اور دن ملتے ہیں۔ اور اُس وقت کو نہ دن کہہ سکتے ہیں نہ رات۔ ایسے وقت کی جدول بھی علیحدہ ہے جو رات اور دن کی آٹھوں جدولوں کے بعد درج کیگئی ہے۔

اس علم میں چونکہ ہمزۂ اضافت کو مستقل حرف تسلیم نہیں کیا گیا ہے اس لئے جو مصرع برآمد ہوگا اس میں ہمزۂ اضافت نہیں ہوگا۔ لیکن پڑھنے میں اگر ایسا ہمزہ ادا نہیں کیا گیا تو نہ صرف وزنِ شعر غلط ہوگا بلکہ شعر کے صحیح مفہوم تک رسائی بھی مشکل ہو جائے گی۔ نیز الف مقصورہ ی کی صورت میں برآمد ہوگا۔

دن کے پہلے پہر کی جدول نمبر ۱

اس میں سات سات حروف چھوڑ کر اگلا حرف لیا جائیگا۔

	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳
۱	ر	د	م	ا	د	و	ح	خ	و	ا	ن	ی	ا
۲	ق	و	و	ز	د	م	ق	ن	ت	ش	ص	ک	ل
۳	ک	ب	ی	ر	ا	ت	ا	ر	ہ	ا	ک	ا	د
۴	ر	ر	ا	د	ی	ہ	غ	م	ز	ی	ف	ی	ب
۵	چ	ن	ی	ع	س	ل	ے	ا	ی	ی	ک	ی	ت
۶	ک	ہ	د	س	م	ہ	ش	ک	ث	ب	ش	ت	ت
۷	ر	ص	ہ	ر	د	ا	د	د	ر	ح	م	ا	ی
۸	ہ	و	ا	ا	ب	ا	ج	ر	ی	ل	ن	ء	ت
۹	ر	ر	ا	ر	ت	ا	ی	و	ا	ع	ر	ا	د
۱۰	ن	و	ب	ن	ہ	د	س	ی	ق	گ	ا	ک	ک
۱۱	ر	ت	د	ر	و	ع	ر	ش	س	ب	ا	ر	ی
۱۲	و	ا	پ	ت	ر	ر	ک	م	پ	ن	ی	ک	ب
۱۳	ی	ہ	ت	ہ	م	ا	ر	ا	ا	ب	ب	ا	ی
۱۴	ل	د	ل	ر	ت	س	ر	د	ہ	م	ا	د	و
۱۵	ل	ح	ا	ب	ب	ی	ی	ا	ا	ی	ر	ا	ا
۱۶	ت	ر	ن	م	س	ی	د	ز	و	ن	ی	ت	ت

	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲
۱	ز	ا	ع	س	ز	بـ	س	ہ	ی	ی	ح	ب
۲	لفـ	ـا	کی	ـد	عد	ـہ	ـا	ـا	ق	ـجـ	ر	س
۳	حـ	ع	لـ	ی	جـ	حـ	ـت	و	و	ـب	ب	س
۴	مـ	فـ	ـب	صـ	لـ	ـنـ	ـت	لی	مـ	لـ	ـلـ	ب
۵	ـہـ	ـہـ	حـ	ـہـ	ـب	ـت	ـل	ـے	ـنـ	ـہـ	ـس	ل
۶	[illegible]	طـ	ـب	مـ	ـبـ	مـ	ـسـ	یـ	ظـ	طـ	ـجـ	ی
۷	کـ	ی	ا	ـے	ـے	ـن	ـہ	ل	ـد	ـت	ـبـ	ـہ
۸	یـ	ـو	ـیں	ل	ـد	لـ	ـب	ک	یـ	ل	ـیـ	ـے
۹	مـ	ـے	ـہ	ـت	قـ	مـ	ی	ن	ـتـ	ی	ـجـ	ـیے
۱۰	ی	ـتـ	ـت	ف	لـ	ـد	ـب	شـ	ضـ	ـس	ـے	ـے
۱۱	ک	ی	ر	ـے	ـے	ـبـ	ـب	ل	ـا	مـ	ضـ	ی
۱۲	ز	ـا	خ	ـر	د	ـر	لـ	ج	ز	ر	پ	ـے
۱۳	لـ	ـے	لـ	لـ	ـے	ا	پ	لن	ی	مـ	کی	ـے
۱۴	ـے	لـ	ا	س	ـہ	ـے	ـہ	ـو	غ	ب	ت	ا

دن کے دوسرے پہر کی جدول نمبر ۲

اس میں چھ چھ حروف چھوڑ کر اگلا حرف لیا جائیگا۔

دن کے تیسرے پہر کی جدول ۳

اس میں چھ چھ حروف چھوڑ کر اگلا حرف لیا جائیگا

	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲
۱	د	ب	ا	ی	ش	گ	ا	د	ا	ی	ح	ر
۲	ل	ی	ش	ر	پ	ر	ا	ب	د	ر	ہ	ی
۳	ز	ب	ن	ل	ف	ا	ک	ہ	ل	ع	ا	ت
۴	گ	پ	ا	ع	ی	گ	م	ف	ی	ت	ل	ش
۵	ہ	پ	ت	ج	ف	ک	م	ا	د	ہ	ج	ع
۶	ش	ی	ز	ر	ا	ی	ی	د	د	ج	م	م
۷	ت	پ	ر	م	ا	ی	د	ہ	م	ہ	د	ہ
۸	ک	پ	ج	ر	ی	س	ز	د	ا	ہ	ب	م
۹	ط	ن	ہ	ر	ن	ی	ہ	ق	خ	خ	د	ک
۱۰	ی	ج	ی	د	ج	گ	م	م	پ	گ	ا	ا
۱۱	ہ	ی	ت	ی	ل	ن	پ	م	ف	ی	ن	ع
۱۲	ب	ا	ی	ی	ہ	ا	ز	د	ل	گ	ی	پ
۱۳	ن	ا	ر	و	و	ت	گ	پ	ر	ا	د	ی
۱۴	ل	و	ی	ک	ع	ہ	م	گ	ش	ن	و	ی

	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱
۱	ا	ب	چ	ش	ح	م	ص	ی	ع	ن	م
۲	ط	ز	ب	ن	ہ	د	م	ع	ر	ا	د
۳	د	ا	ت	ذ	ع	ب	ر	گ	ن	ر	ا
۴	س	ہ	چ	ل	ک	و	ر	ب	ت	ش	ش
۵	ہ	ح	ی	ز	ہ	م	د	گ	و	ا	ف
۶	ن	م	م	ف	د	ر	ل	ی	ن	ا	ت
۷	ا	ک	ک	ت	س	ز	ن	د	ہ	د	پ
۸	خ	ت	د	و	ب	ی	ی	ن	و	غ	ش
۹	گ	د	ر	ی	ب	م	م	ر	م	م	ہ
۱۰	ہ	ب	ت	ف	د	ی	س	ش	ا	ب	ت
۱۱	د	ف	ت	ر	ط	ر	م	ا	ر	گ	ا
۱۲	ب	ق	ا	س	د	و	ب	ی	و	ہ	م
۱۳	ش	ش	ح	ب	ص	ا	ہ	ا	ک	ج	ا
۱۴	ا	ز	ن	م	ن	ل	ن	ل	و	و	د

دن کے چوتھے پہر کی جدول ۴

اسمیں چھ چھ حروف چھوڑ کر اگلا حرف لیا جائیگا

رات کے پہلے پہر کی جدول ۵

اس میں سات سات حروف چھوڑ کر اگلا حرف لیا جائیگا

	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳
۱	ن	م	ر	د	ب	ن	د	ی	و	ی	و	ا	ا
۲	ک	ا	ا	ب	س	ز	ن	غ	ت	م	ر	ہ	و
۳	ع	ی	ب	ہ	ن	ب	ا	ز	ی	ک	ا	د	ک
۴	ا	ر	م	د	ہ	ن	ل	ش	ن	س	ا	س	چ
۵	گ	ک	ا	ن	ت	ز	ت	ن	ر	ش	ن	و	د
۶	ب	و	گ	پ	ب	ہ	گ	ہ	ہ	م	و	ن	گ
۷	م	ل	ا	ا	ن	ع	ع	د	ی	ج	ی	ق	۱۰
۸	ہ	ہ	ی	ن	ن	ک	ت	م	د	و	م	ش	د
۹	و	ر	ر	چ	ز	خ	د	ا	ش	و	و	ہ	ی
۱۰	ا	د	ن	ک	ا	ز	ت	ص	ل	ر	ک	ہ	ز
۱۱	د	ق	ح	ا	ش	ہ	خ	ج	ر	ر	ب	ن	ر
۱۲	س	و	ف	ا	ی	ت	م	ب	پ	ش	ا	ن	ر
۱۳	گ	ہ	ز	ر	د	ب	ت	م	ل	ر	ر	د	ل
۱۴	گ	د	ی	ب	و	ک	ی	ب	ر	ب	ک	ا	ب
۱۵	ش	ب	ا	و	ی	ن	ی	ب	ی	م	ش	ا	ر
۱۶	ن	د	ی	د	ن	ی	ن	م	د	ش	ن	ہ	ش

۵

	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲
۱	ا	م	د	م	ن	ہ	ا	ی	ر	ر	ب	ی
۲	ز	گ	ا	ح	خ	ا	س	ا	ر	ز	ب	ر
۳	د	ت	ر	ب	ف	ا	ا	ک	ک	د	ک	ر
۴	ط	ب	س	س	ش	و	و	ا	ا	چ	ر	م
۵	ی	غ	ء	ت	و	ا	ن	ت	ر	ر	م	م
۶	ز	م	و	و	ف	غ	ن	ک	ا	ب	ی	ر
۷	ا	خ	م	ر	ا	ت	خ	ن	س	ن	م	ش
۸	ر	ر	ن	ت	د	ی	د	و	خ	و	ہ	س
۹	ک	م	ش	ف	ر	م	ر	ن	ر	ن	ر	خ
۱۰	ب	ز	ن	ا	چ	خ	د	ت	ل	د	م	ر
۱۱	ن	ا	ل	ف	ق	ج	ا	د	م	ا	ت	ص
۱۲	ا	غ	ہ	ی	ی	و	د	ل	د	پ	ب	ف
۱۳	خ	ہ	و	ی	ی	ی	ر	ل	ل	ص	د	ا
۱۴	ن	ا	ا	ا	و	ہ	م	م	ق	ص	ک	ل

۶

رات کے دوسرے پہر کی جدول ۶

اس میں چھ چھ حروف چھوڑ کر اگلا حرف لیا جائیگا

رات کے تیسرے پہر کی جدول ۷

اس میں چھ چھ حروف چھوڑ کر اگلا حرف لیا جائے گا۔

	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲
۱	ج	م	گ	چ	م	گ	ب	ا	ڑ	ر	ہ	ن
۲	ل	ج	ی	د	چ	ق	م	ع	د	ح	ہ	ہ
۳	ا	غ	ذ	و	ض	و	ا	م	ر	ا	ج	و
۴	ص	ف	ت	ی	ر	ہ	ر	ل	ت	ی	ب	ی
۵	د	و	ت	ا	ک	د	ز	چ	گ	و	ذ	ہ
۶	ی	گ	و	ل	ک	ز	ز	ا	ل	ک	ش	و
۷	ز	س	ر	س	ا	ن	ک	ل	ر	و	ت	ر
۸	ا	ز	ف	ت	ت	ا	ی	م	س	ت	ا	و
۹	ن	ن	ن	ر	گ	ق	ء	ج	م	س	ج	ر
۱۰	د	ی	ہ	ی	ت	ا	ہ	م	ع	ا	ر	ا
۱۱	ن	ی	ہ	ر	ن	و	ی	ب	د	م	ی	م
۱۲	د	ن	ر	ر	ہ	ب	ا	ا	س	خ	ک	ج
۱۳	ن	ر	ز	ر	ی	ا	ا	و	ا	پ	ا	ز
۱۴	ر	ن	ا	ب	ی	ی	م	م	ی	ز	س	ش

	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱
۱	د	د	ا	ا	ب	د	س	ی	ر	ی	ی
۲	ش	ر	ت	د	ا	ن	د	ر	د	ا	ا
۳	ز	د	ل	ی	م	ر	ر	ل	ر	ب	ا
۴	ا	ہ	ش	پ	چ	ک	ذ	ز	ب	د	ر
۵	ش	و	ا	ی	د	م	ت	م	ی	ل	ا
۶	ر	ی	و	م	ع	س	ر	خ	س	ح	ن
۷	ش	ل	س	ش	ر	س	س	ق	ا	ت	ی
۸	و	ن	خ	گ	م	و	د	ب	ت	ن	ذ
۹	ت	د	و	و	ز	ی	ا	ح	ر	م	س
۱۰	ت	ہ	ر	ل	م	ا	و	ج	س	ی	ت
۱۱	ا	ہ	ک	ل	ت	ن	ب	ن	م	ن	ی
۱۲	ک	م	ذ	ن	ج	ا	د	و	ی	ی	ی
۱۳	ل	ر	م	ش	ک	س	ز	س	ہ	ز	ک
۱۴	ن	ل	ہ	ش	م	و	ن	ی	م	م	د

رات کے چوتھے پہر کی جدول ۸

اس میں لکھے جانیوالے حرف کے علاوہ چھ حروف چھوڑ کر اگلا حرف لیا جائے گا۔

رات اور دن کی مشترک جدول ۹

اِس میں، لکھے ہوئے حرف کے علاوہ چھ ۶ حروف چھوڑ کر اگلا حرف لکھا جائیگا۔

	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱۴
۱	ی	ت	م	ب	د	ک	ر	و	ر	ی	ل	ر	ن	و
۲	س	ک	ر	ب	خ	ا	ز	ف	م	م	ل	ت	ر	گ
۳	گ	ن	ن	ی	د	ا	ا	م	چ	خ	ب	و	ب	ر
۴	گ	و	و	ر	س	و	ی	ش	ن	ش	گ	ت	پ	ش
۵	ت	ج	م	گ	ی	ا	د	ہ	ع	ی	ل	ب	ی	ک
۶	ب	د	ر	ی	ن	ب	ہ	ا	م	د	خ	ش	ی	د
۷	ز	ش	ی	و	ا	د	ر	ا	ک	ک	ش	ن	و	م
۸	ی	ی	ا	ر	ک	ط	ی	د	ن	ن	ن	ہ	ب	خ
۹	ب	گ	د	گ	ک	ع	ا	ک	ر	ر	د	ا	ش	ن
۱۰	ن	د	س	ر	م	ع	ہ	ع	ک	ر	م	د	ر	خ
۱۱	ا	ا	ا	ن	ل	و	د	ن	ک	پ	ق	ب	ی	م
۱۲	غ	ل	ا	ا	ب	ا	ت	م	ب	م	ر	ا	ر	م
۱۳	م	ش	ی	د	ر	ی	ی	خ	ک	ر	ا	ا	خ	ک
۱۴	و	ن	م	ش	ر	و	ن	ر	د	ت	ت	د	ش	م

اَلَا یَا اَیُّھَا السَّاقِی اَدِرْ کَاْسًا وَّ نَاوِلْھَا ۔ کہ عشق[1] آساں نمود اوّل ولے افتاد مشکلہا

آگاہ! اے ساقی پیالے کا دور چلا، اور وہ دے ۔ کیونکہ ابتداءً عشق آسان نظر آیا لیکن مشکلیں آن پڑیں

بوئے[2] نافہ کاخر صبا زاں طرّہ بکشاید ۔ زتابِ جعدِ مُشکینش چہ خوں افتاد در دلہا

اس نافہ کی مہک کی قسم، جو آخر، صبا اُس طرہ سے کھولیگی ۔ اس کے مُشکیں گھنگرالو بالوں کی شکن کیوجہ سے دلوں میں کس قدر خون پڑ گیا ہے

بمے سجّادہ رنگیں کن گرت پیرِ مُغاں گوید ۔ کہ سالک[3] بیخبر نبود زراہ و رسمِ منزلہا

اگر تجھے پیرِ مُغاں کہے تو مصلّیٰ شراب سے رنگ دے ۔ اس لیے کہ سالک منزلوں کی رسم و راہ سے بیخبر نہیں ہوتا ہے

مرا در منزلِ جاناں چہ امن و عیش چوں ہر دم ۔ جرس[4] فریاد می دارد کہ بربندید محملہا

مجھے محبوب کے پڑاؤ میں کیا امن و عیش؟ جبکہ ہر دم ۔ گھنٹہ اعلان کر رہا ہے کہ کجاوے کس لو

شبِ تاریک و بیمِ موج و گردابے چنیں ہائل ۔ کجا[5] دانند حالِ ما سبکسارانِ ساحلہا

اندھیری رات اور موج کا خوف اور ایسا خوفناک بھنور ۔ ساحلوں کے بے فکرے ہمارا حال کب سمجھ سکتے ہیں؟

ہمہ کارم زخود کامی بہ بدنامی کشید آخر ۔ نہاں[6] کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

خود غرضی کیوجہ سے میرے تمام کام انجام میں بدنامی پر پہونچے ۔ وہ راز کب چھپ سکتا ہے جس سے محفلیں گرم ہوں؟

حضوری[7] گر ہمی خواہی ازو غائب مشو حافظ

اے حافظ تو حضوری چاہتا ہے تو اس سے غائب نہ ہو

مَتٰی مَا تَلْقَ مَنْ تَھْوٰی دَعِ الدُّنْیَا وَ اَھْمِلْھَا

جب تیری محبوب سے ملاقات ہو تو دنیا کو چھوڑ اور اس کو ترک کر دے

[1] شراب کی بیخودی ہی اِن مشکلات کا حل ہے۔
[2] نسیمِ سحری کی مہک اس کی زلفوں کیوجہ سے ہے جس کی یاد میں ہمارے دل زخمی ہیں۔
[3] یعنی پیرِ مُغاں کا ہر حکم مصلحت پر مبنی ہوتا ہے۔
[4] کوچ کیوقت گھنٹہ بجا دیا جاتا ہے۔
[5] جو عشق سے خالی ہیں وہ عشق کی سختیوں سے ناواقف ہیں۔
[6] میری بدنامی کے ذکر سے محفلیں گونج رہی ہیں۔
[7] محبوب کے مشاہدہ کے وقت دنیا و مافیہا سے غافل ہو جانا چاہیے۔

اے فروغِ ماہِ حسن از روئے رخشانِ شما
اے وہ کہ حسن کے چاند کی رونق تمہارے روئے روشن سے ہے

آبروئے خوبی از چاہِ زنخدانِ شما
خوبصورتی کی آبرو، تمہاری ٹھوڑی کے گڑھے سے ہے

عزمِ دیدارِ تو دارد جان بر لب آمدہ
ہونٹوں پر آئی ہوئی جان تمہارے دیدار کا ارادہ رکھتی ہے

باز گردد یا بر آید چیست فرمانِ شما
تمہارا کیا حکم ہے؟ وہ نکل آئے یا لوٹ جائے

کے دہد دست ایں غرض یارب کہ ہمدستاں شوند
اے خدا! یہ مقصد کب حاصل ہوگا کہ اکٹھے ہو جائیں؟

خاطرِ مجموعِ ما زلفِ پریشانِ شما
ہمارا یہ مطمئن دل، اور تمہاری پریشان زلف

کس بدورِ نرگست طرفے نبست از عافیت
تمہاری نرگس کے دور میں کسی کو چین نصیب نہ ہوا

بہ کہ بفروشند مستوری بمستانِ شما
بہتر یہی ہے کہ پارسائی تمہارے مستوں کے ہاتھ بیچ دیں

بختِ خواب آلودِ ما بیدار خواہد شد مگر
شاید! ہمارا سویا ہوا نصیبہ جاگ اٹھے

زانکہ زد بر دیدہ آبے روئے رخشانِ شما
اس لیے کہ تمہارے روئے روشن نے آنکھوں پر پانی چھڑک دیا ہے

با صبا ہمراہ بفرست از رخت گلدستۂ
اپنے رخ کا ایک گلدستہ صبا کے ساتھ بھیج دو

بو کہ بوئے بشنویم از خاکِ بستانِ شما
شاید تمہارے باغ کی خاک کی ہم خوشبو سونگھ سکیں

دل خرابی می کند دلدار را آگہ کنید
دل خرابی پیدا کر رہا ہے، محبوب کو آگاہ کر دو

زینہار اے دوستاں جانِ من و جانِ شما
ضرور، اے دوستو! تمہیں میری اور تمہاری جان کی قسم

عمرتاں باد دراز اے ساقیانِ بزمِ جم
جمشید کی محفل کے ساقیو! تمہاری عمر دراز ہو

گرچہ جامِ ما نشد پر مے بدورانِ شما
اگرچہ تمہارے دور میں ہمارا پیالہ شراب سے پر نہیں ہوا ہے

اے صبا با ساکنانِ شہرِ یزد از ما بگو
اے صبا یزد کے ساکنوں کو ہمارے جانب سے کہہ دے

ق

کاے سرِ حق ناشناساں گوئے میدانِ شما
کہ اے حق ناشناسوں کا سر تمہارے میدان کی گیند ہے

گرچہ دوریم از بساطِ قرب ہمت دور نیست
اگرچہ قرب کی بساط سے ہم دور ہیں، توجہ دور نہیں ہے

بندۂ شاہِ شمائیم و ثنا خوانِ شما
ہم تمہارے بادشاہ کے غلام اور تمہارے مداح ہیں

دور دار از خاک و خوں دامن چو بر ما بگذری
جب ہم پر سے گذرو دامن کو خاک اور خون سے دور رکھو

کاندریں رہ کشتہ بسیارند قربانِ شما
اس لیے کہ اس راستہ میں تم پر قربان مقتول بہت ہیں

اے شہنشاہِ بلند اختر خدارا ہمتے
اے بلند اختر بادشاہ! خدا کے لیے توجہ کیجیے

تا ببوسم ہمچو گردوں خاکِ ایوانِ شما
تاکہ آسمان کی طرح تمہارے محل کی خاک کو بوسہ دوں

می کند حافظ دعائے بشنو آمینے بگو
حافظ دعا کرتا ہے، سنو، اور آمین کہو

روزئ ما باد لعلِ شکر افشانِ شما
تمہارا شکر بکھیرنے والا ہونٹ، ہماری روزی ہو

اگر آں ترکِ شیرازی بدست آرد دلِ ما را
اگر وہ شیرازی معشوق، ہمارا دل تھام لے

بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را
تو اس کے دلفریب تل کے عوض میں سمرقند و بخارا بخش دوں

بدہ ساقی مئے باقی کہ در جنت نخواہی یافت
اے ساقی! باقی شراب بھی دیدے اس لیے کہ تو جنت میں نہ پائے گا

کنارِ آبِ رکنا باد و گلگشتِ مصلیٰ را
رکنا باد کی نہر کا کنارا، اور مصلیٰ کی سیرگاہ

---

۱ یعنی حسن کو میرے محبوب کی وجہ سے عزت حاصل ہوئی ہے۔

۲ دل جمعی جب ہی حاصل ہوگی جب پریشان زلفوں کا وصال میسر آجائیگا

۳ مستان سے محبوب کی آنکھیں مراد ہیں یعنی زہد ان پر قربان کر دیا جائے۔

۴ چمک دار چیز کو دیکھنے سے آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں۔

۵ بو، بود کا مخفف ہے۔

۶ کیونکہ یہ ہمارا قصور ہے۔

۷ آسمان کے اطراف کا جھکاؤ محل کی خاک بوسی کے لیے ہے۔

۸ رکنا باد کی نہر اور مصلیٰ کی سیرگاہ کا منظر جنت میں ہاتھ نہ آئے گا۔

فغان کین لولیانِ شوخِ شیرین کارِ شہر آشوب
فریاد کہ یہ شریر، شیریں کار، شہر کو فتنہ میں مبتلا کرنیوالے معشوق

چنان برند صبر از دل کہ ترکان خوانِ یغما را
دل سے صبر کو اس طرح لوٹ لیگئے جیسا کہ مالِ غنیمت کے خوان ڈاکو

ز عشقِ ناتمامِ ما جمالِ یار مستغنی ست
ہمارے ناقص عشق سے، یار کا حسن بے نیاز ہے

به آب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را
حسین چہرے کو آب ورنگ اور تل اور خط کی کیا ضرورت ہے

من از آن حُسنِ روز افزون کہ یوسف داشت دانستم[1]
میں اُس روز بروز بڑھنے والے حُسن سے جو کہ یوسف رکھتے تھے جان گیا تھا

کہ عشق از پردۂ عصمت برون آرد زلیخا را
کہ عشق زلیخا کو پاکی کے پردے سے باہر نکال لائے گا

حدیث از مطرب و مے گوی و رازِ دہر کمتر جو[2]
گویے اور شراب کی بات کر اور زمانہ کا راز کم تلاش کر

کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت این معما را
اس لیے کہ دانائی سے کسی نے یہ معمہ کھولا ہے نہ وہ کھولے

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند
پیارے نصیحت سن لے اس لئے کہ جان سے زیادہ پیار رکھتے ہیں

جوانانِ سعادتمند پندِ پیرِ دانا را
سعادتمند نوجوان، بوڑھے سمجھدار کی نصیحت کو

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی[3]
تو نے مجھے برا کہا اور میں خوش ہوں خدا تجھے معاف کرے تو نے اچھا کہا

جوابِ تلخ می زیبد لبِ لعلِ شکر خارا
لب جیسے شکر چبانے والے ہونٹوں کو کڑوا جواب زیب دیتا ہے

غزل گفتی و دُر سفتی بیا و خوش بخوان حافظ
اے حافظ تو نے غزل کہی اور موتی پر دئیے آ، اور خوش الحانی سے پڑھ

کہ بر نظمِ تو افشاند فلک عقدِ ثریا را
اس لئے کہ آسمان تیری نظم پر ثریا کے ہار نچھاور کرے گا

بملازمانِ سلطان کہ رساند این دعا را[4]
بادشاہ کے ملازموں کو یہ التجا کون پہونچائے گا؟

کہ بشکرِ پادشاہی ز نظر مران گدا را
کہ بادشاہی کے شکرانہ میں فقیر کو نظر سے نہ ہٹا

چہ قیامت ست جاناں کہ بعاشقان نمودی
اے معشوق کیا قیامت ہے کہ تو نے عاشقوں کے لئے نمودار کیا ہے

رُخ ہمچو ماہِ تاباں دلِ ہمچو سنگِ خارا
روشن چاند جیسا چہرا اور سنگ خارا جیسا دل

ز رقیبِ دیو سیرت بخدا ہمی پناہم
دیو طبیعت رقیب سے میں خدا کی پناہ چاہتا ہوں

مگر آن شہابِ ثاقب مددے کند خدا را[5]
شاید وہ روشن ستارا خدا کے لئے مدد کردے

دلِ عالمے بسوزی چو عذار بر فروزی
جب تو رخسار روشن کرتا ہے، ایک عالم کے دل کو جلا دیتا ہے

تو ازین چہ سود داری کہ نمی کنی مدارا
تجھے اس سے کیا فائدہ ہے کہ خاطر تواضع نہیں کرتا ہے

مژۂ سیاہت ار کرد بخونِ ما اشارت
تیری سیاہ پلکوں نے اگر ہمارے قتل کا اشارہ کیا ہے

ز فریبِ او بیندیش و غلط مکن نگارا[6]
تو اس مکر کے بارے میں سوچ اور اے معشوق غلطی نہ کر

ہمہ شب درین امیدم کہ نسیمِ صبح گاہی
تمام رات، اسی تمنا میں ہوں، کہ نسیم سحری

بہ پیامِ آشنائی بنوازد آشنا را
دوست کو، دوستی کے پیغام سے نواز دے

دلِ دردمندِ عاشق کہ ز ہجر تست پرخوں
دردمند عاشق کا دل جو تیرے فراق سے خون میں ہے

چہ شود گرش رسانی بوصالِ خویش یارا[7]
کیا ہوجائے گا اگر اے یار تو اس کو اپنے وصال تک پہونچادے گا

دلِ مستمندِ ما را بشکنج زلف بردی
ہمارے حاجتمند دل کو تو زلف کے شکنجے میں قید کرکے لے گیا

مشکن دلِ ضعیفم بنواز این گدا را
ہمارے کمزور دل کو نہ توڑ، اس فقیر کو نواز دے

---

[1] یوسف کا روز افزوں حسن ہی زلیخا کی بدنامی کا سبب بنا۔
[2] میدانِ عشق و محبت میں دیوانگی درکار ہے نہ کہ عقل و دانش۔
[3] محبوب کی تلخ کلامی باعثِ لذت ہے۔
[4] سلطان سے مراد معشوق ہے یعنی اپنے حسن کا صدقہ فقیروں کو دینا چاہیئے۔
[5] شیاطین کو ٹوٹنے والا ستارا تباہ کر دیتا ہے یعنی رقیب پر محبوب کی مدد سے فتح حاصل ہو سکتی ہے۔
[6] عاشقوں کو قتل کر کے یوسفِ بے کارواں بننا اچھا نہیں ہے۔
[7] عاشق کے وصال سے معشوق کا کیا بگڑتا ہے۔

زفریبِ چشمِ مستت دلِ دردمند خوں شد — نظرے بکن بحالش بتِ دلربا خدا را
تیری مست نگاہ کے فریب سے دردمند دل خون ہو گیا ہے — اے دلربا بت خدا کے لئے اس کے حال پر ایک نظر کر

چو طبیب[1] دردمنداں لبِ لعلِ یار باشد — دلِ دردمندِ عاشق زکہ جوید ایں دوا را
جبکہ دردمندوں کا طبیب معشوق کا لعل جیسا ہونٹ ہو — تو عاشق کا دردمند دل اس دوا کو کس کے پاس تلاش کرے

خبرے[2] زحالِ عاشق برِ یار باز گوئید — برسد مگر ز زُلفش اثرے مشامِ ما را
عاشق کی حالت کی خبر یار کے پاس جا کر کہہ دو — شاید اس کی زلف کا کوئی اثر ہمارے دماغ تک پہونچ جائے

بخدا[3] کہ جرعۂ دہ تو بحافظِ سحر خیز
خدا کیلئے صبح کو بیدار ہو نے والے حافظ کو تو ایک گھونٹ دیدے

کہ دعائے صبحگاہی اثرے کند شمارا
اس لئے کہ صبح کے وقت کی دعا تمہارے لئے مفید ہوگی

تا جمالت عاشقاں را زد بوصلِ خود صلا — جان و دل افتادہ اند از زلف و خالت در بلا
جب سے تیرے حسن نے عاشقوں کو اپنے وصال کی دعوت دی ہے — جان اور دل تیری زلف اور تل سے مصیبت میں پڑے ہیں

آنچہ جانِ عاشقاں از دستِ ہجرت می کشد — کس ندیدہ در جہاں جز کشتگانِ کربلا
عاشقوں کی جان تیرے فراق کے ہاتھ سے جو کچھ برداشت کر رہی ہے — کربلا کے شہیدوں کے علاوہ کسی نے دنیا میں نہیں دیکھا ہے

ترکِ[4] ما گر می کند رندی و مستی جانِ من — ترکِ مستوری و زہدت کرد باید اوّلا
اگر ہمارا معشوق رندی اور مستی کرتا ہے تو اے میری جان؛ — تجھے پہلے پرہیزگاری اور زہد کو ترک کر دینا چاہئے

بزمِ[5] عیش و موسمِ شادی و ہنگامِ طرب — پنج روز ایامِ عشرت را غنیمت داں دلا
عیش کی محفل اور خوشی کا موسم، اور مستی کا وقت — عیش و عشرت کے پانچ دن کو اے دل غنیمت سمجھ

با کہ بنشینم کہ را گویم دگر من رازِ دل — زانکہ من در عشقِ اُو جز غم نکردم حاصلا
کس کے ساتھ بیٹھوں کس سے کہوں پھر دل کا راز — اس لئے کہ غم کے سوا اس کے عشق میں مجھے کچھ حاصل نہ ہوا

حافظا گر پائے بوسِ شاہ دستت می دہد
اے حافظ اگر تجھے شاہ کی قدم بوسی حاصل ہو جائے

یافتی در ہر دو عالم زینت عزّ و علا
تو تو نے دونوں جہان میں عزت اور بلندی کی رونق حاصل کرلی

تا کے بدردِ ہجر کنی ناتواں مرا — یکدم بوصلِ خویش بکن شادماں مرا
ہجر کے درد میں مجھے کب تک ناتواں بنائے گا — تھوڑی دیر کے لئے اپنے وصل سے مجھے خوش کر

میخواستی[6] ہمیشہ گرفتارِ ہجرِ خود — دیدی بکامِ خویشتن آخر چناں مرا
تو ہمیشہ اپنے فراق میں گرفتار رکھنا چاہتا تھا — آخر تو نے مجھے ویسی حالت میں اپنے مقصد کے مطابق دیکھ لیا

نبود ہیچ وجہ دمے از توام گریز — زاں رو کہ نیست جز تو کسے در جہاں مرا
تھوڑی دیر کے لئے بھی کسی طرح میرے لئے تجھ سے گریز ہو سکیگا — اس لیے کہ جہاں میں تیرے سوا میرا کوئی نہیں ہے

در حیرتم کہ بے تو چساں زندگی کنم — چوں نیست خواب و خور ز غمت یکزماں مرا
میں حیران ہوں تیرے بغیر کس طرح زندگی گذاروں — جبکہ تیرے غم کی وجہ سے تھوڑی دیر کے لئے بھی مجھے سونا اور کھانا میسر نہیں ہے

---

[1] عاشق کے مرض کی دوا معشوق ہی کے پاس ہے۔ لہذا اس سے ہی طلب کیا جا سکتی ہے۔
[2] محبوب کی زلفوں کی خوشبو ہی عاشق کو جان بخش سکتی ہے۔
[3] صبح کی شراب پلا کر دعا لے صبح کی دعا میں اثر ہوتا ہے۔
[4] یعنی معشوق کے رنگ میں رنگا جانا چاہیے۔
[5] یعنی عیش کی چندروزہ زندگی کو غنیمت سمجھنا چاہئے۔
[6] یعنی مجھے ہجر میں گرفتار رکھنے سے تجھ کیا فائدہ ہے۔

افتادہ ام بکنج غم وجز فغاں وآہ — نے یارِ غمگسارے و نے ہمزباں مرا
میں غم کے گوشہ میں پڑا ہوں اور سوائے فریاد اور آہ کے — نہ میرا کوئی یارِ غمگسار ہے، نہ ہم زباں

بودم ہمیشہ شاد ز وصلت ولے کنوں — کارے ز ہجرِ تو نبود جز فغاں مرا
میں ہمیشہ تیرے وصل سے خوش تھا مگر اب — تیرے ہجر کی وجہ سے سوائے فریاد کے میرا کوئی کام نہیں ہے

حافظ عجب مدار اگر می کُشد بغم
اے حافظ! تعجب نہ کر اگر غم میں مار ڈالے
از دردِ فرقت آں مہِ نامہرباں مرا
فراق کے درد سے مجھے وہ نامہربان چاند

دل می رود ز دستم صاحبدلاں خدارا — دردا کہ رازِ پنہاں خواہد شد آشکارا
اے دل والو خدا کے لئے، میرے ہاتھ سے دل نکلا جاتا ہے — افسوس! پوشیدہ راز کھل جائے گا

دہ روزہ مہرِ گردوں افسانہ ایست و افسوں — نیکی بجائے یاراں فرصت شمار یارا
زمانہ کی دس روزہ محبت افسانہ اور طلسم ہے — اے دوست! دوستوں کے ساتھ نیکی کو غنیمت سمجھ

کشتی شکستگانیم اے بادِ شرطہ بر خیز — باشد کہ باز بینیم آں یارِ آشنا را
ہم کشتی ٹوٹے ہیں، اے موافق ہوا! چل پڑ — شاید اس آشنا یار کو ہم پھر دیکھ سکیں

در حلقۂ گل و مُل خوش خواند دوش بُلبل — ھَاتِ الصَّبُوحَ ھُبُّوا یَا اَیُّھَا السُّکَارٰی
گذشتہ رات پھول اور شراب کی محفل میں بلبل کیا خوب گائی — صبوحی لا! اے مستو! آؤ

اے صاحبِ کرامت شکرانۂ سلامت — روزے تفقدے کن درویشِ بینوا را
اے کرامت والے! سلامتی کے شکرانہ میں — کسی دن بے سامان فقیر پر مہربانی کر

آسائشِ دو گیتی تفسیرِ ایں دو حرف ست — با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا
دونوں جہان کی راحت ان دو حرفوں کی تفسیر ہے — دوستوں کے ساتھ مہربانی، دشمنوں کے ساتھ مدارات

در کوئے نیکنامی مارا گذر ندادند — گر تو نمی پسندی تغییر کن قضا را
نیکنامی کے کوچہ میں انہوں نے ہمیں گذرنے کا موقع نہ دیا — اگر تو پسند نہیں کرتا ہے تقدیر کو بدل دے

آئینہ سکندر جامِ جم ست بنگر — تا بر تو عرضہ دارد احوالِ مُلکِ دارا
سکندر کا آئینہ، جمشید کا جام ہے، دیکھ! — تاکہ تجھ پر دارا کے ملک کے احوال پیش کر دے

سرکش مشو کہ چوں شمع از غیرتت بسوزد — دلبر کہ در کفِ او موم ست سنگِ خارا
سرکش نہ بن، تجھے غیرت کی وجہ سے موم بتی کی طرح جلا دیگا — وہ معشوق جس کی ہتھیلی میں سنگِ خارا موم ہے

گر مُطربِ حریفاں ایں پارسی بخواند — در رقص حالت آرد پیرانِ پارسا را
اگر دوستوں کا گویّا یہ فارسی غزل گائے گا — نیک بزرگوں کو رقص میں لے آئے گا

آں تلخوش کہ صوفی اُمُّ الخبائثش خواند — اَشْھٰی لَنَا وَ اَحْلٰی مِنْ قُبْلَۃِ الْعَذَارٰی
وہ کڑوی، صوفیوں نے جس کو ام الخبائث کہا — وہ ہمارے لئے باکرہ لڑکیوں کے بوسے سے زیادہ مرغوب اور خوش گوار ہے

ہنگامِ تنگدستی در عیش کوش و مستی — کایں کیمیائے ہستی قاروں کند گدا را
تنگدستی کے وقت مستی اور عیش میں لگ جا — اس لئے کہ ہستی کی یہ کیمیا فقیر کو قارون بنا دیتی ہے

۱ میں تنہا مرضِ عشق میں مبتلا ہوں میری داستان سمجھنے والا بھی کوئی نہیں ہے۔
۲ آثارِ عشق ظاہر ہوں گے اور راز کھل جائے گا۔
۳ دنیا کی چند روزہ زندگی ناقابلِ بھروسہ ہے اس میں نیکی کرلے۔
۴ معشوق کا فرض ہے کہ اپنے حسن کی زکوٰۃ عاشقوں کو بانٹے۔
۵ دنیا کا تمام عیش و آرام اس میں پوشیدہ ہے کہ انسان دوستوں سے مہربانی اور دشمنوں سے خاطر تواضع سے پیش آئے۔
۶ ہماری برائی بھی اپنے اختیار کی نہیں ہے۔
۷ تاریخ کے آئینہ میں دوسروں کے احوال دیکھ کر عبرت حاصل کرلینی چاہیے۔
۸ محبوب سے سرکشی کسی حال میں مناسب نہیں ہے۔
۹ ام الخبائث یعنی تمام برائیوں کی جڑ یعنی شراب کا نام ہے۔
۱۰ اگر انسان تنگدستی کا وقت خندہ پیشانی سے گذارنے کا عادی بنجائے تو یہ بڑی دولت ہے۔

خوبانِ پارسی گو بخشندگانِ عمرند — ساقی بدہ بشارت پیرانِ پارسا را
کہدو، کہ پارس کے معشوق عمر بخشنے والے ہیں — اے ساقی! نیک بوڑھوں کو خوشخبری دیدے

حافظ بخود نپوشید ایں خرقۂ مے آلود
یہ شراب میں تر گدڑی حافظ نے خود نہیں پہنی ہے
اے شیخ پاک دامن معذور دار مارا
اے پاک دامن شیخ! ہمیں معذور سمجھ

دوش از مسجد سوئے میخانہ آمد پیرِ ما — چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیرِ ما
کل ہمارا پیر مسجد سے میخانہ کی طرف آگیا — یارانِ طریقت اس کے بعد ہماری کیا تدبیر ہے؟

در خراباتِ مغاں ما نیز ہم منزل شویم — کایں چنیں رفت ست در عہدِ ازل تقدیرِ ما
آتش پرستوں کے شراب خانے میں ہم بھی پیر کے ہم منزل ہو جائیں — اس لئے کہ ازل میں ہماری تقدیر اسی طرح بنی ہے

ما مریداں رو بسوئے کعبہ چوں آریم چوں — رو بسوئے خانۂ خمار دارد پیرِ ما
ہم مرید کعبہ کی طرف رخ کیسے کریں جب کہ — ہمارا پیر بھٹی کی جانب رخ رکھتا ہے

عقل اگر داند کہ دل دربندِ زلفش چوں خوش ست — عاقلاں دیوانہ گردند از پئے زنجیرِ ما
عقل کو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ دل، اسکی زلف کی قید میں کیسا خوش ہے — تو ہماری بیڑی کے لئے عقلمند دیوانے بن جائیں

روئے خوبت آیتے از لطف بر ما کشف کرد — زاں سبب جز لطف و خوبی نیست در تفسیرِ ما
تیرے حسین چہرے نے مہربانی کی ایک آیت ہم پر کھول دی ہے — اسی لئے مہربانی اور بھلائی کے سوا ہماری تفسیر میں کچھ بھی نہیں ہے

با دلِ سنگینت آیا ہیچ در گیرد شبے — آہِ آتشبار و سوزِ نالۂ شب گیرِ ما
تیرے سنگین دل میں کسی رات کو کب کچھ اثر کرے گی؟ — ہماری آگ برسانے والی آہ اور تمام رات کے نالے کی جلن

مرغِ دل را صیدِ جمعیت بدام افتادہ بود — زلف بکشادی و باز از دست شد نخچیرِ ما
دل کے پرندے کے لئے اطمینان کا شکار جال میں پھنسا تھا — تونے زلف کھولدی؛ ہمارا شکار پھر ہمارے ہاتھ سے نکل گیا

باد بر زلفِ تو آمد شد جہاں بر من سیاہ — نیست از سودائے زلفت بیش ازیں توفیرِ ما
تیری زلف کو ہوا لگی، جہان ہم پر تاریک ہوگیا — تیری زلف کے عشق میں اس سے زیادہ ہمارا حاصل وصول نہیں ہے

تیر آہِ ما ز گردوں بگذرد جانِ عزیز — رحم کن بر جانِ خود پرہیز کن از تیرِ ما
اے جانِ عزیز ہماری آہ کا تیر آسمان سے گزر جاتا ہے — اپنی جان پر رحم کر، ہمارے تیر سے بچ

بر درِ میخانہ خواہم گشت چوں حافظ مقیم
میں بھی حافظ کی طرح شراب خانہ کے دروازہ پر مقیم ہو جاؤں گا
چوں خراباتی شد اے یارِ طریقت پیرِ ما
جبکہ اے یارِ طریقت؛ ہمارا پیر خراباتی ہوگیا ہے

رونقِ عہدِ شباب ست دگر بستاں را — می رسد مژدۂ گل بلبلِ خوش الحاں را
باغ کے لئے پھر جوانی کے زمانہ کی رونق ہے — پھول کی خوشخبری خوش الحان بلبل کو پہونچتی ہے

اے صبا گر بجوانانِ چمن باز رسی — خدمتِ ما برساں سرو و گل و ریحاں را
اے صبا چمن کے جوانوں کے پاس سے تیرا اگر گزر ہو — تو سرو اور گلاب اور ناز بو کو ہمارا سلام پہونچادے

ے پارسا میں الف تحسین کا مانا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ پارس کے رہنے والے بوڑھوں کے لئے خوشخبری ہے۔
ے انسان کی نیکی اور بدی اپنی اختیاری چیز نہیں ہے۔
ے بہرحال محبوب کی پیروی ضروری ہے
ے تیری بکھری ہوئی زلفوں نے ہمارا اطمینانِ خاطر ختم کردیا۔
ے زلفوں کو کالی گھٹا سے تشبیہ دیجاتی ہے۔
ے ہماری آہوں کے اثر سے ڈر۔
ے جوانانِ چمن سے سرو اور گل وریحاں مراد ہیں۔

اے کہ بر مہ کشی از عنبرِ سارا چوگاں[1]
اے وہ، جو خالص عنبر کا بلاّ چاند پر تانے ہے
مضطرب حال مگرداں منِ سرگرداں را
مجھ حیران کو پریشان حال نہ لوٹا

ترسم[2] آں قوم کہ بر دُرد کشاں می خندند
مجھے ڈر ہے جو لوگ تلچھٹ پینے والوں پر ہنستے ہیں
در سرِ کارِ خرابات کنند ایماں را
خرابات کے کام میں ایمان کو نہ لگا بیٹھیں

یارِ مردانِ[3] خدا باش کہ در کشتیِ نوحؑ
مردانِ خدا کا یار بن اس لئے کہ نوح کی کشتی میں
ہست خاکے کہ بآبے نخرد طوفاں را
ایسی خاک بھی ہے جو طوفان کو ذرا سا پانی نہیں سمجھتی

برو[4] از خانۂ گردوں بدر و ناں مطلب
آسمان کے گھر سے باہر نکل جا اور روٹی نہ مانگ
کیں سیہ کاسہ در آخر بکشد مہماں را
اس لئے کہ یہ بخیل آخر میں مہمان کو مار ڈالتا ہے

گر چنیں جلوہ کند مُغبچۂ بادہ فروش
اگر مے فروش کا مُغبچہ، اسی طرح جلوہ دکھائے گا
خاکروبِ درِ میخانہ کنم مژگاں را
تو میں پلکوں کو شراب خانہ کے دروازہ کا خاکروب بنادونگا

نشوی[5] واقفِ یک نکتہ ز اسرارِ وجود
وجود کے رازوں کے ایک نکتہ سے بھی تو واقف نہ ہو سکے گا
گر تو سرگشتہ شوی دائرۂ امکاں را
اگر تو امکان کے دائرہ میں گھومتا رہے گا

ہر کرا خوابگہ آخر بدو مشتے خاک ست
جس شخص کی خوابگاہ انجام کار دو مٹھی خاک ہے
گو چہ حاجت کہ بر افلاک کشی ایواں را
اس کو کہہ دو کہ اس کی کیا ضرورت ہے کہ تو سرِ فلک محل بنائے

ماہِ کنعانیِ[6] من مسندِ مصر آنِ تو شد
اے میرے ماہِ کنعان، مصر کی مسند تیری ملکیت ہوگئی ہے
وقت آنست کہ بدرود کنی زنداں را
اب وہ وقت ہے کہ تو قید خانہ کو خیر باد کہہ دے

در سرِ زلف ندانم کہ چہ سودا داری
زلف کے معاملہ میں نہ معلوم تو کیا دیوانگی رکھتا ہے
کہ بہم بر زدۂ گیسوئے مُشک افشاں را
کہ تو نے مشک بکھیرنے والی زلفوں کو پریشان کر رکھا ہے

مُلکِ آزادگی و کُنجِ قناعت گنجے ست
آزادگی کا ملک اور قناعت کا گوشہ ایسا خزانہ ہے
کہ بشمشیر میُسّر نشود سُلطاں را
جو بادشاہ کو تلوار کے ذریعہ حاصل نہیں ہو سکتا ہے

حافظا مے خور و رندی کن و خوش باش و لے
اے حافظ شراب پی اور رندی کر اور خوش رہ لیکن
دامِ تزویر[7] مکن چوں دگراں قرآں را
دوسروں کی طرح قرآن کو مکاری کا جال نہ بنا

ساقی بنورِ بادہ بر افروز جامِ ما
اے ساقی شراب کے نور سے ہمارا جام روشن کردے
مُطرب بگو کہ کارِ جہاں شد بکامِ ما
گویّے گا! دنیا کا کام ہماری منشار کے مطابق ہو گیا ہے

ما در پیالہ عکسِ رُخِ یار دیدہ ایم
ہم نے پیالے میں یار کے رُخ کا عکس دیکھا ہے
اے بیخبر ز لذّتِ شُربِ مُدامِ ما
اے بے خبر ہمارے شراب کے پینے کی لذت سے

چنداں[8] بود کرشمہ و نازِ سہی قداں
سیدھے قد معشوقوں کا کرشمہ اور ناز اُسی وقت تک ہے
کآید بجلوہ سروِ صنوبر خرامِ ما
جبتک کہ ہمارا سرو صنوبر کی طرح ٹہلنے والا جلوہ میں آئے

ہرگز نمیرد[9] آنکہ دلش زندہ شد بعشق
جس کا دل عشق کی وجہ سے زندہ ہوگیا وہ کبھی نہیں مرتا
ثبت ست بر جریدۂ عالم دوامِ ما
ہماری ہمیشگی دنیا کی تاریخ میں قائم ہو چکی ہے

---

[1] مہ سے مراد چہرہ اور چوگان سے مراد زلفیں ہیں۔

[2] دوسروں کی مصیبت پر ہنسنے والے خود اس مصیبت کا شکار ہوجاتے ہیں۔

[3] مردانِ خدا سے اہل اللہ مراد ہیں جن کی نگاہ میں دنیا ومافیہا ہیچ ہے۔

[4] دنیا سے بھلائی کا طالب نہ بن۔

[5] جب تک انسان خدا کی ذات وصفات کا علم نہ حاصل کرے ممکنات کے راز اس پر منکشف نہیں ہو سکتے ہیں۔

[6] ماہِ کنعان سے مراد حضرت یوسف ہیں۔

[7] مکاری بدکاری سے ہزار گنا بُری ہے۔

[8] دوسرے معشوقوں کی اُسی وقت تک قدر و قیمت ہے جب تک ہمارا محبوب جلوہ گر نہیں ہوتا ہے۔

[9] شیدانِ راہ عشق کو حیاتِ جاودانی حاصل ہو جاتی ہے۔

مستی بچشم شاہدِ دلبندِ ما خوش ست
ہمارے دل پسند معشوق کی نظر میں مستی بھلی ہے

زاں رُو سپردہ اند بمستی زمامِ ما
اسی وجہ سے ہماری باگ انھوں نے مستی کے ہاتھ میں دی ہے

ترسم کہ صرفہٗ نبرد روزِ باز خواست
مجھے اندیشہ ہے کہ قیامت کے دن کہیں غلبہ حاصل نہ کرلے

نانِ حلالِ شیخ ز آبِ حرامِ ما
شیخ کی حلال روٹی، ہمارے حرام پانی سے

اے باد گر بگلشنِ احباب بگذری
اے ہوا! اگر تو دوستوں کے چمن سے گذرے

زنہار عرضہ دہ برِ جاناں پیامِ ما
تو ضرور معشوق پر، ہمارا پیغام پیش کردیجو

گو نامِ ما زیاد بعمداً چہ می بری
کہدینا! جان بوجھ کر ہمارا نام یاد سے کیوں بھلاتا ہے

خود آید آنکہ یاد نیاری ز نامِ ما
وہ دن خود آرہا ہے جب تو ہمارا نام یاد نہ کرے گا

بگرفت ہمچو لالہ دلم در ہوائے سرو
سرو کی محبت میں لالہ کی طرح، میرا دل گرفتار ہوگیا ہے

اے مُرغِ بخت کے شوی آخر تو رامِ ما
اے نصیبہ کے پرند تو ہمارے قبضہ میں کب آئے گا؟

دریائے اخضرِ فلک و کشتیِ ہلال
آسمان کا سبز دریا، اور یہ چاند کی کشتی

ہستند غرقِ نعمتِ حاجی قوامِ ما
ہمارے حاجی قوام الدین کی نعمتوں میں غرق ہیں

حافظ ز دیدہ دانہٗ اشکے ہمی فشاں
حافظ! آنکھوں سے آنسوؤں کا دانہ بکھیر

باشد کہ مُرغِ وصل کند قصدِ دامِ ما
شاید! وصال کا پرند ہمارے جال کا قصد کرے

ساقیا برخیز و دردہ جام را
اے ساقی! اُٹھ اور جام دے

خاک بر سر کن غمِ ایام را
زمانہ کے غم کے سر پر، خاک ڈال

ساغرِ مے در کفم نہ تا ز سر
میرے ہاتھ میں شراب کا پیالہ دے تاکہ دماغ سے

بر کشم ایں دلقِ ازرق فام را
اس نیل گوں گدڑی کو نکال دوں

گرچہ بدنامیست نزدِ عاقلاں
اگرچہ یہ عقلمندوں کے نزدیک، بدنامی ہے

ما نمی خواہیم ننگ و نام را
ہم ننگ و نام کے، خواہاں نہیں ہیں

بادہ دردہ چند ازیں بادِ غرور
شراب دے، یہ غرور کی پھونک کب تک؟

خاک بر سر نفسِ نافرجام را
بدبخت نفس کے سر پر خاک ہو

دودِ آہِ سینۂ سوزانِ من
میرے جلتے سینے کے دھوئیں نے

سوخت ایں افسردگانِ خام را
ان کچے، ٹھٹھرے ہوؤں، کو جلا ڈالا

محرمِ رازِ دلِ شیدائے من
اپنے شیدائی دل کا محرمِ راز

کس نمی بینم ز خاص و عام را
خاص اور عام میں سے میں کسی کو نہیں دیکھتا ہوں

با دل آرامے مرا خاطر خوش ست
اس محبوب سے میری طبیعت خوش ہے

کز دلم یکبارہ برد آرام را
جو یکبارگی، میرے دل سے آرام کو نکال لے گیا

ننگرد دیگر بسرو اندر چمن
وہ چمن میں، پھر سرو کو نہ دیکھے گا

ہر کہ دید آں سروِ سیم اندام را
جس نے اُس چاندی جیسے جسم والے سرو کو دیکھ لیا

۱؎ راہِ عشق میں کوتاہی کی وجہ سے کہیں ہم مغلوب نہ ہو جائیں۔
۲؎ ہم تو خود ہی فنا ہونے والے ہیں لہذا عمداً ہمارا نام بھلانے کی کیا ضرورت ہے۔
۳؎ حاجی قوام الدین، ابو اسحاق کے وزیر کا نام ہے جس نے حافظ کی دعوت کی تھی اس دعوت میں حافظ کے پیالہ میں آسمان اور چاند کا عکس پڑا تو یہ شعر کہا۔
۴؎ محبوب کے وصال کے لئے آنسوؤں کا دانہ بکھیرنے کی ضرورت ہے
۵؎ شراب کی مستی میں غم کو بھلادے۔
۶؎ یعنی ناقص عشق والے
۷؎ چونکہ محبوب کے قد کے مقابلہ میں سرو ہیچ ہے۔

از سر دنیا گذشتی غم مخور — خوش بخور ہم خوش بدار ایام را
تو دنیا کی فکر سے گذر گیا اب غم نہ کر — اچھی طرح کھا، پی نیز زمانہ کو خوش رکھ

صبر کن حافظ بسختی روز و شب
اے حافظ! دن رات کی سختی پر صبر کر
عاقبت[1] روزے بیابی کام را
انجام کار، تو کسی دن مقصد حاصل کرے گا

ساقی بگذار از کفِ خود رطل گراں را — تا خوش گذرانیم جہانِ گذراں را
اے ساقی بھاری پیمانہ اپنے ہاتھ سے چھوڑ دے — تاکہ ناپائیدار دنیا کو ہم اچھی طرح گذار دیں

زاہد[2] چہ عجب گر کندم عیب برندی — بر اہلِ ہنر طعنہ بود بے ہنراں را
کوئی تعجب نہیں! اگر زاہد مجھ پر رندی کا عیب لگاتا ہے — بے ہنروں کا ہنرمندوں پر طعنہ ہوتا ہی ہے

در قبلہ و بتخانہ تو مسجودی و معبود — رُو سوئے تو باشد ہمہ صاحب نظراں را
کعبہ اور بتخانہ میں تو ہی مسجود اور معبود ہے — تمام صاحب نظروں کا رخ تیری طرف ہوتا ہے

اربابِ[3] خرد ذوقِ مئے عشق چہ دانند — از حالتِ ما نیست خبر بیخبراں را
عقل والے عشق کی شراب کا ذائقہ کیا جانیں — بے خبروں کو، ہماری حالت کی خبر نہیں ہے

کامے طلبد حافظ ازیں چشمۂ حیواں
حافظ! اس چشمۂ حیات سے مقصد طلب کرتا ہے
آرے نتواں خورد نصیبِ دگراں را
ہاں، دوسروں کا حصہ نہیں پی سکتا ہے

شب از مطرب کہ دل خوش باد وے را — شنیدم نالۂ جانسوزِ نے را
رات گویئے سے (خدا کرے اُس کا دل خوش رہے) — میں نے بانسری کا ایک جاں سوز نالہ سنا

چناں در جانِ من سوزش اثر کرد — کہ بے رقّت ندیدم ہیچ شے را
میری جان میں، جلن نے ایسا اثر کیا — کہ میں نے کسی چیز کو رقت سے خالی نہ دیکھا

حریفے[4] بُد مرا ساقی کہ ہر دم — ز زلف و رُخ نمودے شمس و دے را
ایسا یار، میرا ساقی تھا جو ہر وقت — زلف اور چہرے سے سورج اور تاریک رات دکھاتا تھا

چو شوقم دید در ساغر مے افزود — بگفتم ساقیٔ فرخندہ پے را
جب اس نے میرا شوق دیکھا تو پیالے میں شراب بڑھادی — مبارک قدم، ساقی سے میں نے کہا

رہانیدی[5] مرا از شرِ ہستی — چو پیمودی پیاپے جامِ مے را
تو نے، مجھے وجود کے شر سے رہائی دیدی — جبکہ شراب کا پیالہ پے در پے بھرا

حماك اللّٰہ عن شرّ النوائب — جزاك اللّٰہ فی الدارین خیرا
خدا، تجھے مصائب کے شر سے بچائے — تجھے اللّٰہ دونوں جہان میں بھلائی کا بدلا دے

چو[6] بیخود گشت حافظ کے شمارد — بیک جو مملکت کاؤس و کے را
جب حافظ بے خود ہو گیا تو کب شمار میں لاتا ہے — کیخسرو، اور کیکاؤس کی مملکت کو ایک جو کے بدلے میں

[1] سختیوں کے بعد ہی وصال میسّر آتا ہے۔
[2] صاحب عشق صاحب ہنر ہے، بے ہنر ہنرمندوں پر طعنہ زن ہوتے ہی ہیں۔
[3] بے خبروں سے مراد ارباب خرد ہیں۔
[4] چہرے کی سورج اور زلف کی شب تاریک سے تشبیہ ہے۔
[5] مستی میں انسان ہستی کو گم کردیتا ہے
[6] مستی کی حالت میں مملکت کاؤس وکے، کی حقیقت ایک جو کی برابر نہیں رہتی ہے۔

صوفی بیا کہ آئینہ صاف ست جام را
اے صوفی! آ، جام کا شیشہ صاف ہے
تا بنگری صفائے مے لعل فام را
تاکہ تو لعل جیسی شراب، کی صفائی دیکھے

رازِ درونِ پردہ ز رندانِ مست پرس[1]
پردے کے اندر کے راز مست رندوں سے معلوم کر
کیں حال نیست صوفیِ عالی مقام را
اس لیے کہ صوفی عالی مقام کا، یہ مقام نہیں ہے

عنقا شکارِ کس نشود دام باز چیں
عنقا، کسی کا شکار نہیں بنتا اب جال اٹھالے
کانجا ہمیشہ باد بدست ست دام را[2]
اس لیے کہ یہاں جال کے ہاتھ میں ہمیشہ ہوا آتی ہے

من آں زمان طمع ببریدم ز عافیت
میں نے اسی وقت عافیت کا لالچ ختم کر دیا
کایں دل نہاد در کفِ عشقت زمام را[3]
جبکہ اس دل نے تیرے عشق کے ہاتھ میں ہماری باگ دی

ما را بر آستانِ تو بس حقِ خدمت ست
تیری چوکھٹ پر، ہمارا بہت حقِ خدمت ہے
اے خواجہ باز بیں بترحم غلام را
اے خواجہ! پھر غلام پر رحم کی نگاہ ڈال دے

در عیشِ نقد کوش کہ چوں آبخور نماند
موجودہ عیش حاصل کر اس لیے کہ جب دانہ پانی نہ رہا
آدم بہشت روضۂ دار السّلام را[4]
آدم نے جنت کا باغیچہ چھوڑ دیا

در بزم دور یک دو قدح درکش و برو
دور (شراب) کی محفل میں ایک دو پیالہ چڑھالے اور چلدے
یعنی طمع مدار وصالِ دوام را
یعنی دائمی وصال کی تمنّا نہ کر

اے دل شباب رفت و نچیدی گلے ز عمر
اے دل جوانی رخصت ہوئی اور تونے عمر کا ایک پھول بھی نہ چنا
پیرانہ سر مکن ہنرے ننگ و نام را[5]
بڑھاپے میں ننگ و نام، کی ہوس نہ کر

حافظ مریدِ جامِ جم ست اے صبا برو
حافظ تو جام جمشید کا مرید ہے اے صبا جا
وز بندہ بندگی برساں شیخ جام را
اور خادم کی جانب سے جام کے شیخ کو بندگی پہونچادے

صلاحِ کار کجا و من خراب کجا
کام کی نیکی کہاں؟ اور میں رندِ کہاں؟
بہ بیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا
دیکھ! راستہ کا فرق کہاں سے کہاں تک ہے؟

چہ نسبت ست برندی صلاح و تقویٰ را
نیکی، اور تقوے کو رندی سے کیا نسبت؟
سماعِ وعظ کجا نغمۂ رباب کجا
کہاں وعظ کا سننا، کہاں ستار کا نغمہ؟

دلم ز صومعہ بگرفت و خرقۂ سالوس
عبادت خانے، اور مکر کی گدڑی سے میرا دل غمگین ہوگیا
کجاست دیرِ مغان و شرابِ ناب کجا[6]
آتش پرستوں کا بتخانہ، اور خالص شراب کہاں ہے؟

بشد زیادِ خوشش یاد روزگارِ وصال
اس کی اچھی یاد سے وصال کے زمانہ کی یاد ختم ہوگئی
خود آں کرشمہ کجا رفت و آں عتاب کجا[7]
خود وہ ناز، اور غصہ کہاں چلا گیا!

ز روئے دوست دلِ دشمناں چہ دریابد
دوست کے چہرے سے، دشمنوں کا دل کیا پائے گا؟
چراغِ مردہ کجا شمعِ آفتاب کجا[8]
کہاں بجھا ہوا چراغ، کہاں آفتاب کی شمع؟

مبیں بسیبِ زنخداں کہ چاہ در راہ ست[9]
ٹھوڑی کے سیب کو دیکھ کر راستہ میں کنواں ہے
کجا ہمی روی اے دل بدیں شتاب کجا
اے دل! اس قدر تیزی سے کہاں جاتا ہے!

---

[1] عاشقِ حقیقی ہی اسرارِ سربستہ سے واقف ہوسکتا ہے۔
[2] جال میں ہوا کا آنا محرومی سے کنایہ ہے۔
[3] راہِ محبت میں آرام کی تمنّا لا حاصل ہے۔
[4] لہٰذا جنّت کی موہوم لذّت کی خاطر نقدِ عیش کو چھوڑنا مناسب نہیں ہے۔
[5] جوانی ہی کام کا وقت ہے۔
[6] تاکہ وہاں پہونچکر مکروفریب کا جامہ چاک کردوں۔
[7] یہ چیزیں زمانۂ وصال میں مجھے حاصل تھیں۔
[8] مردہ چراغ سے مراد رقیبوں کا دل اور شمعِ آفتاب سے مراد معشوق کا چہرہ ہے۔
[9] معشوق کی ٹھوڑی کے گڑھے کو کنویں سے تشبیہ دیجاتی ہے۔

چو کحلِ بینشِ ما خاکِ آستانِ شماست
جبکہ ہماری بینائی کا سرمہ تمہاری چوکھٹ کی خاک ہے
کجا رویم بفرما ازیں جناب کجا
تم ہی فرماؤ، اس دربار سے کہاں جائیں!

قرار و خواب ز حافظ طمع مدار اے دوست
اے دوست! حافظ سے سکون اور نیند کی توقع نہ رکھ
قرار چیست صبوری کدام و خواب کجا
سکون کیا ہوتا ہے، صبر کیا ہے، نیند کہاں ہے؟

صبا بلطف بگو آں غزالِ رعنا را
اے صبا! نرمی سے اس نازنیں ہرن سے کہدے
کہ سر بکوہ و بیاباں تو دادۂ ما را
تو نے ہی ہمارا سر کوہ و بیابان کے حوالہ کر دیا ہے[1]

بشکر آنکہ توئی بادشاہِ کشورِ حسن
اس بات کے شکرانے میں کہ تو ہی مملکتِ حسن کا بادشاہ ہے
بیاد آر غریبانِ دشت و صحرا را
دشت و صحرا کے، پردیسیوں کو یاد رکھ

شکر فروش[2] کہ عمرش دراز باد چرا
شکر فروش (خدا کرے اُس کی عمر دراز ہو) کیوں
تفقدے نکند طوطیٔ شکر خا را
شکر خور طوطی پر مہربانی نہیں کرتا ہے؟

غرورِ حسن اجازت مگر نداد اے گل
اے پھول! شاید حسن کے غرور نے اجازت نہیں دی
کہ پرسشے نکنی عندلیبِ شیدا را
جو تو عاشق بلبل کی پرسش نہیں کرتا ہے

بحسنِ خُلق تواں کرد صیدِ اہلِ نظر
اہلِ نظر کو حسنِ اخلاق کے ذریعہ شکار کیا جا سکتا ہے
بدام و دانہ نگیرند مرغِ دانا را
سمجھدار پرندہ کو جال اور دانے کے ذریعہ نہیں پکڑتے ہیں

چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی
جب تو دوست کے ساتھ بیٹھے اور شراب نوشی کرے
بیاد آر حریفانِ بادپیما[4] را
تو آوارہ دوستوں کو بھی، یاد کر لیا کر

ندانم از چہ سبب رنگِ آشنائی نیست
نہ معلوم دوستی کا رنگ کیوں نہیں ہے؟
سہی قدانِ سیہ چشم و ماہ سیما را
سیدھے قد والوں، کالی آنکھ والوں، چاند جیسے چہرے والوں میں

جز ایں قدر نتواں گفت در جمالِ تو عیب
تیرے حسن میں اس کے سوا کوئی عیب نہیں بتایا جا سکتا ہے
کہ خالِ مہر و وفا نیست روئے زیبا را
کہ حسین چہرے میں مہر و وفا کا تل بھی نہیں ہے[3]

در آسماں چہ عجب گر ز گفتۂ حافظ
کوئی تعجب نہیں اگر حافظ کے کلام کو آسمان میں
سماعِ زہرہ[5] برقص آورد مسیحا را
زہرہ کا گانا، مسیحا کو وجد میں لے آئے

صبح دم بکشاد خمارے درِ میخانہ را
کلال نے، صبح کو میخانہ کا دروازہ کھولا
قلقل آوازِ صراحی جان دہد مستانہ را
صراحی کی قلقل کی آواز، مستوں میں جان ڈالتی ہے

دورِ گرداں آمدہ آخر دریں بزمے بمن
آخر کار اس بزم میں دور کی باری مجھ تک آ گئی
ساقیا برخیز و پُر دہ آخریں پیمانہ را
تو اے ساقی! اُٹھ، اور آخری پیمانہ کو پورا بھر دے

چوں شدم[6] مجنوں بروئے عشقِ لیلیٰ در جہاں
جب میں زمانہ میں لیلیٰ کے عشق کی وجہ سے مجنوں ہو گیا ہوں
عاقلا پندے مدہ ہمچوں منِ دیوانہ را
تو اے عاقل! مجھ جیسے دیوانہ کو نصیحت نہ کر

---

[1] تیرے عشق میں ہم کوہ و بیابان میں مارے مارے پھر رہے ہیں۔
[2] شکر فروش سے مراد محبوب ہے اور طوطی سے مراد عاشق۔
[3] اس شعر میں بے توجہی کی وجہ بیان کی ہے
[4] باد پیما آوارہ گرد۔
[5] زہرہ کو رقاصۂ فلک مانا گیا ہے حضرت مسیح چرخ چہارم پر ہیں۔
[6] دیوانوں کو نصیحت کرنا عقلمندوں کا کام نہیں ہے۔

آئینۂ زنگار از صیقل ز تقوے پاک کن
زنگ آلود آئینہ کو تقوے کی صیقل سے صاف کرلے
پاک بنگر اندر آں آئینہ جانانہ را
پھر اس آئینہ میں، معشوق کو اچھی طرح دیکھ

گردِ شمعِ جانِ معشوقے بگرد از عاشقی
عاشقی کی وجہ سے معشوق کی جان کی شمع کے گرد چکر لگا
عاشقی آموز اندر سوختن پروانہ را
جلنے میں پروانہ سے عاشقی سیکھ

نیست دشنامے بصیادِ ازل ایجانِ من
اے میری جان! صیادِ ازل پر کوئی برائی نہیں ہے
آمدہ مُرغِ ہوا گرداں زبہرِ دانہ را
دانہ کی خاطر، ہوا میں اڑنے والا پرندہ آپھنسا ہے

حافظ از زہدِ ریائی توبہ کردہ پیش ازاں
ریاکاری کے زہد سے حافظ اس سے پہلے ہی توبہ کرچکاہے
پس برو بکشائے آخر شب درِ میخانہ را
پس جا آخری شب میں اُس پر میخانہ کا دروازہ کھول دے

لطفؔ باشد گر نپوشی از گدا ہاروت را
مہربانی ہوگی، اگر فقیروں سے تو اپنا چہرہ نہ چھپائے
تا بکامِ دل بہ بیند دیدۂ ماروت را
تاکہ ہماری آنکھ، دل بھر کر تیرا چہرہ دیکھ لے

ہمچو ہاروتیم دائم در بلائے عشق زار
ہم ہاروت کی طرح، ہمیشہ عشق کی مصیبت میں درماندہ ہیں
کاشکے ہرگز ندیدے دیدۂ ماروت را
کاش! ہماری آنکھ تیرا چہرہ کبھی نہ دیکھتی

کے شدے ہاروت در چاہِ زنخدانش اسیر
ہاروت اس کی ٹھوڑی کے کنوئیں میں کیوں قید ہوتا؛
گر نگفتے شمۂ از حسنِ او ماروت را
اگر ماروت اس کے حسن کا تھوڑا سا بھی بیان نہ کرتا

بوئے گُل برخاست گوئی در چمن ہاروت بود
بوئے گل اُٹھی گویا کہ چمنوں میں تیرا چہرہ تھا
بُلبلاں مستند گوئی دیدہ چوں ماروت را
بُلبلیں مست ہوگئی ہیں گویا کہ انہوں نے ہماری طرح تیرا چہرہ دیکھ لیا ہے

می کشم جور و جفا ہایت زہجراں اے صنم
اے معشوق ہجر کی وجہ سے میں تیرا ظلم و جفا برداشت کر رہا ہوں
روی بنما تا بہ بیند حافظ ماروت را
رونمائی کردے تاکہ ہمارا حافظ تیرا چہرہ دیکھ لے

ما برفتیمؔ تو دانی و دلِ غمخورِ ما
ہم تو چلے، تو، اور ہمارا غم خوار دل جانتا ہے
بختِ بد تا بکجا می برد آبشخورِ ما
بدنصیبی ہمارا دانہ پانی کہاں تک لیجائے گا

بے غمت شاد مبادا دلِ غم پرورِ ما
ہمارا غم پرور دل، خدا کرے تیرے غم کے بدوں خوش نہ رہے
غم خورا یدل کہ بجز غم نبود در خورِ ما
اے دل تو غم کھا اس لئے کہ غم کے سوا اور کوئی چیز ہمارے لائق نہ ہوگی

می کنم شادیؔ ازاں روز کہ گفتی برقیب
میں اس دن سے خوشی منا رہا ہوں جس دن تو نے رقیب سے کہا تھا
کیں گدا کیست کہ ہرگز نرود از درِ ما
یہ بھکاری کون ہے جو کسی وقت بھی ہمارے دروازہ سے نہیں ٹلتا ہے

از نثارِؔ مژہ چوں زلفِ تو در دُر گیرم
پلکوں کی بکھیر سے تیری زلفوں کی طرح موتیوں سے گھیر دوں گا
قاصدے کز تو سلامے برساند برِ ما
اُس پیامبر کو جو تیرا سلام، ہم تک پہونچائے

بدعا آمدہ ام ہم بدعا دست برآر
میں دعا کرتا ہوں، تو بھی دعا کے لئے ہاتھ اٹھا
کہ وفا با تو قریں باد و خدا یاورِ ما
کہ وفا تیرا ساتھی ہو اور خدا میرا مددگار

؎۱ جب تک انسان ماسوی اللہ سے تعلق ترک نہیں کرتا ہے اس کو وصال میسر نہیں آتا ہے۔
؎۲ عاشق کو پروانہ وار معشوق پر قربان ہوجانا چاہیے۔
؎۳ اس غزل میں بار بار ہاروت، ماروت کا لفظ آرہا ہے کہیں تو چاہِ بابل والے ہاروت و ماروت مراد ہیں اور کہیں "ما" علامت جمع اور ما ضمیر متکلم کے ساتھ "روت" بمعنی روئے تو ملا دیا گیا ہے۔
؎۴ آوارہ پھرنے کا سبب ہمارے دل کو معلوم ہے یا تجھے۔
؎۵ تو نے چونکہ ہمیں در سے نہ ٹلنے والا کہا اس لئے ہمیں مسرت ہے۔
؎۶ تیرے قاصد پر اپنے آنکھوں کے موتی نچھاور کردوں گا۔

گر ہمہ[1] خلقِ جہاں بر من و تو حیف خورند
اگر تمام دنیا کی مخلوق تجھ پر اور مجھ پر افسوس کرے

بگشد از ہمہ انصافِ ستم داورِ ما
ہمارا خدا سب سے ظلم کا انصاف لے لیگا

بسرت گر ہمہ عالم بسرم بخروشند
تیرے سر کی قسم، اگر تمام جہان میرے سر پر شور مچائے

نتواں برد ہوائے تو بروں از سرِ ما
تو بھی میرے سر سے، تیری محبت نہ نکال سکے گا

فلک[2] آوارہ بہر سُو کندم می دانی
تجھے معلوم ہے کہ مجھے آسمان ہر طرف آوارہ پھرا رہا ہے

رشک می آیدش از صحبتِ جاں پرورِ ما
ہماری جان پرور صحبت پر اس کو رشک آتا ہے

درد مندیم و خبر می دہد از سوزِ درون
ہم درد مند ہیں اور اندرونی سوزش کی خبر دیتا ہے

دہنِ خشک ولبِ تشنہ و چشمِ ترِ ما
ہمارا خشک منہ اور پیاسا ہونٹ، اور تر آنکھ

ما ز وصفِ[3] رُخِ زیبائے تو تا دم زدہ ایم
جب سے ہم نے تیرے حسین چہرے کے اوصاف لکھنے کا دم بھرا ہے

ورقِ گُل خجل ست از ورقِ دفترِ ما
گلاب کی پتی ہمارے دفتر کے ورق سے شرمندہ ہے

زود باشد کہ بیاید بسلامت یارم
بہت جلد ہوگا کہ ہمارا معشوق سلامتی کے ساتھ واپس آجائیگا

اے خوش آں روز کہ آید بسلامت برِ ما
وہ دن کیا ہی اچھا ہوگا جس دن سلامتی سے وہ ہمارے پہلو میں آئیگا

ہر کہ گوید کہ کجا رفت خدارا حافظ
جو بھی کہے کہ خدا کے لئے حافظ کہاں چلا گیا

گو بزاری سفرے کرد و برفت از برِ ما
کہدو اس نے عاجز آکر سفر کر لیا ہے اور ہمارے پاس سے چلا گیا ہے

ہنگامِ نوبہار گُل از بوستاں جدا
نوبہار کے وقت، پھول چمن سے جدا

یارب مباد و ہیچ کس[4] از دوستاں جدا
اے خدا ایسا کبھی نہ ہو، اور کوئی بھی دوستوں سے جدا

بُلبل بنالہ در چمن آمد بہ صبح دم
صبح کے وقت بلبل چمن میں نالہ کرتی ہوئی آئی

از وصلِ گُل ہمی شدہ اندر خزاں جدا
خزاں کے موسم میں پھول کے وصل سے جدا ہوکر

دنیا[5] ست باغِ کہنہ وانساں چو نو گُلند
دنیا پرانا باغ ہے اور انسان نئے پھول ہیں

ہر یک زشاخِ عمر کند باغباں جدا
ہر ایک کو باغبان عمر کی شاخ سے جدا کر دیتا ہے

افسوس کیں حیاتِ جہاں رائگاں گذشت
افسوس اکہ یہ دنیا کی زندگی بیکار گئی

افسوسِ دیگر آں کہ شود تن ز جاں جدا
دوسرے یہ افسوس ہے کہ جسم جان سے جدا ہو جائے گا

بسیار خفتہ اند دریں خاک سیم تن
بہت سے چاندی جیسے جسم والے خاک میں سوئے ہوئے ہیں

شاہان و نوعروس بسے از جہاں جدا
بادشاہ، اور دولھا، دنیا سے بہت دور

ہُشدار و پائے بر سرِ ایں مُردگاں منہ
ہوش میں رہ اور ان مردوں کے سر پر پیر نہ رکھ

تنہا بخاک خفتہ و از خانماں جدا
جو گھر سے جدا، تنہا خاک میں سوئے ہیں

ترکِ ہوا و حرص بکن حافظا کنوں
اے حافظ اب ہوا اور حرص کو چھوڑ دے

بہرِ وصالِ دوست شو از این[6] و آں جدا
دوست کے وصال کے لئے اِس اور اُس سے جدا ہو جا

[1] ان کو دخل اندازی کا کوئی حق نہیں ہے خدا ان کے ظلم کا بدلہ دے گا۔

[2] محبت کے معاملہ میں آسمان بھی رقیب بنا ہوا ہے۔

[3] تیرے رُخ میں جو خوبیاں ہیں وہ گلاب کی پتی کو کہاں نصیب ہیں۔

[4] یعنی کوئی دوست کسی دوست سے جدا نہ ہو۔

[5] جس طرح تازہ پھول شاخوں سے توڑ لئے جاتے ہیں اسی طرح انسانوں کی عمر قطع کر دی جاتی ہے۔

[6] این و آں کا اشارہ ہوا اور حرص کی طرف ہے۔

ردیفِ بائے موحّدہ

آفتاب از روئے او شد در حجاب
اس کے چہرے کی وجہ سے آفتاب پردے میں چھپ گیا

سایہ را باشد حجاب از آفتاب
سورج سے سایہ پردے میں ہو جاتا ہے

دستِ ماہ و مہر بر بندد بحسن
حسن کی وجہ سے آفتاب اور ماہتاب کا ہاتھ باندھ دیتا ہے

ماہِ بے مہرم چو بر بندد نقاب
جب میرا ماہِ بے مہر نقاب الٹ دیتا ہے

از خیالم باز نشناسد کسے
کوئی میری موہوم صورت کو پھر نہیں پہچان سکتا

گر در آغوشش بہ بینم شب بخواب
اگر رات کو خواب میں میں اس کو اپنی بغل میں دیکھ لوں

شاہداں مستور و مستاں بے شکیب
معشوق چھپے ہیں اور مست بے صبر ہو رہے ہیں

خانقہ معمور و درویشاں خراب
خانقاہ بھری ہے اور درویش پریشان ہیں

خونِ دل در جام دیدم از سرشک
آنسوؤں کی وجہ سے دل کا خون میں نے جام میں دیکھا

آبرو برباد دادم از شراب
شراب کی وجہ سے میں نے آبرو کو برباد کر دیا

از برائے بادہ می باید زدن
شراب کی خاطر مار نا چاہیے

محتسب را حدِ بے حد و حساب
محتسب کو کوڑے، بے حد و حساب

سوزِ مستاں گر بداند محتسب
اگر محتسب مستوں کی سوزش کو سمجھ لے

در دم از مے شاں زند بر آتش آب
تو ان کی شراب کا پانی فوراً آگ پر چھڑکے

ہر کرا از دیدہ شد بارانِ اشک
جس کی آنکھ سے آنسوؤں کی بارش برسے

زیرِ دامن باد دارد چوں سحاب
وہ دامن کے نیچے ابر کی طرح ہوا چھپی ہوئی رکھتا ہے

حافظا وعظ و نصیحت گو مکن
اے حافظ وعظ اور نصیحت، کہہ دے نہ کر

ترکِ ترکانِ خطا نبود صواب
ملکِ خطا کے معشوقوں کا چھوڑنا درست نہ ہوگا

تعالی اللہ چہ دولت دارم امشب
اللہ اکبر، آج کی رات مجھے کیا دولت ملی ہے

کہ آمد ناگہاں دلدارم امشب
کہ آج کی رات اچانک میرا معشوق آ گیا

چو دیدم روئے خوبش سجدہ کردم
جب میں نے اس کا حسین چہرہ دیکھا تو سجدہ کیا

بحمد اللہ نکوکردارم امشب
بحمد اللہ، میں آج کی رات نیکوکار ہوں

نہالِ عیشم از وصلش بر آورد
میری زندگی کے پودے نے اس کے وصل کا پھل دیا

زبختِ خویش برخوردارم امشب
میں آج کی رات اپنے نصیبہ سے بہرہ ور ہوں

کشد نقشِ انا الحق بر زمیں خوں
خون زمین پر انا الحق کا نقش کھینچ دے گا

چو منصور ار کشی بر دارم امشب
اگر آج رات منصور کی طرح تو مجھے سولی پر چڑھائے گا

براتِ لیلۃ القدرے بدستم
لیلۃ القدر کا ثواب مجھے

رسید از طالعِ بیدارم امشب
آج کی رات میرے جاگتے نصیبہ کی وجہ سے مل گیا

۱؎ محبوب کے چہرے سے شرما کر آفتاب چھپ گیا جب سورج نکلتا ہے چھاؤں غائب ہو جاتی ہے۔
۲؎ چاند اور سورج اس کے دست بستہ غلام ہیں۔
۳؎ اگر اس کا موہوم وصال ہی حاصل ہو جائے تو میں اپنی ہستی کو گم کر دوں
۴؎ مبارز الدین محمد نے اپنے دور میں شراب خانے بند کرا دیے تھے اور محتسب مقرر کر دیے تھے۔
۵؎ بارانِ اشک کے بعد راحت میسر آ جائے گی، اس کا غم چھٹ جائے گا جیسا کہ ہوا سے ابر چھٹ جاتا ہے۔
۶؎ انا الحق کہنے پر منصور کو سولی دیدی گئی تھی، آج کی رات مجھے محبوب سے ایسا اتحاد حاصل ہے کہ میرے خون کا ہر قطرہ انا الحق کا نقش قائم کر دے گا۔

برانؐ عزمم کہ گر خود میرود سر — کہ سرپوش از طبق بردارم امشب
میں اس کی ٹھانے ہوں کہ اگر سر جاتا رہے — تو آج کی رات طباق سے سرپوش ہٹا دوں

توصاحب نعمتی من مستحقم — زکوٰۃ حسن دہ حق دارم امشب
تو نعمت والا ہے، اور میں مستحق ہوں — حسن کی زکوٰۃ دے آج کی رات مجھے اس کا حق ہے

ہمی ترسم کہ حافظ محو گردد
مجھے ڈر ہے، کہ حافظ محو ہو جائے گا
ازیں شورے کہ در سر دارم امشب
اس شور سے، جو آج کی رات میرے سر میں ہے

زباغؐ وصل تو یابد ریاض رضوان آب — زتاب ہجر تو دارد شرار دوزخ تاب
رضوان کے باغ تیرے باغ وصال سے رونق حاصل کرتے ہیں — دوزخ کی آگ کی سوزش تیرے ہجر کی سوزش سے ہے

چو چشم من ہمہ شب جوئبار باغ بہشت — خیال نرگس مست تو بیند اندر خواب
تمام رات میری آنکھ کی طرح بہشت کا چشمہ — تیری مست نرگس کا خیال، خواب میں دیکھتا ہے

بہ حسنؐ عارض و قد تو بردہ اند پناہ — بہشت و طوبیٰ و طوبیٰ لہم و حسن مآب
تیرے رخسار اور قد کے حسن سے پناہ چاہی ہے — بہشت اور طوبیٰ نے اور ان کے لئے طوبیٰ اور بہترین ٹھکانا ہو

بہار شرح جمال تو دادہ در ہر فصل — بہشت ذکر جمیل تو کردہ در ہر باب
موسم بہار نے ہر فصل میں تیرے حسن کی شرح کی ہے — بہشت نے ہر باب میں تیرا جمیل ذکر کیا ہے

لبؐ و دہان ترا اے بسا حقوق نمک — کہ ہست بر جگر ریش و سینہ ہائے کباب
تیرے لب اور دہن کے نمک کے بہت سے حقوق — ہیں کباب بنے ہوئے سینوں اور زخمی جگر پر

بسوخت ایں دل ما و بکام دل نرسید — بکام اگر برسیدے نریختے خوناب
ہمارا یہ دل سوختہ ہو گیا اور اپنے مقصد تک نہ پہونچا — اگر مقصد حاصل کر لیتا تو خالص خون نہ بہاتا

گمانؐ مبر کہ بدور تو عاشقاں مستند — خبر نداری ز احوال زاہدان خراب
یہ خیال نہ کر کہ تیرے دور میں (صرف) عاشق مست ہیں — مست زاہدوں کے احوال کا تجھے علم نہیں ہے

مرا بدؐ ور لبت شد یقیں کہ جوہر لعل — پدید میشود از آفتاب عالمتاب
تیرے ہونٹوں کے دور میں مجھے یقین ہو گیا کہ لعل کے جوہر — عالم کو روشن کرنے والے آفتاب سے بنتے ہیں

بیمنؐ عشق بہمت رسیدۂ اے دل — ز راہ ہائے خطا آمدی براہ صواب
اے دل، عشق کی برکت سے تو باطن تک پہونچا ہے — غلط راستوں سے تو سیدھے راستے پر پہونچا ہے

مہل کہ عمر بہ بیہودہ بگذرد حافظ
اے حافظ! نہ چھوڑ کہ عمر بیکار گذرے
بکوش و حاصل عمر عزیز را دریاب
کوشش کر، اور پیاری زندگی کا مقصد پالے

صبح دولت میدمد کو جام ہمچوں آفتاب — فرصتے زیں بہ کجا باشد بدہ جام شراب
دولت کی صبح نمودار ہو رہی ہے آفتاب جیسا جام کہاں؟ — اس سے بہتر فرصت کہاں ہوگی شراب کا جام دے؟

ا مجھے آج کی رات ایسی وحدت حاصل ہے کہ اگر میرا سر کٹ جائے تو سارے راز ظاہر کر دوں اور ثابت کر دوں کہ لاموجود الا اللہ یعنی کائنات محض فریب ہے اور وجود ایک ہی ہے۔
۲ محبوب کے وصل کی جو راحتیں ہیں وہ جنت میں کہاں ہیں اور ہجر میں جو مصائب ہیں وہ دوزخ میں بھی نہیں ہیں۔
۳ محبوب کے حسن کے مقابلہ میں جنت کا حسن ہیچ ہے اور اس کے قد کے مقابلہ میں طوبیٰ کا قد بے رونق ہے۔
۴ تیرے ملیح ہونٹ کباب شدہ سینوں پر نمک پاشی کرتے ہیں۔
۵ تیرے عشق سے عاشق و زاہد سب ہی مست ہیں۔
۶ چونکہ تیرا چہرہ آفتاب ہے اور ہونٹ لعل ہیں۔
۷ عشق مجازی سے عشق حقیقی حاصل ہوا ہے
۸ جو کہ عشق و محبت ہے۔

خانہ بے تشویش و ساقی یار و مُطرب بذلہ گو
گھر پُرسکون ہے، یار ساقی ہے، مُطرب لطیفہ گو ہے
موسمِ عیش ست و دورِ ساغر و عہدِ شباب
عیش کا وقت ہے، ساغر کا دور ہے، اور جوانی کا زمانہ ہے

شاہد و ساقی بدست افشان و مُطرب پائے کوب
معشوق اور ساقی بھاؤ دکھا رہے ہیں اور مُطرب رقص کر رہا ہے
غمزۂ ساقی ز چشم مے پرستاں بردہ خواب
ساقی کے ناز و انداز نے مے پرستوں کی نیند اڑا دی ہے

خلوتِ خاص ست و جائے امن و نزہتگاہِ انس
خاص خلوت ہے، امن کی جگہ ہے اور محبت کی سیرگاہ ہے
اینکہ می بینم بہ بیداریست یارب یا بخواب
اے خدا یہ جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں، بیداری میں ہے یا خواب میں

از خیالِ لطفِ مے مشاطۂ چالاک طبع
چالاک طبع مشاطہ شراب کے لطف کے خیال سے
در ضمیرِ برگِ گُل خوش میکند پنہاں گلاب
گلاب کی پتّی کے دل میں اچھی طرح گلاب بھر رہی ہے

از پئے تفریحِ طبع و زیورِ حسن و طرب
تفریحِ طبع اور حسن و مستی کی آراستگی کے لئے
خوش بود ترکیبِ زرّیں جام با لعلِ مذاب[1]
زرّیں جام اور پگھلے ہوئے لعل کا جوڑ عمدہ ہوتا ہے

جائے امن و یار ساقی و حریفاں یکجہت
پُراطمینان جگہ، اور ساقی یار، اور یکدل دوست
کردہ چشمِ مستِ ساقی مے پرستاں را خراب
ساقی کی مست آنکھوں نے مے پرستوں کو مست کر دیا ہے

تا شد آں مہ مشتری دُرہائے حافظ را بگوش[2]
جب کہ وہ چاند حافظ کے موتیوں کو کان میں پہنکر خریدار بنا ہے
میرسد ہر دم بگوشِ زہرہ گلبانگِ رباب
ستار کی آواز ہر وقت زہرہ کے کانوں میں پڑ رہی ہے

گفتم اے سلطانِ خوباں رحم کن بر ایں غریب
میں نے کہا اے حسینوں کے بادشاہ اس پردیسی پر رحم کر
گفت در دنبالِ دل رہ گم کند مسکیں غریب
وہ بولا دل کے پیچھے مسکین پردیسی، راستہ بھول جاتا ہے

گفتمش بگذر زمانے گفت معذورم بدار
میں نے اس سے کہا تھوڑی دیر کے لئے آ، اس نے کہا مجھے معذور سمجھ
خانہ پرورد[3] ے چہ تاب آرد غمِ چندیں غریب
گھر کا پالا ایسے عجیب غم کی کیا تاب لا سکتا ہے؟

خفتہ بر سنجابِ شاہی نازنینے را چہ غم
شاہی سنجاب پر سوئے ہوئے نازنین کو کیا غم؟
گر ز خار و خارہ سازد بستر و بالیں غریب
اگر کوئی پردیسی کانٹوں اور سنگِ خارا کا بستر اور تکیہ بنائے

اے کہ در زنجیرِ زلفت جانِ چندیں آشنا ست
اے وہ کہ تیری زلف کی زنجیر میں بہت سے آشناؤں کی جان ہے
خوش فتاد آں خالِ مشکیں بر رُخِ رنگیں غریب
نادر رنگیں رُخ پر وہ سیاہ تل کیا بھلا واقع ہوا ہے

بس غریب افتادہ است آں مورِ خط گردِ رخت
تیرے رخسار کے گرد، سبزہ آغاز کیسا عجیب ہے؟
گرچہ نبود در نگارستاں خطِ مشکیں غریب
اگرچہ نگارستان میں سیاہ خط نادر نہیں ہوتا ہے

می نماید عکسِ مے در رنگِ روئے مہوشت
تیرے چاند جیسے چہرے کے رنگ میں شراب کا عکس ایسا نظر آتا ہے
ہمچو برگِ[4] ارغواں بر صفحۂ نسریں غریب
جیسا کہ نسریں پر ارغوان کا پتہ، عجیب نظر آتا ہے

گفتم اے شامِ غریباں طرّۂ شبرنگِ تو
میں نے کہا اے وہ کہ تیری شبرنگ زلفیں شامِ غریباں ہیں
در سحرگاہاں حذر کن چوں بنالد ایں غریب
صبح کے وقت جب یہ پردیسی نالہ کرے، تو خدا سے ڈر

باز گفتم ماہِ من آں عارضِ گلگوں مپوش
پھر میں نے کہا اے میرے چاند گلاب جیسا رخسارہ نہ چھپا
ورنہ خواہی ساخت ما را خستہ و مسکیں غریب
ورنہ ہمیں خستہ، اور مسکین غریب بنا دے گا

[1] لعلِ مذاب شراب کو کہتے ہیں۔
[2] یعنی جب سے حافظ کے اشعار محبوب کو پسند آگئے ہیں۔
[3] یعنی تو عشق کے مصائب کو برداشت نہ کر سکے گا۔
[4] رخ نسریں کی طرح ہے اور شراب کا رنگ ارغوانی ہے۔

گفت حافظ آشنایاں در مقامِ حیرت اند
حافظ نے کہا جاننے والے مقام تحیّر میں ہیں

دور نبود گر نشیند خستہ و مسکیں غریب
اگر ایک مسکین اور غریب خستہ ہو بیٹھے تو کچھ بعید نہ ہوگا

می دمد صبح و کِلّہ[1] بست سحاب
صبح طلوع ہورہی ہے، ابر پردہ تانے ہے

اَلصَّبُوحُ الصَّبُوحُ یَا اَصْحَاب
اے ساتھیو! صبح کی شراب لاؤ

میچکد ژالہ بر رُخِ لالہ[2]
لالہ پر، شبنم پڑ رہی ہے

اَلْمُدَامُ اَلْمُدَامُ یَا اَحْبَاب
اے دوستو! کہنہ شراب لاؤ

می وزد[3] در چمن نسیمِ بہشت
چمن میں، بہشتی ہوا آرہی ہے

خوش بنوشید دائماً مےِ ناب
مسلسل، خالص شراب خوب پیو

تختِ زرّیں زدہ ست گُل بچمن
پھول نے، چمن میں زرّیں تخت بچھایا ہے

راح چوں لعل آتشیں دریاب
آتشیں، لعل جیسی، شراب حاصل کرلو

لب و دندانِ[4] تو حقوقِ نمک
تیرے ہونٹ، اور دانت، نمک کے حقوق

داشت بر جانِ سینہ ہائے کباب
رکھتے ہیں کباب بنے سینوں کی جان پر

درِ میخانہ بستہ اند مگر
شراب خانہ کا دروازہ، پھر بند کردیا

اِفْتَحْ یَا مُفَتِّحَ الْاَبْوَاب
اے دروازوں کے کھولنے والے تو کھول دے

در چنیں موسمے[5] عجب باشد
اس جیسے موسم میں، تعجب کی بات ہوگی

کہ ببندند میکدہ بشتاب
کہ شراب خانہ جلد بند کردیں

زاہدا مے بنوش رندانہ
اے زاہد! رندانہ شراب پی

فَاتَّقُوا اللّٰہَ یَا اُولِی الْاَلْبَاب
اے عقل والو! اللہ سے ڈرو

گر نشاں ز آبِ زندگی جوئی
اگر تو آبِ حیات کا متلاشی ہے

مے نوشیں بجو ببانگِ رُباب
ستار کی دھن پر، شراب مانگ

چوں سکندر حیات اگر طلبی
اگر تو سکندر کی طرح، حیات کا طالب ہے

لبِ[6] لعلِ نگار را دریاب
تو معشوق کے لعل جیسے، ہونٹ حاصل کر

بر رُخِ ساقیِ پری پیکر
پری جیسے جسم والے، محبوب کے روبرو

موسمِ گُل بنوش بادۂ ناب
پھول کے موسم میں، خالص شراب پی

شادیِ روئے ساقیِ مہوش
چاند جیسے، ساقی کے چہرے کی خوشی میں

ہمچو حافظ بنوش بادۂ ناب
حافظ کی طرح، خالص شراب پی

حافظا غم مخور کہ شاہدِ بخت
اے حافظ! غم نہ کھا اس لئے کہ نصیبہ کا محبوب

عاقبت برکشد ز چہرہ نقاب
انجام کار، چہرے سے نقاب اٹھائے گا

[1] کلّہ باریک پردے، اور خیمہ کو کہتے ہیں۔
[2] یعنی ابر چھایا ہوا ہے اور موسم خوشگوار ہے۔
[3] جبکہ مست ہوائیں چل رہی ہیں تو شراب کا دور ضروری ہے۔
[4] یعنی زخمی دلوں پر تیرے لب و دندان نمک پاشی کرتے ہیں۔
[5] ایسے خوشگوار موسم میں شراب نوشی ترک کرنا کفرانِ نعمت ہے۔
[6] معشوق کے ہونٹ، آبِ حیات ہیں۔

ردیفِ تائے فوقانی

آں سیہ چردہ کہ شیرینیِ عالم با اوست
وہ ملیح کہ تمام دنیا کی مٹھاس اس میں ہے

چشمِ میگوں لبِ خنداں دلِ خرم با اوست
مست آنکھیں، مسکراتا ہونٹ، خوش دل اس کا ہے

گرچہ شیریں دہناں پادشہانند ولے
اگرچہ تمام شیریں دہن، بادشاہ ہیں لیکن

آں سلیمانِ زمان ست کہ خاتم با اوست
وہ سلیمانِ زمانہ ہے، اس لئے کہ انگوٹھی اس کے پاس ہے

روئے خوبست وکمالِ ہنر ودامنِ پاک
حسین چہرہ ہے، اور کمالِ ہنر ہے، اور پاکدامنی ہے

لاجرم ہمتِ پاکانِ دو عالم با اوست
لامحالہ دو جہاں کے پاکوں کی باطنی توجہ اس کی طرف ہے

خالِ مشکیں کہ برآں عارضِ گندم گونست
کالا تل، جو اس گندم گوں رخسار پر ہے

سرِ آں دانہ کہ شد رہزنِ آدم با اوست
اس دانہ کا راز، جو کہ حضرت آدم کے لئے رہزن بنا تھا اس کے پاس ہے

دلبرم عزمِ سفر کرد خدارا یاراں
میرے معشوق نے سفر کا عزم کر لیا ہے خدا کے لئے اے دوستو!

چہ کنم با دلِ مجروح کہ مرہم با اوست
میں زخمی دل کا کیا کروں، اس لئے کہ مرہم تو اس کے پاس ہے

با کہ ایں نکتہ تواں گفت کہ آں سنگیں دل
یہ راز کس سے کہا جا سکتا ہے کہ اس سنگیں دل نے

کشت مارا و دمِ عیسیِ مریم با اوست
ہمیں مار ڈالا اور حضرت مریم کے عیسیٰ کی جھاڑ پھونک اس کے پاس ہے

حافظ از معتقدانست گرامی دارش
حافظ، معتقدوں میں سے ہے، اس کو معزز سمجھ۔

زانکہ بخشایشِ بس روحِ مکرم با اوست
اس لیے کہ مکرم روح کی اس پر بخشش ہے

آں شبِ قدرے کہ گویند اہلِ خلوت امشب ست
وہ شبِ قدر جس کے اہلِ خلوت قائل ہیں آج کی رات ہے

یارب ایں تاثیرِ دولت از کدامی کوکب ست
اے خدا، دولت کی یہ تاثیر کس ستارے کی وجہ سے ہے؟

تا بگیسوئے تو دستِ ناسزایاں کم رسد
تاکہ نااہلوں کا ہاتھ، تیرے گیسو تک نہ پہونچے

ہر دلے در حلقۂ در ذکرِ یارب یارب ست
ہر حلقہ میں ہر دل، یارب یارب کے ذکر میں ہے

تشنۂ چاہِ زنخدانِ توام کز ہر طرف
میں تیری ٹھوڑی کے کنویں کا پیاسا ہوں اس لئے کہ ہر طرف سے

صد ہزارش گردنِ جاں زیرِ طوقِ غبغب ست
لاکھوں جانوں کی گردنیں اس کی ٹھوڑی کے گوشت کے طوق کے نیچے ہیں

تابِ خوی بر عارضش بیں کآفتابِ گرم رو
اس کے رخسار پر پسینہ کی چمک کو دیکھ کہ تیز رفتار سورج

تا در ہوائے آں عرق ہست ہر روزش تب ست
جب سے اس کے پسینہ کے عشق میں ہے بخار میں ہے

اندر آں موکب کہ بر پشتِ صبا بندد زیں
اس شاہی جلوس میں جس میں صبا کی پشت پر زین کستے ہیں

با سلیماں چوں برآیم منکہ مورم مرکب ست
سلیمان سے ہم کیسے نپٹیں کہ ہماری سواری چیونٹی ہے

شہسوارِ من کہ مہ آئینہ دارِ روئے اوست
ہمارا وہ شہسوار، چاند جس کے چہرے کا آئینہ دار ہے

تاجِ خورشیدِ بلندش خاکِ نعلِ مرکب ست
بلند آفتاب کا تاج، اس کی سواری کے نعل کی خاک ہے

آبِ حیوانش ز منقارِ بلاغت می چکد
اس کی بلاغت کی چونچ سے آبِ حیات ٹپکتا ہے

زاغِ کلکِ من بنام ایزد چہ عالی مشرب ست
بخدا! میرے قلم کا کوا کس قدر عالی مرتبہ ہے

---

۱ یعنی میرے معشوق میں ملاحت کے ساتھ صباحت ہے۔

۲ جس کے ذریعہ وہ جن وانس پر حکومت کرتے تھے۔

۳ جس طرح حضرت آدم گیہوں کے دانہ کی وجہ سے مبتلائے آلام ہوئے اسی طرح اس کے رخسار کا تل فتنۂ عالم ہے۔

۴ وہ مردوں کو زندہ کر سکتا ہے، لیکن اس نے ہمیں مار ڈالا۔

۵ حضرت سلیمان تخت پر سوار ہوتے تھے جو ایک ماہ کی مسافت صبح کو اور ایک ماہ کی مسافت شام کو طے کر لیتا تھا۔

من نخواہم کرد ترکِ لعلِ یار و جامِ مے | زاہداں معذور داریدم کہ اینم مذہب ست
میں یار کے لعل اور شراب کے جام کو ترک نہ کروں گا | اے زاہد! مجھے معذور سمجھو یہ میرا مذہب ہے

آنکہ ناوک بر دلم از زیرِ چشمے میزند
وہ جو نیچی نگاہوں کا تیر میرے دل پر چلاتا ہے

قوتِ جانِ حافظش در خندۂ زیرِ لب ست
حافظ کی جان کی خوراک اس کی مسکراہٹ میں ہے

آں پیکِ نامور کہ رسید از دیارِ دوست[1] | آورد حرزِ جاں ز خطِ مشکبارِ دوست
وہ نامور قاصد جو دوست کے وطن سے آیا ہے | وہ دوست کا مشکبار خط، جان کا تعویذ لایا ہے

خوش میدہد نشانِ جلال و جمالِ یار | خوش می کند حکایتِ عزّ و وقارِ دوست
یار کے جلال اور جمال کا بڑی خوبی سے پتہ دے رہا ہے | دوست کی عزت اور وقار کے بڑے عمدہ قصے بیان کر رہا ہے

جاں[2] دادمش بمژدہ و خجلت ہمی برم | زیں نقدِ کم عیار کہ کردم نثارِ دوست
انعام میں میں نے اس کو جان دیدی اور میں شرمندہ ہوں | کم جوہر نقد کی وجہ سے جو میں نے دوست پر نچھاور کیا

سیرِ سپہر و دورِ قمر را چہ اختیار | در گردش اند برحسبِ اختیارِ دوست
آسمان کی گردش اور چاند کے چکر کو خود کیا اختیار ہے؟ | وہ دوست کے اختیار سے گردش میں ہیں

شکرِ خدا کہ از مددِ بختِ کار ساز | برحسبِ مدعاست ہمہ کار و بارِ دوست
خدا کا شکر ہے کہ کار ساز نصیبہ کی مدد سے | دوست کا تمام کاروبار، مدعا کے مطابق ہے

گر بادِ فتنہ[3] ہر دو جہاں را بہم زند | ما و چراغِ چشم و رہِ انتظارِ دوست
اگر فتنہ کی ہوا دونوں جہانوں کو بھی درہم برہم کر دے | میں ہونگا اور آنکھ کا چراغ ہوگا اور دوست کے انتظار کا راستہ

کحل[4] الجواہرے بمن آر اے نسیمِ صبح | زاں خاکِ نیک بخت کہ شد رہگذارِ دوست
اے صبح کی نسیم! میرے لئے کحل الجواہر لا | اس خوش نصیب خاک کا، جو دوست کا راستہ بنی

مائیم و آستانۂ عشق و سرِ نیاز | تا خوابِ خوش کرا برد اندر کنارِ دوست
ہم ہیں، اور عشق کی چوکھٹ اور نیاز مندی کا سر | دیکھئے میٹھی نیند کس کو دوست کی بغل میں پہونچاتی ہے

دشمن[5] بقصدِ حافظ اگر دم زند چہ باک
حافظ کے ارادہ سے اگر دشمن قصد کرے تو کیا پرواہ ہے

منّت خدائے را کہ نیم شرمسارِ دوست
خدا کا احسان ہے کہ میں دوست سے شرمندہ نہیں ہوں

آں تُرکِ پری چہرہ کہ دوش از برِ ما رفت | آیا چہ خطا دید کہ از راہِ خطا رفت
وہ پری چہرہ معشوق جو گذشتہ رات ہمارے پہلو سے نکل گیا | معلوم کیا خطا دیکھی جو خطا کے راستے سے نکل کر چلا گیا؟

تا رفت مرا از نظر آں چشمِ جہاں بیں | کس واقفِ ما نیست کہ از دیدہ چہا رفت
دنیا بھر کو دیکھنے والی آنکھ جب سے میری نگاہ کے سامنے سے گئی ہے | کسی کو ہمارے بارے میں علم نہیں کہ ہماری آنکھوں سے کتنا کیا گیا

بر شمع[6] نرفت از گذرِ آتشِ دل دوش | آں دود کہ از سوزِ جگر بر سرِ ما رفت
کل رات، دل کی آگ کی وجہ سے شمع پر نہ گذرا | وہ دھواں جو جگر کے جلنے سے، ہمارے سر پر سے گذرا

---

[1] یعنی دوست کا خط میری جان کی حفاظت کا تعویذ ہے۔

[2] اگرچہ قاصد کے قدموں پر میں نے جان نثار کر دی لیکن میں شرمندہ ہوں کہ اچھی چیز نثار نہ کر سکا۔

[3] دنیا کا کوئی تغیر ہمارے عشق کو نہیں بدل سکتا ہے۔

[4] معشوق کے کوچہ کی گرد ہماری آنکھ کو وہی طاقت بخشتی ہے جو سرمہ کحل الجواہر بخشتا ہے۔

[5] یعنی دشمن اگر حافظ کے خون کا خواہاں ہے تو کوئی فکر نہیں جبکہ دوست راضی ہے۔

[6] شمع کا دل جلنے سے شمع کو وہ تکلیف نہیں ہوتی ہے جو ہمیں ہوتی ہے۔

دور از رُخِ تو دمبدم از گوشۂ چشمم
تیرے چہرے سے دور، میری آنکھ کے گوشے دمبدم

سیلابِ سرشک آمد و طوفانِ بلا رفت
آنسوؤں کا سیلاب آیا، اور بلا کا طوفان اٹھا

از پائے فتادیم چو آمد شبِ ہجراں
جب شبِ ہجراں آئی تو ہم لوٹ پوٹ ہو گئے

در درد بماندیم چو از دست دوا رفت
جب ہاتھ سے دوا نکل گئی تو ہم درد میں مبتلا رہ گئے

دل گفت وصالش بدعا باز تواں یافت
دل بولا اُس کا وصال دُعا کے ذریعہ دوبارہ حاصل کیا جا سکتا ہے

عمریست کہ عمرم ہمہ در کارِ دعا رفت
ایک زمانہ گزر گیا ہے کہ میری عمر تمام تر دعا میں صرف ہو گئی

احرامۂ چہ بندیم کہ آں قبلہ نہ اینجاست
ہم کیا احرام باندھیں، وہ قبلہ تو اس جگہ نہیں ہے

در سعی چہ کوشیم کہ از مروہ صفا رفت
سعی میں کیا کوشش کریں، مروہ سے رونق چلی گئی

دیۂ گفت طبیب از سرِ حسرت چو مرا دید
کل طبیب نے جب مجھے دیکھا، حسرت سے کہا

ہیہات کہ دردِ تو ز قانونِ شفا رفت
ہائے افسوس کہ تیرا درد تو شفا کے قانون سے باہر ہو گیا

اے دوست بپرسیدنِ حافظ قدمے نہ
اے دوست! حافظ کی مزاج پرسی کے لئے ایک قدم دھر

زاں پیش کہ گویند کہ از دارِ فنا رفت
اس سے پہلے کہ لوگ کہیں کہ وہ دنیا سے چلا گیا

اے شاہدِ قدسی کہ کشد بندِ نقابت
اے مقدس محبوب! کون ہے جو تیرے نقاب کا بند کھولے

وے مُرغِ بہشتی کہ دہد دانہ و آبت
اے بہشتی چڑیا! کون ہے جو تجھے آب و دانہ دے

رفتی ز کنارِ منِ دل خستہ بناکام
ناکام کر کے، مجھ تباہ کے پہلو سے تو روانہ ہو گیا

تا جائے کہ شد منزل و ماوائے کہ خوابت
کس کا گھر تیری منزل ہے اور کس کا ٹھکانا تیری خوابگاہ ہے؟

خوابم بشد از دیدہ دریں فکرِ جگر سوز
اس جگر سوز خیال سے میری آنکھوں سے نیند اڑ گئی

کآغوش کہ شد منزلِ آسایش و خوابت
کہ تیرے آرام اور نیند کی منزل کس کی آغوش ہے

درویشۂ نمی پرسی و ترسم کہ نباشد
تو فقیر کی پرسش نہیں کرتا ہے، اور مجھے ڈر ہے

اندیشۂ آمرزش و پروائے ثوابت
کہ تجھے بخشے جانے کی فکر اور ثواب کی پروا نہیں ہے

راہِ دلِ عشاق زد آں چشمِ خماری
اس خمار والی آنکھ نے، عاشقوں کا دل لوٹ لیا

پیداست ازیں شیوہ کہ مست است شرابت
اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ تیری شراب نشیلی ہے

تیرےۂ کہ زدی بر دلم از غمزہ خطا رفت
ناز کا تیر جو تو نے میرے دل پر چلایا، وہ چوک گیا

تا باز چہ اندیشہ کند رائے صوابت
معلوم نہیں تیری درست رائے اب کیا سوچے؟

ہر نالہ و فریاد کہ کردم نشنیدی
میں نے جس قدر بھی نالہ اور فریاد کی تو نے نہ سنا

پیداست نگارا کہ بلند است جنابت
اے معشوق! ظاہر ہے تیری بارگاہ بہت بلند ہے

اے قصرِ دل افروز کہ منزل گہِ اُنسی
اے دل کو روشن کرنے والے محل تو محبت کی منزل ہے

یا رب نکناد آفتِ ایام خرابت
خدا کرے زمانہ کی آفت تجھے برباد نہ کرے

دورۂ است سرِ آب دریں بادیہ ہشدار
اس صحرا میں پانی کا کنارہ دور ہے، سمجھ لے

تا غولِ بیاباں نہ فریبد بہ سرابت
تاکہ جنگلی بھوت، تجھے سراب کا فریب نہ دے

۱ جبکہ ہمارا کعبۂ مقصود ہماری نظروں سے غائب ہو گیا ہے تو احرام کس کے لیے باندھیں اور حج کس لئے کریں۔

۲ مریضِ عشق کی دوا شیخ بو علی سینا نے اپنے قانون اور شفا کتاب میں تحریر نہیں کی ہے۔

۳ عاشقوں کے ساتھ بھلائی کر تاکہ آخرت میں بھلا ہو۔

۴ تیرے تیرِ چشم سے اگر تو بچ گیا ہوں معلوم نہیں آئندہ تیرا کیا ارادہ ہے۔

۵ راہِ محبت میں شیطان دھوکے کے بہت سے سراب دکھاتا ہے اس سے ہوشیار رہنا چاہیے۔
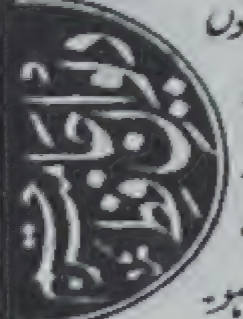
تا در رہِ پیری بچہ آئیں روی اے دل — بارے بغلط صرف شد ایامِ شبابت
اے دل بڑھاپے کے راستہ میں کس طور پر چلے گا — اب، تیری جوانی کی عمر تو غلط کٹی

حافظ نہ غلامیست کہ از خواجہ گریزد
حافظ ایسا غلام نہیں ہے، جو آقا سے بھاگے

لطفے کن و باز آ کہ خرابم زعتابت
مہربانی کردے اور باز آجا کیونکہ میں تیرے عتاب سے تباہ ہوں

اے ہدہدِ صبا بسبا می فرستمت — بنگر کہ از کجا بکجا می فرستمت
اے بادِ صبا کے ہدہد! میں تجھے سبا میں بھیجتا ہوں — سمجھ لے، میں تجھے کہاں سے کہاں بھیج رہا ہوں

حیف ست طائرے چو تو در خاکدانِ دہر — زینجا بآشیانِ وفا می فرستمت
زمانہ کے خاکدان میں، تجھ جیسے پرند کا رہنا ظلم ہے — میں تجھے، اس جگہ سے وفا کے آشیانہ میں بھیج رہا ہوں

در راہِ عشق مرحلۂ قرب و بعد نیست — می بینمت عیان و دعا می فرستمت
عشق کے راستہ میں دوری اور نزدیکی کا معاملہ نہیں ہے — میں تجھے کھلم کھلا دیکھ رہا ہوں اور تیرے لئے دعا بھیج رہا ہوں

ہر صبح و شام قافلۂ از دعائے خیر — در صحبتِ شمال و صبا می فرستمت
ہر صبح، اور شام کو دعائے خیر کا قافلہ — پُروا اور پچھوا کے ساتھ تیرے لئے بھیج رہا ہوں

در روئے خود تفرجِ صُنعِ خدا بکن — کائینۂ خدائے نما می فرستمت
اپنے چہرے میں، خدا کی کاریگری کی سیر کر — میں تیرے پاس، خدا نما آئینہ بھیج رہا ہوں

تا لشکرِ غمت نکند ملکِ دل خراب — جانِ عزیزِ خود بفدا می فرستمت
تاکہ تیرے غم کا لشکر، دل کے ملک کو تباہ نہ کردے — اس لئے میں اپنی پیاری جان کو تیرے پاس فدیہ میں بھیج رہا ہوں

ہر دم غمے فرست مرا و بگو بناز — کایں تحفہ از برائے خدا می فرستمت
ہر دم میرے لیے غم روانہ کر، اور ناز سے کہہ — کہ یہ تحفہ خدا کے لیے، تیرے پاس بھیج رہا ہوں

اے غائب از نظر کہ شدی ہمنشینِ دل — می گویمت دعا و ثنا می فرستمت
اے نظر سے غائب! کہ تو دل کا ہم نشین ہے — میں تجھے دعا دیتا ہوں اور تیرے پاس تعریف بھیج رہا ہوں

تا مطرباں زشوقِ منت آگہی دہند — قول و غزل بساز و نوا می فرستمت
تاکہ گویّے میرے عشق سے تجھے باخبر کردیں — قول اور غزل مع ساز اور آواز کے تیرے پاس بھیج رہا ہوں

ساقی بیا کہ ہاتفِ غیبم بمژدہ گفت — با درد صبر کن کہ دوا می فرستمت
اے ساقی! آ غیبی ہاتف نے خوشخبری میں مجھ سے کہا ہے — درد پر صبر کر، کیونکہ میں تیرے پاس دوا بھیج رہا ہوں

حافظ سرودِ مجلسِ ما ذکرِ خیرِ تست
اے حافظ! ہماری مجلس کا گانا تیرا ذکرِ خیر ہے

تعجیل کن کہ اسپ و قبا می فرستمت
جلدی کر، میں تیرے پاس گھوڑا، اور قبا بھیج رہا ہوں

اے غائب از نظر بخدا می سپارمت — جانم بسوختی و بدل دوست دارمت
اے نظر سے دور! میں تجھے خدا کے سپرد کرتا ہوں — تو نے میری جان جلاڈالی، اور میں تجھے دل سے چاہتا ہوں

۱؎ حضرتِ سلیمان نے ہدہد پرندے کو بلقیس کے احوال معلوم کرنے کے لئے ملکِ سبا کی طرف روانہ کیا تھا۔
۲؎ عشق و محبت کی راہ میں ظاہری فاصلے باقی نہیں رہتے ہیں۔
۳؎ محبوب کا چہرہ خدا بینی کا آئینہ ہے۔
۴؎ غمِ محبوب بھی ہمارے لئے تحفہ ہے۔
۵؎ بادشاہ جب مجلس میں بلاتے تھے تو پوشاک اور سواری بھیج دیتے تھے۔

تا دامنِ کفن نہ کشم زیرِ پائے خاک
جب تک کہ کفن کا دامن میں خاک کے نیچے نہ کھینچوں گا
باور مکن کہ دست ز دامن بدارمت
یقین نہ کر کہ میں تیرے دامن سے دست بردار ہوں گا

گر بایدم شدن سوئے ہاروتِ بابلی[۱]
اگر بابل والے ہاروت کی طرف، مجھے جانا پڑا
صد گونہ ساحری بکنم تا بیارمت
سو قسم کے جادو کروں گا، تاکہ تجھے کھینچ بلاؤں

محرابِ ابرواں بنما تا سحر گہے
ابروؤں کی محراب دکھا، تاکہ صبح کے وقت
دستِ دعا برآرم و در گردن آرمت
دعا کے لیے ہاتھ اٹھاؤں، اور تیری گردن میں ڈال دوں

خواہم کہ پیش میرمت اے بیوفا طبیب
اے بیوفا طبیب! میری خواہش ہے کہ تیرے سامنے جان دوں
بیمار باز پرس کہ در انتظارمت
بیمار کو پھر پوچھ لے کہ تیرے انتظار میں ہوں

صد جوئے آب بستہ ام از دیدہ در کنار
آنکھوں سے، پہلو میں میں نے پانی کی سو نہریں بنائی ہیں
بر بوئے تخمِ مہر کہ در دل بکارمت[۲]
محبت کے اُس بیج کی وجہ سے جو میں تیرے دل میں بوؤں

خونم بریخت و از غمِ ہجرم خلاص داد
میرا خون بہایا، اور مجھے غمِ ہجر سے چھڑا دیا
منت پذیرِ غمزۂ خنجر گذارمت
میں تیرے ناز و ادا کے خنجر کا ممنون ہوں

می گریم و مرادم ازیں چشمِ اشکبار
میں روتا ہوں، اور ان آنسو بہانے والی آنکھوں سے میرا مقصد
تخمِ محبت ست کہ در دل بکارمت
محبت کا وہ بیج ہے، جو میں تیرے دل میں بوؤں

گر دیدہ و دلم کند آہنگِ دیگرے
اگر میری آنکھ، اور دل، کسی دوسرے کا قصد کریں
آتش زنم در آں دل و دیدہ برآرمت
اس دل میں آگ لگا دوں، اور تیری خاطر اُس آنکھ کو نکال دوں

بارم دہ از کرم برِ خود تا بسوزِ دل
مجھے اپنے پاس، اپنے کرم سے باریابی دیدے، تاکہ دل کی سوزش کیساتھ
در پائے دم بدم گہر از دیدہ بارمت
تیرے پیروں پر تیری خاطر آنکھ سے پے در پے موتی نچھاور کر دوں

حافظ شراب و شاہد و رندی نہ وضعِ تست
اے حافظ شراب اور معشوق اور مستی تیری وضع نہیں ہے
فی الجملہ میکنی و فرو میگذارمت
پھر بھی تو کرتا ہے، اور میں تجھے معاف کرتا ہوں

اگر بہ لطف بخوانی مزید الطاف ست
اگر تو مہربانی سے بلائے، مزید مہربانی ہے
و گر بہ قہر برانی درونِ ما صاف ست
اور اگر غصہ سے نکال دے تو بھی ہمارا دل صاف ہے

بیانِ وصفِ تو گفتن نہ حدِ امکان ست
تیرے وصف کا بیان کرنا امکان کی حد سے باہر ہے
چرا کہ وصفِ تو بیرونِ حدِ اوصاف ست[۳]
اس لیے کہ تیرے اوصاف بیان کی حد سے باہر ہیں

چو سرو سرکشی اے یارِ سنگدل از ما
اے سنگدل یار! تو چونکہ سرو کی طرح ہم پر سرکشی کرتا ہے
چہ چشمہاست کہ بر روئے ما ز اطراف ست[۴]
اطراف سے کس قدر نگاہیں ہمارے چہرے پر پڑ رہی ہیں

ز چشمِ عشق تواں دید روئے شاہدِ ما
ہمارے معشوق کے چہرے کو عشق کی نگاہ سے دیکھا جا سکتا ہے
کہ نورِ چہرۂ خوباں ز قاف تا قاف ست[۵]
اس لیے کہ حسینوں کے چہرے کا نور، قاف سے قاف تک ہے

ز مصحفِ رخِ دلدار آیتے بر خواں
معشوق کے رخ کے قرآن سے کوئی آیت یاد کرلے
کہ آں بیانِ مقاماتِ کشف و کشاف ست[۶]
اس لیے کشف اور کشاف کے مقامات کا یہی بیان ہے

---

[۱] چاہِ بابل میں ہاروت جادوگر قید ہے۔
[۲] میں اپنے آنسوؤں سے اس تخم کو پانی دے رہا ہوں جو میں نے تیرے دل میں بویا ہے تاکہ وہ بار آور ہو۔
[۳] یہ ممکن نہیں ہے کہ تیرے حسن کا پورا بیان کیا جا سکے۔
[۴] یعنی رقیبوں کے سامنے شرمندہ ہونا پڑ رہا ہے۔
[۵] مشہور ہے کہ کوہِ قاف تمام دنیا کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔
[۶] علمِ تفسیر میں علامہ زمخشری کی مشہور کتاب ہے۔

عدو کہ منطق حافظ طمع کند در شعر
دشمن جو شعر کہنے میں حافظ کے کلام کا لالچ کرتا ہے
ہماں حدیث ہمای و طریق خطاف ست[1]
یہ تو وہی ہما کی بات اور ابابیل کا طریقہ ہے

اگرچہ بادہ فرح بخش و باد گل بیز ست
اگرچہ شراب خوشی پیدا کرنے والی اور ہوا مہکانے والی ہے
بہ بانگ چنگ مخور مے کہ محتسب تیز ست
ستار کی آواز پر شراب نہ پی اس لیے کہ محتسب بہت تیز ہے

صراحیے و حریفے گرت بدست افتد
صراحی، اور دوست اگر تیرے ہاتھ آجائیں
بعقل کوش کہ ایام فتنہ انگیز ست
تو بھی عقل کا کام کر کہ زمانہ بہت فتنہ انگیز ہے

در آستین مرقع پیالہ پنہاں کن
گدڑی کی آستین میں، پیالہ چھپالے
کہ ہمچو چشم صراحی زمانہ خونریز ست
اس لئے کہ زمانہ، صراحی کی آنکھ کی طرح خونریز ہے

ز رنگ بادہ بشوئید خرقہ ہا از اشک
گدڑی سے شراب کے دھبے آنسوؤں سے دھولے
کہ موسم ورع و روزگار پرہیز ست
اس لیے کہ تقوے کا موسم اور پرہیزگاری کا زمانہ ہے

مجوی[2] عیش خوش از دور واژگون سپہر
آسمان کے الٹے چکر سے خوشی و عیش کا متلاشی نہ بن
کہ صاف ایں سر خم جملہ دُردی آمیز ست
اس لیے کہ اس مٹکے کے اوپر کی صاف بھی تمام تلچھٹ ملی ہے

سپہر[3] بر شدہ پرویزنیست خوں افشاں
بلند آسمان، ایسی خون چھڑکنے والی چھلنی ہے
کہ قطرہ اش سر کسریٰ و تاج پرویز ست
کہ اس کا ایک ایک قطرہ کسریٰ کا سر اور پرویز کا تاج ہے

ہر آنچہ میرسد از نور فیض سبحانی
اللہ کے فیض کے نور سے جو کچھ پہنچتا ہے
نصیبۂ دل شخصے کہ شب سحر خیز ست
اس شخص کے دل کا حصہ ہے جو رات کو سویرے اٹھنے والا ہے

عراق و پارس گرفتی بشعر خود حافظ
اے حافظ تو نے اپنے اشعار سے عراق اور پارس پر تو قبضہ کرلیا
بیا کہ نوبت[4] بغداد و وقت تبریز ست
آجا کہ اب تو بغداد کی باری اور تبریز کا وقت ہے

اگرچہ عرض ہنر پیش یار بے ادبیست
اگرچہ یار کے سامنے کسی ہنر کا پیش کرنا بے ادبی ہے
زباں خموش ولیکن دہاں از عربیست
زبان خاموش ہے لیکن منہ عربی سے بھرا ہے

پری[5] نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز
پری نے منہ چھپالیا اور دیو کرشمہ اور ناز دکھا رہا ہے
بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست
حیرت سے عقل جل گئی کہ یہ کیا بوالعجبی ہے؟

سبب مپرس کہ چرخ از چہ سفلہ پرور شد
اس کا سبب نہ پوچھ کہ آسمان کمینہ پرور کیوں ہوگیا ہے؟
کہ کام[6] بخشی او را بہانہ بے سببیست
اس لئے کہ اس کی مطلب بخشی کے لئے بے سببی کا بہانہ موجود ہے

ازیں چمن گل بے خار کس نچید آرے
اس چمن سے بے کانٹے کا پھول کسی نے نہیں چنا ہمیشہ
چراغ مصطفوی با شرار بولہبیست[7]
مصطفوی چراغ، بولہبی لپٹ کے ساتھ ہے

حسن[8] ز بصرہ بلال از حبش صہیب از روم
بصرہ سے حسن، حبش سے بلال، روم سے صہیب
ز خاک مکہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبیست
مکہ کی خاک سے ابو جہل! یہ کیا بوالعجبی ہے؟

[1] ظاہر ہے کہ ہما اور ابابیل میں کوئی نسبت نہیں ہے۔
[2] زمانے سے خالص عیش کی توقع نہ رکھو۔
[3] یعنی جو خون کے قطرے آسمان برساتا ہے اس میں کسریٰ کے سر اور پرویز کے تاج کی آمیزش ہے۔
[4] ایران پر بھی قبضہ کرلے۔
[5] یعنی اہل ذلیل ہیں اور نااہل عروج پر ہیں۔
[6] یعنی کمینوں کو بلا سبب عروج ہے۔
[7] آں حضور کا چچا ابولہب کفر میں مشہور ہے۔
[8] یعنی مکہ کی متبرک خاک سے ابوجہل پیدا ہوا، اور دوسری سرزمینوں سے بڑے بڑے بزرگ پیدا ہوئے۔
[9] مبارز الدین محمد نے شراب خانے بند کرا کر محتسب مقرر کر دئے تھے۔ اس غزل میں ان واقعات پر طنز ہے۔

جمالِ دخترِ رز نورِ چشمِ ماست مگر
انگور کی بیٹی کا حسن ہماری آنکھوں کا نور ہے لیکن
کہ در نقابِ زجاجی و پردۂ عنبیست
جبکہ زجاجی نقاب، اور عنبی پردے میں ہو

دوائے دردِ خود اکنوں ازاں مفرّح جوی
اب اپنے درد کی دوا، اُس مفرح سے تلاش کر
کہ در صراحیِ چینی و شیشۂ حلبیست
جو چینی صراحی، اور حلبی بوتل میں ہو

بہ نیم جو نخرم طاقِ خانقاہ و رباط
خانقاہ، اور لنگر خانہ کے طاق کو میں آدھے جو میں بھی نہ خریدوں گا
مرا کہ مصطبہ ایوان و پائے خم طنبیست
کیونکہ میرا محل ٹھرا بخانہ، اور بلند قلعہ، پائے خم ہے

ہزار عقل و ادب داشتم من اے خواجہ
اے صاحب! میں ہزار عقل و ادب رکھتا تھا
کنوں کہ مست و خرابم صلائے بے ادبیست
اب جبکہ میں مست اور خراب ہوں تو بے ادبی کی صدا ہے

بیار مے کہ چو حافظ مدامم استغفار
شراب لا مانس لئے کہ حافظ کی طرح ہمیشہ میری استغفار
بگریۂ سحری و نیازِ نیم شبیست
صبح کے وقت کے رونے، اور آدھی رات کے عجز کے ساتھ ہے

اے نسیمِ سحر آرامگہِ یار کجاست
اے صبح کی نسیم! یار کی آرام گاہ کہاں ہے؟
منزلِ آں مہِ عاشق کشِ عیار کجاست
اُس عاشق کش، شوخ، چاند کی منزل کہاں ہے؟

شبِ تار است و رہِ وادیِ ایمن در پیش
رات اندھیری ہے اور وادیِ ایمن کا راستہ درپیش ہے
آتشِ طور کجا وعدۂ دیدار کجاست
کوہ طور کی آگ کہاں ہے، دیدار کا وعدہ کہاں ہے؟

ہر کہ آمد بجہاں نقشِ خرابی دارد
جو بھی دنیا میں آیا ہے، خرابی کا نقش رکھتا ہے
در خرابات مپرسید کہ ہشیار کجاست
شراب خانہ میں یہ نہ پوچھو کہ ہشیار کہاں ہے؟

آنکس است اہلِ بشارت کہ اشارت داند
اہلِ بشارت وہ ہے، جو اشارہ سمجھے
نکتہا ہست بسے محرمِ اسرار کجاست
نکتے تو بہت ہیں، رازوں کا محرم کہاں ہے؟

ہر سرِ موئے مرا با تو ہزاراں کار است
میرے ہر رونگٹے کو، تجھ سے ہزاروں کام ہیں
ما کجائیم و نصیحتگرِ بیکار کجاست
ہم کہاں ہیں، اور فضول نصیحت کرنے والا کہاں ہے؟

عاشقِ خستہ ز دردِ غمِ ہجرِ تو بسوخت
خستہ، عاشق تیرے فراق کے غم میں جل گیا
خود نپرسی تو کہ آں عاشقِ غمخوار کجاست
تو خود یہ نہیں پوچھتا ہے کہ وہ غمخوار، عاشق کہاں ہے؟

بادہ و مطرب و گل جملہ مہیاست و لے
شراب، اور گویا، اور پھول سب مہیا ہیں لیکن
عیش بے دوست میسر نشود یار کجاست
دوست کے بغیر لطف میسر نہیں آتا ہے، دوست کہاں ہے؟

عقل دیوانہ شد آں سلسلۂ مشکیں کو
عقل دیوانی ہو گئی ہے، مشکیں بیڑی کہاں ہے؟
دل ز ما گوشہ گرفت ابروئے دلدار کجاست
دل نے ہم سے کنارہ کر لیا معشوق کی ابرو کہاں ہے؟

دلم از صومعہ و صحبتِ شیخ است ملول
میرا دل، عبادت خانہ اور شیخ کی ہم نشینی سے تنگ ہے
یارِ ترسا بچہ کو خانۂ خمار کجاست
آتش پرست زادہ، یار کہاں ہے شرابی کی بھٹی کہاں ہے؟

باز پرسید ز گیسوئے شکن بر شکنش
اس کی پیچ در پیچ، زلفوں سے پھر پوچھو
کیں دلِ غمزدہ اش گشتہ گرفتار کجاست
کہ یہ غم زدہ دل، جو اس کا گرفتار ہے، کہاں ہے؟

۱ـ زجاجی اور عنبی آنکھ کے پردوں کے نام بھی ہیں۔
۲ـ حضرت موسیٰ کو وادئ ایمن میں تجلیاتِ رب کا دیدار ہوا تھا۔
۳ـ نیکوں کا مقام دنیا نہیں ہے۔
۴ـ جب اس درجہ کی وابستگی ہے تو ناصح کی نصیحت لغو اور بیکار ہے۔
۵ـ دیوانی عقل کو زلفوں کی بیڑیوں کی ضرورت ہے۔
۶ـ تاکہ وہاں سے اس کو تلاش کر کے لائیں۔

حافظ از بادِ خزاں در چمنِ دہر مرنج
اے حافظ زمانہ کے چمن میں خزاں کی ہوا سے رنجیدہ نہ ہو
فکرِ معقول بفرما گلِ بے خار کجاست
صحیح بات سوچ بدوں کانٹے کا پھول کہاں ہے؟

امروز شاہِ انجمنِ دلبراں یکیست
آج دلبروں کی انجمن کا بادشاہ، تو ایک ہی ہے
دلبر اگر ہزار بود دلبر آں یکیست
دلبر اگر ہزار بھی ہوں، وہ دلبر ایک ہی ہے

من بہرِ آں یکے دل و دیں دادہ ام بباد
میں نے اسی ایک کی خاطر دل اور دین تباہ کر دیا ہے
عیبم مکن کہ حاصلِ ہر دو جہاں یکیست
مجھے عیب نہ لگا اس لئے کہ دونوں جہاں کا خلاصہ ایک ہی ہے

سودائیانِ عالمِ پندار را بگوی
خود پسندی کی دنیا کے دیوانوں سے کہہ دو
سرمایہ گم کنید کہ سود و زیاں یکیست
سرمایہ کو گم کر دو اس لئے کہ نفع اور نقصان یکساں ہے

خلقے زباں بدعوئے عشقش کشادہ اند
لوگوں نے اس کے عشق کے دعوے میں زبان کھولی ہے
اے من غلامِ آنکہ دلش با زباں یکیست
میں اس کا غلام ہوں جس کا دل اور زباں ایک ہے

حافظ بر آستانۂ دولت نہادہ سر
حافظ نے دوست کی چوکھٹ پر سر دھر دیا ہے
دولت درآں سرست کہ با آستاں یکیست
خوش نصیبی اسی سر میں ہے جو چوکھٹ کے ساتھ مل کر ایک ہے

اَلْمِنَّۃُ لِلّٰہ کہ درِ میکدہ بازست
خدا کا احسان ہے کہ میکدہ کا دروازہ کھلا ہے
زاں رو کہ مرا بر درِ او روئے نیازست
اس طور پر، کہ میرا عاجزی کا چہرہ اس کے دروازہ پر ہے

خمہا ہمہ در جوش و خروشند ز مستی
مستی کی وجہ سے تمام مٹکے جوش و خروش میں ہیں
واں مے کہ در آنجاست حقیقت نہ مجازست
وہ شراب جو اُن میں ہے، وہ حقیقی ہے، مجازی نہیں ہے

از وے ہمہ مستی و غرورست و تکبّر
اس کی جانب سے تمام تر مستی اور غرور اور تکبّر ہے
وز ما ہمہ بیچارگی و عجز و نیازست
ہماری جانب سے تمام تر بیچارگی، اور عجز و نیاز ہے

شرحِ شکنِ زلفِ خم اندر خمِ جاناں
محبوب کی پیچ در پیچ، زلفوں کی شکن کی شرح
کوتہ نتواں کرد کہ ایں قصہ درازست
مختصر نہیں ہو سکتی، کیونکہ یہ لمبا قصہ ہے

بارِ دلِ مجنون و خمِ طرّۂ لیلےٰ ست
مجنوں کے دل کا بوجھ، اور لیلیٰ کے گیسو کا پیچ ہے
رخسارۂ محمود و کفِ پائے ایازست
محمود کا رخسارہ، اور ایاز کے پیر کا تلوا ہے

بر دوختہ ام دیدہ چو باز از ہمہ عالم
باز کی طرح، تمام جہاں سے میں نے آنکھیں سی لی ہیں
تا دیدۂ من بر رُخِ زیبائے تو بازست
جب سے میری آنکھ تیرے رخِ زیبا پر کھلی ہے

رازیکہ بر خلق نہفتیم و نگفتیم
جو راز ہم نے تمام مخلوق سے نہ کہا اور چھپایا
با دوست بگوئیم کہ او محرمِ رازست
دوست سے کہیں گے، کیونکہ وہ محرمِ راز ہے

در کعبۂ کوئے تو ہر آنکس کہ در آید
جو، تیرے کوچہ کے کعبہ میں آ جائے
از قبلۂ ابروئے تو در عینِ نمازست
تیرے ابرو کے قبلہ کی وجہ سے، عین نماز میں ہے

---

۱ دنیا کا کوئی عیش تکلیف کے بغیر نہیں ہے۔
۲ دنیا میں مدعی بہت ہیں لیکن میرے پیر کا دل اور زباں یکساں ہے۔
۳ یعنی چوکھٹ اور سر میں دوئی ختم ہو جائے
۴ معرفت کی شراب، حقیقی ہے۔
۵ محبوب کی یہی شان ہے، عاشق کا کام عجز و نیاز ہے۔
۶ طولانی زلفوں کی طرح بھی مختصر نہیں ہو سکتی ہے۔
۷ باز کو مانوس کرنے اور سدھانے کے لئے اس کی آنکھیں سی دی جاتی ہیں۔

اے مجلسیاں سوزِ دلِ حافظِ مسکیں
اے ہمنشینو! مسکین، حافظ کے دل کی سوزش

از شمع بپرسید کہ در سوز و گداز ست
شمع سے معلوم کرو، جو سوز و گداز میں ہے

بیا کہ قصرِ امل سخت سُست بنیاد ست
آ حبا! کیونکہ تمناؤں کا محل بہت کمزور بنیاد کا ہے

بیار بادہ کہ بنیادِ عمر بر باد ست
شراب لے آ، کیونکہ عمر کی بنیاد ہوا میں قائم ہے

غلامِ ہمّتِ آنم کہ زیرِ چرخِ کبود
میں اس کی توجہ کا غلام ہوں کہ نیلگوں چرخ کے نیچے

ز ہر چہ رنگِ تعلق پذیرد آزاد ست
ہر اس چیز سے آزاد ہے جو تعلق کا رنگ قبول کرے

نصیحتے کنمت یاد گیر و در عمل آر
میں تجھے نصیحت کرتا ہوں، یاد کر لے اور عمل کر

کہ ایں حدیث زپیرِ طریقتم یاد ست
اس لئے کہ یہ بات مجھے پیرِ طریقت کی یاد ہے

مجو درستیِ عہد از جہانِ سُست نہاد
کمزور بنیاد کی دنیا سے عہد کی پختگی نہ ڈھونڈ

کہ ایں عجوزہ عروسِ ہزار داماد ست
اس لئے، کہ یہ بڑھیا ہزار شوہروں کی دلہن ہے

چہ گویمت کہ بمیخانہ دوش مست و خراب
میں تجھے کیا بتاؤں، کہ کل شب مست و خراب ہونے کی حالت میں

سروشِ عالمِ غیبم چہ مژدہ ہا داد ست
عالمِ غیب کے فرشتے نے مجھے کیا خوشخبریاں دی ہیں

کہ اے بلند نظر شاہبازِ سدرہ نشیں
کہ اے بلند نظر، سدرہ نشیں، شہباز!

نشیمنِ تو نہ ایں کنجِ محنت آباد ست
تیرا آشیانہ، اس محنت آباد کا گوشہ نہیں ہے

ترا ز کنگرۂ عرش میزنند صفیر
تجھے تو عرش کے کنگرے سے آوازیں دے رہے ہیں

ندانمت کہ دریں دامگہ چہ افتاد ست
معلوم، تو کیوں اس جال میں پھنسا ہے؟

غمِ جہاں مخور و پندِ من مبر از یاد
دنیا کا غم نہ کر، اور میری نصیحت نہ بھلا

کہ ایں لطیفۂ نغزم ز رہروے یاد ست
اس لئے کہ ایک سالک کا یہ نادر لطیفہ مجھے یاد ہے

رضا بدادہ بدہ وز جبیں گرہ بکشای
ملے ہوئے پر راضی ہو جا اور پیشانی سے گرہ کھول

کہ بر من و تو درِ اختیار نکشاد ست
اس لئے کہ مجھ اور تجھ پر اختیار کا دروازہ نہیں کھلا ہے

نشانِ مہر و وفا نیست در تبسّمِ گل
پھول کی مسکراہٹ میں، مہر و وفا کا نشاں نہیں ہے

بنال بلبلِ مسکیں کہ جائے فریاد ست
اے مسکین بلبل نالہ کر، کیوں کہ فریاد کی جگہ ہے

حسد چہ می بری اے سست نظم بر حافظ
اے کمزور نظم کہنے والے حافظ پر کیا حسد کرتا ہے

قبولِ خاطر و لطفِ سخن خدا داد ست
طبیعت کی پسندیدگی اور کلام کی پاکیزگی خداداد چیز ہے

برو بکارِ خود اے واعظ اینچہ فریاد ست
اے واعظ جا اپنے کام میں لگ یہ کیا شور ہے؟

مرا فتادہ دل از کف ترا چہ افتاد ست
میرا تو دل ہاتھ سے گیا ہے تیرا کیا گرا ہے؟

بکام تا نرساند مرا لبش چوں نائے
جب تک اس کے ہونٹ مجھے میرے مدعا تک نے کی طرح نہ پہنچائیں گے

نصیحت ہمہ عالم بگوشِ من باد ست
تمام دنیا کی نصیحت میرے کان میں ایک ہوا ہے

۱؎ جب تک خود پر نہ گذرے دوسرے کی کیفیت سمجھ میں نہیں آتی ہے۔
۲؎ نہ عمر قابلِ اعتبار ہے نہ ہمارا عشق مضبوط ہے لہٰذا جلد مہربانی کر دے۔
۳؎ دنیا نے ہزاروں سے رشتہ جوڑا ہے اور ان کو ختم کیا ہے۔
۴؎ یعنی غیبی فرشتہ نے یہ کہا۔
۵؎ جبکہ بندہ کا کوئی اختیار نہیں تو قضاءِ الٰہی پر راضی ہو جانا عقلمندی ہے۔
۶؎ جو حاسد کو میسر نہیں ہے۔
۷؎ تیرا کیا گرا ہے میرا تو دل جاتا رہا ہے۔

میانِ[1] او کہ خدا آفریدہ است از ہیچ
اس کی کمر جس کو خدا نے عدم سے بنایا ہے

دقیقہ ایست کہ ہیچ آفریدہ نکشادست
ایک ایسا راز ہے جس کو کسی پیدا ہونے والے نے نہیں کھولا ہے

گدائے کوئے تو از ہشت خلد مستغنی ست
تیرے کوچہ کا گدا آٹھوں جنتوں سے بے نیاز ہے

اسیرِ بندِ تو از ہر دو عالم آزادست
تیری قید کا قیدی، دونوں جہاں سے آزاد ہے

اگرچہ مستیٔ[2] عشقم خراب کرد ولے
اگرچہ عشق کی مستی نے مجھے خراب کر دیا ہے، لیکن

اساسِ ہستیٔ من زیں خراب آبادست
میری ہستی کی بنیاد، اس خرابی سے آباد ہے

دلا منال ز بیداد و جورِ یار کہ یار
اے دل یار کے ظلم سے نالاں نہ ہو اس لئے کہ یار نے

ترا نصیب ہمیں کردہ است و ایں دادست
تیرا یہی حصہ رکھا ہے، اور یہی انصاف ہے

فریبِ[3] عشوۂ حسن از جہانِ پیر مخور
بوڑھی دنیا کے حسن کے ناز و انداز سے فریب نہ کھا

کہ ہر کہ کرد بوے اختلاط ناشادست
اس لیے کہ جس نے بھی اس سے اختلاط کیا وہ غمگین ہے

برو ملامتِ دُردی کشاں مکن ناصح
اے ناصح جا تلچھٹ پینے والوں کو ملامت نہ کر

کہ رزق و قسمتِ رزّاق ما ہمیں دادست
اس لئے کہ رزق، اور رازق کی تقسیم نے ہمیں یہی دیا ہے

برو فسانہ مخوان و فسوں مدم حافظ
جا، فسانہ نہ بیان کر، اور منتر نہ پھونک اے حافظ!

کزیں فسانہ و افسوں مرا بسے یادست
اس لئے کہ اس قسم کے فسانے اور منتر مجھے بہت یاد ہیں

باغِ[4] مرا چہ حاجتِ سرو و صنوبرست
میرے باغ کو سرو اور صنوبر کی کیا ضرورت ہے؟

شمشادِ سایہ پرورِ من از کہ کمترست
میرا سایہ پرور شمشاد، کس سے کم ہے

اے نازنیں پسر تو چہ مذہب گرفتۂ
اے نازوں کے پالے لڑکے تو نے کونسا مذہب اختیار کیا ہے؟

کت خونِ ما حلال تر از شیرِ مادرست
کہ تیرے لئے ہمارا خون ماں کے دودھ سے بھی زیادہ حلال ہے

چوں[5] نقشِ غم ز دور بہ بینی شراب خواہ
جب تو غم کا نقشہ دور سے دیکھے، شراب مانگ

تشخیص کردہ ایم و مداوا مقررست
ہم نے تشخیص کر دی، اور تجویز تو مقرر ہے

یکِ[6] قصہ بیش نیست غمِ عشق و ایں عجیب
غم عشق ایک قصہ سے زیادہ نہیں ہے، اور یہ تعجب کی بات ہے

از ہر کسیکہ می شنوم نامکررست
میں جس سے بھی سنتا ہوں، مکرر معلوم نہیں ہوتا ہے

از آستانِ پیرِ مغاں سر چرا کشم
پیر مغاں کی چوکھٹ سے، سر کیوں کھینچوں

دولت دریں سرا و کشایش دریں درست
دولت تو اسی گھر میں ہے، اور کشائش اس در میں ہے

دی[7] وعدہ داد وصلم و در سر شراب داشت
اس نے کل مجھ سے وصل کا وعدہ کیا، اور نشہ میں تھا

امروز تا چہ گوید و بازش چہ در سرست
دیکھئے آج کیا کہتا ہے، اور اب اس کا کیا خیال ہے؟

ما آبروئے[8] فقر و قناعت نمی بریم
ہم قناعت اور فقر کی آبرو ریزی نہ کریں گے

با پادشہ بگوی کہ روزی مقدرست
بادشاہ سے کہد و کہ روزی تقدیر میں لکھی گئی ہے

شیراز و آبِ رکنی و آں بادِ خوش نسیم
شیراز، اور رکنا باد کا پانی، اور وہ بہترین نسیم

عیبش مکن کہ خالِ رخِ ہفت کشورست
اس میں عیب نہ ڈال، وہ ساتوں اقلیم کے رخ کا تل ہے

---

[1] معشوق کی کمر کو معدوم مانا جاتا ہے۔
[2] عشق کی مستی ہی انسان کا کمال ہے۔
[3] بوڑھی دنیا کے عشق میں مبتلا نہ ہونا چاہیے۔
[4] میرا محبوب ہر سرو و صنوبر سے بڑھ کر ہے
[5] غم کا علاج شراب سے ہی ہو سکتا ہے۔
[6] ہر بار ایسا لطف آتا ہے جیسا نئے قصہ میں۔
[7] مدہوشی میں وصل کا وعدہ کر گیا، اب معلوم کیا کرے۔
[8] سوال کرنا قناعت کی ذلت ہے۔

فرق ست زآبِ خضر کہ ظلمات جائے اوست
آبِ خضر میں، جس کی جگہ اندھیریاں ہے، فرق ہے

تا آبِ[1] ما کہ منبعش اللہ اکبر ست
ہماری نہر سے، کیونکہ اس کا منبع اللہ اکبر ہے

در کوئے ماشکستہ دلی میخرند و بس
ہمارے کوچہ میں، بس شکستہ دلی خریدتے ہیں

بازارِ خود فروشی ازاں سوئے دیگر ست
خود فروشی کا بازار اس سے دوسری جگہ ہے

باز آکہ در فراقِ تو چشمم زگریہ باز
واپس آجا اس لیے کہ تیرے فراق میں رونے سے آنکھیں اس طرح کھلی ہیں

چوں گوشِ روزہ دار براللہ اکبر ست
جیسا کہ روزہ دار کا کان اللہ اکبر پر ہوتا ہے

حافظ چہ طرفہ شاخِ نباتیست کلکِ تو
اے حافظ! تیرا قلم کس قسم کی شاخِ نبات ہے

کش میوہ دلپذیر تر از شہد و شکر ست
کہ اس کا میوہ شہد و شکر سے بھی زیادہ لذیذ ہے

بجانِ خواجہ[2] و حقِ قدیم و عہدِ درست
خواجہ کی جان، اور قدیم حق، اور پکے عہد کی قسم

کہ مونسِ دمِ صبحم دعائے دولتِ تست
کہ تیری دولت کی دعا میری صبح کے وقت کی مونس ہے

سرشکِ من کہ زطوفانِ نوح دست برد
میرے آنسو جو طوفانِ نوح سے بھی بازی لے گئے

زلوحِ سینہ نیارست نقشِ مہرِ تو شست
تیری محبت کا نقش سینہ کی تختی سے نہ دھو سکے

بکن معاملہ وایں دلِ شکستہ بخر
معاملہ کر لے، اور یہ ٹوٹا ہوا دل خرید لے

کہ باشکستگی ارزد بصد ہزار درست
اسلئے کہ ٹوٹا ہوا ہونے کے باوجود، لاکھ اشرفیوں کے لائق ہے

شدم زعشقِ تو شیدائے کوہ و دشت[3] و ہنوز
میں تیرے عشق میں کوہ و دشت کا شیدائی بن گیا اور ابھی تک

نمیکنی ترحم نطاقِ سلسلہ سست
تو رحم دلی سے زنجیر کا بندھن ڈھیلا نہیں کرتا ہے

ملامتم بخرابی مکن کہ مرشدِ عشق
خرابی پر مجھے ملامت نہ کر، اس لئے کہ عشق کے مرشد نے

حوالتم بخرابات کرد روزِ نخست
روزِ ازل میں ہی مجھے خرابات کے حوالہ کر دیا تھا

دلا طمع مبر از لطفِ بے نہایتِ دوست
اے دل دوست کی لاانتہا مہربانی کا لالچ نہ کر

چو لافِ عشق زدی سر بباز چابک و چست
جب تو نے عشق کی ڈینگ ماری ہے چستی اور چالاکی سے سر کی بازی لگا دے

زبانِ مور بر آصف[4] دراز گشت ازآں
چیونٹی کی زبان آصف پر اس وجہ سے دراز ہوئی

کہ خواجہ خاتمِ جم یاوہ کرد و باز نجست
کہ خواجہ نے سلیمان کی انگوٹھی گم کر دی اور پھر تلاش نہ کی

بصدق کوش کہ خورشید[5] زاید از نفست
سچائی کی کوشش کر تاکہ سورج تیری پھونک سے پیدا ہو

کہ از دروغ سیہ روی گشت صبحِ نخست
پہلی صبح، جھوٹ ہی کی وجہ سے سیہ رو ہوئی ہے

ہزار بار اگر عاشقے نگارے را
اگر کسی عاشق نے، ہزار بار معشوق کو

بیاز مود دلش سخت بود و پیماں سست
آزمایا اس کا دل سخت تھا اور عہد کمزور تھا

مرنج حافظ و از دلبراں وفا مجوی
حافظ رنجیدہ نہ ہو اور معشوقوں سے وفا نہ تلاش کر

گناہِ[6] باغ چہ باشد چوایں گیاہ نرست
باغ میں کیا عیب ہوگا اگر یہ گھاس نہ اُگی

[1] رکنا باد کی نہر کا منبع اللہ اکبر نامی جگہ ہے۔
[2] خواجہ سے قوام، شاہ شجاع کا وزیر مراد ہے جو حافظ کا مربی تھا یہ اور حاجی قوام دو جداگانہ شخص ہیں۔
[3] میری دیوانگی تو ویرانہ میں لیجانا چاہتی ہے لیکن تو نے زنجیر تنگ کر رکھی ہے۔
[4] آصف حضرتِ سلیمان کے وزیر کا نام ہے جم سے مراد حضرتِ سلیمان ہیں یعنی آصف نے حضرتِ سلیمان والی وہ انگوٹھی کھو دی جس کی وجہ سے وہ جن و انس پر حکومت کرتے تھے اسی وجہ سے چیونٹی جیسا کمزور کیڑا زبان چلانے لگا۔
[5] پہلی صبح کاذب ہوتی ہے اسی وجہ سے اس کے منہ پر سیاہی آجاتی ہے دوسری صبح صادق ہے جس سے سورج نمودار ہوتا ہے۔
[6] یعنی اگر محبوب میں وفا کی عادت نہیں ہے تو اس سے اس کے حسن میں کوئی عیب پیدا نہیں ہوتا ہے۔

بنال بلبل اگر با منت سرِ یار لیست
اے بلبل نالہ کر اگر تجھے مجھ سے دوستی کا خیال ہے

کہ ما دو عاشقِ زاریم و کارِ ما زار لیست
اس لیے کہ ہم دونوں عاشقِ زار ہیں اور ہمارا کام آہ و زاری ہے

دراں چمن کہ نسیمے وزد زطرۂ دوست
جس چمن میں دوست کے گیسو سے نسیم مہکے

چہ جائے دم زدنِ نافہائے تاتار لیست
تاتاری نافوں کے لئے دم مارنے کا کیا موقع ہے

بیار بادہ کہ رنگیں کنیم جامۂ دلق
شراب لا تاکہ گدڑی کے کپڑے کو رنگین کرلیں

کہ مستِ جامِ غروریم و نام ہشیار لیست
اس لئے کہ ہم غرور کے جام کے مست ہیں اور نام ہوشیاری ہے

نہ بستہ اند درِ توبہ حالیا برخیز
توبہ کا دروازہ بند نہیں کیا ہے، اب اُٹھ جا

کہ توبہ وقتِ گل از عاشقی زبکار لیست
اس لیے کہ پھول کے موسم میں عاشقی سے توبہ کرنا بیکار بات ہے

سحر کرشمۂ وصلش بخواب میدیدم
میں صبح کو خواب میں اس کے وصل کا کرشمہ دیکھ رہا تھا

زہے مراتبِ خوابے کہ بہ زبیدار لیست
سبحان اللہ نیند کے مرتبوں کا کیا کہنا جو بیداری سے بہتر ہیں

خیالِ زلفِ تو پختن نہ کارِ خامان ست
تیری زلف کا خیال پکانا خام کاروں کا کام نہیں ہے

کہ زیرِ سلسلہ رفتن طریقِ عیار لیست
اس لیے کہ زنجیر کے نیچے آنا ہوشیاری کا کام ہے

لطیفہ الیست نہانی کہ عشق ازو خیزد
جس سے عشق پیدا ہوتا ہے، ایک پوشیدہ لطیفہ ہے

کہ نامِ آں نہ لبِ لعل و خطِ زنگار لیست
جس کا نام لبِ لعل اور خطِ زنگاری نہیں ہے

جمالِ شخص نہ چشم ست و زلف و عارض و خال
کسی شخص کا حسن آنکھ، زلف، رخسار اور تل ہی نہیں ہے

ہزار نکتہ دریں کار و بارِ دلدار لیست
اس دلداری کے کام میں، ہزاروں نکتے ہیں

بآستانِ تو مشکل تواں رسید آرے
تیری چوکھٹ تک پہونچنا مشکل کام ہے، ہاں

عروج بر فلکِ سروری بدشوار لیست
سرداری کے آسمان پر چڑھنا بہت دشواری سے ہوتا ہے

روندگانِ طریقت بہ نیم جو نخرند
طریقت کے سالک آدھے جَو میں بھی نہیں خریدتے ہیں

قبائے اطلسِ آنکس کہ از ہنر عار لیست
اس شخص کی اطلس کی قباء، جو ہنر سے خالی ہے

دلش بنالہ میازار و ختم کن حافظ
اے حافظ! اس کا دل نالہ سے آزردہ نہ کر اور ختم کردے

کہ رستگاریِ جاوید در کم آزار لیست
اس لیے، کہ ہمیشہ کا چھٹکارا کم ستانے میں ہے

بکوئے میکدہ ہر سالکے کہ رہ دانست
جس سالک نے شراب خانہ کے کوچہ کا راستہ جان لیا

درِ دگر زدن اندیشۂ تبہ دانست
دوسرا دروازہ کھٹکھٹانا، اُس نے بُرا جانا

زمانہ افسرِ رندی نداد جز بہ کسے
زمانہ نے رندی کا تاج، اُسی کو دیا ہے

کہ سرفرازیِ عالم دریں کلہ دانست
جس نے جہاں کی کامیابی، اسی ٹوپی میں سمجھی ہے

برآستانۂ میخانہ ہر کہ یافت رہے
جس کو میخانہ کی چوکھٹ کا راستہ مل گیا

زفیضِ جامِ مے اسرارِ خانقہ دانست
اس نے شراب کے جام کے فیض سے خانقاہ کے راز سمجھ لئے

ہر آنکہ رازِ دو عالم زخطِ ساغر خواند
جس نے ساغر کے خط سے دونوں جہاں کے راز پڑھ لئے

رموزِ جامِ جم از نقشِ خاکِ رہ دانست
اس نے جامِ جمشید کے رموز راستہ کی خاک سے سمجھ لئے ہیں

---

۱ کیونکہ اس کی خوشبو طرّہ کی خوشبو کے سامنے ہیچ ہے۔
۲ ایسی ہوشیاری سے جس کی تہ میں غرور ہو مستی ہزار درجہ بہتر ہے
۳ توبہ کا دروازہ بند نہیں ہو جائیگا۔ موسمِ غزل میں کرلینا
۴ مرکزِ عشق محبوب کا حسن نہیں ہے۔
۵ عشق کے لاانتہا اسباب ہیں۔
۶ آستانۂ محبوب پر پہونچنا عرش پر پہونچنا ہے۔
۷ یعنی رندی کا تاج اسی شخص کو ملتا ہے جو اس میں ہی سرفرازی سمجھے۔
۸ ساغر پر بنے ہوئے جو نشان ہوتے ہیں اس کو خطِ ساغر کہتے ہیں۔

دلم ز نرگسِ[۱] ساقی اماں نخواست بجاں
میرے دل نے ساقی کی نرگس سے جان کی اماں نہیں چاہی

چراکہ شیوۂ آں تُرکِ دل سیہ دانست
اس لیے کہ وہ سیاہ دل معشوق کے شیوہ کو سمجھ گیا

ورائے طاعتِ دیوانگاں ز ما مطلب
دیوانوں کی سی فرماں برداری کے سوا ہم سے کچھ نہ چاہ

کہ شیخ مذہبِ ما عاقلی گنہ دانست
اس لیے کہ ہمارے مذہب کے شیخ نے عقلمندی کو گناہ سمجھا ہے

ز جورِ کوکبِ طالع سحر گہاں چشمم
صبح کے وقت نصیبہ کے ستارے کے ظلم سے میری آنکھیں

چناں گریست کہ خورشید دید و مہ دانست
اس قدر روئیں کہ خورشید نے دیکھا اور چاند نے جانا

خوش آں نظر کہ لبِ جام[۲] و روئے ساقی را
وہ نگاہ کس قدر خوش نصیب ہے جس نے جام کے لب اور ساقی کے چہرے کو

ہلالِ یکشبہ و ماہِ چہار دہ دانست
پہلی رات کا چاند، اور چودھویں رات کا چاند، سمجھا

بلند مرتبہ شاہے کہ نُہ رواقِ سپہر
وہ بلند رتبہ بادشاہ، جس نے آسمان کے نو پردوں کو

نمونۂ زِ خمِ طاقِ بارگہ دانست
دربار کے طاق کے، جھکاؤ کا نمونہ سمجھا

حدیثِ حافظ و ساغر کشیدنِ پنہاں
حافظ کی بات، اور چھپاکر ساغر چڑھانے کو

چہ[۳] جائے محتسب و شحنہ پادشہ دانست
چہ جائیکہ محتسب اور سپاہی، بادشاہ تک جان گیا

بلبلے برگِ گلے خوش رنگ در منقار داشت
ایک بلبل ایک خوش رنگ پھول کی پتی چونچ میں لئے تھی

و اندر آں برگ و نوا خوش نالہائے زار داشت
اور اس ساز و سامان میں اچھی طرح عاجزی سے نالے کر رہی تھی

گفتمش در عینِ وصل[۴] ایں نالہ و فریاد چیست
میں نے اس سے کہا، عین وصال میں یہ نالہ اور فریاد کیسی

گفت مارا جلوۂ معشوق در ایں کار داشت
وہ بولی معشوق کے جلوے نے ہمیں اس کام میں مصروف کردیا ہے

یار اگر ننشست با ما نیست جائے اعتراض
اگر دوست ہمارے ساتھ نہ بیٹھا تو اعتراض کا کوئی موقع نہیں ہے

پادشاہِ کامراں بود از گدایاں عار داشت
وہ کامیاب بادشاہ تھا اس کو فقیروں سے عار آئی

عارفے کو سیر کرد اندر مقامِ نیستی[۵]
جس عارف نے، مقام نیستی کی سیر کرلی

مست شد چوں مستئے از عالمِ اسرار داشت
چونکہ عالم اسرار کی ایک مستی اس میں آئی، لہٰذا وہ مست ہوگیا

در نمیگیرد نیاز و عجزِ ما با حسنِ دوست
دوست کے حسن میں ہماری عاجزی اور نیازمندی اثر نہیں کرتی ہے

خرم آں کز نازنیناں بختِ برخوردار داشت
وہ خوش نصیب ہے جس نے نازنینوں سے بہرہ ور نصیبہ رکھا

خیز تا بر کلکِ آں نقاش جاں افشاں کنیم
اٹھو تاکہ اس نقاش کے قلم پر ہم جان چھڑک دیں

کیں[۶] ہمہ نقشِ عجب در گردشِ پرکار داشت
اس لیے کہ یہ تمام عجیب نقش وہ پرکار کی گردش میں رکھتا تھا

گر مریدِ راہِ عشقی فکرِ بدنامی مکن
اگر تو عشق کے راستے کا مرید ہے تو بدنامی کی فکر نہ کر

شیخِ صنعاں[۷] خرقہ رہنِ خانۂ خمار داشت
صنعاں کے بزرگ نے گدڑی شراب خانہ میں رہن کردی تھی

وقتِ[۸] آں شیریں قلندر خوش کہ در اطوارِ سیر
اس شیریں قلندر کا وقت کس قدر بہتر تھا کہ سیر کی حالت میں

ذکرِ تسبیحِ ملک در حلقۂ زنار داشت
فرشتہ کی تسبیح کا ذکر، زنار کے حلقہ میں رکھتا تھا

چشمِ[۹] حافظ زیرِ بامِ قصرِ آں حوری سرشت
اس حور فطرت کے محل کے نیچے، حافظ کی آنکھ

شیوۂ جناتِ تجری تحتہا الانہار داشت
جنات تجری تحتہا الانہار کا طریقہ رکھتی تھی

---

[۱] اماں چاہنے سے کیا فائدہ جبکہ قاتل سخت دل ہے۔
[۲] لبِ جام کو ہلال اور روئے ساقی کو چودھویں کا چاند سمجھا۔
[۳] یعنی حافظ کی مے نوشی کسی پر پوشیدہ نہ رہی۔
[۴] وصال میں کیفیتِ اضطراب اور زیادہ ہوجاتی ہے۔
[۵] مقامِ فنا کے بعد ہی مقامِ بقا حاصل ہوتا ہے۔
[۶] سارے حسین نقش نقاش ازل کی پرکار میں پوشیدہ ہیں
[۷] شیخ صنعان فریدالدین عطار کے مرشد تھے، ان پر ایک وقت ایسا آگیا تھا کہ ایک ترسا کی لڑکی پر عاشق ہوگئے تھے۔
[۸] یعنی قلندرانہ حالت میں رہتے ہوئے بھی ذکر و تسبیح جاری رکھی۔
[۹] یعنی آنکھوں سے معشوق کے محل کے نیچے نہریں جاری کردیں، تو بہشت کے ان محلات کا منظر پیدا ہوگیا جن کے بارے میں قرآن نے کہا ہے کہ بہشت میں ایسے باغ ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔

بدامِ زلفِ تو دل مبتلائے خویشتن ست
تیری زلف کے جال میں، دل خود بخود مبتلا ہوا ہے

بکُش بغمزہ کہ اینش سزای خویشتن ست
ناز سے اس کو قتل کر دے یہی اُس کی سزا ہے

گرت ز دست برآید مرادِ خاطرِ ما
اگر ہمارے دل کی تمنا تیرے ہاتھ سے پوری ہو سکے

بنخش زود کہ خیرے برای خویشتن ست
تو جلد کر دے اس لئے کہ اپنے کے ساتھ بھلائی ہے

بجانت[1] اے بُتِ شیرینِ من کہ ہمچوں شمع
اے میرے پیارے بُت، تیری جان کی قسم، شمع کی طرح

شبانِ تیرہ مرادم فنای خویشتن ست
تاریک راتوں میں، میرا مقصد خود کو فنا کر دینا ہے

چو رأیِ[2] عشق زدی با تو گفتم اے بُلبل
اے بُلبل جب تو نے عشق کرنے کی رائے قائم کی تو میں نے تجھ کو کہا تھا

مکن کہ ایں گُلِ خود رو برای خویشتن ست
ایسا نہ کر اس لیے کہ یہ خودرو پھول اپنے لئے ہی ہیں

بمشکِ چین و چگل نیست حسنِ گُل محتاج
پھول کا حسن، چین و چگل کے مشک کا محتاج نہیں ہے

کہ نافہاش ز بندِ قبای خویشتن ست
اس لئے، کہ اس کے نافے خود اس کی بندِ قبا سے پیدا ہوتے ہیں

مرو بخانۂ اربابِ بے مروتِ دہر
زمانہ کے بے مروت اصحاب کے گھر، نہ جا

کہ کُنجِ عافیتت در سرائے خویشتن ست
اس لئے، کہ تیری عافیت کا گوشہ اپنے گھر ہی میں ہے

بسوخت حافظ و در شرطِ عشق و جانبازی
حافظ جل گیا، اور عشق و جان کی بازی کی شرط میں

ہنوز بر سرِ عہد و وفائے خویشتن ست
ابھی تک اپنے عہد، اور وفا پر قایم ہے

بحریست بحرِ عشق کہ ہیچش کنارہ نیست
عشق کا سمندر، ایسا سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں ہے

آنجا جز انیکہ جاں بسپارند چارہ نیست
بجز اس کے کہ جان دیدیں، وہاں کوئی چارہ نہیں ہے

آن دم کہ دل[3] بہ عشق دہی خوش دمے بود
جس وقت بھی دل کو عشق میں لگا دے وہ اچھا وقت ہوگا

در کارِ خیر حاجتِ ہیچ استخارہ نیست
کارِ خیر میں کسی استخارہ کی ضرورت نہیں ہے

مارا[4] بمنعِ عقل مترسان و مے بیار
عقل کی ممانعت کی وجہ سے، ہمیں نہ ڈرا اور شراب لا

کاں شحنہ در ولایتِ ما ہیچکارہ نیست
اس لئے کہ وہ سپاہی ہمارے ملک میں، کسی کام کا نہیں ہے

از[5] چشمِ خود بپرس کہ مارا کہ میکشد
اپنی آنکھ سے پوچھ، کہ ہمیں کون قتل کر رہا ہے؟

جاناں گناہِ طالع و جرمِ ستارہ نیست
پیارے نصیبہ کی خطا اور ستارے کا جرم نہیں ہے

رویش بچشمِ پاک تواں دید چوں ہلال
اس کا چہرہ، ہلال کی طرح پاک نگاہ سے دیکھا جاسکتا ہے

ہر دیدہ جائے جلوۂ آں ماہ پارہ نیست
ہر آنکھ، اس ماہ پارے کے جلوے کی جگہ نہیں ہے

فرصت شمر طریقۂ رندی کہ ایں نشاں
رندی کے راستہ کو غنیمت سمجھ اس لیے کہ یہ نشان

چوں[6] راہِ گنج بر ہمہ کس آشکارہ نیست
خزانے کے راستہ کی طرح ہر شخص پر آشکار نہیں ہے

نگرفت در تو گریۂ حافظ بہیچ روی
حافظ کے رونے نے کسی طرح تجھ پر اثر نہ کیا

حیرانِ آں دلم کہ کم از سنگِ خارہ نیست
میں اس دل سے حیران ہوں، جو سنگِ خارا سے کم نہیں ہے

---

[1] جس طرح تاریک رات میں شمع اپنے آپ کو گھلا کر ختم کر دیتی ہے۔ میں بھی ہجر کی راتوں میں اپنے آپ کو فنا کر رہا ہوں۔

[2] یعنی معشوق اپنے سوا کسی کے نہیں ہوتے ہیں۔

[3] جلد سے جلد عاشق ہو جانا مناسب ہے استخارہ تو ایسی بات میں کیا جاتا ہے جس کی اچھائی اور بُرائی کھلی ہوئی نہ ہو۔

[4] ہم پر عقل کی حکومت نہیں ہے۔

[5] تیری نگاہ نے ہی ہمیں قتل کیا ہے۔

[6] دفینے کا راستہ صاحبِ نصیب کو ہی ملتا ہے۔

برو اے زاہد و دعوت مکنم سوئے بہشت
اے زاہد جا، اور مجھے جنت کی دعوت نہ دے
کہ خدا در ازل از بہرِ بہشتم نسرشت
اس لیے کہ خدا نے مجھے ازل میں جنت کیلئے نہیں بنایا ہے

یکجو از خرمنِ ہستی نتواند برداشت
وجود کے کھلیان سے ایک جَو بھی حاصل نہ کر سکے گا
ہر کہ در راہِ فنا و رہِ حق دانہ نکشت
جس نے فنا کے راستے اور حق کے راستے میں ایک دانہ نہیں بویا

تو و تسبیح و مصلّے و رہِ زہد و ورع
تو ہے اور تسبیح اور جائے نماز اور پرہیزگاری اور تقوے کا راستہ
من و میخانہ و ناقوس و رہِ دیر و کنشت
میں ہوں اور میخانہ اور ناقوس اور بتخانہ و آتش خانہ کا راستہ

منعم از مے مکن اے صوفیِ صافی کہ حکیم
اے خالی صوفی مجھے شراب سے نہ روک اس لیے کہ حکمت والے نے
در ازل طینت ما را زمئے صاف سرشت
ازل میں ہمارا خمیر صاف شراب سے گوندھا ہے

صوفیِ صاف بہشتی بنود زانکہ چو من
خالی صوفی بہشتی نہیں ہو سکتا ہے اس لیے کہ اس نے میری طرح
خرقہ در میکدہ ہا رہن مئے ناب نہشت
شرابخانوں میں خالص شراب میں گدڑی کو رہن نہیں کیا ہے

لذّت از حورِ بہشت و لبِ حوضش نبود
حور بہشتی کی لذت اور حوض کا کنارہ اس کو حاصل ہوگا
ہر کہ او دامنِ معشوق خود از دست بہشت
جس نے، اپنے محبوب کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا

حافظا لطفِ حق ار با تو عنایت دارد
اے حافظ! اگر اللہ کی مہربانی کی تجھ پر عنایت ہو
باش فارغ زغمِ دوزخ و شادیِ بہشت
دوزخ کے غم، اور جنت کی خوشی سے بے نیاز ہو جا۔

بے مہرِ رخت روزِ مرا نور نماندہ است
تیرے رخ کے سورج کے بغیر، میرے دن کے لئے روشنی نہیں رہی ہے
وز عمر مرا جز شبِ دیجور نماندہ است
اور زندگی سے میرے لئے تاریک رات کے علاوہ کچھ نہیں رہا ہے

ہنگامِ وداعِ تو زبس گریہ کہ کردم
تیری جدائی کے وقت، میں اس قدر رویا
دور از رخِ تو چشمِ مرا نور نماندہ است
تیرے چہرے سے دور میری آنکھ میں نور نہیں رہا ہے

من بعد چہ سود ار قدمے رنجہ کند دوست
اس کے بعد کیا فائدہ، اگر دوست قدم رنجہ فرمائے
کز جاں رمقے در تنِ رنجور نماندہ است
اس لیے کہ رنجور جسم میں جان کی رمق بھی نہیں رہی ہے

میرفت خیالِ تو زچشمِ من و میگفت
میری آنکھوں سے تیرا خیال جب جاتا تھا اور کہتا تھا
ہیہات ازیں گوشہ کہ معمور نماندہ است
اس گوشہ پر افسوس ہے، جو آباد نہیں رہا ہے

نزدیک شد آں دم کہ رقیباں بتو گویند
وہ وقت قریب آگیا ہے کہ، تجھ سے رقیب کہیں گے
دور از درت آں خستۂ رنجور نماندہ است
تیرے در سے دور، وہ خستہ رنجور نہیں رہا ہے

از تلخیِ ہجرانِ تو زیں گردشِ بے مہر
تیرے ہجر کی تلخی جو اس بے مہر گردش کی وجہ سے ہے
سوزم من ازیں غصہ کہ مستور نماندہ است
میں اس غصہ سے جل رہا ہوں کہ وہ پوشیدہ نہیں رہی ہے

وصلِ تو اجل را ز سرم دور ہمی داشت
تیرا وصال موت کو میرے سر سے دور کئے ہوئے تھا
از دولتِ ہجر تو کنوں دور نماندہ است
اب تیرے ہجر کی دولت کی وجہ سے وہ دور نہیں رہی ہے

صبر است مرا چارہ زہجرانِ تو لیکن
تیرے ہجر کا علاج میرے لئے صبر ہے لیکن
چوں صبر تواں کرد کہ مقدور نماندہ است
صبر کیونکر کیا جائے، وہ ممکن نہیں رہا ہے

۱ زندگی سے وہی فائدہ اٹھائے گا جو فنا کا مقام حاصل کریگا۔
۲ شراب ہمارے خمیر میں ہے لہٰذا شراب سے روکنا مناسب نہیں ہے۔
۳ اصل توحید یہی ہے کہ جنت اور دوزخ سے بے پروائی ہو۔
۴ میری آنکھیں بےنور ہوگئی ہیں خدا کرے تیرا چہرہ ایسا نہ ہو۔
۵ گوشۂ چشم کی آبادانی محبوب کے خیال ہی سے تھی
۶ جانے ہجر کی کیفیت سب پر ظاہر ہوگئی ہے۔

در ہجرِ تو گر چشمِ مرا آب نماندہ است
تیرے ہجر میں اگر میری آنکھ میں پانی نہیں رہا ہے

گو خونِ جگر ریز کہ معذور نماندہ است
کہدو، کہ خونِ جگر بہائے کیونکہ معذور نہیں ہے

حافظ زغم از گریہ نپرداخت بخندہ
حافظ، غم کی وجہ سے رونے سے ہنسنے میں نہ لگا

ماتم زدہ را داعیۂ سور نماندہ است
غمزدہ کو خوشی کا کوئی داعیہ نہیں رہا ہے

بادِ سحر از نافۂ تاتار وزیدہ است
صبح کی ہوا، تاتار کے نافہ سے چلی ہے

نے نے غلطم از سرِ کوئے تو رسیدہ است
نہیں نہیں، میں نے غلط کہا تیرے کوچہ سے چلی ہے

گر با دہنت غنچہ نمی کرد تبسم
اگر تیرے منہ کے مقابلہ میں، غنچہ نے تبسم نہیں کیا تھا

بادِ سحرش بہرِ چہ ایں پردہ دریدہ است
صبح کی ہوا نے کیوں اس کا یہ پردہ چاک کیا ہے؟

چوں دید سرِ زلف چو زنجیر دلم گفت
جب زلف کے کنارے کو زنجیر کی طرح دیکھا تو میرے دل نے کہا

دیوانہ ندانم کہ دراں زہر چہ دیدہ است
معلوم نہیں دیوانہ نے اس زہر میں کیا دیکھا ہے؟

پرسی تو چہ حالِ دلِ بدروز کہ بہرت
اس بدقسمت دل کا کیا حال پوچھتا ہے جس نے تیری خاطر

از زلفِ تو و رنجِ شبِ تار کشیدہ است
تیری زلف اور تاریک رات کا رنج برداشت کیا ہے

بخشائی بر اشکم کہ چو باد از پئے بویت
میرے اُن آنسوؤں پر رحم کر جو ہوا کی طرح تیری خوشبو کیلئے

سرگشتہ بدنبالِ تو بسیار دویدہ است
حیران، تیرے پیچھے بہت دوڑے ہیں

گفتم سرِ گیسوئے چو مارِ تو کشم گفت
میں بولا، تیرے گیسوؤں کو جو سانپ کی طرح ہیں کھینچوں گا

بگذر کہ بلا جانبِ خود کس نکشیدہ است
اس نے کہا جانے دے، کسی نے مصیبت اپنی طرف نہیں کھینچی ہے

از حالِ دل و زلفِ سیاہِ تو چہ آگاہ
دل اور تیری کالی زلف کی حالت سے وہ کیا آگاہ ہو سکتا ہے

آنکس کہ گہے مارِ سیاہش نگزیدہ است
جس کو کبھی، سیاہ سانپ نے نہ ڈسا ہو

تا کے غمِ پنہانِ تو در سینہ بدارم
میں تیرے پوشیدہ غم کو کب تک سینے میں رکھوں

چوں از غمت آہم بہ نہم چرخ رسیدہ است
جبکہ تیرے غم سے میری آہ نویں آسمان تک پہونچ گئی ہے

گفتی کہ چہ حالست فلاں چشمِ پر آبت
تو نے کہا کہ اے فلاں تیری آنسوؤں بھری آنکھوں کا کیا حال ہے؟

زاں خانہ چہ پرسی کہ مہ و سال چکیدہ است
اُس گھر کے بارے میں کیا پوچھتا ہے جس کو مہینے اور سال ٹپکتے گذرے ہیں

تا چند دہی وعدہ کہ نزدیک رسم باز
کب تک یہ وعدہ کرے گا کہ میں پھر قریب پہونچوں گا

رس تا کہ کسے بختِ سیہ رو نشنیدہ است
اسوقت تک آجا جب تک کسی سیاہ رو نصیبہ والے نے ہمارا حال نہیں سنا ہے

گفتی کہ شبِ حافظِ بدروز خرابست
تو نے کہا، کہ بدنصیب حافظ کی رات تباہ ہے

عمریست کہ بے روئے تو صبحش ندمیدہ است
ایک عمر گذر گئی ہے کہ تیرے چہرے بدون اس کی صبح نہیں ہوئی ہے

پر یروئے کہ رخسارش چو ماہست
وہ پری رو جس کا رخسار چاند کی طرح ہے

ہزارش عاشقِ شیدا چو ماہست
ہم جیسے، اس کے ہزاروں عاشق شیدا ہیں

۱۔ اگر آنسو ختم ہو گئے ہیں تو خونِ جگر کے آنسوؤں سے رونا چاہیے۔

۲۔ غمِ ہجر میں ہنسی کا کوئی داعیہ باقی نہیں ہے

۳۔ چونکہ غنچہ نے تیرے مُنہ کی ہمسری کی تھی اسی لئے اس کا پردہ چاک ہوا ہے۔

۴۔ جس طرح ہوا تیری خوشبو حاصل کرنے کے لئے تیرے پیچھے دوڑتی ہے اسی طرح میرے آنسو تیرے درپے رہے ہیں۔

۵۔ زلف کو سیاہ سانپ سے تشبیہ دی ہے۔

۶۔ رقیب بدنصیب کو معلوم ہونے سے قبل آجا۔

۷۔ رخِ محبوب سورج ہے جب تک وہ نظر نہ آئے تو رات ہی رات ہے۔

زنخدانش مرا چاہست دائم
اس کی ٹھوڑی میرے لئے مستقل کنواں ہے
درین[1] چاہش خدا مارا گواہست
اُسکے اس کنوئیں میں، خدا ہی ہمارا گواہ ہے

چہ باک ار میزند شمشیر مارا
کیا پروا ہے اگر وہ ہمارے تلوار مارتا ہے
چو لعلِ دلپذیرش عذرخواہست
جبکہ اس کا دل پسند لعل، عذر خواہ ہے

کمالِ[2] قرب زآں دارد شبِ قدر
شبِ قدر، قرب میں اسی وجہ سے کمال رکھتی ہے
کہ چوں زلفِ پریشانش سیاہست
چونکہ وہ اس کی پریشان زلف کی طرح، کالی ہے

مرا چوں اشک می اندازد از چشم
میری آنکھوں سے آنسو کیوں بہاتا ہے؟
نگارینے کہ عالم را پناہست
وہ معشوق، جو جہان کے لیے پناہ ہے

نگفتی[3] خواہمت کشتن دریں راہ
کیا تو نے نہیں کہا تھا کہ تجھے اس راستہ میں مار ڈالنا چاہتا ہوں
زشادی روز چشمم رُو براہست
اس خوشی میں میری آنکھ ہر روز راستہ پر لگی رہے

دل و دیں چوں فدا کردیم حافظ
اے حافظ! چونکہ ہم نے دل، اور دین قربان کر دیا ہے
لبِ خشک و رخِ زردم گواہست
ہمارا خشک ہونٹ، اور زرد چہرہ، گواہ ہے

تا سرِ زلفِ تو در دستِ نسیم[4] افتادہ است
جب سے تیری زلف کا سرا، نسیم کے ہاتھ میں پڑا ہے
دلِ سوداز دہ از غصہ دو نیم افتادہ است
سودائی دل، رنج کی وجہ سے دو ٹکڑے ہوا پڑا ہے

چشمِ[5] جادوئے تو در عینِ سوادِ سحر ست
تیری آنکھ کا جادو فی الحقیقت جادو کی روشنائی ہے
ایں قدر ہست کہ ایں نسخہ سقیم افتادہ است
بس اس قدر ہے کہ یہ نسخہ بیمار واقع ہوا ہے

در خمِ[6] زلفِ تو آں خالِ سیہ دانی چیست
تیری زلف کے پیچ میں وہ کالا تل! تجھے معلوم ہے کیا ہے؟
نقطۂ دودہ کہ در حلقۂ جیم افتادہ است
دھوئیں کا ایک نقطہ ہے، جو جیم کے دائرے میں واقع ہوا ہے

سایۂ[7] سروِ تو در قالبم اے عیسیٰ دم
اے عیسیٰ نفس، میرے جسم پر تیرے سرو کا سایہ
عکسِ روحیست کہ بر عظمِ رمیم افتادہ است
روح کا ایک عکس ہے، جو بوسیدہ ہڈیوں پر پڑا ہے

زلفِ[8] مشکینِ تو در گلشنِ فردوسِ عذار
رخسار کی جنت کے باغ میں، تیری سیاہ زلف کیا ہے
چیست طاؤس کہ در باغِ نعیم افتادہ است
مور ہے، جو جنت النعیم میں آگیا ہے

دلِ من در ہوسِ روئے تو اے مونسِ جاں
اے جان کے مونس، میرا دل ترے رُخ کی ہوس میں
خاکِ راہیست کہ در دستِ نسیم افتادہ است
راستہ کی خاک ہے، جو نسیم کے ہاتھ لگی ہے

ہمچو گرد[9] ایں تنِ خاکی نتواند برخاست
یہ خاکی جسم گرد کی طرح نہیں اٹھ سکتا ہے
از سرِ کوئے تو زآں رو کہ عظیم افتادہ است
تیرے کوچہ سے، کیونکہ بری طرح گرا ہے

آنکہ جز کعبہ مقامش نہ بد از یادِ لبت
وہ جس کا کعبہ کے سوا کوئی مقام نہ تھا، تیرے ہونٹ کی یاد میں
بر درِ میکدہ دیدم کہ مقیم افتادہ است
میں نے دیکھا ہے کہ میکدے کے در پر مقیم ہو گیا ہے

حافظِ گم شدہ را با غمت اے جانِ عزیز
اے جانِ عزیز! گم شدہ حافظ کو تیرے غم سے
اتحادیست کہ از عہدِ قدیم افتادہ است
ایسا اتحاد ہے، جو قدیم زمانہ سے ہوا ہے

---

[1] یعنی اس کنوئیں میں قید تنہائی ہے۔
[2] شبِ قدر کو اسی وجہ سے متبرک سمجھا جاتا ہے کہ وہ تیری زلفوں کی طرح کالی ہے۔
[3] تو نے مجھے قتل کر ڈالنے کا وعدہ کیا تھا، میں خوشی سے اس دن کا منتظر ہوں۔
[4] چونکہ نسیم سے بھی رقابت ہے۔
[5] جادو کے نقش میں جو اثر ہوتا ہے وہی اثر تیری کالی آنکھوں میں ہے، معشوق چونکہ عاشق کو آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا ہے اس لئے اس کی آنکھوں کو بیمار قرار دیا جاتا ہے۔
[6] زلف کے خم کو (ج) سے تشبیہ دی جاتی ہے جس کے پیٹ میں نقطہ ہوتا ہے۔
[7] حضرت عیسیٰ کے سانس میں یہ معجزہ تھا کہ وہ مُردہ کو زندہ کر دیتا تھا۔ رُوح سے مراد حضرت عیسیٰ ہیں۔
[8] زلف کو مور اور رخسار کو جنت سے تشبیہ دی ہے۔
[9] اس تمنا میں کہ نسیم اس کو اڑا کر لیجائے اور تیرا دیدار کرا دے۔

جز آستانِ توام در جہاں پناہے نیست
تیری چوکھٹ کے علاوہ دنیا میں میری کوئی پناہ نہیں ہے

سرِ مرا بجز ایں در حوالہ گاہے نیست
میرے سر کے لئے اس در کے علاوہ کوئی سرداری کی جگہ نہیں ہے

عدو چو تیغ کشد من سپر بیندازم[1]
دشمن جب تلوار کھینچتا ہے میں سپر انداز ہو جاتا ہوں

کہ تیرِ ما بجز از نالۂ و آہے نیست
اس لئے کہ ہمارا تیر ایک نالہ اور ایک آہ کے علاوہ کچھ نہیں ہے

چرا ز کوئے خرابات روی برتابم
میں شراب خانہ کے کوچے سے کیوں روگردانی کروں؟

کزیں بہم بجہاں ہیچ رسم و راہے نیست
اس لئے کہ میرے لئے دنیا میں اس سے بہتر کوئی رسم و راہ نہیں ہے

زمانہ گر بزند آتشم بخرمنِ عمر
اگر زمانہ میری عمر کے کھلیان میں آگ لگا دے

بگو بسوز کہ بر من برگِ کاہے نیست
کہہ دو جلا دے، اس لئے کہ وہ میرے نزدیک گھاس کے تنکے کی برابر بھی نہیں ہے

غلامِ نرگسِ جماشِ آں سہی سروم
میں اسی سیدھے قد سرو کی شوخ آنکھ کا غلام ہوں

کہ از شرابِ غرورش[2] بکس نگاہے نیست
غرور کی شراب کی وجہ سے جس کی کسی کی طرف نگاہ نہیں ہے

مباش در پئے آزار و ہر چہ خواہی کن[3]
ستانے کے درپے نہ ہو اور جو چاہے کر

کہ در شریعتِ ما غیر ازیں گناہے نیست
اس لیے کہ ہماری شریعت میں اس کے علاوہ اور کوئی گناہ نہیں ہے

عناں کشیدہ رو اے بادشاہِ کشورِ حسن[4]
اے مُلکِ حسن کے بادشاہ! لگام کھینچے چل

کہ نیست بر سرِ راہے کہ دادخواہے نیست
اس لیے کہ راستہ پر، کوئی ایسا نہیں جو فریادی نہیں ہے

عقابِ جور کشادہ است بال در ہمہ شہر
ظلم کے باز نے سب شہروں میں اپنے بازو پھیلا دئے ہیں

کمانِ[5] گوشہ نشینی و تیرِ آہے نیست
گوشہ نشینی کی کمان، اور آہ کا تیر نہیں ہے

چنیں[6] کہ در ہمہ سو دامِ راہ می بینم
چونکہ میں تمام جانب، راستوں کے جال دیکھتا ہوں

بہ از حمایتِ زلفِ توام پناہے نیست
تیری زلف کی حمایت سے بہتر میرے لئے کوئی پناہ نہیں ہے

خزینۂ دلِ حافظ بزلف و خال مدہ
حافظ کے دل کے خزانہ کو زلف اور تل کے سپرد نہ کر

کہ کارہائے چنیں حدِ ہر سیاہے نیست
اس لئے کہ ایسے کام ہر کالے کے بس کے نہیں ہیں

چو بشنوی سخنِ اہلِ دل مگو کہ خطاست
جب تو اہلِ دل کی بات سنے، تو یہ نہ کہہ کہ غلط ہے

سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست
تو خود بات سمجھنے والا نہیں ہے، اے دلبر! غلطی تو یہ ہے

سرم[7] بدنیا و عقبیٰ فرو نمی آید
میرا سر دنیا، اور عقبیٰ کی طرف نہیں جھکتا ہے

تبارک اللہ ازیں فتنہا کہ در سرِ ماست
(خدا ہی بابرکت ہے) ان فتنوں کی وجہ سے جو ہمارے سر میں ہیں

در اندرونِ منِ خستہ دل ندانم کیست
مجھ خستہ دل کے اندر، نہ معلوم کون ہے؟

کہ من خموشم و او در فغان و در غوغاست
کہ میں تو چپ ہوں اور وہ فریاد اور غوغا کر رہا ہے

دلم ز پردہ بروں شد کجائی اے مطرب
میرا دل پردہ سے باہر ہو گیا، اے مطرب تو کہاں ہے؟

بنال ہاں کہ ازیں پردہ کارِ ما بنواست
نالہ کر کہ اسی پردہ کی وجہ سے ہمارا کام بارونق ہے

مرا بکارِ جہاں ہرگز التفات نبود
دنیا کے کام کی طرف میری کوئی توجہ نہ تھی

رخِ[8] تو در نظرِ من چنیں خوشش آراست
تیرے رخ نے اس کو میری نظر میں ایسی خوبی سے آراستہ کیا ہے

---

[1] اس قدر عاجز و ناتوان ہوں کہ دشمن کے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے۔
[2] غرورِ حسن کی وجہ سے وہ کسی کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھتا ہے۔
[3] حافظ کا یہ شعر زبان زدِ خلائق ہے۔
[4] سب تیرے ہجر کے فریادی ہیں۔
[5] ظلم کو ختم کرنے کیلئے گوشہ نشینی اور دلبرِ خلاوندی میں آہ و زاری کی ضرورت ہے۔
[6] پھنسنا ہی ہے تو معشوق کی زلف میں پھنسنا چاہیے۔
[7] چونکہ سر میں عشق کے فتنے ہیں اس لیے ہم دونوں جہاں سے بے نیاز ہیں۔
[8] کائنات میں چونکہ تیری تجلیات ہیں اس لئے ہم اسمیں لگے ہیں۔

نخفتہ ام بخیالے کہ می پزم شبہا
میں ان خیالات کی وجہ سے جن کو میں پکاتا ہوں، راتوں نہیں سویا
خمارِ[1] صد شبہ دارم شراب خانہ کجاست
سو راتوں کا خمار مجھ پر چڑھا ہے شراب خانہ کہاں ہے؟

چنیں کہ صومعہ آلودہ شد بخونِ دلم
ایسی حالت میں کہ میرے خونِ دل سے عبادتخانہ آلودہ ہوا ہے
گرم بہ بادہ بشوئید حق بدستِ شماست
اگر تم شراب سے مجھے دھو دو تو حق تمہارے ساتھ ہے

ازاں[2] بدیرِ مُغانم عزیز میدارند
اس سبب سے آتش پرست آتشکدہ میں مجھے عزت دے رکھتے ہیں
کہ آتشے کہ نمیرد ہمیشہ در دلِ ماست
کہ جو آگ کبھی نہ بجھے وہ ہمیشہ ہمارے دل میں ہے

چہ[3] ساز بود کہ بنواخت مُطربِ عُشّاق
وہ کیا ساز تھا جو عاشقوں کے مُطرب نے چھیڑا
کہ رفت عمر و ہنوزم دماغ پُر ز صداست
کہ زمانہ گذر گیا اور صدا سے میرا دماغ پُر ہے

خمارِ عشقِ تو دیشب در اندرونم بود
تیرے عشق کا خمار کل شب میرے اندر تھا
کجا است وقتِ عبادت چہ وقت و جائے دُعاست
عبادت کا وقت کہاں ہے اور دعا کا مقام اور وقت کب ہے؟

ندائے عشقِ تو دوشم در اندروں دادند
تیری محبت کی آواز کل شب میرے اندر انھوں نے دی
فضائے سینۂ حافظ ہنوز پُر ز صداست
حافظ کے سینہ کی فضا اب تک صدا سے پُر ہے

چہ[4] لطف بود کہ ناگاہ رشحۂ قلمت
کیا مہربانی تھی کہ اچانک تیرے قلم کے ترشح نے
حقوقِ خدمتِ ما عرض کرد بر کرمت
ہماری خدمت کے حقوق تیرے کرم کے سامنے پیش کر دیئے

بنوکِ خامہ رقم کردۂ سلام مرا
قلم کی نوک سے، تو نے مجھے سلام لکھا ہے
کہ کارخانۂ دوراں مباد بے رقمت
خدا کرے زمانہ کا کارخانہ تیری تحریر بدون نہ ہو

نگویم از منِ بیدل بسہو کردی یاد
میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ تو نے مجھ بیدل کو بھول کر یاد کر لیا ہے
کہ در حسابِ خرد نیست سہو بر قلمت
کیونکہ از روئے عقل تیرے قلم سے بھول نہیں ہوتی ہے

مرا ذلیل مگرداں بشکرِ ایں نعمت
اس نعمت کے شکریہ میں، مجھے ذلیل نہ کر
کہ داشت دولتِ سرمد عزیز و محترمت
کیونکہ سرمدی دولت نے تجھے باعزت و محترم بنایا ہے

بیا کہ با سرِ زلفت قرار خواہم کرد
آ، میں تیری زلف سے عہد کروں گا
کہ گر سرم برود بر ندارم از قدمت
کہ اگر میرا سر بھی جاتا رہے گا تیرے قدم سے نہ ہٹاؤں گا

زحالِ ما دلت آگہ شود مگر وقتے
تیرا دل ہماری حالت سے شاید اس وقت آگاہ ہوگا
کہ لالہ[5] بر دمد از خاکِ کشتگانِ غمت
جبکہ تیرے غم کے ماروں کی خاک سے لالہ اُگے گا

روانِ تشنۂ ما را بجرعۂ دریاب
ہماری پیاسی روح کی ایک گھونٹ سے مدد کر دے
چو[6] مید ہند زلالِ خضر بجامِ جمت
جبکہ خضر کا پانی، تیرے جامِ جم میں دے رہے ہیں

صبا ز روئے تو با ہر گلے حدیثے کرد
صبا نے تیرے چہرے کی بات ہر گل سے کہہ دی
رقیب کے رہِ غمّاز داد در حرمت
حافظ نے چغل خور کو تیرے حرم میں کیوں راستہ دیا؟

دلم مقیم درِ تست حرمتش میدار
میرا دل تیری چوکھٹ پر مقیم ہے اس کی عزت کر
بشکر آنکہ خدا داشتہ است محترمت
اس بات کے شکریہ میں کہ خدا نے تجھے باعزت رکھا ہے

---

[1] یعنی بے چینی مدہوشی سے ہی جائیگی۔
[2] آتش پرست ہماری اسی لئے عزت کرتے ہیں کیونکہ ہمارے دل کی آگ ہمیشہ روشن رہتی ہے۔
[3] عاشقوں نے جو نغمہ سُنا ہے وہ زمانہ گذرنے پر بھی نہ مٹا۔
[4] دوست کا خط آنے پر حافظ نے یہ غزل کہی ہے۔
[5] یعنی جب ہم مرکر مٹی میں ملجائیں گے اور ہماری خاک سے گل و لالہ اُگیں گے۔
[6] کارکنانِ قضا و قدر نے تیرے جام میں آبِ حیات بھر دیا ہے۔

(۵)

ہمیشہ وقت تو اے عیسیٔ صبا خوش باد — کہ جانِ عاشقِ دل خستہ زندہ شد بدمت
اے عیسیٰ دم خدا کرے تو ہمیشہ خوش وقت رہے — اس لئے کہ خستہ دل عاشق کی جان تیری پھونک سے زندہ ہوئی ہے

تراز حالِ دلِ خستگاں چہ غم کہ مُدام — ہمی دہند شرابِ خضر بجامِ جمت
خستہ دلوں کی حالت سے تجھے کیا غم ہے اس لئے کہ ہمیشہ — خضر کی شراب تیرے جام جم میں دیتے ہیں

کمیں گہست و تو خوش تیز میروی حافظ
اے حافظ اکمین گاہ ہے اور تو بہت تیز جا رہا ہے

مکن کہ گرد بر آید زشہرہِ عدمت
ایسا نہ کر کہ تیرے عدم کی شاہ راہ سے گرد اُٹھے

حالِ دل با تو گفتنم ہوس ست — خبرِ دل شنفتنم ہوس ست
مجھے، تجھ سے حالِ دل کہنے کی ہوس ہے — مجھے، دل کی خبر سنانے کی ہوس ہے

طمعِ خام بیں کہ قصۂ فاش — از رقیباں نہفتنم ہوس ست
غلط خواہش کو دیکھ کر ایک کھلے قصہ کو — رقیبوں سے چھپانے کی مجھے ہوس ہے

شبِ قدرے چنیں عزیز و شریف — با تو تا روز خفتنم ہوس ست
ایسی عزیز، اور شریف شبِ قدر میں — مجھے دن نکلنے تک تیرے ساتھ سونے کی ہوس ہے

وہ کہ دُر دانۂ چنیں نازک — در شبِ تار سفتنم ہوس ست
واہ! اس قدر نازک موتی — مجھے اس کو تاریک رات میں پرونے کی ہوس ہے

اے صبا امشبم مدد فرمای — کہ سحرگہہ شگفتنم ہوس ست
اے صبا! آج کی رات میری مدد کر دے — اس لئے کہ صبح کو، کھلنے کی مجھے ہوس ہے

از برائے شرف بنوکِ مژہ — خاکِ راہِ تو رُفتنم ہوس ست
عزت حاصل کرنے کے لئے پلکوں کی نوک سے — تیرے راستہ کی خاک کو صاف کرنے کی، مجھے ہوس ہے

ہمچو حافظ بر غمِ مدّعیاں
دعویداروں کی ذلت کے لئے، حافظ کی طرح

شعرِ رندانہ گفتنم ہوس ست
رندانہ شعر کہنے کی مجھے ہوس ہے

حُسنت[1] باتّفاقِ ملاحت جہاں گرفت — آرے باتّفاق جہاں میتواں گرفت
تیرے حسن نے ملاحت کی موافقت سے تمام دنیا پر قبضہ کر لیا — بیشک موافقت سے تمام جہاں پر قبضہ کیا جا سکتا ہے

افشائے رازِ خلوتیاں خواست کرد شمع — شکرِ خدا[2] کہ سرِّ دلش در زباں گرفت
شمع نے گوشہ نشینوں کا راز، افشاء کرنا چاہا — خدا کا شکر ہے اس کے دل کے راز نے زبان پکڑ لی

میخواست گُل کہ دم زند از رنگ و بوئے تو — از غیرتش[3] صبا نفس اندر دہاں گرفت
پھول نے چاہا تھا کہ تیرے رنگ و بو کا مقابلہ کرے — صبا نے غیرت سے اس کا سانس منہ میں بند کر دیا

چوں لالہ کج نہاد کلاہِ طرب ز کبر — ہر داغِ دل کہ بادہ چوں ارغواں گرفت
تکبر سے مستی کی ٹوپی لالہ کی طرح کج اوڑھے ہوئے ہے — دل کا ہر وہ داغ جس نے ارغوانی شراب حاصل کر لی ہے

[1] تیرا حسن ملیح ہے
[2] وہ بیان کرنے پر قادر نہ ہوئی ورنہ رسوا کر ڈالتی۔
[3] اسی لئے غنچہ دہاں بستہ ہوتا ہے۔

آں روز عشق ساغرِ مے خرمنم بسوخت
اُس دن شراب کے پیالے کے عشق نے میرا خرمن جلا ڈالا

کآتش ز عکسِ عارضِ ساقی دراں گرفت
جبکہ ساقی کے رخسار کے عکس سے اس میں آگ لگی

آسودہ بر کنار چو پرکار می شدم
میں کنارے پر، پرکار کی طرح آرام سے ٹہلتا تھا

دوراں چو نقطہ عاقبتم درمیاں گرفت
زمانے کی گردش نے بالآخر نقطہ کی طرح مجھے درمیان میں لے لیا

خواہم شدن بکوئے مُغاں آستیں فشاں
میں آستین جھاڑ کر، آتش پرستوں کے کوچہ میں جانا چاہتا ہوں

زیں فتنہ ہا کہ دامنِ آخر زماں گرفت
ان فتنوں کی وجہ سے جو آخری زمانہ کے دامن سے چمٹ گئے ہیں

بر برگِ گُل زخونِ شقائق نوشتہ اند
پھول کی پتیوں پر گلِ لالہ کے خون سے لکھ دیا ہے

کانکس کہ پختہ شد مے چوں ارغواں گرفت
کہ وہ شخص جو پختہ ہو گیا ہے اُس نے ارغوانی شراب لی ہے

مے دہ بجامِ جم کہ صباحِ صبوحیاں[1]
جامِ جمشید میں شراب دے اس لئے کہ صبح کے پینے والوں کی صبح نے

چوں پادشہ بہ تیغِ زر افشاں جہاں گرفت
زر افشاں تلوار کے ذریعہ بادشاہ کی طرح دنیا پر قبضہ کر لیا ہے

مے دہ کہ ہر کہ آخرِ کارِ جہاں بدید
شراب دے اس لئے کہ جس شخص نے دنیا کا انجام دیکھا ہے

از غم سبک برآمد و رطلِ گراں گرفت
غم سے ہلکا ہو کر نکلا ہے اور بھاری جام لے لیا ہے

فرصت نگر کہ فتنہ چو در عالم اوفتاد
موقع دیکھ، جب عالم میں فتنہ برپا ہوا

عارف بجامِ مے زد و از غم کراں گرفت
عارف نے جام میں شراب انڈیل لی اور غم سے کنارہ کش ہو گیا

زیں آتشِ نہفتہ کہ در سینۂ من ست[2]
اس چھپی ہوئی آگ کا جو میرے سینے میں ہے

خورشید شعلہ ایست کہ بر آسماں گرفت
سورج ایک شعلہ ہے جو آسمان میں لگ گیا ہے

حافظ چو آبِ لطف ز نظمِ تو میچکد
اے حافظ جبکہ پاکیزگی کا پانی تیری نظم سے ٹپکتا ہے

غیرے چگونہ نکتہ تواند برآں گرفت
کوئی دوسرا اس پر کیسے نکتہ چینی کر سکتا ہے

حاصل[3] کارگہِ کون و مکان ایں ہمہ نیست
کون و مکاں کے کارخانہ کا خلاصہ، یہ سب کچھ نہیں ہے

بادہ پیش آر کہ اسبابِ جہاں ایں ہمہ نیست
شراب لا اس لیے کہ دنیا کے اسباب یہ سب کچھ نہیں ہیں

از دل و جاں شرفِ صحبتِ جاناں غرض ست
دل اور جان سے غرض معشوق کی صحبت کا شرف ہے

ہمہ آنست وگرنہ دل و جاں ایں ہمہ نیست
سب کچھ یہی ہے، ورنہ دل اور جان یہ سب کچھ نہیں ہیں

منتِ[4] سدرہ و طوبیٰ زپئے سایہ مکش
سدرہ اور طوبیٰ کا احسان سایہ کے لئے برداشت نہ کر

کہ چو خوش بنگری اے سروِ رواں ایں ہمہ نیست
اس لیے کہ اے سروِ رواں اگر تو غور سے دیکھے گا تو سب کچھ نہیں ہیں

دولت آنست کہ بیخونِ دل آید بکنار
دولت تو وہی ہے جو دل کا خون کئے بدون حاصل ہو

ورنہ با سعی و عمل باغِ جناں ایں ہمہ نیست
ورنہ کوشش اور عمل کے ساتھ جنت کے باغات یہ سب کچھ نہیں ہیں

پنج روزے کہ دریں مرحلہ مہلت داری
اس مرحلہ میں، پانچ دن کی جو تجھے مہلت حاصل ہے

خوش بیاسائی زمانے کہ زماں ایں ہمہ نیست
آرام سے کچھ دن گذار لے، کیونکہ زمانہ یہ سب کچھ نہیں ہے

برلبِ بحرِ فنا منتظریم اے ساقی
اے ساقی ہم فنا کے سمندر کے کنارے منتظر ہیں

فرصتے داں کہ زلب تا بدہاں ایں ہمہ نیست[5]
یہ سمجھ لے کہ ہونٹ سے منہ تک کی فرصت، یہ سب کچھ نہیں ہے

---

[1] یعنی صبح ہو گئی ہے اور سورج نکل آیا ہے اب شراب کا دور چلے۔
[2] یعنی میرے سینے کی گرمی سورج کی گرمی سے بہت زیادہ ہے۔
[3] عشق کے علاوہ دنیا کی ہر شے فانی ہے۔
[4] سدرہ بیری کے اس درخت کا نام ہے جو ساتویں آسمان پر ہے؛ طوبیٰ وہ درخت ہے جس کی جڑ چوتھے آسمان پر ہے اور شاخیں تمام آسمانوں پر پھیلی ہیں۔
[5] اتنی فرصت کہ کوئی چیز ہونٹ سے منہ کے اندر جائے یہ بھی موہوم ہے۔

زاہدا ایمن مشو از بازئ غیرت زنہار
اے زاہد اللہ کی غیرت کی بازی سے ہرگز مطمئن نہ ہو

کہ رہ صومعہ تا دیر مغاں ایں ہمہ نیست
اس لئے کہ عبادت خانہ سے آتش پرستوں کے مندر تک راستہ سب کچھ نہیں ہے

دردمندی چو من سوختۂ زار و نزار
مجھ جیسے سوختہ زار و نزار کی دردمندی کے لئے

ظاہرا حاجت تقریر و بیاں ایں ہمہ نیست
بظاہر تقریر و بیان کی حاجت یہ سب کچھ نہیں ہے

از تہتک مکن اندیشہ و چوں گل خوش باش
بے آبروئی کی فکر نہ کر اور پھول کی طرح خوش رہ

زانکہ تمکین جہان گذراں ایں ہمہ نیست
اس لیے کہ گذرنے والی دنیا کی عزت یہ سب کچھ نہیں ہے

نام حافظ رقم نیک پذیرفت ولے
حافظ کے نام نے اچھا لفظ اختیار کر لیا ہے، لیکن

پیش رنداں رقم سود و زیاں ایں ہمہ نیست
رندوں کے لئے نفع اور نقصان کا لفظ یہ سب کچھ نہیں ہے

خدا چو صورت ابروئے دلربائے تو بست
خدا نے جب تیرے دلربا ابرو کی صورت پیدا کی

کشاد کار من اندر کرشمہائے تو بست
میرے کام کی کشادگی کو تیرے ناز و ادا سے وابستہ کر دیا ہے

ہزار سرو چمن را بخاک راہ نشاند
چمن کے ہزاروں سرو کو راستہ کی خاک پر کھڑا کر دیا

زمانہ تا قصب زرکش قبائے تو بست
زمانہ نے جب سے کہ زرکش قصب کی قبا تجھے پہنائی ہے

مرا و مرغ چمن را ز دل ببرد آرام
میرے اور چمن کے پرندے کے دل سے آرام لے گیا

سحر گہاں کہ دل ہر دو در نوائے تو بست
جبکہ صبح کے وقت نے دونوں کا دل تیری آواز سے وابستہ کر دیا ہے

ز کار ما و دل غنچہ بس گرہ بکشود
ہمارے کام اور غنچہ کے دل کی گرہ کھول دی

نسیم صبح چو دل در رہ ہوائے تو بست
صبح کی نسیم نے جب دل تیرے محبت کے راستہ سے وابستہ کر دیا ہے

مرا بہ بند تو دوران چرخ راضی کرد
زمانہ کی گردش نے مجھے تیری قید پر راضی کر دیا

ولے چہ سود کہ سر رشتہ در رضائے تو بست
لیکن کیا فائدہ جبکہ سرا تیری رضامندی سے وابستہ کر دیا ہے

چو نافہ بر دل مسکین من گرہ مفگن
نافہ کی طرح میرے مسکین دل پر گرہ نہ لگا

کہ عہد با سر زلف گرہ کشائے تو بست
اس لئے کہ اس نے تیری گرہ کشا زلف سے عہد وابستہ کر دیا ہے

تو خود حیات دگر بودی اے زمان وصال
اے وصال کے زمانہ تو خود دوسری قسم کی زندگی تھا

خطا نگر کہ دل امید در وفائے تو بست
غلطی کو دیکھ کہ دل نے تیری وفا سے امید وابستہ کر دی

ہم از نسیم تو روزے کشایشے یابد
تیری نسیم سے کسی دن کشادگی حاصل کرے گا

چو غنچہ ہر کہ دل خویش در ہوائے تو بست
غنچہ کی طرح ہر وہ شخص جس نے تیری محبت سے دل وابستہ کر دیا ہے

ز دست جور تو گفتم ز شہر خواہم رفت
میں نے کہا تیرے ظلم کے ہاتھوں اس شہر سے چلا جاؤں گا

بخندہ گفت برو حافظا کہ پائے تو بست
اُس نے ہنس کر کہا جا حافظ، تیرا پیر کس نے باندھا ہے

خلوت گزیدہ را بتماشا چہ حاجت ست
خلوت نشیں کو، سیر کی کیا حاجت ہے؟

چوں کوئے دوست ہست بصحرا چہ حاجت ست
جب دوست کا کوچہ موجود ہے تو جنگل کی کیا ضرورت ہے؟

---

۱ انسان کی قلبی کیفیات ہر وقت خطرے میں ہیں۔
۲ سب کے لئے عیاں ہے۔
۳ دنیاوی عزت فانی ہے۔
۴ قصب ایک ریشمی کپڑا ہے۔ زرکش جس پر زری کا کام ہو۔
۵ صبح کی ہوا کھول تیری محبت سے وابستہ ہے اس لئے میرے اور غنچہ کے دل کی گرہیں کھول دیں۔
۶ یعنی اختیار تجھے دیا ہے۔
۷ زمانۂ وصال بے وفا ہے اس سے وفا کی امید کرنا غلطی ہے۔

جاناں بحاجتے کہ ترا ہست باخدا
اے جاناں! اس حاجت کی قسم، جو تجھے خدا سے ہے

آخر دمے بپرس کہ مارا چہ حاجت است
آخر کبھی تو دریافت کر کہ ہمیں کیا ضرورت ہے؟

اے بادشاہِ حسن خدا را بسوختیم
اے حسن کے بادشاہ! خدا کے لئے ہم جل گئے

بارے سوال کن کہ گدا را چہ حاجت است
ایک مرتبہ تو دریافت کرلے، کہ فقیر کی کیا ضرورت ہے؟

اربابِ حاجتیم و زبانِ سوال نیست
ہم صاحبِ حاجت ہیں اور مانگنے کی زبان نہیں ہے

در حضرتِ کریم تمنا چہ حاجت است
داتا کے دربار میں تمنا کی کیا ضرورت ہے؟

جامِ جہاں نماست ضمیرِ منیرِ دوست
دوست کا روشن دل، جامِ جہاں نما ہے

اظہارِ احتیاج خود آنجا چہ حاجت است
وہاں اپنی ضرورت ظاہر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

آں شد کہ بارِ منتِ ملاح بردمے
وہ وقت گیا کہ ملاح کے احسان کا بوجھ میں برداشت کرتا تھا

گوہر چو دست داد بدریا چہ حاجت است
جب موتی ہاتھ آگیا ہے، دریا کی کیا ضرورت ہے؟

اے مدعی برو کہ مرا با تو کار نیست
اے مدعی! جا میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں

احباب حاضرند باعدا چہ حاجت است
دوست موجود ہیں، تو دشمنوں کی کیا ضرورت ہے؟

محتاجِ جنگ نیست گرت قصدِ خونِ ماست
جنگ کی ضرورت نہیں ہے اگر ترا ہمارے خون کا ارادہ ہے

چوں رخت از آنِ تست بیغما چہ حاجت است
جب سامان تیرا ہے تو لوٹ مار کی کیا ضرورت ہے؟

اے عاشقِ گدا چو لبِ روح بخشِ یار
اے گدا عاشق! جب معشوق کا روح بخش ہونٹ

میداندت وظیفہ تقاضا چہ حاجت است
تیرا حق جانتا ہے تو تقاضہ کی کیا ضرورت ہے؟

حافظ تو ختم کن کہ ہنر خود عیاں شود
حافظ تو ختم کردے، کیونکہ ہنر خود ظاہر ہو جائے گا

با مدعی نزاع و محاکا چہ حاجت ست
مدعی کے ساتھ جھگڑے، اور لڑائی کی کیا ضرورت ہے؟

خوشتر ز عیشِ صحبت و باغ و بہار چیست
صحبت اور باغ و بہار کے عیش سے زیادہ بہتر کیا چیز ہے؟

ساقی کجاست گو سببِ انتظار چیست
ساقی کہاں ہے، کہہ دو انتظار کا کیا سبب ہے؟

معنیِ آبِ زندگی و روضۂ ارم
آبِ حیات، اور جنت کے باغ کی حقیقت

جز طرفِ جوئبار و مئے خوشگوار چیست
نہر کے کنارے، اور خوشگوار شراب کے سوا کیا ہے؟

ہر وقتِ خوش کہ دست دہد مغتنم شمار
جو اچھا وقت میسر آجائے غنیمت سمجھ

کس را وقوف نیست کہ انجامِ کار چیست
کسی کو معلوم نہیں، کہ انجام کار کیا ہے؟

پیوندِ عمر بستہ بموئیست ہوش دار
عمر کا جوڑ، بال سے ہے ہوش کر

غمخوارِ خویش باش غمِ روزگار چیست
اپنا غمخوار بن، زمانہ کا غم کیا ہے؟

رازِ درونِ پردہ ز رندانِ مست پرس
پردے کے اندر کے راز مست رندوں سے دریافت کر

اے مدعی نزاعِ تو با پردہ دار چیست
اے مدعی پردہ دار سے تیرا جھگڑا کیا ہے؟

مستور و مست ہر دو چو از یک قبیلہ اند
مستور، اور مست، جبکہ ایک قبیلہ سے ہیں

ما دل بعشوہ کہ دہیم اختیار چیست
ہم کس کے ناز و انداز پر دل دیں بہتر کیا ہے؟

---

۱ سخی تو بے مانگے دیتا ہے۔
۲ جمشید کا جام کچھ اس طرح کا تھا کہ وہ اس سے تمام دنیا کے احوال معلوم کرلیتا تھا اسی لئے اس کو جام جہاں نما بھی کہا جاتا تھا۔
۳ جب سب اسباب عیش مہیا ہیں تو ساقی کو فوراً آجانا چاہیے۔
۴ عمر ناقابلِ اعتبار ہے اپنی فکر کرنی چاہیے زمانہ کی فکر بیکار ہے۔
۵ مستور سے زاہد اور مست سے رند مراد ہے۔

سہو و خطائے بندہ چو گیرند اعتبار — معنیٔ عفو و رحمتِ پروردگار چیست
بھول چوک اور بندہ کی غلطی بھی جب معتبر ہو — تو اللہ کی عفو اور رحمت کے معنی کیا ہیں؟

زاہد شرابِ کوثر و حافظ پیالہ خواست
زاہد نے کوثر کی شراب اور حافظ نے پیالہ مانگا

تا در میانہ خواستۂ کردگار چیست
دیکھیے! دونوں میں خدا کا پسندیدہ کیا ہے؟

خیالِ[1] روئے تو در ہر طریق ہمرہِ ماست — نسیمِ موئے تو پیوندِ جانِ آگہِ ماست
تیرے چہرے کا خیال ہر راستہ میں ہمارے ساتھ ہے — تیری زلفوں کی نسیم ہماری آگاہ جان کا پیوند ہے

ببیں کہ سیبِ زنخدانِ او چہ میگوید — ہزار یوسفِ مصری فتادہ در چہِ ماست
دیکھ اس کی ٹھوڑی کا سیب، کیا کہتا ہے[2] — ہزار مصری یوسف، ہمارے کنویں میں گرے ہیں

برغمِ مدعیانے کہ منعِ عشق کنند — جمال و چہرۂ تو حجتِ موجہِ ماست
ان مدعیوں کے برخلاف جو عشق سے منع کرتے ہیں — تیرا حسن، اور چہرہ ہماری پسندیدہ دلیل ہے

اگر بزلفِ درازِ تو دستِ ما نرسد — گناہِ بختِ پریشان و دستِ کوتہِ ماست
اگر تیری دراز زلف تک، ہمارا ہاتھ نہیں پہونچتا ہے — تو ہمارے پریشان نصیب اور کوتاہ ہاتھ کا قصور ہے

بحاجبِ درِ خلوت سرائے خاص بگو — فلاں ز گوشہ نشینانِ خاکِ درگہِ ماست
خاص خلوت سرائے کے دربان سے کہدے — فلاں ہماری درگاہ کی خاک کے گوشہ نشینوں میں سے ہے

بصورت[4] از نظرِ ما اگرچہ محجوب ست — ہمیشہ در نظرِ خاطرِ مرفہِ ماست
بظاہر اگرچہ ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہے — ہمیشہ، ہماری آسودہ طبیعت کی نظر میں ہے

اگرچہ حافظ سائل درے زند بکشا
اگر حافظ بھکاری کی طرح دروازہ کھٹکھٹائے تو کھول دینا

کہ سالہاست کہ مشتاقِ روئے چوں مہِ ماست
اس لئے کہ وہ سالوں سے ہمارے چاند جیسے چہرہ کا مشتاق ہے

خمِ[5] زلفِ تو دامِ کفر و دین ست — زکارستانِ او یک شمہ این ست
تیری زلف کا خم کفر اور دین کے لیے جال ہے — اس کے کارناموں میں سے ایک تھوڑا سا کارنامہ ہے

مقالاتِ نصیحت گو ہمیں ست — کہ حکم اندازِ ہجراں در کمین ست
نصیحت کرنے والے کی باتیں یہی ہیں — کہ ہجر کا فیصلہ کرنے والا، گھات میں ہے

جمالت معجزِ حسن ست لیکن — حدیثِ غمزہ ات سحرِ مبین ست
تیرا جمال، حسن کا معجزہ ہے لیکن — ناز و انداز کی بات، کھلا ہوا جادو ہے

بر آں چشمِ سیہ صد آفریں باد — کہ در عاشق کشی سحر آفریں ست
اس کالی آنکھ، کے لئے سو شاباش — جو عاشق کشی، میں جادوگر ہے

عجب[6] راہیست راہِ عشق ہیہات — کہ چرخِ ہفتمش ہفتم زمیں ست
عشق کا راستہ بھی، عجیب راستہ ہے ہائے افسوس — کہ اس کا ساتواں آسمان ساتویں زمین ہے

---

[1] تیرا خیال ہر وقت ہمارے ساتھ ہے اور تیری زلفوں کی خوشبو ہماری زندگی ہے۔
[2] کنعان کے کنویں میں تو ایک یوسف تھے معشوق کی ٹھوڑی کے کنویں میں سینکڑوں یوسف گرے ہوئے ہیں۔
[3] جب تیرا حسن دیکھ لیں گے قائل ہو جائیں گے۔
[4] نگاہوں سے اگرچہ دور ہے لیکن دل سے قریب ہے۔
[5] تیری زلف میں مومن و کافر سب پھنسے ہیں۔
[6] راہ عشق کی ہر چیز الٹی ہے۔

توپنداری کہ بدگو رفت و جاں برد
تو سمجھتا ہے کہ چغلخور چلا گیا، اور مرگیا

حسابش باکراماً کاتبین ست[۱]
اس کا حساب کراماً کاتبین کے سپرد ہے

زچشم شوخ تو کے جاں تواں برد
تیری شوخ آنکھ سے کیسے جان بچائی جاسکتی ہے

کہ دائم باکماں اندر کمین ست[۲]
جو ہمیشہ کمان لئے، گھات میں ہے

لبت را آبِ حیواں گفتم اَمّا
تیرے ہونٹوں کو میں نے آبِ حیات کہا لیکن

چہ جائے آب کاں مارِ معین ست
پانی کہنے کا کب موقع ہے، وہ تو بہتا پانی ہے

مشو ایجاں زکیدِ زلفش ایمن
اے جان! اس کی زلف کی تدبیر سے مطمئن نہ ہو

کہ دل بُرد و کنوں دربندِ دین ست
دل تو لے گئی ہے اب دین کی فکر میں ہے

حدیثِ مُطرب و پیمانۂ مے
گویّے اور شراب کے پیالے کی بات

بہ نزدِ عاشقاں آیاتِ دین ست
عاشقوں کے نزدیک دین کے معجزے ہیں

زجامِ عشق مے نوشید حافظ
حافظ نے عشق کے جام سے شراب پی ہے

مدامش مستی و رندی ازین ست
اسی لیے اس کو ہمیشہ مستی، اور رندی حاصل ہے

خوابِ آں نرگسِ فتّان تو بے چیزے نیست[۲]
تیری فتنہ میں مبتلا کرنیوالی نرگس کی نیند، بے سبب نہیں ہے

تابِ آں زلفِ پریشانِ تو بے چیزے نیست
تیری پریشان زلف کا خم بے سبب نہیں ہے

از لبت شیر رواں بود کہ من میگفتم[۳]
تیرے ہونٹوں سے دودھ جاری تھا، کہ میں نے کہا

کایں شکر گردِ نمکدانِ تو بے چیزے نیست
کہ یہ شکر تیرے تنگ دان کے گرد بے سبب نہیں ہے

چشمۂ آبِ حیات ست دہانت اَمّا[۴]
تیرا منہ آبِ حیات کا چشمہ ہے لیکن

زیرِ لب چاہِ زنخدانِ تو بے چیزے نیست
ہونٹوں کے نیچے تیری ٹھوڑی کا کنواں بے سبب نہیں ہے

جاں درازیِ تو بادا کہ یقیں میدانم
خدا کرے تیری عمر دراز ہو، مجھے یقین ہے

در کماں[۵] ناوکِ مژگانِ تو بے چیزے نیست
کمان میں تیری پلک کا تیر بے سبب نہیں ہے

مبتلائے بغم و محنت و اندوہ و فراق
غم و مصیبت، اور رنج و فراق میں مبتلا ہو کر

اے دل ایں نالہ و افغانِ تو بے چیزے نیست
اے دل تیرا یہ نالہ، اور فریاد بے سبب نہیں ہے

دوش باد از سرِ کویش بگلستاں بگذشت[۶]
شب گذشتہ ہوا اس کے کوچہ سے باغ میں پہونچی

اے گل ایں چاکِ گریبانِ تو بے چیزے نیست
اے پھول! یہ تیرا چاک گریباں بے سبب نہیں ہے

دردِ عشق ارچہ دل از خلق نہاں میدارد
دل اگرچہ دردِ عشق کو لوگوں سے پوشیدہ رکھتا ہے

حافظ ایں دیدۂ گریانِ تو بے چیزے نیست
حافظ تیری یہ روتی آنکھیں بے سبب نہیں ہیں

خمے کہ ابروئے شوخ تو در کماں انداخت
تیرے شوخ ابرو نے کمان میں جو خم پیدا کیا ہے

بقصدِ جانِ منِ زارِ ناتواں انداخت
مجھ کمزور، زار حال کی جان لینے کے لئے پیدا کیا ہے

۱؎ کراماً کاتبین وہ فرشتے ہیں جو انسان کی نیکی اور بدی لکھتے ہیں۔
۲؎ نیند کی متوالی آنکھ اور بکھری زلفوں کے بل اور تباہی پیدا کرتے ہیں۔
۳؎ میں نے تیرے لڑکپن میں ہی کہدیا تھا کہ اس بچہ کے بلیع ہونٹ بہت قاتل ہونگے۔
۴؎ بلکہ اس لئے ہے کہ آب حیات کا متلاشی کنوئیں میں آ پھنسے۔
۵؎ ابرو کو کمان سے اور پلکوں کو تیر سے تشبیہ دیجاتی ہے۔
۶؎ معشوق کے کوچہ کی محبت میں مبتلا ہو کر پھول کا گریبان چاک ہوا ہے۔

شرابِ خوردہ و خوے کردہ کے شدی بچمن
تو شراب پی کر پسینہ کی حالت میں کب چمن میں آیا تھا

کہ آبِ روئے تو آتش در ارغواں انداخت
کہ تیرے چہرہ کی رونق نے گلِ ارغواں میں آگ لگا دی ہے

بیک کرشمہ کہ نرگس بخود فروشی کرد
ایک کرشمہ کے باعث جو نرگس نے خود نمائی میں دکھایا

فریبِ چشمِ تو صد فتنہ در جہاں انداخت
تیری آنکھوں کے فریب نے دنیا میں سو فتنے پیدا کر دئے

خراب و خستہ قدِ توام تعالے اللہ
تیرے قد کی وجہ سے میں خراب اور خستہ ہوں العظمت للہ

چہ کلک بود کہ این خطِ دلنشاں انداخت
کونسا قلم تھا جس نے یہ دلنشاں خط ڈالا ہے

ز شرم آنکہ بروئے تو نسبتش کردند
اس شرم سے کہ لوگوں نے اس کو تیرے چہرے سے تشبیہ دیدی

سمن بدستِ صبا خاک در دہاں انداخت
سمن نے صبا کے ہاتھ سے منہ میں خاک ڈالی

بہ بزمگاہِ چمن دوش مست بگذشتم
چمن کی سیرگاہ میں میں شبِ گذشتہ مست ہو کر گذر رہا تھا

کہ از دہانِ توام غنچہ در گماں انداخت
کہ غنچہ نے مجھے تیرے منہ کے شبہ میں ڈالدیا

بنفشہ طرۂ مفتولِ خود گرہ میزد
بنفشہ نے اپنی گوندھی ہوئی زلفوں میں گرہ لگائی تھی

صبا حکایتِ زلفِ تو درمیاں انداخت
صبا نے تیری زلف کا قصہ درمیان میں چھیڑ دیا

کنوں بآبِ مے لعل خرقہ می شویم
مے لعل کے پانی سے اب میں گدڑی دھو رہا ہوں

نصیبۂ ازل از خود نمیتواں انداخت
ازلی نصیبہ اپنے سے نہیں ہٹایا جا سکتا ہے

نبود رنگِ دو عالم کہ نقشِ الفت بود
دونوں جہانوں کا رنگ بھی نہ تھا کہ محبت کا نقش قائم ہو گیا تھا

زمانہ طرحِ محبت نہ این زماں انداخت
زمانہ نے محبت کی بنیاد اب نہیں ڈالی ہے

من از ورعِ مے و مطرب ندیدمے ہرگز
میں پرہیزگاری کیوجہ سے شراب اور گویئے کو کبھی نہ دیکھتا

ہوائے مغبچگانم درین و آں انداخت
مغبچوں کی محبت نے مجھے اِس اور اُس میں مبتلا کر دیا

جہاں بکامِ دل اکنوں شود کہ دورِ زماں
دنیا دل کے مقصد کے مطابق اب ہوگئی اس لئے کہ دورِ زمانہ نے

مرا بہ بندگیِ خواجۂ زماں انداخت
مجھے خواجۂ زماں کی بندگی میں لگا دیا ہے

مگر کشایشِ حافظ درین خرابی بود
شاید حافظ کی سہولت اس خرابی میں تھی

کہ قسمتِ ازلش در رہِ مغاں انداخت
اس لئے کہ ازلی قسمت نے اس کو مغبچوں کی شراب میں مبتلا کر دیا ہے

دل سرا پردۂ محبتِ اوست
دل، اس کی محبت کا خیمہ ہے

دیدہ آئینہ دارِ طلعتِ اوست
آنکھ اس کے چہرے کی آئینہ دار ہے

منکہ سر در نیاورم بدو کون
میں جو کہ دونوں جہان کے سامنے سر نہیں جھکاتا

گردنم زیرِ بارِ منتِ اوست
میری گردن اس کے احسان کی زیرِ بار ہے

تو و طوبےٰ و ما و قامتِ یار
تو ہے اور طوبیٰ، میں ہوں اور دوست کا قد

فکرِ ہر کس بقدرِ ہمتِ اوست
ہر انسان کی فکر اس کی ہمت کے اندازے کے مطابق ہے

دورِ مجنوں گذشت و نوبتِ ماست
مجنوں کا دور گزر گیا اب ہمارا دور ہے۔

ہر کسے پنج روزہ نوبتِ اوست
ہر شخص کا کچھ دن کے لیے دور ہے

ا۔ تیری نگاہوں کا فتنہ نرگس سے بہت بڑھا ہوا ہے۔
۲۔ قد کو خط سے تشبیہ دیجاتی ہے۔
۳۔ سمن ایک سفید خوشبودار پھول ہے۔ جس سے معشوق کے چہرے کو تشبیہ دیجاتی ہے۔
۴۔ تو وہ اپنے سنورنے پر بہت شرمندہ ہوئی۔
۵۔ یعنی دل اس کی محبت گاہ ہے۔
۶۔ زاہد طوبیٰ پر عاشق ہے میں قدِ یار پر۔
۷۔ اب ہم مجنونِ دوراں ہیں۔

من کہ باشم درآں حرم کہ صبا
اُس حرم میں میں کون ہوتا ہوں؟ اس لئے کہ صبا
پردہ دارِ حریمِ حرمتِ اوست
اس کی حرمت کے حریم کی پردہ دار ہے

مُلکتِ عاشقی، و گنجِ طرب
عاشقی کا ملک، اور مستی کا خزانہ
ہرچہ دارم زیُمنِ ہمتِ اوست
جو کچھ میرے پاس ہے اس کی توجہ کی برکت سے ہے

من و دل گر فنا شویم چہ باک
میں اور دل، اگر فنا ہو جائیں تو کیا پروا ہے
غرض اندر میاں سلامتِ اوست
مقصد تو درمیان میں، اس کی سلامتی ہے

بے خیالش مباد منظرِ چشم
خدا کرے، نگاہ کا منظر، اس کے خیال بدوں نہ ہو
زانکہ ایں گوشہ خاص دولتِ اوست
اس لئے کہ یہ گوشہ خاص اس کی دولت ہے

گر منؔ آلودہ دامنم چہ عجب
اگر میں آلودہ دامن ہوں، تو کیا تعجب ہے
ہمہ عالم گواہِ عصمتِ اوست
اس کی پاکدامنی کا سارا عالم گواہ ہے

ہر گُلِؔ نو کہ شد چمن آرائے
ہر وہ نیا پھول، جو چمن آرا بنا
اثرِ رنگ و بوئ صحبتِ اوست
اس کی صحبت کے رنگ و بو کا اثر ہے

فقرِ ظاہر مبیں کہ حافظ را
ظاہری فقر کو نہ دیکھ، حافظ کا سینہ تو
سینہ گنجینۂ محبتِ اوست
اس کی محبت کا خزانہ ہے

دارم امیدِ عاطفتے از جنابِ دوست
دوست کے دربار سے، مہربانی کا امیدوار ہوں
کردم خیانتے و امیدم لعفوِ اوست
میں نے خیانت کی ہے اور میری امید اس کے عفو سے وابستہ ہے

دانم کہ بگذرد ز سرِ جرمِ من کہ او
مجھے معلوم ہے کہ وہ کسی دن میرے جرم سے درگذر کرے گا
گرچہ پری وش ست ولیکن فرشتہ خوست
اس لئے کہ وہ اگرچہ پری جیسا ہے لیکن فرشتہ خصلت ہے

بے گفتگوئے زلفِ تو دل را ہمی برد
بدوں بات چیت کے تیری زلف دل کو لئے جاتی ہے
با روئے دلکش تو کرا روئے گفتگوست
تیرے دلکش چہرے کے سامنے بات کرنے کو کس کا منہ ہے

عمریست تا ز زلفِ تو بوئے شنیدہ ایم
ایک زمانہ گذرا جب ہم نے تیری زلف کی خوشبو سونگھی تھی
زاں بوئے در مشامِ دلِ ما ہنوز بوست
ہمارے دل کی قوتِ شامہ میں اس سے اب تک خوشبو ہے

ہیچ است آں دہاںؔ کہ ندیدم ازو نشاں
وہ منہ کچھ بھی نہیں ہے اس لئے کہ میں نے اس کا کوئی نشان دیکھا
مو نیست آں میاں و ندانم کہ آں چہ موست
وہ کمر ایک بال ہے لیکن مجھے معلوم نہیں وہ کس قسم کا بال ہے

دارم عجب ز نقشِ خیالش کہ چوں نرفت
مجھے اس کے نقشِ خیالی پر تعجب ہے کہ وہ کیوں نہ مٹا
از دیدہ ام کہ دمبدمش کارِ شست و شوست
میری آنکھوں سے کہ ان کا کام ہر وقت دھونا اور صاف کرنا ہے

چنداں گریستم کہ ہر آنکس کہ برگذشت
میں اس قدر رویا کہ جو شخص بھی گذرا
از دیدہؔ ام چو دید رواں گفت اینچہ جوست
جب مری آنکھ کو جاری دیکھا تو بولا یہ کونسی نہر ہے؟

ما سر چو گوئے بر سرِ کوئے تو باختیم
ہم نے تیرے کوچہ پر گیند کی طرح سر کو ہار دیا
واقف نشد کسے کہ چہ گوئیست و اینچہ کوست
لیکن کوئی نہ سمجھا کہ یہ کیا گیند ہے اور یہ کونسا کوچہ ہے

---

۱ میری آلودہ دامنی سے اس کا کیا بگڑتا ہے۔
۲ چمن کے پھولوں میں رنگ و بو اس کی محبت سے پیدا ہوئے ہیں۔
۳ معشوق کے منہ کو معدوم قرار دیا جاتا ہے اور کمر کو بال سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
۴ میری آنکھوں پر نہر کا شبہ ہوتا ہے۔

حافظ بداست حالِ پریشان تو ولے
اے حافظ تیرا پریشان حال برا ہے لیکن

بر یادِ زلفِ یار پریشانیت نکوست
یار کی زلف کی یاد میں تیری پریشانی بہتر ہے

در دیرِ مُغاں آمد یارم قدحے در دست
آتش پرستوں کے میخانہ میں میرا دوست ہاتھ میں پیالہ لے آیا

مست از مے و میخواراں از نرگس مستش مست
وہ شراب سے مست تھا اور شرابی اس کی مست نرگس سے مست تھے

از نعلِ سمندِ او شکلِ مہِ نو پیدا
اس کے گھوڑے کے نعل سے پہلی رات کے چاند کی شکل نمودار تھی

وز قدِ بلندِ او بالائے صنوبر پست
اور اس کے بلند قد کے مقابلہ میں صنوبر کا قد پست تھا

آخر ز چہ گویم ہست از خود خبرم چوں نیست
میں کس طرح سے کہوں کہ وہ ہے جبکہ مجھے اپنی خبر نہیں

از بہرِ چہ گویم نیست با او نظرم چوں ہست
میں کس لئے کہوں کہ وہ نہیں ہے جبکہ اس پر میری نظر ہے

چوں شمعِ وجودِ من شب تا بسحر خود را
میرا وجود شمع کی طرح، اپنے آپ کو رات سے صبح تک

بسوخت چو پروانہ تا روز بپا ننشست
پروانے کی طرح دن نکلنے تک جلاتا رہا اور پیر کے بل نہ بیٹھا

شمعِ دلِ دمسازاں بنشست چو او برخاست
جب وہ اٹھا تو گویا عاشقوں کے دل کی شمع بجھی

افغانِ نظر بازاں برخاست چو او بنشست
نظر بازوں کی فریاد بلند ہوئی جب وہ بیٹھا

گر غالیہ خوشبو شد در گیسوئے او آویخت
اگر غالیہ خوشبو بنی، تو اس کے گیسوے وابستہ ہوئی

ور وسمہ کماں کش شد با ابروئے او پیوست
اگر وسمہ کماں کش بنا تو اس کے ابرو سے وابستہ ہوا

بازآ کہ باز آید عمرِ شدۂ حافظ
تو پھر آجا تا کہ حافظ کی گئی عمر لوٹ آئے

ہر چند کہ ناید باز تیرے کہ بشد از شست
اگرچہ کمان سے نکلا ہوا تیر کبھی واپس نہیں لوٹتا ہے

دریں زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل ست
اس زمانہ میں اگر کوئی دوست، خرابی سے خالی ہے

صراحیِ مئے ناب و سفینۂ غزل ست
وہ خالص شراب کی صراحی، اور غزل کی کتاب ہے

جریدہ رو کہ گذر گاہِ عافیت تنگ ست
تنہا چل اس لئے کہ عافیت کا راستہ تنگ ہے

پیالہ گیر کہ عمرِ عزیز بے بدل ست
پیالہ تھام لے اس لئے کہ پیاری عمر بے بدل ہے

نہ من ز بے عملی در جہاں ملولم و بس
زمانہ میں میں ہی صرف بے عملی سے رنجیدہ نہیں ہوں

ملالتِ علما ہم ز علمِ بے عمل ست
علماء کو بھی علم بے عمل کا رنج ہے

بچشمِ عقل ببیں در جہانِ پُر آشوب
پرفتن زمانہ کو، عقل کی آنکھ سے دیکھ

جہان و کارِ جہاں بے ثبات و بے محل ست
دنیا، اور دنیا کا کام ناپائیدار، اور بے محل ہے

دلم امیدِ فراواں ز وصلِ روئے تو داشت
میرا دل تیرے چہرے کے وصال کی بہت زیادہ امید رکھتا تھا

ولے اجل بہ رہِ عمر رہزنِ امل ست
لیکن عمر کے راستہ میں موت امید کی رہزن ہے

ز قسمتِ ازلی چہرۂ سیہ بختاں
سیاہ نصیب والوں کا چہرہ جو ازلی قسمت کی بنا پر ہے

بشست و شوئی نگردد سفید و ایں مثل ست
دھونے دھلانے سے سفید نہیں بنتا ہے اور یہ کہاوت ہے

۱؎ گھوڑے کا نعل بشکلِ ہلال ہوتا ہے۔
۲؎ نہ میں اس کی موجودگی بتا سکتا ہوں اس لئے کہ میں اپنے سے بے خبر ہوں نہ اس کی عدم موجودگی کیونکہ وہ میری نظروں میں سمایا ہے۔
۳؎ غالیہ ایک مرکب خوشبو ہے وسمہ سے ابروؤں کا نشان بنایا جاتا تھا۔
۴؎ مخلص دوست صراحی اور شاعری کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔
۵؎ اس دنیا میں گوشۂ تنہائی میں ہی عافیت ہے۔
۶؎ میں بے عمل ہوں تو علماء باوجود علم کے بے عمل ہیں۔
۷؎ انسان زندگی میں اپنی تمنائیں پوری نہیں کر سکتا ہے۔
۸؎ جو ازل سے بدبخت ہے وہ کبھی سعادتمند نہیں بن سکتا۔

بگیر طرۂ مہ طلعتے و قصّہ مخواں[1]
کسی چاند جیسے چہرے والے کی زلف پکڑ لے اور یہ قصے نہ پڑھ
کہ سعد و نحس ز تاثیر زہرہ و زحل ست
کہ نیک بختی اور بدبختی زہرہ اور زحل کی تاثیر سے ہے

خلل پذیر بود ہر بنا کہ می بینی
جو بنیاد بھی تو دیکھتا ہے وہ نقصان پذیر ہے
مگر بنائے محبت کہ خالی از خلل ست
لیکن محبت کی بنیاد، جو خلل سے خالی ہے

بہیچ دور نخواہند یافت ہشیارش
کسی زمانہ میں بھی اس کو ہوش میں نہ پائیں گے
چنیں کہ حافظِ ما مستِ بادۂ ازل ست
اس لئے کہ ہمارا حافظ ازلی شراب سے مست ہے

دل و دینم شد و دلبر بملامت برخاست
میرا دل اور دین تو گیا اور معشوق ملامت پر آمادہ ہوا
گفت با ما منشیں کز تو سلامت برخاست
بولا ہمارے ساتھ نہ بیٹھ اس لیے کہ تجھ سے سلامتی جاتی رہی ہے

کہ شنیدی[2] کہ دریں بزم دمے خوش بنشست
کس کے بارے میں تو نے سنا ہے کہ اس بزم میں تھوڑی دیر کیلئے
کہ نہ در آخرِ صحبت بہ ندامت برخاست
آرام سے بیٹھا ہو کہ آخر صحبت میں ندامت لیکر نہ اٹھا ہو؟

شمع[3] گر زاں لبِ خنداں بزباں لافے زد
شمع نے اگر اس ہنستے ہونٹ پر زبان سے لاف زنی کی
پیشِ عشّاق تو شبہا بغرامت برخاست
تو تیرے عاشقوں کے سامنے راتوں سزا میں کھڑی رہی

در[4] چمن بادِ بہاری ز کنارِ گل و سرو
چمن میں موسمِ بہار کی ہوا گل اور سرو کی آغوش سے
بہوا داریٔ آں عارض و قامت برخاست
اس رخسار اور قد کی محبت میں اٹھ کھڑی ہوئی

مست بگذشتی و از خلوتیانِ ملکوت
تو مست ہو کر گزرا اور عالمِ ملکوت کے خلوت نشینوں کی جانب سے
بتماشائے تو آشوبِ قیامت برخاست
تیرے دیدار کے لیے قیامت کا شور برپا ہوا

پیشِ[5] رفتارِ تو پا بر نگرفت از خجلت
تیری رفتار کے آگے شرمندگی سے ایک قدم نہ اٹھا سکا
سروِ سرکش کہ بنازِ قد و قامت برخاست
وہ سرکش سرو جو قد و قامت کے ناز سے اٹھا تھا

حافظ ایں خرقہ بینداز مگر جاں ببری
حافظ یہ گدڑی اتار پھینک شاید جان بچالے
کآتش از خرمنِ سالوس و کرامت برخاست
اس لئے کہ مکر اور کرامت کے خرمن سے آگ بھڑک اٹھی ہے

دیدی کہ یار جز سرِ جور و ستم نداشت
تو نے دیکھا کہ یار نے ظلم و ستم کے علاوہ کوئی خیال نہ کیا
بشکست عہدِ ما و ازو ہیچ غم نداشت
ہمارے عہد کو توڑ ڈالا اور اس کو اس کا کوئی غم نہ ہوا

یارب[6] مگیرش ار چہ دلِ چوں کبوترم
اے خدا اس سے مواخذہ نہ کر اگرچہ اس نے میرے کبوتر جیسے دل کو
افگند و کشت و حرمتِ صیدِ حرم نداشت
پچھاڑا اور مار ڈالا اور حرم کے شکار کا کوئی احترام نہ کیا

بر من[7] جفا ز بختِ بد آمد و گر نہ یار
مجھ پر مقدر سے ظلم ہوا، ورنہ دوست
حاشا کہ رسمِ جور و طریقِ ستم نداشت
یقیناً ظلم کی عادت اور ستم کا طریقہ نہیں رکھتا تھا

دل[8] ایں ہمہ جفا کہ بخواری کشید ازو
دل تمام جفاؤں کے ساتھ کہ جو اس نے اس کی جانب سے ذلت کیساتھ برداشت کی
ہر جا کہ رفت ہیچکسش محرم نداشت
جس جگہ بھی گیا، کسی نے اس کی عزت نہ کی

[1] جو وقت بھی ملجائے لطف و عیش سے گذار دینا چاہیے۔
[2] بزم عشق میں راحت کم اور تکلیف زیادہ ہے۔
[3] یعنی شمع نے چونکہ لاف زنی کی اسی لئے رات بھر کھڑی رہی۔
[4] بادِ بہاری اسی کے عشق میں ماری ماری پھرتی ہے۔
[5] سرو ترے قد کو دیکھ کر اس قدر شرمندہ ہے کہ ایک قدم نہیں چل سکتا۔
[6] دل کو حرم کا کبوتر قرار دیا ہے، حرم کے جانور کو مارنا سخت گناہ ہے۔
[7] اپنی مظلومیت کا سبب مقدر کو قرار دیا ہے تاکہ محبوب کی بے گناہی ثابت ہوسکے
[8] چونکہ محبوب نے دل کو ذلیل کیا اب سب اس کو ذلیل کرتے ہیں۔

ساقی بیار بادہ و با مُدعی بگو
ساقی شراب لے آ، اور مدعی سے کہدے

انکارِ ما مکن کہ چنیں جامِ جم نداشت
ہم پر نکیر نہ کر اس لئے کہ اس کے پاس ایسا جامِ جمشید نہیں ہے

ہر رہروے کہ رہ بحریمِ درش نبرد
ہر وہ سالک جس نے اس دروازے کے حریم کیجانب راستہ طے نہ کیا

مسکیں بُرید وادی و رہ در حرم نداشت
اس بیچارے نے جنگل طے کئے، اور حرم میں نہ پہونچا

خوش وقت رندِ مست کہ دنیا و آخرت
وہ مست رند خوش وقت ہے جس نے دنیا اور آخرت کو

بر باد داد و ہیچ غم از بیش و کم نداشت
برباد کر دیا، اور کمی و بیشی کا غم نہ کیا

حافظ برتو گوئے فصاحت کہ مُدعی
اے حافظ! تو فصاحت کی بازی جیت لے اس لئے کہ مدعی

ہیچش ہنر نبود و خبر نیز ہم نداشت
کے پاس کوئی ہنر نہیں، اور اس کو کچھ خبر نہیں ہے

دیدمش دوش کہ سرمست و خراماں میرفت
میں نے اس کو کل دیکھا کہ مستی میں خراماں جارہا تھا

جامِ مے برکف و در مجلسِ رنداں میرفت
ہتھیلی پر شراب کا جام تھا اور رندوں کی مجلس میں جارہا تھا

ہمچو جاں از برم آں سروِ خراماں میرفت
وہ خرامِ ناز سے چلنے والا سرو میری بغل سے جان کیطرح جارہا تھا

متنفر شدہ از بندہ گریزاں میرفت
خادم سے، متنفر ہوکر بھاگا جارہا تھا

چوں ہمی گفتمش اے مونسِ دیرینہ من
جب میں نے اس سے کہا اے میرے پرانے غمخوار!

سخت میگفت و دل آزردہ پریشاں میرفت
تو اُس نے سختی سے جواب دیا اور پریشان دل ہوکر جارہا تھا

نقشِ خوارزم و خیالِ لبِ جیحوں می بست
خوارزم کا نقشہ اور جیحوں کے کنارے کا خیال باندھتا تھا

باہزاراں گلہ از مُلکِ سلیماں میرفت
ہزاروں شکووں کے ساتھ سلیمان کے ملک سے جارہا تھا

می شد آنکس کہ چو او جانِ سخن کس نشناخت
وہ شخص جارہا تھا جس کی طرح بات کی روح کو کسی نے نہ پہچانا

من ہمی دیدم و از کالبدم جاں میرفت
میں یہ دیکھتا تھا اور میرے جسم سے جان جارہی تھی

گفتم اکنوں سخنِ خوش کہ بگوید با ما
میں نے کہا اب پیاری پیاری باتیں ہم سے کون کہے گا؟

کاں شکر لہجۂ خوشگوئے سخنداں میرفت
اس لئے کہ وہ شیریں لہجہ والا، خوش گو، سخنداں جارہا تھا

لابہ بسیار نمودم کہ مرو سود نداشت
میں نے بہت خوشامد کی کہ نہ جا کوئی فائدہ نہ ہوا

زانکہ کار از نظرِ رحمتِ سلطاں میرفت
اس لیے کہ کام بادشاہ کی نظرِ رحمت سے گذرا جارہا تھا

بادشاہا ز کرم از سرِ جرمش بگذر
اے بادشاہ! کرم کرکے اس کی غلطی معاف کردے

چہ کند سوختہ از غایتِ حرماں میرفت
وہ سوختہ کیا کرے، انتہائی مایوسی سے جارہا تھا

چوں بشد آں صنم از دیدۂ حافظ غائب
جب وہ صنم، حافظ کی آنکھ سے غائب ہوا

اشک ہموارہ ز رخسار بداماں میرفت
آنسو، برابر رخسار سے دامن کی طرف جارہے تھے

روزہ یکسو شد و عید آمد و دلہا برخاست
روزہ ختم ہوا اور عید آئی اور دلوں میں اٹھان پیدا ہوا

مے بخمخانہ بجوش آمد و مے باید خواست
شراب شرابخانوں میں جوش میں آگئی اور مانگنی چاہیے

---

۱ چونکہ ہمارا پیالہ جامِ جم ہے لہذا ہم پر کائنات کے راز کھلتے ہیں جو مدعی پر نہیں کھلتے ہیں۔

۲ اصل توحید یہی ہے کہ محبوب کی خاطر دونوں عالم سے بے نیاز ہو جائے۔

۳ یعنی میں نے اس سے محبت کا اظہار کیا تو اور بگڑ گیا۔

۴ خوارزم ایک شہر کا نام ہے جیحوں مشہور دریا ہے۔ ملکِ سلیمان سے مراد شیراز ہے۔

۵ یعنی میرا محبوب ہی میرا سخن شناس تھا۔

نوبتِ[1] زہد فروشانِ گراں جاں بگذشت
سخت جان زہد فروشوں کی باری گئی
وقتِ شادی و طربِ کردنِ رنداں برخاست
رندوں کی خوشی اور مستی کا وقت آگیا

چہ ملامت بود آں راکہ چو ما بادہ خورد
جو ہماری طرح شراب پیے، اس کو کیا ملامت ہو سکتی ہے
ایں نہ عیب ست بر عاشقِ رند و نہ خطاست
یہ بات عاشقِ رند پر نہ عیب ہے نہ اس کی غلطی ہے

بادہ نوشی کہ درو ہیچ ریائے نبود
وہ شراب نوشی، جس میں کوئی ریاکاری نہ ہو
بہتر از زہد فروشی کہ درو رُو و ریاست
اس زہد نمائی سے بہتر ہے جس میں دکھاوا اور ریاکاری ہے

ما نہ مردانِ[2] ریائیم و حریفانِ نفاق
ہم نہ ریاکار ہیں، نہ نفاق پسند
آنکہ او عالمِ سِرّست بدیں حال گواست
جو رازوں کو جانتا ہے، وہ اس حال پر گواہ ہے

فرضِ ایزد[3] بگذاریم و بکس بد نکنیم
ہم خدا کا فرض ادا کرتے ہیں اور کسی کے ساتھ برائی نہیں کرتے
وآنچہ گویند روا نیست بگوئیم رواست
اور جس کو وہ ناجائز کہتے ہیں ہم جائز کہتے ہیں

چہ بُود[4] گر من و تو چند قدح بادہ خوریم
کیا ہو جائے گا اگر میں اور تو مل کر چند پیالے پی لیں گے
بادہ از خونِ رزانست نہ از خونِ شماست
شراب انگوروں کا خون ہے تمہارا خون تو نہیں ہے

ایں نہ عیب ست کزیں عیب خلل خواہد بود
یہ کوئی ایسا عیب نہیں ہے، جس سے کوئی خرابی ہوگی
ور بود عیب چہ شد مردمِ بے عیب کجاست
اور اگر عیب بھی ہے تو کیا ہوا بے عیب انسان کہاں ہیں

بادہ می نوش و میازار تو کس را حافظ
اے حافظ! تو شراب پی اور کسی کو نہ ستا
زانکہ آزردنِ مردم ہمگی عینِ خطاست
اس لئے کہ انسانوں کو ستانا ہی عین غلطی ہے

حافظ[5] از عشقِ خط و خالِ تو سرگردان ست
حافظ تیرے خط و خال کے عشق میں سرگرداں ہے
ہمچو پرکار ولے نقطۂ دل پابرجاست
پرکار کی طرح، لیکن دل کا نقطہ ایک جگہ ہے

روضۂ خلدِ بریں خلوتِ درویشاں ست
درویشوں کی خلوت، خلد بریں کا باغیچہ ہے
مایۂ[6] محتشمی خدمتِ درویشان است
درویشوں کی خدمت، عزت کا سرمایہ ہے

کُنجِ عُزلت کہ طلسماتِ عجائب دارد
گوشۂ تنہائی، جو عجائبات کے طلسم رکھتا ہے
فتحِ[7] آں در نظرِ ہمتِ درویشان است
اس کی کشادگی، درویشوں کی توجہ کی نظر میں ہے

قصرِ فردوس کہ رضوانش بدربانی رفت
جنت کا وہ محل جس کی دربانی کے لئے رضوان پہونچا
منظرے[8] از چمنِ نزہتِ درویشان است
درویشوں کی سیر کے چمن کا ایک منظر ہے

آنچہ زر میشود از پرتوِ آں قلبِ سیاہ
جس کے سایہ سے سیاہ دل سونا بن جاتا ہے
کیمیائیست کہ در صحبتِ درویشان است
ایک ایسی کیمیا ہے، جو درویشوں کی صحبت میں ہے

وآنکہ پیشش بنہد تاجِ تکبر خورشید
جس کے سامنے سورج، تکبر کا تاج اتار پھینکے
کبریائیست کہ در حشمتِ درویشان است
وہ ایسی بڑائی ہے جو درویشوں کی دولت میں ہے

دولتے را کہ نباشد غم از آسیبِ زوال
وہ دولت، جس کو زوال کے خطرہ کا غم نہ ہو
بے تکلف بشنو دولتِ درویشان است
بے تکلف سن لے وہ درویشوں کی دولت ہے

[1] رندوں کی عید آگئی زاہدوں کا رمضان گذر گیا۔
[2] ہمارا ظاہر و باطن یکساں ہے لہٰذا ہم منافق نہیں ہیں۔
[3] ہم خدا کی اطاعت اور زاہدانِ خشک کی مخالفت کرتے ہیں۔
[4] حرام تو انسان کا خون پینا ہے نہ کہ انگور کا خون پینا۔
[5] اگرچہ حافظ آوارہ گرد ہے لیکن دل تجھ سے ہی وابستہ ہے۔
[6] فقرا کی خدمت سے بڑائی حاصل ہوتی ہے
[7] اولیاء اللہ کی توجہ سے رازہائے سربستہ کھلتے ہیں۔
[8] فقرا کی سیرگاہ ذات و صفات ہیں جو جنت سے اعلیٰ ہیں۔

خسروان قبلۂ حاجاتِ جہانند ولے
بادشاہ، جہاں کے قبلۂ حاجات ہیں لیکن

سببش بندگیِ حضرتِ درویشان است
اس کا سبب درویشوں کے دربار کی غلامی ہے

روئے مقصود کہ شاہانِ جہاں می طلبند
جس مقصود کے چہرے کے دنیا کے بادشاہ طالب ہیں

مظہرش آئنۂ طلعتِ درویشان است
اس کا مظہر، درویشوں کے چہرے کا آئینہ ہے

اے توانگر مفروش ایں ہمہ نخوت کہ ترا
اے مالدار! تکبر کی رونمائی نہ کر، اس لیے کہ تیری

سروری در کنفِ ہمتِ درویشان است
سرداری، درویشوں کی توجہ کے پہلو میں ہے

گنجِ قاروں کہ فرو میرود از قہر ہنوز
قارون کا خزانہ جو اب تک قہر کی وجہ سے دھنس رہا ہے

خواندہ باشی تو کہ از غیرتِ درویشان است
تو نے پڑھا ہوگا کہ درویشوں کی غیرت کی وجہ سے ہے

بندۂ آصفِ عہدیم کہ در سلطنتش
ہم اس آصفِ زمانہ کا غلام ہیں، کہ جس کے دورِ حکومت میں

صورتِ خواجگی و سیرتِ درویشان است
خواجگی کی صورت اور درویشوں کی سیرت ہے

اے دل ار آبِ حیاتِ ابدی میطلبی
اے دل! اگر تو ہمیشگی کا آبِ حیات چاہتا ہے

منبعش خاکِ درِ خلوتِ درویشان است
تو اس کا چشمہ، درویشوں کی خلوت کے در کی خاک ہے

از کراں تا بکراں لشکرِ ظلمت اگر
اگر ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک ظلم کا لشکر ہے

از ازل تا بابد فرصتِ درویشان است
تو ازل سے ابد تک، درویشوں کو فرصت حاصل ہے

حافظ اینجا بادب باش کہ سلطان و ملک
حافظ، اس جگہ ادب سے رہ اس لیے کہ بادشاہ اور فرشتے

ہمہ در بندگیِ حضرتِ درویشان است
سب کے سب درویشوں کے دربار کی غلامی میں ہیں

روزگاریست کہ سودائے بتاں دینِ من ست
ایک عرصہ گذرا، کہ بتوں کا عشق میرا دین ہے

غمِ ایں کار نشاطِ دلِ غمگینِ من ست
اس کام کا غم، غمگین دل کی خوشی ہے

دیدنِ روئے ترا دیدۂ جاں می باید
ترا چہرہ دیکھنے کے لیے، جان کی آنکھ چاہیے

ویں کجا مرتبۂ چشمِ جہاں بینِ من ست
اور میری دنیا دیکھنے والی آنکھ کا یہ مرتبہ کہاں ہے؟

تا مرا عشقِ تو تعلیمِ سخن گفتن کرد
جب سے تیرے عشق نے، مجھے بات کرنی سکھائی ہے

خلق را وردِ زباں مدحت و تحسینِ من ست
میری تعریف، اور تحسین مخلوق کی وردِ زباں ہے

دولتِ فقر خدایا بمن ارزانی دار
اے خدا! مجھے فقر کی دولت عنایت فرما دے

کیں کرامت سببِ حشمت و تمکینِ من ست
اس لیے کہ یہ عزت میری دولت اور وقار کا سبب ہے

واعظِ شحنہ شناس ایں عظمت گو مفروش
کوتوال کے واقف واعظ سے کہہ دو کہ اس بڑائی پر غرور نہ کرے

زانکہ منزلگہِ سلطاں دلِ مسکینِ من ست
اس لیے کہ میرا مسکین دل بادشاہ کی منزل ہے

رسمِ عاشق کشی و شیوۂ شہر آشوبی
عاشق کو قتل کرنے کی رسم اور شہر کو فتنہ میں مبتلا کرنے کی عادت

کارِ آں شوخِ سیہ چردۂ شیرینِ من ست
میرے میٹھے، ملیح شوخ کا کارنامہ ہے

از کہ دُر یاگری آموخت خیالِ تو مگر
تیرے خیال نے دریاگری کس سے سیکھی ہے شاید

رہنمایش شدہ ایں اشکِ چو پروینِ من ست
میرے یہ آنسو جو پروین کی طرح ہیں اس کے رہنما بنے ہوں

---

۱ بادشاہ سے لوگوں کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں لیکن ان کی دولت درویشوں کی توجہ کا نتیجہ ہے۔
۲ مشہور ہے کہ قارون کا خزانہ حضرتِ موسیٰ کی بددعا سے آج تک دھنستا چلا جا رہا ہے۔
۳ آصف ابن برخیا حضرت سلیمان کے وزیر کا نام ہے لیکن یہاں عماد بن محمود مراد ہے
۴ انسان کو آبِ حیات درویشوں کی درگاہ سے ملتا ہے
۵ غمِ عشق ہی میرے دل کی خوشی ہے۔
۶ محبوب کا تصور ہجر میں آنسوؤں کے دریا پیدا کر دیتا ہے، آنسوؤں کو کہکشاں سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

یارب این کعبۂ مقصود زیارتگہِ کیست — کہ مغیلانِ طریقش گل و نسرینِ من ست
اے خدا یہ کعبۂ مقصود کس کی زیارت گاہ ہے! — کہ اس کے راستہ کے کیکر میرے لئے گل و نسرین ہیں

یارِ ما باش کہ زیبِ فلک و زینتِ دہر — از مہِ روئے تو و ز اشکِ چو پروینِ من ست
اے ہمارے محبوب، تمہارا سلئے کہ فلک کی زیب، زمانہ کی زینت — تیرے چہرے کے چاند اور میرے پروین جیسے آنسوؤں سے ہے

حافظ از حشمتِ پرویز دگر قصہ مخواں
اے حافظ! پرویز کے دبدبہ کے مزید قصے نہ بیان کر

کہ لبش جرعہ کشِ خسروِ شیرینِ من ست
اس لئے کہ اس کے ہونٹ میرے شیریں خسرو سے گھونٹ حاصل کرنے والے ہیں

روئے تو کس ندید و ہزارت رقیب ہست[1] — در غنچہ ہنوز و صدت عندلیب ہست
تیرا چہرہ کسی نے نہیں دیکھا اور تیرے ہزاروں رقیب ہیں — تو ابھی غنچہ ہی میں ہے اور تیری سیکڑوں بلبلیں ہیں

گر آمدم بکوئے تو چنداں غریب نیست — چوں من دریں دیار ہزاراں غریب ہست
اگر میں تیرے کوچہ میں آگیا ہوں تو کوئی نادر بات نہیں ہے — مجھ جیسے اس وطن میں، ہزاروں پردیسی ہیں

ہر چند دورم از تو کہ دور از تو کس مباد[2] — لیکن امیدِ وصلِ تو ام عنقریب ہست
ہر چند کہ میں تجھ سے دور ہوں (خدا کرے تجھ سے کوئی دور نہ ہو) — لیکن تیرے وصل کی امید مجھ سے قریب ہے

در عشق خانقاہ و خرابات شرط نیست[3] — ہر جا کہ ہست پرتوِ روئے حبیب ہست
عشق کے بارے میں خانقاہ اور شراب خانہ کی شرط نہیں ہے — جو بھی جگہ ہے وہاں معشوق کے چہرے کا پرتو ہے

آنجا کہ کارِ صومعہ را جلوہ میدہند[4] — ناقوس و دیر و راہب و نامِ صلیب ہست
جس جگہ عبادت خانہ کے کام کو رونق دیتے ہیں — ناقوس اور بتخانہ اور راہب، اور صلیب کا نام ہے

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد[5] — اے خواجہ درد نیست و گرنہ طبیب ہست
کون ہے جو عاشق ہوا ہو اور یار نے اس کے حال پر نظر نہ کی ہو؟ — اے صاحب درد ہی نہیں ہے ورنہ طبیب موجود ہے

فریادِ حافظ ایں ہمہ آخر بہرزہ نیست
یہ حافظ کی ساری فریاد، آخر بکواس نہیں ہے

ہم قصۂ غریب و حدیثے عجیب ہست
نادر قصہ، اور ایک عجیب بات بھی ہے

روشن از پرتوِ رویت نظرے نیست کہ نیست — منتِ خاکِ درت بر بصرے نیست کہ نیست
کوئی ایسی نگاہ نہیں ہے جو تیرے چہرے کے پرتو سے روشن نہیں ہے — کوئی ایسی بینائی نہیں ہے جس پر تیرے در کی خاک کا احسان نہیں ہے

ناظرِ روئے تو صاحب نظر انند ولے[6] — سرِ گیسوئے تو در ہیچ سرے نیست کہ نیست
تیرے چہرے کے دیکھنے والے تو صاحب نظر ہی ہیں لیکن — کوئی ایسا سر نہیں ہے جس میں تیرے گیسو کا خیال نہیں ہے

اشکِ غمازِ من ار سرخ برآمد چہ عجب[7] — خجل از کردۂ خود پردہ درے نیست کہ نیست
اگر میرا چغلخور آنسو سرخ ہو کر نکلا ہے تو کیا تعجب ہے — کوئی پردہ چاک کرنے والا ایسا نہیں ہے جو اپنے کارنامے شرمندہ نہیں ہے

کمرِ کیں بمنِ خستہ چہ بندی کہ ز ہجر[8] — بر میانِ دل و جانم کمرے نیست کہ نیست
مجھ خستہ پر کینہ کی کمر کیوں کستا ہے، اس لیے کہ محبت کا — کوئی پٹکا ایسا نہیں ہے جو میرے دل اور جان کی کمر میں بندھا ہوا نہیں ہے

[1] یعنی میرے محبوب کے سینکڑوں نادیدہ عاشق ہیں۔
[2] ظاہری دوری کے باوجود وصل کی توقع ہے۔
[3] عاشق حقیقی خانقاہ اور خرابات میں محبوب ہی کا جلوہ دیکھتا ہے۔
[4] یعنی یہ چیزیں تو برائے نام ہیں ورنہ حقیقتاً روئے حبیب جلوہ نما ہے۔
[5] اگر حقیقی عشق ہوتا ہے تو محبوب کی نظرِ کرم ہو ہی جاتی ہے
[6] یعنی مشاہدہ تو ہر شخص کو حاصل نہیں لیکن عشق سب میں موجود ہے۔
[7] میرے خونی آنسو میرے عشق کے چغلخور ہیں اس پردہ دری پر شرمندگی سے سرخ ہیں۔
[8] لہذا مجھ جیسے مجبورِ عشق پر ظلم مناسب نہیں ہے۔

تا بدامن۱ نہ نشیند زنسیمت گردے
تاکہ تیرے دامن پر نسیم کی وجہ سے کوئی گرد اڑ کر نہ آ بیٹھے

سیلِ اشک از نظرم برگذرے نیست کہ نیست
کوئی راستہ ایسا نہیں ہے جس پر میری آنکھوں کا سیلِ اشک نہیں ہے

تا دمِ۲ از شامِ سرِ زلفِ تو ہر جا نزند
تیری زلف کی سیاہی کے عشق کا قصہ تاکہ ہر جگہ نہ پھیلا دے

با صبا گفت و شنیدم سحرے نیست کہ نیست
کوئی ایسی صبح نہیں ہے جس میں صبا کے ساتھ میری کہن سن نہیں ہے

من ازیں طالعِ شوریدہ برنجم ورنہ
میں اس پریشان نصیبہ سے رنجیدہ ہوں ورنہ

بہرہ مند۳ از سرِ کویت دگرے نیست کہ نیست
کوئی دوسرا ایسا نہیں ہے، جو تیرے کوچہ سے بہرہ مند نہیں ہے

از خیالِ لب۴ نوشینِ تو اے چشمۂ نوش
اے چشمۂ حیات! تیرے شیریں ہونٹوں کے خیال سے

غرقِ آبِ عرق اکنوں شکرے نیست کہ نیست
کوئی ایسی شکر نہیں ہے، جو پسینہ میں ڈوبی ہوئی نہیں ہے

آبِ چشمم کہ برو منتِ خاکِ درِ تست
میرے آنسو جن پر تیرے در کی خاک کا احسان ہے

زیرِ صد منتِ او خاکِ درے نیست کہ نیست
کسی دروازے کی خاک ایسی نہیں ہے جس پر انکے سو احسان نہیں ہیں

از وجود آں قدرم نام و نشانیست کہ ہست
میرے وجود کا صرف اس قدر نام و نشاں ہے، کہ وہ ہے

ورنہ از ضعف در آنجا اثرے نیست کہ نیست
ورنہ کمزوری کا کوئی ایسا اثر نہیں ہے جو اس میں نہیں ہے

شیر در بادیۂ عشقِ تو روباہ شود
تیرے عشق کے جنگل میں شیر بھی لومڑی بنجاتا ہے

آہ ازیں۵ راہ کہ در وے خطرے نیست کہ نیست
آہ! ایسے راستہ پر کوئی ایسا خطرہ نہیں ہے جو اس میں نہیں ہے

نہ منِ دل شدہ از دستِ تو خونیں جگرم
میں تباہ دل ہی تیرے ہاتھ سے زخمی جگر نہیں ہوں

از غمِ عشقِ تو پر خوں جگرے نیست کہ نیست
کوئی ایسا جگر نہیں ہے جو تیرے عشق کے غم سے زخمی نہیں ہے

از سرِ کوئے۶ تو رفتن نتوانم گامے
میں ایک قدم بھی تیرے کوچے سے نہیں جا سکتا ہوں

ورنہ اندر دلِ بیدل سفرے نیست کہ نیست
ورنہ بے دل کے دل میں کوئی ایسا سفر نہیں ہے جو نہیں ہے

تو خود اے شعلۂ رخشندہ چہ داری در سر
اے روشن شعلے خود تیرے سر میں کیا خیال ہے؟

کہ کباب از حرکاتت جگرے نیست کہ نیست
کوئی ایسا جگر نہیں ہے، جو تیری حرکات سے کباب نہیں ہے

مصلحت۷ نیست کہ از پردہ بروں افتد راز
مصلحت نہیں ہے، کہ راز پردے سے باہر آئے

ورنہ در مجلسِ رنداں خبرے نیست کہ نیست
ورنہ ایسی خبر کوئی نہیں ہے، جو رندوں کی مجلس میں نہیں ہے

نازکاں را سفر از عشق حرامست حرام
نازکوں کے لئے عشق کا سفر یقیناً حرام ہے

کہ بہر گام دریں رہ خطرے نیست کہ نیست
اس لئے کہ ایسا کوئی خطرہ نہیں ہے جو اس راستہ میں ہر قدم پر نہیں ہے

بجز ایں نکتہ کہ حافظ ز تو ناخوشنود ست
اس نکتہ کے علاوہ کہ حافظ تجھ سے ناراض ہے

در سراپائے وجودت ہنرے نیست کہ نیست
ایسا کوئی ہنر نہیں ہے، جو تیرے پورے وجود میں نہیں ہے

رواقِ۸ منظرِ چشمِ من آشیانۂ تست
تیرا آشیانہ، میری آنکھ کے منظر کا سائبان ہے

کرم نما و فرود آ کہ خانہ خانۂ تست
کرم فرما! اور نیچے آ جا کہ گھر تیرا ہی گھر ہے

بلطفِ خال و خط۹ از عارفاں ربودی دل
تل اور خط کی پاکیزگی کی وجہ سے تو عارفوں کا دل اچک لے گیا

لطیفہائے عجب زیرِ دام و دانۂ تست
تیرے دانہ، اور جال کے نیچے عجب لطیفے ہیں

---

۱ تاکہ تیرا دامن غبار آلود نہ ہو میں ہر راستہ پر آنسوؤں سے چھڑکاؤ کرتا ہوں۔

۲ نسیم سے میں ہر صبح کو لڑتا ہوں تاکہ وہ تیرے عشق کا چرچا نہ کرے۔

۳ میرے سوا سب تجھ سے فیض یاب ہیں

۴ جو تیرے لبوں میں شیرینی ہے اُسکے آگے شکر بھی شرمندہ ہے۔

۵ راہِ عشق میں دنیا بھر کے خطرات ہیں۔

۶ ہزاروں سفر درپیش ہیں لیکن تیرے کوچہ سے ایک قدم نہیں اٹھا سکتا ہوں۔

۷ رند سربستہ راز سے واقف ہیں لیکن بیان کرنا مصلحت کے منافی سمجھتے ہیں۔

۸ میری نگاہیں تیرے آشیانہ پر جمی ہیں۔

۹ خط کو جال اور تل کو دانہ قرار دیا ہے۔

دلت بوصلِ گُل اے بُلبلِ چمن خوش باد | کہ در چمن ہمہ گلبانگِ عاشقانۂ تست
اے چمن کی بُلبل پھول کے وصل سے تیرا دل خوش رہے | اس لیے کہ چمن میں سب تیری ہی عاشقانہ صدائیں ہیں

علاجِ ضعفِ دلِ ما بلب حوالت کن | کہ آں مُفرّحِ یاقوت در خزانۂ تست
ہمارے دل کی کمزوری کا علاج اپنے ہونٹوں کے حوالے کر دے | اس لیے کہ تیرے خزانہ میں یہ مفرح یاقوتی ہے

بہ تن مُقصّرم از دولتِ ملازمتت | ولے خلاصۂ جاں خاکِ آستانۂ تست
میں ہم نشینی کی دولت سے جسمانی طور پر کوتاہ ہوں | لیکن جان کا خلاصہ تیری چوکھٹ کی خاک ہے

چہ جائے من کہ بلرزد سپہرِ شعبدہ باز | ازیں حیل کہ در انبانۂ بہانۂ تست
میں کیا ہوں، شعبدہ باز آسمان بھی لرزتا ہے! | ان حیلوں سے جو تیرے بہانے کی تھیلی میں ہیں

من آں نیم کہ دہم نقدِ دل بہر شوخے | درِ خزانہ بمہرِ تو و نشانۂ تست
میں وہ نہیں ہوں جو ہر شوخ کو دل کا نذرانہ دیدے | خزانے کے دروازے پر تیری مہر اور نشان ہے

تو خود چہ لعبتی اے شہسوارِ شیریں کار | کہ توسنے چو فلک رامِ تازیانۂ تست
اے میٹھے کارناموں والے شہسوار تو خود کیا گڑیا ہے؟ | کہ آسمان جیسا سرکش گھوڑا تیرے کوڑے کے تابع ہے

سرودِ مجلست اکنوں فلک برقص آرد
اب تیری مجلس کا گانا آسمان کو وجد میں لا رہا ہے
کہ شعرِ حافظِ شیریں سخن ترانۂ تست
اس لیے کہ شیریں سخن، حافظ کا شعر تیرا گانا ہے

رسیدہ ام بمقامے کہ لامکاں آنجاست | نہ نامِ روئے زمین و نہ آسماں آنجاست
میں اس مقام پر پہونچ گیا ہوں، جہاں لامکاں ہے | اس جگہ نہ زمین کا نام ہے نہ آسمان ہے

دو دیدہ باز مکن در رُوش و لب مکشا | نہ تابِ دیدن و نے طاقتِ بیاں آنجاست
اس کے چہرے پر دونوں آنکھیں نہ کھول، دونوں ہونٹ نہ کھول | اُس جگہ نہ دیکھنے کی طاقت ہے نہ بیان کرنے کی طاقت

بوادیِ کہ گذشتم نہ جائے چون و چراست | نہ صورت ست و نہ شکل و نہ جسم و جاں آنجاست
جس وادی سے میں گذرا، چوں وچرا کی جگہ نہیں ہے | وہاں نہ صورت ہے نہ شکل، نہ جسم ہے اور نہ جان

چرا تو عاشقِ آں گل نمی شوی بُلبل | کہ نے بہار کند گاہ و نے خزاں آنجاست
اے بُلبل تو اس پھول کی عاشق کیوں نہیں ہوتی ہے؟ | جو ایسا نہیں ہے کہ کبھی بہار پر آتا ہو اور نہ وہاں خزاں ہے

وبالِ کشتنِ فرہاد بر سرش زآنست | کہ در مقامِ تعشق نہ امتحاں آنجاست
اس کے سر پر فرہاد کو مار ڈالنے کا اس لیے وبال ہے | کہ مقامِ تعشق میں یہاں تک کا امتحان نہیں ہے

خطا ست کلمۂ منصور در رہِ وحدت | چہ گونہ صوتِ لب و جنبشِ زباں آنجاست
وحدت کے راستہ میں منصور کا کلمہ غلطی ہے | ہونٹ کی آواز اور زبان کی جنبش وہاں کس طرح ہو سکتی ہے؟

بگردِ خانۂ محبوب خود مرو حافظ
اے حافظ اپنے محبوب کے گھر کے گرد نہ جا
کہ نیم شب شدہ بیدار پاسباں آنجاست
اس لیے کہ آدھی رات ہو گئی ہے اور وہاں چوکیدار بیدار ہے

۱؎ مفرح یاقوتی ایک مرکب دوا ہے جو ضعفِ قلب کے لئے مفید ہے۔
۲؎ تیرے پاس ایسے حیلے بہانے ہیں جن سے آسمان بھی لرزتا ہے۔
۳؎ محبوب کی زمین و آسمان پر حکومت ہے۔
۴؎ یعنی گُلِ سدا بہار ہے ایسا نہیں ہے کہ جو کبھی کبھی بہار پر آتا ہو۔
۵؎ عاشق کا امتحان تو لیا جاتا ہے لیکن جان نہیں لیجاتی ہے۔
۶؎ جبکہ منصور کی آواز تھی اور جنبشِ زبان بھی تو ان کا انا الحق کہنا غلط تھا۔

زاہدِ ظاہر پرست از حالِ ما آگاہ نیست
ظاہر پرست زاہد ہمارے حال سے واقف نہیں ہے

در حقِ ما ہر چہ گوید جائے ہیچ اکراہ نیست
ہمارے بارے میں جو کچھ بھی کہے، ناخوشی کا موقع نہیں ہے

در طریقت ہر چہ پیشِ سالک آید خیرِ اوست
طریقت میں سالک کو جو بھی پیش آئے، وہ بہتر ہی ہے

در صراط المستقیم اے دل کسے گمراہ نیست
اے دل سیدھے راستے پر کوئی گمراہ نہیں ہے

تا چہ بازی رُخ نماید بیذقے خواہیم راند
دیکھئے بازی کیا رُخ دکھائے، ہم پیادہ بڑھاتے رہینگے

عرصۂ شطرنج رنداں را مجالِ شاہ نیست
رندوں کی شطرنج کے میدان میں شاہ کی گنجائش نہیں ہے

اینچہ استغناست یا رب وینچہ قادر حاکم ست
اے خدا یہ کیسے بے نیازی ہے، اور یہ کیا منصف حاکم ہے

کایں ہمہ زخمِ نہان ست و مجالِ آہ نیست
کہ یہ سب چھپے زخم ہیں اور آہ کرنے کی مجال نہیں ہے

چیست ایں سقفِ بلندِ سادۂ بسیار نقش
یہ سادہ، بہت نقشین، بلند چھت کیا ہے

زیں معمّا ہیچ دانا در جہاں آگاہ نیست
دنیا میں کوئی عقلمند اس معمّہ سے واقف نہیں ہے

صاحبِ دیوانِ ما گویا نمیداند حساب
ہمارا حاکم، گویا حساب ہی نہیں جانتا ہے

کاندریں طغرا نشانِ حسبۃً للہ نیست
اس لیے کہ اس فرمان میں حسبۃً للہ کی مدہی نہیں ہے

ہر کہ خواہد گو بیا و ہر کہ خواہد گو برو
جو چاہے اس کو کہو آ جا، جو چاہے اس کو کہدو جا

گیر و دار و حاجب و دربان دریں درگاہ نیست
اس دربار میں گیر و دار، اور ڈیوڑھی بان اور دربان نہیں ہے

ہر چہ ہست از قامتِ ناسازِ بے اندامِ ماست
جو کچھ ہے وہ ہمارے ناموافق غیر مناسب قد کی وجہ سے ہے

ورنہ تشریفِ تو بر بالائے کس کوتاہ نیست
ورنہ تیرا خلعت کسی کے قد پر چھوٹی نہیں ہے

بر درِ میخانہ رفتن کارِ یکرنگاں بود
میخانہ کے دروازے پر جانا، مخلصوں کا کام ہے

خود فروشاں را بکوئے میفروشاں راہ نیست
متکبّروں کے لیے مے فروشوں کے کوچہ میں راستہ نہیں ہے

بندۂ پیرِ خراباتم کہ لطفش دائم ست
میں ایسے خراباتی پیر کا غلام ہوں جس کی مہربانی دائمی ہے

ورنہ لطفِ شیخ و زاہد گاہ ہست و گاہ نیست
ورنہ زاہد اور شیخ کی مہربانی کبھی ہے کبھی نہیں ہے

حافظ ار بر صدر ننشیند ز عالی ہمتی ست
حافظ اگر صدر جگہ پر بیٹھتا ہے، عالی ہمتی کی وجہ سے ہے

عاشقِ دردی کش اندر بندِ مال و جاہ نیست
تلچھٹ پینے والا عاشق مال اور مرتبہ کی قید میں نہیں ہے

زلفت ہزار دل بیکے تارِ مو بہ بست
تیری زلف نے ہزاروں دل ایک بال کے تار سے باندھ دیئے

راہِ ہزار چارہ گر از چار سو بہ بست
ہزاروں چارہ گروں کا چاروں طرف سے راستہ روک دیا

تا عاشقاں ببوئے نسیمش دہند جاں
تاکہ عاشق اس کی نسیم کی خوشبو پر، جان دیدیں

بکشود نافۂ و درِ ہر آرزو بہ بست
اس نے نافہ کھولدیا، اور ہر آرزو کا دروازہ بند کردیا

شیدا از آں شدم کہ نگارم چو ماہِ نو
میں تو اس پر دیوانہ بن گیا کہ میرے محبوب نے پہلی رات کے چاند جیسی

ابرو نمود و جلوہ گری کرد و رُو بہ بست
ابرو دکھایا، اور جلوہ گری کی، اور منہ چھپا لیا

ساقی بچند رنگ مے اندر پیالہ ریخت
ساقی نے چند رنگ کی شراب پیالے میں ڈالی

ایں نقشہا نگر کہ چہ خوش در کدو بہ بست
ان نقشوں کو دیکھو، کدو میں کس قدر حسین بنائے ہیں

---

۱ جبکہ وہ حقیقت حال سے آگاہ نہیں ہے تو کچھ بھی کہے اس پر کیا شکوہ ہے۔
۲ بیذق شطرنج کی ایک زد کا نام ہے جس کو پیادہ بھی کہتے ہیں یہاں مراد وجود ہے۔
۳ عالم کی حقیقت سے سب ناواقف ہیں۔
۴ حساب میں حسبۃً للہ کی مد غربا اور فقراء کے لئے ہوتی ہے۔
۵ محبوب ہر شے سے بے نیاز ہے۔
۶ میں ایسے پیر کا مرید ہوں جس کا فیض ہر وقت ہے۔
۷ محبوب کی زلف کے ہر بال میں ہزاروں دل پھنسے ہوئے ہیں۔
۸ نسیم کے ذریعہ خوشبو سنگھادی اور پھر تمنّا پوری کرنے کے لئے کوئی راستہ نہ چھوڑا۔
۹ محبوب کا جھکاؤ اور بچاؤ عاشق کے لئے مزید کشش کا سبب ہوتا ہے۔

یاربؐ چہ سحر کرد صراحی کہ خونِ خم
اے خدا صراحی نے کیا جادو کیا ہے کہ مٹکے کے خون کو
بانغمہائے قُلقلش اندر گلو ببست
اپنے قُلقل کے نغموں کے ساتھ گلے میں بند کر دیا

دانا چو دید بازیِ ایں چرخِ حُقّہ باز
عقلمند انسان نے جب اس بازی گر آسمان کی بازی دیکھی
ہنگامہ باز چید و درِ گفتگو ببست
ہنگامہ ختم کر دیا، اور بات چیت کا دروازہ بند کر دیا

مُطربؐ چہ نغمہ ساخت کہ در پردۂ سماع
مُطرب نے کیا نغمہ شروع کیا کہ سماع کے پردے میں
بر اہلِ وجد و حال درِ ہائے و ہو ببست
وجد اور حال والوں میں ہائے و ہو کا دروازہ بند کر دیا

گفتم کہ حسنِ چہرۂ او را صفت کنم
میں نے کہا تھا کہ اس کے چہرے کے حسن کی خوبی بیان کروں
او روئے خود نمود و درِ گفتگو ببست
اس نے اپنا چہرہ دکھا دیا اور بات کا دروازہ بند کر دیا

حافظ ہر آنکہ عشق نورزید و وصل خواست
اے حافظ جس نے عشق اختیار نہ کیا، اور وصل چاہا
احرامِ طوفِ کعبۂ دل بے وضو ببست
اس نے دِل کے کعبہ کے طواف کا احرام بے وضو باندھا

زلف آشفتہ و خوی کردہ و خنداں لب و مست
زلفیں بکھرے، پسینہ میں تر، مسکراتے ہونٹ اور مست
پیرہن چاک و غزلخواں و صراحی در دست
گریباں کھلا ہوا اور غزل پڑھتے ہوئے اور ہاتھ میں صراحی لئے

نرگسش عربدہ جوی و لبش افسوس کناں
اس کی آنکھیں جنگجو اور اس کے ہونٹ افسوس کرتے ہوئے
نیم شب مست ببالینِ من آمد بنشست
آدھی رات کو مستی میں میرے سرہانے آ بیٹھا

سرِ فراگوشِ من آورد و بہ آوازِ حزیں
سر کو میرے کانوں کے پاس لایا اور رنجیدہ آواز سے
گفتؐ کاے عاشقِ شوریدۂ من خوابت ہست
بولا، اے میرے مجنوں عاشق! تو سویا ہے

عاشقےؐ را کہ چنیں بادۂ شبگیر دہند
جس عاشق کو اس طرح کی ساری رات مست کر دینے والی شراب پلائیں
کافرِ عشق بود گر نبود بادہ پرست
وہ عشق کا کافر ہوگا اگر بادہ پرست نہ ہو

برو اے زاہد و بر دُرد کشاں خردہ مگیر
اے زاہد! جا، اور تلچھٹ پینے والوں پر عیب نہ لگا
کہ ندادند جز ایں تحفہ بما روزِ الست
اس لئے کہ ازل میں اس تحفہ کے سوا ہمیں کچھ نہیں دیا ہے

آنچہ او ریخت بہ پیمانۂ ما نوشیدیم
جو اس نے ہمارے پیمانے میں بھرا وہ ہم نے پیا
اگر از خمرِ بہشت ست و گر از بادۂ مست
خواہ بہشت کی شراب ہو، یا مست شراب

خندۂ جامِ مے و زلفِ گرہگیرِ نگار
شراب کے پیانہ کی ہنسی اور معشوق کی پرشکن زلف نے
اے بسا توبہ کہ چوں توبۂ حافظ بشکست
حافظ کی توبہ جیسی بہت سی توبائیں توڑ ڈالی ہیں

زگریہ مردمِ چشمم نشستہ در خون ست
میری آنکھ کی پتلیاں، رونے کی وجہ سے خون میں ڈوبی ہیں
ببیں کہ در طلبت حالِ مردماں چوں ست
دیکھ، تیری طلب میں انسانوں کا کیا حال ہے

بیادِ لعلِ لب و چشمِ مستِ میگونت
تیرے لب کے لعل، اور شراب جیسی مست آنکھ کی یاد میں
زجامِ غم مے لعلے کہ میخورم خون ست
غم کے جام سے جو لعل جیسی شراب پی رہا ہوں خون ہے

---

۱ عاشق آشنائے راز ہوتا ہے، لیکن پھر دم بخود ہوتا ہے۔
۲ مُطرب نے ایسا نغمہ چھیڑ دیا کہ سب دم بخود ہو گئے۔
۳ محبوب کا چہرہ دیکھنے کے بعد تعریف کرنا امکان سے باہر ہو گیا۔
۴ بلا درد عشق وصال کی تمنا لاحاصل کام ہے۔
۵ یعنی معشوق نے اس حالت میں آکر آدھی رات میں مجھ سے یہ کہا۔
۶ جس عاشق کے ساتھ اس طرح کا معاملہ ہو اگر وہ بادہ پرست نہیں ہے تو کافر ہے۔
۷ تیری یاد میں خون کے گھونٹ پی رہا ہوں۔

زمشرقِ سرِ کوئی آفتابِ طلعتِ تو
تیرے چہرہ کا آفتاب کوچہ کی مشرق سے

اگر طلوع کند طالعم ہمایون ست
اگر طلوع کر آئے، تو میرا مبارک نصیب ہے

حکایتِ[1] لبِ شیریں کلامِ فرہادست
لب شیریں کا قصہ، فرہاد کی بات ہے

شکنج طرۂ لیلیٰ مقامِ مجنون ست
لیلیٰ کی زلف کا پیچ، مجنوں کا مقام ہے

دلم بجوکہ قدت ہمچو سرو دلجوی ست
میری دلجوئی کر، کیونکہ تیرا قد دلجو سرو کی طرح ہے

سخن بگوکہ کلامت لطیف و موزون ست
بات کر، کیونکہ تیری بات موزوں اور پاکیزہ ہے

زدورِ[2] بادہ بجاں راحتے رساں ساقی
اے ساقی! شراب کے دور سے جان کو راحت پہونچا

کہ رنج خاطرم از جورِ دورِ گردون ست
اس لئے کہ آسمان کی گردش کے ظلم سے مری طبیعت رنجیدہ ہے

ازآں[3] زماں کہ زدستم برفت یارِ عزیز
اس وقت سے جب کہ پیارا دوست میرے ہاتھ سے گیا ہے

کنارِ دیدۂ من ہمچو رودِ جیحون ست
میری آنکھ کا گوشہ جیحون دریا کی طرح ہے

چگونہ[4] شاد شود اندرونِ غمگینم
میرا رنجیدہ باطن کس طرح خوش ہو

باختیار کہ از اختیار بیرون ست
اس اختیار سے جو اختیار سے باہر ہے

زبیخودی طلبِ یار میکند حافظ
حافظ، بیخودی سے یار کی طلب کرتا ہے

چو مفلسے کہ طلبگارِ گنجِ قارون ست
اس مفلس کی طرح، جو قارون کے خزانہ کا طالب ہے

زآں[5] یارِ دلنوازم شکریست باشکایت
مجھے اس دلنواز دوست سے شکریہ کے ساتھ شکایت ہے

گر نکتہ دانِ عشقی خوش بشنو ایں حکایت
اگر تو عشق کا نکتہ داں ہے تو اس قصہ کو اچھی طرح سن لے

بیمزد[6] بود و منت ہر خدمتے کہ کردیم
میں نے جو خدمت کی وہ بدوں مزدوری اور احسان کے تھی

یارب مباد کس را مخدومِ بے عنایت
اے خدا! کسی کا مخدوم بے عنایت نہ ہو

رندانِ[7] تشنہ لب را آبے نمیدہد کس
پیاسے ہونٹوں والے رندوں کو کوئی پانی نہیں دیتا ہے

گویا ولی شناساں رفتند ازیں ولایت
گویا اس دنیا سے ولی کو پہچاننے والے چلے گئے

در زلفِ چوں کمندش اے دل مپیچ کانجا
اے دل! اس کی کمند جیسی زلف میں نہ لپٹ اس لئے کہ اس جگہ

سرہا بریدہ بینی بے جرم و بے جنایت
بدوں کسی جرم اور خطا کے تو بہت سے سر کٹے ہوئے دیکھے گا

ایں[8] راہ را نہایت صورت کجا تواں بست
اس راستہ کی انتہا کی کیا صورت ہو سکتی ہے

کش صد ہزار منزل بیش ست در بدایت
اس لئے کہ اس کے شروع میں لاکھوں منزلیں درپیش ہیں

چشمت بغمزہ ما را خوں خورد و می پسندی
تیری نگاہوں نے ناز و انداز سے ہمارا خون پی لیا اور یہ تجھے پسند ہے

جاناں روا نباشد خوں ریز را حمایت
اے پیارے خوں ریز کی حمایت جائز نہیں ہوتی ہے

ہر چند[9] بردی آبم رو از درت نتابم
ہر چند کہ تو نے مری آبرو ختم کر دی لیکن تیرے در سے منہ نہ موڑونگا

جور از حبیب خوشتر کز مدعی رعایت
رقیب کی رعایت سے، دوست کا ظلم بہتر ہے

اے آفتابِ خوباں میسوزد اندرونم
اے حسینوں کے آفتاب! میرا باطن بھڑک رہا ہے

یکساعتم بگنجاں در سایۂ عنایت
گھڑی بھر کے لئے مہربانی کے سایہ میں پناہ دیدے

---

[1] عشق کے اعلیٰ مقام پر پہونچکر معشوق کا مستحق بنا جا سکتا ہے
[2] غم عشق کو شراب کی مستی کے ذریعہ آسان کیا جا سکتا ہے۔
[3] یعنی جب سے فراق میں مبتلا ہوا ہوں برابر رو رہا ہوں۔
[4] عاشق مہجور کا خوش ہونا اختیار سے باہر ہے
[5] میں محبوب کا شکر گذار بھی ہوں اور شاکی بھی ہوں۔
[6] میری ہر خدمت گذاری بدون کسی لالچ کے ہے لیکن مخدوم کو تو پھر بھی مہربانی کرنی چاہیے۔
[7] ہم تشنہ لب رند، ولی ہیں۔
[8] راہ عشق میں ہزاروں منزلیں طے کر لینے کے بعد بھی ابتدائے راہ ہوتی ہے۔
[9] دوست کا ظلم دشمن کے کرم سے بہتر ہے۔

دراین شبِ سیاہم گم گشتہ راہِ مقصود
اس اندھیری رات میں میری راہِ مقصود گم ہوگئی ہے

از گوشۂ بروں آ اے کوکبِ ہدایت
اے ہدایت کے ستارے گوشے سے باہر نکل آ

از ہر طرف کہ رفتم جز وحشتم نیفزود
میں جس طرف بھی گیا میری وحشت کے سوا کچھ نہ بڑھا

زنہار ازیں بیابان وین راہِ بے نہایت
اس جنگل اور اس بے انتہا راستے سے خدا کی پناہ

عشقت رسد بفریاد گر خود بسانِ حافظ
عشق تیری فریاد کو پہونچے گا اگر تو حافظ کی طرح

قرآن زبر بخوانی با چاردہ روایت
چودہ قرأت کے ساتھ قرآن حفظ پڑھے گا

سرِ ارادتِ ما و آستانِ حضرتِ دوست
دوست کے دربار کی چوکھٹ ہے اور ہمارا عقیدتمند سر

کہ ہرچہ بر سرِ ما میرود ارادتِ اوست
اس لیے کہ جو کچھ ہمارے سر پر بیت رہی ہے اسی کے ارادے سے ہے

نظیرِ دوست ندیدم اگرچہ از مہ و مہر
میں نے دوست کی مانند نہ دیکھا اگرچہ چاند اور سورج

نہادم آئنہ ہا در مقابلِ رخِ دوست
کا آئینہ میں نے دوست کے رخ کے بالمقابل رکھا

نثارِ روئے تو ہر برگِ گل کہ در چمن ست
ہر پھول کی پتی جو بھی چمن میں ہے تیرے چہرے پر نثار ہے

فدائے قدِ تو ہر سروبن کہ بر لبِ جوست
جو بھی نہر کے کنارے سرو ہے، وہ تیرے قد پر قربان ہے

مگر تو شانہ زدی زلفِ عنبر افشاں را
شاید تو نے عنبر چھڑکنے والی زلف میں کنگھی کی ہے

کہ باد غالیہ سا گشت و خاک عنبر بوست
اس لیے کہ ہوا غالیہ گھسنے والی اور خاک عنبر کی سی خوشبو کی ہوگئی ہے

رخِ تو در نظر آمد مراد خواہم یافت
تیرا چہرہ نظر آیا ہے، مراد بھی حاصل کر لوں گا

چرا کہ حالِ نکو در قفائے فالِ نکوست
اس لیے کہ اچھی فال کے بعد اچھی حالت ہوتی ہے

صبا ز حالِ دلِ تنگِ ما چہ شرح دہد
ہمارے تنگ دل کی حالت کی صبا کیا شرح کرے

کہ چوں شکنج ورقہائے غنچۂ تو بر توست
جو غنچہ کی پتیوں کی شکنوں کی طرح تہ بہ تہ ہے

نہ من سبو کشِ ایں دیرِ رند سوزم و بس
اس زہد کے جلانیوالے میخانہ کا میں ہی خدمت گذار نہیں ہوں

بسا سرا کہ دریں آستانہ سنگ و سبوست
بہت سے سر ہیں جو اس آستانہ پر سنگ و سبو بنے ہیں

زبانِ ناطقہ در وصفِ حسنِ او لال ست
اس کے حسن کے بیان میں ناطقہ کی زبان گنگ ہے

چہ جائے کلکِ بریدہ زبانِ بیہدہ گوست
زبان کٹے بیہودہ گو قلم کے لئے کب موقع ہے

نہ این زمان دلِ حافظ در آتشِ طلب ست
صرف اس زمانہ میں ہی حافظ کا دل، طلب کی آگ میں نہیں ہے

کہ داغدارِ ازل ہمچو لالۂ خود روست
وہ تو خودرو لالہ کی طرح، ازل سے داغدار ہے

سینہ ام ز آتشِ دل در غمِ جانانہ بسوخت
معشوق کے غم میں، دل کی آگ سے میرا سینہ جل گیا

آتشے بود دریں خانہ کہ کاشانہ بسوخت
اس گھر میں ایسی آگ تھی جس نے پورا گھر جلا دیا

تنم از واسطۂ دوریِ دلبر بگداخت
دلبر کی دوری کی وجہ سے، میرا جسم گل گیا

جانم از آتشِ ہجرِ رخِ جانانہ بسوخت
محبوب کے رخ کے فراق کی آگ سے میری جان جل گئی

۱؎ تاکہ میں راستہ دیکھ سکوں۔
۲؎ اگر حافظ کی طرح تو بھی چودہ قراءتوں کا ماہر ہو جائے گا تو عشق خود تیری مدد کرے گا۔
۳؎ یعنی ہمیں مقام رضا حاصل ہے۔
۴؎ آئینہ میں بھی دوست کی نظیر پیدا ہوئی۔
۵؎ ہوا اور خاک تیری زلفوں سے خوشبودار بنی ہیں۔
۶؎ اس شراب خانہ سے مجھ جیسے سینکڑوں مست ہیں۔
۷؎ اس کا حسن احاطۂ تحریر و بیان سے باہر ہے۔
۸؎ یعنی دل کی آگ سے پورا جسم جل گیا ہے۔

ہر کہ[1] زنجیرِ سرِ زلفِ پری روئے تو دید
جس نے تیرے پری جیسے چہرہ کی زلف کی زنجیر کو دیکھ لیا

شد پریشان و دلش بر منِ دیوانہ بسوخت
وہ پریشان ہو گیا، اور اس کا دل مجھ دیوانہ پر جلا

سوزِ[2] دل بیں کہ زبس آتشِ اشکم دلِ شمع
دل کی گرمی کو دیکھ کہ میرے آنسوؤں کی گرمی نے شمع کے دل کو

دوش بر من ز سرِ مہر چو پروانہ بسوخت
شب گذشتہ مجھ پر مہربانی سے پروانہ کی طرح جلا دیا

چوں پیالہ دلم از توبہ کہ کردم بشکست
جو توبہ میں نے کی اس سے میرا دل پیالہ کی طرح شکستہ ہو گیا

چوں صراحی جگرم بے مے و پیمانہ بسوخت
میرا جگر شراب اور پیمانہ کے بدوں صراحی کی طرح جل گیا

ماجرا[3] کم کن و باز آ کہ مرا مردمِ چشم
گفتگو کم کر، اور واپس آجا اس لئے کہ میری آنکھوں کی پتلی نے

خرقہ از سر بدر آورد و بشکرانہ بسوخت
خرقہ سر سے اتار دیا ہے اور شکرانہ میں جلا دیا ہے

آشنائے[4] نہ غریب است کہ دلسوزِ من است
وہ آشنا اجنبی نہیں ہے، جو میرا دل جلانے والا ہے

چوں من از خویش برفتم دلِ بیگانہ بسوخت
جب میں اپنے سے گیا، تو غیروں کا بھی دل جل گیا

خرقۂ[5] زہدِ مرا آبِ خرابات ببرد
میرے زہد کی گدڑی کو، شراب خانہ کا پانی بہا لے گیا

خانۂ عقلِ مرا آتشِ خمخانہ بسوخت
میری عقل کے خانہ کو، شراب خانہ کی آگ نے جلا دیا

ترکِ افسانہ بگو حافظ و مے نوش دمے
اے حافظ! افسانہ گوئی چھوڑ، اور تھوڑی دیر شراب پی

کہ نخفتیم شب و شمع بافسانہ بسوخت
اس لئے کہ ہم تمام شب نہ سوئے اور شمع افسانہ میں جل گئی

ساقیا آمدنِ عید مبارک بادت
اے ساقی! عید کی آمد تجھے مبارک ہو

واں[6] مواعید کہ کردی نرود از یادت
اور جو وعدے تو نے کیے ہیں، تیرے ذہن سے نہ نکلیں

در شگفتم کہ دریں مدتِ ایامِ فراق
میں تعجب میں ہوں کہ فراق کے اس زمانہ کی مدت میں

برگرفتی ز حریفاں دل و دل میدادت
تو نے دوستوں سے دل ہٹا لیا اور تیرے دل کو گوارا ہوا

برساں بندگیِ دخترِ رز گو بدر آی
انگور کی بیٹی کا سلام پہونچا دے اور کہہ دے باہر آجا

کہ دم ہمتِ ما کرد ز قید آزادت
اس لیے کہ ہماری توجہ کی پھونک نے تجھے قید سے آزاد کیا ہے

شادیِ مجلسیاں در قدم و مقدمِ تست
مجلس والوں کی خوشی تیرے قدم اور تشریف آوری میں ہے

جائے غم باد ہر آں دل کہ نخواہد شادت
خدا کرے وہ دل، غم کی جگہ بنے جو تیری خوشی نہ چاہے

چشمِ بد دور کزیں تفرقہ خوش باز آورد
چشم بد دور کہ اس تفرقہ سے تجھے اچھا واپس لے آیا

طالعِ نامور و دولتِ مادر زادت
نامور نصیبہ، اور تیری مادرزاد دولت

شکر ایزد کہ ازیں بادِ خزاں رخنہ نیافت
خدا کا شکر ہے کہ اس خزاں کی ہوا سے خراب نہ ہوا

بوستانِ سمن و سرو و گل و شمشادت
تیرے سرو، گل، شمشاد اور سمن کا باغ

حافظ از دست مدہ صحبتِ آں کشتیِ نوح[10]
اے حافظ! اس کشتی نوح کی صحبت نہ چھوڑ

ورنہ طوفانِ حوادث ببرد بنیادت
ورنہ حوادث کے طوفان، تیری جڑ اکھاڑ دیں گے

---

[1] جس نے تیری زلفیں دیکھ لیں وہ پریشان ہو گیا اور مجھ دیوانہ پر اس کا دل کڑھنے لگا۔

[2] شمع کا گداز میرے دل کی گرمی کی وجہ سے ہے۔

[3] عشق کے معاملہ میں میری آنکھ میں حیا نہیں ہے لہٰذا نصیحت بے سود ہے۔

[4] عشق کے معاملہ میں جو ہمدردی ہے وہ بیگانہ نہیں ہے، میرا عشق تو اس درجہ پر ہے کہ بیگانے بھی رحم کھانے لگے ہیں۔

[5] اب نہ میں زاہد ہوں نہ صاحب عقل۔

[6] وہ وعدے جو عید کے دن گلے ملنے کے کئے تھے۔

[7] ایام فراق میں معشوق کا دل عاشق کو تڑپانے پر کیسے راضی ہوا

[8] یعنی معشوق سے شراب کا سلام کہدو تاکہ وہ مجلس میں قدم رنجہ فرمائے۔

[9] معلوم ہوتا ہے کہ ممدوح، بادشاہ کے بارے میں کسی اختلاف کے بعد پھر لوگوں میں اتفاق ہوا ہے جس کی طرف اس شعر میں اشارہ ہے

[10] کشتی نوح سے مراد مرشد ہے یعنی اس سے جدائی تباہی کا باعث ہے۔

ساقی بیار بادہ کہ ماہِ صیام رفت
اے ساقی شراب لا کر روزوں کا مہینہ گیا
در دہ قدح کہ موسمِ ناموس و نام رفت
پیالہ دے اس لئے کہ نام و ناموس کا مہینہ گیا

وقتِ[1] عزیز رفت بیا تا قضا کنیم
پیارا وقت گذر گیا، آ ہم تلافی کر لیں
عمرے کہ بے حضورِ صراحی و جام رفت
اس عمر کی جو صراحی اور جام کی موجودگی کے بدوں گذر گئی

در تابِ[2] توبہ چند تواں سوخت ہمچو عود
تیری تپش میں، اگر کی طرح کب تک جلا جا سکتا ہے؟
مے دہ کہ عمر در سرِ سودائے خام رفت
شراب لا اس لئے کہ عمر بیہودہ خیالات میں ختم ہوگئی

مستم کن آں چناں کہ ندانم ز بیخودی
مجھ ایسا مست کردے کہ بیخودی کی وجہ سے میں یہ نہ جان سکوں
در عرصۂ خیال کہ آمد کدام رفت
کہ خیال کے میدان میں، کون آیا کون گیا

بر بوئے[3] آنکہ جرعۂ جامے بما رسد
اس توقع پر کہ جام کا ایک گھونٹ ہم تک پہونچے
در مصطبہ دعائے تو ہر صبح و شام رفت
شراب خانہ میں ہر صبح و شام تیرے لئے دعا ہوئی

دل را کہ مردہ بود حیاتے ز نو رسید
جو دل مردہ تھا اس کو از سر نو زندگی حاصل ہوگئی
تا بوئے از نسیمِ میش در مشام رفت
جب سے اس کی شراب کی ہوا کی خوشبو ناک میں گئی ہے

زاہد غرور[4] داشت سلامت نبرد راہ
زاہد کو تکبر تھا، سلامتی سے راستہ طے نہ کر سکا
رند از رہِ نیاز بدار السلام رفت
رند، عاجزی سے جنت میں پہونچ گیا

زاہد[5] تو دان و خلوتِ تنہائی و نیاز
زاہد تو جانے اور تنہائی کی گوشہ نشینی اور عاجزی
عشاق را حوالہ بعیشِ مدام رفت
عاشقوں کو تو دائمی عیش سے سابقہ پڑا ہے

نقدِ[6] دلے کہ بود مرا صرفِ بادہ شد
جو میرا نقدِ دل تھا، شراب میں خرچ ہوگیا
قلبِ سیاہ بود از آں در حرام رفت
کالا، کھوٹا تھا، اسی وجہ سے حرام میں گیا

دیگر مکن نصیحتِ حافظ کہ رہ نیافت
حافظ کو پھر نصیحت نہ کر اس لئے کہ راہ یاب نہیں ہوا
گم گشتۂ[7] کہ بادۂ عشقش بکام رفت
وہ گم گشتہ، جس کے حلق میں عشق کی شراب پہونچ گئی ہے

ساقیم خضر[8] ست و مے آبِ حیات
میرا ساقی خضر ہے، اور شراب آبِ حیات ہے
توبہ از مے چوں کنم ہیہات ہات
ہائے افسوس میں شراب سے کس طرح توبہ کروں، لا

بادۂ[9] تلخ از لبِ شیریں لباں
شیریں ہونٹ والوں کے ہونٹ سے، تلخ شراب
در حلاوت می برد آب از نبات
مٹھاس میں، مصری کو شرمندہ کرتی ہے

چوں[10] دمِ عیسٰی نسیمِ او ز لطف
اس کی ہوا پاکیزگی کی وجہ سے حضرت عیسٰی کی پھونک کی طرح
مردۂ صد سالہ را بخشد حیات
سو سالہ مردے کو، زندگی بخشتی ہے

جز بآبِ آتشیں یعنی شراب
آتشیں پانی، یعنی شراب کے سوا
حل نمیگردد مرا ایں مشکلات
میری، یہ مشکلات حل نہ ہوں گی

روزیِ[11] ما بیں کہ از دیوانِ عشق
ہماری روزی کو دیکھو کہ عشق کے دفتر سے
جز مئے ہجراں نشد مارا برات
ہجر کی شراب کے علاوہ ہمیں دستاویز نہ ملی

[1] رمضان میں شراب کے دور کا جو نقصان ہوا ہے اس کی تلافی کریں۔
[2] شراب ہی سے خیالات میں پختگی آئے گی۔
[3] ایک گھونٹ کی تمنا میں صبح و شام دعاؤں میں گذاری۔
[4] زاہد کا غرور تباہی کا سبب بنا اور رند کا عجز اس کو جنت میں لے گیا۔
[5] نیاز اور خلوت نشینی زاہد کا حصہ ہے، عشاق کی قسمت میں عیش لکھا ہے
[6] چونکہ نقدِ دل کھوٹا تھا اگر شراب میں صرف ہوگیا تو کوئی مضائقہ نہیں۔
[7] جو عشق کا گم گشتۂ راہ ہے اس کو نصیحت سیدھے راستے پر نہیں لا سکتی ہے۔
[8] جب ساقی خضر ہو اور شراب آبِ حیات ہو تو توبہ ممکن نہیں ہے۔
[9] معشوق کے ہاتھ سے تلخ شراب مصری سے بھی زیادہ شیریں ہے۔
[10] حضرت مسیح تو اسی مردے کو زندہ کرتے جو فی الحال مرا ہو معشوق سو سالہ مرے کو زندہ کر دیتا ہے۔
[11] برات اس تحریر کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ خزانے سے روپے حاصل ہوتے ہیں یعنی ہمیں ہجر حاصل کرنے کا حکم نامہ ملا

شاد باد ارواحِ آں رندے کہ اُو — بر سرِ کوئے مُغاں یابد وفات
اس رند کی روح، خوش رہے جو — مُغچوں کے کوچہ میں، وفات پا جائے

حاصلِ عمرِ تو حافظ درجہاں
اے حافظ! دنیا میں تیری زندگی کا حاصل

بادۂ صافی ست باقی ترہات
صاف شراب ہے، باقی بیہودگی ہے

ساقی بیا کہ یار ز رُخ پردہ برگرفت — کارِ چراغِ خلوتیاں باز درگرفت
اے ساقی! آجا اس لئے کہ یار نے رخ سے پردہ ہٹالیا ہے — خلوت نشینوں کے کام کے چراغ نے دوبارہ روشنی حاصل کرلی ہے

آں شمعِ سرگرفتہ دگر چہرہ برفروخت — واں پیرِ سالخوردہ جوانی ز سر گرفت
اُس بجھی ہوئی شمع نے دوبارہ چہرہ روشن کرلیا ہے — اس پرانے بوڑھے نے از سرِ نو جوانی حاصل کرلی ہے

آں عشوہ داد عشق کہ مُفتی زرہ برفت — واں لطف کرد دوست کہ دشمن حذر گرفت
عشق نے وہ ناز دکھایا کہ مُفتی راستہ سے بھٹک گیا — دوست نے ایسی مہربانی کی کہ دشمن کنارہ کش ہوگیا

زنہار ازیں عبارتِ شیریں و دلفریب — گوئی کہ پستہ تو سخن در شکر گرفت
اس شیریں اور دلفریب عبارت سے خدا کی پناہ — گویا کہ تیرے مُنہ نے بات شکر میں لپیٹی ہے

بارِ غمے کہ خاطرِ ما خستہ کردہ بود — عیسیٰ دمے خدا بفرستاد و برگرفت
جس غم کے بوجھ نے ہمارے دل کو خستہ کردیا تھا — خدا نے ایک عیسیٰ دم کو بھیج دیا اور اس نے اس کو ہٹا دیا

ہر سرو قد کہ بر مہ و خور حسن میفروخت — چوں تو درآمدی پئے کارِ دگر گرفت
ہر وہ سرو قد جو چاند اور سورج پر حسن جتاتا تھا — جب تو آیا، تو اس نے دوسرا کام شروع کردیا

زیں قصہ ہفت گنبدِ افلاک پرصداست — کوتہ نظر ببیں کہ سخن مختصر گرفت
اس قصہ سے آسمان کے ساتوں گنبد گونج رہے ہیں — کوتاہ نظر کو دیکھ کہ اس نے مختصر بات سمجھ لی

حافظ تو ایں دعا ز کہ آموختی کہ یار
حافظ، تو نے یہ دعا کس سے سیکھی کہ یار نے

تعویذ کرد شعرِ ترا و بزر گرفت
تیرے اشعار کو تعویذ بنایا اور سونے میں مڑھا

شگفتہ شد گُلِ حمرا و گشت بُلبل مست — صلائے سرخوشی اے عاشقانِ بادہ پرست
سرخ پھول کھل گیا، اور بُلبل مست ہوگئی — اے بادہ پرست عاشقو! مستی کی صدا بلند کرو

اساسِ توبہ کہ در محکمی چو سنگ نمود — ببیں کہ جامِ زجاجی چگونہ اش بشکست
توبہ کی بنیاد، جو مضبوطی میں پتھر جیسی نظر آتی تھی — دیکھو کانچ کے جام نے اس کو کس طرح توڑ ڈالا

بیار بادہ کہ در بارگاہِ استغنا — چہ پاسبان و چہ سلطان چہ ہوشیار و چہ مست
شراب لا! اس لئے کہ بے نیازی کے دربار میں — کیا پاسبان اور کیا بادشاہ، اور کیا ہوشیار اور کیا مست

ازیں رباطِ دو در چوں ضرورت ست رحیل — رواقِ طاقِ معیشت چہ سربلند و چہ پست
اس دو در کی سرائے سے، جب جانا ضروری ہے — زندگی کے محراب کا چھجہ کیا بلند اور کیا پست

۱ محبوب جلوہ گر ہے، جس سے عاشقوں کا دل روشن ہے شراب کا دور چلے۔
۲ معشوق کے دیدار سے بوڑھے دل جوان ہوگئے ہیں
۳ معشوق کے مُنہ کو پستہ سے تشبیہ دیجاتی ہے۔
۴ ہر وہ معشوق جو سرو قد تھا اور اس کا حسن شمس و قمر کو شرمندہ کرتا تھا تیرے سامنے ہیچ ہوگیا۔
۵ تعویذ پر سونے کا پتر مڑھوایا جاتا تھا۔
۶ موسم بہار آگیا بادہ پرستوں کے لئے مستی کی صدا ہے۔
۷ پتھر جیسی توبہ شیشے کے پیالہ سے ٹوٹ گئی۔
۸ بے نیاز کے دربار میں سب یکساں ہیں۔
۹ دنیا کو دو در کی سرائے قرار دیا ہے ایک آنے کا اور ایک جانے کا۔

مقامِ عیش میسّر نمی شود بے رنج
عیش کا مقام بدون محنت حاصل نہیں ہوتا ہے

بلیٰ بحکمِ بلا بستہ اند روزِ اَلَسْت
الست کے دن عشق کے حکم سے بلی کا عہد کیا ہے

بہ ہست و نیست مرنجاں ضمیر و خوش میباش
دل کو ہست اور نیست سے رنجیدہ نہ کرو اور خوش رہ

کہ نیست ہست سرانجامِ ہر کمال کہ ہست
اس لئے کہ جو کمال ہے، اس کا انجام نیست ہے

شکوہِ آصفی و اسپِ باد و منطقِ طیر
آصف کا دبدبہ اور ہوا کا گھوڑا اور پرندوں کی گفتگو

بباد رفت و ازآں خواجہ ہیچ طرف بست
سب برباد ہوگئے اور مالک کو انسے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوا

ببال و پر مرو از رہ کہ تیرِ پرتابے
بال اور پر کی وجہ سے راستے سے نہ بہک اس لئے کہ پرکشش تیر نے

ہوا گرفت زمانے و لے بخاک نشست
تھوڑی دیر کے لئے ہوا پکڑی لیکن زمین پر آ بیٹھا

زبانِ کلکِ تو حافظ چہ شکرِ آں گوید
اے حافظ تیرے قلم کی نوک اس کا کیا شکریہ ادا کر سکتی ہے؟

کہ تحفۂ سخنش می برند دست بدست
کہ اس کی بات کے تحفہ کو لوگ ہاتھوں ہاتھ لے جاتے ہیں

شربتے از لبِ لعلش نچشیدیم و برفت
اُس کے لعل جیسے ہونٹ سے ہم نے شربت نہ چکھا اور وہ چلا گیا

روئے مہ پیکرِ او سیر ندیدیم و برفت
اس کے چاند جیسے جسم والے چہرے کو جی بھر کر نہ دیکھا اور وہ چلا گیا

گوئی از صحبتِ ما نیک بہ تنگ آمدہ بود
گویا ہماری صحبت سے سخت تنگ آگیا تھا

بار بر بست و بگردش نرسیدیم و برفت
اُس نے سامان باندھا اور ہم اُسکے قریب بھی نہ پہنچے اور وہ چلا گیا

بس کہ ما فاتحہ و حرزِ یمانی خواندیم
ہم نے بہت اَلحمد اور دعا تے حرز یمانی پڑھی

وز پیش سورۂ اخلاص دمیدیم و برفت
اور اس کے پیچھے، قل ہو اللہ پڑھکر دم کی اور وہ چلا گیا

سر ز فرمانِ خطم گفت مکش تا نروم
اس نے کہا میرے خط کے حکم سے سرکشی نہ کر کہ میں نہ جاؤں

ما سر خویش ز خطش نکشیدیم و برفت
ہم نے اس کے حکم سے سرتابی نہ کی اور وہ چلا گیا

عشوہ میداد کہ از کوئے ارادت نروم
فریب دیتا تھا کہ تیرے مقصد کے کوچہ سے میں نہ جاؤں گا

دیدی آخر کہ چساں عشوہ خریدیم و برفت
تو نے دیکھا ہم نے آخر کیسا دھوکا کھایا اور وہ چلا گیا

شد چماں در چمنِ حسن و لطافت لیکن
وہ حسن اور پاکیزگی کے چمن میں ٹہلا لیکن

در گلستانِ وصالش نچمیدیم و برفت
ہم اس کے وصال کے چمن میں نہ ٹہلے اور وہ چلا گیا

گفت از خود ببُرد ہر کہ وصالم طلبد
وہ بولا جو ہمارا وصال طلب کرے وہ اپنے سے جدا ہو

ما بامیدِ وے از خویش بُریدیم و برفت
ہم اس کی امید پر اپنے سے جدا ہوئے اور وہ چلا گیا

صورتِ او بلطافت اثرِ صنعِ خداست
اس کی صورت پاکیزگی میں خدا کی صنعت کا نشان ہے

ما بروئیش نظرے سیر ندیدیم و برفت
ہم نے اس کے چہرہ کو جی بھر کر نہ دیکھا اور وہ چلا گیا

گلے از باغِ وصالش کہ مرا روزی بود
اس کے وصال کے باغ کا پھول جو ہمارا حصہ تھا

آہ دردا و دریغا نشنیدیم و برفت
ہائے دردا و افسوس ہم نے نہ سونگھا، اور وہ چلا گیا

ہمچو حافظ ہمہ شب نالہ و افغاں کردیم
ہم نے حافظ کی طرح تمام رات نالہ اور فریاد کی

کاے دریغا بوداعش نرسیدیم و برفت
ہائے افسوس ہم اس کو رخصت کرنے نہ پہنچے، اور وہ چلا گیا

۱؎ ازل میں حضرت حق نے دریافت کیا تھا اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟) سب نے جواب میں بلی کہا تھا یعنی کیوں نہیں۔

۲؎ دنیا کی ہر شے فانی ہے، تو فانی کی فکر میں پڑنا مناسب نہیں ہے۔

۳؎ آصف بن برخیا، حضرت سلیمان کے وزیر تھے اسپ باد سے تخت سلیمانی مراد ہے جو ہوا کے دوش پر چلتا تھا "منطق الطیر" پرندوں کی گفتگو جو حضرت سلیمان سمجھ لیتے تھے۔

۴؎ وہ ہم سے اس قدر تنگ دل ہوا کہ ہم اس کو رخصت کرنے بھی نہ پہنچ پائے کہ وہ چلا گیا۔

۵؎ حرز یمانی اور دعائے سیفی وہ دعا کہلاتی ہے جو آنحضرت صلعم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو کسی بھیجے وقت سکھائی تھی۔

۶؎ معشوق نے کہنا ماننے کی شرط پر ٹھہرنے کا وعدہ کیا ہم نے کہنا مانا لیکن اس نے وعدہ پورا نہ کیا۔

۷؎ ہم معشوق کے ہر فریب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

۸؎ معشوق نے خود فراموشی پر وصل کا وعدہ کیا لیکن پورا نہ کیا۔

شنیده ام سخنے خوش کہ پیرِ کنعاں گفت
میں نے وہ اچھی بات سنی، جو پیرِ کنعاں نے کہی

فراقِ یار نہ آں میکند کہ بتواں گفت
یار کا فراق وہ کچھ نہیں کرتا ہے، جو کہا جا سکے

حدیثِ ہولِ قیامت کہ گفت واعظِ شہر
قیامت کی خوفناکی کا قصہ، جو واعظِ شہر نے بیان کیا

کنایتے ست کہ از روزگارِ ہجراں گفت
وہ ایک کنایہ ہے جو اس نے ہجر کے زمانہ کا بیان کیا

نشانِ یارِ سفر کردہ از کہ پرسم باز
سفر کئے ہوئے دوست کا پتہ آخر کس سے پوچھوں؟

کہ ہر چہ گفت بریدِ صبا پریشاں گفت
اس لئے کہ قاصدِ صبا کے قاصد نے جو کچھ کہا بہکا بہکا کہا

فغاں کہ آں مہِ نامہرباںِ دشمن دوست
فریاد ہے اس لئے کہ اس، دشمن کے دوست، نامہرباں چاند نے

بترکِ صحبتِ یاراں خود چہ آساں گفت
اپنے دوستوں کی صحبت چھوڑ دینے کو کس قدر آساں بتا یا!

غمِ کہن بمےِ سالخوردہ دفع کنید
پرانے غم کو پرانی شراب سے دور کرو

کہ تخمِ خوشدلی اینست پیرِ دہقاں گفت
اس لئے کہ پیرِ دہقاں نے بتایا ہے کہ خوشدلی کا بیج یہی ہے

منٔ و مقامِ رضا بعد ازیں و شکرِ رقیب
اس کے بعد میں ہوں اور مقامِ رضا اور رقیب کا شکریہ

کہ دل بدردِ تو خو کرد و ترکِ درماں گفت
اسلئے کہ دل نے تیرے درد کی عادت ڈال لی اور علاج نہ کرنے کی ٹھان لی

گرہ بباد مزن گرچہ بر مراد وزد
ہواؤں میں گرہ نہ لگا اگرچہ وہ مقصد کے مطابق چلے!

کہ ایں سخن بمثل باد با سلیماں گفت
اس لئے کہ یہ بات مثال کے طور پر ہوا نے سلیمان سے کہی ہے

مزنٔ بچون و چرا دم کہ بندۂ مقبل
چون و چرا کہ اس لئے کہ بانصیب انسان نے

قبول کرد سخن ہر سخن کہ جاناں گفت
ہر وہ بات مان لی ہے، جو معشوق نے اس سے کہی ہے

بعشوۂ کہ سپہرت دہد زراہ مرو
اس فریب سے جو تجھے آسمان دے راستہ سے نہ ہٹ

ترا کہ گفت کہ ایں زالِ ترکِ دستاں گفت
تجھ سے کس نے کہدیا ہے کہ اس بوڑھیا نے مکاری چھوڑ دینے کو کہا ہے

بیار بادہ بخور زانکہ پیرِ میکدہ دوش
دوست کے ساتھ شراب پی کہ شب گذشتہ میکدہ کے پیر نے

بسے حدیثِ غفور و رحیم و رحماں گفت
غفور، رحیم اور رحمان کی بہت باتیں سنائی ہیں

کہ گفت حافظ از اندیشۂ تو آمد باز
کس نے کہا کہ حافظ تیرے خیال سے باز آگیا!

من ایں نگفتہ ام آنکس کہ گفت بہتاں گفت
میں نے یہ نہیں کہا ہے، جس نے کہا، جھوٹ کہا

صحنِ بستاں ذوق بخش و صحبتِ یاراں خوش ست
باغ کا صحن ذوق پیدا کرنے والا اور دوستوں کی صحبت اچھی ہے

وقتِ گل خوش باد کز وے وقتِ میخوراں خوش ست
خدا کرے پھول کا زمانہ خوش ہے اس کی وجہ سے شرابیوں کا زمانہ اچھا ہے

از صبا ہر دم مشامِ جانِ ما خوش میشود
ہماری جان کی قوتِ شامہ صبا کی وجہ سے ہر وقت خوش رہتی ہے

آرے آرے طیبِ انفاسِ ہواداراں خوش ست
ہاں ہاں عاشقوں کے سانسوں کی پاکیزگی بہت خوب ہے

تا کشودہ گل نقاب آہنگِ رحلت ساز کرد
جبتک پھول نے نقاب کھولا کوچ کے ارادہ نے موافقت کر دی

نالہ کن بلبل کہ گلبانگِ دلِ افگاراں خوش ست
اے بلبل نالہ کر اس لئے کہ زخمی دلوں کا شور اچھا ہوتا ہے

مرغِ شبخواں را بشارت باد کاندر راہِ عشق
رات کو چہکنے والے پرندے کے لئے خوشخبری ہو اس لئے کہ عشق کے راستہ میں

دوست را با نالۂ شبہائے بیداراں خوش ست
شب بیداروں کے نالوں سے دوست خوش ہے

۱؎ پیرِ کنعاں سے حضرت یعقوبؑ مراد ہیں جو اپنے بیٹے یوسفؑ کے فراق میں مبتلا ہوئے تھے۔

۲؎ قیامت کی ہولناکیاں فراق کی ہولناکی سے بہت کم ہیں۔

۳؎ صبا نے کچھ احوال بتائے لیکن وہ بھی پورے نہ تھے۔

۴؎ پرانے غم کو پرانی شراب ہی دور کر سکتی ہے۔

۵؎ راضی برضا ہو جائیں گے اور کوئی شکوہ زبان پر نہ لائیں گے۔

۶؎ محبوب کے حکم پر چون و چرا کی گنجائش نہیں ہوتی ہے۔

۷؎ زال سے مراد بوڑھی دنیا ہے یعنی یہ بہرحال مکار ہے۔

۸؎ پیرِ میکدہ نے اللہ کی مغفرت کی باتیں سنائی ہیں اسکی رحمت کے بھروسہ پر پی لینا چاہیے

۹؎ موسمِ گل اور صحنِ چمن اور دوست کی صحبت میخواری کی دعوت دیتی ہے۔

۱۰؎ ندامت انسان کے لئے غمناک آواز خوشگوار ہوتی ہے۔

۱۱؎ مرغِ شبخواں وہ پرندہ جو رات کو چہکے۔

گرچہ در بازارِ دہر از خوشدلی جز نام نیست
اگرچہ زمانہ کے بازار میں خوشدلی برائے نام ہے

شیوۂ رندی و خوش باشی عیاراں خوش ست
رندی کا طریقہ اور عیاروں کی خوشباشی بہت اچھی ہے

از زبانِ سوسن ایں آوازہ ام آمد بگوش[1]
سوسن کی زبان سے یہ آواز میرے کان میں پڑی

کاندریں دیرِ کہن کارِ سبکباراں خوش ست
اس پرانے بتخانہ میں، ہلکوں کا کام اچھا ہے

حافظا ترکِ جہاں گفتن طریقِ خوشدلیست
اے حافظ! ترکِ دنیا خوشدلی کا راستہ ہے

تا نہ پنداری کہ احوالِ جہانداراں خوش ست
یہ ہرگز نہ سمجھنا کہ دنیاداروں کے احوال اچھے ہیں

صبا اگر گذرے افتدت بکشورِ دوست
اے صبا! اگر تیرا دوست کے علاقہ سے گذر ہو جائے

بیار نفحۂ از گیسوئے معنبرِ دوست
تو دوست کے عنبر جیسی خوشبو والے گیسو سے مہک لے آنا

بجانِ او[2] کہ بشکرانہ جاں بر افشانم
اس کی جان کی قسم شکرانہ میں جان چھڑک دوں گا

اگر بسوئے من آری پیامے از برِ دوست
اگر میرے پاس دوست کی جانب سے تو کوئی پیام لے آئے گی

وگر[3] چنانچہ دراں حضرتت نباشد بار
اور اگر کسی طرح تجھے اس کے دربار میں باریابی نہ ہو تو

برائے دیدہ بیاور غبارے از درِ دوست
دوست کے در سے، آنکھ کے لئے غبار لے آنا

من[4] گدا و تمنائے وصلِ او ہیہات
میں گدا، اور اس کے وصل کی تمنا! افسوس

مگر بخواب ببینم جمال و منظرِ دوست
شاید دوست کا حسن، اور منظر خواب میں دیکھ لوں

دلِ[5] صنوبریم ہمچو بید لرزان ست
میرا صنوبری دل، بید کی طرح لرزاں ہے

ز حسرتِ قد و بالائے چوں صنوبرِ دوست
دوست کے صنوبر جیسے قد و قامت کی حسرت میں

اگرچہ دوست بچیزے نمیخرد مارا
اگرچہ دوست، ہمیں کسی چیز کے بدلے بھی نہیں خریدتا ہے

بعالمے نفروشیم موئے از سرِ دوست
ہم پوری دنیا کے بدلے میں بھی دوست کے سر کا ایک بال نہیں بیچیں گے

چہ[6] عذر ہا ز سگِ کوئے تو توانم خواست
تیرے کوچہ کے کتے سے، میں کیا عذر خواہی کر سکوں گا؟

اگر شبے بتوانیم بود بر درِ دوست
اگر کسی شب کو، ہم دوست کے دروازہ پر رہ سکیں گے

چہ باشد ار شود از قیدِ غم دلش آزاد
کیا ہوگا اگر غم کی قید سے اس کا دل آزاد ہو جائے گا!

چو ہست حافظِ مسکیں غلام و چاکرِ دوست
جبکہ عاجز حافظ دوست کا غلام اور نوکر ہے

صبحدم مرغِ چمن با گلِ نو خاستہ گفت[7]
بلبل نے صبح کے وقت ایک نئے کھلے ہوئے پھول سے کہا

ناز کم کن کہ دریں باغ بسے چوں تو شگفت
ناز کم کر اس لئے کہ اس باغ میں تجھ جیسے بہت سے کھلے ہیں

گل بخندید کہ از راست نرنجیم ولے
پھول ہنس کر سچی بات سے ہم رنجیدہ نہیں ہوتے ہیں لیکن

ہیچ عاشق سخنِ تلخ بہ معشوق نگفت
کسی عاشق نے معشوق کو سخت بات نہیں کہی

گر طمع[8] داری ازاں جامِ مرصع مے لعل
اگر اس جڑاؤ جام سے لعل جیسی شراب پینے کی تجھے تمنا ہے

دُر و یاقوت بنوکِ مژہ ات باید سفت
تو تجھے پلکوں کی نوک سے موتی اور یاقوت پرونے چاہئیں

---

[1] سوسن ایک درخت ہے جس پر پیلگوں پھول آتا ہے شعراء نے اس کے زبان مانی ہے۔
[2] اگر صبا اس کا پیام لے آئیگی تو اس پر جان قربان کر دوں گا۔
[3] اگر صبا کا اس تک گذر نہ ہو تو اس کے در کی خاک لے آئے۔
[4] میں اس قابل تو نہیں ہوں کہ بیداری میں وصال ہو کاش خواب میں ہی دیدار ہو جائے۔
[5] صنوبر کے درخت میں گرہیں ہوتی ہیں، جن کو دل سے تشبیہ دیجاتی ہے۔
[6] کوچہ محبوب میں پہونچ گیا تو کوچہ کے کتے سے کیا عذر خواہی کروں گا۔
[7] بلبل نے غنچہ سے کہا تیری عمر ناپائیدار ہے اس قدر تکبر نہ کر غنچہ نے جواب دیا تو نے بات سچی کہی لیکن معشوق سے تلخ کلامی نہیں کی جاتی ہے۔
[8] وصال اس وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ آنسو بہائے جائیں۔

تا ابد بوئے محبت بمشامش نرسد
اُس شخص کی ناک میں قیامت تک محبت کی خوشبو نہ پہونچے گی

ہر کہ خاکِ درِ میخانہ بر خسارہ نرُفت
جس نے میخانہ کی خاک، رخسارے سے صاف کی

در گلستانِ ارم دوش چو از لطفِ ہوا
جب گزشتہ رات جنت کے باغ میں ہوا کی پاکیزگی سے

زلفِ سنبل ز نسیم سحری می آشفت
نسیم سحری کی وجہ سے سنبل کی زلف بکھر رہی تھی

گفتم اے مسندِ جم جامِ جہاں بینت کو
میں نے کہا اے جمشید کی مسند تیرا جام جہاں نما کہاں ہے؟

گفت افسوس کہ آں دولتِ بیدار بخفت
اس نے کہا افسوس! وہ جاگتی دولت سوگئی

سخنِ عشق نہ آنست کہ آید بزباں
عشق کی بات وہ نہیں ہے جو زبان پر آجائے

ساقیا مے دہ و کوتاہ کن ایں گفت و شنفت
اے ساقی شراب دے اور اس گفت و شنید کو ختم کر

اشکِ حافظ خرد و صبر بدریا انداخت
حافظ کے آنسوؤں نے صبر اور عقل کو دریا میں پھینک دیا

چہ کند سوزِ غمِ عشق نیارست نہفت
کیا کرے، عشق کے غم کی سوزش کو چھپا نہ سکا

صوفی از پرتوِ مے رازِ نہانی دانست
صوفی نے شراب کے پرتو سے پوشیدہ راز کو جان لیا

گوہرِ ہر کس ازیں لعل توانی دانست
تو اس لعل سے ہر شخص کا جوہر جان سکتا ہے

شرحِ مجموعۂ گل مرغِ سحر داند و بس
پھول کے مجموعے کی شرح، صرف بلبل جانتی ہے

کہ نہ ہر کو ورقے خواند و معانی دانست
اس لیے کہ ایسا نہیں ہے کہ جس نے ایک ورق پڑھا معنی جان لئے

عرضہ کردم دو جہاں بر دلِ کار افتادہ
میں نے آزمودہ کار دل پر دونوں جہان پیش کئے

بجز از عشقِ تو باقی ہمہ فانی دانست
اس نے تیرے عشق کے سوا سب کو فانی جانا

آں شد اکنوں کہ ز افواہِ عوام اندیشم
اب وہ بات گئی کہ میں عوام کی زبان سے اندیشہ کروں

محتسب نیز ازیں عیشِ نہانی دانست
اس چھپے عیش کو، محتسب بھی جان گیا

دلبر آسایشِ ما مصلحتِ وقت ندید
معشوق نے ہمارے آرام کو مصلحتِ وقت نہ خیال کیا

ورنہ از جانبِ ما دل نگرانی دانست
ورنہ وہ ہماری جانب سے دلی توجہ کو جان گیا

سنگ و گل را کند از یمنِ نظر لعل و عقیق
نگاہ کی برکت سے پتھر، اور مٹی کو لعل اور عقیق کر دیتا ہے

ہر کہ قدرِ نفسِ بادِ یمانی دانست
ہر وہ شخص جو یمنی ہوا کے سانس کی قدر کو جان گیا

اے کہ از دفترِ عقل آیتِ عشق آموزی
اے وہ شخص جو عقل کی کتاب سے عشق کی آیت کو سیکھتا ہے

ترسم ایں نکتہ بتحقیق ندانی دانست
مجھے ڈر ہے تو اس نکتہ کو تحقیق سے نہ جان سکے

مے بیاور کہ ننازد بگلِ باغِ جہاں
شراب لا! اس لیے کہ دنیا کے باغ کے پھول پر وہ شخص ناز نہیں کرتا

ہر کہ غارتگریِ بادِ خزانی دانست
جو خزاں کی ہوا کی، غارتگری جان گیا

حافظ ایں گوہرِ منظوم کہ از طبع انگیخت
حافظ نے اس منظوم گوہر کو، جس کو اس نے طبیعت سے نکالا ہے

اثرِ تربیتِ آصفِ ثانی دانست
آصفِ ثانی کی تربیت کا اثر، جانا

۱؎ جب تک میخانہ میں ذلت نہ اختیار کیجائے عشق حاصل نہیں ہوتا ہے۔
۲؎ عشق کی باتیں زبان پر نہیں لائی جاتیں۔
۳؎ شراب نوشی کے بعد طبیعت کا اصل جوہر سامنے آجاتا ہے۔
۴؎ تجربہ کار انسان عشق کے سوا سب چیز کو فانی سمجھتا ہے۔
۵؎ بات عوام کے ہاتھ آئی اور محتسب تک پہونچ گئی۔
۶؎ وصال کو خلافِ مصلحت سمجھا ورنہ ہمارے عشق کو وہ جان گیا تھا۔
۷؎ حدیث شریف میں ہے "میں رحمان کے سانس یمن کی جانب سے محسوس کرتا ہوں" "نفسِ بادِ یمانی" سے مراد اولیاء اللہ ہیں یعنی جو اولیاء اللہ کی قدر کریگا وہ کیمیا نظر بن جائے گا۔
۸؎ عقل اور عشق دو علیحدہ چیزیں ہیں ایک دوسرے سے نہیں سمجھا جاسکتا ہے۔

صبحِ[1] دولت طلوعِ طلعتِ اوست
خوش نصیبی کی صبح، اس کے چہرے کا طلوع ہونا ہے
شامِ ظلمت نشانِ ظلمتِ اوست
تاریکی کی شام، اس کی تاریکی کا نشان ہے

مہر[2] از خوانِ او نوالہ رساں
سورج، اسی کے دسترخوان سے نوالہ پہونچانے والا ہے
ماہِ نو خم زبہرِ خدمتِ اوست
نیا چاند، اس کی خدمت کے لئے جھکا ہوا ہے

از قدش پائے سرو ماندہ بہ گِل
سرو کا پیر اس کے قد کی وجہ سے مٹی میں پھنسا ہے
لالہ را داغِ دل بفرقتِ اوست
لالہ کا داغ، اس کے فراق کی وجہ سے ہے

رنگ[3] و بوئے گل از رخش بہ چمن
چمن میں پھول کا رنگ و بو اس کے رُخ کی وجہ سے ہے
نالۂ بلبل از محبتِ اوست
بلبل کا نالہ، اس کی محبت کی وجہ سے ہے

سوسنِ[4] دہ زباں خموش بہ باغ
دس زبانوں والی سوسن باغ میں خاموش
لال ماندہ زصنعِ قدرتِ اوست
گونگی اس کی قدرت کی بناوٹ کی وجہ سے ہے

فقر[5] اگر رنجِ محنت ست آمّا
فقر، اگرچہ محنت کی تکلیف ہے لیکن
گنجِ عزت بکنجِ عزلتِ اوست
عزت کا خزانہ، اس کے تنہائی کے گوشہ میں ہے

بدوا جانبِ طبیب مرو
دوا کے لئے طبیب کی جانب نہ جا
صحتِ عاجل از طبابتِ اوست
فوری صحت، اس کی طبابت سے ہے

در طریقِ سلوک سالک را
سالک کو، سلوک کے راستہ میں
ہرچہ پیش آید از ارادتِ اوست
جو پیش آئے، اس کے ارادے سے ہے

قمری و عندلیب و حافظ نیست
قمری، اور عندلیب، اور حافظ ہی نہیں
ہمہ گویا بذکرِ مدحتِ اوست
سب اس کی تعریف کے ذکر میں گویا ہیں

عیبِ[6] رنداں مکن اے زاہدِ پاکیزہ سرشت
اے پاکیزہ فطرت زاہد! رندوں پر عیب نہ لگا
کہ گناہِ دگرے بر تو نخواہند نوشت
اس لئے کہ دوسرے کا گناہ ترے نام پر نہ لکھیں گے

من[7] اگر نیکم اگر بد تو برو خود را باش
میں خواہ نیک ہوں، خواہ بد تو جا، اپنا کام کر
ہر کسے آں دِرَوَد عاقبتِ کار کہ کشت
ہر شخص آخر میں وہ کاٹے گا، جو اس نے بویا ہے

ہمہ[8] کس طالبِ یار اند چہ ہشیار و چہ مست
سب لوگ دوست کے طالب ہیں خواہ وہ ہشیار ہوں خواہ مست
ہمہ جا خانۂ عشق ست چہ مسجد چہ کنشت
ہر جگہ عشق خانہ ہے خواہ مسجد ہو، خواہ مندر

سرِ[9] تسلیمِ من و خاکِ درِ میکدہ ہا
شراب خانوں کی خاک ہے، اور میرا سرِ تسلیم
مدّعی گر نہ کند فہمِ سخن گو سر و خشت
مدعی اگر بات نہ سمجھے تو کہدو "سر ہے" اور "پتھر ہے"

نا اُمیدم[10] مکن از سابقۂ روزِ ازل
روزِ ازل کے گذرے ہوئے معاملہ سے مجھے نا امید نہ کر
تو چہ دانی کہ پسِ پردہ کہ خوب ست و کہ زشت
تجھے کیا معلوم پردے کے پیچھے کون اچھا ہے کون برا ہے!

نہ من[11] از خانۂ تقوی بدر افتادم و بس
میں ہی صرف تقوے کے گھر سے باہر نکل کر نہیں آپڑا ہوں
پدرم نیز بہشتِ ابد از دست بہشت
میرے باپ نے بھی دائمی بہشت کو ہاتھ سے چھوڑ دیا

---

[1] اس کی رخ نمائی طلوعِ صبح ہے اس کے ظلم سے شامِ ظلمت ہے
[2] پھلوں کا پکنا اور غلے کی پیداوار سورج کی تاثیر سے ہے۔ ابتدائی راتوں کا چاند خمیدہ کمر ہوتا ہے۔
[3] پھولوں نے اس کے رخ سے حسن حاصل کیا ہے۔
[4] سوسن اس کے حسن کو دیکھ کر خاموش ہے۔
[5] فقر کے گوشہ میں عزت کا خزانہ ہے
[6] رندوں کا گناہ زاہد کے ذمہ نہ لکھا جائے گا۔
[7] زاہد اپنے کیے کا پھل پائے گا اور رند اپنے کیے کا۔
[8] عاشقِ حقیقی کو ہر جگہ معشوق کا ہی جلوہ نظر آتا ہے۔
[9] میں نے تو شراب خانہ کے در کی خاک پر سر رکھ دیا ہے اگر کوئی نہ سمجھے تو اپنا سر پھوڑ لے۔
[10] زاہد کو میرے انجام کی خبر نہیں تو مجھے کیوں مایوس کرتا ہے۔
[11] میں ہی خطاوار نہیں ہوں یہ تو نسلی بات ہے، حضرت آدم بھی جنت سے نکلے تھے۔

بر عمل تکیہ مکن خواجہ کہ در روزِ ازل
اے صاحب! عمل پر بھروسہ نہ کر اس لیے کہ روزِ ازل میں

تو چہ دانی قلمِ صنع بنامت چہ نوشت
تجھے کیا معلوم قدرت کے قلم نے تیرے نام کیا لکھا ہے

گر نہادت ہمہ اینست زہے پاک نہاد
اگر تیری تمام طبیعت یہی ہے تو کیا خوب پاک طبیعت ہے

ور سرشتت ہمہ اینست زہے پاک سرشت
اور اگر تیری ساری فطرت یہی ہے تو کیا خوب پاک فطرت ہے

باغ فردوس لطیف ست ولیکن زنہار
جنت کا باغ پاکیزہ ہے، لیکن خبردار!

تو غنیمت شمر ایں سایۂ بید و لب کشت
تو بید کے اس سایہ کو اور کھیتی کے کنارے کو غنیمت شمار کر

حافظا روزِ اجل گر بکف آری جامے
اے حافظ موت کے دن اگر تو ہاتھ میں پیالہ لے آیا

یکسر از کوئے خرابات بردت بہ بہشت
تجھے فوراً شراب خانہ سے بہشت میں لیجائیں گے

غمش تا در دلم ماوا گرفتہ است
اس کے غم نے جب سے میرے دل میں ٹھکانا کیا ہے

سرم چوں زلف او سودا گرفتہ است
میرے سر نے اس کی زلف کی طرح سودا اختیار کرلیا ہے

لبش چوں آتش آبِ حیات ست
اس کے آگ جیسے ہونٹ، آبِ حیات ہیں

ازاں آب آتشے در ما گرفتہ است
اس پانی سے، ہم میں آگ لگی ہے

ہمائے ہمتم عمریست کز جاں
ایک عمر گذری ہے، کہ میری ہمت کے ہما نے جان سے

ہوائے آں قدِ بالا گرفتہ است
اس بلند قد کی محبت اختیار کرلی ہے

شدم عاشق ببالائے بلندش
اس کے بلند قد پر، میں عاشق ہوگیا ہوں

کہ کارِ عاشقاں بالا گرفتہ است
اس لیے کہ عاشقوں کے کام نے رونق اختیار کرلی ہے

چو ما در سایۂ الطافِ اوئیم
جب ہم اسی کی مہربانیوں کے سایہ میں ہیں

چرا او سایہ از ما وا گرفتہ است
تو اس نے، ہم سے سایہ کیوں اٹھالیا ہے؟

نسیمِ صبح عنبر بوست امروز
آج صبح کی ہوا عنبری ہے

مگر یارم رہِ صحرا گرفتہ است
شاید میرے دوست نے جنگل کا راستہ اختیار کیا ہے

دوائے غم بجز مے نیست عاشق
غم کی دوا شراب کے علاوہ نہیں ہے، عاشق نے

ازاں رو ساغرِ صہبا گرفتہ است
اسی لیے، شراب کا ساغر تھام لیا ہے

ز دریائے دو چشم گوہرِ اشک
آنسوؤں کے گوہر نے میری دونوں آنکھوں کے دریا سے

جہاں در لؤ لؤِ لالا گرفتہ است
دنیا کو چمکدار، موتیوں سے گھیر لیا ہے

حدیثِ حافظ اے سروِ سمن بو
اے چمیلی کی خوشبو والے سرو حافظ کی بات نے

بوصفِ قدِ تو بالا گرفتہ است
تیرے قد کی تعریف کی وجہ سے بلندی حاصل کرلی ہے

کنوں کہ در کفِ گل جامِ بادۂ صاف ست
اب جبکہ پھول کے ہاتھ میں صاف شراب کا پیالہ ہے

بصد ہزار زباں بلبلش در اوصاف ست
لاکھ زبانوں سے بلبل اس کی تعریفوں میں ہے

۱؎ بخشش کا معاملہ رحمتِ خداوندی پر موقوف ہے عمل پر غرور نہ کرنا چاہیے۔
۲؎ یہ شعر محمد علی پر طنز ہے۔
۳؎ اس کے غم کی وجہ سے میرا دل اس کی زلف کی طرح پریشان ہے۔
۴؎ ہونٹ سرخی میں آگ کی طرح ہیں لیکن ان میں آبِ حیات ہے۔
۵؎ اس کا عشق بمنزلہ ہما کے ہے جس سے ہمیں شہنشاہی حاصل ہے۔
۶؎ چونکہ عاشقوں کا مرتبہ اونچا ہے اسی وجہ سے اس کے بلند قد کے عاشق ہیں۔
۷؎ نسیم سحری میں عنبر کی خوشبو اسی وجہ سے ہے کہ معشوق گذرا ہے۔
۸؎ حافظ کے کلام کی بلندی اسی وجہ سے ہے کہ وہ تیرے بلند قد کی تعریف کرتا ہے۔
۹؎ موسم بہار میں بلبل اس لیے چہک رہی ہے کہ ہر پھول جام بکف ہے۔

بخواہ[1] دفترِ اشعار و رُو بصحرا کن
اشعار کا دفتر لے، اور جنگل کا رخ کر

چہ وقتِ مدرسہ و بحثِ کشف و کشاف ست
مدرسہ اور تحقیق، و کشاف کی بحث کا کیا وقت ہے،

فقیہِ[2] مدرسہ دی مست بود و فتویٰ داد
مدرسہ کا فقیہ، کل مست تھا اور اس نے فتویٰ دیدیا

کہ مے حرام ولے بہ ز مالِ اوقاف ست
کہ شراب حرام ہے، لیکن اوقاف کے مال سے تو بہتر ہے

بدُرد و صاف[3] ترا حکم نیست دم درکش
تلچھٹ اور صاف کے فیصلہ کا تجھے حق نہیں، خاموش رہ!

کہ ہرچہ ساقیِ ما ریخت عینِ الطاف ست
اس لیے کہ ہمارے ساقی نے جو کچھ ڈالدیا ہے اسکی عین مہربانی ہے

ببر[4] ز خلق و ز عنقا قیاسِ کار بگیر
لوگوں سے علیٰحدہ ہو جا اور کام کو عنقا پر قیاس کرلے

کہ صیتِ گوشہ نشیناں ز قاف تا قاف ست
کہ گوشہ نشینوں کا آوازہ قاف سے قاف تک ہے

حدیثِ[5] مدعیان و خیالِ ہمکاراں
ڈینگیں مارنے والوں کی بات اور اپنے کام میں لگے ہووں کا خیال

ہماں حکایتِ زر دوز و بوریا باف ست
وہی زردوز اور بوریا بننے والے کا قصہ ہے

خموش حافظ و ایں نکتہ ہائے چوں زرِ سرخ
اے حافظ چپ رہ اور ان نکتوں کو جو سرخ سونے کی طرح ہیں

نگاہدار[6] کہ قلابِ شہر صراف ست
محفوظ رکھ، اس لئے کہ شہر کا دغاباز صراف ہے

کس نیست کہ افتادۂ آں زلفِ دوتا نیست
کوئی نہیں ہے، جو اس دو لڑی زلف میں پھنسا ہوا نہیں ہے

در رہگذرے نیست کہ دامے ز بلا نیست
کوئی ایسا راستہ نہیں ہے جس میں مصیبت کا جال نہیں ہے

روئے تو مگر آئینۂ لطفِ الٰہی ست
تیرا چہرہ، شاید لطف الٰہی کا آئینہ ہے

حقا کہ چنین ست و درین روی و ریا نیست
یقیناً ایسا ہی ہے، اور اس میں کوئی رو رعایت نہیں ہے

زاہد[7] ز ہدم توبہ ز روئے تو زہے روی
زاہد، مجھے تیرے چہرے سے توبہ کراتا ہے، کیا منہ ہے

ہیچش ز خدا شرم و ز روئے تو حیا نیست
اس کو خدا سے ذرا بھی شرم اور تیرے چہرے سے حیا نہیں ہے

نرگس[8] طلبد شیوۂ چشمِ تو زہے چشم
نرگس تیری آنکھ کا طریقہ چاہتی ہے، کیا آنکھ ہے

مسکیں خبرش از سر و در دیدہ حیا نیست
بیچاری کو راز کی خبر نہیں ہے اور آنکھ میں شرم نہیں ہے

از بہرِ خدا زلف میارائے کہ ما را
خدا کے لیے، زلف نہ سنوار کہ ہمارے لئے

شب[9] نیست کہ صد عربدہ با بادِ صبا نیست
کوئی ایسی رات نہیں ہے جسمیں بادِ صبا سے سو لڑائیاں نہیں ہیں

بازآی کہ بے روئے تو اے شمعِ دل افروز
اے دل کو روشن کرنیوالی شمع پھر آجا اس لئے کہ تیرے چہرے بدون

در بزمِ حریفاں اثرِ نور و ضیا نیست
دوستوں کی مجلس میں نور اور روشنی کا نشان بھی نہیں ہے

اے شمعِ سحر گریہ بحالِ من و خود کن
اے صبح کی شمع! اپنے، اور میرے حال پر گریہ کر

کیں سوزِ نہانی کہ مرا ہست ترا نیست
اس لیے کہ جو چھپی جلن مجھ میں ہے، تجھ میں نہیں ہے

دی بیشد و گفتم صنما عہد بجا آر
کل وہ چلا، اور میں نے کہا اے صنم: عہد پورا کر

گفتا غلطے اے خواجہ دریں عہد وفا نیست
وہ بولا اے خواجا غلط ہے اس زمانہ میں وفا نہیں ہے

تیمارِ غریباں سببِ ذکرِ جمیل ست
پردیسیوں کی خاطر تواضع اچھی شہرت کا سبب ہے

جاناں مگر ایں قاعدہ در شہرِ شما نیست
جاناں شاید تمہارے شہر میں، یہ قاعدہ نہیں ہے

[1] لطف اندوزی کا وقت ہے بحث و تحقیق کا وقت نہیں ہے۔ کشاف زمخشری کی مشہور تفسیر ہے۔
[2] خود تو شراب میں مست ہے اور اوقاف کے مال کو خورد برد کر رہا ہے اور شراب کی حرمت کا فتویٰ دے رہا ہے۔
[3] انسان اپنی اچھائی برائی کو نہیں سمجھ سکتا ہے
[4] یہ خیال تھا کہ کوہ قاف دنیا کے گرد گھوما ہوا ہے، ز قاف تا قاف کے معنی وہی ہیں جو از مشرق تا مغرب کے ہیں یعنی عنقا کی شہرت اور قدر اسی وجہ سے ہے کہ وہ آبادیوں سے دور ہے۔
[5] مدعیوں کے کلام اور ہمارے خیالات میں وہی نسبت ہے جو زردوز اور بوریا باف میں ہے۔
[6] جبکہ شہر کا دغاباز صراف بنا بیٹھا ہے تو اس کو سونا دینا بیوقوفی ہے۔
[7] زاہد کا توبہ کو کہنا بے شرمی اور بے حیائی پر مبنی ہے۔
[8] نرگس کا معشوق کی آنکھوں کی ریس کرنا بے جا ہے
[9] چونکہ بادِ صبا زلف کو پریشان کرتی ہے۔

چوں چشمِ تو دل می برد از گوشہ نشیناں
جبکہ تیری آنکھ، گوشہ نشینوں کا دل چھین لے جاتی ہے

دنبالِ تو بودن گنہ از جانبِ ما نیست[1]
تو تیرے پیچھے لگنا، ہمارا گناہ نہیں ہے

گر پیرِ مُغاں مُرشدِ ما شد چہ تفاوت
اگر ہمارا پیر، پیرِ مُغاں ہو گیا، تو کیا فرق پڑا

در ہیچ سرے نیست کہ سِرّے زِ خدا نیست
کوئی ایسا سر نہیں ہے، جس میں خدائی راز نہیں ہے

گفتن برِ خورشید کہ من چشمۂ نورم
خورشید کے سامنے یہ کہنا، کہ میں نور کا چشمہ ہوں

دانند بزرگاں کہ سزاوارِ سُہا نیست[2]
بزرگ جانتے ہیں کہ سُہا کے لئے مناسب نہیں ہے

عاشق چہ کند گر نخورد تیرِ ملامت
اگر ملامت کا تیر نہ کھائے، تو عاشق کیا کرے

با ہیچ دلاور سپرِ تیرِ قضا نیست
قضا کے تیر کی ڈھال کسی بہادر کے پاس نہیں ہے

در صومعۂ زاہد و در خلوتِ عابد[3]
زاہد کے صومعہ میں، اور عبادت گذار کی خلوت میں

جز گوشۂ ابروئے تو محرابِ دعا نیست
تیرے ابرو کے گوشہ کے سوا دعا کی کوئی محراب نہیں ہے

اے[4] چنگ فرو بردہ بخونِ دلِ حافظ
اے حافظ کے دل کے خون میں پنجہ گھسائے ہوئے!

فکرت مگر از عزّتِ قرآن خدا نیست
شاید تجھے خدا کے قرآن کی عزّت کی فکر نہیں ہے

کنوں کہ میدمد از بوستاں نسیمِ بہشت
اب جبکہ باغ سے بہشت کی ہوا آ رہی ہے

من و شرابِ فرح بخش و یارِ حور سرشت
میں ہوں اور فرحت بخش شراب ہے اور حور طبیعت دوست

چمن[5] حکایتِ اُردی بہشت میگوید
چمن اُردی بہشت (مہینہ) کا قصہ بیان کر رہا ہے

نہ عاقل ست کہ نسیہ خرید و نقد بہشت
وہ عقلمند نہیں ہے جس نے ادھار پسند کیا اور نقد کو چھوڑ دیا

بمے عمارتِ دل کن کہ ایں جہانِ خراب
شراب سے دل کی تعمیر کر، کیونکہ یہ ویران دنیا

در آں سرست[6] کہ از خاکِ ما بسازد خشت
اس خیال میں ہے کہ ہماری مٹی سے اینٹیں بنائے

وفا مجوی زِ دشمن کہ پرتوے نہ دہد[7]
دشمن سے وفا نہ تلاش کر اس لیے کہ روشنی نہیں دیتی ہے

چو شمعِ صومعہ افروزی از چراغِ کنشت
جبکہ تو عبادت خانہ کی شمع کو بتخانے کے چراغ سے روشن کرے

مکن بنامہ سیاہی ملامتِ منِ مست
اعمالنامہ کی سیاہی پر مجھ دیوانہ کو ملامت نہ کر

کہ آگہ است کہ تقدیر بر سرش چہ نوشت
کون باخبر ہے کہ تقدیر نے اس کے مقدر میں کیا لکھا ہے؟

گدا چرا نزند لافِ سلطنت امروز
آج فقیر، سلطنت کی ڈینگیں کیوں نہ مارے

کہ خیمہ سایۂ ابر است و بزمگہ لبِ کشت[8]
جبکہ ابر کا سایہ خیمہ ہے اور کھیتی کا کنارا مجلس ہے

قدم دریغ مدار از جنازۂ حافظ
حافظ کے جنازے سے، قدم نہ روک

کہ گرچہ غرقِ گناہ ست میرود بہ بہشت
اس لئے کہ اگرچہ گناہ میں ڈوبا ہے بہشت میں جا رہا ہے

گل در بر و مے در کف و معشوقہ بکام ست
پھول بغل میں اور شراب ہاتھ میں اور معشوقہ منشا کے مطابق ہے

سلطانِ جہانم بچنیں روز غلام ست
ایسے دن میں دنیا کا بادشاہ بھی، میرا غلام ہے

---

[1] ہمارا گناہ نہیں ہے بلکہ تیری آنکھوں کا قصور ہے۔

[2] میرے معشوق کے سامنے حسن کا دعویٰ ایسا ہی ہے جیسا کہ سُہا ستارے کا دعویٰ سورج کے مقابلہ میں۔

[3] دعا مانگنے کی محراب صرف تیری ابروؤں کی محراب ہے۔

[4] حافظِ قرآن کی تو عزّت کیجاتی ہے۔

[5] جبکہ چمن میں اُردی بہشت کا ظہور ہے اور وہ موجود ہے تو اب آخرت کی جنّت کے خیال سے اس کو چھوڑنا بیوقوفی ہے۔

[6] جب انسان مر کر مٹی میں ملجاتا ہے تو اس مٹی کی اینٹیں پاتھ لیجاتی ہیں۔

[7] دشمن سے وفا کی امید ایسا ہی ہے جیسے عبادت خانہ کی شمع بتخانہ کے چراغ سے روشن کیجائے۔

[8] آزاد انسان کے لئے ابر کا سایہ اور کھیت کا کنارہ، سلطنت سے کم نہیں ہے۔

گو شمع میارید دریں بزم کہ امشب
کہہ دو اس مجلس میں شمع نہ لاؤ اس لئے کہ آج کی رات
درمجلسِ ما ماہِ رخِ دوست تمام ست
ہماری مجلس میں دوست کے رخ کا مکمل چاند ہے

در مذہبِ ما بادہ حلال ست ولیکن
ہمارے مذہب میں شراب حلال ہے لیکن
بے روئے تو اے سروِ گل اندام حرام ست
اے پھول جیسے جسم والے سرو تیرے چہرے کے بغیر حرام ہے

گوشم ہمہ بر قولِ نے و نغمۂ چنگ است
میرا کان پوری طرح بانسری کی آواز اور ستار کے گانے پر ہے
چشمم ہمہ بر لعلِ لب و گردشِ جام ست
میری آنکھیں پورے طور پر لعل جیسے ہونٹ اور جام کی گردش پر ہیں

درمجلسِ ما عطر میامیز کہ جاں را
ہماری مجلس میں عطر نہ چھڑک اس لئے کہ جان کے لئے
ہر لحظہ ز گیسوئے تو خوشبوئے مشام ست
ہر لحظ تیرے گیسوئے دماغ معطر ہے

از چاشنی قند مگو ہیچ و ز شکر
قند، اور شکر کی شیرینی کی کچھ بات نہ کر
زاں رو کہ مرا از لب شیرین تو کام ست
اس لیے کہ میرا مقصد تیرے شیریں ہونٹ سے ہے

تا گنج غمت در دلِ ویرانہ مقیم ست
جب سے ویرانہ دل میں تیرے غم کا خزانہ مقیم ہے
پیوستہ مرا کنجِ خرابات مقام ست
ہمیشہ خرابات کا گوشہ میرا مقام ہے

از ننگ چہ گوئی کہ مرا نام ز ننگ ست
ذلت کی بات کیا کہتا ہے میری شہرت ہی ذلت سے ہے
وز نام چہ پرسی کہ مرا ننگ ز نام ست
شہرت کے بارے میں کیا پوچھتا ہے شہرت سے ہی میری ذلت ہے

میخوارہ و سرگشتہ و رندیم و نظر باز
ہم شراب خوار اور سرپھرے اور رند اور نظر باز ہیں
وانکس کہ چو ما نیست دریں شہر کدام ست
جو ہم جیسا نہیں ہے وہ اس شہر میں کون ہے؟

با محتسبم عیب مگوئید کہ او نیز
محتسب سے میرا عیب نہ بیان کرو اس لئے کہ وہ بھی
پیوستہ چو ما در طلبِ عیشِ مدام ست
ہمیشہ ہماری طرح دائمی عیش کی طلب میں ہے

حافظ منشیں بے مے و معشوقہ زمانے
اے حافظ تھوڑی دیر کے لئے بھی بدوں شراب و معشوقہ کے مت بیٹھ
کایامِ گل و یاسمن و عیدِ صیام ست
کیونکہ پھول، اور یاسمین، اور روزوں کی عید کا زمانہ ہے

گر ز دستِ زلفِ مشکینت خطائے رفت رفت
اگر تیری مشکیں زلف کے ہاتھ سے غلطی ہوئی، ہوئی
ور ز ہندوئے شما بر ما جفائے رفت رفت
اگر تمہارے تل سے ہم پر ظلم ہوا، ہوا

برقِ عشق ار خرمنِ پشمینہ پوشے سوخت سوخت
اگر عشق کی بجلی نے کمبل پوش کا کھلیان جلا دیا، جلا دیا
جورِ شاہِ کامراں گر بر گدائے رفت رفت
اگر ایک گدا پر، فتح یاب بادشاہ کا ظلم ہوا، ہوا

گر دلے از غمزۂ دلدار بارے برد برد
اگر کسی دل نے دلدار کی ادا سے تکلیف اٹھائی، اٹھائی
درمیانِ جان و جاناں ماجرائے رفت رفت
اگر جان اور جاناں میں کچھ قصہ ہوا، ہوا

در طریقت رنجشِ خاطر نباشد مے بیار
طریقت میں رنجشِ خاطر نہیں ہوتی، شراب لا
ہر کدورت را کہ بینی چوں صفائے رفت رفت
جس کدورت کو تو دیکھے، جب صفائی ہوئی وہ دور ہو گئی

عشقبازی را تحمل باید اے دل پائیدار
اے دل، عشقبازی کے لیے پختہ بردباری چاہیے
گر بلائے بود بود و گر خطائے رفت رفت
اگر کوئی مصیبت تھی، تھی اگر کوئی خطا ہوئی، ہوئی

---

۱ دوست کے رخ کے ہوتے ہوئے شمع کی ضرورت نہیں ہے۔
۲ جب معشوق سامنے نہ ہو تو بادہ نوشی بیکار ہے۔
۳ معشوق کی وجہ سے مجلس معطر ہے عطر کی ضرورت نہیں ہے۔
۴ لب معشوق کی شیرینی درکار ہے نہ کہ قند اور شکر کی۔
۵ میرا ننگ سے نام ہے اور نام سے میری ننگ ہے۔
۶ تمام شہر اور محتسب ہماری طرح ہیں۔
۷ زلف کی غلطی اور تل کے ظلم کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔
۸ صفائی ہو جانے کے بعد کدورت ختم ہو جانی چاہیے۔
۹ عشق میں مصیبت اور ظلم کی پرواہ نہ کرنی چاہیے۔

ازنخن چیناں ملالتہا پدید آید ولے — چوں میانِ ہمنشیناں ماجرائے رفت رفت
نکتہ چینیوں کی وجہ سے رنج ظاہر ہوتے ہیں، لیکن — جب ہم نشینوں میں بات ختم ہوئی، ختم ہوئی

عیب حافظ گومکن زاہد کہ رفت از خانقاہ
زاہد سے کہدو، حافظ پر عیب نہ لگا کر وہ خانقاہ سے چلا گیا

پائے آزاداں چہ بندی گر بجائے رفت رفت
آزاد لوگوں کا پیر تو کیا باندھتا ہے اگر کسی جگہ چلا گیا، چلا گیا

لعلِ سیراب بخوں تشنہ لبِ یارِ من ست — از پئے دیدنِ او دادنِ جاں کارِ من ست
سیراب لعل، خون کا پیاسا، میرے یار کا ہونٹ ہے — اس کے دیکھنے کی خاطر، جان دیدینا میرا کام ہے

شرم زاں چشمِ سیہ بادش و مژگانِ دراز — ہر کہ دل بردنِ او دید و در انکارِ من ست
ان کالی آنکھوں اور لمبی پلکوں سے اس کو شرم آنی چاہیے — جس نے اسکے اچانک دل لینے کو بھی دیکھا اور مجھ پر انکار کرتا ہے

ساربان رخت بدروازہ مبر کاں سرِ کوہ — شاہراہیست کہ منزلگہِ دلدارِ من ست
اے ساربان دروازہ پر سامان نہ لیجا اس لئے کہ اس پہاڑ کے سرے پر — وہ شاہراہ ہے جو میرے دلدار کی قیام گاہ ہے

بندۂ طالعِ خویشم کہ دریں قحطِ وفا — عشقِ آں لولیِ سرمست خریدارِ من ست
میں تو اپنے نصیب کا غلام ہوں کہ اس وفا کے قحط میں — اس شوخ سرمست کا عشق میرا خریدار ہے

طبلۂ عطرِ گل و دُرجِ عبیر افشانش — فیضِ یک شمہ ز بوئے خوشِ عطارِ من ست
گلاب کی ڈبیا اور اسکا عبیر چھڑکنے والا ڈبہ — میرے عطار کی، عمدہ خوشبو کا تھوڑا سا فیض ہے

باغباں ہمچو نسیم ز درِ خویش مراں — کآبِ گلزارِ تو از اشکِ چو گلنارِ من ست
اے باغباں! مجھے نسیم کی طرح اپنے دروازہ سے نہ بھگا — اس لیے کہ تیرے گلستاں کی رونق میرے گل انار جیسے آنسوؤں سے ہے

شربتِ قند و گلاب از لبِ یارم فرمود — نرگسِ او کہ طبیبِ دلِ بیمارِ من ست
میرے لئے معشوق کے ہونٹ کا شربتِ قند و گلاب تجویز کیا ہے — اس کی آنکھ نے جو میرے بیمار دل کا طبیب ہے

آنکہ در طرزِ غزل نکتہ بہ حافظ آموخت
جس نے غزل کی طرز میں حافظ کو نکتہ سکھایا ہے

یارِ شیریں سخنِ نادرہ گفتارِ من ست
وہ میرا نادر گفتار، میٹھی گفتگو والا یار ہے

مطلب طاعت و پیمانِ درست از منِ مست — کہ بہ پیمانہ کشی شہرہ شدم روزِ الست
مجھ مست سے، صحیح اطاعت، اور عہد نہ چاہ — میں الست کے دن سے شراب نوشی میں مشہور ہوں

منؔ ہماندم کہ وضو ساختم از چشمۂ عشق — چار تکبیر زدم یکسرہ بر ہر چہ کہ ہست
میں نے اسی وقت سے جب سے کہ عشق کے چشمہ سے وضو کیا — ہر موجود پر، چار تکبیریں پڑھ دی ہیں

مے بدہ تا دہمت آگہی از سرِّ قضا — کہ بروئے کہ شدم عاشق و بر بوئے کہ مست
شراب دے تاکہ تجھے قضائے خداوندی کا راز بتا دوں — کہ میں کس کے چہرے پر عاشق ہوا ہوں اور کس کی خوشبو سے مست ہوں

کمرِ کوہ کم ست از کمرِ مور اینجا — ناامید از درِ رحمت مشو اے بادہ پرست
اس جگہ، پہاڑ کی کمر چیونٹی کی کمر سے کم ہے — اے بادہ پرست رحمت کے دروازے سے ناامید نہ ہو

۱؎ دوستوں کا گلا شکوہ ختم ہو جانا چاہیے۔

۲؎ جو دلبری کو دیکھ رہا ہے، اور مجھ پر طعنہ زنی کرتا ہے اسکو ان آنکھوں سے شرم آنی چاہیے۔

۳؎ میری خوش نصیبی ہے کہ اس جیسے معشوق کا عشق میرا خریدار بنا ہے۔

۴؎ چونکہ گلزار کی رونق میرے آنسوؤں سے ہے اس لئے مجھے نہ نکال۔

۵؎ اسکی آنکھ نے جو کہ میری طبیب ہے میرے مرض کا علاج اس کے ہونٹ کے شربت گلقند سے تجویز کیا ہے۔

۶؎ جب سے میں نے عشق اختیار کیا ہے ہر چیز کے جنازہ کی نماز پڑھ دی ہے یعنی تمام دنیا سے بے تعلق ہو گیا ہوں۔

۷؎ رحمتِ حق کے سامنے پہاڑ جیسا گناہ بھی بے حقیقت ہے۔

جاں فدائے دہنت بادکہ در باغِ نظر
تیرے منہ پر جان قربان ہو اس لیے کہ نگاہ کے باغ میں
چمن آرائے جہاں خوشتر ازیں غنچہ نبست
دنیا کے چمن کے سنوارنے والے نے اس سے بہتر غنچہ نہیں بنایا

بجز آں نرگسِ مستانہ کہ چشمش مرساد
اس مستانہ نرگس کے علاوہ خدا کرے اس کو نظر نہ لگے
زیرِ ایں طارمِ فیروزہ کسے خوش ننشست
اس نیلے بالا خانہ کے نیچے، کوئی آرام سے نہیں بیٹھا

حافظ از دولتِ عشقِ تو سلیمانی یافت
تیرے عشق کی دولت سے، حافظ نے سلیمانی پائی
یعنی[۱] از وصلِ تواش نیست بجز باد بدست
یعنی تیرے وصل سے اس کے ہاتھ میں ہوا کے سوا کچھ نہیں ہے

مرحبا اے پیکِ مشتاقاں بدہ پیغامِ دوست
خوش آمدید اے عاشقوں کے قاصد دوست کا پیغام دے
تا کنم جاں از سرِ رغبت فدائے نامِ دوست
تاکہ میں رغبت سے دوست کے نام پر جان قربان کردوں

والہ و شیداست دائم ہمچو بلبل در قفس
ہمیشہ دیوانہ، اور عاشق ہے قفس میں بلبل کی طرح
طوطیِ[۲] طبعم ز شوقِ شکر و بادامِ دوست
میری طبیعت کی طوطی دوست کے بادام اور شکر کے شوق میں

زلفِ[۳] او دام است و خالش دانۂ آں دام و من
اس کی زلف جال ہے اور اس جال کا دانہ اس کا تل ہے اور میں
بر امیدِ دانۂ افتادم اندر دامِ دوست
دانہ کی امید میں، دوست کے جال میں پھنس گیا ہوں

سر ز مستی بر نگیرد تا بہ صبحِ روزِ حشر
حشر کے دن کی صبح تک مستی سے سر نہیں اٹھا سکتا
ہر کہ چوں من در ازل یک جرعہ خورد از جامِ دوست
ہر وہ شخص جس نے میری طرح ازل میں دوست کے جام سے ایک گھونٹ پیا

من[۴] نوشتم نامۂ از شرحِ حالِ خود ولے
میں نے اپنی حالت کی تفصیل کا ایک خط لکھا ہے لیکن
دردِ سر باشد نمودن بیش ازیں ابرامِ دوست
اس سے زیادہ اصرار کرنا دوست کے لئے دردِ سر ہوگا

میلِ[۵] من سوئے وصال و قصدِ او سوئے فراق
میرا میلان وصال کی طرف ہے اور اس کا ارادہ فراق کی جانب ہے
ترکِ کامِ خود گرفتم تا بر آید کامِ دوست
میں نے اپنے مقصد کو چھوڑ دیا ہے تاکہ دوست کا مقصد پورا ہو جائے

گر دہد دستم کشم در دیدہ ہمچوں توتیا
اگر موقع مل جائے تو آنکھ میں توتیا کی طرح لگا لوں
خاکِ راہے کاں مشرف گرد از اقدامِ دوست
اس راستہ کی خاک کو جو دوست کے قدموں سے مشرف ہوئی ہے

حافظ اندر درد و غم میسوز و با درماں مساز
اے حافظ! درد اور غم میں جلتا رہ، اور علاج نہ کر
زانکہ درمانے ندارد دردِ بے درمانِ دوست
اس لئے کہ دوست کے لا علاج درد کا کوئی علاج نہیں ہے

منم کہ گوشۂ میخانہ خانقاہِ من ست
میں ہوں کہ شراب خانہ کا گوشہ، میری خانقاہ ہے
دعائے پیرِ مغاں وردِ صبحگاہِ من ست
پیرِ مغاں کو دعا دینا، میرا صبح کا وظیفہ ہے

گرم ترانہ و چنگ و صبوح نیست چہ باک
اگر میرے پاس گانا اور ستار اور صبح کی شراب نہیں ہے تو کیا پروا ہے
نوائے من بسحر آہ عذر خواہِ من ست
میری آواز صبح کے وقت میری عذر خواہ آہ ہے

ز پادشاہ و گدا فارغم بحمدِ اللہ
خدا کا شکر ہے کہ میں بادشاہ اور فقیر سے بے نیاز ہوں
گدائے خاکِ درِ دوست پادشاہِ من ست
دوست کے دروازے کی خاک کا فقیر میرا بادشاہ ہے

۱؎ حضرت سلیمان کا ہوا پر قبضہ تھا اسی طرح تیرے ہاتھ میں ہوا ہے۔
۲؎ طوطی کو شکر اور بادام کھلائے جاتے ہیں۔
۳؎ زلف کو جال اور تل کو اس جال کا دانہ قرار دیا ہے۔
۴؎ میں نے صرف اپنی حالت لکھدی ہے، بہ دعیٰ پر اصرار مناسب نہیں ہے۔
۵؎ معشوق کی خواہش پر اپنی خواہش قربان کر دینا عین کمال ہے۔
۶؎ یعنی اگر حال و قال میسر نہیں ہے تو نہ صبح کی آہیں کافی ہیں۔
۷؎ دنیاوی لوگوں سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ حالت موجب حمد ہے۔

غرض ز مسجد و میخانہ ام وصالِ شماست
مسجد و میخانہ سے میرا مقصود، تمہارا وصال ہے
جز ایں خیال ندارم خدا گواہِ من ست
اس کے سوا میرا کوئی خیال نہیں ہے خدا میرا گواہ ہے

مرا گدائے تو بودن ز سلطنت خوشتر
میرے لیے تیرا فقیر ہونا، سلطنت سے زیادہ اچھا ہے
کہ ذُلِّ جور و جفائے تو عزّ و جاہِ من ست
اس لئے کہ تیرے ظلم اور جفا کی ذلت میری عزت اور جاہ ہے

مگر بہ تیغِ اجل خیمہ بر کنم ورنہ[1]
شاید موت کی تلوار سے خیمہ اٹھالوں، ورنہ
رمیدن از درِ دولت نہ رسم و راہِ من ست
درِ دولت سے بھاگنا، میری رسم و راہ نہیں ہے

ازاں زماں[2] کہ براں آستاں نہادم رُوی
جب سے میں نے اس آستانہ پر منہ رکھا ہے
فرازِ مسندِ خورشید تکیہ گاہِ من ست
خورشید کی مسند کی بلندی، میری تکیہ گاہ ہے

کلاہِ دولتِ خسرو کجا بچشم آید
خسرو کی دولت کی ٹوپی، میری نگاہ میں کیا آسکتی ہے؟
کہ خاکِ کوئے شما عزّتِ کلاہِ من ست
جبکہ تمہارے کوچہ کی خاک، میری ٹوپی کی عزت ہے

گناہ[3] اگرچہ نبود اختیارِ ما حافظ
اے حافظ! اگرچہ گناہ ہمارے اختیار میں نہ تھا
تو در طریقِ ادب کوش و گو گناہِ من ست
تو ادب کا طریقہ اختیار کر، اور کہہ دے خطا میری ہے

ماہم ایں[4] ہفتہ شد از شہر و بچشمم سالیست
میرا چاند، اسی ہفتہ شہر سے رخصت ہوا ہے اور میری نگاہ میں ایک سال ہے
حالِ ہجراں تو چہ دانی کہ چہ مشکل حالیست
ہجر کے حال کو تو کیا جانے، کہ کس قدر مشکل حال ہے

مردمِ[5] دیدہ ز لطفِ رخِ او در رُخِ او
رخسار کی پاکیزگی کی وجہ سے اس کے رخسار میں آنکھ کی پتلی نے
عکسِ خود دید و گماں کرد کہ مشکیں خالیست
اپنا عکس دیکھ لیا اور یہ سمجھ لیا کہ کالا تل ہے

اے کہ انگشت نمائی بکرم در ہمہ شہر
اے وہ! کہ تو تمام شہر میں سخاوت میں مشہور ہے
وہ کہ در کارِ غریباں عجبت اہمالیست
واہ، غریبوں کے کام میں تیری عجب سستی ہے

میچکد شیر[6] ہنوز از لبِ ہمچوں شکرش
اس کے شکر جیسے ہونٹ سے اب تک دودھ ٹپکتا ہے
گرچہ در عشوہ گری ہر مژہ اش قتالیست
اگرچہ ادا دکھانے میں، اس کی ہر پلک قاتل ہے

بعد ازینم نبود شائبہ در جوہرِ فرد[7]
اس کے بعد جزو لایتجزیٰ میں مجھے کوئی شک نہ ہوگا
کہ دہانِ تو دریں نکتہ خوش استدلالیست
کہ تیرا منہ، اس معاملہ میں بہترین استدلال ہے

مژدہ دادند کہ بر ما گذرے خواہی کرد
لوگوں نے خوشخبری دی ہے کہ تو ہمارے پاس سے ہو کر گزرے گا
نیتِ خیر مگرداں کہ مبارک فالیست
بہتر نیت، کو نہ بدل کہ اچھی فال ہے

کوہِ اندوہِ فراقت بچہ حیلت بکشد
تیرے فراق کا پہاڑ، کس طور پر کھینچے
حافظِ خستہ کہ از نالہ تنش چوں نالیست[8]
کمزور حافظ، کہ آہ و زاری کی وجہ سے اس کا بدن رینٹے کی طرح ہے

ما از خیالِ تو چہ پروائے شراب ست[9]
تیرے خیال کی وجہ سے اب ہمیں شراب کی کیا پروا ہے؟
خم گو سرِ خود گیر کہ خمخانہ خراب است
مٹکے سے کہہ دو اپنا راستہ لے کہ شراب خانہ برباد ہے

---

[1] درِ دولت سے مر کر ہی ہٹوں گا۔
[2] جب سے تمہارے آستانہ پر سر دھرا ہے مجھے انتہائی بلندی حاصل ہوگئی ہے۔
[3] حافظ کا یہ شعر جبر و قدر کے مسئلہ میں بہت اونچا شعر ہے یعنی اگرچہ ہم اپنے اختیار سے گناہ کبھی نہیں کرتے ہیں لیکن ادب کا تقاضہ ہے کہ گناہوں کو اپنی طرف منسوب کریں۔
[4] فراق کا ایک ہفتہ سال کی برابر ہے۔
[5] معشوق کا رخ اسقدر شفاف ہے کہ آئینہ کی طرح اسمیں دیکھنے والے کی پتلی نظر آجاتی ہے جس پر یہ گمان ہوتا ہے کہ وہ معشوق کے رُخ کا تل ہے۔
[6] یعنی معشوق کم سن ہے۔
[7] جوہر فرد یعنی وہ ذرہ جو تقسیم نہ ہوسکے حکماء میں یہ بحث ہے کہ کوئی جزو ایسا ہو سکتا ہے کہ جس کی تقسیم نہ ہو سکے یا نہیں ہو سکتا بعض حکماء کہتے ہیں کہ ایسا جزو موجود ہے جس کی تقسیم نہیں ہو سکتی حافظ صاحب کہتے ہیں میرے معشوق کا منہ اس قدر چھوٹا ہے کہ اسکی تقسیم نہیں ہو سکتی ہے لہذا اس کا منہ ان لوگوں کے لئے بہترین دلیل ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ ایسا جزو موجود ہے جو ناقابل تقسیم ہے
[8] نال اس رینٹے کو کہا جاتا ہے جو بانس کی اندر کی نالی میں پیدا ہوتا ہے
[9] یعنی اب ہم معشوق کے تصور سے مست ہیں شراب کی ضرورت نہیں ہے۔

گر خمر بہشت ست بریزید کہ بے دوست
خواہ بہشت کی شراب ہے بہا دو اس لئے کہ دوست بدون

ہر شربت عذبم کہ دہی عین عذاب ست
مجھے جو بھی میٹھا شربت تو دے، عین عذاب ہے

افسوس کہ شد دلبر و در دیدۂ گریاں
افسوس کہ دلبر چلا گیا۔ اور روتی آنکھوں میں

تحریر خیالِ خطِ او نقش بر آب ست
اُس کے خط کے خیال کی تحریر، پانی پر نقش ہے

بیدار شو اے دیدہ کہ ایمن نتواں بود
اے آنکھ ہوشیار ہو جا اس لئے کہ مطمئن نہیں ہوا جا سکتا

زیں سیل دمادم کہ دریں منزلِ خواب ست
اس مسلسل بہاؤ سے جو اس خواب گاہ میں ہے

معشوقہ عیاں میگذرد بر تو و لیکن
تیرے سامنے سے معشوقہ کھلم کھلا گذر رہی ہے لیکن

اغیار ہمی بیند ازاں بستہ نقاب ست
غیر چونکہ دیکھ رہے ہیں اس لئے نقاب باندھے ہوئے ہے

گل بر رخِ رنگینِ تو تا لطفِ عرق دید
پھول نے جب سے تیرے رنگین رُخ پر پسینہ کی لطافت دیکھی ہے

در آتشِ رشک از غمِ دل غرقِ گلاب ست
رشک کی آگ میں دل کے غم سے عرقِ گلاب میں غرق ہے

در بزمِ دل از روئے تو صد شمع بر افروخت
دل کی محفل میں تیرے رُخ سے سَو شمعیں روشن ہو گئیں

ویں طرفہ کہ بر روئے تو صد گونہ حجاب ست
اور یہ تعجب ہے کہ تیرے رخ پر سَو طرح کے پردے ہیں

سبز ست در و دشت بیا تا نگذاریم
دروازہ اور جنگل سبز ہے، آ، تاکہ نہ ہٹائیں

دست از سرِ آبے کہ جہاں جملہ سراب ست
ہاتھ، پانی کے کنارے سے کہ تمام دنیا سراب ہے

در کنجِ دماغم مطلب جائے نصیحت
میرے دماغ کے گوشہ میں نصیحت کی جگہ، تلاش نہ کر

کایں حجرہ پر از زمزمۂ چنگ و رباب ست
اس لیے کہ یہ حجرہ چنگ اور رباب کے نغمے سے پُر ہے

راہِ تو چہ راہ ست کہ از غایتِ تعظیم
تیرا راستہ بھی کیا راستہ ہے کہ انتہائی بڑائی کی وجہ سے

دریائے محیطِ فلکش ہمچو حباب ست
آسمان کا دریائے محیط اس کے لئے بلبلے جیسا ہے

بے روئے دل آرائے تو اے شمعِ دل افروز
دل کو آرایش دینے والے تیرے چہرے کے بغیر دل کو روشن کرنے والی شمع

دل رقص کناں بر سرِ آتش چو کباب ست
آگ پر کباب کی طرح، دل رقص کرنے والا ہے

حافظ چہ شد ار عاشق و رند ست و نظر باز
کیا ہوا! اگر حافظ، عاشق، اور رند، اور نظر باز ہے

بس طورِ عجب لازمِ ایامِ شباب ست
بہت سے عجیب طریقے، جوانی کے زمانے کا لازمہ ہیں

مارا ز آرزوئے تو پروائے خواب نیست
ہمیں تیری تمنا کی وجہ سے نیند کی پرواہ نہیں ہے

بے روئے دلفریبِ تو بودن ثواب نیست
تیرے دلفریب چہرے کے بدون رہنا ثواب نہیں ہے

در دورِ چشمِ مستِ تو ہشیار کس ندید
تیری مست آنکھ کے دور میں کسی کو ہوشیار نہ دیکھا

کو دیدہ کز تصورِ چشمت بخواب نیست
وہ آنکھ کونسی ہے جو تیری آنکھ کے تصور سے نیند میں نہیں ہے

در ہر کہ بنگری بغمے از تو مبتلا ست
تو جس کو بھی دیکھے تیرے کسی غم میں مبتلا ہے

یک دل ندیدہ ام کہ ز عشقت خراب نیست
میں نے ایک دل بھی نہیں دیکھا جو تیرے عشق میں تباہ نہیں ہے

ہر کو بدستِ عشقِ تو شد کشتہ بر درت
ہر وہ جو تیرے در پر، عشق کے ہاتھوں مارا گیا

او را در آں جناب سوال و جواب نیست
اُس دربار میں اس سے کوئی سوال و جواب نہیں ہے

---

۱ معشوق کے چلے جانے کے بعد اس کی تصویر اس پانی پر قائم ہے جو ہماری آنکھوں سے جاری ہے۔
۲ تیرے رخ پر پسینے کی بوندیں دیکھ کر گلاب شرما جاتا ہے۔
۳ در و دشت سرسبز ہے اور پانی کا کنارہ ہے۔ اس پُر لطف مقام کو نہ چھوڑنا چاہیے۔
۴ جس سر میں چنگ و رباب کا نغمہ سمایا ہو وہاں نصیحت کیسے کارگر ہو سکتی ہے
۵ تیری راہ کی تعظیم کے لئے آسمان جھکا ہوا ہے۔
۶ جوانی میں یہ باتیں ہوتی ہی ہیں۔
۷ چشم مست کے تصور سے سب مدہوش ہیں۔
۸ شہید عشق بلا حساب کتاب جنت میں جائیگا۔

حافظ چو زر بوتہ در افتاد و تاب یافت
حافظ سونے کی طرح کٹھالی میں پڑا، اور تپا
عاشق نباشد آنکہ چو زر او بتاب نیست
وہ عاشق نہیں ہو سکتا، جو سونے کی طرح نہ تپا ہو

مدامم مست میدارد نسیم جعد گیسویت
تیرے گیسو کے گھنگھر والے بالوں کی خوشبو، مجھے ہمیشہ مست رکھتی ہے
خرابم میکند ہر دم فریب چشم جادویت
تیرے جادو کی آنکھ کا فریب، مجھے ہر دم تباہ کرتا ہے

پس از چندیں شکیبائی شبے یارب توان دیدن
کس قدر صبر کے بعد اے خدا کسی رات کو دیکھا جا سکے گا
کہ شمع دیدہ افروزیم در محراب ابرویت
کہ ہم اپنی آنکھوں کی شمع تیرے ابرو کی محراب میں روشن کریں

سواد لوح بینش را عزیز از بہر آں دارم
میں روشنائی کی تختی کی سیاہی کو اس وجہ سے پیار کرتا ہوں
کہ جاں را نسخہ باشد ز نقش خال ہندویت
تاکہ تیرے سیاہ تل کے نقش سے جان کے لئے ایک نسخہ ہو

تو گر خواہی کہ جاویداں جہاں یکسر بیارائی
اگر تو چاہتا ہے کہ ساری دنیا کو ہمیشہ کے لیے سجا دے
صبا را گو کہ بر دارد زمانے برقع از رویت
تو صبا کو کہہ دے کہ تھوڑی دیر کیلئے تیرے چہرے سے برقع اٹھائے

دگر رسم فنا خواہی کہ از عالم براندازی
اگر تو موت کے رواج کو دنیا سے ختم کرنا چاہتا ہے
بیفشاں زلف تا ریزد ہزاراں جاں ز ہر مویت
زلف کو جھٹک دے تاکہ وہ تیرے ہر بال سے ہزاروں جانیں بکھیر دے

من و باد صبا مسکین دو سرگرداں و بیحاصل
میں اور باد صبا، مسکین اور حیران، اور بے نتیجہ ہیں
من از افسون چشمت مست و او از بوئے گیسویت
میں تیری آنکھ کے جادو سے مست، اور وہ تیرے گیسو کی خوشبو سے مست ہے

من از لطف صبا دارم سپاس نکہت جاناں
میں صبا کی مہربانی سے معشوق کی خوشبو کا شکر گزار ہوں
دگر نہ کے گذر بودے سحرگاہاں ازیں سویت
ورنہ صبح کے وقت اس جانب تیرا کب گذر ہوتا

سواد دیدہ ہر وقتے بخون دل ہمی دیدم
میں آنکھ کی سیاہی کو ہر وقت دل کے خون میں دیکھتا تھا
عزیزش دارم ایں ساعت بیاد خال ہندویت
اب اس کو تیرے سیاہ تل کی یاد کی وجہ سے پیارا رکھتا ہوں

زہے ہمت کہ حافظ رفت از دنیا و از عقبیٰ
کیا خوب ہمت ہے کہ حافظ دنیا، اور عقبیٰ سے گذر گیا
نیاید ہیچ در چشمش بجز خاک سر کویت
اس کی آنکھ میں بجز تیرے کوچہ کی خاک کے کچھ نہیں سماتا

مردم دیدۂ ما جز برخت ناظر نیست
ہماری آنکھ کی پتلی تیرے چہرے کے سوا دیکھنے والی نہیں ہے
دل سرگشتۂ ما غیر ترا ذاکر نیست
ہمارا دیوانہ دل تیرے سوا کسی کو یاد کرنے والا نہیں ہے

اشکم احرام طواف حرمت می بندد
میرے آنسو تیرے حرم کا طواف کرنے کے لئے احرام باندھتے ہیں
گرچہ از خون دل ریش دمے طاہر نیست
اگرچہ وہ زخمی دل کے خون کی وجہ سے تھوڑی دیر کے لئے بھی پاک نہیں ہے

بستۂ دام قفس باد چو مرغ وحشی
خدا کرے وحشی پرندے کی طرح پنجرے کے جال میں پھنسا رہے
طائر سدرہ اگر در طلبت سائر نیست
سدرہ کا پرندہ اگر وہ تیری طلب میں گھومنے والا نہیں ہے

عاشق مفلس اگر قلب دلش کرد نثار
مفلس عاشق نے اگر اپنا کھوٹا دل نچھاور کر دیا ہے
مکنش عیب کہ بر نقد رواں قادر نیست
تو اسے عیب نہ لگا اس لئے کہ وہ چالو نقد پر قادر نہیں ہے

۱؎ آنکھ کی پتلی میں چونکہ تیری تصویر ہے اسی لئے وہ مجھے پیاری ہے۔
۲؎ محبوب کی روشنائی دنیا کی ابدی آرائش کا سبب ہے۔
۳؎ محبوب کی زلف میں اس قدر جانیں ہیں کہ اگر ان کو دنیا میں بکھیر دیا جائے تو پھر دنیا کا فنا ہونا ممکن نہ رہے۔
۴؎ میں معشوق کی آنکھوں سے مست ہوں اور باد صبا اس کی زلف کی خوشبو سے۔
۵؎ صبا کا احسان ہے کہ اس کی خوشبو مجھ تک پہونچا دیتی ہے۔
۶؎ آنکھ کی پتلی سے مجھے دشمنی تھی لیکن چونکہ اس میں تیرے تل کی مشابہت ہے اس لئے اب محبت پیدا ہو گئی ہے۔
۷؎ حالانکہ احرام پاکی کی حالت میں باندھا جاتا ہے۔
۸؎ یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام۔
۹؎ عاشق کے پاس کھوٹا دل ہی تھا وہ اس نے نثار کر دیا۔

عاقبت دست برآں سروِ بلندش برسد
انجام کار اس کے بلند سرو پر اس شخص کا ہاتھ پہونچ جائیگا
ہر کرا در طلبت ہمّتِ او قاصر نیست
تیری طلب میں جس کی ہمت کوتاہ نہیں ہے

از رواں بخشیِ عیسیٰ نزنم پیشِ تو دم
میں تیرے سامنے حضرتِ عیسیٰ کے جان بخشنے کی بات نہیں کر سکتا
زانکہ در روح فزائی چو دمت قادر نیست
اس لیے کہ وہ روح کے بڑھانے میں تیرے دم کی طرح قادر نہیں ہے

منکہ از آتشِ سودائے تو آہے نزنم
میں جو کہ تیرے عشق کی آگ سے آہ بھی نہیں کرتا ہوں
کے تواں گفت کہ بر داغِ دلم صابر نیست
مجھے کیسے کہا جا سکتا ہے کہ دل کے داغ پر صابر نہیں ہے!

روزِ اوّل کہ سرِ زلفِ تو دیدم گفتم
پہلے دن ہی جبکہ میں نے تیری زلف کا سرا دیکھا تو میں نے کہہ دیا
کہ پریشانیِ ایں سلسلہ را آخر نیست
کہ اس سلسلہ کی پریشانی کی انتہا نہیں ہے

سرِ پیوندِ تو تنہا نہ دلِ حافظ راست
تجھ سے تعلق کا خیال، صرف حافظ کے دل کو ہی نہیں ہے
کیست آں کش سرِ پیوندِ تو در خاطر نیست
وہ کون ہے جس کی طبیعت میں تجھ سے تعلق کا خیال نہیں ہے؟

مدّتے شد کآتشِ سودائے او در جانِ ماست
ایک زمانہ گذرا کہ اس کے عشق کی آگ ہماری جان میں لگی ہے
ویں تمنّا بیں کہ دائم در دلِ ویرانِ ماست
اور اس تمنا کو دیکھ جو ہمیشہ ہمارے ویران دل میں ہے

مردمِ چشمم بخونابِ جگر غرقند زاں
میری آنکھ کی پتلیاں جگر کے خالص خون میں اس لئے ڈوبی ہوئی ہیں
چشمۂ مہرِ رخش در سینۂ نالانِ ماست
کہ اس کے رخ کے آفتاب کا چشمہ میرے نالاں سینے میں ہے

آبِ حیواں قطرۂ از لعلِ ہمچوں شکّرش
آبِ حیات اس کے شکر جیسے ہونٹ کا ایک قطرہ ہے
قرصِ خور عکسے ز روئے آں مہِ تابانِ ماست
آفتاب کی ٹکیہ ہمارے اس روشن چاند کے چہرے کا عکس ہے

تا نفختُ فیہِ من رُوحی شنیدم شد یقیں
جب سے میں نے نفخت فیہ من روحی سنا ہے یقین ہو گیا ہے
بر من ایں معنیٰ کہ ما ازانِ ویم و ز آنِ ماست
مجھے اس معنیٰ کا کہ ہم اس کے ہیں، وہ ہمارا ہے

ہر دلے را اطلاعے نیست بر اسرارِ غیب
غیب کے رازوں کی، ہر دل کو خبر نہیں ہے
محرمِ ایں سرِّ معنی دارِ علوی جانِ ماست
اس آسمانی بامعنیٰ راز کا محرم، ہماری جان ہے

چند گوئی اے مذکّر شرحِ دیں خاموش باش
اے واعظ، دین کی شرح کب تک کرے گا چپ رہ
دینِ ما در ہر دو عالم صحبتِ جانانِ ماست
دونوں جہاں میں ہمارا دین ہمارے معشوق کی صحبت ہے

حافظا تا روزِ آخر شکرِ ایں نعمت گزار
اے حافظ، قیامت تک اس نعمت کا شکر ادا کر
کآں صنم از روزِ اوّل دارو و درمانِ ماست
کہ وہ صنم پہلے روز سے، ہمارے درد کی دوا اور علاج ہے

میرِ من خوش میروی کاندر سراپا میرمت
میرے سردار! تو کس قدر اچھا چلتا ہے کہ تیرے سراپا پر میں مرتا ہوں
ترکِ من خوش میخرامی پیشِ بالا میرمت
میرے محبوب! تو کیا اچھا ٹہلتا ہے تیرے قد پر میں مرتا ہوں۔

گفتہ بودی کے بمیری پیشِ من ایں تعجیل چیست
تو نے کہا تھا میرے سامنے تو کب مرے گا یہ جلدی کیسی ہے
خوش تقاضا میکنی پیشِ تقاضا میرمت
تو کس قدر پیارا تقاضہ کرتا ہے تیرے تقاضے پر میں مرتا ہوں

۱؎ حضرتِ عیسیٰ میں مردوں کو زندہ کرنے کی ایسی طاقت نہ تھی جیسی معشوق میں ہے۔
۲؎ زلف کے عاشق کی پریشانی لاانتہا ہے۔
۳؎ ویرانے کو سب چھوڑ دیتے ہیں لیکن تمنا ویران دل کو نہیں چھوڑتی ہے۔
۴؎ چونکہ اس کے رخ کا آفتاب ہمارے سینے میں ہے اس لئے جگر سے خونی پانی بشکل آنسو ٹپکتا ہے۔
۵؎ آبِ حیات اس کے ہونٹوں کے مقابلہ میں ہیچ ہے اور آفتاب اُس کے رُخ سے روشنی حاصل کر رہا ہے۔
۶؎ "نفخت فیہ من روحی" یعنی ہم نے اپنی روح اس میں پھونکی ہے۔
۷؎ میرا محبوب غیب کے بھیدوں سے واقف ہے۔
۸؎ ہم اول سے اس پر عاشق ہیں۔
۹؎ تیرا تقاضہ اس قدر حسین ہے کہ میں اس پر قربان ہو جاؤں۔

عاشقِ مہجورِ مخمورم بُتِ ساقی کجاست
میں مجبور عاشق خمار میں ہوں، ساقی بُت کہاں ہے؟
گو خراماں شو کہ پیشِ قدِّ رعنا میرمت
کہدو ٹہل، میں تیرے حسین قد پر مرتا ہوں

اے کہ عمرے شد کہ تا بیمارم از مژگانِ تو
اے وہ کہ ایک زمانہ گزر گیا ہے میں تیری پلکوں کا بیمار ہوں
تو نگاہے کن کہ پیشِ چشمِ شہلا[1] میرمت
تو ایک نگاہ ڈالدے کہ تیری نرگسی آنکھ پر میں مرتا ہوں

گفتۂ لعلِ منت ہم درد بخشد ہم شفا
تو نے کہا میرا ہونٹ تیرے لئے درد پیدا کرنیوالا بھی ہےاور شفا دینے والا بھی
گاہ پیشِ درد و گہ پیشِ مداوا میرمت
میں کبھی درد پر، اور کبھی دوا پر مرتا ہوں

خوش خراماں میروی چشمِ بد از روئے تو دور
تو کس قدر اچھا ٹہلتا ہے، نظرِ بد تیرے چہرے سے دور رہے
دارم اندر سر خیالِ آنکہ در پا میرمت
میرے سر میں یہ خیال ہے کہ تیرے قدموں پر میں مر جاؤں

گرچہ جائے حافظ اندر خلوتِ وصلِ تو نیست
اگرچہ حافظ کی جگہ تیرے وصل کی خلوت میں نہیں ہے
اے ہمہ جائے تو خوش پیشِ تو ہر جا[2] میرمت
اے وہ کہ تیری ساری جگہیں اچھی ہیں تیرے سامنے ہر جگہ مرتا ہوں

نمیدانم دلِ بلبل ز عشقِ روئے گل چونست[3]
مجھے معلوم نہیں، کہ بلبل کے دل کا چہرۂ گل کے عشق سے کیا حال ہے
دلے در غنچہ می بینم بپیکانہاش در خون ست
غنچہ کے دل کو میں دیکھتا ہوں کہ اس کے تیروں سے خون میں ہے

عجب باشد کہ بلبل را قرار و صبر کم گردد[4]
تعجب کی بات ہوگی کہ بلبل کا قرار اور صبر کم ہو
ریاحیں را چو ہر ساعت جمال و حسن افزونست
جبکہ پھولوں کا ہر گھڑی جمال اور حسن بڑھ رہا ہے

نظر کن بر گلِ رعنا کہ شکلِ او چہ افتادہ
حسین پھول کو دیکھ، کہ اس کی شکل کیسی ہے
چہ جرمِ بلبلِ شیدا اگر بیچارہ مفتونست[5]
عاشق بلبل کی کیا خطا ہے، اگر بیچارا دیوانہ ہوگیا ہے

چو از پردہ بروں آمد گل آنگہ بلبلِ مسکیں
جب پھول پردے سے باہر آگیا اس وقت مسکین بلبل
اگر در پردہ مینالد دلش از پردہ بیرونست
اگر در پردہ نالہ کر رہا ہے تو اس کا دل قابو سے باہر ہے

اگر مستی کند بلبل دریں موسم روا باشد
اگر اس موسم میں بلبل مستی کرتا ہے تو درست ہے
کہ بر ہر شاخ از گلہا[6] ہزاراں جامِ میگونست
اس لیے کہ ہر شاخ پر پھولوں کے ہزاروں شرابی جام ہیں

دریں موسم کہ بوئے عیش از عالم نمی آید
اس موسم میں کہ دنیا سے عیش کی بو نہیں آرہی ہے
تو خود دانی نگاریناکہ حالِ عاشقاں چونست
اے معشوق تو خود جانتا ہے عاشقوں کا کیا حال ہے؟

زمانِ عشرت و شادی کہ میجستی بجاں حافظ
عشرت اور خوشی کا وہ زمانہ جو اے حافظ تو دل سے ڈھونڈتا ہے
غنیمت داں کنوں عشرت کہ وقتِ عیش اکنونست
اب کی عشرت کو غنیمت جان اس لئے کہ عیش کا وقت اب ہے

ہر آں خجستہ نظر کز پئے سعادت رفت[7]
ہر وہ مبارک نظر، جو سعادت کے درپے ہوا
بکنجِ میکدہ و خانۂ ارادت رفت
وہ شرابخانہ کے گوشہ میں اور ارادتمندی کے گھر میں پہونچا

ز رطلِ دُردکشاں کشف کرد سالکِ رہ[8]
راہ کے سالک نے تلچھٹ پینے والوں کے پیمانہ سے کھول لیے
رموزِ غیب کہ در عالمِ شہادت رفت
غیب کے وہ راز، جو دنیا میں پہونچے

---

[1] نرگس کی ایک خاص قسم ہے۔
[2] یعنی قرب کا اعلیٰ مقام تو حاصل نہیں ہے پھر بھی وہ مقام حاصل ہے جس پر ہم قربان ہو جائیں۔
[3] عاشق کے دل کا تو حال معلوم نہیں لیکن محبوب اُس کی آہوں سے متاثر ہے۔
[4] بے قراری اور بے صبری کے جب اسباب موجود ہیں تو بیقراری کیسے کم ہوسکتی ہے۔
[5] اِس حسن کے ہوتے ہوئے بلبل عشق میں معذور ہے۔
[6] موسم کی خوشگواری کی وجہ سے ہر پھول جام بکف ہے۔
[7] جس کو سعادت حاصل ہے وہ میکدہ میں پہونچکر پیرِ مغاں سے ارادت پیدا کریگا۔
[8] تلچھٹ نوش پر غیب کے راز کھلتے ہیں۔

بیا و معرفتِ من شنو کہ در سخنم
آ، اور مجھ سے معرفت کی باتیں سُن اس لئے کہ میرے کلام میں

ز فیضِ روحِ قدس نکتۂ سعادت رفت
جبرئیلؑ کے فیض سے سعادت کا نکتہ پیدا ہو گیا

مجوز طالعِ مولودِ من بجز رندی[1]
میری پیدائش کے ستارے سے رندی کے سوا کچھ نہ ڈھونڈ

کہ ایں معاملہ با کوکبِ ولادت رفت
اس لئے کہ یہ معاملہ پیدائش کے ستارے سے ہی ہوا ہے

زبامداد بدستِ دگر بر آمدہ
صبح سے تو دوسرے طریقہ پر نمودار ہوا ہے

وظیفۂ مے دوشیں مگر زیادت رفت
شاید گزشتہ رات کی شراب کی عبادت تو بھول گیا

مگر بمعجزہ[2] کو شد طبیبِ عیسیٰ دم
شاید معجزے کے ذریعہ حضرت عیسیٰؑ کے سے سانس والا طبیب کوشش کرے

چرا کہ کارِ منِ خستہ از عیادت رفت
اس لیے کہ مجھ خستہ کا کام مزاج پرسی کی حد سے گذر گیا

ہزار[3] شکر کہ حافظ زراہِ میکدہ دوش
ہزار شکر ہے کہ حافظ کل رات شراب خانہ کے راستہ سے

بکنجِ زاویۂ طاعت و عبادت رفت
فرمانبرداری، اور عبادت کی خانقاہ کے گوشہ میں پہنچ گیا

یارب[4] آں شمعِ شب افروز زکاشانۂ کیست
اے خدا وہ شمع کس گھرانہ سے رات کو روشن کرنوالی ہے؟

جانِ ما سوخت بپرسید کہ جانانۂ کیست
اس نے ہماری جان کو جلا دیا دریافت کرو کہ کس کا معشوق بنا ہے؟

حالیا خانہ براندازِ دل و دینِ منست[5]
اب تو وہ میرے دل اور دین کو برباد کرنے والا ہے

تا ہم آغوش کہ میباشد و ہمخانۂ کیست
انجام کار وہ کس کا ہم آغوش ہوگا اور کس کا ہم خانہ ہے؟

بادۂ[6] لعلِ لبش کز لبِ ما دور مباد
اسکے لعل جیسے ہونٹ کی شراب جو خدا کرے ہمارے ہونٹوں سے دور نہ ہو

راحِ روح کہ و پیمانِ دِہ پیمانۂ کیست
کس کی روح کیلئے راحت اور کس کے پیمانہ سے عہد کرنوالی ہے؟

دولتِ صحبتِ آں شمعِ سعادت پرتو[7]
اس سعادت کے سایہ والی شمع کی صحبت کی دولت

باز پرسید خدا را کہ بپروانۂ کیست
خدا کے لیے پھر پوچھو، کس کے پروانہ کو حاصل ہے!

مید ہد ہر کسش افسونے و معلوم نشد
اس پر ہر شخص ایک منتر پڑھتا ہے اور یہ معلوم نہ ہوا

کہ دلِ نازکِ او مائلِ افسانۂ کیست
کہ اس کا نازک دل، کس کے قصہ کی طرف مائل ہے؟

یارب آں شاہ وشِ ماہ رخ زہرہ جبیں
اے خدا وہ شاہ جیسا، چاند جیسے رخ اور زہرہ جیسی پیشانی والا

دُرِ یکتائے کہ و گوہرِ یکدانۂ کیست
کس کا دُرِ یکتا اور کس کا گوہرِ یکدانہ ہے؟

آں مے[8] لعل کہ نا خوردہ مرا کرد خراب
وہ لعل جیسی شراب جس نے بن پئے مجھے خراب کر دیا

ہمنشین کہ و ہم کاسۂ و پیمانۂ کیست
کس کی ہمنشین، اور کس کی ہم پیالہ و پیمانہ ہے!

گفتم[9] آہ از دلِ دیوانۂ حافظ بے تو
میں نے کہا، حافظ کے دیوانے دل سے تیرے بدون آہ ہے

زیرِ لب خندہ زناں گفت کہ دیوانۂ کیست
زیر لب ہنستے ہوئے بولا کس کا دیوانہ ہے!

یارب[10] سببے ساز کہ یارم بسلامت
اے خدا ایسا سبب پیدا کر دے کہ میرا یار سلامتی سے

باز آید و برہاندم از چنگِ ملامت
واپس آ جائے اور مجھے ملامت کے چنگل سے چھڑا دے

[1] جو میرا پیدائشی ستارہ ہے رندی اس کے اثرات ہیں۔
[2] میری زندگی عیسوی معجزے سے ہی اب قائم رہ سکتی ہے
[3] حافظ کی شراب نوشی طلوع ہدایت کا سبب بنی
[4] معلوم نہیں کہ معشوق کس گھر کی شمعِ محفل ہے جان تو ہماری جل رہی ہے معلوم نہیں معشوق کس کا بنا ہوا ہے۔
[5] آج تو ہمارے لئے تباہ کن بنا ہے معلوم نہیں کل وہ کس کی بغل میں اور کس کے گھر میں ہو گا۔
[6] اس کے ہونٹوں کی شراب نہ معلوم کس کی روح کی راحت اور کسکے پیمانہ سے وابستہ ہے۔
[7] اس شمع کی صحبت نہ معلوم کس پروانہ کو حاصل ہے۔
[8] وہ معشوق جس کے بیں لطف اندوز نہیں نہ معلوم کس کا ہم پیالہ ہے۔
[9] یعنی گویا ابھی تک یہ خبر نہیں کہ حافظ کس کا دیوانہ ہے۔
[10] فراق میں لوگ مجھے ملامت کر رہے ہیں خدا کرے معشوق لوٹ آئے۔

خاکِ رہِ آں یار سفر کردہ بیارید
اُس سفر میں گئے ہوئے یار کے راستہ کی گرد لے آؤ

تا چشمِ[1] جہاں بیں کنمش جائے اقامت
تاکہ اس کی قیام گاہ، جہاں بیں آنکھ کو بنا دوں

فریاد کہ از شش جہتم راہ بہ بستند
فریاد ہے کہ شش جہت سے میرا راستہ روک دیا ہے

آں خال و خط و زلف و رخ و عارض و قامت
اُس تل، خط، زلف، چہرے، رخسار اور قد نے[2]

امروز کہ در دستِ توام مرحمتے کن
آج جب کہ میں تیرے قبضہ میں ہوں، رحم کر

فردا کہ شوم خاک چہ سود اشکِ ندامت
کل جب میں خاک ہو جاؤں گا تو ندامت کے آنسوؤں سے کیا فائدہ؟

اے آنکہ[3] بتقریر و بیاں دم زنی از عشق
اے وہ جو تقریر و بیان کے ذریعہ عشق کا دعویٰ کرتا ہے

ما با تو نداریم سخن خیر و سلامت
ہماری تیری، بات نہیں، خیر سلامتی

درویش[4] مکن نالہ ز شمشیرِ احبّا
اے فقیر! دوستوں کی تلوار کا شکوہ نہ کر

کایں طائفہ از کشتہ ستانند غرامت
یہ لوگ، تو مقتول سے تاوان وصول کرتے ہیں

در خرقہ زن آتش کہ خمِ ابروئے ساقی
گدڑی میں آگ لگا دے اس لیے کہ ساقی کے ابروؤں کے خم

بر می شکند گوشۂ محرابِ امامت
امامت کے محراب کا گوشہ اُکھاڑ رہے ہیں

حاشا[5] کہ من از جور و جفائے تو بنالم
خدا بچائے کہ میں تیرے جور و جفا سے نالاں ہوں

بیدادِ لطیفاں ہمہ لطف ست و کرامت
پاکیزہ لوگوں کا ظلم، سب مہربانی اور بخشش ہے

کوتہ نکند بحثِ سرِ زلفِ تو حافظ
حافظ تیرے زلف کے قصّہ کی بحث کو مختصر نہیں کرتا ہے

پیوستہ شد ایں سلسلہ تا روزِ قیامت
یہ سلسلہ، تو قیامت کے دن سے پیوستہ ہے

ردیفِ ثاءِ مثلّثہ

الغیاث[6] اے مایۂ جاں الغیاث
فریاد ہے، اے جان کے سرمایہ! فریاد ہے

کفرِ زلفت[7] بُرد ایماں الغیاث
تیری زلف کا کفر ایمان لے گیا، فریاد ہے

ما ہمیٔ لیسیم لب از تشنگی
ہم پیاس سے، ہونٹ چاٹ رہے ہیں

در لبانت[8] آبِ حیواں الغیاث
تیرے ہونٹوں میں آبِ حیات ہے، فریاد ہے

وہ کجا شد شربتِ دیدارِ تو
ہائے! تیرے دیدار کا شربت کہاں چلا گیا؟

میکُشد تلخیٔ ہجراں الغیاث
ہجر کی تلخی مارے ڈالتی ہے، فریاد ہے

ما ز گریہ غرق در خوں گشتہ ایم
ہم رونے کی وجہ سے خون میں ڈوبے ہوئے ہیں

لعلِ[9] تو پیوستہ خنداں الغیاث
تیرے ہونٹ مسلسل مسکرا رہے ہیں، فریاد ہے

غمزۂ شوخِ تو از راہِ اجل
تیری شوخ ادا، موت کے راستہ سے

میزند در دیدہ پیکاں الغیاث
چھپا کر تیر چلا رہی ہے، فریاد ہے

---

[1] یعنی اپنی جہاں بیں آنکھوں کا سرمہ بنا لوں

[2] معشوق کی چھ چیزوں کے حسن نے مجھے شش جہت سے گھیر لیا ہے۔

[3] جو شخص عشق کی خواہ مخواہ ڈینگیں مارتا ہے اس سے ہماری صاحب سلامت نہیں ہے۔

[4] دوستوں کے مظالم کا شکوہ ہے کہ یہ قتل بھی کرتے ہیں پھر مقتول سے ہی تاوان مانگتے ہیں۔

[5] محبوب سے کوئی شکوہ شکایت نہیں اس لئے کہ اس کا تو کرم ہی کرم ہے

[7] زلف کی سیاہی کو کفر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

[8] محبوب کے پاس آبِ حیات ہے اور ہم پیاس سے ہونٹ چوس رہے ہیں۔

[9] لعل یعنی ہونٹ۔

ازخدنگِ ناوکِ مژگانِ تو — زخمہا افتادہ در جاں الغیاث
تیری پلکوں کے تیر اور نیزے سے — جان میں زخم پڑ گئے ہیں، فریاد ہے

چوں دو زلفت کرد سرگرداں مرا — گردشِ گردونِ گرداں الغیاث
تیری دو زلفوں کی طرح، مجھے پریشان کر دیا — چکر کھانے والے آسمان کی گردش نے، فریاد ہے

ہمچو گوی از زخمِ چوگانِ فلک — ہر طرف گشتیم غلطاں الغیاث
آسمان کے بلّے کی چوٹ سے، گیند کی طرح — ہم ہر طرف لڑھک رہے ہیں، فریاد ہے

پیچشِ زلفِ تو در جانم فتاد — رشتۂ تن گشت پیچاں الغیاث
تیری زلفوں کا پھندا میری جان میں پڑ گیا ہے — بدن کا دھاگا اُلجھ گیا ہے، فریاد ہے

چشمِ بیمارت مرا بیمار کرد — جز لبانت نیست درماں الغیاث
تیری بیمار آنکھوں نے، مجھے بیمار کر دیا — تیرے ہونٹوں کے سوا، علاج نہیں ہے، فریاد ہے

باطنابِ زلف حافظ را بکش
حافظ کو، زلف کی رسّی کے ذریعہ، کھینچ لے
ماندہ در چاہِ زنخداں الغیاث
جو ٹھوڑی کے کنویں میں گر پڑا ہے، فریاد ہے

بازم ہوائے آں گُل رعناست الغیاث — دیگر دلم رمیدہ و شیداست الغیاث
مجھے پھر اس حسین پھول کی خواہش ہے، فریاد ہے — میرا دل پھر شیدا اور دیوانہ ہے، فریاد ہے

آں دل کہ کنجِ عافیتے برگزیدہ بود — ایں دم بعزمِ درد و بلاہاست الغیاث
وہ دل، جس نے عافیت کا گوشہ اختیار کر لیا تھا — اس وقت درد اور مصیبت کی ٹھانے ہوئے ہے، فریاد ہے

صوفی کہ جامِ صاف دمادم ہمیکشید — حیرانِ کوئے او شدہ رسواست الغیاث
وہ صوفی، جو صاف جام برابر چڑھا رہا تھا — اس کے کوچہ میں حیران ہو کر رسوا ہے، فریاد ہے

عارف کہ غرق بود بناموسِ ننگ و نام — افتادہ در ملامت و سوداست الغیاث
وہ عارف، جو ننگ و نام کے ناموس میں ڈوبا ہوا تھا — وہ ملامت، اور جنون میں پھنسا ہے، فریاد ہے

از جانِ زارِ حافظ و سرگشتگانِ شوق
حافظ کی لاغر جان، اور شوق کے دیوانوں کی جانب سے
فریاد و شور و ولولہ برخاست الغیاث
فریاد، اور شور، اور ولولہ اٹھا ہے، فریاد ہے

دردِ مارا نیست درماں الغیاث — ہجرِ مارا نیست پایاں الغیاث
ہمارے درد کا علاج نہیں ہے، فریاد ہے — ہمارے ہجر کی انتہا نہیں ہے، فریاد ہے

دین و دل بردند و قصدِ جاں کنند — الغیاث از جورِ خوباں الغیاث
دین اور دل لوٹ لے گئے، اور جان کا ارادہ کر رہے ہیں — فریاد ہے، حسینوں کے ظلم سے، فریاد ہے

در بہائے بوسہ جانے طلب — میکنند ایں دلستاناں الغیاث
ایک بوسہ کی قیمت میں، جان طلب — کرتے ہیں، یہ دل لے لینے والے، فریاد ہے

---

۱ ابرو کو کمان اور پلکوں کو تیر قرار دیا۔
۲ زلف کو پریشان قرار دیا جاتا ہے۔
۳ جسم کو دھاگا قرار دیا ہے۔
۴ ٹھوڑی کے گڑھے کو کنواں اور زلف کو رسّی قرار دیا ہے۔
۵ عشق کا ارادہ درد و بلا کا ارادہ ہے۔
۶ عارف جو عشق سے پہلے ننگ و نام کی فکر میں پڑا تھا اب عشق و ملامت میں پھنسا ہے۔
۷ ہمارا درد لا دوا ہے، اور ہجر لاانتہا ہے۔
۸ حسینوں نے دین اور دل تو لوٹ لیا اب ہماری جان کی فکر میں لگے ہیں۔
۹ ایک بوسہ کی قیمت میں جان مانگتے ہیں۔

خونِ ما خوردند ایں کافر دلاں
یہ کافر دل، ہمارا خون پی گئے

اے مسلماناں چہ درماں الغیاث
اے مسلمانو! کیا علاج ہے، فریاد ہے

دادِ مسکیناں بدہ اے روزِ وصل[1]
اے وصل کے دن مسکینوں کی فریادرسی کر

از شبِ یلدائے ہجراں الغیاث
ہجر کی تاریک رات سے، فریاد ہے

ہر زمانم دردِ دیگر میرسد
مجھے ہر آن، نیا درد پہنچتا ہے

زیں حریفاں بر دل و جاں الغیاث
ان دوستوں سے دل، اور جان پر، فریاد ہے

ہمچو حافظ روز و شب بے خویشتن
حافظ کی طرح، دن رات بے خود

گشتہ ام سوزاں و گریاں الغیاث
سوزاں، اور گریاں بنا ہوں، فریاد ہے

ردلیفِ جیمِ عربی

آتش اندر آبِ افسردہ ست یا مے در زجاج[2]
ٹھہرے ہوئے پانی میں آگ ہے، یا شیشہ میں شراب

یا درخشاں در میانِ چشمۂ حیواں سراج
یا آبِ حیات کے چشمہ کے درمیان، روشن چراغ ہے

از کفِ آزادگاں غائب مکن آں جام را[3]
اس جام کو آزادوں کی ہتھیلی سے جدا نہ رکھ

کاہلِ دل را کارِ عشرت زاں ہمیگیرد رواج[4]
اس لیے کہ اہلِ دل کے عیش کا کام اسی سے رواج پکڑتا ہے

ساقیا در دہ زبہر اہلِ روح و اہلِ دل
اے ساقی! اہلِ روح، اور اہلِ دل کے لئے دے

آنچناں راحے کہ با جاں ہست آں را امتزاج
وہ شراب، جس کا جان کے ساتھ میل ہے

من چنیں ز آغازِ فطرت عاشق و مست آمدم
میں ابتدائے پیدائش سے ایسا ہی عاشق اور مست ہوں

بر نتابم رو ازیں رہ تا بوقتِ اندراج[5]
دفن کے وقت تک اس راستہ سے منہ نہ موڑوں گا

برفگن برقع ز رخ کز نازکی مانی بداں[6]
رخ سے برقعہ ہٹا دے اس لئے کہ نزاکت کی وجہ سے تو مانند

تازہ گل کز وے رباید بادِ شبگیری رواج
اس تازہ پھول کے ہے جس کی رونق رات کی ہوا اڑا دیتی ہے

احتیاجِ من بوصلِ خویشتن دانستۂ
تو نے اپنے وصل سے متعلق میری ضرورت جان لی ہے

دوستاں را دستگیری کن بوقتِ احتیاج
ضرورت کے وقت، دوستوں کی دستگیری کر

عاشقانِ کوئے جاناں با گدائی سرخوش اند
محبوب کے کوچہ کے عاشق گدائی پر خوش ہیں

اینچنیں شہ را کجا باشد نظر بر تخت و تاج[7]
ایسے بادشاہ کی نظر، تخت و تاج پر کب پڑتی ہے

بشنو ایں نکتہ تو از حافظ کہ باشد سودمند
یہ نکتہ تو حافظ سے سن لے مفید ہوگا

بادہ نوش و خیر کن کیں بہ ز مالِ میرِ حاج
شراب پی، اور بھلائی کر یہ امیر الحاج کے مال سے بہتر ہے

---

[1] شبِ ہجر کی تکلیف پر وصل کے روز سے فریاد طلب کی ہے۔
[2] شراب کو آتش سے، اور شیشے کے جام کو، جمے ہوئے پانی سے، تشبیہ دی ہے دوسرے مصرع میں شراب کو، چراغ اور جام کو چشمۂ آبِ حیات قرار دیا ہے۔
[3] آں جام سے مراد شیشے کا جام ہے جس کا ذکر پہلے شعر میں کیا ہے
[4] کام کا رواج پانا یعنی پُر رونق ہونا۔
[5] وقتِ اندراج یعنی قبر میں داخل ہونے کا وقت۔
[6] یعنی اس قدر نازک چہرہ ہے کہ نقاب کو بھی برداشت نہیں کرتا۔
[7] جو معشوق کے کوچہ کی گدائی میں مست ہے اس کو تاجِ شاہی کی کیا پرواہ ہے۔

سزد کہ از ہمہ دلبراں ستانی باج
تواس کے لائق ہے کہ تمام دلبروں سے خراج وصول کرے
چرا کہ بر سر خوبانِ عالمی چوں تاج
اس لیے کہ تو تمام حسینوں کے سر پر تاج کی طرح ہے

دو چشم شوخ تو برہم زدہ خطا و ختن
تیری دو شوخ آنکھوں نے خطا، اور ختن کو تہ و بالا کر دیا
بچین زلفِ تو ماچین و ہند دادہ خراج
تیری زلفوں کی شکن کو ماچین اور ہندوستان نے خراج ادا کیا ہے

بیاضِ روئے تو روشن چو عارضِ خورشید
تیرے چہرے کی سفیدی آفتاب کے رخ کی طرح روشن ہے
سوادِ زلفِ تو تاریکتر ز ظلمتِ داج
تیری زلف کی سیاہی اندھیری رات کی سیاہی سے زیادہ سیاہ ہے

لبِ تو خضر و دہانِ تو آبِ حیوان ست
تیرا ہونٹ خضر، اور تیرا منہ آبِ حیات ہے
قدِ تو سرو و میانِ تو موی و گردن عاج
تیرا قد سرو، اور تیری کمر بال، اور گردن ہاتھی دانت ہے

ازیں مرض بحقیقت کجا شفا یابم
میں اس مرض سے حقیقتاً کہاں شفا پا سکتا ہوں
کہ از تو درد دلِ من نمیرسد بعلاج
جبکہ تجھ سے میرے دل کے درد کا علاج نہیں ہوتا ہے

دہانِ تنگِ تو دادہ بآبِ خضر بقا
تیرے تنگ منہ نے آبِ حیات کو بقا عنایت کی ہے
لبِ چو قندِ تو برد از نباتِ مصر رواج
تیرے قند جیسے ہونٹ نے مصری کی رونق ختم کر دی

چرا ہمی شکنی جانِ من ز سنگ دلی
جانِ من، سنگدلی سے کیوں توڑتا ہے؟
دلِ ضعیف کہ ہست او بنازکی چو زجاج
اس ضعیف دل کو جو نزاکت میں کانچ کی طرح ہے

فتادہ در دلِ حافظ ہوائے چوں تو شہے
تجھ جیسے شاہ کی محبت حافظ کے دل میں پیدا ہوئی ہے
کمینہ بندۂ خاکِ درِ تو بودے کاج
کاش! کہ وہ تیرے دروازے کی خاک کا ادنیٰ غلام ہوتا

ردلیفِ جیمِ فارسی

از منِ سوختہ آں یار نمیپرسد، ہیچ
مجھ جلے ہوئے کے بارے میں وہ یار کچھ نہیں پوچھتا ہے
خبرے زیں دلِ افگار نمیپرسد ہیچ
وہ اس زخمی دل کی کوئی خبر معلوم نہیں کرتا ہے

او طبیبِ من و من خستہ و بیمارِ غمش
وہ میرا طبیب ہے، اور میں اس کے غم میں خستہ اور بیمار ہوں
چہ طبیبیست کہ بیمار نمیپرسد ہیچ
کیسا طبیب ہے کہ بیمار کو کچھ نہیں پوچھتا ہے

دی طبیبے ببسرم آمد و احوالم دید
کل ایک طبیب میرے سرہانے آیا اور میرے احوال دیکھے
گفت چونست ترا یار نمیپرسد ہیچ
بولا کیا ہوا ہے، یار تجھے کچھ نہیں پوچھتا ہے

گفتمش بختِ من و طالع شوریدۂ من
میں نے اس سے کہا میں اپنے نصیب اور منحوس مقدر کو
خفتہ می بینم و بیدار نمیپرسد ہیچ
سویا ہوا دیکھ رہا ہوں اور بیدار کچھ نہیں پوچھتا ہے

جانم از فرقتِ رویش بلب آمد صد بار
اس کے چہرے کے فراق سے میری جان سو بار ہونٹوں پر آئی
کہ ازیں دل شدہ آں یار نمیپرسد ہیچ
کیونکہ اس گم شدہ دل کے بارے میں وہ یار کچھ نہیں پوچھتا ہے

۱؎ جبکہ تو سب حسینوں کا سرتاج ہے تو سب سے خراج وصول کر۔
۲؎ خطا اور ختن اور ماچین ملکوں کے نام ہیں۔
۳؎ لب کو خضر اور منہ کو آبِ حیات اور قد کو سرو اور کمر کو بال اور گردن کو ہاتھی دانت سے تشبیہ دی ہے
۴؎ مرض کا علاج صرف محبوب کے پاس ہے جب وہ علاج نہیں کرتا ہے تو شفا کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔
۵؎ خضر کو دائمی زندگی تیرے منہ کے آبِ حیات سے حاصل ہوئی ہے۔ مصر کی بنی ہوئی مصری مشہور ہے
۶؎ معشوق کے دل کو پتھر اور اپنے دل کو آبگینہ قرار دیا ہے۔
۷؎ حالانکہ طبیب کا کام بیمار پرسی ہے۔
۸؎ یعنی میں، جس کا دل گم ہو گیا ہے۔

دوش در خواب چو من ماہِ رخِ او دیدم
شب گذشتہ خواب میں جب میں نے اُس کے رُخ کے چاند کو دیکھا
گفت گہ گاہ ترا یار نمی پرسد ہیچ
وہ بولا کبھی کبھی وہ یار تجھے کچھ نہیں پوچھتا ہے

اے طبیبِ ازلی یک نظرے کن ما را
اے ازلی طبیب ایک نظر ہم پر ڈال دے
حافظِ سوختہ را یار نمی پرسد ہیچ
سوختہ حافظ کو، یار کچھ نہیں پوچھتا ہے

ردیفِ حائے حطی

اگر بمذہبِ تو خونِ عاشق ست مباح
اگر تیرے مذہب میں، عاشق کا خون بہانا جائز ہے
صلاحِ[1] ما ہمہ آنست کاں ترا ست صلاح
تو ہماری بھی وہی صلاح ہے جو تیری صلاح ہے

سوادِ موئے تو تفسیرِ جاعل الظلمات[2]
تیرے بالوں کی سیاہی جاعل الظلمات کی تفسیر ہے
بیاضِ روئے تو تبیانِ فالق الاصباح
تیرے چہرے کی سفیدی فالق الاصباح کی تشریح ہے

ز دیدہ ام شدہ صد چشمہ در کنار رواں
میری آنکھوں سے بغل میں سو چشمے جاری ہو گئے ہیں
کہ خود شنا بکند در میانِ آں ملاح[3]
کہ خود ملاح ان میں تیرتا ہے

لبِ چو آبِ حیاتِ تو ہست قوتِ روح
ترا آبِ حیات جیسا ہونٹ روح کی طاقت ہے
وجودِ خاکیِ ما را ازوست قوتِ رواح
ہمارے خاکی وجود کو اس سے شام کی روزی حاصل ہوتی ہے

ز چنگ زلف[4] کمندت کسے نیافت خلاص
تیری زلف کی کمند کے چنگل سے کسی نے خلاصی نہیں پائی
نہ از کمانچہ ابرو و تیرِ غمزہ نجاح
نہ ابرو کے کمانچہ، اور ادا کے تیر سے کسی کا بچاؤ ہوا ہے

بیا کہ خونِ دلِ خویشتن بحل[5] کردم
آجا، میں نے اپنے دل کا خون معاف کر دیا ہے
اگر بمذہبِ تو خونِ عاشق ست مباح
اگر تیرے مذہب میں، عاشق کا خون حلال ہے

نداد لعلِ لبش بوسہ بصد تلبیس
سو چالاکیوں سے بھی اس کے لعل جیسے ہونٹ نے ایک بوسہ نہیں دیا
نیافت کامِ دلِ من ازو بصد الحاح[6]
سو مرتبہ اصرار کے بعد بھی، میرے دل نے اس سے مقصد حاصل نہیں کیا

صلاح و توبہ و تقویٰ ز ما مجو زاہد
اے زاہد ہم سے نیکی، اور تقویٰ، اور توبہ نہ طلب کر
ز رند و عاشق و مجنوں کسے نجست صلاح
رند، عاشق اور مجنوں سے کوئی نیکی کا طالب نہیں ہوا ہے

پیالہ[7] چیست کہ بر یادِ تو کشیم مدام
پیالہ کیا ہے جو ہمیشہ ہم تیری یاد پر پئے جائیں
و نحن نشرب بشربا کذالک الاقداح
اور ہم تو ایسے پیالے، خوب پیتے ہیں

دعائے جانِ تو وردِ زبانِ حافظ باد
تیری جان کی دعا، حافظ کی زبان کا وظیفہ رہے
مدام تا کہ بود گردشِ مسا و صباح[8]
ہمیشہ جب تک بھی شام اور صبح کی گردش رہے

---

[1] ہم تو راضی برضائے یار ہیں۔
[2] جاعل الظلمات، یعنی وہ خدا تاریکیوں کا پیدا کرنیوالا ہے۔ فالق الاصباح یعنی وہ خدا صبح کو نمودار کرنیوالا ہے
[3] آں ملاح سے مراد محبوب ہے۔
[4] زلف کو کمند ابرو کو کمان اور ادا کو تیر قرار دیا ہے۔
[5] بحل کردن معاف کر دینا، یعنی میں تجھ سے اپنے خون کا عوض نہ لونگا۔
[6] انتہائی اصرار اور مکر سے بھی اس کا ایک بوسہ نہ لے سکا۔
[7] اس کی یاد پر ایک پیالہ نہیں بلکہ بہت سے پیالے پیئے۔
[8] یعنی قیامت تک۔

ببین ہلالِ محرم بخواہ ساغرِ راح
محرم کا چاند دیکھ، شراب کا ساغر مانگ
کہ ماہِ امن و امانست و سالِ صلح و صلاح
اس لیے کہ امن اور امان کا مہینہ ہے اور صلح اور نیکی کا سال ہے

عزیز دار زمانِ وصال را کآں دم
وصال کے زمانے کو عزیز رکھ، اس لیے کہ وہ وقت
مقابلِ شبِ قدرست و روزِ استفتاح
شبِ قدر اور کامیابی کے دن کے بالمقابل ہے

نزاع بر سرِ دنیائے دوں کسے نکند
کمینی دنیا کے معاملہ میں کوئی جھگڑا نہیں کرتا ہے
بیا کہ گوئے فلاح
بآشتی برائے نورِ دیدہ گوئے فلاح
اے نورِ چشم! کامیابی کی گیند صلح سے نکال لے جا

دلا تو فارغی از کارِ خویش و میترسم
اے دل! تو اپنے کام سے بے فکر ہے اور مجھے ڈر ہے
کہ کس درت نکشاید چو گم کنی مفتاح
کہ جب تو کنجی گم کر دے تو کوئی تیرا دروازہ نہ کھولے گا

بیار بادہ کہ روزش بخیر خواہد بود
شراب لے آ، اس لیے کہ اس شخص کا دن خیریت سے گزرے گا
ہر آنکہ جامِ صبوحش نہد چراغِ صباح
صبح کا چراغ، جس کا صبح کا جام تیار کرے گا

کدام طاعتِ شایستہ آید از منِ مست
مجھ مست سے کونسی مہذب عبادت ہو سکتی ہے؟
کہ رنگِ صبح ندانم ز فالقُ الاصباح
جبکہ میں صبح کے پیدا کرنے والے کی جانب سے صبح کا رنگ نہیں جانتا ہوں

زمانِ شاہِ شجاع ست و دورِ حکمتِ شرع
شاہ شجاع کا زمانہ ہے اور شرع کی دانائی کا دور ہے
براحت اے دل و جاں کوش در مسا و صباح
اے جان اور دل! صبح اور شام راحت کی کوشش کر

بوئے صبح چو حافظ شبے بروز آور
صبح کی تمنا میں حافظ کی طرح رات کو دن بنا دے
کہ بشگفد گلِ عیشت ز شعلۂ مصباح
تاکہ چراغ کے شعلہ سے تیرے عیش کا پھول کھلے

ردیفِ خائے معجمہ

دلِ من در ہوائے روئے فرخ
فرخ کے چہرے کی محبت میں میرا دل
شدہ آشفتہ ہمچو موئے فرخ
فرخ کی بالوں کی طرح پریشان ہے

بجز ہندوئے زلفش ہیچکس نیست
اس کی زلف کے حبشی کے سوا کوئی نہیں ہے
کہ برخوردار شد از روئے فرخ
جو فرخ کے چہرے سے، نفع اندوز ہوا ہو

سیاہِ نیک بخت ست آنکہ دائم
کالا نیک بخت ہی ہے، جو کہ ہمیشہ
بود ہمراز و ہمزانوئے فرخ
فرخ کا ہمراز، اور مصاحب رہتا ہے

شود چوں بیدِ لرزاں سروِ آزاد
آزاد سرو لرزنے والے بید کی طرح ہو جائے
اگر بیند قدِ دلجوئے فرخ
اگر فرخ کا دلپسند قد دیکھ لے

بدہ ساقی شرابِ ارغوانی
اے ساقی! سرخ شراب پلا
بیادِ نرگسِ جادوئے فرخ
فرخ کی جادو کی آنکھ کی یاد میں

۱۔ ماہِ محرم ان چار مہینوں میں سے ہے جن میں قتال حرام ہے
۲۔ وصال کا زمانہ شبِ قدر اور کامیابی کے دن سے بھی زیادہ افضل ہے۔
۳۔ جو شخص خود اپنی فکر نہیں کرتا کوئی دوسرا بھی اس کی مدد نہیں کرتا ہے۔
۴۔ جو شخص صبوحی پی لے گا اس کا سارا دن خیریت سے گزرے گا۔
۵۔ ہم تو ایسے مست ہے ہیں کہ ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ صبح کس رنگ میں نمودار ہو گی تو ہم سے اس کی شان کے مطابق کیا عبادت ادا ہو سکتی ہے
۶۔ فرخ حافظ کے محبوب کا نام ہے، زلف کو پریشان قرار دیا جاتا ہے
۷۔ سیاہ سے مراد زلف ہے یعنی وہ زلف ہی اس کے رخ سے لطف اندوز ہے اور وہی اسکی مصاحب اور ہمراز ہے۔

دو تا شد قامتم ہمچوں کمانے
میرا قد کمان کی طرح دوہرا ہوگیا ہے

زغم پیوستہ چوں ابروئے فرخ
اس غم کی وجہ سے، جو فرخ کی ابروؤں کی طرح پیوستہ ہے

نسیم مشکِ تاتاری خجل کرد
تاتار کے مشک کی ہوا کو شرمندہ کر دیا

شمیم موئے عنبر بوئے فرخ
فرخ کے عنبریں بالوں کی خوشبو نے

اگر میلِ دلِ ہر کس بجائے ست
اگر ہر انسان کے دل کا جھکاؤ ایک طرف کو ہے

بود میلِ دلِ من سوئے فرخ
میرے دل کا جھکاؤ فرخ کی جانب ہوگا

غلامِ خاطرِ آنم کہ باشد
میں اس شخص کی طبیعت کا غلام ہوں، جو ہو

چو حافظ چاکرِ ہندوئے فرخ
حافظ کی طرح، فرخ کی زلفوں کا خادم

ردلیفِ دالِ مہملہ

ابر آذاری برآمد بادِ نوروزی وزید
آذار کا ابر آگیا اور نوروز کی ہوا چل پڑی

دورِ مے میخواہم و مطرب کہ میگوید رسید
میں شراب کا دور اور ایسا گویا چاہتا ہوں جو گائے کہ وہ آگیا

شاہداں در جلوہ و من شرمسارِ کیسہ ام
معشوق جلوے میں ہیں اور میں تھیلی سے شرمندہ ہوں

اے فلک ایں شرمساری تابکے باید کشید
اے آسمان! یہ شرمندگی کب تک اٹھائی جائے گی

قحطِ جود ست آبروئے خود نمی باید فروخت
سخاوت کا قحط ہے اپنی آبرو فروخت نہ کرنی چاہیے

بادہ و گل از بہائے خرقہ می باید خرید
شراب اور پھول گدڑی کی قیمت سے خرید لینے چاہئیں

غالباً خواہد کشود از دولتم کارے کہ دوش
بڑی خوش قسمتی سے غالباً معاملہ حل ہو جائے گا اس لئے کہ شب گزشتہ

من ہمیکردم دعا و صبح آمیں میدمید
میں دعا کر رہا تھا اور آمین کی صبح نمودار ہو رہی تھی

با لبے و صد ہزاراں خندہ گل آمد بباغ
پھول مسکراہٹ اور ہزاروں قہقہوں کے ساتھ باغ میں آگیا

از کریمے گوئیا از گوشۂ بوئے شنید
گویا کسی سخی کی کسی کونے سے اس نے خوشبو سونگھ لی

دامنے گر چاک شد در عالمِ رندی چہ باک
رندی کی حالت میں اگر دامن چاک ہو گیا ہے تو کیا پرواہ ہے

جامۂ در نیکنامی نیز می باید درید
ایک لباس نیکنامی میں بھی، چاک کرنا چاہیے

ایں لطائف کز لبِ لعلِ تو من گفتم کہ گفت
یہ لطائف جو میں تیرے لب لعل کے بیان کئے ہیں کس نے بیان کئے

واں تطاول کز سرِ زلفِ تو من دیدم کہ دید
اور وہ دست درازیاں جو تیری زلف کی میں نے برداشت کیں کس نے کی ہیں

عدلِ سلطاں گر نپرسد حالِ مظلومانِ عشق
عشق کے مظلوموں کا حال اگر بادشاہ کا انصاف دریافت نہیں کرتا ہے

گوشہ گیراں راز آسایش طمع باید برید
تو گوشہ نشینوں کو عافیت کا لالچ، ختم کر دینا چاہیے

تیرِ عاشق کُش ندانم بر دلِ حافظ کہ زد
عاشق کو مار ڈالنے والا تیر معلوم حافظ کے دل پر کس نے مارا ہے

ایں قدر دانم کہ از شعرِ ترش خوں میچکید
میں اس قدر جانتا ہوں کہ اسکے تازہ شعروں سے خون ٹپک رہا تھا

۱؎ معشوق کی دونوں ابروؤں کو ملا ہوا ظاہر کیا جاتا ہے۔
۲؎ معشوق کی خوشبو سے تاتاری مشک کی خوشبو بھی شرمندہ ہے۔
۳؎ آذار بہار کا ایک مہینہ ہے نوروز موسم بہار کا پہلا دن ہے، اسی دن جمشید تخت نشین ہوا تھا۔
۴؎ چونکہ میرے پاس نچھاور کرنے کو کچھ نہیں ہے لہٰذا میں شرمندہ ہوں۔
۵؎ لبی، وہ مسکراہٹ جو ہونٹوں پر ہو۔

اگر آں[1] طائرِ قدسی ز درم باز آید
اگر وہ پاک پرندہ میرے دروازہ سے لوٹ آئے

عمرِ بگذشتہ بہ پیرانہ سرم باز آید
میرے بڑھاپے میں گذشتہ عمر لوٹ آئے

دارم امید بداں اشک چو باراں کہ مگر
ان بارش جیسے آنسوؤں سے مجھے امید ہے کہ شاید

برقِ دولت کہ برفت از نظرم باز آید
خوش قسمتی کی بجلی جو میری نگاہوں سے گذر گئی ہے لوٹ آئے

آنکہ پیشش بنہد تاجِ تکبر خورشید
وہ جس کے سامنے سورج تکبر کا تاج اتار کر رکھ دیتا ہے

بادشاہی بکنم گر بسرم باز آید
میں بادشاہی کروں، اگر وہ میرے پاس لوٹ آئے

گر نثارِ[3] قدمِ یارِ گرامی نہ کنم
اگر معزز دوست کے پیروں پر نچھاور نہ کروں

جوہرِ جاں بچہ کارِ دگرم باز آید
جان کا گوہر، پھر میرے کس کام آئے

آنکہ تاجِ سرِ من خاکِ کفِ پایش بود
جس کے تلوے کی خاک میرے سر کا تاج تھی

از خدا می طلبم تا بسرم باز آید
خدا سے چاہتا ہوں، وہ میرے پاس لوٹ آئے

کوسِ[4] نو دولتی از بامِ سعادت بزنم
نئی دولت کا نقارہ، نیک بختی کے بالا خانہ پر بجواؤں

گر بہ بینم کہ مہِ نو سفرم باز آید
اگر میں دیکھوں، کہ میرا چاند سفر سے لوٹ آیا ہے

خواہم[5] اندر عقبش رفت چو یارانِ عزیز
پیارے دوستوں کی طرح میں بھی اس کے پیچھے جاؤں گا

شخصم ار باز نیاید خبرم باز آید
اگر میرا وجود لوٹ کر نہ آئے گا، میری خبر تو لوٹے گی

مانعش غلغلِ چنگ است و شکر خوابِ صبوح
اس کے لیے ستار کی آواز اور صبح کی میٹھی نیند مانع ہے

ورنہ گر بشنود آہِ سحرم باز آید
ورنہ اگر وہ میری صبح کی آہ سن لے تو لوٹ آئے

آرزومندِ رُخِ شاہِ چو ماہم حافظ
اے حافظ میں اپنے چاند جیسے شاہ کے رُخ کا آرزومند ہوں

ہمتے[6] تا بسلامت ز درم باز آید
توجہ کیجئے! تاکہ سلامتی کے ساتھ میرے دروازے سے لوٹ آئے

از دیدہ خونِ دل ہمہ بر روئے ما رود
دل کا تمام خون، آنکھوں سے ہمارے چہرے پر بہتا ہے

بر روئے ما ز دیدہ ندانم چہا رود
ہمارے چہرے پر آنکھوں کی وجہ سے معلوم کیا گذرے؟

ما در[8] درونِ سینہ ہوائے نہفتہ ایم
ہم نے سینہ میں، ایک عشق چھپایا ہے

بر باد اگر رود سرِ ما زاں ہوا رود
اگر ہمارا سر برباد ہوگا، اسی عشق سے برباد ہوگا

بر خاکِ راہِ یار نہادیم روئے خویش
ہم نے اپنا چہرہ، یار کے راستہ کی خاک پر دھر دیا ہے

بر روئے ما رواست اگر آشنا رود
اگر دوست، ہمارے چہرے پر چلے تو درست ہے

سیلے[9] ست آبِ دیدہ و بر ہر کہ بگذرد
آنکھوں کے آنسو ایک بہاؤ ہیں جس شخص پر سے بھی گذرے

گر خود دلش ز سنگ بود ہم ز جا رود
خواہ اس کا دل پتھر کا بھی ہو جگہ سے ہل جائے گا

ما را[10] بآبِ دیدہ شب و روز ماجراست
آنکھ کے آنسوؤں سے ہمارا دن رات جھگڑا ہے

زیں رہگذر کہ بر سرِ کویش چرا رود
اس راستے سے جو اس کے کوچہ کے سرے پر ہے کیوں بہہ کر جاتے ہیں

خورشیدِ خاوری کند از رشک جامہ چاک
مشرق کا سورج رشک سے جامہ چاک کر دے

گر ماہِ مہر پرورِ من در قبا رود
اگر میرا محبت پرور چاند، قبا پہن کر چلے

[1] طائرِ قدسی سے مراد معشوق ہے یعنی اگر وہ لوٹ آئے تو میں از سرِ نو جوان ہو جاؤں۔
[2] برق سے مراد معشوق ہے بارش کے ساتھ بجلی کوندتی ہی ہے۔
[3] جو جان معشوقوں کے قدموں پر نچھاور نہ کی جا سکے وہ بیکار ہے۔
[4] یعنی معشوق کے واپس آ جانے پر مجھے از سرِ نو دولت ہاتھ آ جائے گی۔
[5] جس طرح میرے اور دوستوں نے جان گنوائی ہے میں بھی معشوق کے پیچھے جان گنوا دوں گا
[6] ہمت سے مراد باطنی توجہ ہوتی ہے۔
[7] یعنی آنکھوں کی بدولت چہرے کو معلوم کیا کیا مصیبتیں بھگتنی پڑیں گی۔
[8] سینہ کی چھپی ہوئی محبت ہمیں برباد کر کے چھوڑے گی۔
[9] بہاؤ سے پتھر اپنی جگہ سے ہل جاتے ہیں۔
[10] یعنی مجھے اپنے آنسوؤں سے رشک ہو گیا ہے کہ وہ بہکر معشوق کے کوچہ کی طرف کیوں جاتے ہیں۔

حافظ بکوئے میکدہ دائم بصدقِ دل
حافظ صدق دل سے، شراب خانہ کے کوچہ کی طرف

چوں صوفیاں بصفۂ دار الصفا رود
اس طرح جاتا ہے، جیسے صوفیا دار الصفا کے چبوترے کی طرف

از سرِ کوئے تو ہر کو بملالت برود
جو شخص تیرے کوچہ سے رنجیدہ ہوکر جاتا ہے

نرود کارش و آخر بخجالت برود
اس کا مقصد حاصل نہیں ہوتا اور انجام کار شرمندہ ہوکر جاتا ہے

سالک از نورِ ہدایت طلبد راہ بدوست
سالک، ہدایت کے نور سے دوست کے راستہ کو تلاش کرتا ہے

کہ بجائے نرسد گر بضلالت برود
اس لیے کہ وہ کسی جگہ بھی نہیں پہونچ سکتا ہے اگر گمراہی سے چلے

کردہ آخر عمر از مے و معشوق بگیر
تو نے عمر ختم کردی، شراب اور معشوق حاصل کر

حیف اوقات کہ یکسر بطالت برود
ان اوقات پر افسوس ہے، جو بالکل باطل میں گذریں

اے دلیلِ دلِ گم گشتہ خدارا مددے
اے گم شدہ دل کے راہنما خدا کے لئے مدد کر

کہ غریب ار نبرد رہ بدلالت برود
اس لیے کہ مسافر اگر صحیح راستہ پر نہیں چلتا ہے تو راہنمائی سے چل پڑتا ہے

حکمِ مستوری و مستی ہمہ بر خاتمہ است
تقویٰ، اور مستی کا فیصلہ خاتمہ پر ہے

کس ندانست کہ آخر بچہ حالت برود
کوئی نہیں جانتا ہے، کہ آخر میں کس حالت پر چلے گا

کاروانے کہ بود بدرقہ اش لطفِ خدا
جس قافلہ کا راہنما، خدا کی مہربانی ہو

بتجمل بنشیند بجلالت برود
خوبصورتی سے مقیم ہوتا ہے، دبدبہ کے ساتھ چلتا ہے

حافظ از چشمۂ حکمت بکف آور جامے
اے حافظ! دانائی کے چشمہ سے جام بھر لے

بوکہ از لوحِ دلت نقشِ جہالت برود
ہوسکتا ہے کہ تیرے دل کی تختی سے نادانی کا نقش جاتا رہے

آں کس کہ بدست جام دارد
وہ شخص، جو ہاتھ میں جام رکھتا ہے

سلطانیِ جم مدام دارد
ہمیشہ، جمشید کی سلطنت رکھتا ہے

آبے کہ خضر حیات ازو یافت
وہ پانی، جس سے خضر نے زندگی حاصل کی

در میکدہ جو کہ جام دارد
شراب خانہ میں تلاش کر کیونکہ وہ پیمانہ اپنے اندر رکھتا ہے

سر رشتۂ جم بجام بگذار
جمشید کا سر رشتہ، جام کے حوالے کر دے

کایں رشتہ ازو نظام دارد
اس لیے، کہ اس کا رشتہ اسی سے تعلق رکھتا ہے

بیروں ز لبِ تو ساقیا نیست
اے ساقی! تیرے ہونٹ سے باہر نہیں ہے

در دور کسے کہ کام دارد
زمانہ میں کوئی ایسا شخص، جو مقصد رکھتا ہو

ما و مے و زاہدان و تقویٰ
ہم ہیں اور شراب، زاہد ہیں اور پرہیز گاری

تا یار سرِ کدام دارد
دیکھو! دوست کس کا خیال رکھتا ہے

بر سینۂ ریشِ دردمنداں
درد مندوں کے، زخمی سینہ پر

لعلت نمکے تمام دارد
ترا ہونٹ، تمام تر نمک رکھتا ہے

۱؎ صُفّہ اس چبوترے کو کہتے ہیں جس پر سائبان ہو، دار الصفا یعنی صفائی کا گھر مراد مسجد ہے۔

۲؎ معشوق کے کوچہ سے تنگدل ہوکر لوٹنے والا محروم اور شرمندہ ہوتا ہے۔

۳؎ بے شراب و معشوق عمر رائگاں ہے۔

۴؎ نیکی اور بدی کا مدار آخر حالت پر ہے اور کس کو معلوم ہے کہ کس کا آخر کس حالت پر ہے۔

۵؎ سلطانیِ جم سے جمشید کی سلطنت مراد ہے۔

۶؎ جمشید بنے کا تعلق جام سے ہی ہے۔

نرگس ہمہ شیوہائے مستی
نرگس مستی کے تمام طریقے
از چشمِ خوشِ تو وام دارد
تیری حسین آنکھ، سے قرض لئے ہوئے ہے

ذکرِ رخ و زلفِ تو دلم را
میرے دل کے لئے تیرے رخ، اور زلف کا ذکر
وِردیست کہ صبح و شام دارد
ایک وظیفہ ہے، جو وہ صبح و شام پڑھتا ہے

در چاہِ ذقن چو حافظ اے جاں
اے جان، ٹھوڑی کے کنوئیں میں حافظ جیسے
حسنِ تو دو صد غلام دارد
تیرا حسن، دو سَو غلام رکھتا ہے

آنکہ از سنبلِ او غالیہ تابے دارد
وہ جس کی زلف سے غالیہ غیرت کھاتی ہے
باز با دل شدگاں ناز و عتابے دارد
پھر دل گم کئے ہوؤں سے، ناز و عتاب کرتا ہے

از سرِ کشتۂ خود میگذرد ہمچوں باد
وہ، اپنے مقتول کے پاس سے ہوا کی طرح گزر جاتا ہے
چہ تواں کرد کہ عمر ست و شتابے دارد
کیا کیا جائے، کہ وہ زندگی ہے، اور جلدی کرتا ہے

ماہِ خورشید نمایش ز پسِ پردۂ زلف
اس کا خورشید نما چاند زلف کے پردے کے پیچھے
آفتابیست کہ در پیش سحابے دارد
ایک آفتاب ہے، جو سامنے ابر رکھتا ہے

آبِ حیواں اگر اینست کہ دارد لبِ یار
اگر آبِ حیات یہ ہے جو معشوق کا ہونٹ رکھتا ہے
روشن ست اینکہ خضر بہرہ سرابے دارد
تو یہ بات واضح ہے کہ خضر سراب کا حصہ رکھتا ہے

چشمِ من کردہ بہر گوشہ رواں سیلِ سرشک
میری آنکھوں نے ہر گوشہ میں آنسوؤں کا سیلاب بچھایا ہے
تا سہی سروِ ترا تازہ بآبے دارد
تاکہ تیرے بلند سرو کو، پانی سے تازہ رکھے

غمزۂ شوخِ تو خونم بخطا میریزد
تیری شوخ ادا، میرا خون ناحق بہا رہی ہے
فرصتش باد کہ خوش رائے صوابے دارد
اس کو موقع میسر آئے، کہ بہتر صحیح رائے رکھتی ہے

چشمِ مخمورِ تو دارد ز دلم قصدِ جگر
تیری نشیلی آنکھ دل سے ہٹ کر میرے جگر کا ارادہ کرتی ہے
ترکِ مستت مگر میلِ کبابے دارد
تیرا مست ترک، شاید کباب کی طرف میلان رکھتا ہے

جانِ بیمارِ مرا نیست ز تو روئے سوال
ہماری بیمار جان میں تجھ سے سوال کی ہمت نہیں ہے
اے خوش آں خستہ کہ از دوست جوابے دارد
وہ زخمی خوش قسمت ہے جس کو دوست سے جواب ملے

کے کند سوئے دلِ خستۂ حافظ نظرے
حافظ کے زخمی دل کی طرف کب نظر کرتی ہے
چشمِ مستت کہ بہر گوشہ خرابے دارد
تیری مست آنکھ، جو ہر جانب ایک مدہوش رکھتی ہے

اگر نہ بادہ غمِ دل ز یادِ ما ببرد
اگر شراب دل کے غم کو ہماری یاد سے نہ بھلائے
نہیبِ حادثہ بنیادِ ما ز جا ببرد
تو واقعہ کا خوف، ہماری جڑ اکھاڑ دے

وگرنہ عقل بمستی فروکشد لنگر
اور اگر عقل مستی کا لنگر نہ ڈالے
چگونہ کشتی ازیں ورطۂ بلا ببرد
اس تباہی کے بھنور سے کشتی کس طرح پار لگائے

۱؎ میرا صبح و شام کا وظیفہ تیری زلف و رُخ کا ذکر ہے۔
۲؎ معشوق کے چاہِ ذقن میں حافظ جیسے سینکڑوں غلام قیدی ہیں۔
۳؎ غالیہ ایک مرکب خوشبو ہے یعنی غالیہ خوشبو اس کی خوشبو سے کم ہے۔
۴؎ بکھری ہوئی زلفوں کے پیچھے اس کا رخ بدلی کا چاند ہے۔
۵؎ یعنی خضر کو آبحیات نہیں ملی بلکہ کسی ریتے پر پانی کا دھوکا کھایا ہے۔
۶؎ اگرچہ میرا خون ناحق ہے لیکن میں اپنے مارے جانے پر راضی ہوں۔
۷؎ ترک مست سے مراد مست آنکھیں ہیں۔
۸؎ ہمیں تو معشوق سے بات کرنیکی ہمت نہیں ہے وہ خوش قسمت ہیں جنکو بات کرنیکا موقع ملے۔
۹؎ عقل عشق ہی کی مدد سے نجات حاصل کر سکتی ہے۔

طبیبِ عشق منم بادہ خور کہ ایں معجون
میں عشق کا طبیب ہوں، شراب پی، اس لیے کہ یہ معجون

فراغت آرد و اندیشۂ بلا ببرد
بے فکری پیدا کرتی ہے اور مصیبت کے اندیشہ کو رفع کرتی ہے

دلِ ضعیفم ازآں میکشد بطرفِ چمن
میرا کمزور دل اس سبب سے چمن کی طرف کھینچتا ہے

کہ جاں زمرگ بدلدارئے صبا ببرد
تاکہ صبا کی دلداری کیوجہ سے، موت سے جان بچائے

گذار بر ظلمات ست خضر راہے جو
تاریکیوں پر سے گذر ہے راستہ کا کوئی خضر ڈھونڈ لے

مباد کاتشِ محرومی آبِ ما ببرد
ایسا نہ ہو کہ محرومی کی آگ، ہماری آبرو خراب کردے

فغاں کہ با ہمہ کس نردِ کینہ باخت فلک
فریاد ہے، آسمان نے ہر شخص کے ساتھ کینے کی گوٹ چلی

کسے نبود کہ دستے ازیں دغا ببرد
کوئی نہ تھا، جو اس دغا سے بچے

بسوخت حافظ و کس حالِ او بیار نگفت
حافظ جل گیا، اور کسی نے یار سے اس کا حال نہ کہا

مگر نسیم پیامے خدائے را ببرد
شاید نسیم، از راہِ خدا، پیغام لے جائے

اگر روم زپیش فتنہا بر انگیزد
اگر میں اس کے سامنے سے ہٹتا ہوں، تو فتنے اٹھاتا ہے

ور از طلب بنشینم بکینہ برخیزد
اور اگر جستجو چھوڑ دوں، کینہ وری کرتا ہے

وگر بہ رہگذرے یکدم از وفاداری
اور اگر تھوڑی دیر کے لئے وفاداری کیوجہ سے راستہ پر

چو گرد در رہش افتم چو باد بگریزد
اُسکے راستہ میں گرد کی طرح پڑتا ہوں ہوا کی طرح بھاگتا ہے

چو گویمش کہ چرا با کساں بیامیزی
میں جب اس کو کہتا ہوں تو لوگوں سے کیوں ملتا جلتا ہے؟

چناں کند کہ سرشکم بخوں بیامیزد
ایسا کر دیتا ہے کہ میرے آنسوؤں کو خون میں ملا دیتا ہے

وگر کنم طلبِ نیم بوسہ صد افسوس
اور اگر میں آدھا بوسہ بھی مانگتا ہوں، صد افسوس!

ز حقۂ دہنش چوں شکر فرو ریزد
اپنے منہ کی ڈبیہ سے، شکر جیسی گراتا ہے

من آں فریب کہ در نرگسِ تو می بینم
وہ فریب، جو میں تیری آنکھ میں دیکھتا ہوں

بس آبروئے کہ بر خاکِ رہ فرو ریزد
بہت سی آبروئیں ہیں جن کو وہ راستہ کی خاک میں ملاتا ہے

فراز و شیبِ بیابانِ عشق دامِ بلاست
عشق کے جنگل کا اتار چڑھاؤ، مصیبت کا جال ہے

کجاست شیر دلے کز بلا نہ پرہیزد
کوئی ایسا شیر دل کہاں ہے جو مصیبت سے نہ بچے

تو عمر خواہ و صبوری کہ چرخ شعبدہ باز
تو زندگی اور صبر چاہ اس لیے کہ شعبدہ باز آسمان

ہزار بازی ازیں طرفہ تر بر انگیزد
اس سے بھی زیادہ عجیب، ہزار بازیاں دکھاتا ہے

بر آستانۂ تسلیم سر بنہ حافظ
اے حافظ! تسلیم کی چوکھٹ پر سر دھر دے

کہ گر ستیزہ کنی روزگار بستیزد
اس لیے کہ اگر تو جھگڑے گا، تو زمانہ جھگڑے گا

آں کیست کز روئے کرم با من وفاداری کند
وہ کون ہے، جو از روئے کرم مجھ سے وفاداری کرے

بر جائے بدکارے چو من یکدم نکوکاری کند
مجھ جیسے بدکار کے ساتھ، تھوڑی سی بھلائی کرے

۱؎ یہ محبوب ہر حالت میں ستاتا ہے۔
۲؎ یعنی خون کے آنسو رولاتا ہے۔
۳؎ یعنی بُرا بھلا کہتا ہے جو میرے لئے ایسا ہی میٹھا ہے جیسی شکر۔
۴؎ محبوب کی آنکھ سے فریب کھا کر بہت سے بے آبرو ہوگئے ہیں۔
۵؎ زمانہ کے فریب برداشت کرنیکے لئے بڑی عمر اور بہت سا صبر درکار ہے۔

اوّل[1] بہ بانگِ نای و نے گویدمن پیغامِ او
پہلے نفیری اور بانسری کی آواز کے ذریعہ مجھے اس کا پیام دے

وانگہ بیک پیمانہ مے با من ہواداری کند
پھر شراب کے ایک پیمانہ کی، مجھ پر عنایت کرے

دلبر کہ جاں فرسود ازو کامِ دلم نکشود ازو
وہ دلبر جس سے جان گھل گئی، اور اس سے میرے دل کا مقصد پورا نہ ہوا

نومید نتواں بود ازو باشد کہ دلداری کند
اس سے ناامید نہ ہونا چاہیے، ہو سکتا ہے کہ دلداری کرے

گفتم گرہ نکشودہ ام زاں طرہ تا من بودہ ام
میں نے کہا، میں جب سے ہوں اس زلف کی میں نے گرہ نہیں کھولی ہے

گفتا منش فرمودہ ام تا با تو طراری کند
وہ بولا، میں نے اس سے کہہ دیا ہے کہ تیرے ساتھ شوخی کرے

پشمینہ[2] پوشِ تندخو کز عشق نشنیدست بو
وہ کمبل پوش، بدمزاج، جس نے عشق کی بو بھی نہیں سونگھی ہے

از مستیش رمزے بگو تا ترکِ ہشیاری کند
اس سے مستی کی ایک بات کہہ دو، تاکہ ہوشیاری کو چھوڑ دے

چوں من گدائے بے نشاں مشکل بود یارِ فلاں
مجھ جیسے گمنام فقیر کا اس کا دوست ہونا مشکل ہے

سلطاں کجا عیش نہاں با رندِ بازاری کند
بادشاہ بازاری رند کے ساتھ کب چھپا عیش کرتا ہے

زاں طرۂ پُر پیچ و خم سہل ست اگر بینم ستم
اگر اس پُرپیچ و خم زلف سے ایسا ظلم دیکھوں تو آسان ہے

از بند و زنجیرش چہ غم آنکس کہ عیاری کند
بیڑی اور زنجیر کا اس کو کیا غم ہے جو آوارگی کرتا ہے

شد لشکرِ غم بے عدد از بخت میخواہم مدد
غم کا لشکر اَن گنت ہو گیا ہے، میں نصیبہ کی مدد چاہتا ہوں

تا فخرِ دیں عبدالصّمد باشد کہ غمخواری کند
ہو سکتا ہے کہ دین کا فخر عبدالصمد غمخواری کرے

با چشمِ پُر نیرنگِ او حافظ مکن آہنگِ او
اس کی پرفریب آنکھوں کے ہوتے ہوئے حافظ اس کا قصد نہ کر

کاں طرۂ شبرنگِ او بسیار مکّاری کند
اس کے لئے اس کا رات جیسا طرّہ بہت مکّاری کرتا ہے

اے پستہ[3] تو خندہ زدہ بر دہانِ قند
اے دوست کہ تیرے پستے نے شکر کے منہ کی ہنسی اڑائی ہے

مشتاقم از برائے خدا یک شکر بخند
میں مشتاق ہوں، خدا کے لئے ذرا مسکرا دے

جائے کہ یارِ ما بشکر خندہ دم زند
جس جگہ ہمارا دوست مسکرائے

اے پستہ کیستی تو خدارا دگر مخند
اے پستے! تو کون ہوتا ہے، خدا کے لیے پھر نہ مسکرا

خواہی کہ برنخیزدت از دیدہ رود[4] خوں
اگر تو چاہتا ہے کہ تیری آنکھ سے خون کی ندی نہ بہے

دل در ہوائے صحبتِ رودِ کساں مبند
لوگوں کے لڑکوں کی صحبت سے دل وابستہ نہ کر

گہ طرہ می نمائی و گہ طعنہ میزنی
تو کبھی زلف دکھاتا ہے اور کبھی طعنہ زنی کرتا ہے

ما نیستیم معتقدِ مردِ خود پسند
ہم خود پسند انسان کے معتقد نہیں ہیں

طوبیٰ[5] ز قامتِ تو نیارد کہ دم زند
طوبیٰ تیرے قد کے سامنے دم نہیں مار سکتا ہے

زیں قصہ بگذرم کہ سخن میشود بلند
میں اس قصہ کو ختم کرتا ہوں اس لیے کہ بات طول پکڑ رہی ہے

ز آشفتگیِ حالِ من آگاہ کے شود
میری حالت کی پریشانی سے کب آگاہ ہو سکتا ہے

آں را کہ دل نگشت گرفتارِ ایں کمند
وہ جس کا دل اس پھندے میں نہ پھنسا ہو

بازارِ شوق گرم شد آں شمع رخ کجاست
شوق کا بازار گرم ہو گیا ہے، وہ شمع جیسے رخ والا کہاں ہے

تا جانِ خود بر آتشِ رویش کنم سپند[6]
تاکہ میں اپنی جان کو اس کے رخ کی آگ پر کالا دانہ بنا دوں

---

[1] وفاداری کی یہ صورت ہے کہ پہلے مجلس سجائے پھر پیمانہ کا دور چلائے۔
[2] یعنی زاہدِ خشک سے اس کی ایک ادا کا ذکر کر دو ہوش گم ہو جائیں گے۔
[3] محبوب کے منہ کو پستہ قرار دیا جاتا ہے۔ یعنی محبوب کے منہ کی شیرینی شکر پر خندہ زن ہے
[4] "رود" پہلے مصرع میں نہر کے معنی میں ہے اور دوسرے مصرع میں لڑکے کے معنی میں ہے
[5] طوبیٰ جنت میں ایک درخت ہے یعنی طوبیٰ اس کے قد کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔
[6] سپند کالا دانہ جس کو نظرِ بد کے رفع کرنے کے لئے آگ پر جلایا جاتا ہے۔

حافظ تو ترک غمزۂ خوباں نمیکنی
اے حافظ! تو حسینوں کی ادا کو نہیں چھوڑتا ہے
دانی کجاست جائے تو خوارزم[1] یا خجند
تو جانتا ہے، کہ تیری جگہ کہاں ہے خوارزم یا خجند؟

اگر ز کوئے تو بوئے بمن رساند باد
اگر ہوا تیرے کوچہ کی خوشبو، مجھ تک پہونچا دے
بمژدہ جانِ جہاں را بباد خواہم داد
جہان کی جان کو، خوشخبری میں لٹا دوں گا

اگرچہ گرد برانگیختی[2] ز ہستیِ من
اگرچہ تو نے، میری ہستی کی خاک اڑادی
غبارے از منِ خاکی بدامنت مفتاد
مجھ خاکی کا غبار، تیرے دامن پر نہ پڑے

تو تا بروئے من اے نورِ دیدہ در بستی
اے نورِ چشم! جب سے تو نے میرے اوپر دروازہ بند کر دیا ہے
دگر جہاں درِ شادی بروئے من نکشاد
پھر زمانے نے میرے اوپر خوشی کا دروازہ نہیں کھولا

خیالِ روئے توام دیدہ میکند پرخوں
تیرے چہرے کا خیال میری آنکھوں کو پر خوں کر دیتا ہے
ہوائے زلفِ توام عمر میدہد برباد
تیری زلف کی محبت، میری عمر کو برباد کرتی ہے

نہ در برابرِ چشمی نہ غائب[3] از نظری
تو نہ آنکھوں کے سامنے ہے نہ آنکھوں سے اوجھل ہے
نہ یاد میکنی از من نہ میروی از یاد
تو نہ مجھے یاد کرتا ہے، نہ میری یاد سے نکلتا ہے

بجائے طعنہ اگر تیغ می زند دشمن
طعنہ کی بجائے، اگر دشمن تلوار مارے
ز دوست دست نداریم ہر چہ باداباد
ہم دوست سے دست کش نہ ہوں گے، جو ہونا ہے ہو

ز دستِ[4] عشقِ تو جاں را نمی برد حافظ
تیرے عشق کے ہاتھ سے، حافظ جان نہیں بچا رہا ہے
کہ جاں ز محنتِ شیریں نمی برد فرہاد
اس لئے کہ شیریں کی مشقت سے فرہاد جان نہیں بچاتا

آنانکہ[5] خاک را بنظر کیمیا کنند
جو خاک کو، نظر سے کیمیا کر دیتے ہیں
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند
کاش! ایک گوشۂ چشم ہماری طرف کر دیں

دردم[6] نہفتہ بہ ز طبیبانِ مدّعی
ڈینگیں مارنے والے طبیبوں سے میرا درد پوشیدہ رہنا بہتر ہے
باشد کہ از خزانۂ غیبم دوا کنند
ہو سکتا ہے کہ وہ غیب کے خزانے سے میری دوا کریں

معشوق چوں[7] نقاب ز رخ برنمیکشد
جبکہ معشوق، چہرے سے نقاب نہیں اٹھاتا ہے
ہر کس حکایتے بہ تصور چرا کنند
سب لوگ خیال سے، کیوں باتیں بناتے ہیں؟

چوں[8] حسنِ عاقبت نہ برندی و زاہدیست
جبکہ انجام کی خوبی، رندی اور تقوے سے نہیں ہے
آں بہ کہ کارِ خود بر عنایت رہا کنند
یہی بہتر ہے کہ اپنا معاملہ مہربانی پر چھوڑ دیں

بیمعرفت مباش کہ در من[9] یزیدِ عشق
معرفت کے بدون نہ رہ، اس لئے کہ عشق کے بازار میں
اہلِ نظر معاملہ با آشنا کنند
اہلِ نظر، جانکاروں کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں

بگذر ز کوئے میکدہ تا زمرۂ حضور
شراب خانہ کے کوچہ پر سے گذر تاکہ درباری گروہ
اوقاتِ خود ز بہرِ تو صرفِ دعا کنند
اپنے اوقات، تیرے لئے دعا میں صرف کرے

[1] خوارزم اور خجند کے معشوق ستانے میں مشہور تھے۔
[2] اگرچہ معشوق نے ہمیں برباد کر دیا ہے لیکن ہم اس کی معمولی تکلیف بھی گوارہ نہیں کرتے ہیں۔
[3] سامنے نہیں ہے لیکن اس کی تصویر ہر وقت آنکھوں میں سمائی ہے۔
[4] جس طرح فرہاد نے کوہکنی کرتے ہوئے شیریں پر جان دیدی اسی طرح حافظ بھی جان دیدیگا۔
[5] محبوب کی ایک نگاہ عاشق کے جسم کی خاک کو سونا بنا دیتی ہے۔
[6] میں ان مدّعیانِ طب سے اپنا مرض چھپانا چاہتا ہوں تاکہ کارکنانِ قضا غیب سے میرا علاج کر دیں۔
[7] معشوق کو بن دیکھے، ہر آدمی اپنے خیال کے مطابق اسکی خوبیاں ذکر کر رہا ہے۔
[8] حسن خاتمہ محض رحمت خداوندی پر منحصر ہے۔
[9] "من یزید" نیلام کو کہتے ہیں۔ بازار کے معنے میں بھی آتا ہے یعنی بازارِ عشق میں اُنہی لوگوں کا سودا بنتا ہے جو محبوب سے کچھ آشنائی رکھتے ہیں۔

پیراہنے کہ آید ازو بوئے یوسفم
جس لباس سے، مجھے یوسف کی بو آرہی ہے

ترسم برادرانِ غیورش قبا کنند
مجھے ڈر ہے کہ اس کے غیور بھائی اس کو چاک کر دیں گے

جائے درونِ پردہ بسے فتنہ میرود
اب پردے کے اندر بہت سے فتنے پیدا ہو رہے ہیں

تاآں زماں کہ پردہ برافتد چہا کنند
دیکھو! جبکہ پردہ اٹھ جائے گا، کیا کریں گے!

گر سنگ ازیں حدیث بنالد عجب مدار
اگر اس قصے سے، پتھر رو پڑے تو تعجب نہ کر

صاحبدلاں حکایتِ دل خوش ادا کنند
صاحب دل، دل کا قصہ اچھی طرح بیان کرتے ہیں

پنہاں ز حاسداں بخودم خواں کہ منعماں
حاسدوں سے چھپا کر، مجھے بلا لے کیونکہ سخی

خیرِ نہاں برائے رضائے خدا کنند
خدا کی رضا مندی کے لئے، چھپی بھلائی کرتے ہیں

مے خور کہ صد گناہ ز اغیار در حجاب
شراب پی، اس لیے کہ سو گناہ غیروں سے چھپ کر

بہتر ز طاعتے کہ بروی و ریا کنند
اس عبادت سے بہتر ہیں جو دکھاوے اور ریا کاری سے کریں

حافظ مدام وصل میسر نمی شود
اے حافظ! وصل ہمیشہ میسر نہیں آتا ہے

شاہاں کم التفات بحالِ گدا کنند
بادشاہ، فقیر کی طرف کم توجہ کرتے ہیں

آنرا کہ جامِ بادۂ صہباش میدہند
وہ، جس کو صہبا شراب کا جام دیتے ہیں

میداں کہ در حریم حرم جاش میدہند
سمجھ لے کہ حرم کے احاطہ میں اسکو جگہ دیتے ہیں

صوفی مباش منکرِ رنداں کہ سرِ عشق
اے صوفی! رندوں کا منکر نہ بن اس لیے کہ عشق کا راز

روزِ ازل بمرد مِ قلاّش میدہند
ازل میں بے ننگ و نام، انسانوں کو دیتے ہیں

ساقی بیار بادۂ گلرنگ و مشکبو
اے ساقی! گلاب جیسے رنگ والی اور مشک کی خوشبو والی شراب لا

کاربابِ عقل زحمتِ اوباش میدہند
عقل والے رندوں کو ستاتے ہیں

از لذّتِ حیات ندارد تمتّعے
زندگی کی لذّت سے اس کو کوئی نفع نہیں

امروز ہر کہ وعدہ بفرداش میدہند
آج، جس سے کل کا وعدہ کرتے ہیں

مطرب بساز پردۂ عشّاقِ بینوا
اے مطرب! بینوا عشّاق کے پردے کو چھیڑ

کانرا کہ بینواست نواہاش میدہند
اس لیے کہ جو بے سرو ساماں ہے اس کو سامان دیتے ہیں

خوش باش حافظا کہ حریفانِ دُردنوش
اے حافظ! خوش رہ اس لیے کہ تلچھٹ پینے والے دوست

جامِ طرب بعاشقِ خوشباش میدہند
مستی کا جام، خوش باش عاشق کو دیتے ہیں

حافظ نہ ترکِ جنّتِ فردوس میکند
کیا حافظ جنّت فردوس کو ترک نہ کر دے گا؟

گر در حریمِ وصلِ تو ماواش میدہند
اگر تیرے وصل کے حریم میں، اس کو ٹھکانا دیں گے

آنکہ رخسارِ ترا رنگِ گل و نسرین داد
جس نے تیرے رخسار کو گل، اور نسرین کا رنگ دیا ہے

صبر و آرام تواند بمنِ مسکیں داد
مجھ مسکین کو وہ صبر، اور آرام بھی دے سکتا ہے

---

۱ مجھے ڈر ہے مجھے پیراہن یوسفی نہ لے لیا جائے اور غیور بھائی اسکو چاک نہ کر ڈالیں۔
۲ جب کہ معشوق پس پردہ ہے تو اتنے فتنے ہیں اگر پردے باہر آگیا تو معلوم کیا ہوگا۔
۳ چھپی بدکاری ریاکاری کی عبادت سے بہتر ہے۔
۴ سقّوں کو ہی جام دیا جاتا ہے۔
۵ شراب کی مستی ہی ان تکالیف سے نجات دے سکتی ہے۔
۶ جنّت کے وعدہ پر دنیا کی لذّت چھوڑنا مناسب نہیں ہے۔
۷ پردۂ عشّاق ساز کے ایک خاص پردہ کا نام ہے۔
۸ یعنی حافظ کو اگر وصل کے حریم میں جگہ مل جائے تو وہ یقیناً جنّت الفردوس کو خیرباد کہہ دے گا۔
۹ یعنی جس خدا نے تجھے حسن دیا ہے مجھے وہ صبر بھی دے سکتا ہے۔

وانکہ گیسوئے ترا رسمِ تطاول آموخت
جس نے تیری زلف کو ظلم کا طریقہ سکھایا ہے

ہم تواند کرمش دادِ من غمگیں داد
اس کا کرم مجھ غمگین کیساتھ انصاف بھی کر سکتا ہے

من[1] ہماں روز ز فرہاد طمع ببریدم
میں تو اسی روز، فرہاد سے مایوس ہو گیا تھا

کہ عنانِ دلِ شیدا بکفِ شیریں داد
جب اس نے دیوانہ دل کی باگ شیریں کے ہاتھ میں دیدی تھی

گنجِ زر گر نبود گنجِ قناعت باقیست
اگر سونے کا خزانہ نہیں تو صبر کا خزانہ باقی ہے

آنکہ آں[2] داد بشاہاں بگدایاں ایں داد
جس نے بادشاہوں کو وہ دیا ہے، فقیروں کو یہ دیا ہے

خوش عروسیست جہاں از رہِ صورت لیکن
دنیا بظاہر ایک بہترین دلہن ہے، لیکن

ہر کہ پیوست بدو عمرِ خودش کابیں داد
جو اس سے جڑا اس نے اپنی عمر بھر میں دیدی ہے

بعد ازیں دستِ من و دامنِ آں سروِ بلند
اس کے بعد میرا ہاتھ ہوگا، اور اس بلند، سرو کا دامن

خاصہ اکنوں کہ صبا مژدۂ فروردیں[3] داد
خاص طور پر اب جبکہ صبا نے فروردین کی خوشخبری دیدی ہے

در غم و غصّۂ دوراں دلِ حافظ خوں شد
زمانہ پر غم و غصہ میں، حافظ کا دل خون ہوگیا ہے

از فراقِ رخت اے خواجہ قوام الدیں داد
تیرے رُخ کے فراق سے، اے خواجہ قوام الدین فریاد ہے

اگر خدائے[4] کسے را بہر گناہ بگیرد
اگر خدا کسی کو، ہر گناہ پر پکڑے

زمیں بہ نالہ بر آید زمانہ آہ بگیرد
زمیں رو پڑے، زمانہ آہیں کرنے لگے

گنہ بروئے زمیں میکنی و ہیچ نترسی
تو روئے زمین پر گناہ کرتا ہے، اور بالکل نہیں ڈرتا ہے

کہ ماہ[5] بر فلک از شومیِ گناہ بگیرد
کہ آسمان پر چاند، گناہ کی بدبختی سے متاثر ہوتا ہے

شبے ز شرمِ گنہ آنچناں بسجدہ بگریم
کسی رات کو گناہ کی شرم سے، سجدہ میں ایسا روؤں گا

کہ سجدہ گاہِ من آں شب ہمہ گیاہ بگیرد
کہ اس رات کو میری سجدہ گاہ میں گھاس اگ آئیگی

برابرست[6] کہ و کوہ پیشِ حضرتِ سلطاں
حضرتِ بادشاہ کے سامنے تنکا، اور پہاڑ یکساں ہے

گہے بکوہ نگیرد گہے بہ کاہ بگیرد
کبھی پہاڑ کے بدلے میں نہیں پکڑتا ہے کبھی تنکے کے بدلے میں پکڑتا ہے

گہِ وداع بگریم بداں مثابہ کہ یارم
رخصت کرتے وقت ایسا روؤں گا، کہ میرا دوست

بہر زمیں کہ رود آبِ دیدہ راہ بگیرد
جس سرزمین پر جائے گا، آنسو راستہ روک دیں گے

تو پاکدامنی[7] از بد کجا شود کہ نمایند
تو پاکدامن ہے، برا کہاں سے ہو جائیگا کہ وہ دکھائیں

گناہہائے تو فردا کہ دادخواہ بگیرد
کل کو تیرے گناہ، کہ داد چاہنے والا مواخذہ کرے

چو شاہ قصدِ دلِ بیدلاں نماید حافظ
اے حافظ! جب بادشاہ بے دلوں کے دل کا ارادہ کرے

کراست زہرہ و یارا کہ پیشِ شاہ بگیرد
کس کو یہ طاقت ہے، کہ اس کا راستہ روکے

آں یار کزو خانۂ ما جائے پری بود
وہ یار، جس کی وجہ سے ہمارا گھر پری خانہ تھا

سر تا بقدم چوں پری از عیب بری بود
وہ سر سے پیر تک پری کی طرح عیب سے بری تھا

---

[1] جس روز فرہاد شیریں پر عاشق ہوا تھا ہم تو اسی دن اس کی زندگی سے مایوس ہو گئے تھے

[2] خدا نے بادشاہوں کو اگر سونے کے خزانے دیئے ہیں تو فقیروں کو صبر کے خزانے عطا کئے ہیں۔

[3] فروردین موسم بہار کا مہینہ ہے۔

[4] قرآن پاک میں ہے " اگر خدا لوگوں کو ان کے گناہوں کے بدلے پکڑنے لگے تو روئے زمین پر چلنے والا باقی نہ رہے"

[5] انسان کے گناہ سے پوری کائنات متاثر ہوتی ہے۔

[6] چھوٹے بڑے گناہ خدا کے دربار میں کوئی حقیقت نہیں رکھتے وہ چھوٹے گناہ پر مواخذہ کر سکتا ہے بڑے گناہ کو معاف کر سکتا ہے۔

[7] قیامت میں محبوب پاک صاف ثابت ہوگا اور اس سے کوئی مواخذہ نہ ہو سکے گا۔

دل گفت[۱] فروکش کنم ایں شہر بہ بویش
اس کی خوشبو کی وجہ سے دل نے کہا اس شہر میں مقیم رہونگا
بیچارہ ندانست کہ یارش سفری بود
وہ بیچارہ، یہ نہ سمجھا کہ اس کا دوست مسافر تھا

تنہا نہ زرازِ دلِ من پردہ برافتاد
صرف میرا ہی رازِ دل، پردے سے باہر نہیں آیا
تا بود فلک شیوۂ او پردہ دری بود
آسمان جب سے بھی ہے اُس کی عادت پردہ دری تھی

منظورِ[۲] خردمندِ من آں ماہ کہ اورا
میرا منظورِ نظر، عقلمند وہ چاند ہے کہ اس کے لئے
درحسنِ ادب شیوۂ صاحب نظری بود
حسن ادب میں صاحبِ نظر ہونیکی صفت حاصل تھی

از چنگِ منش اخترِ بدمہر بدر کرد
دشمن ستارے نے اس کو میرے قبضہ سے نکال دیا
آرے چکنم آفتِ دورِ قمری بود
ہاں کیا کروں! دورِ قمری کی مصیبت تھی

عذرے[۳] بنہ اے دل کہ تو درویشی و اورا
اے دل! اس کا عذر قبول کر اس لیے کہ تو فقیر ہے اور اس کے لئے
در مملکتِ حسن سرِ تاجوری بود
حسن کی سلطنت میں، بادشاہی کا خیال تھا

خوش بود لبِ آب و گل و سبزہ ولیکن
دریا کا کنارہ، اور پھول، اور سبزہ اچھا تھا لیکن
افسوس کہ آں گنجِ[۴] رواں رہگذری بود
افسوس! کہ وہ خزانہ، چلتا پھرتا تھا

خود را بکشد بلبل ازیں غصہ کہ گل را
اس غصہ سے بلبل اپنے آپ کو فنا کرتی ہے کہ پھول کی
با بادِ صبا وقتِ سحر جلوہ گری بود
بادِ صبا کے ساتھ، صبح کو جلوہ گری تھی

اوقاتِ خوش آں بود کہ بادوست بسر شد
وہ وقت اچھے تھے، جو دوست کے ساتھ بسر ہوئے
باقی ہمہ بیحاصلی و بیخبری بود
باقی سب بے نتیجہ، اور جہالت تھی

ہر گنجِ سعادت کہ خدا داد بحافظ
نیک بختی کا ہر وہ خزانہ، جو خدا نے حافظ کو دیا
از یمنِ دعائے شب و وردِ سحری بود
وہ رات کی دعا، اور صبح کے وظیفہ کی برکت سے تھا

اگر بہ بادۂ رنگیں دلم کشد شاید
اگر رنگیں شراب کی طرف میرا دل کھنچتا ہے تو مناسب ہے
کہ بوئے خیر ز زہدِ ریا نمی آید[۵]
اس لیے کہ ریاکاری کے زہد سے بہتری بو نہیں آتی ہے

جہانیاں ہمہ گر منعِ من کنند ز عشق
اگر دُنیا والے سب، مجھے عشق سے روکتے ہیں
من آں کنم کہ خداوندگار فرماید
تو میں وہ کرتا ہوں، جو خدا فرماتا ہے

طمع ز فیض و کرامت مبر کہ خُلقِ کریم
فیض اور بخشش کی امید ختم نہ کر اس لیے کہ سخی اخلاق
گنہ ببخشد و بر عاشقاں ببخشاید
گناہ بخشدیتا ہے اور عاشقوں کو معاف کردیتا ہے

مقیمِ حلقۂ ذکر است دل بہ آں امید
دل، ذکر کے حلقہ میں اس اُمید پر مقیم ہے
کہ حلقۂ ز سرِ زلفِ یار بکشاید
کہ یار کی زلف کا کوئی حلقہ کھولے

ترا کہ حسن[۶] خدا دادہ است و حجلۂ بخت
جبکہ تجھے خدا نے حسن دیا ہے اور نصیبہ کا چھپر کھٹ
چہ حاجتست کہ مشاطہ ات بیاراید
کیا ضرورت ہے، کہ تجھے نائن سنوارے؟

نخواہد[۷] ایں چمن از سرو و لالہ خالی ماند
یہ چمن، سرو اور لالہ سے خالی نہ رہیگا
یکے ہمی رود و دیگرے ہمی آید
ایک جارہا ہے، دوسرا آرہا ہے

---

۱ معشوق کی خوشبو کی وجہ سے دل شہر میں مقیم ہوا اور یہ نہ سمجھا کہ معشوق ایک جگہ ٹھہرنے والا نہیں ہے۔

۲ میرا معشوق عقلمند اور صاحب نظر ہے وہ اچھے بُرے کو سمجھتا ہے اور جانتا ہے کہ حقیقی عاشق کون ہے اور بوالہوس کون ہے۔

۳ چونکہ شاہ گدا سے محبت نہیں کرسکتا لہٰذا معشوق معذور ہے۔

۴ گنجِ رواں قارون کے خزانوں میں سے ایک خزانہ کا نام ہے۔

۵ ریاکاری کے زہد میں چونکہ کوئی بھلائی نہیں ہے اس لئے میرا دل بادۂ رنگیں کی طرف مائل ہے۔

۶ حسن کے ہوتے ہوئے بناؤ سنگھار کی ضرورت نہیں ہے۔

۷ یعنی دنیا حسینوں سے خالی نہ رہیگی۔

جمیلہ ایست عروسِ جہاں ولے ہشدار — کہ ایں مخدرہ در عقدِ کس نمی آید
دنیا کی دلہن، خوبصورت ہے لیکن سمجھ لے — کہ یہ پردہ نشین کسی کے نکاح میں نہیں آتی ہے

بلا[1] بہ گفتمش اے ماہ رو چہ باشد اگر — بیک شکر ز تو دلخستۂ بیاساید
میں نے اس سے خوشامد سے کہا اے ماہ رو کیا ہوجائیگا اگر — تری تھوڑی سی مسکراہٹ سے کوئی دل شکستہ آرام پائے

بخندہ گفت کہ حافظ خدائے رامپسند
اس نے ہنس کر کہا، اے حافظ خدا کے لئے نہ چاہ

کہ بوسۂ تو رخِ ماہ را بیالاید
کیونکہ تیرا بوسہ لینا چاند کے رخ کو گندہ کر دے گا

بآبِ روشنِ مے عارفے طہارت کرد — علی الصباح کہ میخانہ رازیارت کرد
عارف نے شراب کے صاف پانی سے پاکی حاصل کی — صبح صبح، جبکہ میخانہ کی زیارت کی

ہمیں کہ ساغرِ زرین خور نہاں کردند[2] — ہلالِ ابروئے ساقی بمے اشارت کرد
جیسے ہی انہوں نے خورشید کا زریں ساغر چھپایا — ساقی کے ابرو کے چاند نے شراب کا اشارہ کیا

خوشا نماز و نیازِ کسے کہ از سرِ درد — بآبِ دیدہ وخونِ جگر طہارت کرد
اس شخص کی عاجزی اور نماز بہترین ہے جس نے درد سے — آنکھوں کے پانی اور جگر کے خون سے وضو کیا

بہائے بادۂ چوں لعل چیست جوہرِ عقل[3] — بیا کہ سود کسے برد کایں تجارت کرد
لعل جیسی شراب کی قیمت کیا ہے، عقل کا گوہر — آجا، نفع اسی نے کمایا جس نے یہ تجارت کی

بیا بمیکدہ و وضعِ قرب وجاہ ہمیں[4] — اگرچہ چشم بما واعظ از حقارت کرد
شراب خانے میں آ، اور ہمارے قرب اور جاہ کی وضع دیکھ — اگرچہ واعظ نے ہمیں حقارت سے دیکھا

نشانِ[5] مہر ومحبت زجانِ عاشق جوی — اگرچہ خانۂ دل محنتِ تو غارت کرد
مہر اور محبت کا نشان، عاشق کی جان میں تلاش کر — اگرچہ دل کا گھر تیری تکلیف نے غارت کر دیا

دلم ز حلقۂ زلفش بجاں خرید آشوب — چہ سود دیدندانم کہ ایں تجارت کرد
میرے دل نے اس کی زلف کے حلقے سے جان کے عوض فتنہ خریدا — میں نہیں جانتا ہوں کیا فائدہ دیکھا کہ یہ سودا کر بیٹھا

اگر امامِ جماعت بخواندش امروز[6]
اگر آج، اس کو جماعت کا امام بلائے

خبر دہید کہ حافظ بمے طہارت کرد
تو خبر دیدینا کہ حافظ نے شراب سے وضو کر لیا

بسرِ جامِ جم آنگہ نظر توانی کرد — کہ خاکِ میکدہ کحلِ بصر توانی کرد
جام جمشید کے راز کو تو اس وقت دیکھ سکتا ہے — جبکہ میکدہ کی خاک کو تو آنکھ کا سرمہ بنا سکے

گدائیِ درِ میخانہ طرفہ اکسیر یست — گر ایں عمل بکنی خاک زر توانی کرد
میخانہ کے دروازے کی گدائی، عجیب اکسیر ہے — اگر تو یہ عمل کرے، تو خاک کو سونا بنا سکتا ہے

مباش بے مے ومطرب بزیرِ چرخِ کبود[7] — کزیں ترانہ غم از دل بدر توانی کرد
نیل فام چرخ کے نیچے، بدون شراب اور مطرب نہ رہ — اس لئے کہ تو اس ترانے سے غم کو دل سے نکال سکتا ہے

[1] بلا بہ، خوشامدانہ میں نے خوشامدانہ کہا کہ ذرا مسکرا دے
[2] سورج غروب ہو جانے کے بعد عموماً شراب کا دور چلتا ہے۔
[3] شراب کی مستی میں انسان عقل کھو بیٹھتا ہے۔
[4] ہماری عزت میکدہ میں ہے اگرچہ واعظ ہمیں حقیر سمجھتا ہے
[5] اگرچہ دل تباہ ہو گیا ہے لیکن محبت کے نشانات موجود ہیں۔
[6] حافظ مست ہے اس حالت میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔
[7] آسمان کے مصائب کو شراب سے ہی دفع کیا جاسکتا ہے۔

بعزمِ مرحلۂ عشق پیش نہ قدمے
عشق کے سفر کے ارادہ سے قدم آگے بڑھا
کہ سود ہا بری ار ایں سفر توانی کرد
اگر تو یہ سفر کر سکے گا، فائدہ اٹھا لے گا

بیا کہ[1] چارۂ ذوقِ حضور و نظمِ امور
آجا حاضری کے ذوق اور معاملات کے انتظام کی تدبیر
بہ فیض بخشیِ اہلِ نظر توانی کرد
تو اہلِ نظر کی فیض بخشی سے کر سکے گا

گلِ مرادِ تو آنگہ نقاب بکشاید
تیری مراد کا پھول، اس وقت کھلے گا
کہ خدمتش[2] چو نسیمِ سحر توانی کرد
جبکہ نسیمِ سحر کی طرح، تو اس کی خدمت کر سکے گا

تو کز سرائے[3] طبیعت نمیروی بیروں
تو جبکہ مزاج کے کوچہ سے، باہر نہیں نکلتا ہے
کجا بکوئے حقیقت گذر توانی کرد
حقیقت کے کوچہ تک کہاں پہنچ سکے گا!

جمالِ[4] یار ندارد نقاب و پردہ ولے
یار کا حسن، پردہ اور نقاب نہیں رکھتا ہے لیکن
غبارِ رہ بنشاں تا نظر توانی کرد
راستہ کا غبار بٹھا، تاکہ تو دیکھ سکے

دلا ز نورِ ریاضت گر آگہی یابی
اے دل! اگر تو ریاضت کے نور سے باخبر ہو جائے گا
چو شمع[5] خندہ زناں ترکِ سر توانی کرد
شمع کی طرح ہنستے ہوئے، سر سے دست بردار ہو سکے گا

ولے تو تا لبِ معشوق و جامِ مے خواہی
لیکن جب تک تو معشوق کا ہونٹ اور شراب کا جام چاہتا ہے
طمع مدار کہ کارِ دگر توانی کرد
اس کا لالچ نہ کر کہ تو کوئی دوسرا کام کر سکے گا

گر ایں نصیحتِ شاہانہ بشنوی حافظ
اے حافظ! اگر تو یہ شاہانہ نصیحت سن لے گا
بشاہراہِ طریقت گذر توانی کرد
طریقت کی شاہراہ پر، گذر سکے گا

بیا کہ ترکِ فلک خوانِ روزہ غارت کرد
آجا کہ آسمان کے ڈاکو نے روزہ کے خوان پر لوٹ مچادی ہے
ہلالِ عید[6] بدورِ قدح اشارت کرد
عید کے چاند نے پیالے کے دور کا اشارہ کر دیا ہے

ثوابِ روزہ و حجِ قبول آنکس بُرد
روزہ کا ثواب اور حج کی مقبولیت اس شخص کو حاصل ہوتی ہے
کہ خاکِ میکدۂ عشق را زیارت کرد
جس نے عشق کے میکدہ کی زیارت کی ہے

مقامِ اصلیِ ما گوشۂ خراباتست
ہمارا اصلی مقام، شراب خانہ کا گوشہ ہے
خدا[7]ش خیر دہاد آنکہ ایں عمارت کرد
خدا اس کا بھلا کرے جس نے یہ تعمیر کیا ہے

نماز در خمِ آں ابروانِ محرابی
ان محرابی ابروؤں کے خم میں، نماز
کسے کند کہ بخونِ جگر طہارت کرد
وہ شخص پڑھ سکتا ہے، جس نے خونِ جگر سے وضو کیا ہے

امامِ شہر کہ سجادہ میکشید بدوش
شہر کا امام جس نے جائے نماز کاندھے پر ڈالی تھی
بخونِ دخترِ رز جامہ را قصارت کرد
انگور کی بیٹی کے خون سے اس نے کپڑے دھوئے ہیں

فغاں کہ نرگسِ جمّاشِ[8] شیخِ شہر امروز
فریاد ہے کہ آج شہر کے شیخ کی مکار آنکھ نے
نظر بدُردکشاں از سرِ حقارت کرد
تلچھٹ پینے والوں کو، حقارت کی نگاہ سے دیکھا ہے

بروئے یار نظر کن ز دیدہ منّت دار
دوست کے چہرے پر نظر کر، آنکھ کے بارے میں شکر گذار ہو
کہ کارِ دیدہ[9] ہمہ از سرِ بصارت کرد
اللہ نے آنکھ کا سب کام، دیکھنے کے لئے ہی کیا ہے

---

[1] ذوقِ حضوری یعنی مشاہدۂ حق کا ذوق، نظمِ امور یعنی دنیاداری کا انتظام یہ دونوں اہلِ نظر کے فیض سے حاصل ہوتے ہیں۔

[2] صبح کی نسیم پھول کی خدمت گذاری کرتی ہے تب وہ کھلتا ہے۔

[3] جو خواہشاتِ نفس میں لگا ہے اس کو حقیقت حاصل نہیں ہوتی ہے۔

[4] جمالِ یار تو بے پردہ ہے لیکن غبارِ راہ دیکھنے میں حائل ہے

[5] شمع مسکراتے ہوئے اپنا سر فنا کر دیتی ہے

[6] لہٰذا اب شراب کے دور چلنا چاہیے۔

[7] جس نے شراب خانہ آباد کیا ہے خدا اس کو جزائے خیر دے اس نے ہمارا گھر آباد کر دیا ہے۔

[8] چونکہ یہ شیخ کا ظلم ہے لہٰذا اس سے فریاد ہے۔

[9] خدا نے آنکھ اسی لئے پیدا کی ہے کہ اس سے محبوب کے حسن کا نظارہ کیا جائے۔

حدیثِ عشق ز حافظ شنو نہ از واعظ
عشق کا قصہ، حافظ سے سن، نہ کر واعظ سے

اگرچہ[1] صنعتِ بسیار در عبارت کرد
اگرچہ اس نے عبارت میں، بہت کاریگری کی ہے

بلبلے[2] خونِ جگر خورد و گلے حاصل کرد
ایک بلبل نے خونِ جگر پیا اور ایک پھول حاصل کر لیا

بادِ غیرت بصدش حال پریشاں دل کرد
غیرت کی ہوا نے، اس کو سو طریقوں سے پریشان دل بنا دیا

طوطے[3] را بہوائے شکرے دل خوش بود
شکر کی محبت سے اک طوطی کا دل خوش تھا

ناگہش سیلِ فنا نقشِ امل باطل کرد
موت کے بہاؤ نے اچانک اس کی امید کے نقش کو مٹا دیا

قرۃ العینِ من آں میوۂ دل یادش باد
وہ دل کا میوہ، میری آنکھ کی ٹھنڈک، اس کو یاد رہے

کہ خود آساں بشد و کارِ مرا مشکل کرد
کہ خود تو آسانی سے چلا گیا، اور میرا کام مشکل بنا دیا

ساربان بارِ من افتاد خدا را مددے
اے شتربان میرا بوجھ گر پڑا ہے، خدا کے لئے مدد کر دے

کہ امیدِ کرمم ہمرہِ ایں محمل کرد
اس لیے کہ کرم کی امید نے، مجھے اس کجاوہ کے ساتھ کیا ہے

روئے[4] خاکی و نمِ چشمِ مرا خوار مدار
میرے خاک آلود چہرے، اور آنکھ کی نمی کو ذلیل نہ کر

چرخِ فیروزہ طربخانہ ازیں کہگل کرد
نیلے آسمان نے طربخانہ کو، اسی سے کہگل کیا ہے

آہ و فریاد کہ از چشمِ حسودِ مہ و مہر
آہ و فریاد ہے کہ چاند، اور سورج کی حسد کی نظر سے

در لحد ماہِ کماں ابروئے من منزل کرد
میرے کمان جیسے ابرو والے چاند نے قبر میں پڑاؤ کر لیا ہے

نزدی شاہرخ و فوت شد امکاں حافظ
تو نے شہرخ کی چال نہ چلی اور اے حافظ موقع جاتا رہا

چہ کنم بازیِ ایام مرا غافل کرد
کیا کروں زمانے کی بازی نے، مجھے غافل بنا دیا

بخت از دہانِ یار نشانم نمی دہد
نصیبہ معشوق کے منہ کا مجھے پتہ نہیں دیتا ہے

دولت خبر ز رازِ[5] نہانم نمی دہد
دولت، چھپے راز کی مجھے خبر نہیں دیتی ہے

از بہرِ بوسہ ز لبش جاں ہمی دہم
اس کے ہونٹ کے بوسہ کے عوض میں جان دیتا ہوں

اینم[6] نمی ستاند و آنم نمی دہد
وہ مجھ سے اس کو نہیں لیتا ہے اور وہ مجھے نہیں دیتا ہے

مردم ز انتظار و دریں پردہ راہ نیست
میں انتظار میں مرا، اور اس پردہ میں راستہ نہیں ہے

یا ہست و پردہ دار نشانم نمی دہد
یا ہے، اور پردہ دار مجھے اس کا پتہ نہیں دیتا ہے

شکر[7] بصبر دست دہد عاقبت ولے
صبر سے انجام کار وصالِ یار نصیب ہوتا ہے لیکن

بد عہدیِ زمانہ امانم نمی دہد
زمانہ کی بد عہدی، مجھے امن نہیں دیتی ہے

زلفش کشید بادِ[8] صبا چرخِ سفلہ بیں
بادِ صبا نے اس کی زلف کو کھینچا، کمینہ آسمان کو دیکھو

کانجا مجالِ بادِ وزانم نمی دہد
مجھے اس جگہ، چلتی ہوا کی جگہ نہیں دیتا ہے

چندانکہ[9] بر کنار چو پرکار میروم
کنارے پر، پرکار کی طرح جس قدر بھی میں چلتا ہوں

دوراں چو نقطہ رہ بمیانم نمی دہد
زمانہ نقطہ کی طرح، مجھے درمیان کا موقع نہیں دیتا ہے

---

[1] بہت منقّی مسجع عبارت بول رہا ہے۔
[2] یہ مرثیہ ہے جو حافظ نے اپنے کسی لڑکے کے مرنے پر کہا ہے، گل سے مراد وہی لڑکا ہے اور بلبل سے مراد، خود حافظ ہے۔
[3] طوطی سے حافظ اور شکر سے مراد لڑکا ہے۔
[4] ہمارے چہرے کی خاک کو آنسوؤں سے گوندھ کر زمانے نے اپنے محفل خانہ کو لیپا ہے۔
[5] رازِ نہاں سے مراد معشوق کا منہ ہے
[6] ایں سے مراد جان، آں سے مراد بوسہ ہے۔
[7] شکر سے مراد وصلِ یار ہے۔
[8] بادِ صبا کو زلف سے کھیلنے کا موقع دیا ہے عاشق کا وہاں گذر بھی نہیں ہے۔
[9] پرکار کا درمیانی نقطہ پر سکون ہے اور پرکار کا سرا چکر کاٹتا ہے یعنی حیران ہے۔

جاں میدہم برائے یکے بوسہ از لبش
میں اس کے لب کے ایک بوسہ کے لئے جان دیتا ہوں

جاں می بردرواں و زبانم نمیدہد
وہ فوراً جان لے لیتا ہے اور مجھے زبان نہیں دیتا ہے

گفتم روم بخواب کہ بینم جمالِ یار
میں نے سوچا تھا سو جاؤں لیکہ یار کا جمال دیکھوں

حافظ ز آہ و نالہ امانم نمیدہد
حافظ، آہ و نالہ سے مجھے امن نہیں دیتا ہے

بود آیا کہ درِ میکدہا بکشایند
کیا ایسا ہوگا کہ میکدوں کے دروازے کھولیں گے

گرہ از کارِ فروبستۂ ما بکشایند
ہمارے بندھے ہوئے معاملہ کی گرہ کھولیں گے

اگر از بہر دلِ زاہدِ خود بیں بستند
اگر انھوں نے متکبر زاہد کے لیے دروازہ بند کر دیا ہے

دل قوی دار کہ از بہر خدا بکشایند
تو دل مضبوط رکھو اس لئے کہ خدا کے لئے کھولدیں گے

درِ میخانہ ببستند خدایا مپسند
انھوں نے میخانہ کا دروازہ بند کر دیا ہے اے خدا پسند نفرما!

کہ درِ خانۂ تزویر و ریا بکشایند
کہ وہ مکاری اور ریاکاری کے گھر کا دروازہ کھولیں

گیسوئے چنگ ببرید بمرگِ مئے ناب
خالص شراب کی موت پر چنگ کے گیسو تراش دو

تا ہمہ مغبچگاں زلفِ دوتا بکشایند
تاکہ سب مُغبچے، دوہری زلفیں کھول دیں

بصفائے دلِ رندانِ صبوحی زدگاں
صبح کی شراب کے ماروں، رندوں کے دل کی صفائی کی وجہ سے

بس درِ بستہ بمفتاحِ دعا بکشایند
بہت سے بند کئے ہوئے دروازے دعا کی کنجی سے کھولدینگے

نامۂ تعزیتِ دخترِ رز بنویسید
انگور کی بیٹی کا، یہ تعزیت نامہ لکھو

تا حریفاں ہمہ خوں از مژہ ہا بکشایند
تاکہ سب دوست، پلکوں سے خون گرائیں

حافظ ایں خرقۂ پشمینہ بہ بینی فردا
اے حافظ! اس کمبل کی گدڑی کو تو کل کو دیکھے گا

کہ چہ زنّار ز زیرش بجفا بکشایند
کہ کتنے زنار، اس کے نیچے سے زبردستی کھولیں گے

بعد ازیں دستِ من و دامنِ آں سروِ بلند
اس کے بعد میرا ہاتھ ہوگا، اور اس بلند سرو کا دامن

کہ ببالائے چماں ازبن و بیخم برکند
جس نے خرام ناز سے چلنے والے قد کے ذریعہ مجھے جڑسے اکھاڑ پھینکا ہے

حاجتِ مطرب و مے نیست تو برقع بکشای
مطرب اور شراب کی ضرورت نہیں ہے تو برقع اٹھا دے

کہ برقص آورد م آتشِ رویت چو سپند
تاکہ تیرے چہرے کی آگ مجھے کالے دانے کی طرح نچادے

ہیچ روئے نشود آئنۂ چہرۂ بخت
کوئی چہرہ نصیبے کے چہرہ کا آئینہ نہیں ہوسکتا

مگر آں روئے کہ مالند بر آں سُمِ سمند
مگر وہ چہرہ، جس کو اس گھوڑے کے سم پر مل دیں

گفتم اسرارِ غمت ہر چہ بود گو می باش
میں نے کہا تیرے غم کے راز جو بھی ہوں کہدے کہ ہوا کرے

صبر ازیں بیش ندارم چہ کنم تا کے و چند
اس سے زیادہ میں صبر نہیں کرسکتا کیا کروں، کب تک کروں

مکش آں آہوئے مشکینِ مرا اے صیّاد
اے صیاد! میرے اس مشک والے ہرن کو نہ مار

شرم از آں چشمِ سیہ دار و مبندش بکمند
اُن کالی آنکھوں سے شرم کر اور اُسکو پھندے میں نہ پھانس

---

۱ خواب میں یار کا حسن دیکھنا چاہتا ہوں لیکن حافظ کا آہ و نالہ سونے نہیں دیتا ہے۔

۲ میخانہ کا دروازہ زاہد کے لیے بند ہے تیرے لیے خدا واسطے کھول دیں گے۔

۳ شراب کی ممانعت پر چنگ کے تار توڑ ڈالو تاکہ مُغبچے سوگ میں اپنی زلفیں کٹوا ڈالیں۔

۴ شراب کی بندش گویا اسکی موت ہے اس سلسلہ میں تعزیت نامہ لکھو تاکہ دوست خون کے آنسو روئیں۔

۵ ریاکاری کی گدڑی کے نیچے شرک اور کفر کے سینکڑوں زنار بندھے ہیں جو قیامت میں جبراً کھول کر دکھائے جائیں گے۔

۶ کالے دانہ کو جب آگ پر ڈالا جاتا ہے تو وہ خوب تڑختا اور ناچتا ہے۔

۷ نصیبہ کا چہرہ جب منور ہوگا جبکہ اس کو معشوق کے گھوڑے کے سُم سے رگڑا جائیگا۔

منِ خاکی کہ ازیں در نتوانم برخاست
میں خاکی جو اس در سے اٹھ بھی نہیں سکتا

از کجا بوسہ زنم بر لبِ آں قصرِ بلند
اس بلند محل کے ہونٹ کا کہاں سے بوسہ لوں؟

جز بزلفِ تو ندارد دلِ عاشق میلے
عاشق کا دل تیری زلف کے سوا کوئی خواہش نہیں رکھتا ہے

آہ ازیں دل کہ بصد بند نمیگیرد پند
اس دل پر آہ ہے کہ سو قیدوں سے بھی نصیحت حاصل نہیں کرتا ہے

شب و روزت بدعا عاشقِ بیدل گوید
بیدل عاشق دن رات تیرے لئے دعا میں کہتا ہے

کہ مبیناد سہی قامتت از دہر گزند
کہ خدا کرے تیرے بلند قد کو، زمانہ کی گزند نہ پہونچے

تو غزلہائے تر و دلکشِ حافظ بشنو
تو حافظ کی تازہ اور دلکش غزلیں سن

گر کمالیش بود شعر بگوید بخجند
اگر اُس کو کوئی بھی کمال ہوگا، وہ خجند میں شعر کہے گا

باز مستاں دل ازاں گیسوئے مشکیں حافظ
اے حافظ! اُس مشکیں زلف سے دل واپس نہ لے

زانکہ دیوانہ ہماں بہ کہ بماند در بند
اس لئے کہ دیوانہ وہی اچھا ہے، جو قید میں رہے

بُتے دارم کہ گردِ گل ز سنبل سایباں دارد
میرا ایک ایسا بُت ہے جس کے پھول کے گرد سنبل کا سائبان ہے

بہارِ عارضش خطے بخونِ ارغواں دارد
اس کے رخسار کی بہار کے پاس ارغواں کے خون کا خط ہے

غبارِ خط بپوشانید خورشیدِ رخش یا رب
اس کے خط کے غبار نے اسکے رُخ کے سورج کو نہیں چھپایا، اے خدا!

حیاتِ جاوِدانش دہ کہ حسنِ جاوداں دارد
اسکو ہمیشگی کی زندگی عطا فرما کیونکہ اس کا حسن ہمیشہ رہنے والا ہے

چو عاشق می شدم گفتم کہ بُردم گوہرِ مقصود
جب میں عاشق ہوا تو سمجھا کہ گوہرِ مقصود حاصل کر لیا

ندانستم کہ ایں دریا چہ موجِ بیکراں دارد
میں نے نہ جانا کہ یہ دریا کس قدر بے پایاں موجیں رکھتا ہے

چو در رویت بخندد گل مشو در دامش اے بلبل
اے بلبل اگر پھول تیرے سامنے ہنسے تو اس کے جال میں نہ پھنس

کہ بر گل اعتمادے نیست گر حسنِ جہاں دارد
اس لیے کہ پھول پر کوئی بھروسہ نہیں ہے اگرچہ وہ جہان حسن رکھتا ہے

خدا را دادِ من بستاں ازو اے شحنۂ مجلس
اے داروغۂ محفل! خدا کے لئے میرا اس سے انصاف کرا

کہ مے با دیگراں خورد ست و با من سرگراں دارد
کہ اس نے دوسروں کے ساتھ شراب پی ہے اور مجھ سے بیزاری کر رہا ہے

امیدم را رواں گرداں اگر امیدِ آں داری
اگر تجھے اس کی امید ہے تو میری امید پوری کر دے

قدت آئینِ سروِ ناز و لعلت لطفِ جاں دارد
تیرا قد سروِ ناز کا طریقہ اور تیرا لعل جان کا لطف رکھتا ہے

چو دامِ طرہ افشاند بگردِ خاطرِ عاشق
جب وہ زلف کے جال کو عاشق کے دل کی گرد سے جھاڑتا ہے

بغمازِ صبا گوید کہ رازِ من نہاں دارد
صبا کے چغلخور سے کہتا ہے کہ میرا راز پوشیدہ رکھے

ز خوفِ ہجرم ایمن کن اگر امیدِ آں داری
مجھے ہجر کے خوف سے مطمئن کر دے اگر تجھے اس کی امید ہے

کہ از چشمِ بد اندیشاں خدایت در اماں دارد
بداندیشوں کی نظر سے خدا تجھے محفوظ رکھے

چہ افتادست دریں رہ کہ ہر سلطانِ معنی را
اس راستہ پر کیا پڑا ہے کہ حقیقت کے ہر بادشاہ کو

دریں درگاہ می بینم کہ سر بر آستاں دارد
میں اس درگاہ میں دیکھتا ہوں کہ وہ چوکھٹ پر سر رکھتا ہے

بفتراک ار ہمی بندی خدا را زود صیدم کن
اگر تو فتراک سے باندھتا ہے تو خدا کے لئے مجھے جلد شکار کر لے

کہ آفتہاست در تاخیر و طالب را زیاں دارد
اس لیے کہ دیر کرنے میں آفتیں ہیں، اور طلبگار کا نقصان ہے

۱۔ جبکہ اٹھکر کھڑا ہونیکی بھی طاقت نہیں ہے تو محبوب کے بلند قد کے ہوتے ہوئے اس کے رُخ تک پہونچنا مشکل ہے۔

۲۔ گل سے مراد رخسار اور سنبل سے مراد زلفیں ہیں "خط بخون کسے داشتن" کے معنی ہیں کسی کو قتل کرنیکی دلیل رکھنا یعنی چونکہ اس کا رخسار ارغواں سے بھی حسین ہے لہٰذا اس کو حق ہے کہ وہ ارغوان کو قتل کر دے۔

۳۔ اس کے رخساروں پر خط آجانے سے بھی اسکے حسن میں کمی نہیں آئی لہٰذا اس کا حسن ہمیشہ رہنے والا ہے۔

۴۔ گل کے مسکرانے سے مبلبل کو دھوکا نہ کھانا چاہیئے۔

۵۔ اگر تو میری امید پوری کرنیکی توقع رکھتا ہے تو میری امید پوری کر دے۔

۶۔ اسکی زلفوں میں عاشقوں کے غبار آلود دل پھنسے ہیں جب انکی گرد وہ جھاڑتا ہے تو صبا سے کہتا ہے کہ خوشبو نہ پھیلے

۷۔ سلطانِ معنی سے حقیقت شناس مُراد ہے۔

زسروِ قدِ دلجویت مکن محروم چشمم را
میری آنکھوں کو اپنے دلپسند قد کے سرو سے محروم نہ کر
بدیں سرچشمہ اش بنشاں کہ خوش آبِ روان دارد
اس کو اس چشمہ پر گاڑ دے کیونکہ بہت اچھا جاری پانی رکھتا ہے

زچشمت جاں نشاید برد کز ہر سو ہمی بینم
تیری آنکھوں سے جان نہ بچائی جا سکے گی اس لئے کہ میں ہر جانب دیکھتا ہوں
کمیں از گوشۂ کردست و تیر اندر کماں دارد
کہ گوشہ میں گھات لگائی ہے اور کمان پر تیر چڑھایا ہے

بیفشاں جرعۂ بر خاک و حالِ اہلِ شوکت بیں
ایک گھونٹ زمین پر لنڈھا دے اور اہل دبدبہ کی حالت پر غور کر
کہ از جمشید و کیخسرو ہزاراں داستاں دارد
اس لیے کہ وہ اب بھی جمشید اور کیخسرو کی ہزاروں داستانیں رکھتی ہے

چہ عذر از بختِ خود گویم کہ آں عیّارِ شہر آشوب
میں اپنے نصیب کی طرف سے کیا معذرت کروں کہ اس شہر کو فتنے میں مبتلا کرنے والے مکار نے
بتلخی کُشت حافظ را و شکر در دہاں دارد
حافظ کو تلخ کلامی سے مار ڈالا اور منہ میں شکر رکھتا ہے

بہ حسن و خلق و وفا کس بیارِ ما نرسد
حسن خلق اور وفا میں کوئی ہمارے یار کو نہیں پہونچتا ہے
ترا دریں سخن انکارِ کارِ ما نرسد
تجھے بھی اس بات میں ہمارے کام کے انکار کا حق نہیں پہونچتا ہے

اگرچہ حسن فروشاں بجلوہ آمدہ اند
اگرچہ حسن فروش جلوے میں آگئے ہیں
کسے بحسن و لطافت بیارِ ما نرسد
کوئی حسن اور پاکیزگی میں، ہمارے یار کو نہیں پہونچتا ہے

بحق صحبتِ دیریں کہ ہیچ محرمِ راز
دیرینہ صحبت کے حق کی قسم کہ کوئی راز دار
بیارِ یکجہت حق گزارِ ما نرسد
ہمارے یار، حق گذار، یکجہو کو نہیں پہونچتا ہے

ہزار نقد بباز ارِ کائنات آرند
کائنات کے بازار میں، ہزاروں سکے لائے ہیں
یکے بسکۂ صاحب عیارِ ما نرسد
ہمارے خالص سونے والے سکے کو ایک نہیں پہونچتا ہے

دریغ قافلۂ عمر آنچناں رفتند
افسوس کہ عمر کے قافلے، اس طرح چلے گئے
کہ گردِ شاں بہوائے دیارِ ما نرسد
کہ ان کی گرد بھی، ہمارے ملک کی ہوا تک نہیں پہونچتی ہے

ہزار نقش بر آید زکلکِ صنع و یکے
کاریگری کے قلم سے ہزاروں نقش بنتے ہیں اور ایک بھی
بدلپذیریِ نقشِ نگارِ ما نرسد
ہمارے محبوب کے نقش کی دلپذیری کو، نہیں پہونچتا ہے

دلا ز طعنِ حسوداں مرنج و ایمن باش
اے دل حاسدوں کے طعنے سے رنجیدہ نہ ہو اور مطمئن رہ
کہ بد بخاطرِ امیدوارِ ما نرسد
اس لئے کہ ہماری امیدوار طبیعت میں کوئی برائی نہیں پہونچتی ہے

چناں بزی کہ اگر خاکِ رہ شوی کس را
اس طرح زندہ رہ کہ اگر تو راستہ کی خاک بنجائے کسی کو
غبارِ خاطرے از رہگذارِ ما نرسد
ہمارے راستے سے کوئی تکلیف نہ پہونچے

بسوخت حافظ و ترسم کہ شرح قصۂ او
حافظ جل گیا، اور میں ڈرتا ہوں کہ اس کے قصے کی تفصیل
بسمع بادشہ کامگارِ ما نرسد
ہمارے کامیاب بادشاہ کے کانوں تک نہ پہونچے

بیا کہ رایتِ منصور پادشاہ رسید
آکہ منصور بادشاہ کا جھنڈا آگیا ہے
نوید فتح و بشارت بمہر و ماہ رسید
فتح کا پیام، اور خوشخبری سورج اور چاند تک پہونچگئی ہے

---

۱ سرو کے نشو و نما کے لئے پانی کی ضرورت ہے وہ میری آنکھوں میں موجود ہے۔
۲ قاعدہ ہے کہ شراب پینے سے قبل تھوڑی سی زمین پر گرائی جاتی ہے۔ یعنی جمشید و کیخسرو اسی خاک میں پنہاں ہیں۔
۳ یہ غزل نعت نبی صلعم میں ہے یار سے مراد آنحضورؐ کی ذاتِ گرامی ہے۔
۴ دیگر انبیاء کو وہ مرتبہ حاصل نہیں ہے جو آنحضورؐ صلعم کو حاصل ہے۔
۵ دیگر انبیاء کا سکہ ایسا رائج نہیں ہوا جیسا کہ آنحضورؐ کا۔
۶ قافلۂ عمر سے مراد حضورؐ کی صفات ہیں۔
۷ حاسدوں کی طعنہ زنی سے ہمارے دل پر کوئی اثر نہیں ہو سکتا ہے۔
۸ انسان کو گردِ راہ بنجانا چاہیے اور وہ بھی اس طور پر کہ چلنے والوں کو اس گرد سے کوئی تکلیف نہ پہونچے۔
۹ ایک زمانہ میں شاہ یحیٰی شیراز پر قابض ہوگیا تھا منصور نے شیراز پر حملہ کیا اور شاہ یحیٰی کو قتل کرکے اپنی بادشاہت کا اعلان کیا۔ منصور خواجہ صاحب کا قدردان تھا اس فتح کی خوشی میں خواجہ صاحب نے یہ قصیدہ لکھا ہے۔

جمالِ بخت زروئے ظفر نقاب انداخت
نصیبہ کے حسن نے کامیابی کے چہرے سے نقاب اٹھا پھینکا
کمالِ عدل بفریادِ داد خواہ رسید
مکمل انصاف، فریادی کی فریاد کو پہونچ گیا ہے

سپہرِ دورِ خوش اکنوں زند کہ ماہ آمد
آسمان کا دور اب بہتر ہوگا، کہ چاند نکل آیا ہے
جہاں بکامِ دل اکنوں رسد کہ شاہ رسید
دنیا دل کے مدعا کو اب پہونچے گی جبکہ شاہ پہونچ گیا ہے

زقاطعانِ طریق ایں زماں شوند ایمن[1]
ڈاکوؤں سے اب مطمئن ہوں گے
قوافلِ دل و دانش کہ مردِ راہ رسید
دل، اور عقل کے قافلے، کیونکہ مردِ راہ پہونچ گیا ہے

عزیزِ مصر[2] برغمِ برادرانِ غیور
مصر کا عزیز، حاسد بھائیوں کی ذلت کے ساتھ
زقعرِ چاہ برآمد باوجِ ماہ رسید
کنویں کی گہرائی سے نکل آیا اور چاند کی بلندی پر پہونچ گیا ہے

کجاست صوفیِ دجّال چشمِ[3] ملحد شکل
کہاں ہے دجّال کی آنکھ، اور ملحد کی شکل والا صوفی
بگو بسوز کہ مہدیِ دیں پناہ رسید
کہدو کہ جل مرے کہ دین کی پناہ، مہدی پہونچ گیا ہے

صبا بگو کہ چہا بر سرم دریں غمِ عشق
صبا بتا دے کہ اس عشق کے غم میں میرے سر پر کیا کیا؟
زآتشِ دلِ سوزان و برقِ آہ رسید
جلتے دل کی آگ، اور آہ کی بجلی سے گذرا ہے

زشوقِ روئے تو جاناں بریں اسیرِ فراق
جاناں تیرے چہرے کے عشق سے اس فراق کے قیدی پر
ہماں رسید کز آتش ببرگِ کاہ رسید
وہی پہونچا ہے جو آگ سے گھاس کے تنکے کو پہونچا ہے

مرو بخواب کہ حافظ ببارگاہِ قبول
نہ سو، اس لیے کہ حافظ مقبولیت کی بارگاہ میں
زوردِ نیم شب و درسِ صبحگاہ رسید[4]
آدھی رات کے وظیفہ اور صبح کے وقت کے درس سے پہونچ گیا ہے

بنفشہ[5] دوش بگل گفت و خوش نشانے داد
بنفشہ نے کل رات کو پھول سے کہا، اور اچھا پتہ بتایا
کہ تابِ من بجہاں طرّۂ فلانے داد
کہ فلاں کی زلف نے مجھے دنیا میں بل دیا ہے

دلم کہ مخزنِ اسرار بود دستِ قضا
میرا دل جو رازوں کا خزانہ تھا تقدیر کے ہاتھ نے
درش ببست و کلیدش بدلستانے داد[6]
اس کا دروازہ بند کر دیا اور اس کی کنجی ایک محبوب کے ہاتھ میں دیدی ہے

شکستہ وار بدرگاہت آمدم کہ طبیب
شکستہ ہو کر تیرے دربار میں آیا ہوں اس لئے کہ طبیب نے
بمومیائیِ[7] لطفِ توام نشانے داد
تیری مہربانی کی مومیائی کا، مجھے پتہ بتایا ہے

برو معالجۂ[8] خود کن اے نصیحت گوئی
اے ناصح! جا، اپنا علاج کر
شراب و شاہد و ساقی کرا زیانے داد
شراب اور معشوق اور ساقی نے کس کو نقصان دیا ہے؟

تنش درست و دلش شاد باد و خاطر خوش
اس کا جسم تندرست اور اس کا دل خوش اور اس کے مزاج اچھے رہیں
کہ دستِ داد و دہش دادِ ناتوانے داد
جس کے داد و دہش کے ہاتھ نے کسی کمزور کی مدد کی ہے

گذشت بر منِ مسکین و با رقیباں گفت
مجھ مسکین کے پاس سے گذرا، اور رقیبوں سے بولا
دریغ عاشقِ مسکینِ من چہ جانے داد
افسوس میرے مسکین عاشق نے کیسی جان دیدی ہے

خزینۂ دلِ حافظ زگوہرِ اسرار
حافظ کے دل کے خزانہ نے، رازوں کے جواہر کا
بہ یمنِ عشقِ تو سرمایۂ جہانے داد[9]
تیرے عشق کی برکت سے ایک زمانہ کا سرمایہ دیدیا ہے

---

[1] دل اور دانش کے قافلے اب ڈاکوؤں سے امن میں ہیں۔
[2] بادشاہ کو یوسفؑ اور مخالفوں کو برادرانِ یوسفؑ قرار دیا ہے۔
[3] دجّال کی ایک آنکھ میں پھولا ہوگا اور روایات میں ہے کہ اس کو امام مہدی قتل کریں گے۔
[4] حافظ کو کامیابی شب بیداری سے ہوئی ہے تو بھی شب بیداری کرے۔
[5] بنفشہ اسکی زلف کو دیکھ کر رشک میں پیچ و تاب کھا رہی ہے۔
[6] اب میں رازِ عشق کو ظاہر کرنے پر قادر نہیں ہوں۔
[7] مومیائی ایک دوا ہے جو ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑنے میں اکسیر ہے۔
[8] نصیحت گر پاگل ہے اس کو اپنا علاج کرانا چاہئے۔
[9] دنیا میں جہاں کہیں گوہرِ اسرار ہیں وہ حافظ کا عطیہ ہیں۔

بُرید بادِ صبا دوشم آگہی آورد
بادِ صبا کے قاصد نے، کل مجھے خبر دی ہے
کہ روزِ محنت وغم رُو بکوتہی آورد
کہ محنت اور غم کے دن نے کمی کی طرف رخ کیا ہے

بمُطربانِ صبوحی دہیم جامۂ پاک
ہم پاک لباس صبح کے گویّوں کو دیں گے
بدیں نوید کہ بادِ سحرگہی آورد
اس خوشخبری پر جو صبح کے وقت کی ہوا لائی ہے

نسیمِ زلفِ تو شد خضرِ راہِ ما اندر عشق
عشق کے بارے میں تیری زلف کی خوشبو ہماری خضرِ راہ ہوئی ہے
زہے رفیق کہ بختم بہمرہی آورد
کیا عمدہ ساتھی ہے جس کو نصیبہ نے ساتھ کیا ہے

بیا بیا کہ طہورِ بہشت را رضواں
آجا، آجا اس لیے کہ رضواں بہشت کی پاکیزہ شراب
دریں جہاں زبرائے دلِ رہی آورد
اس دنیا میں ایک غلام کے دل کی خاطر لایا ہے

بخیرِ خاطرِ ما کوش کایں کلاہِ نمد
ہماری طبیعت کی بھلائی کے لیے کوشش کر اس لیے کہ یہ نمدی ٹوپی
بسے شکست کہ بر افسرِ شہی آورد
شاہی تاج پر بہت سی شکستیں لائی ہے

چہ آہہا کہ رسید از دلم بخرگہِ ماہ
کتنی آہیں ہیں کہ میرے دل سے چاند کے خیمہ تک پہونچی ہیں
چو یادِ عارضِ آں ماہِ خرگہی آورد
جب اس نے خیمہ کے چاند کے رخسار کو یاد کیا ہے

رساند رایتِ منصور بر فلک حافظ
حافظ نے منصور کے جھنڈے کو آسمان پر پہونچا دیا ہے
چو التجا بجنابِ شہنشہی آورد
جبکہ اس نے شہنشاہی دربار میں التجا کی ہے

بکوئے میکدہ یارب سحر چہ مشغلہ بود
اے خدا! صبح میکدہ کے کوچہ میں کیا مشغلہ تھا؟
کہ جوشِ شاہد و ساقی و شمع و مشعلہ بود
کہ معشوق، اور ساقی، اور شمع اور مشعل کا جوش تھا

حدیثِ عشق کہ از حرف و صوت مستغنیست
عشق کی بات، جو حرف اور آواز سے مستغنی ہے
بنالۂ دف و نے در خروش و ولولہ بود
دف اور بانسری کے نالہ سے خروش اور ولولہ میں تھی

مباحثے کہ در آں حلقۂ جنوں میرفت
وہ بحثیں، جو اس دیوانگی کی مجلس میں ہوئیں
ورائے مدرسہ و قیل و قال و مسئلہ بود
مدرسہ اور قیل و قال اور مسئلہ سے آگے کی تھیں

دل از کرشمۂ ساقی بشکر بود و لے
ساقی کے اشارۂ چشم کا دل شکر گزار تھا لیکن
ز نامساعدتِ بختش اندکے گلہ بود
نصیبہ کی ناموافقت سے اس کو تھوڑا سا شکوہ تھا

قیاس کردم آزاں چشمِ جادوانہ مست
ان جادو بھری مست آنکھوں کا میں نے اندازہ کیا
ہزار ساحرِ چوں سامریش در گلہ بود
سامری جیسے ہزار جادوگر، ان کے شاکی تھے

بگفتمش بلبم بوسۂ حوالت کن
میں نے اس سے کہا مجھے ہونٹ کا ایک بوسہ عنایت کر
بخندہ گفت کیت با من ایں معاملہ بود
ہنس کر بولا تیرا مجھ سے یہ معاملہ کب تھا؟

ز اخترم نظرِ سعد در رہ است کہ دوش
میرے ستارے کو سعد پر نظر درپیش ہے اس لیے کل شب
میانِ ماہ و رخِ یارِ من مقابلہ بود
چاند اور میرے یار کے رخ میں مقابلہ تھا

کرشمۂ کہ بکرد آں دو چشمِ شہر آشوب
شہر کو فتنہ میں ڈالنے والی ان دو آنکھوں کے اشارہ پر
ز خیلِ دل شدگانش ہزار گلہ بود
دل دیئے ہوئے مجمع میں سے ہزاروں شکوے میں تھے

۱؎ اب غم و رنج کی کیفیت کم ہوگی اور رنج و غم کا دن چھوٹا ہو جائے گا۔
۲؎ رہی بمعنی غلام یعنی حافظ کے لئے رضواں جنت سے شراب لایا ہے
۳؎ عشق کی کہانی کے بیان کے لئے الفاظ اور حروف کی ضرورت نہیں ہے۔
۴؎ یعنی معرفت کے مباحث علماءِ ظاہر کی فہم سے بالاتر ہیں۔
۵؎ کیونکہ وہ اس کی جادوگری کے مقابلہ میں عاجز تھے۔
۶؎ منصور نے شاہ شجاع کے لڑکے زین العابدین کو شکست دیکر شیراز کی بادشاہت حاصل کی تھی یہ بھی حافظ کا ممدوح ہے۔

دہانِ یار کہ درمانِ دردِ حافظ داشت
محبوب کا وہ منہ، جو حافظ کے درد کا علاج رکھتا تھا
فغاں کہ وقتِ مروّت چہ تنگ حوصلہ بود
فریاد ہے، مروّت کے وقت کس قدر تنگ حوصلہ تھا

بوئے خوشِ تو ہر کہ ز بادِ صبا شنید
تیری خوشبو جس نے بھی بادِ صبا سے سونگھی
از یارِ آشنا سخنِ آشنا شنید
اس نے جانے پہچانے دوست کی جانی پہچانی بات سنی

اینش سزا نبود دلِ حق گزارِ من
میرے شکر گزار دل کی یہ سزا نہ تھی
کز غمگسارِ خود سخنِ ناسزا شنید
کہ اس نے اپنے غمگسار سے نامناسب بات سنی

اے شاہِ حسن چشم بحالِ گدا فگن
اے حسن کے بادشاہ! فقیر کی حالت پر نظر کر
کیں گوش بس حکایتِ شاہ و گدا شنید
اس لیے کہ ان کانوں نے بادشاہ اور فقیر کے بہت سے قصے سنے

خوش میکنم بباده مشکیں مشامِ جاں
میں مشکیں شراب سے جان کے دماغ کو خوش کرتا ہوں
کز دلق پوشِ صومعہ بوئے ریا شنید
اس لیے کہ عبادت خانہ کے گدڑی پہننے والے سے اس نے ریا کی بو سونگھی ہے

سرِ خدا کہ عارفِ سالک بکس نگفت
خدا کا راز جو عارف، سالک نے کسی سے نہیں کہا
در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید
مجھے تعجب ہے کہ مے فروش نے کہاں سے سنا

ما بادہ زیرِ خرقہ نہ امروز می خوریم
ہم گدڑی میں چھپا کر، آج ہی شراب نہیں پی رہے ہیں
صد بار پیرِ میکدہ ایں ماجرا شنید
میکدے کے شیخ نے سو بار یہ قصہ سنا ہے

یارب کجاست محرمِ رازے کہ یکزماں
اے خدا! ایسا ہم راز کہاں ہے کہ تھوڑی دیر کے لئے
دل شرحِ آں دہد کہ چہ دید و چہا شنید
دل اسکی تفصیل کرے کہ کیا دیکھا، اور کیا کیا سنا

ما مے ببانگِ چنگ نہ امروز می کشیم
ہم چنگ کی آواز پر شراب آج ہی نہیں پی رہے ہیں
بس دیر شد کہ گنبدِ چرخ ایں صدا شنید
بہت زمانہ ہو گیا ہے کہ آسمان کے گنبد نے یہ آواز سنی ہے

ساقی بیا کہ عشق ندا می کند بلند
ساقی! آجا کہ عشق پکار رہا ہے
آنکس کہ گفت قصۂ ما ہم ز ما شنید
جس نے ہمارا قصہ بیان کیا ہے، اس نے ہمیں سے سنا ہے

پندِ حکیم عینِ صواب ست و محضِ خیر
دانا کی نصیحت بالکل درست اور خالص بھلائی ہے
فرخندہ بخت آنکہ بسمعِ رضا شنید
مبارک نصیب وہ ہے، جس نے رضامندی کے کان سے سنی

نشنید ہر چہ گفتم و بگذشت ویں عجب
جو میں نے کہا اس نے نہ سنا، اور چلا گیا، اور یہ عجیب بات ہے
سلطاں شنیدہ ام کہ حدیثِ گدا شنید
میں نے تو سنا ہے کہ بادشاہ نے فقیر کی بات سنی ہے

محروم اگر شدم ز سرِ کوئے او چہ شد
اگر میں اس کے کوچے سے محروم رہا ہوں تو کیا ہوا
از گلشنِ زمانہ کہ بوئے وفا شنید
زمانہ کے گلشن سے کس نے وفا کی خوشبو سونگھی ہے

ہر شام ماجرائے من و دل شمال گفت
شمالی ہوا نے ہر شام کو میرا اور دل کا قصہ بیان کیا ہے
ہر صبح گفتگوئے من و او صبا شنید
ہر صبح کو صبا نے میرا، اور اس کا قصہ سنا ہے

حافظ وظیفۂ تو دعا گفتن ست و بس
اے حافظ! تیرا وظیفہ بس دعا دینا ہے
در بندِ آں مباش کہ نشنید یا شنید
اس فکر میں نہ پڑ کہ اس نے سنا یا نہیں سنا

۱ معشوق کا منہ اس قدر تنگ ثابت ہوا کہ مروّت کی ایک بات بھی اس سے نہ نکلی۔
۲ معشوق کو تو غمگسار ہونا چاہیے نہ کہ وہ دل دکھانے والی باتیں کرے۔
۳ بہت سے قصے مشہور ہیں کہ شاہوں نے گداؤں پر کرم کیا ہے۔
۴ ظاہر ہے کہ کسی مے نوش سے ہی سنا ہوگا۔
۵ ہم آج کے علی الاعلان مے نوش نہیں ہیں، عرصہ سے یہ طریقہ جاری ہے۔
۶ عشق کا قصہ وہی بیان کرسکتا ہے جو خود مبتلا ہوا ہو۔
۷ میری بدقسمتی کہ اس نے میری ایک نہ سنی حالانکہ وہ بادشاہ ہے اور میں فقیر ہوں۔
۸ یہی اخلاص کا آخری مرتبہ ہے۔

برسرِ آنم[1] کہ گر ز دست برآید — دست بکارے زنم کہ غصہ سرآید
اس خیال میں ہوں کہ اگر ممکن ہو سکے — ایسے کام میں ہاتھ ڈالوں جس سے رنج ختم ہو جائے

منظرِ دل نیست جائے صحبتِ اغیار — دیو[2] چو بیروں رود فرشتہ درآید
دل کا منظر، غیروں کی صحبت کی جگہ نہیں ہے — شیطان جب باہر نکل جاتا ہے تب فرشتہ اندر آتا ہے

صحبتِ حکام ظلمتِ شبِ یلداست — نور ز خورشید خواہ بو کہ برآید
حکام کی صحبت تاریک رات کا اندھیرا ہے — نور آفتاب سے مانگ، ہو سکتا ہے کہ وہ حاصل ہو جائے

بر درِ[3] اربابِ بے مروتِ دنیا — چند نشینی کہ خواجہ کے بدر آید
بے مروت دنیا داروں کے دروازے پر — کب تک بیٹھا رہے گا کہ خواجہ کب باہر نکلتا ہے؟

بگذر[4] ازیں روزگارِ تلخ تراز زہر — بارِ دگر روزگارِ چوں شکر آید
زہر سے زیادہ کڑوے زمانہ سے گزر جا — پھر شکر جیسا زمانہ آئے گا

صالح و طالح متاعِ خویش نمودند — تاکہ قبول افتد و چہ در نظر آید
نیک اور بد نے اپنی پونجی دکھائی — دیکھو کونسی قبول ہوتی ہے، اور کیا منظور ہوتا ہے

بلبلِ[5] عاشق تو عمر خواہ کہ آخر — باغ شود سبز و سرخ گل بدر آید
عاشق بلبل تو عمر چاہ، کیونکہ بالآخر — باغ سبز ہوگا، اور سرخ پھول کھل جائے گا

صبر[6] و ظفر ہر دو دوستانِ قدیمند — بر اثرِ صبر نوبتِ ظفر آید
صبر اور کامیابی دو پرانے ساتھی ہیں — صبر کے نتیجہ میں، کامیابی کی باری آتی ہے

بہتر[7] ازاں نیست در مقامِ توکل — صبر کنم تاکہ عمرشاں بسر آید
توکل کے مقام میں اس سے بہتر نہیں ہے کہ — میں صبر کروں تاکہ اُن کا وقت ختم ہو جائے

ترکِ[8] گدائی مکن کہ گنج بیابی — از نظرِ رہروے کہ در نظر آید
فقیری نہ چھوڑ، کہ تو خزانہ پائے گا — کسی راہرو کی نظر سے، جو نظر آئے گا

غفلتِ حافظ دریں سراچہ عجب نیست
اس سرائے میں حافظ کی غفلت تعجب خیز نہیں ہے
ہر کہ بمیخانہ رفت بیخبر آید
جو میخانہ میں گیا، مدہوش آیا ہے

بازم مہِ رخسارِ کسے در نظر آمد — مہرے بدل از طلعتِ آں ماہ درآمد
کسی کے رخسار کا چاند، مجھے پھر نظر آیا — اس چاند کے چہرے سے، دل میں سورج اتر آیا

باز ایں[9] دلِ سودازدہ ام گشت ہوائی — وز کارِ خود و بارِ خود ایں بار برآمد
میرا پاگل دل، پھر بے اختیار ہو گیا — اس بار، اپنے کار و بار سے بیگانہ ہو گیا

یکبار[10] نظر بر خمِ ابروش فگندم — صد تیرِ بلا بر من ازاں یک نظر آمد
اس کے ابرو کے خم پر میں نے ایک بار نظر ڈالی — اس ایک نظر سے مصیبت کے سو تیر مجھ پر آ گئے

ایں طرفہ کہ امروز بدیدم مہِ رویش — از روزِ دگر در نظرم خوبتر آمد
یہ عجب بات ہے کہ آج میں نے اس کے چہرے کے چاند کو دیکھا — تو، اور دنوں سے مجھے زیادہ حسین نظر آیا

---

[1] کوئی ایسا کام کرنا چاہتا ہوں جس سے غم و غصہ ختم ہو جائے
[2] دیو سے مراد غیر اور فرشتہ سے مراد دوست ہے۔
[3] دنیاداروں کے دروازے پر بیٹھکر ان کا انتظار نہ کرنا چاہیے۔
[4] دنیا طلبی نہ رہے تو دنیا خود شیریں بنکر آتی ہے۔
[5] انسان صبر کرتا ہے تو مقصد حاصل ہو کر رہتا ہے۔
[6] صبر کے نتیجہ میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔
[7] مصائب کا ایک وقت ہے، توکل یہی ہے کہ اُس وقفہ میں ان مصائب پر صبر کیا جائے
[8] انسان طالب ہوتا ہے تو راہبر مل ہی جاتا ہے۔
[9] دل پھر بے اختیار ہو گیا ہے اور اپنا سارا کاروبار چھوڑ بیٹھا ہے
[10] خمِ ابرو کو کمان قرار دیا جاتا ہے اسی لئے اس کے پیدا کردہ مصائب کو تیر قرار دیا ہے۔

حافظ طلبِ وصل بسے کرد و بہ آخر
حافظ نے وصل کی بہت طلب کی، اور بالآخر
از دستِ غمِ ہجرِ تو از پائے در آمد
تیرے ہجر کے غم سے گر پڑا

پیرانہ سرم عشقِ جوانے بسر افتاد
میرے بڑھاپے میں ایک جوان کا عشق سر پڑ گیا
واں راز کہ در دل بنہفتم بدر افتاد
جو راز میں نے دل میں چھپایا، وہ ظاہر ہوگیا

از راہِ نظر مرغِ دلم گشت ہوا گیر
میرا مرغِ دل نظر کی راہ سے فضا میں اُڑ گیا
اے دیدہ نظر کن کہ بدامِ کہ در افتاد
اے آنکھ! دیکھ کہ کس کے جال میں پھنسا ہے؟

دردا کہ ازاں آہوئے مشکینِ سیہ چشم
ہائے افسوس کہ اُس مشکیں، سیاہ چشم ہرن کی وجہ سے
چوں نافہ بسے خونِ دلم در جگر افتاد
نافہ کی طرح میرے دل کا بہت سا خون جگر میں جمع ہوگیا ہے

بارِ غمِ او عرض بہر کس کہ نمودند
اس کے غم کا بوجھ انہوں نے جس کسی پر بھی پیش کیا
عاجز شد و ایں قرعہ بنامِ بشر افتاد
وہ عاجز آگیا، اور یہ قرعہ انسان کے نام پر پڑا

از رہگذرِ خاکِ سرِ کوئے شما بود
تمہارے کوچہ کے راستہ کی، خاک سے تھا
ہر نافہ کہ در دستِ نسیمِ سحر افتاد
ہر وہ نافہ، جو صبح کی نسیم کے ہاتھ پڑا

مژگانِ تو تا تیغِ جہانگیر برآورد
جب تیری پلکوں نے جہاں کو فتح کرنے والی تلوار سونتی
بس کشتۂ دل زندہ کہ بر یکدگر افتاد
بہت سے شہید جن کے دل زندہ تھے ایک دوسرے پر گر پڑے

ایں بادہ کہ پرورد کہ خمّارِ خرابات
یہ شراب کس نے تیار کی ہے کہ شراب خانہ کا کلال
از بوئے بہشتیش ز خود بیخبر افتاد
اس کی بہشتی خوشبو کی وجہ سے اپنے سے بے خبر ہوگیا

بس تجربہ کردیم دریں دارِ مکافات
اس بدلہ کی دنیا میں، ہم نے بہت تجربہ کیا ہے
با دُرد کشاں ہر کہ در افتاد برافتاد
جو تلچھٹ پینے والوں سے لڑا، وہ گرا

گر جاں بدہد سنگِ سیہ لعل نگردد
اگر کالا پتھر جان بھی دیدے، تو لعل نہیں ہوسکتا
با طینتِ اصلی چہ کند بد گہر افتاد
اصلی طبیعت کے مقابلہ میں، بد گہر طبیعت والا کیا کرے،

فریاد کہ از زیرکیِ مرغِ سخن سنج
فریاد ہے کہ بات کو تولنے والا پرند عقلمندی کی وجہ سے
بیدانہ زدش راہ و بدامِ خطر افتاد
اس نے اسے بغیر دانہ کے ہی ڈاکہ ڈال دیا اور وہ خطرے کے جال میں پھنس گیا

حافظ کہ سرِ زلفِ بتاں دستکشش بود
وہ حافظ کہ بتوں کی زلف کا خیال، جس کا ہاتھ کھینچتا تھا
بس طرفہ حریفیست کش اکنوں بسر افتاد
بہت عجیب محبوب ہے، جو اَب اس کے سر پڑا ہے

پیش ازینت بیش ازیں غمخواریِ عشّاق بود
اس سے پہلے عاشقوں کے ساتھ تیری اس سے زیادہ غمخواری تھی
مہرورزیِ تو با ما شہرۂ آفاق بود
ہمارے ساتھ تیرا محبت کا برتاؤ، دنیا میں مشہور تھا

یاد باد آں صحبتِ شبہا کہ با زلفِ توام
راتوں کی وہ صحبت یاد رہے کہ میری، تیری زلف کے ساتھ
بحثِ سرّ عشق و ذکرِ حلقۂ عشّاق بود
عشق کے راز کی بحث اور عاشقوں کے حلقہ کا ذکر تھا

ا۔ بڑھاپے میں جوان کا عشق ہوگیا ہے جس کی وجہ سے میں رسوا ہوں۔
۲۔ نافہ، ہرن کا خون ہے جو شکم کے ایک حصہ میں جمع ہو جاتا ہے
۳۔ بارِ غم سے ہر چیز گھبرا گئی اور وہ انسان کے سر پڑ گیا۔
۴۔ نافہ نے خوشبو معشوق کے راستہ کی خاک سے حاصل کی ہے۔
۵۔ کشتگانِ عشق کے دل کو زندہ قرار دیا جاتا ہے۔
۶۔ دُرد کشوں سے برسرِ پیکار ہونے والا برباد ہو جاتا ہے۔
۷۔ مرغِ سخن سنج کے لیے اسکی عقل اور زیادہ باعث مصیبت بن گئی۔
۸۔ حافظ حسینوں میں پھنسا تھا لیکن اب کے بڑے محبوب سے اُس کا پالا پڑا ہے۔
۹۔ محبوب پہلے تو بہت زیادہ غمخوار اور ہمدرد تھا لیکن اب وہ بات نہیں ہے۔

حسنِ مہرویانِ مجلس گرچہ دل می برد و دیں
محفل کے حسینوں کا حسن اگرچہ دل اور دین لے جا رہا تھا

عشقِ ما بر لطفِ طبع و خوبیِ اخلاق بود
ہمارا عشق طبیعت کی لطافت اور اخلاق کی خوبی پر تھا

از دمِ صبحِ ازل تا آخرِ شامِ ابد
ازل کی صبح کے وقت سے، ابد کی شام تک

دوستی و مہر بر یک عہد و یک میثاق بود
دوستی اور محبت ایک عہد اور ایک میثاق پر تھی

سایۂ معشوق اگر افتاد بر عاشق چہ شد
معشوق کا سایہ اگر عاشق پر پڑ گیا تو کیا ہوا

ما باو محتاج بودیم او بما مشتاق بود
ہم اس کے محتاج تھے، وہ ہمارا مشتاق تھا

پیش ازیں کیں سقفِ سبز و طاقِ مینا بر کشید
اس سے پہلے کہ یہ سبز چھت اور منقش طاق بنایا

منظرِ چشمِ مرا ابروئے جاناں طاق بود
میری آنکھ کا منظر، معشوق کے ابرو کا طاق تھا

رشتۂ تسبیح اگر بگسست معذورم بدار
تسبیح کا ڈورا اگر ٹوٹ گیا، تو مجھے معذور رکھ

دستم اندر ساعدِ ساقیِ سیمیں ساق بود
میرا ہاتھ، چاندی جیسی پنڈلی والے ساقی کے کلائی میں تھا

بر درِ شاہم گدائے نکتۂ در کار کرد
بادشاہ کے دروازے پر ایک فقیر نے ایک نکتہ میرے کام کا کہا

گفت بر ہر خواں کہ بنشستم خدا رزاق بود
اس نے کہا میں جس دسترخوان پر بھی بیٹھا خدا رزاق تھا

در شبِ قدر ار صبوحی کردہ ام عیبم مکن
اگر میں نے شبِ قدر میں صبح کی شراب پی ہے تو مجھ پر عیب نہ لگا

سرخوش آمد یار و جامے بر کنارِ طاق بود
یار مست ہو کر آیا اور جام طاق کے کنارے پر تھا

شعرِ حافظ در زمانِ آدم اندر باغِ خلد
بہشت کے باغ میں آدم کے زمانہ میں حافظ کے اشعار

دولتِ نسرین و گل را زینتِ اوراق بود
نسرین اور گل کی دولت کے لیے اوراق کی زینت تھے

تا ز میخانہ و مے نام و نشاں خواہد بود
جب تک شرابخانہ اور شراب کا نام و نشان باقی رہے گا

سرِ ما خاکِ رہِ پیرِ مغاں خواہد بود
ہمارا سر، پیرِ مغاں کے راستے کی خاک بنا رہے گا

حلقۂ پیرِ مغانم ز ازل در گوش ست
میں ازل سے پیرِ مغاں کا، حلقہ بگوش ہوں

ما ہمانیم کہ بودیم و ہماں خواہد بود
ہم وہی ہیں، جو تھے، اور اسی طرح رہیگا

بر سرِ تربتِ ما چوں گذری ہمت خواہ
جب تو ہماری قبر کے سرہانے سے گذرے دعا مانگ

کہ زیارتگہِ رندانِ جہاں خواہد بود
اس لیے کہ وہ دنیا کے رندوں کی زیارت گاہ رہے گی

بر زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود
جس زمین پر، تیرا نقشِ قدم ہوگا

سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود
وہ سالوں صاحبِ نظر لوگوں کی سجدہ گاہ رہے گی

برو اے زاہدِ خود بیں کہ ز چشمِ من و تو
اے متکبر زاہد چلا جا اس لئے کہ میری اور تیری آنکھ سے

رازِ ایں پردہ نہانست و نہاں خواہد بود
اس پردہ کا راز پوشیدہ ہے اور پوشیدہ رہے گا

اے کہ وقتے نکشیدست دلت جانبِ ما
اے وہ کہ جس کا دل ہماری طرف کسی وقت بھی نہیں کھنچا ہے

تا قیامت دلِ ما بر تو کشاں خواہد بود
ہمارا دل قیامت تک، تیری طرف کھنچا رہے گا

ترکِ عاشق کُش من مست برون رفت امروز
میرا عاشق کُش معشوق آج مست ہوکر باہر نکل گیا

تا کرا خونِ دل امروز رواں خواہد بود
دیکھو آج کس کے دل کا خون جاری ہوگا

۱؎ ہم محبوب کے حسنِ باطنی کے عاشق ہیں۔
۲؎ ہماری محبت استوار اور پائدار ہے۔
۳؎ ہم معشوق کے محتاج ہیں اور معشوق کو بھی ہم سے تعلق ہے وہ ہمارا مشتاق ہے۔
۴؎ عالم کے وجود میں آنے سے پہلے سے ہم معشوق کے شیدائی ہیں۔
۵؎ فقیر اگر شاہی دسترخوان پر بھی ہے تو اس کو خدا ہی کو رزاق سمجھنا چاہیے۔
۶؎ لہٰذا اس شراب پینے میں میں معذور تھا
۷؎ یعنی ہماری وضعداری میں کوئی فرق نہ آئیگا۔
۸؎ ہم وہی ہیں جو ازل میں تھے اور ابد تک وہی رہیں گے۔
۹؎ تیرا نشانِ قدم صاحبِ نظر لوگوں کی سجدہ گاہ ہے۔

عیبِ[1] مستاں مکن اے خواجہ کزیں کہنہ رباط
اے خواجہ! مستوں پر عیب نہ لگا اس لیے کہ اس پرانی سرائے سے

کس ندانست کہ رحلت بچساں خواہد بود
کوئی نہیں جانتا ہے، کہ کس طرح کوچ ہوگا

چشم آں دم کہ زشوقِ تو نہد سر بلحد
میری آنکھ جب سے تیرے شوق میں لحد میں سر دھرےگی

تادمِ صبحِ قیامت نگراں خواہد بود
قیامت کی صبح تک، دیکھتی رہے گی

بختِ[2] حافظ گر ازینگونہ مدد خواہد کرد
حافظ کا نصیب، اگر اس طور پر مدد کرے گا

زلفِ معشوقہ بدستِ دگراں خواہد بود
تو معشوقہ کی زلف، دوسروں کے ہاتھ میں ہوگی

ترسم کہ اشک در غمِ ما پردہ در شود
مجھے خوف ہے کہ آنسو ہمارے رنج کی پردہ دری کردیں گے

ویں رازِ سر بمہر بعالم سمر شود
اور یہ سربستہ راز، دنیا میں قصہ بن جائے گا

گویند[3] سنگ لعل شود در مقامِ صبر
کہتے ہیں، صبر کے مقام میں پتھر لعل بنجاتا ہے

آرے شود ولیک بخونِ جگر شود
ہاں، ہو جاتا ہے لیکن جگر کے خون سے ہوتا ہے

خواہم شدن بمیکدہ گریان و داد خواہ
روتا ہوا اور داد چاہتا ہوا شراب خانہ میں جانا چاہتا ہوں

کز دستِ غم خلاصِ دل آنجا مگر شود
شاید غم کے ہاتھ سے وہاں دل چھٹکارا پاجائے

ایں[4] سرکشی کہ در سرِ سروِ بلندِ تست
یہ سرکشی، جو تیرے بلند سرو کے سر میں ہے

کے با تو دستِ کوتہِ ما در کمر شود
ہمارا کوتاہ ہاتھ، کب تیری کمر میں ہو سکتا ہے

ایں قصرِ سلطنت کہ تواش ماہِ منظری
یہ سلطنت کا محل جس کا تو ماہِ منظر بنا ہوا ہے

سرہا بر آستانۂ او خاکِ در شود
بہت سے سر اس کی چوکھٹ پر، در کی خاک ہوں گے

از ہر کنار تیرِ دعا کردہ ام رواں
ہر جانب سے، میں نے دعا کے تیر روانہ کیے ہیں

باشد کزیں میانہ یکے کار گر شود
ہوسکتا ہے کہ ان میں سے کوئی کار گر ہوجائے

از کیمیائے[5] مہرِ تو زر گشت روئے من
تیری محبت کی کیمیا کی وجہ سے میرا چہرہ سونا بن گیا ہے

آرے بیُمنِ ہمتِ تو خاک زر شود
ہاں تیری توجہ کی برکت سے، خاک سونا بنجاتی ہے

اے دل حدیثِ ما برِ دلدار عرضہ کن
اے دل! ہمارا قصہ دلدار کو سنا دے

لیکن چناں مکن کہ صبا را خبر شود
لیکن ایسا نہ کر، کہ صبا کو خبر ہوجائے

روزے[6] اگر غمے رسدت تنگدل مباش
اگر کسی دن تجھے غم پہونچے، تنگدل نہ ہو

رَو شکر کن مبادکہ از بد بتر شود
جا، شکر کر ایسا نہ ہو کہ بد سے بدتر ہوجائے

اے دل صبور باش و مخور غم کہ عاقبت
اے دل! صابر رہ اور غم نہ کر کہ بالآخر

از شام صبح گردد و از شب سحر شود
شام سے صبح، اور رات سے سحر ہو جاتی ہے

در تنگنائے حیرتم از نخوتِ رقیب[7]
رقیب کے تکبر کی وجہ سے میں حیرت کے تنگنائے میں ہوں

یارب مباد آنکہ گدا معتبر شود
اے خدا ایسا نہ ہو کہ گدا صاحبِ اعتبار بنے

بس[8] نکتہ غیرِ حسن بباید کہ تا کسے
حسن کے علاوہ اور نکتہ بھی چاہیے تاکہ کوئی

مقبولِ طبعِ مردمِ صاحب نظر شود
کسی صاحبِ نظر کی طبیعت کو پسند آئے

---

[1] مدار اس کیفیت پر ہے جو کسی انسان پر مرتے وقت طاری ہوتی ہے اور کسی کو معلوم نہیں کہ اس وقت کس کی کیا حالت رہتی ہے۔

[2] اگر حافظ کی یہی بدبختی ہے تو اس کا معشوق دوسروں کے قبضے میں ہوگا۔

[3] جب تک انسان خونِ جگر نہیں پیتا ہے اور مقصد کے حصول میں انتہائی کوشش نہیں کرتا ہے وہ سنگ سے لعل نہیں بنتا ہے۔

[4] معشوق کے قد کی بلندی کی وجہ سے ہمارا ہاتھ اس کی کمر تک نہیں پہنچتا ہے

[5] محبوب کی توجہ سے ہماری قدر و منزلت بڑھ گئی ہے۔

[6] انسان کو ہر حالت میں شکر گذار ہونا چاہیے ورنہ اس سے بدتر حال میں بھی مبتلا ہوسکتا ہے

[7] چونکہ رقیب ایک کمینہ انسان تھا محبوب کی عنایت کی وجہ سے تکبر میں مبتلا ہے۔

[8] مقبولیت کے لئے محض حسنِ ظاہری کافی نہیں ہے حسنِ باطنی کی بھی ضرورت ہے۔

مِہرِ تو در درونم و عشقِ تو در سرم
تیری محبت میرے اندر ہے اور تیرا عشق میرے سر میں ہے

با شیر در دروں شد و با جاں بدر شود
جو دودھ کے ساتھ اندر گیا ہے اور جان کے ساتھ باہر آئیگا

اے مردمانِ دیدہ مگریید بعد ازیں
اے آنکھ کی پتلیو! اس کے بعد نہ رونا

باشد کہ پائے خیالِ دوست مبادا کہ تر شود
ایسا نہ ہو کہ، خیال کا پیر تر ہو جائے

ایدل چو نافہ سرِ زلفش بدستِ تست
اے دل! اس کی زلف کے سرے کا نافہ تیرے ہاتھ میں ہے

دم در کش ارنہ بادِ صبا را خبر شود
سانس کھینچ لے، ورنہ بادِ صبا کو خبر ہو جائے گی

حافظ سر از لحد بدر آرد بپائے بوس
حافظ، پیر چومنے کے لئے لحد سے سر نکالے گا

گر خاکِ او بپائے شما پے سپر شود
اگر اس کی خاک، آپ کے پیر سے پائمال ہو گی

تنت بنازِ طبیباں نیاز مند مباد
خدا کرے تیرا جسم، طبیبوں کے ناز کا نیاز مند نہ بنے

وجودِ نازکت آزردۂ گزند مباد
تیرا نازک وجود، کسی مصیبت سے آزردہ نہ ہو

سلامتِ ہمہ آفاق در سلامتِ تست
تمام دنیا کی سلامتی، تیری سلامتی میں ہے

بہیچ عارضہ شخصِ تو درد مند مباد
تیرا جسم، کسی بیماری سے درد مند نہ ہو

دریں چمن چو در آید خزاں بیغمائی
اس چمن میں، جب خزاں لوٹ مار کے لئے آئے

رہش بسروِ سہی قامتِ بلند مباد
خدا کرے اس کا راستہ، بلند قد کے بلند سرو کی طرف نہ ہو

دراں بساط کہ حسنِ تو جلوہ انداز د
جس بساط پر، تیرا حسن جلوہ گر ہو

مجالِ طعنۂ بد بین و بد پسند مباد
بدبیں، بدپسند کے لیے اس میں طعنہ کی گنجائش نہ ہو

جمالِ صورت و معنیٰ بیُمنِ ہمتِ تست
صورت اور معنیٰ کا حسن، تیری توجہ کی برکت سے ہے

کہ ظاہرت دژم و باطنت نژند مباد
خدا کرے، تیرا ظاہر افسردہ، اور تیرا باطن غمگین نہ ہو

ہر آنکہ روئے چو ماہت بچشمِ بد بیند
جو شخص تیرے چاند جیسے چہرے کو بری نگاہ سے دیکھے

بر آتشِ تو بجز چشمِ او سپند مباد
بجز اس کی آنکھ کے، تیری آگ پر کوئی کالا دانہ نہو

شفا ز گفتۂ شکر فشانِ حافظ جوی
حافظ کے شکر بکھیرنے والے کلام سے، شفا حاصل کر

کہ حاجتت بعلاجِ گلاب و قند مباد
تاکہ تجھے گلقند کے علاج کی ضرورت نہ رہے

تُرکِ من چوں جعدِ مشکیں گردِ کاکل بشکند
میرا محبوب جب مشکیں گھنگر والے بال، زلف کے چاروں طرف بکھیرتا ہے

لالہ را دل خوں شود بازارِ سنبل بشکند
لالہ کا دل خون ہو جاتا ہے، سنبل کا بازار ٹھنڈا پڑ جاتا ہے

ور خراماں سروِ گلنار ش کند میلِ چمن
اگر اس کا گلنار والا سرو، ٹہلتا ہوا چمن کی طرف جاتا ہے

سرو را از پا در اندازد دلِ گل بشکند
سرو کو گرا دیتا ہے پھول کے دل کو توڑ ڈالتا ہے

تا خیالِ ابروئے جاناں ز چشمم دور شد
محبوب کے ابرو کا خیال، جب سے میری آنکھوں سے دور ہوا ہے

اندریں رہ سیلہا باشد کہ صد پُل بشکند
اس راستے میں بہت سے سیلاب ہوں گے جو سو پلوں کو توڑتے ہیں

۱۔ تیرا عشق و محبت ہماری گھٹی میں پڑا ہے، مر کر ہی نکلے گا۔

۲۔ دوست کی آمد تو دشوار ہے اس کا خیال آتا جاتا ہے اندیشہ ہے کہ رونے سے اس کے پیر تر ہو جائیں۔

۳۔ حافظ کی قبر پر اگر تو آگیا تو قدمبوسی کے لئے حافظ زندہ ہو جائے گا۔

۴۔ معشوق کی سلامتی میں تمام دنیا کی سلامتی مضمر ہے۔

۵۔ چونکہ دنیا میں ظاہری اور باطنی رونق محبوب سے ہے لہٰذا اس کا ظاہر و باطن پُر رونق رہے۔

۶۔ آگ پر کالا دانہ چٹختا ہے یعنی دشمن کی پُتلی کا وہ حشر ہو جو کالے دانے کا آگ پر ہوتا ہے۔

۷۔ محبوب کے بالوں اور زلفوں کے سنوارنے پر لالہ غیرت سے زخمی دل بنتا ہے اور سنبل کا بازار ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔

چوں نسیمِ صبحگاہی پردۂ گُل بر درد
جب صبح کی ہوا، پھول کے پردے کو چاک کرتی ہے

خارِ غم اندر دلِ مجروحِ بُلبل بشکند
بُلبل کے مجروح دل میں غم کا کانٹا ٹوٹتی ہے

حافظا ایں سرِّ وحدت را ز دست خود مده
اے حافظ وحدت کے اس راز کو ہاتھ سے نہ دینا

تا خیالِ زہد و تقوٰی را توکّل بشکند
تاکہ زہد، اور تقوے کے خیال کو توکل توڑ ڈالے

جاں بیجمالِ جاناں میلِ جہاں ندارد
معشوق کے حسن بغیر طبیعت دنیا کا میلان نہیں کرتی ہے

ہر کس کہ ایں ندارد حقا کہ آں ندارد
جو شخص یہ نہیں رکھتا ہے، یقیناً وہ نہیں رکھتا ہے

با ہیچکس نشانے زاں دلستاں ندیدم
اس معشوق کا پتہ میں نے کسی کے پاس نہیں دیکھا

یا من خبر ندارم یا او نشاں ندارد
یا تو مجھے ہی خبر نہیں ہے، یا اس کا نشان نہیں ہے

ہر شبنمے دریں رہ صد موجِ آتشیں ست
اس راستہ میں ہر شبنم آگ کی سو موجیں ہیں

دردا کہ ایں معمّا شرح و بیاں ندارد
ہائے افسوس اس معمّہ کی کوئی شرح اور بیان نہیں ہے

سر منزلِ قناعت نتواں ز دست دادن
قناعت کا سرِ منزل ہاتھ سے نہیں دیا جا سکتا ہے

اے ساربان فروکش کایں رہ کراں ندارد
اے ساربان ٹھہر جا، اس راستہ کا کنارہ نہیں ہے

چنگِ خمیدہ قامت میخواندت بعشرت
کمر جھکی، چنگ تجھ کو عیش و عشرت کی دعوت دیتی ہے

بشنو کہ پندِ پیراں ہیچت زیاں ندارد
سُن لے اس لیے کہ بزرگوں کی نصیحت میں تیرا نقصان نہیں ہوتا ہے

گر خود رقیب شمع ست احوال از و بپوشاں
اگر شمع خود رقیب ہے اُس سے احوال پوشیدہ رکھ

کاں شوخِ سر بریدہ بندِ زباں ندارد
اس لئے کہ سرکٹی، شریر، زبان کو بند نہیں رکھتی ہے

ذوقے چناں ندارد بے دوست زندگانی
ایسا ذوق محبوب کے بغیر زندگی نہیں رکھتا

بے دوست زندگانی ذوقے چناں ندارد
زندگی محبوب کے بغیر ایسا ذوق نہیں رکھتی

احوالِ گنجِ قاروں کایّام داد بر باد
قارون کے خزانہ کے احوال جس کو زمانہ نے برباد کر دیا

در گوشِ گُل فروخواں تا زر نہاں ندارد
پھول کے کان میں چپکے سے کہدے تاکہ وہ زر کو نہ چھپائے

آنرا کہ خواندی استاد گر بنگری بہ تحقیق
جس کو تونے استاد کہا ہے اگر تحقیق سے دیکھے گا

صنعتگریست امّا طبعِ رواں ندارد
ایک کاریگر ہے لیکن رواں طبیعت نہیں رکھتا ہے

اے دل طریقِ رندی از محتسب بیاموز
اے دل! رندی کا طریقہ محتسب سے سیکھ لے

مست ست و در حقِ او کس ایں گماں ندارد
وہ مست ہے لیکن اسکے بارہ میں ایسا گمان نہیں کرتا ہے

کس در جہاں ندارد یک بندہ چو حافظ
حافظ جیسا غلام دنیا میں کسی کے پاس نہیں ہے

زیرا کہ چوں تو شاہے کس در جہاں ندارد
اس لئے کہ تجھ جیسا بادشاہ دنیا میں کوئی نہیں رکھتا ہے

جہاں بر ابروئے عید از ہلال وسمہ کشید
دنیا نے عید کی ابرو پر چاند کا وسمہ لگایا ہے

ہلالِ عید بر ابروئے یار باید دید
عید کے چاند کو معشوق کے ابرو میں دیکھنا چاہیے

۱؎ جب تک زہد اور تقوے کی خود بینی کو توکل پاش پاش نہ کردے اس وقت تک کسی بھی راز کو ہاتھ سے نہ دینا۔
۲؎ اگر دنیا بے جمالِ یار ہے تو دنیا کی ہمیں کوئی خواہش نہیں ہے جسکو جمالِ یار میسر نہیں اسکو جان میسر نہیں ہے۔
۳؎ میرا محبوب بے نشان، و بے پتہ ہے۔
۴؎ راہِ عشق کی شبنم بھی آگ کی موج ہے۔ اور اس معمہ کی آج تک کسی سے شرح نہیں ہوئی ہے۔
۵؎ حرص و تمنا کے راستہ کی انتہا نہیں ہے۔
۶؎ کبڑی چنگ کو بوڑھا قرار دیا ہے اور اس کی پکار کو بوڑھے کی نصیحت۔
۷؎ مصرع اوّل اور ثانی میں مضمون مکرر ہے
۸؎ پھول کے زیرے کو زر کہا جاتا ہے۔ پھول کو چاہیے کہ قارون کے خزانہ کے احوال سے عبرت حاصل کرے۔
۹؎ یعنی ایک خاص وزن پر اشعار کو ڈھال دیتا ہے لیکن طبیعت میں روانی نہیں ہے
۱۰؎ اس طور پر رندی کرنی چاہیے کہ کسی کو بدگمانی نہ ہو۔
۱۱؎ عید کو چاند سے رونق حاصل ہوئی لیکن اصل میں عید معشوق کی ابرو کے ہلال میں پوشیدہ ہے۔

شکستہ گشت چو پشتِ ہلال قامتِ من
نئے چاند کی پشت کی طرح، میرا قد جھک گیا ہے
کمانِ ابروئے یارم کہ بارِ وسمہ کشید
میرے یار کا کمان کا ابرو، وسمہ کا بار کب برداشت کر سکتا ہے

مپوش روی و مشو در ہم از تفرّجِ حسن
چہرہ نہ چھپا، اور حسن کی تفریح سے ناراض نہ ہو
کہ خواند خطِ تو بر روی وانِ یکاد د مید
اس لئے کہ تیرے خط نے چہرہ پر وان یکاد پڑھ کر پھونک دیا ہے

مگر نسیمِ تنت صبح در چمن بگذشت
شاید تیرے جسم کی ہوا، صبح کو چمن میں گذر گئی
کہ گل بہ بوئے خوشت ہمچو صبح جامہ درید
اس لئے پھول نے تیری خوشبو کی وجہ سے صبح کی طرح لباس چاک کر دیا؟

بیا کہ با تو بگویم غمِ ملالتِ دل
تو آجا، تاکہ تجھ سے دل کا غم کہہ لوں
چراکہ بے تو ندارم مجالِ گفت و شنید
اس لئے کہ تیرے بدون مجھے سننے کی طاقت نہیں ہے

نبود چنگ و رباب و گل و نبید کہ بود
چنگ اور رباب اور پھول، اور نبیذ نہ تھے کہ
گلِ وجودِ من آغشتۂ شراب و نبید
میرے وجود کی مٹی شراب اور نبیذ سے آلودہ تھی

بہائے وصلِ تو گر جاں بود خریدارم
تیرے وصل کی قیمت اگر جان ہو تب بھی میں خریدار ہوں
کہ جنسِ خوب مبصّر بہر چہ دید خرید
اسلئے کہ مبصر اچھی جنس کو ہر اس چیز کے عوض خرید لیتا ہے جو اسکے پاس ہے

مریز آبِ سرشکم کہ بے تو دور از تو
میرے آنسو کی آبرو نہ گرا کیونکہ تیرے بغیر تجھ سے دور
چو باد میشد و در خاکِ راہ می غلطید
ہوا کی طرح ہو گیا، اور خاک میں لوٹتا رہا

چو ماہِ روئے تو در زیرِ زلف میدیدم
میں نے جب تیرے چہرے کا چاند زلف کے نیچے دیکھا
شبم بروئے تو روشن چو روز میگردید
تیرے چہرے کی وجہ سے میری رات دن کی مانند روشن ہو گئی تھی

بلب رسید مرا جان و برنیامد کام
میری جان ہونٹوں پر آگئی، اور مقصد پورا نہ ہوا
بسر رسید امید و طلب بسر نرسید
امید ختم ہو گئی، اور طلب ختم نہ ہوئی

ز انقلابِ زمانہ طمع مدار کہ چرخ
زمانے کے انقلاب سے امید نہ کر اس لئے کہ آسمان
چو صبح بر رخِ عالم ازیں صفت خندید
صبح کی طرح، عالم کے رخ پر ایسے ہی ہنستا ہے

دلم ز زلفِ تو شوریدہ بود میدانم
میرا دل، تیری زلف کی وجہ سے دیوانہ تھا، مجھے معلوم ہے
کہ پیشِ روئے تو بر خود چو برق میخندید
اس لئے کہ تیرے چہرے کے سامنے اپنے اوپر بجلی کی طرح ہنستا تھا

ز شوقِ لعلِ تو حافظ نوشت شعرے چند
تیرے لعل کے شوق میں، حافظ نے چند اشعار لکھ دیے
بخواں تو نظمش و در گوش کش چو مروارید
تو اس کی نظم کو پڑھ اور موتی کی طرح کان میں ڈال لے

جمالت آفتابِ ہر نظر باد
تیرا حسن، ہر نظر کے لئے آفتاب ہو
زخوبی روئے خوبت خوب تر باد
تیرا حسین چہرہ، حسن میں زیادہ حسین ہو

ہمائے اوجِ شاہیں شہپرت را
باز جیسے شہپر والے تیری بلندی کے ہما کے
دلِ شاہانِ عالم زیرِ پر باد
پروں کے نیچے دنیا کے بادشاہوں کے دل ہوں

دلے کو بستۂ زلفت نباشد
وہ دل، جو تیری زلف سے وابستہ نہ ہو
ہمیشہ غرقۂ خونِ جگر باد
ہمیشہ خونِ جگر میں ڈوبا ہوا ہو

---

۱ معشوق کا ابرو دیکھ کر بوجھ سے کر جھک گیا ہے۔
۲ لوگ اگر حسن سے دل خوش کریں اور دیکھیں تو منہ نہ چھپا اس لئے کہ تیرے خط نے آیت اِن یکاد الذین کفروا الآیتہ پڑھ کر دم کر دی ہے اب نظر کا اندیشہ نہیں ہے۔
۳ یہ چیزیں عالمِ وجود میں بھی نہ آئی تھیں کہ میرے وجود کی مٹی ان سے گوندھی گئی تھی
۴ یہ آنسو جبکہ تیرے اور پرنثار ہیں ان کی آبرو ریزی نہ کر۔
۵ تمام مایوسیوں کے باوجود سلسلۂ طلب جاری ہے۔
۶ زمانہ کے انقلاب سے کوئی توقع نہ رکھنی چاہیے۔ آسمان کا طور و طریق نہ بدلے گا۔
۷ تاکہ دوسرے حسینوں کے چہروں سے بڑھ جائے۔

بتا چوں غمزہ ات ناوک کشاید
اے بت! جب تیری ادا، تیر چلائے
دلِ مجروحِ من پیشش سپر باد
خدا کرے میرا زخمی دل اس کی سپر ہو

چو لعلِ شکریںت بوسہ بخشد
جب تیرا شکر جیسا ہونٹ بوسہ دے
مذاقِ جانِ من زو پر شکر باد
میری جان کا مزا اس سے میٹھا ہو

مرا از تست ہر دم تازہ عشقے
میرا، تجھ سے ہر دم تازہ عشق ہے
ترا ہر ساعتے حسنِ دگر باد
تجھے، ہر گھڑی نیا حسن ملے

کسے کو کشتۂ رویت نباشد
جو مجھے تیرے چہرے کا شہید نہ ہو
چو زلفت درہم و زیر و زبر باد
وہ تیری زلف کی طرح پریشان، اور زیر و زبر ہو

بجاں مشتاقِ روئے تست حافظ
حافظ، جان سے تیرے چہرے کا مشتاق ہے
ترا بر حالِ مشتاقاں نظر باد
خدا کرے، عاشقوں کے حال پر تیری نظر ہو

چو رویت مہر و مہ تاباں نباشد
چاند اور سورج تیرے چہرے کی طرح روشن نہ ہوگا
چو قدت سرو در بستاں نباشد
باغ میں سرو، تیرے قد کی طرح نہ ہوگا

چو لعل و لولوت در دلفروزی
دلفروزی میں تیرے لعل، اور موتی کی طرح
درِ دریا و لعلِ کاں نباشد
دریا کا موتی، اور کان کا لعل نہ ہوگا

میانِ خطِ سبزت لعلِ نوشیں
تیرے سبز خط کے درمیان، شیریں ہونٹ
عجب گر چشمۂ حیواں نباشد
تعجب ہے، اگر چشمۂ حیات نہ ہوگا

چو فندق پستہ اش خندد بحالم
اس کا پستہ، فندق کی طرح میرے حال پر مسکرا رہا ہے
چرا بادامِ من گریاں نباشد
میرا بادام، رونے والا کیوں نہ ہوگا

سوادِ کفرِ زلفِ او کہ دل را
اس کی زلف، کفر کی ایسی سیاہی ہے کہ دل کو
بروئے تو از آں ایماں نباشد
تیرے چہرے کی قسم! اس سے ایمان حاصل نہ ہوگا

بتو نسبت نباشد، ہیچ تن را
کسی جسم کو، تجھ سے کوئی نسبت نہ ہوگی
نہ تن باللہ کہ مثلت جاں نباشد
خدا کی قسم جسم ہی نہیں، تیری طرح کوئی جان بھی نہ ہوگی

اگرچہ ہست شیریں شعرِ حافظ
اگرچہ، حافظ کے شعر میٹھے ہیں
چو لعلِ خسروِ خوباں نباشد
حسینوں کے بادشاہ کے ہونٹ کی طرح نہ ہوں گے

چو آفتابِ مے از مشرقِ پیالہ برآید
جب پیالہ کے مشرق سے شراب کا آفتاب نکلتا ہے
ز باغِ عارضِ ساقی ہزار لالہ برآید
ساقی کے رخسار کے باغ سے ہزاروں لالے پیدا ہوتے ہیں

نسیم در سرِ گل بشکند کلالۂ سنبل
نسیم پھول کے سر پر سنبل کی زلف کو دے مارتی ہے
چو در میانِ چمن بوئے آں کلالہ برآید
جب اس زلف کی خوشبو، چمن میں آ نکلتی ہے

۱۔ تاکہ جو تیر چلے اس پر آ کر لگے۔
۲۔ تیرے چہرے کی طرح چاند سورج روشن نہیں ہے تیرے قد کے مقابلہ میں سرو ہیچ ہے۔
۳۔ لعل سے مراد ہونٹ اور لولو سے مراد دانت ہیں۔
۴۔ خط بھی سیاہ ہے اور آبِ حیات بھی سیاہی میں ہے۔
۵۔ فندق ایک سرخ پھل ہے انگلیوں کو اس سے تشبیہ دیجاتی ہے۔ پستہ سے مراد منہ اور بادام سے مراد آنکھیں ہیں۔
۶۔ اس کی زلف میں کفر کی سیاہی ہے جس سے دل کو نور ایمان میسر نہیں آسکتا ہے۔
۷۔ شراب پی کر معشوق کے حسن میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔
۸۔ اس کے گھنگھرالو بالوں اور انکی خوشبو سے گل اور سنبل شرمندہ ہے۔

حکایتِ شب ہجراں نہ آں شکایت حالست
شبِ ہجر کا قصۂ حال کی ایسی شکایت نہیں ہے
کہ شمۂ زبیانش بصد رسالہ برآید
کہ اس کے بیان کا تھوڑا سا حصہ بھی ہو رسالوں میں آسکے

زگرد خوانِ نگونِ فلک مدار توقع
اوندھے آسمان کے گول دستر خوان سے، توقع نہ رکھ
کہ بے ملالتِ صد غصہ یک نوالہ برآید
کہ سو غصوں کے رنج کے بدون تجھے ایک نوالہ بھی مل سکے

گرت چو نوح نبی صبر ہست در غمِ طوفاں
غم کے طوفاں میں اگر تجھے نوح نبی کی طرح صبر حاصل ہے
بلا بگردد و کامِ ہزار سالہ برآید
مصیبت ٹل جائیگی اور ہزار سالہ مقصد پورا ہو جائے گا

بسعی خود نتواں برد پے بگوہر مقصود
گوہر مقصود کا اپنی کوشش سے پتہ حاصل نہیں کیا جا سکتا ہے
خیال باشد کایں کار بے حوالہ برآید
یہ محض خیال ہوگا کہ یہ کام تقدیر کے حوالہ کے بغیر ہو جائے گا

نسیمِ وصلِ تو گر بگذرد بتربتِ حافظ
اگر تیرے وصل کی ہوا حافظ کی قبر پر سے گذرے
زخاکِ کالبدش صد ہزار نالہ برآید
اس کے جسم کی خاک سے ہزاروں نالے پیدا ہوں گے

چو باد عزمِ سر کوئے یار خواہم کرد
ہوا کی طرح یار کے کوچے کا ارادہ کروں گا
نفس ببوئے خوشش مشکبار خواہم کرد
سانس کو اس کی خوشبو سے مشکبار کروں گا

ہر آبروئے کہ اندوختم ز دانش و دیں
عقل اور دین کی جو آبرو میں نے جمع کی ہے
نثارِ خاکِ رہِ آں نگار خواہم کرد
اس معشوق کے راستہ کی خاک پر قربان کروں گا

بہرزہ بے مے و معشوق عمر میگذرد
بغیر شراب اور معشوق عمر بیکار گذر رہی ہے
بطالتم بس از امروز کار خواہم کرد
میری بیکاری بہت ہوئی، آج سے کام میں لگوں گا

صبا کجاست کہ ایں جانِ خوں گرفتہ چو گل
صبا کہاں ہے، پھول کی طرح خون میں نہائی ہوئی اس جان کو
فدائے نکہتِ گیسوئے یار خواہم کرد
یار کے گیسو کی خوشبو پر، قربان کروں گا

چو شمعِ صبحدمم شد ز مہر او روشن
اس کی محبت کی وجہ سے مجھ پر یہ واضح ہو گیا ہے کہ صبح کی شمع کی طرح
کہ عمر در سرِ ایں کار و بار خواہم کرد
عمر اس کاروبار میں، ختم کردوں گا

بیادِ چشمِ تو خود را خراب خواہم ساخت
تیری آنکھ کی یاد میں اپنے آپ کو تباہ کروں گا
بنائے عہدِ قدیم استوار خواہم کرد
قدیم عہد کی بنیاد کو، مضبوط بناؤں گا

نفاق و زرق نبخشد صفائے دل حافظ
حافظ! نفاق، اور جھوٹ، دل کو صفائی نہیں بخشتے
طریقِ رندی و عشق اختیار خواہم کرد
رندی، اور عشق کا طریقہ اختیار کروں گا

چہ مستی ست ندانم کہ رو بما آورد
مجھے معلوم نہیں، کیسی مستی ہے جو ہم میں رونما ہوئی ہے
کہ بود ساقی و ایں بادہ از کجا آورد
ساقی کون تھا، اور یہ شراب کہاں سے لایا ہے؟

دلا چو غنچہ شکایت ز بختِ بستہ مکن
اے دل! غنچہ کی طرح بند نصیبہ کی شکایت نہ کر
کہ بادِ صبح نسیم گرہ کشا آورد
اس لیے کہ صبح کی ہوا، گرہ کھولنے والی نسیم لائی ہے

۱؎ حضرت نوحؑ کو طوفان پر صبر کرنے پر کامیابی حاصل ہوئی۔
۲؎ کوئی کام بدون تقدیر ہونا ممکن نہیں ہے۔
۳؎ ہوا بھی معشوق کے کوچے سے مشکبار ہو کر آتی ہے میں بھی اپنے سانس کو مشکبار بناؤنگا۔
۴؎ معشوق اور شراب بدوں عمر بیکار ہے آج سے عمر کو کارآمد بناؤں گا۔
۵؎ اس کی محبت نے مجھ پر واضح کر دیا ہے کہ صبح کی شمع کی طرح اپنی عمر کو اسی عشق میں ختم کر دوں گا۔
۶؎ نہ معلوم کون ساقی تھا اور یہ شراب کہاں سے لایا کہ عجب مستی پیدا ہو رہی ہے۔
۷؎ بند نصیبہ کو محبوب کی خوشبو اس طرح کھلا دیگی جیسے باد صبح غنچہ کو کھلا دیتی ہے۔

رسیدنِ گل و نسرین بخیر و خوبی باد
گل و نسرین کی آمد بخیریت و عافیت ہو
بنفشہ شاد و خوش آمد سمن صفا آورد
بنفشہ شاد اور خوش ہو کر آئی، سمن صفائی لایا ہے

علاجِ ضعفِ دلِ ما کرشمۂ ساقی ست
ہمارے دل کے ضعف کا علاج، ساقی کی ادا ہے
برآر سر کہ طبیب آمد و دوا آورد
سر اٹھا کہ طبیب آیا، اور دوا لایا ہے

صبا بخوشخبری ہدہدِ سلیمان ست [1]
صبا، خوشخبری میں، سلیمانؑ کا ہدہد ہے
کہ مژدۂ طرب از گلشنِ سبا آورد
کیونکہ مستی کی خوشخبری، سبا کے گلشن سے لایا

چہ راہ میزند ایں مطربِ مقام شناس [2]
مقام کو پہچاننے والا مطرب کیا راستہ اختیار کر رہا ہے
کہ درمیانِ غزل قولِ آشنا آورد
کہ غزل کے درمیان 'دوست' کی بات لایا ہے

تو نیز بادہ بچنگ آر و راہِ صحرا گیر [3]
تو بھی شراب ہاتھ میں لے اور جنگل کا راستہ لے
کہ مرغِ نغمہ سرا سازِ خوش نوا آورد
اس لیے کہ گانے والا پرندہ، اچھی آواز کا ساز لایا ہے

مریدِ پیرِ مغانم ز من مرنج اے شیخ [4]
میں پیرِ مغاں کا مرید ہوں اے شیخ! مجھ سے رنجیدہ نہ ہو
چرا کہ وعدہ تو کردی و او بجا آورد
اس لیے کہ تو نے وعدہ کیا، اور اس نے پورا کر دیا

بہ تنگ چشمیِ آں ترکِ لشکری نازم
مجھے اس لشکری معشوق کی تنگ چشمی پر ناز ہے
کہ حملہ بر منِ مسکین یک قبا آورد
کہ مجھ جیسے مسکین، ایک قبا والے پر حملہ کیا ہے

فلک غلامیِ حافظ کنوں بطوع کند
آسمان، اب حافظ کی غلامی خوشی سے کرتا ہے
کہ التجا بہ درِ دولتِ شما آورد
کیونکہ، وہ تمہارے درِ دولت پر التجا لایا ہے

چو دست بر سرِ زلفش زنم بتاب رود [5]
میں جب اس کی زلف پر ہاتھ مارتا ہوں، بل کھا جاتا ہے
ور آشتی طلبم بر سرِ عتاب رود
اور اگر میں صلح چاہتا ہوں تو غصہ کرتا ہے

چو ماہِ نو رہِ نظارگانِ بیچارہ [6]
نئے چاند کی طرح بیچارے دیکھنے والوں کا راستہ
زند بگوشۂ ابرو و در نقاب رود
گوشۂ ابرو سے مارتا ہے، اور نقاب میں چھپ جاتا ہے

طریقِ عشق پر آشوب و فتنہ است ایدل
اے دل عشق کا راستہ پُر آشوب اور پُر فتن ہے
بیفتد آنکہ دریں راہ باشتاب رود
گر پڑتا ہے، جو اس راستہ میں تیز چلتا ہے

گدائیِ درِ جاناں بسلطنت مفروش [7]
معشوق کے دروازہ کی گدائی کو سلطنت کے بدلے میں نہ بیچ
کسے ز سایۂ ایں در بآفتاب رود
اس دروازہ کے سایہ سے دھوپ میں کون جاتا ہے؟

حباب را چو فتد بادِ نخوت اندر سر [8]
بلبلے کے سر میں، جب تکبر کی ہوا بھرتی ہے
کلاہ داریش اندر سرِ سراب رود
اس کی تاج داری، ریت میں غائب ہو جاتی ہے

شبِ شراب خرابم کند بہ بیداری [9]
وہ بیداری میں، میری شراب نوشی کی رات خراب کرتا ہے
وگر بروز حکایت کنم بخواب رود
اگر اُس سے دن میں بات کرتا ہوں سونے لگتا ہے

مرا تو عہد شکن خواندہ و می ترسم [10]
تُو نے مجھے وعدہ شکن بتایا، اور مجھے ڈر ہے
کہ با تو روزِ قیامت ہمیں خطاب رود
کہ قیامت میں، تیرا یہی خطاب ہوگا

---

[1] صبا جو یار کا پیغام لا رہی ہے وہ ہمارے لئے ایسی ہی خوش کن ہے جیسا کہ ہُدہُد حضرت سلیمان کے لئے خوش کن ثابت ہوئی تھی سبا سے مُراد کوچۂ محبوب ہے۔
[2] غزل کے درمیان معشوق کے اقوال لاکر مطرب اور تڑپا دیتا ہے، بڑا موقع شناس ہے۔
[3] موسم بہار ہے پرندے مطرب بنے ہوئے ہیں۔
[4] شیخ نے تو جنتی شراب اور حور کا وعدہ کیا پر مُغاں نے معشوق اور شراب فوراً عنایت کر دی۔
[5] زلف سختی سے قابو میں آتا ہے نہ نرمی ہی سے۔
[6] گوشۂ ابرو کے اشارے سے راستہ روک دیتا ہے اور پھر منہ چھپا کر گزر جاتا ہے۔
[7] گدائی بمنزلہ سایہ کے ہے اور سلطنت بمنزلہ دھوپ کے
[8] بلبلہ اپنے تکبر کی وجہ سے فنا ہو جاتا ہے۔
[9] بہر صورت میری منشا کے خلاف چلتا ہے۔
[10] معشوق کو قیامت میں عہد شکن کہہ کر پکارا جائے گا۔

دِلا چو پیر شدی حسن و نازکی مفروش
اے دل جب تو بوڑھا ہو گیا ہے حسن اور نزاکت کی باتیں نہ کر

کہ ایں معاملہ با عالمِ شباب رود
اس لیے کہ یہ بات، جوانی میں چلتی ہے

سَوادِ نامۂ موئے سیاہ چوں شد طے
کالے بالوں کی سیاہ کتاب جب طے ہو گئی

بیاض کم نشود ور صد انتخاب رود
سفیدی کم نہیں ہو سکتی ہے اگرچہ سو مرتبہ چھانٹی ہو

تو خود حجابِ خودی حافظ از میاں برخیز
اے حافظ تو خود اپنا پردہ ہے درمیان سے اٹھ جا

خوشا کسے کہ دریں راہ بے حجاب رود
وہی بہتر ہے، جو اس راستہ میں بے پردہ چلے

حسبِ حالے ننوشتیم و شد ایامے چند
کافی زمانہ گذر گیا، اور ہم نے احوال نہ لکھے

قاصدے کو کہ فرستم بتو پیغامے چند
قاصد کہاں ہے کہ تجھے چند پیغام بھیجوں

ما بداں مقصدِ عالی نتوانیم رسید
ہم اس بلند مقصد تک نہیں پہونچ سکتے

ہم مگر پیش نہد لطفِ شما گامے چند
ہاں! شاید آپ کی مہربانی چند قدم آگے رکھے

چوں مے از خم بسبو رفت و گل افگند نقاب
جب شراب مٹکے سے صراحی میں آگئی اور پھول نے نقاب اتار ڈالا

فرصتِ عیش نگہدار و بزن جامے چند
عیش کا موقع دیکھ، اور چند جام اڑالے

قندِ آمیختہ با گل نہ علاجِ دلِ ماست
گلاب ملی قند، ہمارے دل کا علاج نہیں ہے

بوسہ چند بیامیز بدشنامے چند
چند بوسے، چند گالیوں کے ساتھ ملادے

اے گدایانِ خرابات خدا یارِ شماست
اے شراب خانہ کے فقیرو! خدا تمہارا مددگار ہے

چشمِ انعام مدارید ز انعامے چند
جانوروں سے، انعام کی کچھ امید نہ رکھو

زاہد از کوچۂ رنداں بسلامت بگذر
اے زاہد! رندوں کے کوچہ سے سلامتی سے گذر جا

تا خرابت نکند صحبتِ بدنامے چند
تاکہ چند بدناموں کی صحبت، تجھے خراب نہ کردے

عیبِ مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو
تو نے شراب کی تمام برائیاں ذکر کیں اس کی خوبیاں بھی بتا

نفئ حکمت مکن از بہرِ دلِ عامے چند
چند عوام کے دل کی خاطر، حکمت کا انکار نہ کر

پیرِ میخانہ چہ خوش گفت بدردی کشِ خویش
میخانے کے پیر نے اپنے تلچھٹ پینے والے سے کیا عمدہ بات کہی

کہ مگو حالِ دلِ سوختہ با خامے چند
کہ جلے دل کا حال، چند کچوں سے نہ کہہ

حافظ از تابِ رخِ مہر فروغ تو بسوخت
سورج کو روشنی دینے والے تیرے رخ کی گرمی سے حافظ جل گیا

کامگارا نظرے کن سوئے ناکامے چند
اے بامراد! کچھ نامرادوں پر بھی نظر ڈالدے

حُسنِ تو ہمیشہ در فزوں باد
تیرا حسن، ہمیشہ بڑھاؤ پر رہے

رُویت ہمہ سال لالہ گوں باد
تیرا چہرہ، پورے سال لالہ کی طرح رہے

اندر سرِ من ہوائے عشقت
میرے سر میں، تیرے عشق کی خواہش

ہر روز کہ ہست در فزوں باد
جتنے دن باقی ہیں، بڑھاؤ پر ہے

۱ـ بڑھاپے کے بال نوچنے سے جوانی نہیں آسکتی ہے۔
۲ـ وصال تک اپنی کوشش سے نہیں پہونچا جاسکتا جب تک محبوب کی عنایت شاملِ حال نہ ہو۔
۳ـ یعنی بہار کا وقت ہے عیش کر۔
۴ـ دنیادار بمنزلہ چوپایوں کے ہیں ان سے انعام کی توقع نہ رکھ۔
۵ـ شراب بھی خدا کی پیدا کردہ چیز ہے اس میں کوئی نہ کوئی خوبی تو ضرور ہے اللہ کا کام حکمت سے خالی نہیں ہو سکتا ہے۔
۶ـ یعنی تیرا چہرہ لالہ کی طرح تر و تازہ رہے
۷ـ عشق میں اضافہ ہوتا رہے۔

قدِ ہمہ دلبرانِ عالم
تمام عالم کے حسینوں کا قد

در خدمتِ قامتت نگوں باد
تیرے قد کے حضور میں، نیچا رہے

ہر سرو کہ در چمن برآید
چمن میں، جو سرو بھی پیدا ہو

پیشِ الفِ قدت چو نوں باد
تیرے قد کے الف کے سامنے، نون کی طرح رہے

چشمے کہ نہ فتنۂ تو باشد
وہ آنکھ، جو تیرے فتنہ میں مبتلا نہ ہو

از گوہرِ اشک غرقِ خوں باد
آنسو کے گوہر سے، خون میں غرق رہے

ہر جا کہ دلیست در غمِ تو
جس جگہ، کوئی دل ہے تیرے غم میں

بے صبر و قرار و بے سکوں باد
بے صبر و قرار، اور بے سکون رہے

چشمِ تو ز بہرِ دلربائی
تیری آنکھ، دلربائی کے لئے

در کردنِ سحر ذوفنوں باد
جادو کرنے میں، فنکار رہے

ہر کس کہ بہ ہجرِ تو نسازد
جو شخص، تیرے فراق سے نباہ نہ کرے

از حلقۂ وصلِ تو بروں باد
تیرے وصل کے حلقہ سے، باہر رہے

لعلِ تو کہ ہست جانِ حافظ
تیرا وہ ہونٹ، جو حافظ کی جان ہے

دور از لبِ ہر خسیسِ دوں باد
ہر کمینے کے ہونٹ سے دور رہے

خسروا گوئے فلک در خمِ چوگانِ تو باد
اے بادشاہ! آسمان کی گیند، تیرے بلّے کے خم میں ہو

ساحتِ کون و مکاں عرصۂ میدانِ تو باد
کون و مکاں کا میدان، تیرے میدان کی زمین ہو

ہمہ آفاق گرفت و ہمہ اطراف کشاد
تمام جہان کو گرفت میں لے لیا اور تمام اطراف کو فتح کر لیا

صیتِ خلقِ تو کہ پیوستہ نگہبانِ تو باد
تیرے اخلاق کی شہرت نے، جو ہمیشہ تیرا نگہبان ہو

زلفِ خاتونِ ظفر شیفتۂ پرچمِ تست
بی بی فتح کی زلف، تیرے پرچم کی عاشق ہے

دیدۂ فتحِ ابد عاشقِ جولانِ تو باد
ابدی فتحمندی کی آنکھ، تیری رفتار کی عاشق ہو

ایکہ انشائے عُطارد صفتِ شوکتِ تست
اے وہ کہ عطارد کی انشاپردازی تیرے دبدبہ کی تعریف کی وجہ سے ہے

عقلِ کل چاکرِ طُغرا کشِ دیوانِ تو باد
عقل کل، تیرے دفتر کے طغرا کش کی نوکر ہو

طرۂ جلوۂ طوبیٰ قدِ دلجوئے تو شد
تیرا دلجو قد طوبیٰ کے جلوے کے لئے خلقت بن گیا ہے

غیرتِ خُلدِ بریں ساحتِ ایوانِ تو باد
تیرے قلعہ کا میدان، خلد بریں کی غیرت ہو

نہ بہ تنہا حیوانات و نباتات و جماد
صرف حیوانات، اور نباتات اور جمادات ہی نہیں

ہر چہ در عالمِ اُمرست بفرمانِ تو باد
جو بھی عالم امر میں ہے، تیرے حکم میں ہو

حافظِ خستہ باخلاص ثنا خوانِ تو شد
عاجز حافظ، خلوص سے تیرا ثنا خواں ہو گیا ہے

لُطفِ عامِ تو شفا بخشِ ثنا خوانِ تو باد
تیرا عام لطف تیرے ثنا خواں کو شفا بخشنے والا ہو

---

۱ قد معشوق کو الف سے سیدھائی میں تشبیہ دیجاتی ہے۔ سرو کے نون بننے کا مطلب یہ ہے کہ وہ جھک جائے۔

۲ معشوق کی آنکھ کو جادوگر قرار دیا جاتا ہے

۳ وصل اسی کو میسر آئے جو جدائی پر صبر کرے

۴ یعنی تیرے اخلاق کی شہرت تمام عالم میں ہے۔

۵ کامیابی تیرے پرچم پر فریفتہ ہے فتحمندی بھی تیری عاشق ہو جائے

۶ عطارد ستارہ کو آسمان کا منشی قرار دیا گیا ہے یعنی عطارد کا کام تیری خوبیاں لکھنا ہے۔

۷ طغرا کش میر منشی جو بادشاہ کی جانب سے احکام لکھ کر صادر کرتا ہے

۸ معشوق کے قد کو دیکھ کر شجرۂ طوبیٰ غیرت میں پڑ جاتا ہے۔

۹ عالم امر وہ کائنات ہے جو لفظ کن امر خداوندی سے وجود میں آئی ہے۔

خوش ست خلوت اگر یار یارِ من باشد
تنہائی اچھی ہے، اگر دوست، میرا دوست ہو

نہ من بسوزم و او شمعِ انجمن باشد
نہ یہ کہ میں جلوں، اور وہ محفل کی شمع ہو

من آں نگین سلیماں بہیچ نستانم
میں سلیمان کے اس نگ کو، کسی چیز کے بدلے میں بھی نوں

کہ گاہ گاہ برو دستِ اہرمن باشد
جس میں کبھی کبھی، شیطان کا ہاتھ ہو

روا مدار خدایا کہ در حریمِ وصال
اے خدا! اس کو جائز نہ رکھ کہ وصال کے احاطہ میں

رقیب محرم و حرماں نصیبِ من باشد
رقیب تو رازدار ہو، اور محرومی میرا حصہ ہو

ہمای گو مفگن سایۂ شرف ہرگز
ہما سے کہدو کہ وہ شرافت کا سایہ ہرگز نہ ڈالے

درآں دیار کہ طوطی کم از زغن باشد
اس دیار پر، جہاں طوطی چیل سے کم ہو

بیانِ شوق چہ حاجت کہ حالِ آتشِ دل
شوق کے بیان کی کیا ضرورت ہے، اس لئے کہ دل کی آگ کا حال

تواں شناخت ز سوزے کہ در سخن باشد
اُس سوز سے پہچانا جا سکتا ہے، جو گفتگو میں ہو

ہوائے کوئے تو از سر نمی رود مارا
تیرے کوچہ کی محبت، ہمارے سر سے نہیں نکلتی ہے

غریب را دلِ آوارہ در وطن باشد
مسافر کا آوارہ دل، وطن میں ہوتا ہے

بسانِ سوسن اگر دہ زباں شود حافظ
سوسن کی طرح اگر حافظ، دس زبانوں والا ہو جائے

چو غنچہ پیشِ تواش مُہر بر دہن باشد
تیرے سامنے، غنچہ کی طرح اس کے منہ پر مہر ہوگی

خوش آمد گل وزآں خوشتر نباشد
عمدہ موسم بہار آیا اور اس سے بہتر کوئی بات نہ ہوگی

کہ در دستت بجز ساغر نباشد
کہ تیرے ہاتھ میں ساغر کے سوا کچھ نہ ہو

زمانِ خوشدلی دریاب دریاب
خوشدلی کے زمانہ کو، حاصل کر، حاصل کر

کہ دائم در صدف گوہر نباشد
اس لیے کہ، سیپی میں گوہر ہمیشہ نہیں ہوتا

غنیمت داں و مے خور در گلستاں
غنیمت جان، اور باغ میں شراب پی

کہ گل تا ہفتۂ دیگر نباشد
کہ پھول دوسرے ہفتہ تک، نہ ہوگا

عجب راہیست راہِ عشق کانجا
عشق کی راہ بھی عجب راہ ہے کہ اس جگہ

کسے سر بر کند کش سر نباشد
وہی سربلند کرتا ہے جس کا سر نہیں ہوتا

بشوی اوراق اگر ہمدرسِ مائی
اگر تو ہمارا ہم سبق ہے، تو ورق دھوڈے

کہ علمِ عشق در دفتر نباشد
اس لئے کہ عشق کا علم، کتاب میں نہیں ہوتا

زمن بنیوش و دل در شاہدے بند
مجھ سے سن، اور ایسے معشوق سے دل لگا

کہ حسنش بستۂ زیور نباشد
جس کا حسن، زیور سے وابستہ نہ ہو

بیا اے شیخ در خمخانۂ ما
اے شیخ! ہمارے شراب خانہ میں آ

شرابے خور کہ در کوثر نباشد
ایسی شراب پی، جو کوثر میں نہ ہو

ایا پُر لعل کردہ جامِ زریں
اے وہ! جس نے زریں جام لعل سے پر کیا ہوا ہے

ببخشا بر کسے کش زر نباشد
اس کو دیدے، جس کے پاس زر نہ ہو

۱۔ یار کے ساتھ تنہائی بہت اچھی ہے نہ کہ عاشق تنہا ہو اور معشوق دوسروں کے ساتھ۔

۲۔ اہرمن شیطان کو کہتے ہیں یہاں مراد رقیب ہے اور نگین سلیمان سے مراد معشوق ہے۔

۳۔ جس وطن میں طوطی کی قدر نہ ہو اور چیل کو لوگ اچھا سمجھیں اس پر کبھی ہما کا سایہ نہ ہو۔

۴۔ جس طرح سے مسافر کا دل وطن میں پڑا رہتا ہے اسی طرح کوچہ معشوق کی محبت ہمارے سر میں ہے۔

۵۔ موسم بہار میں شراب نوشی سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے۔

۶۔ صدف سے مراد زمانہ اور گوہر سے مراد خوشدلی ہے۔

۷۔ راہ عشق میں سربلندی اسی کو حاصل ہوتی ہے جو اپنا سر دیدے۔

۸۔ درس عشق صحف معشوق سے حاصل کیا جاتا ہے۔

۹۔ مالداروں کو غریبوں کو داد و دہش کرنی چاہیئے۔

شرابِ بے خمارم بخش ساقی
اے ساقی! مجھے ایسی بے خمار شراب دے
کہ با او ہیچ دردِ سر نباشد
جس کے ساتھ، کوئی دردِ سر نہ ہو

بنامِ[1] ایزد بُتِ سیمیں تنم ہست
اللہ اکبر، میرا چاندی جیسے جسم والا بُت ایسا ہے
کہ در بُتخانۂ آذر نباشد
کہ آذر کے بُتخانہ میں، نہ ہوگا

من از جاں بندۂ سلطاں اویسم[2]
میں دل سے، سلطان اویس کا غلام ہوں
اگرچہ یادش از چاکر نباشد
اگرچہ اس کو، غلام کی یاد نہ ہو

بتاجِ عالم آرایش کہ خورشید[3]
اس کے عالم آرا تاج کی قسم، کہ آفتاب
چنیں زیبندۂ افسر نباشد
اس طرح کی زینت دینے والا تاج، نہ ہوگا

کسے گیرد خطا در نظمِ حافظ
حافظ کی نظم میں وہی، عیب نکالے گا
کہ ہیچش لطف در گوہر نباشد
جس کی طبیعت میں، ذرا بھی لطافت نہ ہوگی

خستگاں[4] را چو طلب باشد و قوت نبود
درماندوں میں جب طلب ہو، اور طاقت نہ ہو
گر تو بیداد کنی شرطِ مروّت نبود
اگر تو ان پر ظلم کرے، تو مروّت نہ ہوگی

ما جفا از تو ندیدیم و تو ہم نپسندی
ہم نے تیرے ظلم کو مناسب نہیں سمجھا اور تو بھی پسند نہ کریگا
آنچہ در مذہبِ اربابِ فتوّت نبود
اُس بات کو، جو شرافت والوں کے مذہب میں نہ ہوگی

تا کہ افسوں نکند جادوئے چشمِ تو مدام
جب تک مستقل طور پر تیری آنکھ کا جادو منتر نہ کرے
نور در سوختنِ شمعِ محبّت نبود[5]
محبّت کی شمع کے جلنے میں نور، نہ ہوگا

چوں چنیں نیک زسر رشتۂ خود بیخبرم
جبکہ میں بہت زیادہ، اپنے انجام سے بے خبر ہوں
آں مبادا کہ مددگاریِ فرصت نبود
ایسا نہ ہو، کہ فرصت کی مدد، نہ ہو

ہر[6] کرا آئنہ صافی نشد از زنگِ ہوا
ہر وہ شخص، جس کا ہوس کے زنگ سے آئینہ صاف نہ ہوا
دیدہ اش قابلِ رخسارۂ حکمت نبود
اُس کی آنکھ حکمت کے رخسار کے قابل، نہ ہوگی

خیرہ آں دیدہ کہ آبش نبرد گریۂ عشق
وہ آنکھ بیکار ہے جس کی آبرو عشق کے گریہ نے ختم نہ کی ہو
تیرہ آں دل کہ درو نورِ مودّت نبود
وہ دل تاریک ہے، جس میں محبّت کا نور نہ ہو

چوں[7] طہارت نبود کعبہ و بتخانہ یکیست
جب پاکی نہ ہو، کعبہ اور بتخانہ ایک ہے
نبود خیر در آں خانہ کہ عصمت نبود
اُس گھر میں بھلائی نہیں ہے جس میں پاکدامنی نہ ہو

دولت از مرغِ ہمایوں طلب و سایۂ او
دولت، بابرکت پرند، اور اس کے سایہ سے چاہ
زانکہ با زاغ و زغن شہپرِ دولت نبود
اس لئے کہ کوّے اور چیل میں دولت کا شہپر نہیں ہوتا ہے

گر مدد[8] خواستم از پیرِ مُغاں عیب مکن
اگر میں نے پیرِ مُغاں سے مدد چاہی، تو عیب نہ لگا
شیخِ ما گفت کہ در صومعہ ہمّت نبود
ہمارے شیخ نے کہا ہے کہ عبادت خانہ میں باطنی توجہ نہیں ہوتی

حافظا علم و ادب ورز کہ در مجلسِ شاہ
اے حافظ علم و ادب اختیار کر اس لئے کہ بادشاہ کی مجلس میں
ہر کرا نیست ادب لائقِ صحبت نبود
جس میں ادب نہیں ہے، وہ صحبت کے لائق نہیں

---

[1] بنام ایزد تعجب کے موقع پر استعمال کر دیا جاتا ہے۔ آذر حضرت ابراہیمؑ کے والد یا چچا کا نام ہے جو مشہور بت تراش تھے۔

[2] سلطان احمد بن اویس حافظ کے ممدوح کا نام ہے جو بغداد کا بادشاہ تھا اور خواجہ کا معتقد، اس نے کئی بار خواجہ کو بغداد کی دعوت دی لیکن خواجہ نہ جا سکے۔

[3] اس کے تاج کے سامنے سورج ہیچ ہے۔

[4] عاشق اپنی استطاعت کے مطابق جب کام کر رہا ہے تو اس پر ظلم انسانیت کے خلاف ہے۔

[5] عاشق کے دل میں جو شمعِ محبّت روشن ہے جب تک معشوق کا فیض اس میں شامل نہ ہو وہ پر نور نہیں بن سکتی۔

[6] جب تک انسان دل کے زنگ کو صاف نہ کر لے وہ تجلّیات کے مشاہدہ کے قابل نہیں ہوتا ہے۔

[7] جب دل پاک نہ ہو تو بتخانہ اور کعبہ میں فرق نہیں۔

[8] جب عبادت خانے روحانیت سے خالی ہیں تو پیرِ مُغاں کی فرمانبرداری عیب نہیں ہے۔

خوشا دلے کہ مدام از پئے نظر نرود — بہر درش کہ بخوانند بے خبر نرود
وہ دل خوب ہے جو ہمیشہ نظر کے پیچھے نہ دوڑے — جس دروازے پر بھی اس کو بلائیں وہ بے خبر ہو کر نہ جائے

طمع در آں لبِ شیریں نکردنم اولیٰست — ولے چگونہ مگس از پئے شکر نرود
میرا ان شیریں ہونٹوں کا لالچ نہ کرنا بہتر ہے — لیکن مکھی شکر پر کیسے نہ جائے

من گدا ہوسِ سرو قامتے دارم — کہ دست در کمرش جز بہ سیم و زر نرود
میں فقیر ایک ایسے سرو قامت کی ہوس کرتا ہوں — جس کی کمر میں ہاتھ بجز سونے چاندی کے نہ جائے

سوادِ دیدۂ غم دیدہ ام مشو اے اشک — کہ نقشِ خالِ ویم ہرگز از نظر نرود
اے آنسو میری غم دیدہ آنکھ کی سیاہی نہ ہو — اس لئے کہ اس کے تل کا نقش ہرگز میری نظر سے نہ جائیگا

تو کز مکارمِ اخلاق عالمِ دگری — وفائے عہدِ من از خاطرت بدر نرود
تو اخلاق کی شرافتوں کی وجہ سے ایک دوسری ہی دنیا ہے — میری وعدہ وفائی تیری طبیعت سے نہیں نکل سکتی ہے

بہ تاجِ ہدہدم از رہ مبر کہ بازِ سفید — ز کبر از پئے ہر صیدِ مختصر نرود
ہدہد کے تاج کے ذریعہ مجھے راستہ سے نہ بہکا اس لئے کہ سفید باز — تکبر کی وجہ سے ہر مختصر شکار کے پیچھے نہیں جاتا ہے

دلا مباش چنیں ہرزہ گرد و ہرجائی — کہ ہیچ کار ز پیشت بدیں ہنر نرود
اے دل ایسا آوارہ گرد اور ہرجائی نہ بن — اس لئے کہ تیرا کوئی کام اس ہنر سے پورا نہیں ہو سکتا ہے

سیاہ نامہ تر از خود کسے نمی بینم — چگونہ چوں قلمم دودِ دل بسر نرود
میں اپنے سے زیادہ سیاہ نامۂ اعمال والا کسی کو نہیں دیکھتا ہوں — قلم کی طرح دل کا دھواں کس طرح میرے سر تک نہ پہنچے

زِ من چو بادِ صبا بوئے خود دریغ مدار — چرا کہ بے سرِ زلفِ تو ام بسر نرود
مجھ سے بادِ صبا کی طرح اپنی خوشبو نہ روک — اس لئے کہ تیری زلف بدون میری بسر نہیں ہوتی ہے

بپوش دامنِ عفوے بزلتِ منِ مست — کہ آبروئے شریعت بدیں قدر نرود
مجھ مست کی لغزش پر معافی کا دامن ڈھانپ دے — اس لئے کہ شریعت کی آبرو اس مقدار سے نہیں چلی جائیگی

بیار بادہ و اوّل بدستِ حافظ دہ
شراب لا اور پہلے حافظ کے ہاتھ میں دے

بشرطِ آنکہ ز مجلس سخن بدر نرود
اس شرط پر، کہ بات مجلس سے باہر نہ جائے

دلبر برفت و دل شدگاں را خبر نکرد — یادِ حریفِ شہر و رفیقِ سفر نکرد
دلبر چلا گیا، اور دل گئے ہوؤں کو خبر نہ کی — شہر کے دوست، اور سفر کے ساتھی کی یاد نہ کی

یا بختِ من طریقِ محبت فروگذاشت — یا او بشاہراہِ حقیقت گذر نکرد
یا تو میرے نصیبے نے محبت کے راستہ کو چھوڑ دیا — یا اس نے حقیقت کی شاہراہ پر گذر نہ کی

من ایستادہ تا کنمش جاں فدا چو شمع — او خود گذر بمن چو نسیمِ سحر نکرد
میں کھڑا رہا تاکہ شمع کی طرح اس پر جان قربان کردوں — وہ خود، صبح کی نسیم کی طرح میرے پاس سے نہ گذرا

گفتم مگر بگریہ دلش مہرباں کنم — در سنگِ خارہ قطرۂ باراں اثر نکرد
میں سمجھا شاید رونے سے اس کے دل کو مہربان کرلوں — سنگِ خارہ میں، بارش کے قطرہ نے اثر نہ کیا

۱؎ نگ کو جو کچھ نظر آتا ہے وہ حقیقت ہی نہیں ہوتی ہے لہٰذا باخبر ہو کر دیکھ کہاں سے کام کرنا چاہیے۔

۲؎ میری در لبِ معشوق کی مثال شہد اور مکھی کی ہے مکھی شہد سے کیسے جدا ہو سکتی ہے۔

۳؎ آنکھ کی پتلی کو معشوق کے رخسار کا تل قرار دیا ہے

۴؎ تیرے اخلاق کریمانہ کا تقاضہ ہے کہ تو میری وفاداری کو فراموش نہیں کر سکتا ہے۔

۵؎ تاجِ ہدہد سے مراد معمولی قسم کا شکار ہے

۶؎ دودِ دل کی وجہ سے میرے کارنامے سیاہ ہیں اور وہ میرے قلم کی روشنائی کی طرح ختم ہونے والا نہیں ہے

۷؎ میں تو اس قدر حقیر ہوں کہ میری بداعمالی سے شریعت پر کوئی دھبہ نہیں لگ سکتا ہے۔

۸؎ جبکہ ہم شہر میں اس کے ساتھ تھے سفر میں بھی اس کے ساتھی بنے رہتے۔

۹؎ ہم انتظار میں کھڑے ہوئے شمع کی مانند اپنی جان گھلاتے رہے۔

۱۰؎ سنگِ خارہ ایک مشہور پتھر ہے جو بہت سخت ہوتا ہے یہاں مراد معشوق کا دل ہے۔

دامنِ[1] دوست بصد خونِ دل افتاد بدست
دل کے سو خون کر کے دوست کا دامن ہاتھ میں آیا

بفسونیکہ کند خصم رہا نتواں کرد
مخالف جو منتر کر رہا ہے اُس افسون سے وہ نہیں چھوڑا جا سکتا

عارضش[2] را بمثل ماہِ فلک نتواں خواند
اس کے رخسار کو آسمان کے چاند سے مثال نہیں دیجا سکتی

نسبتِ دوست بہر بے سروپا نتواں کرد
دوست کی نسبت ہر بے سروپا سے نہیں بھی جا سکتی

سروِ بالائے من آندم کہ درآید بسماع
میرا بلند سرو، جب وجد میں آتا ہے

چہ محل[3] جامۂ جاں را کہ قبا نتواں کرد
کیا موقع ہے کہ جان کے کرتے کو چوغہ نہ کیا جا سکے؟

مشکلِ[4] عشق کہ در حوصلۂ دانشِ ماست
عشق کی مشکل جو ہماری عقل کے حوصلہ میں ہے

حلِّ ایں نکتہ بدیں فکرِ خطا نتواں کرد
اس نکتہ کا حل اس غلط فکر سے نہیں کیا جا سکتا

غیرتم[5] کشت کہ محبوبِ جہانی لیکن
مجھے اس غیرت نے مار ڈالا کہ تو دنیا بھر کا محبوب ہے لیکن

روز و شب عربدہ با خلقِ خدا نتواں کرد
دن رات خلقِ خدا سے لڑائی نہیں کی جا سکتی

منِ[6] چہ گویم کہ ترا نازکیِ طبعِ لطیف
میں کیا کہوں کہ تیری پاکیزہ طبیعت کی نزاکت

تا بحدّیست کہ آہستہ دعا نتواں کرد
اس حد تک ہے کہ آہستہ بھی نہیں پکارا جا سکتا

نظرِ[7] پاک تواں در رخِ جاناں دیدن
محبوب کے رُخ کو پاک، نظر دیکھ سکتی ہے

کہ در آئینہ نظر جز بصفا نتواں کرد
اس لیے کہ آئینہ میں صفائی بدون نظر نہیں کیجا سکتی

بجز ابروئے تو محرابِ دلِ حافظ نیست
حافظ کے دل کی محراب تیرے ابرو کے سوا نہیں ہے

طاعتِ غیرِ تو در مذہبِ ما نتواں کرد
ہمارے مذہب میں تیرے غیر کی اطاعت نہیں کیجا سکتی

دانی[8] کہ چنگ و عود چہ تقریر میکنند
تجھے معلوم ہے چنگ اور سارنگی کیا تقریر کرتی ہے!

پنہاں خورید بادہ کہ تکفیر[9] میکنند
شراب چھپکر پیو، کیونکہ کافر ٹھہراتے ہیں

ناموسِ[10] عشق و رونقِ عشّاق میبرند
عشق کی عزت اور عاشقوں کی رونق چھین رہے ہیں

عیبِ جوان و سرزنشِ پیر میکنند
جوان کو عیب دار، اور بوڑھے کو سرزنش کرتے ہیں

جز قلبِ[11] تیرہ ہیچ نشد حاصل و ہنوز
تاریک دل کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوا اور اب بھی

باطل دریں خیال کہ اکسیر میکنند
اس باطل خیال میں، ہیں کہ اکسیر بناتے ہیں

گویند[12] رمزِ عشق مگوئید و مشنوید
کہتے ہیں، عشق کے راز نہ بتاؤ نہ سنو

مشکل حکایتیست کہ تقریر میکنند
بہت مشکل بات ہے، جس کی تقریر کرتے ہیں

تشویشِ[13] وقتِ پیرِ مغاں میدہند باز
پیرِ مغاں کے وقت کو پھر پریشان کرتے ہیں

ایں سالکاں نگر کہ چہ با پیر میکنند
ان سالکوں کو دیکھو پیر کے ساتھ کیا کرتے ہیں

صد[14] ملکِ دل بہ نیم نظر میتواں خرید
دل کے سو ملک آدھی نظر میں خریدے جا سکتے ہیں

خوباں دریں معاملہ تقصیر میکنند
حسین اس معاملہ میں، کوتاہی کرتے ہیں

ما از برونِ در شدہ مغرورِ صد فریب
ہم پردے کے باہر، سو فریبوں کے دھوکے میں ہیں

تا خود درونِ پردہ چہ تقریر میکنند
نہ معلوم وہ پردے کے اندر کیا تقریر کرتے ہیں!

---

[1] جو دامن ہزاروں کوششوں سے حاصل ہوا ہے رقیب کے منتروں سے ہاتھ سے نہیں چھوٹیگا۔

[2] معشوق کے رخ کو چاند سے تشبیہ دینا بے محل ہے وہ بے سروپا ہے۔

[3] کرتے کو قبا بنانا یعنی اس کو چاک کر ڈالنا۔

[4] عشق کی مشکلات کو عقل کے زور پر حل نہیں کیا جا سکتا ہے۔

[5] جبکہ تمام خدا کی مخلوق عاشق ہے تو سب سے کہاں تک جھگڑا کیا جائے۔

[6] نزاکتِ طبع زور سے بولنے کو بھی برداشت نہیں کرتی تو پھر آہ کیسے کیجائے۔

[7] نظر کو پاک کر کے ہی محبوب کے رخ پر نظر ڈالی جاتی ہے۔

[8] دوسرا مصرع چنگ اور عود کی تقریر کا بیان ہے۔

[9] یعنی زاہدانِ خشک۔

[10] یہ زاہدانِ خشک عشق اور عُشّاق کی بے آبروئی کرتے ہیں ہر قسم کے عاشقوں کے در پے آزار ہیں۔

[11] ان زاہدوں کا قلب سیاہ ہے اور اپنے عمل کو بہتر سمجھ رہے ہیں۔

[12] عشق کی باتیں کرنے سے روکتے ہیں کیسی مشکل بات ہے۔

[13] یہ زاہد بزرگوں کے اوقات گندہ کرتے ہیں۔

[14] معشوق سب کو ایک نگاہ کے بدلے خرید سکتا ہے۔

قومے بجدّ و جہد گرفتند وصلِ دوست
کچھ لوگوں نے دوست کا وصل کوشش سے حاصل کر لیا
قومے دگر حوالہ بتقدیر میکنند
دوسرے لوگ تقدیر کے حوالے کرتے ہیں

فی الجملہ اعتماد مکن بر ثباتِ دہر
زمانہ کے ٹھکاؤ پر، بالکل بھروسہ نہ کر
کایں کارخانہ ایست کہ تغیّر میکنند
اس لیے کہ یہ ایسا کارخانہ ہے جس کو الٹ پلٹ کرتے ہیں

مے خور[1] کہ شیخ و حافظ و مفتی و محتسب
شراب پی اس لیے کہ شیخ، اور حافظ، اور مفتی اور محتسب
چوں نیک بنگری ہمہ تزویر میکنند
جب تو غور سے دیکھے، سب فریب کرتے ہیں

در نظر بازیِ ما بیخبراں حیرانند
بے خبر لوگ، ہماری نظر بازی میں حیران ہیں
من چنینم[2] کہ نمودم دگر ایشاں دانند
میں تو ایسا ہی ہوں جیسا میں نے ظاہر کیا، دوسرے وہ جانیں

عاقلاں نقطۂ پرکارِ وجودند ولے
عقلمند، وجود کی پرکار کا نقطہ ہیں لیکن
عشق داند کہ دریں دائرہ سرگردانند
عشق کو معلوم ہے کہ اس دائرے میں چکر کاٹ رہے ہیں

وصفِ رخسارۂ خورشید ز خفاش مپرس[3]
خورشید کے رخسار کی خوبی، چمگادڑ سے نہ پوچھ
کہ دریں آئنہ صاحب نظراں حیرانند
اس لیے کہ اس معاملہ میں صاحبِ نظر حیران ہیں

گر شوند[4] آگہ از اندیشۂ ما مغبچگاں
اگر ہمارے خیال سے مغبچے آگاہ ہو جائیں
بعد ازیں خرقۂ صوفی بگرو نستانند
اس کے بعد کسی صوفی کی گدڑی گروی نہ رکھیں

لافِ[5] عشق و گلہ از یار زہے لافِ خلاف
عشق کی ڈینگیں اور معشوق کا شکوہ، جھوٹی ڈینگوں کا کیا کہنا
عشقبازاں چنیں مستحقِ ہجرانند
ایسے عشقباز، ہجر کے مستحق ہیں

جلوہ گاہِ رخِ او دیدۂ من تنہا نیست
اس کے رخ کی جلوہ گاہ، صرف میری ہی آنکھیں نہیں ہیں
ماہ و خورشید[6] ہمیں آئینہ میگردانند
چاند، اور سورج بھی اسی آئینہ کو گھما رہے ہیں

مگرم چشمِ سیاہِ تو بیاموزد کار
شاید، تیری ہی سیاہ آنکھ مجھے یہ کام سکھائے
ورنہ[7] مستوری و مستی ہمہ کس نتوانند
ورنہ پرہیزگاری، اور مستی، سب لوگ نہیں کر سکتے

مفلسانیم[8] و ہوائے مے و مطرب داریم
ہم مفلس ہیں، اور شراب و مطرب کی خواہش رکھتے ہیں
آہ اگر خرقۂ پشمیں بگرو نستانند
آہ! اگر اونی گدڑی وہ گروی نہ رکھیں

گر بنزہتگہِ ارواح برد بوئے تو باد
اگر ہوا تیری خوشبو، روحوں کی تفریح گاہ میں پہنچا دے
عقل و جاں گوہرِ ہستی بہ نثار افشانند
عقل، اور جان ہستی کا گوہر نچھاور کر دیں

عہدِ ما با لبِ شیریں دہناں بست خدا
خدا نے ہمارا عہد، میٹھا منہ رکھنے والوں کے لب کے ساتھ باندھ دیا ہے
ما ہمہ[9] بندہ و ایں قوم خداوندانند
ہم سب غلام ہیں، اور یہ لوگ آقا ہیں

زاہد[10] ار رندیِ حافظ نکند فہم چہ باک
حافظ کی رندی کو اگر زاہد نہیں سمجھتا ہے تو کیا پرواہ ہے؟
دیو بگریزد ازاں قوم کہ قرآں خوانند
شیطان اُن سے بھاگتا ہے، جو قرآن پڑھتے ہیں

---

[1] جب سب ایک ہی حمام میں ننگے ہیں تو کیوں پرہیز کرتا ہے۔
[2] ہم تو نظر باز ہیں نہ معلوم دوسرے ہمیں کیا سمجھتے ہیں۔
[3] جبکہ صاحب نظر حیران ہیں چمگادڑ کیا بتا سکے گی۔
[4] اگر مغبچے ہماری حالت سے واقف ہو جائیں تو گدڑی کی کوئی قیمت باقی نہ رہے۔
[5] جو عاشق یار کے شکوے کریں وہ ہجر کے مستحق ہیں۔
[6] چاند و سورج میں بھی محبوب ہی کے چہرے کا عکس ہے۔
[7] در کفے جامِ شریعت در کفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے ندانند جام و سندان باختن
[8] گدڑی کو گروی رکھ کر ہی اپنی تمنا پوری کر سکتے تھے۔
[9] ہم سب حسینوں کے غلام ہیں اور وہ آقا ہیں۔
[10] زاہد دیو ہے اور میں قرآن خواں حافظ ہوں۔

دوش وقتِ سحر از غصہ نجاتم دادند
شبِ گذشتہ صبح کے وقت انھوں نے مجھے غم سے نجات دیدی
وندر آں ظلمتِ شب آبِ حیاتم دادند
اور اس تاریکی میں انھوں نے مجھے آبِ حیات دیدیا

بیخود از شعشعۂ پرتوِ ذاتم کردند
انھوں نے ذات کے پرتو کے نور سے مجھے بیخود بنا دیا
بادہ از جامِ تجلّیِ صفاتم دادند
صفاتی تجلّی کے جام سے، مجھے شراب دیدی

چہ مبارک سحرے بود و چہ فرخندہ شبے
کیا بابرکت صبح تھی، اور کیا مبارک رات تھی
آں شبِ قدر کہ ایں تازہ براتم دادند
وہ شبِ قدر جس نے مجھے تازہ دستاویز دیدی

چوں من از عشقِ رخش بیخود و حیراں گشتم
جب میں اس کے رُخ کے عشق سے بیخود اور حیران ہوگیا
خبر از واقعۂ لات و مناتم دادند
مجھے لات اور منات کے واقعہ کی خبر دیدی

من اگر کامروا گشتم و خوشدل چہ عجب
میں اگر کامیاب اور خوش دل ہوگیا تو کیا تعجب ہے
مستحق بودم و اینہا بزکاتم دادند
میں مستحق تھا، اور یہ چیزیں انھوں نے مجھے خیرات میں دیں

بعد ازیں روئے من و آئینۂ حسنِ نگار
اس کے بعد میرا چہرا ہوگا، اور معشوق کے حسن کا آئینہ
کہ در آنجا خبر از جلوۂ ذاتم دادند
اس لیے کہ اس جگہ انھوں نے مجھے ذات کے جلوہ کی خبر دیدی

ہاتف آں روز بمن مژدۂ ایں دولت داد
غیبی فرشتے نے اس دن مجھے اس دولت کی خوشخبری دی
کہ بدانِ غمت صبر و ثباتم دادند
جبکہ تیرے غم کے بازار میں مجھے صبر اور ٹکاؤ دیدیا

ایں ہمہ قند و شکر کز سخنم می ریزد
یہ سب قند و شکر، جو میرے کلام سے جھڑتی ہے
اجرِ صبریست کز آں شاخِ نباتم دادند
اُس صبر کا بدلہ ہے جو اس شاخِ نبات کے عوض مجھے انھوں نے دیدیا

کیمیائیست عجب بندگیِ پیرِ مغاں
پیرِ مغاں کی غلامی، عجیب کیمیا ہے
خاکِ او گشتم و چندیں درجاتم دادند
میں اس کی خاک بنا اور انھوں نے مجھے اس قدر درجے دیدیئے

بحیاتِ ابد آں روز رسانید مرا
ہمیشگی کی زندگی پر اس نے مجھے اس روز پہونچا دیا
خطِ آزادگی از حسنِ مماتم دادند
جبکہ حسنِ خاتمہ کی آزادی کا خط انہوں نے مجھے دے دیا

عاشق آں دم کہ بدامِ سرِ زلفِ تو فتاد
عاشق، جس وقت تیری زلف کے جال میں پھنسا
گفت کز بندِ غم و غصہ نجاتم دادند
بول اٹھا کہ غم و غصہ کی قید سے انھوں نے مجھے نجات دیدی

شکر شکر بشکرانہ بیفشاں اے دل
اے دل! شکر کی شکر، شکرانے میں نچھاور کر
کہ نگارِ خوشِ شیریں حرکاتم دادند
اسلیے کہ انھوں نے مجھے شیریں حرکات والا اچھا معشوق دیدیا

ہمّتِ حافظ و انفاسِ سحر خیزاں بود
حافظ کی باطنی توجہ اور صبح کو اُٹھنے والوں کے سانس تھے
کہ ز بندِ غمِ ایّام نجاتم دادند
کہ انھوں نے زمانے کے غم سے، مجھے نجات دے دی

دوش دیدم کہ ملائک درِ میخانہ زدند
میں نے کل شب دیکھا کہ فرشتوں نے میخانہ کا دروازہ کھٹکھٹایا
گلِ آدم بسرشتند و بہ پیمانہ زدند
آدم کی مٹی کو گوندھا، اور اس سے پیمانہ بنایا

ساکنانِ حرمِ سترِ عفافِ ملکوت
عالمِ ملکوت کی پاکدامنی کے راز کے حرم کے بسنے والوں نے
با منِ راہ نشیں بادۂ مستانہ زدند
مجھ، مسافر کو مستانہ شراب دیدی

---

۱ دادند کا فاعل کارکنانِ قضا و قدر کو بنایا جائے۔
۲ تجلّی کے بہت سے اقسام ہیں ایک تجلّی صفاتی ہے یعنی جب تجلّی صفاتی مجھ پر پڑی میں اپنی ذات کو بھول گیا۔
۳ برات اس شاہی تحریر کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعہ خزانہ سے روپے حاصل کئے جا سکیں۔
۴ لات وہ بت تھا جس کو حضرت شعیب کی قوم پوجتی تھی اور منات عرب میں ہذیل قبیلہ کا بت تھا یعنی اپنے وجود کو مستقل سمجھنا بُت پرستی ہے۔
۵ یعنی روئے محبوب میں مجھے تجلّی ذاتی کا مشاہدہ ہوا۔
۶ شاخِ نبات، گنا، مراد محبوب ہے اور ایک خاص معشوقہ کا نام بھی ہے
۷ چونکہ مجھے یہ خوشخبری دی ہے کہ میرا خاتمہ ایمان پر ہوگا لہٰذا مجھے ابدی زندگی حاصل ہے۔
۸ عشق میں مبتلا ہوکر دنیا کے جھگڑوں سے نجات حاصل ہو جاتی ہے۔
۹ آدم کی مٹی سے شرابِ محبت کے لئے جام تیار کیا۔
۱۰ فرشتوں نے انسان کو مستی کی شراب پلا دی۔

شکرِ ایزد کہ میانِ من و او صلح فتاد
خدا کا شکر ہے کہ مجھ میں اور اس میں صلح ہو گئی
حوریاں رقص کناں ساغرِ شکرانہ زدند
حوروں نے ناچتے ہوئے شکرانہ کا ساغر پیا

جنگِ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ
بہتّر ملتوں کے اختلاف کو معذور سمجھ
چوں ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند
چونکہ انھوں نے حقیقت نہ دیکھی افسانہ کی راہ چل پڑے

آسمان بارِ امانت نتوانست کشید
آسمان امانت کا بوجھ نہ اٹھا سکا
قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند
مجھ دیوانے کے نام انہوں نے فال کا قرعہ نکال دیا

نقطۂ عشق دلِ گوشہ نشیناں خوں کرد
عشق کے نقطہ نے گوشہ نشینوں کے دل کو خون کر دیا
ہمچو آں خال کہ بر عارضِ جانانہ زدند
اس تل کی طرح، جو انہوں نے معشوق کے رخسار پر لگا دیا

ما بصد خرمنِ پندار ز رہ چوں نرویم
ہم تکبر کے سو کھلیانوں کے ہوتے ہوئے راہ سے کیوں نہ بھٹکیں
چوں رہِ آدمِ خاکی بیکے دانہ زدند
جبکہ انہوں نے خاکی آدم کا ایک دانہ کی وجہ سے راستہ بند کر دیا

آتش آں نیست کہ بر شعلۂ او خندد شمع
آگ وہ نہیں ہے جس کے شعلہ پر شمع مسکرائے
آتش آنست کہ در خرمنِ پروانہ زدند
آگ وہ ہے جو انہوں نے پروانہ کے کھلیان میں لگا دی

کس چو حافظ نکشید از رخِ اندیشہ نقاب
خیال کے رخ سے حافظ کی طرح کسی نے نقاب نہیں اٹھایا
تا سرِ زلفِ عروسانِ سخن شانہ زدند
جب سے کلام کی دلہنوں کی زلف میں انھوں نے کنگھی کی ہے

دلِ من بدورِ رویت ز چمن فراغ دارد
تیرے چہرے کے دور میں میرا دل چمن سے بے نیاز ہے
کہ چو سرو پائے بندست و چو لالہ داغ دارد
کیوں کہ سرو کی طرح قیدی ہے اور لالہ کی طرح داغدار ہے

سرِ ما فرو نیاید بکمانِ ابروئے کس
کسی کی ابرو کی کمان پر ہمارا سر نہیں جھکتا ہے
کہ درونِ گوشہ گیراں ز جہاں فراغ دارد
اس لیے کہ گوشہ نشینوں کا باطن دنیا سے بے نیاز ہوتا ہے

شبِ تیرہ چوں سر آرم رہِ پیچ پیچ زلفت
تاریک رات میں تیری زلف کے پیچ در پیچ راستہ کو کیسے سر کروں
مگر آنکہ شمعِ رویت بر ہم چراغ دارد
مگر اس طور پر کہ تیرے چہرے کی شمع میرے راستہ پر چراغ رکھے

ز بنفشہ تاب دارم کہ ز زلفِ او زند دم
مجھے بنفشہ پر غصہ ہے کہ وہ اس کی زلف کا دم بھرتی ہے
تو سیاہِ کم بہا بیں کہ چہ در دماغ دارد
تو کم قیمت حبشی کو دیکھ کہ اس کے سر میں کیا سمایا ہے؟

بفروغِ چہرہ زلفت ہمہ شب زند رہِ دل
چہرے کی روشنی ہوتے ہوئے تیری زلف تمام رات دل پر ڈاکہ ڈالتی ہے
چہ دلاورست دزدے کہ بکف چراغ دارد
وہ چور کس قدر دلیر ہے، جو ہاتھ میں چراغ لیے ہو

سزد ار چو ابرِ بہمن کہ بریں چمن بگریم
مناسب ہے اگر بہمن کے ابر کی طرح میں اس چمن پر روؤں
طربِ آشیانِ بلبل بنگر کہ زاغ دارد
دیکھو بلبل کے آشیانہ کی مستی کوّے کو حاصل ہے

من و شمعِ صبحگاہی سزد ار بہم بگرییم
میں اور صبح کی شمع مناسب ہوگا اگر دونوں مل کر روئیں
کہ بسوختیم و از ما بتِ ما فراغ دارد
اس لیے کہ ہم تو جل گئے، اور ہمارا معشوق ہم سے بے نیاز ہے

بچمن خرام و بنگر بر تختِ گل کہ لالہ
چمن میں ٹہل اور پھول کے تختہ کے پاس دیکھ کر لالہ
بہ ندیمِ شاہ ماند کہ بکف ایاغ دارد
شاہ کے مصاحب کی طرح ہے کہ ہاتھ میں پیالہ لیے ہے

جس قدر ملتوں والے ہیں وہ اختلاف میں معذور ہیں چونکہ حقیقت کو نہیں پہونچے لہٰذا باہم مختلف ہیں۔
قرآن پاک میں ہے "ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمینوں پر پیش کیا لیکن انھوں نے اس کے تحمل سے انکار کیا انسان نے اس کا تحمل کر لیا"۔
من دیوانہ سے مراد انسان ہے۔
نقطہ عشق خالِ محبوب کی طرح عاشقوں کے دل کا خون کر رہا ہے
حضرت آدم گیہوں کے ایک دانہ کی وجہ سے راہ سے بھٹک گئے ہم تو تکبر کے کھلیان لیے پھرتے ہیں پھر بے راہ کیوں نہ ہوں۔
آگ وہ نہیں ہے جو شمع میں ہے آگ وہ ہے جو پروانہ کے دل میں ہے
جبکہ چمن کا سرو قیدی اور لالہ داغدار ہے لہٰذا تیرے چہرے کے ہوتے ہوئے ان سے بے نیازی ہے۔
محبوب کے چہرے کی شمع، اگر راہبری نہ کرے تو زلف کا پیچ راستہ طے نہیں ہو سکتا۔
کم قیمت حبشی سے مراد بنفشہ ہے۔
زلف ڈاکو ہے اور چہرہ چراغ ہے۔
بہمن برستا مہینہ ہے۔
یعنی بلبل کے آشیانہ میں کوا آباد ہے۔
لالہ کھلا ہوا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہِ گل کے لیے اس کے ہاتھوں میں پیالے ہیں۔

سرِ درسِ عشق دارد دلِ دردمندِ حافظ
حافظ کا دردمند دل، عشق کے سبق کا خیال رکھتا ہے

کہ نہ خاطرِ تماشا نہ ہوائے باغ دارد
اس لیے کہ نہ سیر کا خیال رکھتا ہے اور نہ باغ کی خواہش

دادگرا فلک ترا جرعہ کشِ[1] پیالہ باد
اے منصف! آسمان تیرے پیالے سے گھونٹ بھرنے والا ہو

دشمن دلِ سیاہِ تو غرقہ بخوں چو لالہ باد
تیرا سیاہ دل دشمن، لالہ کی طرح خون میں ڈوبا ہو

ذروۂ کاخِ رفعتت رُست ز فرطِ ارتفاع
تیری بلندی کے محل کا کنگرہ، بہت بلندی کی وجہ سے اونچا ہوا

راہ[2] روانِ وہم را راہِ ہزار سالہ باد
وہم کا راستہ چلنے والوں کے لیے ہزار سال راہ ہو

زلفِ سیاہِ پرچمت چشم و چراغِ عالم ست
تیرے کالے پرچم کی زلف، دنیا کا چشم و چراغ ہے

جان ز نسیمِ دولتت در شکنِ کلالہ باد
تیری دولت کی نسیم کی وجہ سے جان زلف کی شکن میں ہو

اے[3] مہِ بُرجِ معدلت مقصدِ کل ز آدمی
اے انصاف کے برج کے چاند جو انسانیت کا مقصدِ کل ہے

بادۂ صاف دائمت در قدح و پیالہ باد
تیرے پیالے اور قدح میں ہمیشہ صاف شراب ہو

چوں بہوائے قامتت زہرہ[4] شود ترانہ ساز
جب تیرے قد کے عشق میں زہرہ ترانہ گائے

حاسدت از سماعِ آں ہمدمِ آہ و نالہ باد
تیرا حاسد اس کے سننے سے، آہ و نالہ کا ہمدم ہو

نہ طبقِ[5] سپہر و آں قرصۂ سیم و زر کہ ہست
آسمان کے نو طبقے اور وہ چاندی سونے کی ٹکیہ جو موجود ہے

از لبِ خوانِ حشمتت سہل تریں نوالہ باد
تیری دولت کے دسترخوان کے کنارے کا آسان ترین نوالہ ہو

دخترِ فکرِ بکرِ من ہمدمِ صحبتِ تو شد
میرے فکر کی باکرہ لڑکی، تیری صحبت کی ہمدم ہوگئی

مہرِ[6] چنیں عروس را ہم بکفت حوالہ باد
ایسی دلہن کا، مہر بھی تیرے ہاتھ کے حوالے ہو

حافظِ تو دریں غزل حجتِ بندگی نوشت
تیرے حافظ نے اس غزل میں غلامی کی دستاویز لکھدی ہے

لطفِ عبید پرورت شاہدِ ایں قبالہ باد
تیری غلام پرور مہربانی اس دستاویز کی گواہ ہو

دیریست کہ دلدار پیامے نفرستاد
زمانہ گذر گیا، کہ دلدار نے کوئی پیغام نہ بھیجا

ننوشت کلامے و سلامے نفرستاد
اس نے نہ کچھ لکھا، نہ سلام بھیجا

صد نامہ فرستادم و آں شاہِ سواراں
میں نے سو خط بھیجے اور اس شاہ سوار نے

پیکے ندوانید و پیامے نفرستاد
کوئی قاصد نہ دوڑایا، اور نہ پیام بھیجا

سوئے منِ وحشی صفتِ عقل رمیدہ
مجھ وحشی صفت، دیوانے کی جانب

آہو[7] روشے کبکِ خرامے نفرستاد
کوئی آہو روش، کوئی کبک خرام نہ بھیجا

دانست کہ خواہد شدنم مرغِ دل از دست
وہ جان گیا ہے کہ مرغِ دل میرے ہاتھ سے جانا چاہتا ہے

زاں طرۂ چوں سلسلہ دامے نفرستاد
اس زنجیر جیسی زلف کا اس نے جال نہ بھیجا

فریاد کہ آں ساقیِ شکر لبِ سرمست
ہائے اس شکر جیسے ہونٹ والے سرمست ساقی نے

دانست کہ مخمورم[8] و جامے نفرستاد
جان لیا کہ میں اعضا شکنی میں ہوں اور ایک جام نہ بھیجا

[1] یعنی تیرا ممنونِ احساں ہو۔
[2] یعنی وہم و خیال کی زد سے بالاتر ہو۔
[3] یعنی تو آدمیت کا مقصود ہے۔
[4] زہرہ ستارے کو رقاصۂ فلک مانا گیا ہے۔
[5] دنیا و ما فیہا تیرے دسترخوان سے حاصل ہو۔
[6] میرے اشعار کا عوض تو اپنے ہاتھ سے شایانِ شان دے۔
[7] آہو رفتار سے معشوق، اور چکور رفتار سے قاصد مراد ہے۔
[8] خمار سے مراد شراب کے اُتار کی کیفیت ہوتی ہے جس میں شرابی بے چینی محسوس کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کو جلد شراب ملے۔

چندانکہ زدم لاف کرامات و مقامات
میں نے کرامات اور مقامات کی بہت ڈینگیں ماریں
ہیچم خبر از ہیچ مقامے نفرستاد
اس نے مجھے کسی مقام کی کوئی خبر نہ بھیجی

حافظ بادب باش کہ واخواست نباشد
حافظ ادب سے رہ، کوئی مواخذہ نہیں ہوتا ہے
گر شاہ[1] پیامے بغلامے نفرستاد
اگر بادشاہ نے کوئی پیام کسی غلام کو نہیں بھیجا

دی پیر[2] مے فروش کہ ذکرش بخیر باد
کل مے فروش پیر نے (اس کا ذکر خیر سے ہو)
گفتا شراب نوش و غم دل ببر ز یاد
فرمایا، شراب پی، اور غم دل بھلا دے

گفتم[3] بباد مید ہدم بادہ نام و ننگ
میں نے کہا، شراب میری عزت آبرو کو برباد کر دیگی
گفتا قبول کن سخن و ہر چہ باد باد
اس نے کہا بات مان لے، اور جو بھی ہوا ہو

سود[4] و زیان مایہ چو خواہد شدن ز دست
یہ سرمایہ کا نفع نقصان جبکہ ہاتھ سے نکل جائے گا
از بہر ایں معاملہ غمگیں مباش و شاد
اس معاملہ کے لئے غمگین اور خوش نہ ہو

بیخار گل نباشد و بے نیش نوش ہم
کانٹے بدون پھول، اور ڈنک بدون شہد نہیں ہوتا
تدبیر چیست وضع جہاں[5] ایں چنیں فتاد
کیا تدبیر ہے؟ زمانہ کی وضع یہی ہے

پر کن[6] ز بادہ جام دمادم بگوش ہوش
شراب سے پے درپے جام پر کر، ہوش کے کان سے
بشنو از و حکایت جمشید و کیقباد
اس سے جمشید، اور کیقباد کا قصہ سن

در آرزو[7] ئے آنکہ رسد دل براحتے
اس آرزو میں کہ دل کسی راحت تک پہونچ جائے
جاں در درون سینہ غم عشق او نہاد
جان نے سینہ میں اس کے عشق کا غم رکھ لیا ہے

بادت[8] بدست باشد اگر دل نہی بہیچ
اگر تو معمولی چیز سے دل لگائے گا تیرے ہاتھ میں ہوا ہوگی
در معرضے کہ تخت سلیماں رود بباد
اس جگہ، جہاں سلیماں کا تخت ہوا پر چلتا ہے

گو نامراد زی کہ بجائے نمی رسد
کہہ دو، نامراد جیے اس لیے کہ کسی جگہ نہیں پہونچتا
آنکس کہ بر رخش در ہر آرزو کشاد
وہ شخص جس کے رخ پر ہر آرزو کا دروازہ کھل گیا

ہرگز نمی رسد ز مئش نشئہ وصال
اس کی شراب سے وصال کا نشہ ہرگز نہیں حاصل ہوتا
آنرا کہ رہ بمیکدۂ عشق خود نداد
جس کو اس نے، اپنے عشق کے شرابخانہ کا راستہ نہ دیا

حافظ گرت ز پند حکیماں ملالت ست
اے حافظ! اگر تجھے داناؤں کی نصیحت سے ملال ہے
کوتہ کنیم قصہ کہ عمرت[9] دراز باد
ہم قصہ مختصر کرتے ہیں خدا کرے تیری عمر دراز ہو

دوش در حلقۂ ما قصۂ گیسوئے تو بود
شب گذشتہ، ہمارے حلقہ میں تیرے گیسو کا قصہ تھا
تا دل شب سخن از سلسلۂ موئے تو بود
آدھی رات تک تیرے بالوں کے سلسلہ کی بات تھی

دل کہ از ناوک مژگان تو در خوں میگشت
وہ دل جو کہ تیری پلکوں کے تیر سے زخمی ہوا
باز مشتاق کمانخانۂ ابروئے تو بود
پھر تیرے ابرو کے کمان خانہ کا مشتاق تھا

---

[1] محبوب شاہ ہے اور حافظ غلام۔
[2] پیر نے کہا دل کے غم کو بھلانے کا یہی طریقہ ہے کہ شراب پی، میں نے کہا بدنام ہو جاؤں گا اس نے کہا بات مان لے خواہ کچھ ہی ہو۔
[4] مرنے کے بعد مال کا نقصان نفع قبضے میں نہ رہیگا۔
[5] دنیا میں راحت و غم ملے جلے ہیں۔
[6] شراب پچھلے بڑے شرابیوں کا حال سنائے گی۔
[7] محبوب کا عشق تو عین راحت ہے۔
[8] جس دنیائے سلیمان جیسے صاحب عظمت و جلال ختم کر دیے اس سے دل لگانا محرومی ہے۔ [9] اس دعا پر بات ختم کرتا ہوں۔
شلا بھی ہمیشہ محروم رہتا ہے۔

ہم عفا اللہ زصبا کز تو پیامے آورد
خدا صبا کو بخشے، جو تیری جانب سے ایک پیام لائی
ورنہ در کس نرسیدیم کہ در کوئے تو بود
ورنہ ہماری کسی ایسے شخص تک رسائی نہ ہوئی جو تیرے کوچہ میں تھا

عالم از شور و شرِ عشق خبر ہیچ نداشت
دنیا کو عشق کے شور و شر کی کچھ خبر نہ تھی
فتنہ انگیزِ جہاں غمزۂ جادوئے تو بود
دنیا میں فتنہ برپا کرنے والی تیرے جادو کی ادا تھی

من سرگشتہ ہم از اہلِ سلامت بودم
میں حیران بھی، سلامتی والوں میں سے تھا
دامِ راہم شکنِ طرۂ ہندوئے تو بود
میرے راستہ کا جال، تیری کالی زلف کی شکن تھی

بکشا بندِ قبا تا بکشاید دلِ من
قبا کا بند کھولدے، تاکہ وہ میرا دل کھولے
کہ کشادے کہ مرا بود ز پہلوئے تو بود
اس لیے کہ جو کشادگی مجھے حاصل تھی تیرے ہی پہلو سے تھی

بوفائے تو کہ بر تربتِ حافظ بگذر
تجھے تیری وفا کی قسم، حافظ کی قبر پر سے گذر
کز جہاں میشد و در آرزوئے روئے تو بود
جو دنیا سے جا رہا تھا اور تیرے چہرے کا آرزومند تھا

در ازل پرتوِ حسنت ز تجلّی دم زد
ازل میں تیرے حسن کے پرتو نے ظہور کا دم بھرا
عشق پیدا شد و آتش بہمہ عالم زد
عشق پیدا ہوا، اور اس نے سارے عالم میں آگ لگا دی

جلوۂ کرد رخش دید ملک عشق نداشت
اس کے رُخ نے ظہور کیا، دیکھا فرشتہ کو عشق نہ ہوا
عین آتش شد ازیں غیرت و بر آدم زد
اس غیرت سے بالکل آگ بن گیا، اور آدم میں لگا دی

مدعی خواست کہ آید بتماشا گہِ راز
مدعی نے چاہا کہ راز کی تماشا گاہ تک آجائے
دستِ غیب آمد و بر سینۂ نامحرم زد
غیبی ہاتھ آیا، اور نامحرم کے سینہ پر مارا

عقل میخواست کز آں شعلہ چراغ افروزد
عقل نے چاہا کہ اُس شعلہ سے چراغ روشن کرے
برقِ غیرت بدرخشید و جہاں برہم زد
غیرت کی بجلی کوندی، اور جہاں درہم برہم کر دیا

جانِ علوی ہوسِ چاہِ زنخدانِ تو داشت
عالم بالا کی جان نے تیری ٹھوڑی کے کنویں کی تمنا کی
دست در حلقۂ آں زلفِ خم اندر خم زد
ہاتھ، اس پیچ در پیچ، زلف کے حلقہ میں ڈالدیا

دیگراں قرعۂ قسمت ہمہ بر عیش زدند
دوسروں نے قسمت کا قرعہ تمام تر، عیش پر ڈالا
دلِ غم دیدۂ ما بود کہ ہم بر غم زد
ہمارا غم دیدہ دل تھا، کہ اس نے غم پر ڈالدیا

نظرے کرد کہ بیند بجہاں صورتِ خویش
اس نے سوچا کہ دنیا میں اپنی صورت دیکھے
خیمہ در آب و گلِ مزرعۂ آدم زد
آدم کے کھیت کے پانی، اور مٹی میں خیمہ لگا لیا

خواست تا جلوہ کند صورتِ خود را محبوب
محبوب نے چاہا، کہ اپنی صورت کا جلوہ کرے
خیمہ در معرکۂ آب و گلِ آدم زد
آدم کے پانی، اور مٹی کے میدان میں خیمہ لگایا

حافظ آں روز طربنامۂ عشقِ تو نوشت
حافظ نے تیرے عشق کا مستی نامہ اُس روز لکھا
کہ قلم بر سرِ اسبابِ دلِ خُرم زد
کہ خوش دل کے اسباب کے سر پر، قلم پھیر دیا

۱۔ خدا صبا کا بھلا کرے اس نے پیام لا دیا ورنہ ہماری کسی ایسے شخص سے ملاقات نہیں ہوئی جو کوچۂ محبوب میں ہو کر آیا ہو۔
۲۔ محبوب کا غمزہ شورش کا سبب بنا ورنہ دنیا اس فتنہ سے خالی تھی۔
۳۔ میری راحت تیرے پہلو سے وابستہ ہے جب تو قبا کا بند کھولیگا دل کو راحت پہونچیگی۔
۴۔ ازل میں تیرے حسن کی وجہ سے عشق عالم وجود میں آیا اور تمام دنیا کو اس نے پھونک ڈالا۔
۵۔ فرشتوں میں عشق کا مادہ نہ تھا تو معشوق کو غیرت آئی اور آتش عشق کو انسانوں پر مسلط کر دیا۔
۶۔ مدعی اور نامحرم سے جھوٹا عاشق مراد ہے۔
۷۔ عقل بھی عشق حاصل کرنا چاہتی تھی عشق نے تمام جہان کو درہم برہم کر دیا تاکہ اس کی مداخلت نہ ہو سکے۔
۸۔ ظاہر ہے کہ کنویں میں اترنے کے لیے رسی درکار ہے۔
۹۔ دوسروں کا حصہ عیش اور ہمارا حصہ غم ہے۔
۱۰۔ خدا نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا ہے گویا کہ اپنی صورت کا خود مشاہدہ کرنا چاہتا تھا لہٰذا آدم کو پیدا فرمایا۔ م

۱۱۔ خوشی کے تمام اسباب کو خیرباد کہکر حافظ نے تیرا مستی نامہ تحریر کیا ہے۔

دوش می آمد و رخسارہ برافروختہ بود
وہ کل آرہا تھا، اور مُنہ سرخ کیے ہوئے تھا

تا کجا باز دلِ غمزدۂ سوختہ بود
نہ معلوم، پھر کہاں کسی غمزدہ کے دل کو جلایا تھا

رسمِ عاشق کُشی و شیوۂ شہر آشوبی
عاشق کشی کی رسم، اور شہر کو فتنے میں مبتلا کرنے کا طریقہ

جامۂ بود کہ بر قامتِ او دوختہ بود
ایک ایسا لباس تھا، کہ اس کے قد پر سلا تھا

کفرِ زلفش رہِ دیں میزد و آں سنگیں دل
اس کی زلف کا کفر، دین کی رہزنی کرتا تھا اور وہ سنگ دل

در رہش مشعلہ از چہرہ برافروختہ بود
اس کے راستہ میں چہرہ کی مشعل روشن کیے ہوئے تھا

دل بسے خوں بکف آورد ولے دیدہ بریخت
دل نے بہت سا خون جمع کیا، لیکن آنکھ نے بہا دیا

اللہ اللہ کہ تلف کرد و کہ اندوختہ بود
اللہ، اللہ، کس نے برباد کیا، اور کس نے جمع کیا تھا؟

یار مفروش بدنیا کہ بسے سود نکرد
دنیا کے بدلے، محبوب کو فروخت نہ کر، اس لیے کہ بہت فائدہ نہیں اٹھایا

آنکہ یوسف بزرِ ناسرہ بفروختہ بود
اُس نے جس نے یوسف کو کھوٹے سونے کے عوض بیچا تھا

جانِ عشّاق سپندِ رخِ خود میدانست
وہ عاشقوں کی جان کو اپنے رخسار کا کالا دانہ سمجھتا تھا

و آتشِ چہرہ بریں کار برافروختہ بود
اور چہرے کی آگ اسی مقصد کے لئے روشن کیے ہوئے تھا

گرچہ میگفت کہ زارت بکشم میدیدم
اگرچہ کہتا تھا کہ تجھے بری طرح قتل کروں گا، لیکن میں دیکھ رہا تھا

کہ نہانش نظرے با منِ دلسوختہ بود
کہ پوشیدہ طور پر اس کی نگاہ، مجھ دل سوختہ کی طرف تھی

گفت و خوش گفت برو خرقہ بسوزاں حافظ
اس نے کہا، اور خوب کہا، جا حافظ گدڑی پھونک دے

یارب ایں قلب شناسی ز کہ آموختہ بود
اے خدا کھوٹ کی پہچان اس نے کس سے سیکھی تھی؟

دوش آگہی ز یارِ سفر کردہ داد باد
کل صبا نے، سفر میں گئے ہوئے یار کی خبر دی

من نیز دل بباد دہم ہر چہ باد باد
میں بھی دل کو برباد کروں گا، جو کچھ ہونا ہے ہو

در چینِ طرّۂ تو دلِ بے حفاظ من
میرے بے مروت دل نے، تیری زلف کی شکن میں

ہرگز نگفت مسکنِ مالوف یاد باد
ہرگز نہ کہا، کہ وطن مالوف یاد رہے

دل خوش شدم بیادِ تو ہر گہ کہ در چمن
میں تیری یاد سے خوش دل ہوا جب بھی چمن میں

بندِ قبائے غنچۂ گُل می کشاد باد
ہوا نے، پھول کے غنچہ کی قبا کے بند کھولے

طرفِ کلاہِ شاہیت آمد بخاطرم
میرے دل میں، تیری شاہی ٹوپی کا کنارا آیا

آنجا کہ تاج بر سرِ نرگس نہاد باد
جس جگہ ہوا نے، نرگس کے سر پر تاج دھرا

کارم بداں رسید کہ ہمرازِ خود کنم
میرا معاملہ یہاں تک پہونچ گیا کہ اپنے ہمراہ کروں

ہر شام برقِ لامع و ہر بامداد باد
ہر شام کو چمکتی بجلی، اور ہر صبح کو ہوا

از دست رفتہ بود وجودِ ضعیفِ من
میرا ضعیف وجود، ہاتھ سے جا چکا تھا

صبحم ببوئے وصلِ تو جاں باز داد باد
صبح کے وقت تیرے وصل کی خوشبو سے ہوا نے جان ڈال دی

امروز قدرِ پندِ عزیزاں شناختم
میں نے آج دوستوں کی نصیحت کی قدر پہچانی

یارب روانِ ناصحِ ما از تو شاد باد
خدا کرے ہمارے ناصح کی روح تجھ سے خوش ہو

۱؎ کسی غم زدہ کو جلا کر آرہا تھا اسی لیے اس کا مُنہ سُرخ تھا۔
۲؎ عاشق کشی اور شہر آشوبی اس پر پھبتی تھی۔
۳؎ زلف ڈاکہ زنی کرتی ہے اور اس کا رُخ اس کو راستہ دکھاتا ہے۔
۴؎ دل کی کمائی آنکھوں نے لٹائی۔
۵؎ برادرانِ یوسف نے یوسف کو بیچ کر بڑا نقصان اٹھایا تھا۔
۶؎ کالے دانہ کو آگ پر جلایا جاتا ہے تاکہ نظر بد نہ لگے۔
۷؎ گدڑی ریاکاری ہے اس کو جلا کر خالص سونا بنے گا۔
۸؎ میرا دل ایسا بے مروت نکلا کہ زلفوں میں رہنے لگا اور میرے سینے کو جو اس کا اصلی وطن ہے کبھی یاد نہ کیا۔
۱۰؎ جب غنچہ پھول بنا اس نے تیری یاد تازہ کر دی۔
۱۱؎ نرگس کے سر پر گل نرگس دیکھ کر مجھ کو تیرے تاج شاہی کی یاد تازہ ہو گئی۔
۱۲؎ برق سے مراد آتش عشق، اور باد سے مراد آہ ہے یعنی میں صبح و شام درد اور آہ میں مبتلا ہوں۔

تاریخِ عیشِ ما شبِ دیدارِ دوست بود
ہمارے عیش کا زمانہ دوست کے دیدار کی رات تھی

عہدِ شباب و صحبتِ احباب یاد باد
جوانی کا زمانہ، اور دوستوں کی صحبت یاد رہے

ہر شب ہزار غم بمن آمد ز عشقِ تو
تیرے عشق کی وجہ سے ہر شب کو ہزاروں غم مجھ پر ٹوٹے

یارب کہ ہر دمم غمِ عشقت زیاد باد
خدا کرے میرے ہر سانس میں تیرے عشق کا غم زیادہ ہو

حافظ نہادِ نیکِ تو کامت بر آورد
حافظ! تیری نیک طینت تیرا مقصود پورا کرے گی

جانہا فدائے مردمِ نیکو نہاد باد
خدا کرے نیک طبیعت انسانوں پر، جانیں قربان ہوں

درآں ہوا کہ جز برق اندر طلب نباشد
جس عشق میں برق کے سوا کچھ مطلوب نہ ہو

گر خرمنے بسوزد چندیں عجب نباشد
اگر کوئی کھلیان جل جائے، تو زیادہ تعجب نہ ہوگا

مرغے کہ با غمِ دل شد الفتیش حاصل
وہ پرندہ جس کو دل کے غم کے ساتھ ایک محبت ہو گئی ہو

بر شاخسارِ عمرش برگِ طرب نباشد
اس کی عمر کی شاخ پر، خوشی کا پتا نہ ہوگا

در کارخانۂ عشق از کفر ناگزیر ست
عشق کے کارخانہ میں، کفر ضروری ہے

آتش کرا بسوزد گر بولہب نباشد
آگ کس کو جلائے گی، اگر ابولہب نہ ہوگا

در کیشِ جانفروشاں فضل و ہنر نزیبد
جانفروشوں کے طریقہ میں، فضل اور ہنر زیب نہیں دیتا ہے

اینجا نسب نگنجد اینجا حسب نباشد
اس جگہ نسب کی گنجائش نہیں، اس جگہ حسب نہ ہوگا

در محفلے کہ خورشید اندر شمارِ ذرہ است
جس محفل میں آفتاب ذرے میں شمار ہے

خود را بزرگ دیدن شرطِ ادب نباشد
اپنے آپ کو بڑا سمجھنا، ادب نہ ہوگا

مے خور کہ عمرِ سرمد گر در جہاں تواں یافت
شراب پی اگر دنیا میں عمر جاوید پائی جاسکتی ہے

جز بادۂ بہشتی ہیچش سبب نباشد
تو بہشتی شراب کے سوا اس کا کوئی ذریعہ نہ ہوگا

حافظ وصالِ جاناں با چوں تو تنگدستے
اے حافظ! محبوب کا وصل تجھ جیسے ایک مفلس کو

روزے شود کہ با او پیوندِ شب نباشد
اس دن حاصل ہوگا، جس میں رات کا جوڑ نہ ہوگا

دلم جز مہرِ مہ رویاں طریقے بر نمیگیرد
میرا دل ماہ رویوں کی محبت کے سوا کوئی راستہ اختیار نہیں کرتا ہے

ز ہر در مید ہم پندش ولیکن در نمیگیرد
میں ہر طرح اس کو نصیحت کرتا ہوں، لیکن اثر نہیں کرتی ہے

خدارا اے نصیحتگو حدیث از مطرب و مے گو
اے ناصح! خدا کے لیے مطرب، اور شراب کی بات کر

کہ نقشے در خیالِ ما ازیں خوشتر نمیگیرد
اس لیے کہ ہمارے ذہن میں اس سے بہتر کسی چیز کا نقشہ نہیں جمتا

صراحی میکشم پنہاں و مردم دفتر انگارند
میں صراحی چھپا کر کھینچتا ہوں، اور لوگ کتاب سمجھتے ہیں

عجب گر آتشِ ایں زرق در دفتر نمیگیرد
تعجب ہوگا، اگر اس مکر کی آگ کتاب میں نہ لگے

نصیحت کم کن و مارا بفریادِ دف و نے بخش
نصیحت کم کر، اور ہمیں دف اور نے کی فریاد پر عنایت کر

کہ غیر از راستی نقشے دریں جوہر نمیگیرد
اس لیے کہ اس جوہر میں سچائی کے علاوہ اور کوئی نقش قائم نہیں ہوتا ہے

۱ اگر کافرِ عشق نہ ہو تو آگ کس کو جلائیگی یعنی کفرِ عشق کا کارخانہ برباد ہو جائے گا۔

۲ بندۂ عشق شدی ترکِ نسب کن جامی کاندریں راہ فلاں ابنِ فلاں چیزے نیست

۳ جس محفل میں ایسے محبوب ہوں کہ سورج بھی ان کے بالمقابل ذرہ ہے وہاں خودی بہت بے ادبی ہے

۴ یعنی قیامت کے دن جس کے بعد رات نہ آئیگی

۵ جو بات اثر کرے وہی کہنی چاہیے۔

۶ اس مکاری سے یہ کتاب جل جانی چاہیے۔

میانِ گریہ میخندم کہ چوں شمع اندریں مجلس
میں رونے کے دوران ہنستا ہوں کہ شمع کی طرح اس مجلس میں
زبانِ آتشینم ہست اَمّا در نمیگیرد
میری زبان آتشیں ہے لیکن اثر نہیں کرتی ہے

سرو چشمے بایں خوبی تو گوئی چشم ازو برگیر
اس حسن کا سراور آنکھ، تو کہتا ہے اُس سے نظر ہٹاتے
بَرَو کایں وعظِ بے معنیٰ مرا در سر نمیگیرد
جا یہ بے معنی وعظ میرے دماغ میں نہیں بیٹھتا ہے

نصیحتگوئے رنداں را کہ با حکمِ خدا جنگ ست
رندوں کو نصیحت کرنیوالا جس کی خدا کے حکم سے لڑائی ہے
دلش بس تنگ می بینم چرا ساغر نمیگیرد
میں اس کا دل بہت تنگ دیکھتا ہوں وہ ساغر کیوں نہیں اٹھاتا ہے

چہ خوش صیدِ دلم کردی بنازم چشم مستت را
میرے دل کو کس اچھی طرح تو نے شکار کیا تیری مست آنکھوں پر مجھے ناز ہے
کہ کس آہوئے وحشی را ازیں خوشتر نمیگیرد
اس لیے کہ وحشی ہرن کو کوئی اس سے بہتر طریقہ پر نہیں پکڑ سکتا ہے

سخن در احتیاجِ ما و استغنائے معشوق ست
ہماری ضرورت اور معشوق کی بے نیازی کی بات ہے
چہ سود افسونگری اے دل کہ در دلبر نمیگیرد
اے دل منتر پڑھنے کا کیا فائدہ ہے، جب دلبر میں اثر نہیں کرتا ہے؟

خدا را رحمے اے منعم کہ درویشِ سرِ کویت
اے منعم خدا کے لیے رحم کر اس لیے کہ تیرے کوچہ کا فقیر
درِ دیگر نمیداند رہِ دیگر نمیگیرد
دوسرا دروازہ نہیں جانتا ہے دوسرا راستہ اختیار نہیں کرتا ہے

من از پیرِ مغاں دیدم کراماتِ مردانہ
میں نے پیرِ مغاں کی، مردانہ کرامتیں دیکھیں
کہ ایں دلقِ ریائی را بجامے بر نمیگیرد
کہ اس ریا کی گدڑی کو ایک جام کے بدلے قبول نہیں کرتا ہے

منِ ایں دلقِ مرقع را بخواہم سوختن روزے
میں اس پیوند لگی گدڑی کو ایک دن پھونک دوں گا
کہ پیرِ میفروشانش بجامے بر نمیگیرد
اس لیے کہ مے فروشوں کا پیر اس کو ایک جام کے بدلے میں نہیں لیتا ہے

من ایں آئینہ را روزے بدست آرم سکندر وار
میں اس آئینہ کو سکندر کی طرح کسی دن حاصل کر لوں گا
اگر میگیرد ایں آتش زمانے در نمیگیرد
اگر یہ آگ قبول کر لیتا ہے تو ایک زمانہ تک اس میں اثر نہیں کرتی ہے

بیا اے ساقیِ گلرخ بیاور بادۂ رنگیں
اے گل رخ ساقی! آ، رنگین شراب لا
کہ رنگے در درونِ ما ازیں بہتر نمیگیرد
اس لیے کہ اس سے بہتر کوئی رنگ ہمارے اندر اثر نہیں کرتا ہے

بایں شعرِ تر و شیریں ز شاہنشہ عجب دارم
ان تر اور میٹھے شعروں کے باوجود مجھے بادشاہ پر تعجب ہے
کہ سر تا پائے حافظ را چرا در زر نمیگیرد
کہ حافظ کو سر سے پیر تک سونے میں کیوں نہیں مڑھتا ہے؟

دیدم بخوابِ خوش کہ بدستم پیالہ بود
میں نے ایک اچھے خواب میں دیکھا میرے ہاتھ میں پیالہ تھا
تعبیر رفت و کار بدولت حوالہ بود
تعبیر پوری ہو گئی اور کام خوش قسمتی کے حوالے تھا

چل سال رنج و غصہ کشیدیم و عاقبت
چالیس سال تک ہم نے رنج اور غصہ برداشت کیا اور انجام کار
تدبیرِ ما بدستِ شرابِ دوسالہ بود
ہماری تدبیر، دو سالہ شراب کے ہاتھ میں تھی

آں نافۂ مراد کہ میخواستم ز غیب
میں غیب سے جس نافۂ مشک کی مراد مانگتا تھا
در چینِ زلفِ آں بتِ مشکیں کلالہ بود
وہ اس مشکین زلف، بت کے گیسو کی شکن میں تھا

از دست بردہ بود وجودم خمارِ عشق
عشق کا خمار، میرے وجود کو ہاتھ سے چھین چکا تھا
دولت مساعد آمد و مے در پیالہ بود
خوش قسمتی مددگار بنی، اور شراب پیالے میں تھی

ا شمع کے لئے خندہ اور گریہ اور آتشیں زبان ثابت کی جاتی ہے لیکن اس کی آتشیں زبان مجلس والوں کو متاثر نہیں کرتی ہے۔ اسی طرح میری فصاحت و بلاغت سے محبوب متاثر نہیں ہوتا ہے۔
۲ جب رندوں کے لئے خدا کی مشیت اور حکم کے مطابق رندی ہے تو ناصح کا روکنا خدائی حکم سے جنگ کرنا ہے۔
۳ دلِ عاشق وحشی ہرن ہے۔
۴ جب محبوب ہم سے بے نیاز ہے اور اس پر کوئی افسوں اثر نہیں کرتا ہے تو افسوں بیکار ہے۔
۵ گدڑی کو شراب کے بدلے قبول نہ کرنا ہی اس کی مردانہ کرامت ہے۔
۶ جبکہ یہ گدڑی اس قدر ہیچ ہے اسکو جلا دوں گا۔
۷ خواب میں ہاتھ میں پیالہ دیکھنا خوش قسمتی کی علامت ہے۔
۸ چالیس سالہ رنج کو دو سالہ شراب دور کر دیتی ہے۔
۹ نافۂ ملک چین میں نہیں ہے بلکہ محبوب کی زلف کی شکن میں ہے۔
۱۰ قسمت نے ساتھ دیا کہ پیالہ شراب تھی ورنہ اضمحلال سے جان چلی جاتی۔

نالاں و داد خواہ بمیخانہ میروم
میں روتے ہوئے انصاف کے لیے میخانہ میں جاتا ہوں
کانجا کشادِ کارِ من از آہ و نالہ بود
اس لئے کہ اس جگہ میرے کام کی کشادگی آہ اور نالہ سے ہوئی تھی

خوں میخورم ولیک نہ جائے شکایت است
میں خون پیتا ہوں، لیکن شکایت کا موقع نہیں ہے
روزیِ ما ز خوانِ کرم ایں نوالہ بود
کرم کے دستر خوان سے، ہماری روزی یہی نوالہ تھی

بر طرفِ گلشنم نظر افتاد وقتِ صبح
صبح کے وقت گلشن کے کنارے پر میری نظر پڑی
آں دم کہ کارِ مرغِ چمن آہ و نالہ بود
جبکہ چمن کے پرند کا کام، آہ اور نالہ تھا

ہر کو نہ کاشت مہر و ز خوبی گلے نچید
ہر وہ جس نے محبت کا بیج نہ بویا، اور خوبی کا پھول نہ چنا
در رہگذارِ باد نگہبانِ لالہ بود
وہ ہوا کے راستہ میں، لالہ کا نگہبان تھا

آتش فگند در دلِ مرغاں نسیمِ باغ
باغ کی نسیم نے پرندوں کے دل میں آگ لگادی
زاں داغِ سر بمہر کہ در جانِ لالہ بود
اُس سر بمہر داغ سے، جو لالہ کے دل میں تھا

آں شاہِ تند حملہ کہ خورشیدِ شیر گیر
وہ سخت حملہ والا، بادشاہ کہ شیر گیر آفتاب
پیشش بروزِ معرکہ کمتر غزالہ بود
لڑائی کے دن، اس کے سامنے ہرن سے کمتر تھا

دیدم کہ شعرِ دلکشِ حافظ بمدحِ شاہ
میں نے دیکھا کہ شاہ کی تعریف میں حافظ کے دلکش شعر
ہر بیت از آں سفینہ بہ از صد رسالہ بود
اس دیوان کا ہر شعر، سو رسالوں سے بہتر تھا

دمے با غم بسر بردن جہاں یکسر نمی ارزد
تھوڑی دیر بھی غم میں بسر کرنا، تمام دنیا کے بدلے مناسب نہیں
بمے بفروش دلقِ ما کزیں بہتر نمی ارزد
ہماری گدڑی شراب کے عوض بیچ دو، اس سے بہتر قیمت کے لائق نہیں ہے

بکوئے مے فروشانش بجامے بر نمیگیرند
مے فروشوں کے کوچہ میں اس کو ایک جام میں بھی نہیں لیتے ہیں
زہے سجادۂ تقویٰ کہ یک ساغر نمی ارزد
سبحان اللہ، تقویٰ کا کیا مصلّیٰ ہے کہ ایک ساغر کے بھی لائق نہیں

شکوہِ تاجِ سلطانی کہ بیمِ جاں درو درج است
شاہی تاج کا دبدبہ، جس میں جان کا خوف بھی ہے
کلاہِ دلکش است اما بدردِ سر نمی ارزد
دلکش ٹوپی ہے، لیکن دردِ سر کے لائق نہیں

رقیبم سرزنشہا کرد کز ایں باب سر برتاب
رقیب نے مجھے جھڑکیاں دیں کہ اس در سے سر ہٹالے
چہ افتاد ایں سرِ مارا کہ خاکِ در نمی ارزد
اس ہمارے سر کو کیا ہوا کہ دروازہ کی خاک کے لائق نہیں

ترا آں بہ کہ روئے خود ز مشتاقاں بپوشانی
تیرے لئے مناسب ہے کہ عاشقوں سے اپنا چہرہ چھپالے
کہ سودائے جہانداری غمِ لشکر نمی ارزد
بادشاہت کا سودا لشکر کے غم کے لائق نہیں

بشوا ایں نقشِ دلتنگی کہ در بازارِ یکرنگی
اس دل تنگی کے نقش کو دھو ڈال اس لیے کہ یکرنگی کے بازار میں
بنعمتہائے گوناگوں مے احمر نمی ارزد
گوناگوں نعمتیں سرخ شراب کے بدلے کے لائق نہیں

دیار و یار مردم را مقید میکنند ورنہ
وطن اور معشوق انسانوں کو پابند کرتے ہیں ورنہ
چہ جائے پارس کایں محنت جہاں یکسر نمی ارزد
فارس تو کیا یہ مصیبت پوری دنیا کے عوض کے لائق نہیں

بس آساں می نمود اول غمِ دریا ببوئے سود
فائدے کی بو کی وجہ سے ابتداءً دریا کا غم بہت آسان معلوم ہوتا ہے
غلط گفتم کہ ہر موجش بصد گوہر نمی ارزد
میں نے غلط کہا اس کی کوئی موج سو گوہر کے لائق نہیں

---

۱ لالہ کا پھول ہوا کے معمولی جھونکے سے جھڑ جاتا ہے تو ہوا کا راستہ روکنا تاکہ لالہ کا پھول نہ جھڑے ناممکن اور بیکار بات ہے۔
۲ نسیم نے چل کر لالہ کو کھلایا اور بلبلیں عشق کی آگ میں جلنے لگیں۔
۳ خورشید کا تعلق برج اسد سے ہے اس لئے خورشید کو شیر گیر قرار دیا ہے۔
۴ شاہ کی تعریف کی غزل کا ہر شعر سو رسالوں سے بہتر ہے۔
۵ شاہ محمود دکن کے بادشاہ نے حافظ کو بلایا تھا حافظ جب کشتی میں سوار ہو کر چلے باد مخالف چل پڑی مجبور ہو کر سفر کا ارادہ ترک کر دیا اور یہ قصیدہ لکھ کر بھیجا یا پوری دنیا بھی ملے تو بھی تھوڑی دیر کے غم پر راضی نہ ہونا چاہیے۔ گدڑی شراب میں بک جانے کے لائق ہے۔
۶ تقوے کے مصلے کو ایک ساغر کے بدلے میں بھی نہیں خریدتے ہیں۔
۷ تاج سلطانی اس قابل نہیں کہ اس کی وجہ سے تھوڑا سا بھی دردِ سر مول لیا جائے۔
۸ مشتاقان بمنزلہ لشکر ہیں کہ جن پر سلطنت حاصل ہے لیکن ان کی فکر اگر دامن گیر ہو تو یہ سلطانی

سکتا ہے۔ ۹ یکرنگی، گوناگوں نعمتوں کی قیمت ایک شراب کی بوتل بھی نہیں لگاتی ہے۔ ۱۰ دیار اور یار انسان کو پابند کرتے ہیں ورنہ پابندی کا ایک فارس تو کیا پوری دنیا کے بدلے میں بھی مناسب نہیں ہے۔

برو گنجِ قناعت جو بکنجِ عافیت بنشیں
جا صبر کا خزانہ تلاش کر، عافیت کے گوشہ میں بیٹھ
کہ یکدم تنگدل بودن بہ بحر و بر نمی ارزد
اس لیے کہ تھوڑی دیر کے لئے تنگدل ہونا سمندر اور خشکی کے برابر نہیں

چو حافظ در قناعت کوش و از دنیائے دوں بگذر
حافظ کی طرح قناعت میں کوشش کر اور کمینی دنیا سے گذر جا
کہ یک جو منّتِ دوناں بصد من زر نمی ارزد
اس لیے کہ کمینوں کا ایک جو احسان سو من سونے کے لائق نہیں

دوستاں دخترِ رز توبہ ز مستوری کرد [1]
اے دوستو! انگور کی بیٹی نے پردہ نشینی سے توبہ کی
شد برِ محتسب و کار بدستوری کرد
محتسب کے پاس گئی، اور اجازت سے کام کیا

آمد از پردہ بہ مجلس عرقش پاک کنید [2]
پردہ سے نکل کر مجلس میں آئی، اس کا پسینہ پوچھو
تا نگویند حریفاں کہ چرا دوری کرد
تاکہ دوست یہ نہ کہیں کہ اس نے دوری کیوں اختیار کی

مژدگانی بدہ اے دل کہ دگر مطربِ عشق
اے دل انعام دے کہ عشق کے مطرب نے پھر
راہِ مستانہ زد و چارۂ مخموری کرد
مستانہ راہ چلی، اور اعضا شکنی کا علاج کیا

جائے آنست کہ در عقدِ وصالش گیرند [3]
اسی کا موقع ہے کہ عقدِ نکاح میں لے لیں
دخترِ رز کہ بخم ایں ہمہ مستوری کرد
انگور کی بیٹی جس نے شیشے میں یہ سب حجاب کیا

نہ بہفت آب کہ رنگش بصد آتش نرود [4]
سات سمندروں سے نہیں بلکہ سو آگ سے بھی اس کا رنگ نہ جائے گا
آنچہ با خرقۂ زاہد مئے انگوری کرد
جو کچھ کہ انگوری شراب نے زاہد کی گدڑی کے ساتھ کیا ہے

غنچۂ گلبنِ وصلم ز نسیمش بشگفت
میرے وصل کی شاخ کا غنچہ اس کی نسیم سے کھل گیا
مرغِ شبخواں طرب از برگِ گُلِ سوری کرد
عندلیب نے، گُلِ سوری کی پتی پر مستی کی

حافظ افتادگی از دست مدہ زانکہ حسود [5]
حافظ! انکسار کو نہ چھوڑ اس لیے کہ حاسد نے
عرض و مال و دل و دیں در سرِ مغروری کرد
آبرو، مال، دل اور دین غرور کی نذر کر دیا

درختِ دوستی بنشاں کہ کامِ دل ببار آرد [6]
دوستی کا درخت لگا، کیونکہ دل کا مقصد پھل لاتا ہے
نہالِ دشمنی برکن کہ رنج بیشمار آرد
دشمنی کا پودا اکھاڑ پھینک کیونکہ بیشمار تکلیفیں دیتا ہے

چو مہمانِ خراباتی بعشرت باش باِرنداں [7]
جب تو شرابخانہ کا مہمان ہے رندوں کے ساتھ عیش اڑا
کہ دردِ سر کشی جاناں گرت مستی خمار آرد
اے جاناں اگر مستی نے خمار پیدا کیا، تو تجھے دردِ سر ہو جائے گا

شبِ صحبت غنیمت داں و دادِ خوشدلی بستاں
ملاقات کی رات کو غنیمت سمجھ اور خوشدلی کی داد حاصل کر
بسے گردش کند گردوں بسے لیل و نہار آرد
آسمان بہت گردش کرے گا اور بہت سے رات اور دن لائے گا

عماری دارِ لیلیٰ را کہ مہر و ماہ در حکم ست [8]
لیلیٰ کا شتربان جس کے قبضہ میں سورج اور چاند ہے
خدایا در دل انداز ش کہ بر مجنوں گذار آرد
اے خدا اس کے دل میں ڈال دے کہ مجنوں کے پاس سے گذرے

بہارِ عمر خواہ اے دل وگرنہ ایں چمن ہر سال
اے دل! عمر کی بہار چاہ ورنہ یہ چمن ہر سال
چو نسریں صد گل آرد بار و چوں بلبل ہزار آرد
نسریں جیسے سو پھول کھلاتا ہے اور بلبل جیسے ہزاروں پیدا کرتا ہے

---

[1] شراب محتسب کی اجازت سے شیشے کے پردے سے باہر نکل آئی۔
[2] اس کا پسینہ جلد پوچھ دو تاکہ دوست یہ نہ کہیں کہ پہلے دور تھی اب قریب آکر شرما رہی ہے اور پسینہ پسینہ ہو رہی ہے۔
[3] چونکہ شیشے کے پردے میں چھپی تھی لہٰذا نکاح کے لائق ہے۔
[4] شراب کے دھبے گدڑی کو سات سمندر کے پانی میں دھونے سے تو درکنار سو بار آگ کی بھٹی سے بھی نہ جائیں گے۔
[5] حاسد سب کچھ غرور کی بنا پر تباہ ہوا تو انکساری نہ چھوڑ۔
[6] دوستی سے دل کا مدعا پورا ہوتا ہے دشمنی سے رنج و غم ملتا ہے۔
[7] رندوں کے ساتھ گزار ورنہ نشہ کے خمار سے دردِ سر ہو جائیگا۔
[8] عماری محمل کو کہتے ہیں چونکہ لیلیٰ اونٹ پر بیٹھی ہے جو چاند سورج سے کم نہیں ہے، لہٰذا شتربان کے حکم میں چاند، سورج کو بتایا گیا ہے۔

خدارا چوں دلِ ریشم قرارے بستہ با زلفت
جبکہ میرے زخمی دل نے تیری زلف سے ایک عہد وابستہ کر لیا ہے تو خدا کیلئے

بفرما لعلِ نوشیں را کہ جاں را بر قرار آرد
شیریں لعل کو حکم دیدے کہ جان کو برقرار رکھے

زکار افتادۂ اے دل کہ صد من بارِ غم داری[1]
اے دل تو بیکار ہو گیا ہے، سو من غم کا بوجھ رکھتا ہے

بَرَو یک جرعہ مے درکش کہ در حالت بکار آرد
جا ایک گھونٹ شراب پی لے کہ تجھے فوراً کام کی حالت میں لے آئیگی

دریں[2] باغ ار خدا خواہد دریں پیرانہ سر حافظ
اگر خدا چاہے گا حافظ بڑھاپے میں اسی باغ میں

نشیند بر لبِ جوئے و سروے در کنار آرد
نہر کے کنارے پر بیٹھے گا، اور کسی سرو سے بغل گیر ہوگا

دوش از[3] جنابِ آصف پیکِ بشارت آمد
کل، جنابِ آصف کی طرف سے خوشخبری کا قاصد آیا

کز حضرتِ سلیماں عشرت اشارت آمد
کہ سلیمانؑ کے دربار سے عیش و عشرت کا اشارہ ہو گیا

خاکِ[4] وجودِ ما را از آبِ بادہ گِل کن
ہمارے وجود کی مٹی کو شراب کے پانی سے گوندھ

ویراں سرائے دل را گاہِ عمارت آمد
دل کی ویران سرائے کی، تعمیر کا وقت آگیا

ایں[5] شرحِ بے نہایت کز حسنِ یار گفتند
یہ بے انتہا تشریح، جو انہوں نے یار کے حسن کی کی ہے

حرفیست کز ہزاراں اندر عبارت آمد
ہزاروں میں سے ایک حرف ہے جو عبارت میں آگیا

عیبم[6] بپوش زنہار اے خرقۂ مے آلود
اے شراب آلود گدڑی دیکھ! میری عیب پوشی کر دے

کاں پاکدامن اینجا بہرِ زیارت آمد
اس لیے کہ وہ پاک دامن اس جگہ زیارت کے لئے آگیا

امروز[7] جائے ہر کس پیدا شود ز خوباں
آج حسینوں میں سے، ہر ایک کا مقام کھل جائے گا

کاں ماہِ مجلس آرا اندر صدارت آمد
اس لیے کہ وہ مجلس کو زینت دینے والا چاند صدارت کیلئے آگیا

بر تختِ[8] جم کہ تاجش محرابِ آفتاب ست
جمشید کے تخت پر کہ جس کا تاج آفتاب کی محراب ہے

ہمت نگر کہ مورے با ایں حقارت آمد
ہمت تو دیکھو، کہ ایک چیونٹی باوجود اس حقارت کے آگئی

از چشمِ شوخش اے دل ایمانِ خود نگہدار
اے دل اس کی شوخ آنکھ سے اپنے ایمان کو بچا

کاں جادوئے کماں کش بر عزمِ غارت آمد
اس لیے کہ وہ کمان کھینچنے والا جادو لوٹ مار کے ارادہ سے آگیا

دریاست[9] مجلسِ شہ دریاب وقت و بشناس
بادشاہ کی مجلس دریا ہے، وقت کو غنیمت سمجھ، اور پہچان لے

ہاں اے زیاں رسیدہ وقتِ تجارت آمد
ہاں اے نقصان اٹھائے ہوئے! تجارت کا وقت آگیا

آلودۂ تو حافظ فیضے ز شاہ درخواہ
اے حافظ! تو آلودہ ہے بادشاہ سے فیض چاہ

کاں عنصرِ سماحت بہرِ طہارت آمد
اس لیے کہ وہ سخاوت کی اصل، پاک کرنے کیلئے آگیا

در[10] نمازم خمِ ابروئے تو چوں یاد آمد
نماز میں جب مجھے تیرے ابرو کا خم یاد آگیا

حالتے رفت کہ محراب بفریاد آمد
ایسی حالت ہو گئی، کہ محراب فریاد کرنے لگی

از من اکنوں طمعِ صبر و دل و ہوش مدار
اب مجھ سے صبر اور دل و ہوش کی امید نہ رکھ

کاں تحمل کہ تو دیدی ہمہ برباد آمد
اس لئے کہ جو برداشت تو نے دیکھی تھی سب برباد ہو گئی

[1] غموں میں مبتلا ہو کر دل بیکار ہو جاتا ہے۔ لہٰذا شراب کے گھونٹ سے غم دور کر کے دل کو کارآمد بنایا جائے۔
[2] حافظ بڑھاپے میں عیش و عشرت کی زندگی گذارے گا۔
[3] آصف بن برخیا، حضرتِ سلیمان کے وزیر کا نام ہے۔
[4] دل کی تعمیر کا وقت آگیا ہے لہٰذا وجود کی مٹی شراب سے گوندھ کر تیار کرو۔
[5] محبوب کی تعریف میں جو کچھ کہا گیا ہے یہ ہزارواں حصہ ہے۔
[6] رند کی عیب پوشی شراب آلود گدڑی ہی کر سکتی ہے۔
[7] مجلس میں ہمارا محبوب صدر نشین ہے اب حسینوں کو اپنا اپنا مرتبہ معلوم ہو جائیگا۔
[8] ہمتِ مردانہ سے دشوار کام آسان ہو جاتے ہیں۔
[9] اب اس دریا سے جس قدر چاہو موتی نکال لو اور اپنا نقصان پورا کر لو۔
[10] میری بے تابی کو دیکھ کر محراب آہ و نالہ کرنے لگی۔

بادہ صافی شد و مرغانِ چمن مست شدند
شراب صاف ہوگئی، اور چمن کے پرند مست ہوگئے
موسمِ عاشقی و کار بہ بنیاد آمد
عاشقی کا موسم ہے اور کام مضبوط ہوگیا

بوئے بہبود ز اوضاعِ جہاں میشنوم
ہم زمانہ سے بہبودی کی خوشبو سونگھ رہا ہوں
شادی آورد گل و بادِ صبا شاد آمد
پھول خوشی لایا ہے اور بادِ صبا خوش ہوکر آئی ہے

اے عروسِ ہنر از دہر شکایت منمای
اے ہنر کی دلہن! زمانہ کی شکایت نہ کر
حجلۂ حسن بیارائے کہ داماد آمد
حسن کا چھپر کھٹ سجا، کہ شوہر آگیا

بر زلیخا ستم اے یوسفِ مصری مپسند
اے مصری یوسف، زلیخا پر ظلم پسند نہ کر
زانکہ از عشق بر او اینہمہ بیداد آمد
اس لیے، کہ اس پر عشق ہی کی وجہ سے یہ سب ظلم ہوئے

دلفریبانِ نباتی ہمہ زیور بستند
سب نباتی دلفریبوں نے زیور پہن لیا ہے
دلبرِ ماست کہ با حسنِ خداداد آمد
ہمارا معشوق ہے، کہ خداداد حسن کے ساتھ آیا

زیرِ بارند درختاں کہ تعلق دارند
جو درخت تعلق رکھتے ہیں، وہ زیرِ بار ہیں
اے خوشا سرو کہ از بندِ غم آزاد آمد
وہ سرو کیا اچھا ہے، جو غم کی قید سے آزاد ہے

مُطرب از گفتۂ حافظ غزلے نغز بخواں
اے مُطرب حافظ کے کلام میں سے کوئی عمدہ غزل گا
تا بگویم کہ ز عہدِ طربم یاد آمد
تاکہ میں کہوں، کہ مجھے مستی کا زمانہ یاد آگیا

دلے کہ غیب نمایست و جامِ جم دارد
وہ دل جو غیب نما ہے، اور جامِ جمشید رکھتا ہے
ز خاتمے کہ ازو گم شود چہ غم دارد
اس انگوٹھی سے جو اس سے گم ہوجائے کیا غم کرتا ہے؟

بخط و خالِ گدایاں مدہ خزینۂ دل
دل کا خزانہ فقیروں کے خط و خال کو نہ دے
بدستِ شاہ وشے دہ کہ محترم دارد
بادشاہ جیسے کے ہاتھ میں دے کہ عزت سے رکھے

نہ ہر درخت تحمل کند جفائے خزاں
ہر درخت خزاں کے ظلم کو برداشت نہیں کرتا
غلامِ ہمتِ سروم کہ ایں قدم دارد
میں سرو کی ہمت کا غلام ہوں، کہ یہ ثابت قدمی رکھتا ہے

رسید موسمِ آں کز طرب چو نرگسِ مست
اس کا موسم آگیا، کہ خوشی سے مست نرگس کی طرح
نہد بپائے قدح ہر کہ شش درم دارد
پیالے کے قدموں پر ڈال دے، جو بھی چھ درم رکھے

زر از بہائے مے اکنوں چو گل دریغ مدار
اب پھول کی طرح ہونے کو شراب کی قیمت ادا کرنے سے نہ بچا
کہ عقلِ کل بصدت عیب متہم دارد
کہ عقلِ کل، تجھے سو عیب سے متہم کرے

ز سرِ غیب کس آگاہ نیست قصہ مخواں
غیب کے راز سے کوئی باخبر نہیں ہے، قصے نہ سنا
کدام محرمِ دل رہ دریں حرم دارد
دل کے کون سے محرم کو، اس حرم کا راستہ ملا ہے

دلم کہ لافِ تجرد زدے کنوں صد شغل
میرا دل جو بے تعلقی کی ڈینگیں مارتا تھا، اب سو شغل
بوئے زلفِ تو با بادِ صبحدم دارد
تیری زلف کی خوشبو کی وجہ سے صبح کی ہوا کے ساتھ رکھتا ہے

مرادِ دل ز کہ جویم کہ نیست دلدارے
میں دل کی مراد کس سے چاہوں، کوئی دلدار نہیں ہے
کہ جلوۂ نظر و شیوۂ کرم دارد
جو نگاہ کا جلوہ، اور کرم کی عادت رکھتا ہو

١ موسمِ بہار آگیا اب ہر طبیعت عشق اور مستی کی متقاضی ہے۔
٢ موسم بہار کی وجہ سے جہان میں چہل پہل ہے۔
٣ اب ہنر کی قدر دانی کا زمانہ آگیا ہے۔
٤ سب درختوں نے پھولوں کے زیورات پہن لیے ہیں ہمارا معشوق خداداد حسن کی وجہ سے زیور کی آرائش سے بے نیاز ہے۔
٥ حضرت سلیمان کے پاس ایک انگوٹھی تھی جس کے اثرات سے وہ جن و انس اور حیوانات وغیرہ پر حکومت کرتے تھے۔ جس کو صخرہ نامی دیو چرا کر لے گیا تو وہ پریشان ہوگئے تھے۔
٦ سرو کا درخت موسم خزاں سے متاثر نہیں ہوتا ہے۔
٧ مستی کا موسم آگیا ہر شخص اپنا سب کچھ شراب نوشی پر خرچ کر ڈالنے کو آمادہ ہے۔
٨ موسم بہار میں جب پھول کھلتا ہے تو اس کا زیرہ جھڑتا ہے جس کو زرِ گل کہا جاتا ہے عقلِ کل: عقلِ اول اور حضرت جبرئیل کو کہا جاتا ہے۔
٩ عالم سے بے تعلقی محض زبانی دعویٰ تھا اب ہر وقت بادِ صبا سے تعلق ہے۔

زجیب[1] خرقۂ حافظ چہ طرف بتواں بست
حافظ کے چوغے کے گریباں سے کیا علاقہ رکھا جاسکتا ہے!
کہ ما صمد طلبیدیم واو صنم دارد
اس لئے کہ ہم نے صمد طلب کیا، اور وہ صنم رکھتا ہے

دست از طلب ندارم تا کامِ من برآید
میں طلب سے دست بردار نہیں ہوں گا جب تک کہ مقصد پورا نہ ہو
یا جاں[2] رسد بجاناں یا جاں زتن برآید
یا جان، جاناں تک پہونچے یا جان جسم سے نکل جائے

بکشائے[3] تربتم را بعد از وفات وبنگر
مرنے کے بعد، میری قبر کھول اور دیکھ
کز آتشِ درونم دُود از کفن برآید
کہ میری اندرونی آگ کی وجہ سے کفن سے دھواں نکل رہا ہے

بنمائے رُخ کہ خلقے والہ شوند وحیراں
رُخ دکھادے کہ لوگ دیوانہ اور حیراں ہوجائیں
بکشائے لب کہ فریاد از مرد وزن برآید
ہونٹ ہلا، تاکہ مرد وزن فریاد کریں

جاں[4] برلب ست وحسرت در دل کہ از لبانش
جان ہونٹوں پر ہے اور حسرت دل میں کہ اس کے ہونٹوں سے
نگرفتہ ہیچ کامے جاں از بدن برآید
کوئی مقصد پورا کیے بدون جسم سے جان نکلتی ہے

از حسرتِ[5] دہانت جانم بہ تنگ آمد
تیرے مُنہ کی حسرت سے میری جان تنگ آگئی ہے
خود کامِ تنگدستاں کے زاں دہن برآید
مُفلسوں کا مقصد اُس مُنہ سے کب پورا ہوگا

گفتم بخویش کز وے برگیر دل دلم گفت
میں نے اپنے آپ سے کہا کہ اس سے دل ہٹالے، میرا دل بولا
کارِ کسے ست ایں کو باخویشتن برآید
یہ کام تو اسکا ہے، جس کو اپنے اوپر قابو ہو

ہر یک[6] شکن ز زلفت پنجاہ شست دارد
تیری زلف کی ہر شکن، پچاس حلقے رکھتی ہے
چوں ایں دلِ شکستہ با آں شکن برآید
یہ ٹوٹا ہوا دل اس شکن سے کس طرح نکلے

بر[7] بوئے آنکہ در باغ آید گلے چو رویت
اس امید پر کہ باغ میں تیرے چہرے جیسا کوئی پھول کھلے
آید نسیم وہر دم گردِ چمن برآید
نسیم آتی ہے اور ہر وقت چمن میں چاروں طرف چکر کاٹتی ہے

ہر دم چو بیوفایاں نتواں گرفت یارے
بیوفاؤں کی طرح ہر وقت ایک نیا دوست نہیں بنایا جاسکتا
مائیم وآستانش تا جاں زتن برآید
ہم ہیں اور اس کی چوکھٹ جب تک جسم سے جان نکلے

برخیز[8] تا چمن را از قامت ومیانت
اُٹھ تاکہ چمن کے لئے تیرے قد اور کمر سے
ہم سرو در بر آید ہم ناروں برآید
سرو بھی بغل میں آئے اور ناروں بھی مل جائے

گویند[9] ذکرِ خیرش در خیلِ عشقبازاں
اُس کا ذکرِ خیر عشق بازوں کے گروہ میں کرتے ہیں
ہر جا کہ نامِ حافظ در انجمن برآید
انجمن میں جس جگہ، حافظ کا نام آتا ہے

در ازل[10] ہر کو بفیضِ دولت ارزانی بود
جس کو ازل میں، دولت کا فیض عنایت ہوتا ہے
تا ابد جامِ مرادش ہمدمِ جانی بود
ابد تک اُس کی مراد کا جام، اس کی جان کا ساتھی ہوتا ہے

من[11] ہماں ساعت کہ از مے خواستم شد توبہ کار
میں نے اسی گھڑی جبکہ میں نے شراب سے توبہ کرنی چاہی تھی
گفتم ایں شاخ ار دہد بارے پشیمانی بود
کہا تھا کہ اگر یہ شاخ کوئی پھل دیگی تو وہ پشیمانی ہوگا

[1] جیب گریباں یعنی اس کے دل میں خدا نہیں بلکہ صنم بیٹھا ہے۔
[2] یا تو وصل ہی حاصل ہو یا موت آجائے۔
[3] مرنے کے بعد بھی عشق کی آگ نہیں بجھی۔
[4] محبوب کے وصل بدون جان نکل رہی ہے۔
[5] اس کے دہن سے لطف اندوز جب ہوتے جبکہ کوئی سرمایہ ہمارے پاس ہوتا۔
[6] شکار کمزور اور جال ایسا سخت تو بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ہے
[7] باد صبا معشوق کی جستجو میں باغ کے چکر کاٹ رہی ہے۔
[8] محبوب کا قد سرو ہے، کمر ناروں، جو ایک قسم کا انار ہے جس کو گلنار بھی کہتے ہیں۔
[9] حافظ کا نام آتے ہی لوگ اس کو عشقبازوں میں گنتے ہیں۔
[10] جس کو ازل میں خوش قسمتی سے فیض حاصل ہوگیا ہے۔ وہ ہمیشہ جام بکف رہیگا۔
[11] توبہ کا نتیجہ شرمندگی ہوگی توبہ پر قائم نہ رہا جاسکے گا

خود گرفتم کافگنم سجّادہ چوں سوسن بدوش
ہیں نے مانا کہ ہیں سوسن کی طرح مصلّی کاندھے پر ڈالوں گا
ہمچو گل بر خرقہ رنگ مے مسلمانی بود
کیا گدڑی پر پھول کی طرح کے شراب کے دھبّے مسلمانی ہوں گے

خلوتِ ما را فروغ از عکسِ جامِ بادہ باد
ہماری خلوت کا نور شراب کے جام کے عکس سے رہے
زانکہ کنجِ اہلِ دل باید کہ نورانی بود
اس لیے کہ اہلِ دل کا گوشہ نورانی ہونا چاہیے

بے چراغِ جام در خلوت نمی آرم نشست
میں جام کے چراغ بغیر، خلوت میں نہیں بیٹھ سکتا
وقتِ گل مستوری مستاں ز نادانی بود
پھول کے موسم میں مستوں کی پرہیزگاری نادانی ہوگی

مجلسِ انس و بہار و بحثِ عشق اندر میاں
محبت، اور بہار کی مجلس، اور اس میں عشق کی بحث
جامِ مے نگرفتن از جاناں گرانجانی بود
محبوب سے شراب کا جام نہ تھامنا، کاہلی ہوگی

ہمتِ عالی طلب جامِ مرصّع گو مباش
بلند ہمت کو چاہ، خواہ جڑاؤ جام نہ ہو
رند را آبِ عنب یاقوتِ رمّانی بود
رند، کے لیے انگور کا پانی رمّانی یاقوت ہوتا ہے

نیکنامی خواہی اے دل با بداں صحبت مدار
اے دل اگر تو نیکنامی چاہتا ہے بروں کی صحبت اختیار نہ کر
خود پسندی جانِ من برہانِ نادانی بود
اے میری جان! تکبّر نادانی کی دلیل ہے

گرچہ بے ساماں نماید کارِ ما سہلش مبیں
اگرچہ ہمارا کام بے سروساماں نظر آتا ہے اس کو آساں نہ سمجھ
کاندریں کشور گدائی رشکِ سلطانی بود
اس لیے کہ اس ملک میں فقیری بادشاہت کا رشک ہے

خوش بود خلوت ہم اے صوفی ولیکن گر در و
اے صوفی خلوت بھی اچھی چیز ہے لیکن اگر اس میں
بادہ ریحانی و ساقی مستِ ریحانی بود
ریحانی شراب اور ریحانی شراب سے مست ساقی ہو

دی عزیزے گفت حافظ می خورد پنہاں شراب
کل ایک دوست نے کہا، حافظ چھپ کر شراب پیتا ہے
اے عزیزِ من گنہ آں بہ کہ پنہانی بود
اے میرے عزیز! گناہ وہی اچھا ہے جو چھپ کر ہو

دلم بے جمالت صفائے ندارد
میرا دل، تیرے جمال بغیر کوئی صفائی نہیں رکھتا
چو بیگانہ کا آشنائے ندارد
ایسے بیگانہ کی طرح جو کوئی آشنا نہ رکھتا ہو

متاعِ دلِ پاکِ مشتاقِ مسکیں
مسکین عاشق کے پاک دل کی پونجی
ببازارِ حسنش بہائے ندارد
اس کے حسن کے بازار میں، کوئی قیمت نہیں رکھتی ہے

دلا جام و ساقیِ گلرخ طلب کن
اے دل، جام اور گل رخ ساقی ڈھونڈ
کہ چوں گل زمانہ بقائے ندارد
اس لیے، کہ پھول کی طرح زمانہ کو بھی بقا نہیں ہے

اگرچہ دلم رفت لیکن غمش نیست
اگرچہ میرا دل چلا گیا، لیکن اس کی کوئی فکر نہیں
بجز آں خمِ زلف جائے ندارد
اس لیے، کہ اس زلف کے پیچ کے سوا اس کی کوئی جگہ نہیں ہے

ازیں سینۂ تنگ ترسم کہ تیرش
میں اس تنگ سینے سے ڈرتا ہوں کہ اس پر تیر
رود جائے وانگہ دوائے ندارد
ایسی جگہ جا لگے، کہ پھر اس کی کوئی دوا نہ ہو

ہمہ چیز دارد دلآرام لیکن
محبوب، سب کچھ رکھتا ہے لیکن
دریغا کہ با ما وفائے ندارد
افسوس! کہ ہمارے ساتھ وفا نہیں رکھتا ہے

۱ سوسن کے درخت پر جب پھول کھلتے ہیں تو ایسی معلوم ہوتی ہے کہ مصلّی کاندھے پر ڈالے ہوتے ہے۔ یعنی مصلّے کو کاندھے پر ڈالنا بیشک مسلمانی کی علامت ہے لیکن شراب کے دھبّوں کا کیا ہوگا۔
۲ خلوت میں جام کے عکس سے ہی نور پیدا کیا جا سکتا ہے۔
۳ جب شراب نوشی کے جملہ اسباب مہیا ہیں تو دوست کے ہاتھ سے شراب نہ پینا کاہلی ہے۔
۴ سرخ یاقوت کی قسموں میں سے ایک رمّانی کہلاتی ہے۔
۵ اگرچہ ہمارے پاس ساز و ساماں نہیں ہے لیکن ہماری فقیری بادشاہوں کے لیے قابلِ رشک ہے۔
۶ ریحانی شراب وہ کہلاتی ہے جس میں خوشبودار پھول ملائے گئے ہوں۔
۷ جس وقت جائیں گے معشوق کی زلف ہی سے اس کو پا کرکے آئیں گے۔
۸ چونکہ میرا سینہ تنگ ہے اس لیے ڈر ہے کہ تیرا پتر ایسی جگہ نہ آ لگے جس کا علاج ہی نہ ہو سکے۔ ۹ محبوب میں سب ہی خوبیاں ہیں لیکن وفاداری نہیں ہے۔

چو ماہ است روشن کہ بے مہرِ رویش
چاند کی طرح روشن ہے، کہ اس کے چہرے کے آفتاب کے بدون

دل و جانِ حافظ صفائے ندارد
حافظ کی جان، اور دل کوئی نور نہیں رکھتا ہے

دل شوقِ لبت مُدام دارد
دل کو، ہمیشہ تیرے لب کا شوق لگا رہتا ہے

یارب زلبت چہ کام دارد
اے خدا! تیرے لب سے اس کا کیا مقصد ہے؟

جاں شربتِ مہر و بادۂ شوق
جان، محبت کا شربت، اور شوق کی شراب

در ساغرِ دل مُدام دارد
دل کے ساغر میں ہمیشہ رکھتی ہے

شوریدۂ زلفِ یار دائم
یار کی زلف کا دیوانہ، ہمیشہ

در دامِ بلا مُقام دارد
مصیبت کے جال میں مقام رکھتا ہے

آخر نرسد کہ باز پرسیم
کیا ہمیں یہ حق بھی نہیں پہونچتا، کہ ہم پھر دریافت کریں

کاں دلبرِ ما چہ نام دارد
کہ ہمارے اُس دلبر کا کیا نام ہے؟

با یار کجا نشیند آں کو
دوست کے ساتھ، وہ کہاں بیٹھ سکتا ہے جس کو

اندیشۂ خاص و عام دارد
خواص، اور عوام کی فکر ہو

خرم دلِ آں کسے کہ صحبت
اس کا دل خوش ہے، جو صحبت

با یار علی الدّوام دارد
دوست کے ساتھ ہمیشہ رکھے

تا صید کند دلے بشوخی
تاکہ شوخی سے کسی دل کو شکار بنائے

بر گل زبنفشہ دام دارد
پھول پر، بنفشہ کا جال رکھتا ہے

حافظ چو دمے خوش ست مجلس
چونکہ تھوڑی دیر کے لئے بھی مجلس جمنا اچھا ہے اسلئے حافظ

اسبابِ طرب تمام دارد
مستی کے تمام سامان مہیا رکھتا ہے

دلم زرنجِ فراواں دمے نیا ساید
میرا دل بہت زیادہ رنج کی وجہ سے تھوڑی دیر بھی آرام نہیں پاتا

تنم ز اندُہِ دوری ہمی بفرساید
میرا جسم، دوری کے رنج سے گھسا جاتا ہے

بخارِ حسرت اگر پر شود دلِ خرّم
حسرت کے ابخرات اگر بھر جاتے ہیں، اے خوش دل!

ز دیدگاں نمِ بارانِ غم فرود آید
تو آنکھوں سے غم کی بارش کی نمی گرتی ہے

زبس غمے کہ بدیدم چناں شدم کہ مرا
زیادہ غموں کی وجہ سے جو میں نے دیکھے ہیں ایسا ہو گیا ہوں کہ مجھے

نسیمِ صبح بہ یکدم ز جائے بربائد
صبح کی ہوا ایک دم جگہ سے اڑا لے جائے

زمانہ جوید و ہر جا کہ فتنہ باشد
زمانہ تلاش کرتا ہے اور جس جگہ بھی کوئی فتنہ ہوتا ہے

چو نو عروس بچشمِ منش بیاراید
میری نگاہ میں، دلہن کی طرح اس کو سنوارتا ہے

دو چشمِ من رخِ من زرد دید نتوانست
میری دو آنکھیں میرے رخ کو زرد نہ دیکھ سکیں

ازآں بخونِ دلم دمبدم بیندا ید
اسی وجہ سے ہر وقت میرے دل کے خون سے لیپتی ہیں

ملا حافظ کا سینہ چاند ہے اور محبوب کا چہرہ سورج چاند میں روشنی سورج سے ہی آتی ہے۔
ملا محبوب کی زلف کا دیوانہ ہمیشہ مصیبت میں ہے۔
ملا ہمیں یہ تو حق ہے کہ ہم محبوب کا نام پوچھ لیں۔
ملا محبوب کی صحبت تو وہی اختیار کر سکتا ہے جو تمام انسانوں سے بے تعلق ہو۔
ملا گل سے چہرہ اور بنفشہ سے زلف مراد ہے۔
ملا دل رنج سے بے چین ہے جسم فراق کے ڈر سے گھل رہا ہے
ملا زمین سے ابخرات اٹھتے ہیں وہی آسمان سے بشکل بارش برستے ہیں
ملا اتنا ہلکا ہو گیا ہوں کہ ہوا اڑا لیجائے۔
ملا ہر بلائے کز آسماں آید
گرچہ بر دیگرے قضا باشد
بر زمیں نارسیدہ می پرسد
خانۂ انوری کجا باشد
ملا میری آنکھیں چونکہ میرے چہرے کو زرد دیکھنا پسند نہیں کرتی ہیں اس لیے خون کے آنسوؤں سے اس کو لیپ دیتی ہیں۔

کہ گر نگہ کندم روئے زرد بدخواہے
تاکہ اگر کوئی بدخواہ میرا زرد چہرہ دیکھے

بچشم او رخِ من زرد رنگ ننماید
میرا رُخ، اس کی نگاہ کو زرد رنگ نہ دکھائی دے

اگر نہ نالہ کنم گویدم چہ حاجتِ ماست
اگر میں نہیں روتا ہوں، مجھے کہتا ہے ہماری کیا ضرورت ہے؟

وگر بمویہ سرایم بہ پیچ و تاب آید
اگر روتا ہوں پیچ و تاب کھاتا ہے

غمیں مباش چو حافظ کہ حیِ جاویداں
حافظ کی طرح غمگین نہ رہ اس لئے کہ ہمیشہ زندہ رہنے والا

درے نہ بند کند تا دگرے نہ بکشاید
کوئی دروازہ بند نہیں کرتا جب تک دوسرا نہیں کھولتا ہے

رُو بر رہش نہادم و بر من گذر نکرد
میں نے اس کے راستہ پر چہرہ رکھ دیا اور وہ میرے پاس سے نہ گزرا

صد لطف چشم داشتم و یک نظر نکرد
مجھے سو مہربانیوں کی توقع تھی اس نے ایک بار بھی نہ دیکھا

سیلِ سرشکِ ما ز دلش کیں بدر نبرد
ہمارے آنسوؤں کے سیلاب نے اس کے دل سے کینہ کو نہ نکالا

در سنگِ خارہ قطرۂ باراں اثر نکرد
سنگ خارہ میں بارش کے قطرے نے اثر نہ کیا

ماہیؔ و مرغ دوش نخفت از فغانِ من
کل شب میری فریاد سے مچھلیاں اور پرندے نہ سوئے

واں شوخ دیدہ بیں کہ سر از خواب بر نکرد
اُس شوخ چشم کو دیکھو کہ نیند سے سر نہ ابھارا

میخواستم کہ میرمش اندر قدم چو شمع
میں چاہتا تھا کہ اُس کے قدموں پر شمع کی طرح جان دیدوں

او خود گذر بمن چو نسیم سحر نکرد
اس نے میرے پاس سے نسیم سحر کی طرح گذر نہ کیا

یارب تو آں جوانِ دلاور نگاہدار
اے خدا تو اس بہادر، جوان کی حفاظت کر

کز تیرِ آہِ گوشہ نشیناں حذر نکرد
جس نے گوشہ نشینوں کی آہ کے تیر سے بچاؤ نہ کیا

جاناں کدام سنگدلِ بے کفایت ست
اے محبوب اکونسا سنگدل، بے سلیقہ ہے

کو پیشِ زخمِ تیغِ تو جاں را سپر نکرد
کہ جس نے تیری تلوار کے زخم کے سامنے جان کو ڈھال نہ بنایا

شوخی نگر کہ مرغِ دلِ بال و پر کباب
شوخی دیکھ، کہ مرغِ دل جس کے بال اور پر کباب ہو چکے ہیں

سودائے خامِ عاشقی از سر بدر نکرد
عاشقی کے خام جنون کو اس نے سر سے نہ نکالا

حافظ حدیثِ عشق تو از بسکہ دلکش ست
اے حافظ تیرے عشق کی کہانی بہت زیادہ دلچسپ ہے

نشنید کس کہ از سرِ رغبت ز بر نکرد
کسی ایسے شخص نے نہیں سنی، جس نے رغبت سے یاد نہ کرلی ہو

راہے بزن کہ آہے برسازِ آں تواں زد
کوئی ساز چھیڑ، جس کے نغمہ پر آہ کھینچا جا سکے

شعرے بخواں کہ با او رطلِ گراں تواں زد
کوئی شعر پڑھ، جس پر بھرا پیالہ پیا جا سکے

برآستانِ جاناں گر سر تواں نہادن
اگر معشوق کے در پر سر دھرا جا سکے

گلبانگِ سربلندی بر آسماں تواں زد
سربلندی کا نعرہ آسمان تک پہنچایا جا سکتا ہے

درخانقہ نگنجد اسرارِ عشق و مستی
عشق اور مستی کے راز، خانقاہ میں نہیں سما سکتے

جامِ مےِ مغانہ ہم با مغاں تواں زد
مُغوں کی شراب کا جام مُغوں کے ساتھ ہی پیا جا سکتا ہے

١ آنکھیں چہرے پر خون اس لیے بہا رہی ہیں تاکہ دشمن میری زرد روئی دیکھ کر خوش نہ ہو سکے۔
٢ محبوب کے راستہ پر ہم سر دھرے ہوئے تھے، لیکن وہ وہاں سے نہ گذرا۔
٣ سیلاب ہر چیز کو دھو ڈالتا ہے لیکن ہمارے آنسوؤں کا سیلاب اس کے کینہ کو نہ دھو سکا۔
٤ ہمارے نالہ و فریاد نے حیوانات تک کی نیند حرام کر دی لیکن محبوب آرام سے سوتا رہا۔
٥ شمع نسیم سحری سے بجھ جاتی ہے، گویا شمع نسیم کے قدموں پر جان دیدیتی ہے۔
٦ آہیں اثر کرتی ہیں لیکن وہ پرواہ نہیں کرتا خدا اس کی حفاظت کرے۔
٧ نغرہ پر آہیں کرنی چاہئیں
٨ محبوب کے آستانہ پر سر دھرنا بڑے فخر کی بات ہے۔
٩ اہل خانقاہ اسرار عشق کو نہیں سمجھ سکتے ہیں ہر کام واقف کار کے ساتھ ہونا چاہیے۔

شد رہزنِ سلامت زلفِ تو ویں عجب نیست
تیری زلف سلامتی کی راہزن بن گئی اور یہ تعجب کی بات نہیں

گر راہزن تو باشی صد کارواں تواں زد
اگر راہزن تو ہو تو سو قافلے لوٹے جا سکتے ہیں

گر دولتِ وصالت خواہد درے کشودن[1]
اگر تیرے وصال کی دولت، دروازہ کھول لینا چاہے

سرہا بایں تخیل برآستاں تواں زد
اس خیال سے بہت سے سر چوکھٹ پر مارے جاسکتے ہیں

قدِ خمیدۂ ما[2] سہلت نماید اما
ہمارا کبڑا قد، تجھے حقیر نظر آتا ہے لیکن

بر چشمِ دشمنانت تیر از کماں تواں زد
تیرے دشمنوں کی آنکھوں پر، کمان سے تیر چلا جاسکتا ہے

از شرم در حجابم ساقی تلطفے کن[3]
میں شرم کی وجہ سے پردے میں ہوں، ساقی مہربانی کر دے؛

باشد کہ بوسہ چند برآں دہاں تواں زد
ہو سکتا ہے کہ اس منہ کے چند بوسے لیے جاسکیں

بر جویبارِ چشمم[4] گر سایہ افگند دوست
میری آنکھوں کی نہر پر، اگر دوست سایہ ڈالے

بر خاکِ رہگذارش آبِ رواں تواں زد
اس کے راستہ کی خاک پر چلتا پانی چھڑکا جاسکتا ہے

درویش را نباشد منزل سرائے سلطاں
فقیر کو بادشاہ کی منزل سرائے حاصل نہیں ہوتی ہے

مائیم[5] و کہنہ دلقے کاتش درآں تواں زد
ہم ہیں اور پرانی گدڑی کہ اس میں آگ لگائی جاسکتی ہے

اہلِ نظر دو عالم در یک نظر بہ بازند
اہلِ نظر، دونوں جہان کو ایک نظر میں ہار دیتے ہیں

عشق ست و داوِ اول برنقدِ جاں تواں زد
عشق ہے اور پہلی بازی، نقدِ جان پر لگائی جاسکتی ہے

با عقل[7] و فہم و دانش دادِ سخن تواں داد
عقل اور سمجھ اور دانش سے سخن کی داد دی جا سکتی ہے

چوں جمع شد معانی گوئے بیاں تواں زد
جب معانی جمع ہو جائیں، بیان کی گیند جیتی جاسکتی ہے

عشق[8] و شباب و رندی مجموعۂ مراد ست
عشق اور جوانی، اور رندی، تمنا کا مجموعہ ہے

ساقی بیا کہ جامے درایں زماں تواں زد
اے ساقی آجا اس زمانہ میں ایک جام پیا جاسکتا ہے

بر عزمِ کامرانی فالے بزن چو دانی
اگر تو جانتا ہے، کامیابی کے ارادہ پر فال نکال

باشد کہ گوئے دولت درایں میاں تواں زد
ہو سکتا ہے کہ خوش قسمتی کی گیند اس درمیان میں تو جیت لیجائے

حافظ[9] بحقِ قرآں کز زرق و شید باز آ
حافظ تجھے قرآن کے حق کی قسم ہے، مکر اور فریب سے باز آجا

باشد کہ گوئے عیشے درایں میاں تواں زد
ہو سکتا ہے کہ عیش کی گیند اس دوران میں جیت لیجائے

روز[10] وصلِ دوستداراں یاد باد
دوستوں کے وصل کا دن، یاد رہے

یاد باد آں روزگاراں یاد باد
یاد رہے، وہ زمانہ یاد رہے

ایں[11] زماں در کس وفاداری نماند
اس زمانہ میں کسی میں وفاداری نہیں رہی

زاں وفاداراں و یاراں یاد باد
ان وفاداروں، اور یاروں کی یاد رہے

کامم[12] از تلخی غم چوں زہر گشت
غم کی تلخی سے، میرا حلق زہر جیسا ہو گیا ہے

بانگ نوشِ بادہ خواراں یاد باد
شراب نوشوں کے پینے کی آواز، یاد رہے

من کہ در تدبیرِ غم بیچارہ ام
میں، جو غم کی تدبیر سے ناچار ہوں

چارۂ آں غمگساراں یاد باد
ان غمگساروں کی، چارہ سازی یاد رہے

---

[1] اگر یہ معلوم ہو کہ دروازہ کھٹکھٹانے سے کھل جائیگا تو ہاتھوں سے نہیں بلکہ سروں سے کھٹکھٹایا جاسکتا ہے۔

[2] ہمارا کبڑا قد تیرے دشمنوں کے لئے کمان کا حکم رکھتا ہے۔

[3] یہ ہمت مدہوشی میں ہو سکتی ہے، ورنہ شرم آڑے آرہی ہے۔

[4] اگر اس چشمہ پر کر سیر کرنا چاہے تو راستہ کے گرد و غبار پر آنسوؤں کا چھڑکاؤ کر دوں تاکہ اسکو غبار سے تکلیف نہ پہونچے

[5] فقیر جس وقت چاہے اپنی گدڑی کو پھونک دے

[7] شعر گوئی عقل و فہم سے تعلق رکھتی ہے معانی کو جمع کرکے شعر کہا جاسکتا ہے

[8] ان چیزوں کا جمع ہو جانا انسان کی انتہائی تمنا ہے لہٰذا اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

[9] تو حافظ قرآن ہے تجھے قرآن کی قسم مکر چھوڑ دے تاکہ مقصد پورا ہو سکے۔

[10] اب تو وصل حاصل نہیں لیکن زمانۂ وصل کی یاد تازہ رہنی چاہیے۔

[11] اب تو وفاداری ص

گرچہ یاراں فارغند از یادِ من — از منِ ایشاں را ہزاراں یاد باد
اگرچہ دوست، میری یاد سے خالی ہیں — میری جانب سے، اُن کی ہزاروں بار یاد رہے

مبتلا گشتم دریں دامِ بلا — کوششِ آں حق گذاراں یاد باد
میں اس مصیبت کے جال میں، پھنس گیا ہوں — ان حق ادا کرنے والوں کی، کوشش یاد رہے

گرچہ صد رود ست در چشمم رواں — زندہ رودِ باغکاراں یاد باد
اگرچہ میری آنکھوں میں، سو نہریں جاری ہیں — باغکاراں کی زندہ رود، یاد رہے

زاں سرِ زلف و رُخِ گلفامِ او — روز و شب اے گلعذاراں یاد باد
اس زلف، اور اس کے پھول جیسے رُخ کی — اے معشوقو! دن رات یاد رہنی چاہئے

رازِ حافظ بعد ازیں ناگفتہ بہ
حافظ کا راز، اس کے بعد نہ کہنا بہتر ہے
اے دریغ از رازداراں یاد باد
ہائے افسوس! راز داروں کی یاد رہنی چاہئے

رسید مژدہ کہ ایامِ غم نخواہد ماند — چناں نماند و چنیں نیز ہم نخواہد ماند
خوش خبری پہونچی ہے کہ غم کا زمانہ نہ رہے گا — ویسا کبھی نہیں رہا، ایسا بھی نہ رہے گا

من ارچہ در نظرِ یار خاکسار شدم — رقیب نیز چنیں محترم نخواہد ماند
یار کی نظر میں، اگرچہ میں ذلیل ہوگیا ہوں — رقیب بھی، اس طرح باعزت نہ رہے گا

چو پردہ دار بشمشیر میزند ہمہ را — کسے مقیمِ حریمِ حرم نخواہد ماند
پردہ نشیں، جبکہ سب کو تلوار سے مارتا ہے — کوئی بھی حرم کے احاطہ میں، مقیم نہ رہے گا

توانگرا دلِ درویشِ خود بدست آور — کہ مخزنِ زر و گنجِ درم نخواہد ماند
اے مالدار! اپنے فقیر کا دل ہاتھ میں لے — سونے کا خزانہ، اور درہم کا خزانہ نہ رہیگا

غنیمتے شمر اے شمع وصلِ پروانہ — کہ ایں معاملہ تا صبحدم نخواہد ماند
اے شمع! پروانہ کے وصل کو غنیمت جان — اس لیے، کہ یہ معاملہ صبح تک نہ رہے گا

سروشِ عالمِ غیبم بشارتے خوش داد — کہ بر درِ کرمش کس دژم نخواہد ماند
عالمِ غیب کے فرشتہ نے، مجھے اچھی خوشخبری سنائی — کہ اس کے کرم کے دروازہ پر کوئی غمگین نہ رہے گا

بریں رواقِ زبرجد نوشتہ اند بزر — کہ جز نکوئیِ اہلِ کرم نخواہد ماند
اس زبرجد کے چھجے پر، سونے کے پانی سے لکھا ہے — کہ اہلِ کرم کی بھلائی کے سوا کچھ نہ رہے گا

سرودِ مجلسِ جمشید گفتہ اند ایں بود — کہ جامِ بادہ بیاور کہ جم نخواہد ماند
لوگوں نے کہا ہے، جمشید کی مجلس کا گانا یہ تھا — کہ شراب کا پیالہ لا، کیونکہ جمشید نہ رہے گا

چہ جائے شکر و شکایت ز نقشِ نیک و بد ست — کہ کس ہمیشہ گرفتارِ غم نخواہد ماند
اچھے بُرے کے نقش سے، شکر و شکایت کا کیا موقع ہے — اس لئے کہ کوئی ہمیشہ، غم میں گرفتار نہ رہے گا

ز مہربانیِ جاناں طمع مبر حافظ — کہ نقشِ مہر و نشانِ ستم نخواہد ماند
اے حافظ! محبوب کی مہربانی سے مایوس نہ ہو — اس لیے کہ محبت کا نقش، اور ظلم کا نشاں نہ رہے گا

---

۱ دوستوں نے مجھے بھلا دیا لیکن میرے لئے ان کی یاد تازہ رہنی چاہیے۔
۲ زندہ رود اصفہان کی ایک نہر کا نام ہے اس کے کنارے ایک باغ ہے جس کا نام باغکاراں ہے۔
۳ اب رازدار نہیں ہیں کہ ان سے راز کہا جا سکے۔ اقبال کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں، معلوم کیا کسی کو دردِ نہاں ہمارا
۴ چناں سے ایامِ عیش اور چنیں سے ایامِ غم مراد ہیں۔
۵ ہماری چغلیاں کھا کر اس نے ہمیں ذلیل کرایا انجام کار وہ خود بھی ذلیل ہوگا۔
۶ اس میں محبوب کا ہی نقصان ہے۔
۷ فقراء کو دینا چاہیے ورنہ کل کچھ نہ رہیگا۔
۸ محبوب کے دروازہ سے کوئی رنجیدہ ہو کر واپس نہ ہوگا۔
۹ رواقِ زبرجد سے مراد آسمان ہے۔
۱۰ یعنی اچھائی پر شکر اور برائی پر شکایت کا موقع نہیں اس لیے کہ ان میں سے کسی کو بقا نہیں ہے۔

روشنیِ طلعتِ تو ماہ ندارد
تیرے چہرے کی روشنی، چاند نہیں رکھتا

پیشِ تو گُل رونقِ گیاہ ندارد
تیرے بالمقابل پھول گھاس کی رونق نہیں رکھتا

جانبِ دلہا نگاہدار کہ سلطاں
دلوں کی دیکھ بھال رکھ، اس لیے کہ بادشاہ

مُلک ندارد اگر سپاہ ندارد
ملک نہیں رکھتا، اگر سپاہی نہیں رکھتا

دیدہ ام آں چشمِ دل سیہ کہ تو داری
میں نے اس سیاہ دل آنکھ کو دیکھا ہے جو تو رکھتا ہے

جانبِ ہیچ آشنا نگاہ ندارد
کسی آشنا کی طرف، نگاہ نہیں کرتی

اے شہِ خوباں بعاشقاں نظرے کن
اے حسینوں کے بادشاہ! عاشقوں پر نظر ڈال

ہیچ شہے چوں تو ایں سپاہ ندارد
تیری طرح، کوئی بادشاہ یہ لشکر نہیں رکھتا

نے مَنِ تنہا کشم تطاولِ زلفت
میں تنہا ہی تیری زلف کی دست درازی برداشت نہیں کرتا ہوں

کیست بدل داغِ ایں سیاہ ندارد
کون ہے، جو اُس کالے کا دل میں داغ نہ رکھتا ہو؟

شوخیِ نرگس نگر کہ پیشِ تو بشگفت
نرگس کی شرارت دیکھ، تیرے سامنے کھلی

چشم دریدہ، ادب نگاہ ندارد
بے حیا، ادب کو ملحوظ نہیں رکھتی

رطلِ گرانم دہ اے مُریدِ خرابات
اے شراب خانہ کے معتقد! مجھے بھاری جام دے

شادیِ شیخے کہ خانقاہ ندارد
اس شیخ کی خوشی میں، جو خانقاہ نہیں رکھتا

گو برو و آستیں بخونِ جگر شوی
کہہ دو کہ چلا جائے، اور خون جگر سے آستیں تر کرے

ہر کہ دریں آستانہ راہ ندارد
جو، اس چوکھٹ کا راستہ نہیں رکھتا

تا چہ کند بارخِ تو دودِ دلِ من
دیکھئے! میرے دل کا دھواں تیرے رُخ کا کیا کرتا ہے

آئنہ دانی کہ تابِ آہ ندارد
تجھے معلوم ہے کہ آئنہ آہ کی تاب نہیں رکھتا

خون خور و خامش نشیں کہ آں دلِ نازک
خون پی جا، اور چپ بیٹھا رہ اس لیے کہ وہ نازک دل

طاقتِ فریادِ داد خواہ ندارد
فریادی کی فریاد، سننے کی طاقت نہیں رکھتا

گوشۂ ابروئے تست منظرِ چشمم
میری آنکھ کا منظر، تیری ابرو کا گوشہ ہے

خوشتر ازیں گوشہ بادشاہ ندارد
بادشاہ بھی اس سے زیادہ خوبصورت گوشہ نہیں رکھتا

حافظ اگر سجدۂ تو کرد مکن عیب
حافظ نے اگر تجھے سجدہ کیا عیب نہ لگا

کافرِ عشق اے صنم گناہ ندارد
اے صنم! عشق کے کافر پر کوئی گناہ نہیں ہوتا

رسید مژدہ کہ آمد بہار و سبزہ دمید
خوش خبری آئی کہ بہار آگئی اور سبزہ اُگ گیا

وظیفہ گر برسد مصرفش گُل است و نبید
اگر تنخواہ ملی، تو اس کا مصرف پھول اور شراب ہے

صفیرِ مُرغ برآمد بطِ شراب کجاست
پرندوں کا چہچہانا شروع ہوگیا، شراب کی بطخ کہاں ہے؟

فغاں فتاد ز بُلبل نقابِ گُل کہ درید
بلبل نے شور کیا، پھول کا نقاب کس نے چاک کر دیا

زروئے ساقیِ مہوش گلے بچیں امروز
آج، چاند جیسے ساقی کے رخسار سے پھول چن

کہ گردِ عارضِ بتاں خطِ بنفشہ دمید
اس لیے کہ باغ کے رخسار کے گرد بنفشہ اُگ آئی ہے

---

۱ محبوب کے چہرے جیسی روشنی چاند کو حاصل نہیں پھول اُس کے چہرے کے سامنے گھاس سے بھی کم ہے۔
۲ معشوق کی فوج عاشق ہی ہیں اگر ان کو تباہ کر لیگا سلطنت برباد ہو جائیگی
۳ عاشقوں کی فوج جو تجھے میسر ہے کسی بادشاہ کو حاصل نہیں ہے۔
۴ تیری زلف کا صرف میں ہی زخمی نہیں ہوں اس کالے نے بہت سوں کے دلوں کو داغ دار بنایا ہے
۵ نرگس کی بے حیائی ہے کہ محبوب کے سامنے کھلتی ہے اس کو تو اس کی آنکھ سے شرم کرنی چاہیئے
۶ جس شخص کو اس آستانہ کا راستہ نہ ملے تو اس کو خون کے آنسو بہانے چاہئیں۔
۷ محبوب کا رخسار آئینہ جیسا ہے آئینہ کے سامنے آہ کرنے سے وہ دھندلا ہو جاتا ہے۔
شاہ ست گو کہ خاطر دلدار نازک است
بار گیر نمی کشد آں دل نازک است
۹ کافر عشق کیلئے محبوب کو سجدہ کرنا جائز ہے۔
۱۰ کہتے ہیں کہ خواجہ قوام، وزیر شاہ شجاع کے یہاں سے حافظ کا وظیفہ مقرر تھا اُس کے آنے میں دیر ہوگئی تو یہ غزل لکھی اس میں اسکی طرف اشارہ ہے۔

چناںؔ کرشمۂ ساقی دلم زدست ببرد
ساقی کی ادا میرا دل، ہاتھ سے اسکس طرح چھین لے گئی
کہ باکسے دگرم نیست روئے گفت وشنید
کہ اب کسی کے ساتھ گفت وشنید کا موقع نہیں

من ایں مرقّع رنگیں چو گل بخواہم سوخت
میں اس پیوند لگی پھول کی طرح رنگین گدڑی کو جلا دوں گا
کہ پیر بادہ فروشش بجرعۂ نخرید
اس لئے کہ شراب فروشش پیر نے اس کو ایک گھونٹ میں نہ خریدا

بکوئےؔ عشق مَنہ بے دلیلِ راہ قدم
عشق کے کوچہ میں، راہبر بدون قدم نہ رکھ
کہ گم شد آنکہ دریں رہ برہبرے نرسید
اس لئے کہ اس راہ میں جو شخص، راہ برتک نہ پہونچا وہ گم گیا

زمیوہ ہائے بہشتی چہ ذوق دریابد
بہشتی میووں سے اس کو کیا ذائقہ ملے گا؟
کسے کہ سیبِ زنخدانِ شاہدے نگزید
جس نے کسی معشوق کی ٹھوڑی کا سیب، نہ کاٹا

مکن زغصّہ شکایت کہ در طریقِ ادب
رنج کی شکایت نہ کر، اس لیے کہ ادب کے راستہ میں
براحتے نرسید آنکہ زحمتے نکشید
وہ شخص کبھی راحت کو نہیں پہونچا جس نے تکلیف نہ اٹھائی

عجائبؔ رہ عشق اے رفیق بسیار ست
اے دوست، راہِ عشق کے عجائب بہت ہیں
زپیشِ آہوئے ایں دشت شیر نر برمید
اس جنگل کے ہرن کے سامنے سے نرشیر بھاگ گیا

خدائے را مددے اے دلیلِ راہِ حرم
اے حرم کے راستہ کے رہبر! خدا کے لئے مدد کر
کہ نیست بادیۂ عشق را کرانہ پدید
اس لیے کہ عشق کے جنگل کا کنارہ، ظاہر نہیں ہے

گلے نچید زبستانِ آرزو دلِ من
میرے دل نے، آرزو کے باغ سے کوئی پھول نہ چنا
مگر نسیم مروّت دریں چمن نہ وزید
شاید مروّت کی ہوا، اس چمن میں نہ چلی

شرابؔ نوش کن وجامِ زر بصوفی دہ
شراب پی، اور سونے کا جام صوفی کو دے
کہ پادشہ زکرم جرمِ صوفیاں بخشید
اس لیے کہ بادشاہ نے، کرم سے صوفیوں کی خطا معاف کردی

بہارؔ میگذرد مہر گسترا دریاب
بہار گذر رہی ہے، کرم فرما، توجہ کر
کہ رفت موسم وحافظ ہنوز مے نچشید
کہ وقت گذر گیا، اور حافظ نے اب تک شراب نہیں چکھی

روزِ ہجران وشبِ فرقتِ یار آخر شد
ہجر کا دن، اور فرقت کی رات ختم ہوگئی
زدم ایں فال وگذشت اختر وکار آخر شد
میں نے یہ فال نکالی اور ستارہ گذر گیا، اور کام پورا ہوگیا

آںؔ ہمہ ناز وتنعّم کہ خزاں مے فرمود
وہ سب ناز، اور عیش جو خزاں کرتی تھی
عاقبت در قدمِ بادِ بہار آخر شد
انجام کار بادِ بہار کی آمد سے ختم ہوگیا

بعدؔ ازیں نور بآفاق دہیم از دلِ خویش
اس کے بعد ہم اپنے دل سے زمانہ کو نور بخشیں گے
کہ بخورشید رسیدیم وغبار آخر شد
اس لیے کہ ہم خورشید تک پہونچ گئے اور غبار ختم ہوگیا

آںؔ پریشانیِ شبہائے دراز وغمِ دل
وہ لمبی راتوں کی پریشانی، اور دل کا غم
ہمہ در سایۂ گیسوئے نگار آخر شد
سب محبوب کے گیسو کے سایہ میں ختم ہوگیا

ساقیا عمر دراز وقدحت پر مے باد
اے ساقی! تیری عمر دراز، اور پیالہ شراب سے پُر رہے
کہ بسعیِ تو امام اندوہِ خمار آخر شد
تیری کوشش سے، میرا اعضار شکنی کا غم ختم ہوا

۱ساقی کے عشق میں ایسا مبتلا ہوگیا ہوں کہ کسی دوسرے سے بات چیت کا موقع نہیں۔
۲راہ عشق بدون رہبر طے نہیں کیجا سکتی ہے۔
۳یہ بھی عجائب میں سے ہے کہ ہرن سے شیر بھاگ جائے۔
۴عشق کی وادی ناپیدا کنار ہے۔
۵صوفیوں سے خدا کوئی مواخذہ نہ کریگا۔
۶بہار سے مراد جوانی ہے۔
۷خزاں کے مزے ختم ہوئے موسم بہار آگیا۔
۸ہم محبوب کے نور سے دل منور کریں گے اور دنیا کو ہم پہونچائیں گے، درمیانی غبار ہٹ گیا ہے اور ہم محبوب تک پہونچ گئے ہیں۔
۹شب ہائے دراز زلف محبوب کی حریف تھیں زلف نے ان کو شکست دیدی۔

شکرِ ایزد کہ باقبالِ کُلہ گوشہٴ گُل
خدا کا شکر ہے کہ پھول کی کج کلاہی کے اقبال سے

نخوتِ بادِ دَے وشوکتِ خار آخر شد
دَے کے مہینہ کی ہوا کا تکبر اور کانٹے کا دبدبہ ختم ہوا

باورم نیست زبدعہدیِ ایامِ ہنوز
زمانے کی بدعہدی کی وجہ سے مجھے ابھی تک یقین نہیں کہ

قصہٴ غصہ کہ در وصلتِ یار آخر شد
رنج کا قصہ، یار کے وصل کے بارے میں ختم ہوگیا

صبحِ امید کہ بُد مُعتکفِ پردہٴ غیب
امید کی صبح جو غیب کے پردے میں معتکف تھی

گو بروں آی کہ کارِ شبِ تار آخر شد
اس کو کہہ دو کہ باہر آجائے، اندھیری رات کا کام ختم ہوگیا

گرچہ آشفتگیِ کارِ من از زلفِ تو بود
اگرچہ میرے کام کی پریشانی تیری زلف کی وجہ سے تھی

حلِ ایں عقدہ ہم از روئے نگار آخر شد
اس عقدہ کا حل بھی معشوق کے چہرے سے مکمل ہوگیا

در شمار ارچہ نیاورد کسے حافظ را
اگرچہ حافظ کو، کوئی گنتی میں نہ لایا

شکر کآں محنتِ بے حدّ و شمار آخر شد
شکر ہے، کہ وہ بے حد حساب مصیبت بھی ختم ہوگئی

زاہدِ خلوت نشیں دوش بمیخانہ شد
گوشہ نشیں زاہد، کل شب، میخانہ میں چلا گیا

از سرِ پیماں گذشت بر سرِ پیمانہ شد
اس نے عہد کو توڑ دیا، اور پیمانہ کے سر ہوگیا

شاہدِ عہدِ شباب آمدہ بودش بخواب
اس کے خواب میں جوانی کے زمانہ کا معشوق، آگیا تھا

باز بہ پیرانہ سر عاشق و دیوانہ شد
پھر بڑھاپے میں، عاشق، اور دیوانہ ہوگیا

مُغبچہٴ میگذشت راہزنِ عقل و دیں
عقل، اور دین کا رہزن ایک مُغبچہ گذر رہا تھا

در پئے آں آشنا از ہمہ بیگانہ شد
اس آشنا کے پیچھے، سب سے بیگانہ ہوگیا

آتشِ رخسارِ گُل خرمنِ بلبل بسوخت
پھول کے رخسار کی آگ نے، بلبل کا کھلیان جلا دیا

چہرہٴ خندانِ شمع آفتِ پروانہ شد
شمع کا مسکراتا چہرہ، پروانہ کی مصیبت بن گیا

گریہٴ شام و سحر شکر کہ ضائع نگشت
شکر ہے شام، اور صبح کا رونا ضائع نہ ہوا

قطرہٴ بارانِ ما گوہرِ یکدانہ شد
ہماری بارش کا قطرہ دُرِ یکتا بن گیا

نرگسِ ساقی بخواند آیتِ افسوں گری
ساقی کی آنکھ نے، منتر کی آیت پڑھ دی

حلقہٴ اورادِ ما گردشِ پیمانہ شد
ہمارے وظیفوں کا حلقہ، پیمانہ کی گردش بن گیا

صوفیِ مجلس کہ دی جامِ قدح می شکست
مجلس کا صوفی، جو کل جام، اور پیالہ توڑ رہا تھا

دوش بیک جرعہ مے عاقل و فرزانہ شد
رات ایک گھونٹ شراب سے عقلمند، اور فرزانہ بن گیا

منزلِ حافظ کنوں بارگہِ کبریاست
اب حافظ کا مقام، کبریا کی بارگاہ ہے

دل برِ دلدار رفت جاں برِ جانانہ شد
دل، دلدار کے پاس چلا گیا جان، جانانہ کے پاس چلی گئی

زہے خجستہ زمانے کہ یار باز آید
کیا ہی مبارک زمانہ ہو کہ دوست واپس آجائے

بکامِ غمزدگاں غمگسار باز آید
غمزدوں کی منشاء کے مطابق، غمگسار واپس آجائے

۱؎ دَے کا مہینہ سخت جاڑے کا ہوتا ہے اس میں موسم خزاں ہوتا ہے، اس لئے سردی اور خزاں دونوں معنی میں مستعمل ہے۔
۲؎ چونکہ زمانہ ناقابل اعتبار ہے باوجود وصل حاصل ہوجانے کے یقین نہیں آتا ہے۔
۳؎ زلف کی پیدا کردہ پریشانی بھی چہرہ نے زائل کردی۔
۴؎ زاہد نے توبہ توڑ دی اور پیمانہ سے دوستی جوڑ لی۔
۵؎ بڑھاپے میں جوانی کا معشوق خواب میں نظر آگیا اور عشق پیدا ہوگیا۔
۶؎ وہ زاہد اس مُغبچہ کو دیکھ کر سب کو بھلا بیٹھا۔
۷؎ شمع کو خنداں بھی قرار دیا جاتا ہے اور گریاں بھی۔
۸؎ رونا بیکار نہ گیا اس کے قطروں سے دُرِ یکتا پیدا ہوگیا۔
۹؎ آنکھ نے ایسا منتر پڑھا کہ اب ہمارا وظیفہ پیمانہ کی گردش بن گیا۔
۱۰؎ صوفی جو بے عقلی کا کام کر رہا تھا ایک گھونٹ میں عقلمند بن گیا۔

بہ پیشِ[1] شاہِ خیالش کشیدم ابلقِ چشم
اس کے خیال کے بادشاہ کے سامنے میں آنکھ کا ابلق گھوڑا لایا

بداں اُمید کہ آں شہسوار باز آید
اس امید پر، کہ وہ شہسوار واپس آ جائے

در[2] انتظارِ خدنگش ہمی پرد دلِ صید
اس کے تیر کے انتظار میں، شکار کا دل اڑا پھر رہا ہے

خیال آنکہ بر سمِ شکار باز آید
اس خیال سے کہ شکار کے لئے، وہ لوٹ آئے

مُقیم بر سرِ راہش نشستہ ام چوں گرد
میں گرد کی طرح، اُس کے راستہ پر مقیم ہو بیٹھا ہوں

بداں ہوس کہ بداں رہگذار باز آید
اس ہوس میں، کہ اس راستہ سے لوٹ آئے

دلے کہ با سرِ زلفینِ او قرارے داد
وہ دل، جس نے اس کی دو زلفوں کو قول دیدیا ہے

گماں مبر کہ در آں دل قرار باز آید
خیال بھی نہ کرو کہ اس دل کو پھر قرار آجائے

اگر نہ[3] در خمِ چوگانِ او رود سرِ من
اگر، اس کے کھنچے کے موڑ میں میرا سر نہ جائے

ز سر چگویم و سر خود چہ کار باز آید
سر کے متعلق کیا کہوں، پھر وہ سر خود کس کام آئے

چہ جورہا کہ کشیدند بلبلاں از دَے
بلبلوں نے دَے کے مہینہ کا کس قدر ظلم برداشت کیا

ببوئے آنکہ دگر نوبہار باز آید
اس امید پر، کہ نوبہار، پھر لوٹ آئے

سرشکِ من نزند موج بر کنار چو بحر
میرے آنسو سمندر کی طرح کنارے پر ٹھاٹیں نہ ماریں

اگر میانِ ویم در کنار باز آید
اگر اس کی کمر میری بغل میں پھر آ جائے

زنقشبندِ[4] قضا ہست امیدِ آں حافظ
اے حافظ تقدیر کے نقوش بنانے والے سے اسکی امید ہے

کہ چوں حنا بکفم آں نگار باز آید
کہ مہندی کی طرح میری ہتھیلی میں وہ معشوق پھر آجائے

سالہا دل طلبِ جامِ جم از ما میکرد
دل برسوں ہم سے جامِ جم مانگتا رہا

آنچہ خود داشت زبیگانہ تمنا میکرد
جو کچھ خود اُس کے پاس تھا، غیر سے مانگتا رہا

گوہرے کز صدفِ کون و مکاں بیروں بود
وہ موتی، جو کون و مکاں کے سیپ سے باہر تھا

طلب از گمشدگانِ لبِ دریا میکرد
دریا کے کنارے کے، گم شدوں سے مانگتا رہا

مشکلِ خویش برِ پیرِ مُغاں بردم دوش
میں اپنی مشکل کل شب پیرِ مغاں کے پاس لے گیا

کو بتائیدِ نظر حلِّ معمّا میکرد
کیونکہ وہ نظر کی طاقت سے، معمّے کو حل کرتا تھا

بیدلے در ہمہ احوال خدا با او بود
ایک بیدل، خدا تمام احوال میں اس کے ساتھ ہے

او نمیدیدش و از دور خدارا میکرد
وہ اس کو نہیں دیکھتا تھا، اور دور سے خدا کہتا تھا

دیدمش خرم و خنداں قدحِ بادہ بدست
میں نے اس کو ہاتھ میں پیالہ لئے خوش، اور ہنستا ہوا دیکھا

واندر آں آئنہ صد گونہ تماشا میکرد
اور اس آئینہ میں وہ سینکڑوں چیزیں دیکھ رہا تھا

گفتم ایں جامِ جہاں بیں بتو کے داد حکیم
میں نے کہا، یہ جہاں بیں جام خدا نے تجھے کب دیا؟

گفت آں روز کہ ایں گنبدِ مینا میکرد
اس نے کہا جس دن خدا یہ جڑاؤ گنبد بنا رہا تھا

آں ہمہ شعبدہ ہا عقل کہ میکرد آنجا
وہ تمام شعبدے، جو عقل اُس جگہ کر رہی تھی

سامری پیشِ عصا و یدِ بیضا میکرد
سامری، عصا اور ید بیضا کے بالمقابل کر رہا تھا

---

[1] ابلق سیاہ و سفید گھوڑے کو کہتے ہیں۔ چونکہ آنکھ میں بھی سیاہی اور سفیدی ہے لہذا اس کو ابلق قرار دیا ہے
[2] پرندے کے اڑنے پر شکاری اُس کا پیچھا کرتا ہے۔
[3] اگر میرا سر محبوب کے بلّے کی گیند نہ بنا تو پھر بیکار ہے۔
[4] نقشبندِ قضا سے خدا تعالیٰ مراد ہے۔ مہندی ہاتھ پر لگائی جاتی ہے۔
[5] دل خود جامِ جمشید ہے سعدی نے کہا ہے ؎ ایں ہمی جست زپئے الحرم او سجدہ در / با خودم بود و در عالم پئے پیچا میکرد
[6] اس شعر کا مطلب بھی پہلے شعر سے ملتا جلتا ہے۔
[7] ایک بیدل جس کو خدا نظر نہیں آرہا تھا، وہ دور سے خدا کو پکار رہا تھا حالانکہ خدا اس کے ساتھ تھا۔
[8] پیرِ مغاں کے ہاتھ میں پیالہ تھا جس سے اس پر اسرار کھل رہے تھے۔ میں نے اس سے معلوم کیا کہ پیالہ کب سے ہاتھ آیا وہ بولا ازل سے۔
[9] عشق کے بالمقابل عقل کی شعبدہ بازی ایسی ہی ہے جیسے سامری کی حضرت موسیٰ کے بالمقابل۔ عصا سے مراد حضرت موسیٰ کی وہ لکڑی ہے جو اژدہے بن جاتی تھی۔ ید بیضا سے مراد حضرت موسیٰ کا وہ ہاتھ ہے جس سے بیمار شفا پاتے تھے۔

گفت آں یار کزو گشت سرِ دار بلند
اس نے کہا وہ دوست جس سے سولی کا سر بلند ہوا
جرمش آں بود کہ اسرار ہویدا میکرد
اس کی خطا یہ تھی کہ راز ظاہر کر رہا تھا

فیضِ روح القدس ار باز مدد فرماید
جبرئیل کا فیض، اگر پھر مدد کر دے
دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا میکرد
دوسرے بھی وہ کریں، جو مسیحا کر رہا تھا

گفتمش سلسلۂ زلفِ بتاں از پئے چیست
میں نے اس سے کہا تو جانتا ہے معشوق کی زلفوں کا سلسلہ کیا ہے؟
گفت حافظ گلہ از شبِ یلدا میکرد
وہ بولا، حافظ تاریک رات کا شکوہ کر رہا تھا

سالہا دفترِ ما در گروِ صہبا بود
ہماری کتاب سالہا سال تک شراب میں گروی تھی
رونقِ میکدہ از درس و دعائے ما بود
میکدہ کی رونق، ہمارے درس اور دعا سے تھی

نیکیِ پیرِ مغاں بیں کہ چو ما بدمستاں
پیرِ مغاں کی نیکی دیکھ کہ ہم جیسے بدمستوں نے
ہر چہ کردیم بچشمِ کرمش زیبا بود
جو کچھ کیا، اس کی نگاہِ کرم میں مناسب تھا

دل چو پرکار بہر سو دورانے میکرد
دل، پرکار کی طرح ہر جانب چکر لگا رہا تھا
واندراں دائرہ سرگشتہ و پابرجا بود
اور اس دائرہ میں حیران، اور پیر اپنی جگہ پر تھا

می شگفتم ز طرب زانکہ چو گل برلبِ جوی
میں خوشی سے کھلا جا رہا تھا اس لئے کہ پھول کی طرح نہر کے کنارے
بر سرم سایۂ آں سروِ سہی بالا بود
میرے سر پر اس بلند سرو کا سایہ تھا

پیرِ گلرنگِ من اندر حقِ ازرق پوشاں
میرے گلرنگ پیر نے نیلی کملی پہننے والوں کے حق میں
رخصتِ خبث نداد ارنہ حکایتہا بود
بحث کی اجازت نہ دی ورنہ بہت سے قصے تھے

دفترِ دانشِ ما جملہ بشوئید بمے
ہماری عقل کی پوری کتاب سب کو شراب سے دھو دو
کہ فلک دیدم و در قصدِ دلِ دانا بود
اس لئے کہ میں نے آسمان کو دیکھا ہے وہ عقلمند کے دل کی گھات میں تھا

مطرب از دردِ محبت غزلے می پرداخت
مطرب محبت کے درد سے ایسی غزل گا رہا تھا
کہ حکیمانِ جہاں را مژہ خوں پالا بود
کہ دنیا کے حکماء کی پلکیں خون سے آلودہ تھیں

از بتاں آں طلب ار حسن شناسی اے دل
اے دل اگر تو حسن شناس ہے تو معشوقوں سے وہ چاہ
کیں کسے گفت کہ در علمِ نظر دانا بود
اس لئے کہ یہ اس نے کہا ہے جو نظر بازی کے علم میں عقلمند تھا

قلب اندودۂ حافظ برِ او خرج نشد
حافظ کا ملمع کیا ہوا سکہ اس کے سامنے نہ چل سکا
کہ معامل بہمہ عیبِ نہاں بینا بود
اس لئے کہ معاملہ کرنے والا تمام پوشیدہ عیبوں کا دیکھنے والا تھا

ساقی حدیثِ سرو و گل و لالہ میرود
اے ساقی سرو اور گل، اور لالہ کی بات ہو رہی ہے
ویں بحث با ثلاثۂ غسالہ میرود
اور یہ بحث تین غسالہ کے ساتھ ہو رہی ہے

مے دہ کہ نو عروسِ چمن حدِ حسن یافت
شراب دے اس لئے کہ چمن کی نئی دلہن نے کمال درجہ کا حسن پالیا ہے
کار ایں زماں ز صنعتِ دلالہ میرود
اس زمانہ میں، کام دلالہ کی سحر گری سے چلتا ہے

۱۔ منصور کو اس بنیاد پر سزا ملی کہ وہ اسرار ظاہر کر رہا تھا۔
۲۔ ہم سالہا سال شراب خانہ میں مصروفِ عمل رہے اور ہمارا اعمالنامہ رہینِ شراب رہا۔
۳۔ بجو کا پریم یک دریت مستقیم پائے دیگر سیر بہ نماند در دلت میکند
۴۔ نہر کے کنارے سرو کے سایہ میں پھول خوب کھلتا ہے۔
۵۔ ہم سکاروں کے قصے سنانے پیر نے اجازت نہ دی۔
۶۔ دلِ دانا کو آسمان ستانے کی فکر میں ہے۔
۷۔ مطرب نے ایسی پر درد غزل گائی جس سے تمام حکماء خون کے آنسو رونے لگے۔
۸۔ معشوقوں سے حسن ہی طلب کیا جانا چاہیے۔
۹۔ پیرِ مغاں چونکہ حقیقتِ حال سے واقف ہے اس لئے دل کا کھوٹا سکہ نہ چل سکا۔
۱۰۔ سلطان غیاث الدین فرمانروائے بنگال ایک بار بیمار پڑا تیمارداری اور نہلانے کی خدمت تین لونڈیوں کے سپرد ہوئی جن کے نام سرو، گل، لالہ تھے ان خدمات کی بنا پر وہ مقرب بن گئیں حرم میں شکوے شکایت پیدا ہوئے اس پر غیاث الدین نے پہلا مصرع موزوں کیا لیکن دوسرا مصرع نہ لگتا تھا مجبوراً حافظ کو مصرع

شکر شکن شوند ہمہ طوطیانِ ہند
ہندوستان کی تمام طوطیاں بشکر خورہ ہو جائیں گی
زیں قندِ پارسی کہ بہ بنگالہ میرود
اس پارسی قند سے جو بنگال کو جا رہی ہے

طیِ مکاں بیبن و زماں در سلوکِ شعر
شعر کے سلوک میں طیِ زماں و مکان کو دیکھ
کایں طفلِ یکشبہ رہِ یکسالہ میرود
اس لیے کہ یہ ایک رات کا بچہ ایک سال کے راستہ پر جاتا ہے

بادِ بہار می وزد از بوستانِ شاہ
بادشاہ کے باغ سے بہار کی ہوا چلتی ہے
وز ژالہ بادہ در قدحِ لالہ میرود
اور شبنم سے لالہ کے پیالے میں شراب بھرتی ہے

آں چشمِ جادوانۂ عابد فریب بیں
اس جادو بھری، عابد فریب آنکھ کو دیکھ
کش کاروانِ سحر بدنبالہ میرود
جادو کا قافلہ، اس کے پیچھے پیچھے چلتا ہے

خوی کردہ میخرامد و بر عارضِ سمن
پسینہ میں نہایا ہوا ٹہلتا ہے، اور سمن کے رخسار پر
از شرمِ روئے او عرق از ژالہ میرود
اس کے چہرہ کی شرم سے، شبنم کا پسینہ بہتا ہے

ایمن مشو ز عشوۂ دُنیا کہ ایں عجوز
دنیا کی ادا سے مطمئن نہ ہو اس لیے کہ یہ بڑھیا
مکّارہ می نشیند و محتالہ میرود
مکار بنکر بیٹھتی ہے، اور حیلہ گری کرتی چلتی ہے

چوں سامری مباش کہ زر دادا ز خری
سامری کی طرح نہ بن کہ اس نے گدھے پن سے سونا دیدیا
موسیٰ بہشت و از پئے گوسالہ میرود
موسیٰ کو چھوڑا، اور بچھڑے کے پیچھے جاتا ہے

حافظ ز شوقِ مجلسِ سُلطاں غیاث دیں
اے حافظ سلطان غیاث الدین کی مجلس کے شوق سے
خامش مشو کہ کارِ تو از نالہ میرود
چپ نہ ہو اس لیے، کہ تیرا کام رونے سے چلتا ہے

سروِ چمانِ من چرا میلِ چمن نمیکند
میرا خراماں سرو، چمن کی خواہش کیوں نہیں کرتا؟
ہمدمِ گل نمیشود یادِ سمن نمیکند
پھول کا ساتھی نہیں ہوتا، سمن کی یاد نہیں کرتا؟

تا دلِ ہرزہ گردِ من رفت بچین زلفِ او
میرا آوارہ دل جب سے اس کی زلف کی شکن میں گیا ہے
زاں سفرِ درازِ خود یادِ وطن نمیکند
اپنے اس دراز سفر سے، وطن کی یاد نہیں کرتا

پیشِ کمانِ ابرویت لابہ ہمی کنم ولے
تیری ابرو کی کمان کے سامنے خوشامد کرتا ہوں لیکن
گوشہ کشیدہ است از آں گوش بمن نمیکند
کھنچی ہوئی ہے اس لیے میری طرف توجہ نہیں کرتی

چوں ز نسیم میشود زلفِ بنفشہ پر شکن
بنفشہ کی زلف جب نسیم سے پر شکن ہوتی ہے
وہ کہ دلم چو یادِ آں عہد شکن نمیکند
اُف میرا دل اُس عہد شکن کی کیا کیا یاد نہیں کرتا ہے

باہمہ عطرِ دامنت آیدم از صبا عجب
مجھے صبا پر تعجب آتا ہے، باوجود تیری عطر دامنی کے
کز گذرِ تو خاک را مشکِ ختن نمیکند
کہ تیرے گذرنے سے خاک کو ختن کا مشک نہیں کرتی ہے

ساقیِ سیم ساقِ من گر ہمہ زہر میدہد
چاندی جیسی پنڈلی والا، میرا ساقی اگر پورا زہر دیدے
کیست کہ تن چو جامِ مے جملہ دہن نمیکند
کون ہوگا کہ پورے جسم کو جام مے کی طرح منہ نہیں بناتا ہے

دل بامیدِ وصلِ تو ہمدمِ جاں نمیشود
تیرے وصل کی امید میں، دل جان کا ساتھی نہیں ہوتا
جاں بہوائے کوئے تو فکرِ چمن نمیکند
جان تیرے کوچہ کی خواہش کی وجہ سے چمن کی فکر نہیں کرتی

۱؎ یعنی میری اس فارسی غزل سے تمام شعرائے ہند محظوظ ہوں گے۔

۲؎ طیِ زمان و مکاں یعنی زمان و مکان لپیٹ دینا سالکوں میں یکمال پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ ایسی طویل مسافت کو جو سلوک کی ہو اور سالوں میں طے کیجائے معمولی وقت میں طے کر لیتے ہیں طفلِ یکشبہ سے مراد غزل ہے جو حافظ نے ایک رات میں کہی ہے۔

۳؎ سامری حضرت موسیٰ کے زمانہ کا مشہور شعبدہ باز ہے جس نے حضرت موسیٰ کے طور پر جانے کے بعد سونے کا بچھڑا بنایا اور حضرت موسیٰ سے جدا ہو کر اس کی پرستش کرنے اور کرانے لگا۔

۴؎ نسیم کی وجہ سے جب بنفشہ کی زلفیں پر شکن بنتی ہیں تو مجھے وہ عہد شکن یاد آتا ہے۔

۵؎ محبوب کے گذرنے سے اگر صبا خاکِ راہ کو مشک نہ بنائے تو بڑا تعجب ہوگا۔

۶؎ اگر ساقی زہر بھی پلائے تو میرا جسم دہن بن جائیگا

۷؎ جسم یہاں پڑا ہے اور دل وصل کے شوق میں اس کو چھوڑ کر چلا گیا۔

دی گلہ ز طرّہ اش کردم واز سرِ فسوں
کل میں نے اس کی زلف کی شکایت کی اور اس نے حیلہ کرتے ہوئے

گفت کہ ایں سیاہِ کج گوش بمن نمیکند
کہا یہ کالی، ٹیڑھی میری بات نہیں سنتی

دستِ کشِ جفا مکن آبِ رخم کہ فیضِ ابر
میرے رخسار کے آنسوؤں کو ظلم سے عاجز نہ کر اس لئے کہ ابر کا فیض

بیمددِ سرشکِ من درِّ عدن نمیکند
میرے آنسوؤں کی مدد کے بغیر، عدن کے موتی نہیں بناتا

لخلخہ سائے شد صبا دامنِ پاکت از چہ رو
صبا لخلخہ بیز ہو گئی، تیرا پاک دامن کس وجہ سے

خاکِ بنفشہ زار را مشکِ ختن نمیکند
بنفشہ کے کھیت کی خاک کو، ختن کا مشک نہیں بناتا

کشتۂ غمزۂ تو شد حافظِ ناشنیدہ پند
حافظ، نصیحت نہ سننے والا، تیری ادا کا شہید ہو گیا

تیغ سزاست ہر کرا درکِ سخن نمیکند
جو بات نہیں سمجھتا، اس کی سزا تلوار ہے

سمن بویاں غبارِ دل چو بنشینند بنشانند
سمن جیسی خوشبو والے جب بیٹھتے ہیں تو دل کا غبار مٹا دیتے ہیں

پری رویاں قرارِ دل چو بستیزند بستانند
پری جیسے چہرے والے جب ناراض ہوتے ہیں دل کا سکون چھین لیتے ہیں

بفتراکِ بلا جانہا چو بربندند بربندند
مصیبت کے فتراک سے جب جانوں کو باندھتے ہیں خوب باندھتے ہیں

ز زلفِ عنبریں دلہا چو بفشانند بفشانند
جب عنبریں زلف سے دلوں کو جھٹکتے ہیں تو خوب جھٹکتے ہیں

زچشمم لعلِ رمّانی چو میبارند میخندند
جب میری آنکھوں سے رمّانی لعل جھڑتے ہیں وہ ہنستے ہیں

زرویم رازِ پنہانی چو می بینند میخوانند
جب میرے چہرے پر پوشیدہ راز دیکھتے ہیں تو پڑھ لیتے ہیں

بعمرے یک نفس باما چو بنشینند برخیزند
پوری زندگی میں تھوڑی دیر ہمارے ساتھ بیٹھتے ہیں تو اٹھ کھڑے ہوتے ہیں

نہالِ شوق در خاطر چو بنشینند بنشانند
جب بیٹھتے ہیں تو عشق کا پودا، دل میں لگا دیتے ہیں

چو منصور از مرادآنانکہ بردارند بر دارند
جو منصور کی طرح، سولی پر ہیں وہ مقصد پورا کر لیتے ہیں

کہ با ایں درد اگر دربندِ درمانند درمانند
اس لیے کہ اس درد کے ہوتے ہوئے جو علاج کی فکر میں ہیں محروم ہیں

سرشکِ گوشہ گیراں را چو دریابند دریابند
جب گوشہ نشینوں کے آنسو حاصل کرتے ہیں، موتی پالیتے ہیں

رخ از مہرِ سحر خیزاں نگردانند اگر دانند
اگر پہچان جاتے ہیں تو سحر خیزوں کی محبت سے روگردانی نہیں کرتے

بدیں حضرت چو مشتاقاں نیاز آرند ناز آرند
اس دربار میں جب عاشق نیاز پیش کرتے ہیں تو وہ ناز کرتے ہیں

بدیں درگاہ حافظ را چو می رانند میخوانند
اس دربار سے جب حافظ کو بھگا دیتے ہیں، بلا لیتے ہیں

سحرم دولتِ بیدار بہ بالیں آمد
صبح، بیدار بخت، میرے سرہانے آیا

گفت برخیز کہ آں خسروِ شیریں آمد
بولا، اُٹھ وہ شیریں شاہ آگیا

قدحے درکش و سرخوش بتماشا بخرام
پیالہ پی، اور مست ہو کر سیر کے لیے ٹہل

تا بہ بینی کہ نگارت بچہ آئیں آمد
تاکہ تو دیکھے کہ تیرا محبوب کس شان سے آیا

مژدگانی بدہ اے خلوتیِ نافہ کشائے
اے نافہ کے مہکانے والے گوشہ نشیں! انعام دے

کہ ز صحرائے ختن آہوئے مشکیں آمد
اس لیے کہ ختن کے جنگل سے مشک والا ہرن آگیا

---

۱ زلف کے مظالم سنکر کہنے لگا کہ یہ میرے قبضہ میں بھی نہیں ہے۔

۲ بارش میں جب میرے آنسو ملتے ہیں جب ان سے عدن کے سمندر میں موتی بنتا ہے لہٰذا یہ قابلِ احترام ہیں

۳ لخلخہ چند خوشبوؤں کے مجموعہ سے بنایا جاتا ہے جس کی پوٹلی دماغی تفریح کے لیے سنگھائی جاتی ہے۔ یعنی بادِ صبا نے چمن میں خوشبو مہکا رکھی ہے۔

۴ حسینوں کی ملاقات دل کی کلفتیں دور کرتی ہے ان کی ناراضگی بیقرار کردیتی ہے۔

۵ فتراک اس تھیلے کو کہا جاتا ہے جو زین میں لٹکایا جاتا ہے تاکہ شکار کرکے اس میں رکھ لیا جائے۔

۶ میرے دل راز چہرے سے پڑھ لیتے ہیں۔

۷ حسن بن منصور حلّاج مشہور صوفی ہیں جو انا الحق کہنے کی پاداش میں سولی پر چڑھا دیے گئے تھے۔

۸ عاشقوں کے آنسوؤں سے ان کو دولت ملتی ہے۔

۹ خلوتی یعنی عاشق، اس کو نافہ کشا اس لئے قرار دیا ہے کہ وہ گوشۂ تنہائی میں معشوق کی خوشبو سے مشامِ جان کو معطر کرتا رہتا ہے۔

گریۂ آبے برُخِ سوختگاں باز آورد
جلے ہوؤں کے رُخ پر گریہ نے پھر رونق پیدا کر دی

نالہ فریادرسِ عاشقِ مسکیں آمد
نالہ، مسکین عاشق کا فریادرس بن کر آیا

مرغِ دل باز ہوادارِ کمان ابروئیست
مرغِ دل اُس کمان جیسی ابرو والے کا، پھر خواہشمند ہے

کہ کمیں صید گہش جان و دل و دیں آمد
جس کی ادنیٰ شکار گاہ، جان، اور دل و دین ہیں

در ہوا چند معلق زنی و جلوہ کنی
ہوا میں کب تک قلابازی کھائے گا، اور جلوہ دکھائے گا

اے کبوتر نگراں باش کہ شاہیں آمد
اے کبوتر! ہوشیار ہو جا کہ باز آگیا

ساقیا مے بدہ و غم مخور از دشمن و دوست
اے ساقی شراب دے، اور دشمن و دوست کا غم نہ کر

کہ بکامِ دلِ ما آں بشد و ایں آمد
اس لیے کہ ہماری تمنا کے موافق وہ گیا، اور یہ آیا

شادیِ یارِ پری چہرہ بدہ بادۂ ناب
پری چہرہ یار کی خوشی میں، خالص شراب دے

کہ مئے لعل دوائے دلِ غمگیں آمد
اس لیے، کہ لعل جیسی شراب، غمگین دل کی دوا ہے

رحمِ بدعہدیِ ایام چو دید ابرِ بہار
ابر بہار نے جب زمانہ کی بدعہدی کی عادت دیکھی

گریہ اش بر سمن و سنبل و نسریں آمد
اس کو سمن، سنبل، اور نسریں پر رونا آیا

چوں صبا گفتۂ حافظ بشنید از بلبل
جب صبا نے، بلبل سے حافظ کا کہا ہوا سُنا

عنبر افشاں بتماشائے ریاحیں آمد
عنبر بکھیرتی ہوئی، پھولوں کی سیر کو آئی

ستارۂ بدرخشید و ماہِ مجلس شد
ایک ستارہ چمکا، اور مجلس کا چاند بن گیا

دلِ رمیدۂ ما را انیس و مونس شد
ہمارے وحشی دل کے لئے انیس اور مونس ہوگیا

نگارِ من کہ بمکتب نرفت و خط ننوشت
میرا محبوب، جو نہ مکتب گیا، نہ اس نے لکھنا سیکھا

بغمزہ مسئلہ آموزِ صد مدرس شد
اپنی ادا سے سو مدرسوں کو مسئلہ سکھانے والا ہوگیا

طربِ سرائے محبت کنوں شود معمور
محبت کی طرب سرائے، اب آباد ہو جائیگی

کہ طاقِ ابروئے یارِ منش مہندس شد
اس لیے کہ میرے یار کے ابرو کا طاق اس کا انجنیئر ہوگیا

ببوئے او دلِ بیمارِ عاشقاں چو صبا
عاشقوں کا بیمار دل اس کی خوشبو کی وجہ سے صبا کی طرح

فدائے عارضِ نسرین و چشمِ نرگس شد
نسریں کے رخسار اور نرگس کی آنکھ پر قربان ہوگیا

بصدرِ مصطبہ ام می نشاند اکنوں یار
یار، مجھے اب شراب خانہ کے صدر مقام پر بٹھاتا ہے

گدائے شہر نگہ کن کہ میرِ مجلس شد
دیکھو! شہر کا فقیر، میرِ مجلس ہوگیا

لب از ترشحِ مے پاک کن برائے خدا
خدا کے لیے شراب کے قطروں سے ہونٹ صاف کرلے

کہ خاطرم بہزاراں گنہ موسوس شد
اس لیے، کہ میری طبیعت میں ہزار گناہوں کے وسوسے آنے لگے

کرشمۂ تو شرابے بعاشقاں پیمود
تیری ادا نے عاشقوں کے لیے وہ شراب ناپی

کہ علم بیخبر افتاد و عقل بیحس شد
کہ علم بے خبر ہوگیا، اور عقل بے حس ہوگئی

خیالِ آبِ خضر بست و جامِ کیخسرو
آبِ حیات کا خیال باندھا اور کیخسرو کے جام کا

بجرعہ نوشیِ سلطاں ابوالفوارس شد
ایک گھونٹ پینے سے سلطان، ابوالفوارس بن گیا

۱؎ عاشق کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا خونی آنسو رونے سے پھر چہرہ سُرخ ہوگیا گویا کہ نالہ نے مدد کی اور یہ فائدہ پہونچایا۔
۲؎ کبوتر سے دل اور شاہین سے محبوب مراد ہے
۳؎ آں سے مراد دشمن اور ایں سے مراد دوست ہے
۴؎ ابر بہاری کی بارش گویا کہ چمن کی آنے والی تباہی پر رونا ہے۔
۵؎ حافظ کی یہ غزل بدحت النبی میں ہے ستارہ سے آنحضور مراد ہیں۔
۶؎ اب چونکہ تعمیر طاقِ ابرو کے نقشہ پر ہوگی لہٰذا پر رونق تعمیر ہوگی۔
۷؎ نسریں کے رخسار اور نرگس کی آنکھ پر دل اس لیے قربان ہے کہ ان میں محبوب کی شباہت ہے۔
۸؎ عاشق شراب کو آبحیات اور جام کو جام کیخسرو سمجھتے ہیں اور ایک گھونٹ پینے سے شاہ بنجاتے ہیں۔

چو زر عزیز وجود است شعرِ من آرے
سونے کی طرح، میرے اشعار نادر الوجود ہیں، ہاں

قبولِ دولتیاں کیمیائے ہر مس شد
دولتمندوں کی پسندیدگی، ہر تانبے کی کیمیا بنی

دو چشمِ مت از دل و دیں ہر چہ داشتم بردند
دل اور دین جو کچھ میرے پاس تھا تیری دونوں آنکھیں لے گئیں

توانگرے کہ بمستاں[1] نشست مفلس شد
جو مالدار، مستوں کے ساتھ بیٹھا مفلس ہوا

زراہِ میکدہ یاراں عناں بگردانید
اے یارو! شراب خانہ کے راستے سے باگ موڑ دو

چرا کہ حافظ ازیں راہ رفت و مفلس شد
اس لیے کہ حافظ اس راستے پر چلا اور مفلس ہوا

ساقی[2] ار بادہ ازیں دست بجام اندازد
ساقی، اگر اس ہاتھ سے جام میں شراب ڈالے گا

عارفاں راہمہ در شربِ مدام اندازد
تمام عارفوں کو، مسلسل شراب نوشی میں مبتلا کر دیگا

ور چنیں[3] زیرِ خمِ زلف نہد دانۂ خال
اگر زلف کے پیچ کے نیچے تِل کا ایسا ہی دانہ رکھے گا

اے بسا مرغِ خرد راکہ بدام اندازد
تو عقل کے بہت سے پرندوں کو جال میں پھنسا لیتا ہے

آں زماں[4] وقتِ مے صبح فروغ است کہ شب
صبح کو روشن کرنیوالی شراب پینے کا وہ وقت ہے جبکہ رات

گردِ خرگاہِ افق پردۂ شام اندازد
افق کے خیمہ کے چاروں طرف شام کا پردہ ڈالے

روز در کسبِ ہنر کوش کہ مے خوردنِ روز
دن میں ہنر حاصل کرنے کی کوشش کر اس لیے کہ دن میں شراب پینا

دل چوں آئنہ در زنگِ ظلام اندازد
آئینہ جیسے دل کو تاریکی کے زنگ میں مبتلا کر دیتا ہے

اے خوشا حالتِ آں مست کہ در پائے حریف
اُس مست کی حالت کیا ہی اچھی ہے جو کہ یار کے قدموں پر

سر[5] و دستار نداند کہ کدام اندازد
یہ نہ سمجھے کہ سر اور دستار میں سے کس کو ڈالے

زاہدا سر بکلہ گوشۂ خورشید برآر
اے زاہد خورشید کی کلاہ کے گوشہ کی برابر سر اُبھار

بختت ار قرعہ بدیں ماہِ تمام اندازد
اگر تیرا نصیبہ، اس پورے چاند پر قرعہ ڈال دے

زاہدِ خام طمع بر سرِ انکار بماند
ناقص، زاہد، انکار پر قائم رہا

پختہ گردد چو نظر بر مے جام اندازد
پختہ بنجائے، اگر شراب کے جام پر نظر ڈالے

بادہ با محتسبِ شہر ننوشی حافظ
اے حافظ شہر کے محتسب کے ساتھ شراب نوشی نہ کرنا

کہ خورد بادہ ات و سنگ بجام اندازد
تیری شراب بھی پی جائے گا، اور جام پر پتھر مارے گا

سحر چوں خسروِ خاور علم بر کوہساراں زد
صبح کو جب مشرق کے بادشاہ نے پہاڑوں پر جھنڈا گاڑا

بدستِ مرحمت یارم درِ امیدواراں زد
میرے یار نے مہربانی کے ہاتھ سے امیدواروں کا دروازہ کھٹکھٹایا

چو پیشِ[6] صبح روشن شد کہ حالِ مہرِ گردوں چیست
جب صبح پر یہ بات کھل گئی کہ آسمان کی محبت کا کیا حال ہے

برآمد خندۂ خوش بر غرورِ کامگاراں زد
نمودار ہوئی، کامیابوں کے غرور پر ایک قہقہہ لگایا

نگارم دوش در مجلس بعزمِ رقص چوں برخاست
کل شب جب میرا محبوب رقص کے ارادے سے مجلس میں کھڑا ہوا

گرہ بگشود از گیسو و بر دلہائے یاراں زد
گیسو کی گرہ کھولی اور دوستوں کے دلوں پر لگا دی

---

[1] مستاں سے مراد، محبوب کی آنکھیں ہیں۔

[2] ساقی اگر اس ادا سے شراب پلاتا رہیگا تو تمام عارف مستقل شرابی بن جائیں گے۔

شعر ۲: [illegible]

[3] شراب نوشی کا وقت دن پیچھے کا ہے، دن کی شراب نوشی تباہ کر دیتی ہے۔

[5] اتنا بھی ہوش نہ رہے کہ سر کو قربان کرے یا پگڑی کو۔

[6] چونکہ صبح پر یہ بات روشن ہو گئی کہ آسمان کی محبت ناپائیدار ہے لہٰذا اس نے کامیابوں کے غرور پر قہقہہ لگایا۔

منؔ از رنگِ صلاح آندم بخونِ دل بشستم دست
میں نے نیکی کے رنگ سے دل کے خون سے اس وقت ہاتھ دھو
کہ چشم بادہ پیمایش صلا بر ہوشیاراں زد
جبکہ اس کی بادہ پیما آنکھ نے ہوشیاروں پر آوازہ کسا

کدامؔ آہن دلش آموخت این آئینِ عیاری
کس، لوہے کے دل والے نے اس کو اس چالاکی کا طریقہ سکھایا ہے
کز اوّل چون برون آمد رہِ شب زندہ داراں زد
کہ جیسے ہی وہ باہر نکلا شب بیداروں پر اس نے ڈاکہ ڈالا

خیالِ شہسواراں پخت و شد ناگہ دلِ مسکیں
مسکین دل نے شہسواروں کا خیال پکایا اور روانہ ہوگیا
خداوندا نگہدارش کہ بر قلبِ سواراں زد
اے خدا اس کی حفاظت فرما، سواروں کے بیچ پر حملہ آور ہوا ہے

منؔ باخرقۂ پشمیں کجا اندر کمند آرم
اونی گدڑی کے ساتھ میں اس کو کیسے کمند میں پھنسا سکتا ہوں؟
زرہ موئے کہ مژگانش رہِ خنجر گذاراں زد
جو بالوں کی زرہ پہنے ہے جس کی ہر پلک نے خنجر زنوں پر ڈاکہ ڈالا

نظرؔ بر قرعۂ توفیق و یمنِ دولتِ شاہ است
توفیق کے قرعہ، اور بادشاہ کی دولت کی برکت پر نظر ہے
بدہ کامِ دلِ عاشق کہ فالِ نیکبختاراں زد
عاشق کے دل کا مقصد پورا کر، اس نے نیک بخت والوں کی فال نکالی ہے

شہنشاہِ مظفر فر شجاعِ مُلک و دیں منصور
جو مظفر کی شان و شوکت والا، ملک اور دین کا شجاع، منصور ہے
کہ جودِ بیدریغش خندہ بر ابرِ بہاراں زد
جس کی بے روک ٹوک سخاوت نے ابرِ بہاری کی ہنسی اڑائی ہے

ازاں ساعت کہ جامِ مے بدستِ او مُشرف شد
جس وقت سے کہ شراب کا جام اس کے ہاتھ سے مشرف ہوا
زمانہ ساغرِ شادی بیادِ میگساراں زد
زمانے نے خوشی کا ساغر شرابیوں کی یاد پر اڑایا

ز شمشیرِ سرافشانش ظفر آنروز بدرخشید
اس کی سروں کو کاٹنے والی تلوار کے ذریعہ فتحمندی اس دن چمکی
کہ چوں خورشیدِ انجم سوز تنہا بر ہزاراں زد
جبکہ ستاروں کو جلا دینے والے آفتاب کی طرح تنہا ہزاروں پر حملہ کیا

تعالی اللہ زہے ذاتے کہ تا نیرنگِ ہستی یافت
سبحان اللہ، وہ ذات کیا ہی خوب ہے کہ اس نے جب سے وجود کا رنگ اختیار کیا ہے
صفائے جوہرِ پاکش دم از پرہیزگاراں زد
اس کے پاک جوہر کی صفائی نے پرہیزگاروں میں دم بھرا ہے

در آب و رنگِ رخسارش چہ خوں خوردیم جاں دادیم
اس کے رخسار کے آب اور رنگ کی وجہ سے جب ہم نے خون پیا جان دیدی
چو نقشش دست داد اوّل رقم بر جاں سپاراں زد
جب اس کا نقش ظاہر ہوا ہے سب سے پہلے جاں نثاروں پر خط کھینچ دیا

دوامِ مُلک و عمرِ او بخواہ از لطفِ حق حافظ
اے حافظ! حق کی مہربانی سے اس کے ملک اور عمر کی ہمیشگی چاہ
کہ چرخ ایں سکۂ دولت بنامِ شہسواراں زد
اس لیے کہ آسمان نے اس حکومت کا سکہ شاہ سواروں کے نام پر بنایا ہے

سحر بُلبل حکایت با صبا کرد
صبح کو، بلبل نے صبا سے کہا
کہ عشقِ گل بما دیدی چہا کرد
تو نے دیکھا، پھول کے عشق نے ہمارے ساتھ کیا کیا

غلامِ ہمتِ آں نازنینم
میں اس نازنین کی توجہ کا غلام ہوں
کہ کارِ خیر بے روی و ریا کرد
جس نے، رو، اور ریا کے بدون کارِ خیر کیا

خوشش باد آں نسیم صبحگاہی
صبح کے وقت کی نسیم اس کے لیے مبارک ہو
کہ دردِ شب نشیناں را دوا کرد
جس نے، شب نشینوں کے درد کی دوا کی

من از بیگانگاں ہرگز ننالم
میں بیگانوں کا ہرگز شاکی نہیں ہوں
کہ با من ہرچہ کرد آں آشنا کرد
اس لیے کہ میرے ساتھ جو کچھ کیا اس آشنا نے کیا

۱؎ محبوب کی نگاہ نے جب ہوشیاروں پہ آوازہ کسا تو میں نے نیکی سے ہاتھ دھو بیٹھا۔
۲؎ رات کو جاگنے والوں پر ڈاکہ ڈالنا انتہائی سخت دلی اور چالاکی ہے۔
۳؎ محبوب شہسوار ہے اس پر حملہ کر کے رام کرنا آسان نہیں ہے۔
۴؎ میں گدڑی پوش اور وہ ریشمیں زرہ پہنے ہوئے ہے اس کی ہر پلک خنجر ہے۔
۵؎ یہاں سے شاہ مظفر شجاع الدین منصور کی تعریف کی طرف گریز کیا ہے۔
۶؎ جب سورج نکلتا ہے تو سب ستارے غائب ہو جاتے ہیں۔
۷؎ ممدوح ہمیشہ سے نیک ہے۔
۸؎ اس کے کاموں میں ریاکاری کا شائبہ نہیں ہے۔

(۱۲)

نقابِ گُل کشید از زلفِ سنبل
سنبل کی زلف سے، پھول پر نقاب ڈالدیا
اگر بندِ قبائے غنچہ وا کرد
اگر غنچہ کی قبا کا بند کھولا

ازآں رنگ و رخم خوں در دل انداخت
اُس رنگ اور رُخ سے اس نے میرے دل میں خون ڈال دیا
ازآں گلشن بخارم مبتلا کرد
اس گلشن سے، مجھے کانٹوں میں مبتلا کردیا

بہر سو بلبلِ بیدل در افغاں
بے دل، بلبل ہر جانب فریادی رہا
تنعّم در میاں بادِ صبا کرد
بادِ صبا نے بیچ میں، عیش اڑائے

گر از سلطاں طمع کردم خطا بود
اگر میں نے بادشاہ سے توقع لگائی غلط تھی
ور از دلبر وفا جستم جفا کرد
اگر دلبر سے، وفا چاہی اُس نے ظلم کیا

وفا از خواجگانِ شہر بامن
شہر کے سرداروں میں سے میرے ساتھ وفا
کمالِ[۳] دین و دولت بوالوفا کرد
دین اور دولت کے کمال ابوالوفا نے کی

بشارت بر بکوئے مے فروشاں
مے فروشوں کے کوچہ میں خوشخبری لے جا
کہ حافظ توبہ از زہد و ریا کرد
کہ حافظ نے زہد، اور ریا سے توبہ کرلی

سرِ سودائے تو اندر سرِ ما میگردد
تیری محبت کا خیال ہمارے سر میں چکر لگاتا ہے
تو ببیں در سرِ شوریدہ چہا میگردد
تو دیکھ! پریشان سر میں کیا کچھ گذر رہا ہے

ہر کہ دل در سرِ چوگانِ سرِ زلفِ تو بست
جس نے تیری زلف کے بلّے سے دل وابستہ کردیا
لاجرم گوئے صفت بے سر و پا میگردد
لامحالہ گیند کی طرح بے سر اور پیر کے گھومتا ہے

گرچہ بیداد و جفا میکند ایں دلبرِ من
اگرچہ میرا یہ دلبر، ظلم کرتا ہے
ہمچناں در پئے آں دل بوفا میگردد
دل اسی طرح سے وفا کی امید میں اس کے پیچھے گھومتا ہے

از جفائے فلک و غصۂ دوراں صد بار
آسمان کے ظلم، اور زمانے کے رنج سے سوبار
بر تنم پیرہنِ صبر قبا میگردد
میرے جسم پر، صبر کا کرتہ قبا بن جاتا ہے

در نحیفی و نزاری تنِ بیچارۂ من
کمزوری، اور لاغری میں میرا بیچارہ جسم
چوں ہلالیست کہ انگشت نما میگردد
چاند کی طرح ہے، جو انگشت نمائی کے قابل بنجاتا ہے

بلبلِ طبعِ من از فرقتِ گلزارِ رخش
اُسکے رُخ کے گلزار کی جدائی کی وجہ سے میری طبیعت کی بلبل
دیر گاہست کہ بے برگ و نوا میگردد
کافی زمانہ ہوگیا ہے کہ بے سروسامان چکر لگارہی ہے

بہوا داریت اے سرو قدِ لالہ عذار
اے سروقد! لالہ رخسار، تیری محبت میں
بسکہ آشفتہ و سرگشتہ چو ما میگردد
بہت سے حیران اور پریشان ہیں جو ہماری طرح چکر لگا رہے ہیں

دلِ حافظ چو صبا بر سرِ کوئے تو مقیم
حافظ کا دل، صبا کی طرح تیرے کوچہ میں مقیم ہے
دردمند ست و بہ امیدِ دوا میگردد
درد مند ہے، اور دوا کی امید میں گھوم رہا ہے

۱؎ یہ شعر اور اگلا شعر اُس آشنا کے ظلم کا بیان ہے یعنی اگر وہ کبھی بات کرتا ہے تو چہرے پر زلف کا نقاب ڈال لیتا ہے۔
۲؎ عاشق پریشان ہے دوسرے مزے اڑا رہے ہیں۔
۳؎ کمال الدین ابوالوفا حافظ کا ممدوح ہے۔
۴؎ محبوب کا خیال ہمارے سر میں سمایا ہے اور طرح طرح سے ستا رہا ہے۔
۵؎ جو تیری زلف سے دل وابستہ کرے گا وہ گیند کی طرح بے سروپا ہو جائے گا۔
۶؎ یعنی دامن صبر چاک ہو جاتا ہے۔
۷؎ جس طرح پہلی رات کے چاند کی طرف انگلیاں اٹھتی ہیں اسی طرح لاغری کی وجہ سے میری طرف اٹھتی ہیں۔

ساقی اندر قدحم باز مئے گلگوں کرد
ساقی نے میرے پیالے میں پھر گلگوں شراب بھر دی
در مئے کہنۂ دیرینۂ ما افیوں کرد
ہماری بہت پرانی شراب میں افیون ملادی

دیگراں را مئے دیرینہ برابر میداد
دوسروں کو پرانی شراب برابر دے رہا تھا
بمن دل شدہ چوں باز رسید افزوں کرد
جب مجھ دل گم شدہ تک پہونچا تو اس میں اضافہ کردیا

ایں قدح ہوشِ مرا جملہ بیکبار ببرد
یہ پیالہ میرے ہوش کو یکبارگی اڑا لے گیا
ایں مے ایں بار مرا پاک ز خود بیروں کرد
اس شراب نے اس بار مجھے اپنے سے بالکل باہر کردیا

تو مپندار کہ در ساغر و پیمانۂ ما
تو یہ نہ سمجھ، کہ ہمارے ساغر اور پیمانہ میں
بُتِ سنگیں دلِ من خونِ جگر اکنوں کرد
میرے پتھر دل محبوب نے خونِ جگر اب ملایا ہے

آنچہ در سینۂ مجروحِ منش دل خوانی
میرے زخمی سینہ میں، وہ چیز جسکو تو، دل سمجھتا ہے
شورِ عشق ست کہ با خونِ جگر معجوں کرد
وہ عشق کا شور ہے جو خونِ جگر کے ساتھ معجون بنا ہوا ہے

روزِ اوّل کہ بہ اُستاد سپردند مرا
پہلے دن، جب انہوں نے مجھے استاد کے سپرد کیا
دیگراں را خرد آموخت مرا مجنوں کرد
اس نے دوسروں کو عقل سکھائی، مجھے مجنوں بنادیا

دلِ حافظ کہ ز افسونِ لبت ایمن بود
حافظ کا دل، جو تیرے ہونٹ کے منتر سے محفوظ تھا
چشمِ جادوئے تواش بارِ دگر افسوں کرد
تیری جادو کی آنکھ نے اس پہ دوبارہ جادو کردیا

سپیدہ دم کہ صبا بوئے دوستاں گیرد
صبح کی پو پھٹتے وقت جبکہ صبا دوستوں کی خوشبو حاصل کرلیتی ہے
چمن ز لطفِ ہوا نکہتِ جناں گیرد
چمن ہوا کی پاکیزگی کی وجہ سے جنتوں کی خوشبو پالیتا ہے

نوائے چنگ بدانساں زند صلائے صبوح
چنگ کی آواز، صبوحی شراب کی دعوت اس طور پر دیتی ہے
کہ پیرِ صومعہ راہِ درِ مُغاں گیرد
کہ عبادت خانہ کا پیر مُغوں کے دروازہ کا راستہ اختیار کرتا ہے

شہ سپہر چو زریں سپر کشد بر دوش
جب آسمان کا بادشاہ کندھے پر زریں ڈھال دھر لیتا ہے
بہ تیغِ صبح و عمودِ افق جہاں گیرد
صبح کی تلوار اور افق کے گرز سے دنیا پر قبضہ کرلیتا ہے

برغمِ زاغِ سیہ شاہبازِ سدرہ نشیں
سدرہ پر بیٹھنے والا شہباز سیاہ کوّے کے منشا کے خلاف
دریں مُقرنس زنگاری آشیاں گیرد
اس زنگاری بلند قلعہ میں آشیانہ بنا لیتا ہے

بہ بزمگاہِ چمن رو کہ خوش تماشائیست
چمن کی سیرگاہ میں جا، بہترین منظر ہے
کہ لالہ کاسۂ نسرین و ارغواں گیرد
کہ لالہ نسرین، اور ارغواں کا پیالہ اٹھاتے ہے

چہ حالتے ست کہ گُل در سحر نماید رخ
کیا حالت ہے، کہ پھول صبح کو رونمائی کرتا ہے
چہ آتشے ست کہ در مُرغِ صبح خواں گیرد
کیا آگ ہے، جو صبح کو چہکنے والے پرند میں لگتی ہے

چہ پرتویست کہ نورِ چراغِ صبح دہد
کیا روشنی ہے، جو صبح کے چراغ کا نور دیتا ہے
چہ شعلہ ایست کہ در شمعِ آسماں گیرد
کیا شعلہ ہے، جو آسمان کی شمع میں لگتا ہے

خیالِ شاہی اگر نیست در سرِ حافظ
اگر حافظ کے سر میں، شاہی کا خیال نہیں ہے
چرا بہ تیغِ سخن عرصۂ جہاں گیرد
تو کیوں کلام کی تلوار سے، دنیا کا میدان فتح کرتا ہے

---

۱ شراب کے نشہ کو دوبالا کرنے کیلئے اس میں افیون ملادی جاتی ہے۔
۲ اس پیالے نے مجھے بالکل بیخود اور مدہوش بنادیا۔
۳ میرا دل کیا ہے عشق اور خونِ جگر کی معجون مرکب ہے۔
۴ استادِ ازل نے دوسروں کو عقل اور ہمیں جنون کی تعلیم دی۔
۵ صبا جب دوستوں کی خوشبو لیکر چلتی ہے چمن جنّت بن جاتا ہے۔
۶ زریں سپر یعنی سورج۔
۷ زاغِ سیہ سے رات اور شاہباز سے دن مراد ہے۔ مقرنس زنگاری نیلے رنگ کا بلند قلعہ یعنی آسمان۔
۸ لالہ اپنے ہاتھ میں نسرین اور ارغوان کا ساغر تھامے ہے۔
۹ حافظ اپنے کلام کے ذریعہ دنیا پر بادشاہت کا سکہ جمانا چاہتا ہے۔

شاہداں[1] گر دلبری زینساں کنند | زاہداں را رخنہ در ایماں کنند
معشوق، اگر اس طرح دلبری کریں گے | زاہدوں کے ایمان میں، خلل ڈالدیں گے

ہر[2] کجا آں شاخِ نرگس بشگفد | گلرخانش دیدہ نرگسداں کنند
جہاں کہیں، وہ نرگس کی شاخ کھِلتی ہے | گلرخ، اپنی آنکھ کو اس کے لیے نرگس دان بناتے ہیں

یارِ ما چوں سازد آہنگِ سماع | قدسیاں در عرش دست افشاں کنند
میرا یار، جب سماع کا ارادہ کرتا ہے | فرشتے عرش پر، رقص کرنے لگتے ہیں

رخ نماید آفتابِ دولتت | گر چو صبح آئنہ رخشاں کنند
تیری دولت کا آفتاب، طلوع ہوگا | اگر صبح کی طرح، تیرا آئینہ روشن کردیں

مردمِ چشمم بخوں آغشتہ شد | از کجا ایں ظلم بر انساں کنند
میری آنکھ کی پتلی، خون میں آلودہ ہوگئی | یہ ظلم انسان پر، کہاں سے کرتے ہیں

عاشقاں[3] را بر سرِ خود حکم نیست | ہر چہ فرمانِ تو باشد آں کنند
عاشقوں کو اپنے اوپر اختیار نہیں ہے | جو تیرا حکم ہوتا ہے، وہ کرتے ہیں

پیشِ چشمم کمتر ست از قطرۂ | آں حکایتہا کہ از طوفاں کنند
میری نظر میں، ایک قطرے سے بھی کم ہیں | وہ قصے، جو طوفان کے بیان کرتے ہیں

کن نگاہے از دو چشمت تا رواں | مرگ را بر بیدلاں آساں کنند
اپنی دونوں آنکھوں سے ایک نظر ڈالدے تاکہ جلد | موت کو، بیدلوں پر آسان کردیں

عیدِ رخسارِ تو کو تا عاشقاں | در وفایت جان و دل قرباں کنند
تیرے رخسار کی عید کہاں ہے، تاکہ عاشق | تیری وفاداری میں جان اور دل کو قربان کردیں

ای جوانِ سرو قد گوئے بزن | پیش ازاں کز قامتت چوگاں کنند
اے سرو قد، نوجوان! گیند مار | اس سے پہلے، کہ تیرا قد چوگان کی طرح کردیں

خوش برآی از غصہ اے دل کاہلِ راز | عیش خوش در بوتۂ ہجراں کنند
اے دل! خوش خوش رنج سے نکل آ، اسلئے کہ راز والے | فراق کی کٹھالی میں عیش کی زندگی بسر کرتے ہیں

سرکش[6] حافظ ز آہِ نیم شب
اے حافظ! آدھی رات کی آہ سے سرتابی نہ کر
تا چو صبحت آئینہ رخشاں کنند
تاکہ صبح کی طرح، تیرے آئینہ کو روشن کردیں

شرابِ بیغش و ساقیِ خوش دو دامِ رہند | کہ زیرکانِ جہاں از کمندشاں نرہند
خالص شراب اور حسین ساقی، راستہ کے ایسے دو جال ہیں | کہ دنیا کے عقلمند ان کی کمند سے رہائی نہیں پاتے ہیں

من ارچہ عاشقم و رند و مست و نامہ سیاہ | ہزار شکر کہ یارانِ شہر بیگنہند
میں اگرچہ عاشق اور رند اور مست اور نامہ سیاہ ہوں | ہزار شکر ہے کہ شہر کے دوست بے گناہ ہیں

مبیں حقیر گدایانِ عشق را کایں قوم | شہانِ بے کمر و خسروانِ بے کلہ اند
عشق کے فقیروں کو حقیر نہ سمجھ اس لیے کہ یہ لوگ | بے پٹکے کے شاہ، اور بے تاج کے بادشاہ ہیں

---

۱ شعر
پڑے تسبیح زاہد پر نگاہِ مست اگر اسکی
تو ٹپکے بادۂ انگور اسکے دانہ دانہ سے

۲ میرے معشوق کو دوسرے حسین آنکھوں پر بٹھاتے ہیں۔

۳ عاشق خود بے اختیار اور معشوق کے فرمانبردار ہوتے ہیں۔

۴ طوفانِ نوح میری نظروں میں ایک قطرہ بھی نہیں ہے۔

۵ جوانی میں کوئی کام کرلے بڑھاپا بیکاری کا وقت ہے۔

۶ نیم شبی آہ سے دل کا آئینہ صاف ہوتا ہے۔

۷ یہ زہد کے دعوے داروں پر لطیف طنز ہے۔

۸ شعر
خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر
تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

دیوانِ حافظ مترجم

جفا نہ شیوۂ درویشی است و راہروی
درویشی، اور سلوک کا شیوہ ظلم نہیں ہے

بیار بادہ کہ ایں سالکاں نہ مردِ رہند
شراب لا، یہ سالک مردِ راہ نہیں ہیں

مکن کہ کوکبۂ دلبری شکستہ شود
ایسا نہ کر ورنہ دلبری کی شان و شوکت ختم ہو جائیگی

چو چاکراں بگریزند و بندگاں بجہند
جب خادم بھاگ جائیں گے، اور غلام مفرور ہو جائینگے

غلامِ ہمتِ دُردی کشانِ یکرنگم
میں یکرنگ، تلچھٹ پینے والوں کی توجہ کا غلام ہوں

نہ آں گروہ کہ ازرق لباس و دل سیہند
نہ کہ اس گروہ کا، جو نیلے لباس والے اور سیاہ دل ہیں

قدم منہ بخرابات جز بشرطِ ادب
ادب کے طریقہ کے بغیر شراب خانہ میں قدم نہ دھر

کہ ساکنانِ درش محرمانِ پادشہند
اس لئے کہ اس کے در کے باشندے بادشاہ کے خواص ہیں

بہوش باش کہ ہنگامِ بادِ استغنا
ہوش میں رہ، کہ بے نیازی کی ہوا کے وقت

ہزار خرمنِ طاعت بہ نیم جو بدہند
اطاعت کے ہزار کھلیانوں کو آدھے جو کے بدلے بیچتے ہیں

جنابِ عشق بلندست ہمتے حافظ
عشق کی بارگاہ اونچی ہے، حافظ ہمت بلند رکھ

کہ عاشقاں رہِ بے ہمتاں بخود ندہند
اس لیے کہ عاشق، بے ہمتوں کا راستہ نہیں اپناتے

شاہد آں نیست کہ موئے و میانے دارد
معشوق وہ نہیں ہے جو زلف اور کمر رکھتا ہو

بندۂ طلعتِ آں باش کہ آنے دارد
اس کے چہرے کا غلام بن، جو کوئی آن رکھتا ہو

شیوۂ حور و پری خوب و لطیفست ولے
حور اور پری کا شیوہ، اچھا اور پاکیزہ ہے لیکن

خوبی آنست و لطافت کہ فلانے دارد
خوبی، اور لطافت وہ ہے، جو فلاں رکھتا ہے

چشمۂ چشمِ مرا اے گلِ خنداں دریاب
اے ہنستے پھول! میری آنکھ کے چشمہ پر پہونچ

کہ بامیدِ تو خوش آبِ روانے دارد
کیونکہ تیری اُمید میں بہت اچھا جاری پانی رکھتا ہے

مرغِ زیرک نشود در چمنش نغمہ سرائے
ہوشیار پرند، اس کے چمن میں نہیں گاتا

ہر بہارے کہ بدنبال خزانے دارد
ہر وہ بہار جو اپنے پیچھے ایک خزاں رکھتی ہو

خمِ ابروئے تو در صنعتِ تیر اندازی
تیر اندازی کے ہنر میں، تیرے ابرو کا خم

بستد از دستِ ہر آنکس کہ کمانے دارد
ہر کمان دار کے ہاتھ سے کمان چھین لیتا ہے

گوئے خوبی کہ برد از تو کہ خورشید آنجا
تجھ سے خوبی کی گیند کون جیت سکتا ہے کیونکہ آفتاب بھی وہاں

نہ سوارلیست کہ در دست عنانے دارد
ایسا سوار نہیں ہے، جو ہاتھ میں باگ رکھتا ہو

دلنشیں شد سخنم تا تو قبولش کردی
جب سے تونے اس کو پسند کیا ہے میرا کلام دلنشیں ہوگیا ہے

آرے آرے سخنِ عشق نشانے دارد
ہاں، ہاں، عشق کی بات ایک اثر رکھتی ہے

در رہِ عشق نشد کس بیقیں محرمِ راز
عشق کے راستہ میں کوئی شخص یقین کے ساتھ محرمِ راز نہیں بنا

ہر کسے بر حسبِ فہم گمانے دارد
ہر شخص اپنی سمجھ کے مطابق ایک گمان رکھتا ہے

با خراباتِ نشیناں ز کرامات ملاف
خراباتیوں کے سامنے، کرامات کی ڈینگیں نہ مار

ہر سخن جائے و ہر نکتہ مکانے دارد
ہر بات ایک مقام، اور ہر نکتہ کوئی موقع رکھتا ہے

---

۲ جنابِ باری کے استغنار کے وقت ہزاروں سال کی عبادت بھی ہیچ ہے۔

۴ گل اور آب کا جوڑ کیا خوب ہے۔

۵ دنیا کی ہر لذت ناپائیدار ہے اس پر عقلمند زیادہ مسرور نہیں ہوتا ہے

۶ جبکہ سورج بے لگام گھوڑے پر سوار ہے تجھ سے چوگان میں کیسے بازی جیت سکتا ہے۔

۹ راہِ عشق کا کسی کو پتہ نہیں چلا، ہر شخص اپنی سمجھ کے مطابق کچھ سمجھتا ہے۔

مردمِ[1] دیدہ تیمّم کند از خاکِ درت — گرچہ در خانۂ خود آبِ روانے دارد
آنکھ کی پتلی، تیرے در کی خاک سے تیمّم کرتی ہے — اگرچہ خود اپنے گھر میں، رواں پانی رکھتی ہے

مدّعی گو برو و نکتہ بحافظ مفروش
مدّعی کو کہدو، چلا جا، اور حافظ کے سامنے نکتہ بازی نہ کر

کلکِ ما نیز زبانے و بیانے دارد
ہمارا قلم بھی کوئی زبان اور کچھ بیان رکھتا ہے

شراب[2] و عیشِ نہاں چیست کارِ بے بنیاد — زدیم در صفِ رنداں و ہرچہ بادا باد
خفیہ شراب نوشی، اور عیش کیا ہے؟ بے بنیاد کام ہے — ہم نے اپنے آپ کو رندوں کی صف میں ڈال دیا جو ہونا ہے ہو

گرہ[3] ز دل بکشا و ز سپہر یاد مکن — کہ فکرِ ہیچ مہندس چنیں گرہ نکشاد
دل کی گرہ کھول، اور آسمان کی یاد نہ کر — اس لیے کہ کسی نجومی کی فکر نے ایسی گرہ نہیں کھولی

ز[4] انقلابِ زمانہ عجب مدار کہ چرخ — ازیں فسانہ و افسوں ہزار دار دیاد
زمانہ کے انقلاب سے تعجب نہ کر، اس لیے کہ آسمان کو — اس قسم کے ہزاروں افسانے اور منتر یاد ہیں

قدح[5] بشرطِ ادب گیر زانکہ ترکیبش — ز کاسۂ سرِ جمشید و بہمن ست و قباد
پیالہ ادب سے تھام، اس لیے کہ اس کی ترکیب — جمشید اور بہمن، اور کیقباد کے سر کی کھوپری سے ہے

کہ آگہ است کہ جمشید و کے کجا رفتند — کہ واقف است کہ چوں رفت تختِ جم برباد
کون جانتا ہے کہ جمشید، اور کیقباد کہاں گئے؟ — کون جانتا ہے کہ سلیمان کا تخت کس طرح برباد گیا ہے؟

ز حسرتِ[6] لبِ شیریں ہنوز می بینم — کہ لالہ می دمد از خاکِ تربتِ فرہاد
میں دیکھتا ہوں کہ شیریں کے ہونٹوں کی حسرت میں ابتک — فرہاد کی قبر کی مٹی سے لالہ اُگتا ہے

مگر[7] کہ لالہ بدانست بیوفائیِ دہر — کہ تا بزاد و بشد جامِ مے ز کف ننہاد
شاید لالہ نے زمانے کی بیوفائی کو سمجھ لیا ہے — اس لیے کہ جب سے پیدا ہوا اور جب تک مرا ہاتھ سے شراب کا پیالہ نہ چھوڑا

نمی[8] دہند اجازت مرا بسیر و سفر — نسیمِ خاکِ مصلیٰ و آبِ رکنا باد
مجھے سیر اور سفر کی اجازت نہیں دیتے ہیں — مصلیٰ کی خاک کی نسیم، اور رکنا باد کا پانی

بیا بیا کہ زمانے ز مے خراب شویم — مگر رسیم بگنجے دریں خراب آباد
آؤ، آؤ کہ تھوڑی دیر کے لیے شراب سے مست ہو جائیں — شاید اس خراب آباد میں کسی خزانہ تک پہونچ جائیں

بنوش[9] بادۂ صافی بنالۂ دف و چنگ — کہ بستہ اند برابریشم طرب دلِ شاد
دف اور چنگ کے نالہ پر صاف شراب پی — کہ خوش دل کو مستی نے ابریشم سے وابستہ کیا ہے

ز دست اگر ننہم جامِ مے مکن علیم — کہ پاک تر بہ از ینم حریف دست نداد
اگر میں شراب کا جام ہاتھ سے نہ چھوڑوں، مجھ پر عیب نہ لگا — اس لیے کہ اس سے پاک دوست، کبھی میرے ہاتھ نہیں لگا ہے

رسید[10] در غمِ عشقش بہ حافظ آنچہ رسید
حافظ پر اس کے عشق کے غم میں، جو گذرا، سو گذرا

کہ چشمِ زخمِ زمانہ بعاشقاں مرساد
خدا کرے زمانہ کی نظرِ بد، عاشقوں کو نہ پہونچائے

---

[1] اگرچہ پانی کے ہوتے ہوئے تیمّم درست نہیں لیکن آنکھوں سے خود چشمے جاری ہیں اور وہ محبوب کے در کی خاک سے تیمّم کرتی ہیں۔

[2] خفیہ شراب نوشی بیکار ہے لہٰذا ہم رندوں میں شامل ہو گئے ہیں۔

[3] آسمان کے مظالم فراموش کر دے اور دل میں گرہ نہ ڈال یہ گرہ کسی نجومی سے بھی نہیں کھلی ہے۔

[4] زمانہ ناقابلِ بھروسہ ہے سینکڑوں کو مٹایا ہے جن کے افسانے اُس کو یاد ہیں۔

[5] کاسۂ شراب سینکڑوں بڑے انسانوں کی سر کی مٹی سے بنا ہے، اس کو ادب و احترام سے ہاتھ میں لینا چاہیے۔

[6] فرہاد کی قبر سے لالہ شیریں کے ہونٹوں کے شوق میں اُگ رہا ہے۔

[7] لالہ کا جام بکف ہونا اسی لیے ہے، کہ وہ غمِ دنیا سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے۔

[8] حافظ کو مصلیٰ اور رکنا باد اس قدر پسند تھے کہ دوسرے ملکوں کی دعوت کو انکی محبت میں ٹھکرا تا رہا۔

[9] چنگ میں ریشم کے تار باندھے جاتے تھے م

صوفی نہاد دام و سرِ حقہ باز کرد
صوفی نے جال بچھایا، اور ڈبہ کھولا
بنیادِ مکر با فلکِ حقہ باز کرد
شعبدہ باز، آسمان کے ساتھ مکر کی بنیاد ڈالی

بازیِ چرخ بشکندش بیضہ در کلاہ
آسمان سے بازی گری کرنا، اس کی مکاری ظاہر کرے گا
زیرا کہ عرضِ شعبدہ با اہلِ راز کرد
اس لیے کہ اس نے شعبدہ، راز دار پر پیش کیا ہے

ساقی بیا کہ شاہدِ رعنائے صوفیاں
اے ساقی آجا، صوفیوں کا چالاک معشوق
دیگر بجلوہ آمد و آغازِ ناز کرد
پھر نمودار ہوا ہے، اور ناز شروع کر دیا ہے

ایں مطرب از کجاست کہ سازِ عراق ساخت
یہ مطرب کہاں کا ہے؟ کہ عراق کا ساز چھیڑا ہے
و آہنگِ بازگشت ز راہِ حجاز کرد
اور بازگشت کا ارادہ، حجاز کے راستے سے کیا ہے

اے دل بیا کہ ما بہ پناہِ خدا رویم
اے دل آجا، تاکہ ہم خدا کی پناہ میں چلیں
ز آنچہ آستینِ کوتہ و دستِ دراز کرد
ان کارناموں سے جو کوتہ آستین اور دست دراز نے کیے ہیں

صنعت مکن کہ ہر کہ محبت نہ راست باخت
تصنع نہ برت، اس لیے کہ جس نے سچی محبت نہیں کی
عشقش بروئے دل درِ محنت فراز کرد
عشق نے اس کے دل پر محنت کا دروازہ کھول دیا ہے

اے کبکِ خوش خرام کہ خوش میروی بناز
اے خوش رفتار چکورا جو ناز کے خوش خوش جا رہی ہے
غرہ مشو کہ گربۂ عابد نماز کرد
دھوکا نہ کھا کہ عبادتگذار کی بلی نے نماز پڑھی ہے

فردا کہ پیشگاہِ حقیقت شود پدید
کل، جبکہ حقیقت کا منظر ظاہر ہوگا
شرمندہ رہروے کہ نظر بر مجاز کرد
وہ مسافر شرمندہ ہوگا، جس نے مجاز پر نظر کی ہے

حافظ مکن ملامتِ رنداں کہ در ازل
اے حافظ! رندوں کو ملامت نہ کر اس لئے کہ ازل میں
مارا خدا ز زہد و ریا بے نیاز کرد
ہمیں خدا نے زہد، اور ریا سے بے نیاز کر دیا ہے

صوفی ار بادہ باندازہ خورد نوشش باد
اگر صوفی شراب اندازے کے مطابق پیے اس کی نوش جان ہو
ورنہ اندیشۂ ایں کار فراموشش باد
ورنہ اس کام کا خیال بھی اس سے فراموش ہو

آنکہ یک جرعہ مے از دست تواند دادن
جو شخص شراب کا ایک گھونٹ ہاتھ سے دے سکے
دست با شاہدِ مقصود در آغوشش باد
اس کا ہاتھ مقصد کے معشوق سے ہمکنار ہو

کیست آں شاہ سوارِ خوش و خرم کہ دو کون
وہ خوش و خرم شہسوار کون ہے، خدا کرے دونوں جہان
بستۂ بندِ قباؤ علمِ دوشش باد
اس کی قبا کے بند، اور کندھے کے جھنڈے سے وابستہ ہوں

نرگسِ مست نوازش کنِ مردم دارش
اس کی مست نرگس، نوازش کرنے والی، مردم نواز
خونِ عاشق بخورد گر بقدح نوشش باد
اگر پیالے سے عاشق کا خون پیے تو اس کے لیے نوش جان ہو

چشمم از آئنہ دارانِ خط و خالش گشت
میری آنکھ اس کے خط و خال کے آئینہ داروں میں ہوگئی ہے
لبم از بوسہ ربایانِ لبِ نوشش باد
خدا کرے میرا ہونٹ اس کے شیریں ہونٹ کے بوسہ لینے والوں میں ہو

گرچہ از کبر سخن با منِ درویش نکرد
اگرچہ تکبر کی وجہ سے اس نے مجھ فقیر سے بات نہ کی
جاں فدائے شکریں پستۂ خاموشش باد
اس کے شکر میں پٹے ہوئے خاموش پستہ پر جان قربان ہو

---

۱ مشہور ہے کہ حافظ کے دور میں عماد فقیہ تھے ان کی ایک بلی تھی جس کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ ان کی کرامت سے ان کی بلی نماز پڑھتی ہے اس دور کا بادشاہ، شاہ شجاع ان فقیہ کا معتقد تھا۔ حافظ نے اس غزل میں ان پر طنز کیے ہیں جو شاہ شجاع کو ناگوار گذرے اور حافظ کو طرح طرح کے مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ حقہ بازی گر کا ڈبہ جس میں سے وہ عجیب و غریب چیزیں نکال کر دکھا دیتا ہے۔
۲ عراق اور حجاز باجے کے دو پردوں کا نام بھی ہے۔
۳ یہ صوفی کے لئے مناسب ہے کہ وہ ایک خاص اندازے سے شراب نوشی کرے ورنہ اس کام کو بھول جائے۔
۴ [illegible]
۵ ایک گھونٹ شراب کی بخشش بھی بڑا کارِ خیر ہے۔
۶ اس کی آنکھیں اگر عاشق کا خون بھی پئیں تو خدا کرے وہ ان کے لئے شہد بن جائے۔
۷ میری آنکھوں میں ہر وقت اس کا تصور ہے خدا کرے ہونٹوں کا بوسہ بھی میسر آجائے۔

شاہِ ترکاں سخنِ مدعیاں می شنود
ترکوں کا بادشاہ، رقیبوں کی بات سنتا ہے

شرم از مظلمۂ خونِ سیاوشش باد
سیاوش کے خون کے ظلم سے اس کو شرم آئے

پیرِ ما گفت خطا بر قلمِ صنع نرفت
ہمارے پیر نے کہا، قدرت کے قلم سے کوئی غلطی نہیں ہوئی ہے

آفریں بر نظرِ پاکِ خطاپوشش باد
اس کی خطاپوش پاک نظر کو شاباش ہو

بغلامیِ تو مشہورِ جہاں شد حافظ
حافظ تیری غلامی سے دنیا میں مشہور ہوگیا ہے

حلقۂ بندگیِ زلفِ تو در گوشش باد
تیری زلف کی غلامی کا حلقہ اس کے کان میں رہے

صبا وقتِ سحر بوئے ز زلفِ یار می آورد
صبح کے وقت صبا یار کی زلف کی خوشبو لا رہی تھی

دلِ شوریدۂ ما راز نو در کار می آورد
ہمارے دیوانے دل کو از سرِ نو کام میں لگا رہی تھی

ز رشکِ تارِ زلفِ یار بر بادِ سحر میلرد
یار کی زلف کے بال کے رشک میں، صبح ہوا کو دے رہی تھی

صبا ہر نافۂ مشکے کہ از تاتار می آورد
صبا مشک کا ہر وہ نافہ جو تاتار سے لا رہی تھی

فروغِ ماہ میدیدم ز بامِ قصرِ او روشن
میں اس کے مکان کے بالاخانہ سے چاند کے فروغ کو روشن دیکھتا تھا

کہ روی از شرمِ آں خورشید بر دیوار می آورد
جس کی شرم کی وجہ سے سورج، دیوار میں منہ چھپا رہا تھا

عفی اللہ چینِ ابرویش اگرچہ ناتوانم کرد
اس کے ابرو کی شکن کو خدا بخشے اگرچہ اس نے مجھے کمزور بنا دیا ہے

برحمت ہم پیامے بر سرِ بیمار می آورد
رحمت کا ایک پیغام بھی وہی بیمار کے سرہانے لا رہی تھی

سراسر بخششِ جاناں طریقِ لطف و احسان بود
محبوب کی بخشش سراسر لطف اور احسان کا طریقہ تھا

اگر تسبیح میفرمود اگر زنار می آورد
خواہ تسبیح کا حکم فرماتا تھا، خواہ زنار لاتا تھا

من آں شاخِ صنوبر را ز باغِ سینہ بر کندم
میں نے سینہ کے باغ سے اس صنوبر کی شاخ کو اکھاڑ پھینکا

کہ ہر گُل کز غمش بشگفت محنت بار می آورد
اس لئے کہ اس کے غم کا جو پھول کھلا رنج کا پھل لاتا تھا

ز بیمِ غارتِ چشمش دلِ خونیں رہا کردم
اس کی آنکھوں کی غارت گری کے ڈر سے میں نے خون آلود دل کو چھوڑ دیا

ولے می ریخت خوں در رہ بدیں ہنجار می آورد
لیکن وہ اس کو اس طریقہ سے لاتا تھا کہ راستہ میں خون ٹپکتا تھا

خوش آں وقت و خوش آں ساعت کہ آں زلفِ گرہ بندش
وہ وقت اور گھڑی کسقدر اچھی تھی کہ اس کی گرہ بند زلف

بدُزدیدے چناں دلہا کہ خصم اقرار می آورد
دلوں کو اس طرح چراتی تھی کہ دشمن بھی اعتراف کر لیتا تھا

بقولِ مطرب و ساقی بروں رفتم گہ و بیگہ
مطرب اور ساقی کے کہنے پر میں وقت بے وقت ایسی جگہ بھی نکل گیا

کز آں راہِ گراں قاصد خبر دشوار می آورد
کہ اس دشوار راستہ سے قاصد بھی مشکل سے خبر لاتا تھا

عجب میداشتم دیشب ز حافظ جام و پیمانہ
کل رات حافظ کے جام اور پیمانہ پر مجھے تعجب ہو رہا تھا

ولے منعش نمیکردم کہ صوفی وار می آورد
لیکن میں اس کو منع نہ کرتا تھا، کیونکہ وہ صوفیانہ طریقہ پر لاتا تھا

صبا بہ تہنیتِ پیرِ میفروش آمد
مے فروش پیر کو مبارک باد دینے، صبا آئی

کہ موسمِ طرب و عیش و ناز و نوش آمد
کیونکہ مستی، عیش، ناز، اور پینے کا زمانہ آگیا

۔ کاؤس، شاہِ ایران کے یہاں ایک بچہ پیدا ہوا اس کا نام سیاوش رکھا گیا۔ لیکن نجومیوں نے اس کو منحوس قرار دیا، بادشاہ نے اسکو قلعہ سے نکالدیا تو اسکو رستم نے پال لیا جوان ہونے پر کاؤس کو وہ پسند آیا تو کاؤس نے اس کو قلعہ میں بلالیا وہاں اس پر کاؤس کی ایک بیوی عاشق ہوگئی اور اس نے اس کو پھسلانا چاہا لیکن سیاوش کی شرافت آڑے آئی اس پر کاؤس کی بیوی نے انتقام لینے کے لئے سیاوش پر تہمت رکھدی اور وہ کاؤس کی نگاہ میں بھی مجرم ٹھہرا وہ اپنی برأت کے لئے دہکتی آگ میں کود گیا اور صحیح وسالم باہر آگیا لیکن وہ کاؤس سے ناخوش ہوگیا۔ افراسیاب جو کاؤس کا حریف تھا اس نے سیاوش کو بلا بھیجا اور اپنی لڑکی سے اس کی شادی کردی لیکن وہاں بھی وہ سازش کا شکار ہوگیا اور افراسیاب کے حکم سے بے گناہ قتل کردیا گیا لہٰذا اب خونِ سیاوش کے معنی بے گناہ قتل کے آنے لگے ہیں۔

موصود ربانی کا مخالفوں کو بھی اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ ۶ صبا نے مے فروش کو خوشخبری دیدی ہے کہ اب موسم بہار آگیا ہے جو شراب نوشی کا موسم ہے۔

ہوا مسیح نفس گشت و باد نافہ کشا
صبا مسیح کے سانس والی اور ہوا نافہ کھولنے والی ہوگئی

درخت سبز شد و مُرغ در خروش آمد
درخت سبز ہو گئے، اور پرندے شور کرنے لگے

تنورِ لالہ چناں بر فروخت بادِ بہار
اور بہاری ہوا نے لالہ کے تنور کو اس طرح روشن کر دیا

کہ غُنچہ غرقِ عرق گشت و گُل بجوش آمد
کہ غنچہ پسینے میں ڈوب گیا، اور پھول جوش میں آگیا

بگوشِ ہوش نیوش از من و بعشرت کوش
میری نصیحت ہوش کے کان سے سن لے اور عیش کی کوشش کر

کہ ایں سخن سحر از ہاتفم بگوش آمد
اس لیے کہ یہ بات صبح کو ہاتفِ غیبی فرشتے سے میرے کان میں پڑی ہے

زِ فکرِ تفرقہ باز آی تا شوی مجموع
تفرقہ کے خیال سے باز آجا تاکہ تو مطمئن ہو جائے

بحکمِ آنکہ چو شد اہرمن سروش آمد
اس لیے کہ جب شیطان گیا فرشتہ آیا

زِ مُرغِ صبح ندانم کہ سوسنِ آزاد
مجھے معلوم نہیں کہ صبح کے پرندے آزاد سوسن نے

چہ گوش کرد کہ بادہ زباں خموش آمد
کیا سن لیا کہ دس زبانوں کے باوجود چپ رہی

چہ جائے صحبتِ نامحرم است مجلسِ انس
محبت کی مجلس، نامحرم کی صحبت کی جگہ نہیں ہے

سرِ پیالہ بپوشاں کہ خرقہ پوش آمد
پیالہ ڈھانپ، کہ گدڑی پہننے والا آگیا

بگویمت سخنِ خوش بیا و بادہ بنوش
میں تجھ سے پیاری بات کہتا ہوں آ اور شراب پی

کہ زاہد از برِ ما رفت و بادہ نوش آمد
اس لیے کہ زاہد ہمارے پاس سے گیا اور شراب نوش آگیا

زِ خانقاہ بمیخانہ می رود حافظ
حافظ، خانقاہ سے میخانہ کو جاتا ہے۔

مگر زِ مستیٔ زہد و ریا بہوش آمد
شاید، زہد اور ریا کی مستی سے ہوش میں آگیا

صورتِ خوبت نگارا خوش بہ آئیں بستہ اند
اے معشوق تیری حسین صورت، بہترین زیبائش سے بنائی ہے

گوئیا نقشِ لبت از جانِ شیریں بستہ اند
گویا تیرے ہونٹ کی صورت، شیریں جان سے بنائی ہے

از برائے مقدمِ خیلِ خیالت مردماں
تیرے خیالات کی جماعت کی پیشوائی کے لیے پتلیوں نے

زاشکِ رنگیں در دیارِ دیدہ آئیں بستہ اند
رنگین آنسوؤں سے، آنکھ کے وطن میں زیبائش کی ہے

کارِ زلفِ تست عطاری و مشک افشانیے
عطاری، اور مشک افشانی تیری زلف کا کام ہے

مصلحت را تہمتے بر نافۂ چیں بستہ اند
مصلحتاً چین کے نافہ پر تہمت باندھی ہے

یارب آں رویست و در پیرامنش دُرہائے گوش
اے خدا وہ ایک چہرہ ہے اور اس کے اطراف میں کان کے موتی

یا بگردِ ماہِ تاباں عقدِ پرویں بستہ اند
یا روشن چاند کے چاروں طرف ثریا کا ہار باندھا ہے

نقش بندانِ خطا از خطِ سبزِ عارضت
خطا کے نقاشوں نے، تیرے رخسار کے سبز خط سے

سایبانِ گردِ عنبر گردِ نسریں بستہ اند
عنبر کی گرد کا سائبان، نسریں کے چاروں طرف باندھا ہے

جملہ وصفِ عشقِ من بود و حسنِ روئے تو
سب میرے عشق، اور تیرے چہرے کے حسن کے وصف میں

آں حکایتہا کہ از فرہاد و شیریں بستہ اند
وہ حکایتیں جو شیریں، اور فرہاد کی بنائی ہیں

حافظا محضِ حقیقت گوئی سرِّ عشق را
اے حافظ! تو عشق کے راز کا خالص حقیقت گو ہے

غیر ازیں گوئی خیالاتے بہ تخمیں بستہ اند
اس کے علاوہ گویا، اندازے سے کچھ خیالات بندی کی ہے

۱؎ خوشگوار ہوا مردوں میں جان ڈال رہی ہے۔
۲؎ بادِ بہاری نے گُلِ لالہ کو دہکا دیا ہے۔
۳؎ بار بعیش کوشش کہ عالم دوبارہ نیست
۴؎ تفرقہ شیطانی کام ہے۔ اطمینانِ خاطر فرشتۂ رحمت کی عطا ہے۔
۵؎ سوسن کو دس زبانوں والا مانا جاتا ہے۔ بلبل نے دنیا کی ناپائیداری کی بات اُس سے کہدی ہے اسی لئے وہ خاموش ہے۔
۶؎ زاہد نامحرم ہے اسکے سامنے شراب نوشی نہیں ہو سکتی ہے۔
۷؎ شعر [illegible] شیریں [illegible]
۸؎ خیالات کی پیشوائی میں ہم آنکھوں سے لعل بنا رہے ہیں تاکہ نچھاور کریں۔
۹؎ روشن چہرہ کے اطراف میں کان کے آویزے، ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے چاند کے گلے میں ثریا کا ہار ہو۔
۱۰؎ خطا کے نقاش جب تیری تصویر بناتے ہیں تو گلِ نسریں کے چاروں طرف عنبر کی گرد جاتے ہیں۔ یعنی تیرا رخسار بمنزلہ گلِ نسریں اور سبزۂ خط بمنزلہ گردِ عنبر ہے۔
۱۱؎ شیریں فرہاد کے قصے دراصل ہمارے ہی قصے ہیں۔

طائرِ دولت اگر باز گذارے بکند
نصیبے کا پرندہ اگر پھر ایک بار گذر کرے
یار باز آید و با وصل قرارے بکند
دوست واپس آجائے اور وصل کا اقرار کرے

دیدہ را دستگہِ دُر و گہر گرچہ نماند[1]
آنکھوں کو موتی، اور گوہر پر اگرچہ قدرت نہ رہی
بخورد خونے و تدبیرِ نثارے بکند
خون پیئے، اور نچھاور کرنے کی تدبیر کرے

شہر[2] خالیست زعشّاق مگر کز طرفے
عاشقوں سے شہر خالی ہے، شاید ایسا ہو کہ کسی کنارے سے
مردے از غیب بروں آید و کارے بکند
کوئی مردِ غیب سے برآمد ہوا اور کوئی کام کرے

کس[3] نیارد بر او دم زدن از قصّہ ما
اس کو ہمارا قصّہ سنانے کا کوئی دم نہیں بھر سکتا ہے
مگرش بادِ صبا گوش گزارے بکند
شاید بادِ صبا کچھ اس کے گوش گذار کرے

دادہ ام بازِ نظر را بہ تذروے پرواز
میں نے نظر کے باز کو ایک چکور پر اڑایا ہے
باز خواند مگرش بخت و شکارے بکند
شاید اس کو نصیبہ پھر دعوت دے اور وہ ایک شکار کرے

کو کریمے[4] کہ ز بزمِ طربش غمزدۂ
ایسا داتا کہاں ہے؟ کہ اس کی عیش کی مجلس میں کوئی غمزدہ
جرعۂ در کشد و دفعِ خمارے بکند
ایک گھونٹ پی لے، اور خمار کو دفع کرے

یا[5] وفا یا خبرِ وصلِ تو یا مرگِ رقیب
یا وفا، یا تیرے وصل، یا رقیب کی موت کی خبر
بازیِ چرخ ازیں یک دو سہ کارے بکند
آسمان کی بازی ان ایک دو تین کاموں میں سے کوئی کام کرے

دوش گفتم بکند لعلِ لبش چارۂ دل
کل شب میں نے کہا اُس کے ہونٹ کا لعل دل کا علاج کریگا؟
ہاتفِ غیب ندا داد کہ آرے بکند
ہاتفِ غیبی نے کہا، ہاں کرے گا

حافظا گر نروی از درِ او ہم روزے
اے حافظ! اگر تو اُس کے دروازہ سے نہ ٹلے گا وہ بھی کسی دن
گذرے بر سرت از گوشہ کنارے بکند
کسی گوشہ کے کنارے سے تجھ پر گذرے گا

عکسِ[6] روئے تو چو در آئینۂ جام افتاد
جب تیرے چہرے کا عکس، جام کے آئینہ میں پڑا
عارف از پرتوِ مے در طمعِ خام افتاد
عارف شراب کے سایہ سے، غلط فہمی میں پڑ گیا

حسنِ روئے تو بیک جلوہ کہ در آئینہ کرد
تیرے چہرے کے حسن کے ایک جلوہ نے جو اس نے آئینہ میں دکھایا
اینہمہ نقش در آئینۂ اوہام افتاد
اوہام کے آئینہ میں، یہ تمام نقش قائم ہو گئے

جلوہ کرد رخش روزِ ازل زیرِ نقاب
روزِ ازل میں زیرِ نقاب اس کے رخ نے جلوہ دکھایا
عکسے از پرتوِ آں بر رُخِ اَفہام افتاد
اس کے سایہ کا عکس، عقلوں کے رُخ پر پڑ گیا

اینہمہ عکسِ مے و نقشِ مخالف کہ نمود
یہ سب، شراب والا عکس اور بالمقابل نقش جو ظاہر ہوا
یک فروغِ رُخِ ساقی ست کہ در جام افتاد
ساقی کے رُخ کا ایک جلوہ ہے جو جام میں آیا ہے

غیرتِ[7] عشق زبانِ ہمہ خاصاں ببرید
عشق کی غیرت نے تمام خواص کی زبان کاٹ دی
از کجا سرِّ غمش در دہنِ عام افتاد
عوام کے منہ میں اس کے غم کا راز کہاں سے پڑا؟

ہر دمش با منِ دل سوختہ لطفِ دگر ست
مجھ دل جلے پر، ہر وقت اس کا ایک نیا کرم ہے
ایں گدا بیں کہ چہ شائستۂ انعام افتاد
اس فقیر کو دیکھو کہ کیسا انعام کا مستحق بنا ہے

---

[1] آنکھوں میں آنسو تو ختم ہو گئے ہیں اب خونِ جگر کے آنسو تیار کرے تاکہ لعلوں کو نچھاور کر سکے۔

[2] عاشقوں سے شہر خالی ہو گیا ہے اب تو غیب سے کوئی آئے گا اور کوئی کارنامہ کر جائے۔

[3] ہمارا پیغام صبا کے علاوہ کوئی اس کے گوش گذار نہیں کر سکتا۔

[4] کسی سخی کی مجلس سے کسی کو ایک گھونٹ شراب ملجانا بڑا کام ہے۔

[5] معشوق کی وفاداری، یا وصل، یا رقیب کی موت کی خبر ان تین کاموں میں سے کوئی کام آسمان کو کرنا چاہیے۔

[6] محبوب کے رُخ کے عکس کو جام میں دیکھ کر سالک و عارف یہ سمجھ بیٹھا کہ مجھے محبوب کا مشاہدہ ہو گیا حالانکہ اس نے صرف عکس دیکھا ہے۔

[7] عشق نے خواص کو خاموش بنا دیا ہے تو عوام کو کیسے خبر ہو سکتی ہے۔ کہ آنکہ خبر شد خبرش باز نیامد۔

پاکؔ بیں از نظرِ پاک بمقصود رسید
صاف دیکھنے والا، صاف نظر کی وجہ سے مقصود تک پہونچ گیا

احولؔ از چشمِ دوبیں در طمعِ خام افتاد
بھینگا، دو دیکھنے والی آنکھ سے غلط لالچ میں پڑا

زیرِ شمشیرِ غمش رقص کناں باید رفت
اس کے غم کی تلوار کے نیچے، ناچتے ہوئے جانا چاہیے

کانکہ شد کشتۂ او نیک سرانجام افتاد
اس لیے کہ جو اس کا مقتول بنا، نیک انجام ہوا

در خمِ زلفِ تو آویخت دل از چاہِ زنخ
ٹھوڑی کے کنویں سے نکل کر دل تیری زلف کے پیچ میں لٹک گیا

آہ کز چاہ بروں آمد و در دامؔ افتاد
آہ! کنویں سے نکلا، اور جال میں پھنس گیا

آں شد اے خواجہ کہ در صومعہ بازم بینی
اے خواجہ یہ بات گئی، کہ تو مجھے پھر عبادت خانہ میں دیکھے

کارِ ما با رُخِ ساقی و لبِ جامؔ افتاد
ہمارا واسطہ ساقی کے رخ، اور جام سے پڑ گیا

من ز مسجد بخرابات نہ خود افتادم
میں مسجد سے خرابات میں، خود نہیں جا پڑا

اینم از روزِ ازل حاصلِ فرجام افتاد
میرا روزِ ازل سے یہی حاصل، اور انجام بنا

چہ کند کز پے دوراں نرود چوں پرکار
کیا کرے، اگر پرکار کی طرح زمانہ کے پیچھے نہ چلے

ہر کہ در دائرۂ گردشِ ایامؔ افتاد
جو کہ، زمانہ کی گردش کے دائرے میں جا پڑا

منکہؔ در زمرۂ عشاق برندی علمم
میں جو کہ عاشقوں کی جماعت میں رندِ فاسق ہوں

طبلِ پنہاں چہ زنم طشتِ من از بام افتاد
چھپ کر ڈھول کیا بجاؤں میرا طشت بالا خانہ سے گر پڑا

صوفیاں جملہ حریفند و نظر باز و لے
صوفی سب ہی عاشق، اور نظر باز ہیں، لیکن

زیں میاں حافظِ دل سوختہ بدنام افتاد
ان میں حافظ، دل جلا، بدنام ہو گیا

عشقت نہ سرسری ست کہ از سر بدر شود
تیرا عشق سرسری نہیں ہے کہ دماغ سے نکل جائے

مہرت نہ عارضی ست کہ جائے دگر شود
تیری محبت عارضی نہیں ہے کہ دوسری جگہ چلی جائے

عشقِ تو در وجودم و مہرِ تو در دلم
تیرا عشق میرے تن میں ہے اور تیری محبت میرے دل میں ہے

باؔ شیر در دروں شد و با جاں بدر شود
دودھ کے ساتھ اندر گئی ہے جان کے ساتھ باہر نکلیگی

دردیست دردِ عشق کہ اندر علاجِ او
دردِ عشق ایسا درد ہے، کہ اس کے علاج میں

ہر چند سعی بیش نمائی بتر شود
تو جس قدر زیادہ کوشش کرے گا بدتر ہو جائے گا

اوّل منم یکے کہ دریں شہر ہر شبے
اس شہر میں سب سے پہلا، میں ہی ایک ہوں کہ ہر رات

فریادِ من بگنبدِ افلاک بر شود
میری فریاد، آسمانوں کے گنبد پر جاتی ہے

ور زانکہ من سرشک فشانم بزندہ رود
اگر ایسا ہو کہ میں زندہ رود میں اپنے آنسوں بہادوں

کشتِ عراقؔ جملہ بیکبار تر شود
عراق کی سب کھیتی، ایک دم سے تر ہو جائے

دی در میانِ زلف بدیدم رُخِ نگار
کل میں نے دوست کے چہرے کو زلفوں کے درمیان دیکھا

بر ہیئتے کہ ابر محیطِ قمر شود
اس طرح جیسے چاند کو ابر گھیرے

گفتم کہ ابتدا کنم از بوسہ گفت نے
میں نے کہا، میں بوسے سے ابتدا (شروع) کروں، اس نے کہا نہیں

بگذار تا کہ ماہ زعقربؔ بدر شود
رہنے دے جب تک کہ چاند برجِ عقرب سے نکلے

---

۱ صحیح النظر ہی صحیح دیکھ سکتا ہے، بھینگے کو ایک کے دو نظر آتے ہیں۔

۲ دل کنویں سے نکلا تو جال میں پھنس گیا۔

۳ اب ہم رُخِ ساقی اور جام سے وابستہ ہیں۔ عبادت خانہ میں ہمارا کیا کام ہے۔

۴ جو زمانہ کی گردش میں پھنس گیا ہے وہ پرکار کی طرح چکر کاٹے گا۔

۵ میں رندوں میں صاحبِ عَلَم و طبل ہوں۔

۶ تیرا عشق و محبت میری گھٹی میں پڑا ہے اب جان کے ساتھ ہی نکل سکتا ہے

۷ شعر [illegible]

۸ زندہ رود اصفہان کا مشہور دریا ہے، عراق سے عراقِ عجم مراد ہے۔

۹ چاند جب برجِ عقرب میں ہوتا ہے تو کسی کام کو شروع کرنا مناسب نہیں ہوتا چاند سے چہرہ اور عقرب سے زلف بھی مراد ہو سکتی ہے۔

ایدل بیادِ لعلش اگر بادہ میخوری — مگذار ہاں کہ مدّعیاں را خبر شود

اے دل! اس کے لعل کی یاد میں، اگر تو شراب نوشی کرے — ایسا ہرگز نہ کرنا، کہ رقیبوں کو خبر ہو جائے

حافظ سر از لحد بدر آرد بپائے بوس

پیر چومنے کے لئے، حافظ لحد سے سر نکال لے گا

گر خاکِ او بپائے شما پے سپر شود

اگر اس کی خاک، آپ کے پیروں سے پامال ہو گی

عشقِ[2] تو نہالِ حیرت آمد — وصلِ تو کمالِ حیرت آمد

تیرا عشق، حیرت کا پودا ثابت ہوا — تیرا وصل، حیرت کا کمال ہوا

بس غرقہ حالِ وصل کآخر — ہم باسرِ حال حیرت آمد

بہت سے، حالِ وصل میں ڈوبے ہوئے ہیں — پھر بھی، ابتدائے حال سے حیرت آئی

نے[3] وصل بماند و نہ واصل — آں جا کہ خیالِ حیرت آمد

نہ وصل رہیگا، نہ صاحب وصال — جہاں، حیرت کا خیال آیا

از ہر طرفے کہ گوش کردم — آوازِ سوالِ حیرت آمد

میں نے، جس طرف بھی کان لگائے — حیرت کے سوال کی، آواز آئی

آں[4] دل بنما کہ در رہِ او — بر چہرہ نہ خالِ حیرت آمد

وہ دل دکھا، کہ اس کے راستہ میں — چہرے پر، حیرت کا تِل نہ لگا ہو

شد محترم از کمالِ عزّت — آنجا کہ جلالِ حیرت آمد

کمالِ عزّت کی وجہ سے، با احترام بنا — جس جگہ، حیرت کا جلال پہنچا

سر[5] تا قدمِ وجودِ حافظ

حافظ کا وجود، سر سے پیر تک

در عشق نہالِ حیرت آمد

عشق کے معاملہ میں، حیرت کا پودا بنا

عاشقاں[6] را دردِ دل بسیار میباید کشید — داغِ یار و غصۂ اغیار می باید کشید

عاشقوں کو بہت کچھ، دردِ دل برداشت کرنا چاہیے — یار کا داغ، اور رقیبوں کا غصّہ برداشت کرنا چاہیے

در دلِ شبہائے تار از اشتیاقِ روئے دوست — آہِ سرد و نالہائے زار می باید کشید

اندھیری راتوں میں یار کے چہرے کے عشق میں — سرد آہ، اور عاجزی کے نالے کرنے چاہئیں

دادخواہے گر ہمیخواہد ز سلطاں دادخواہ — انتظارِ بامدادِ پار می باید کشید

اگر کوئی فریادی، بادشاہ سے اپنا انصاف چاہے — برسوں کی صبح کا انتظار، برداشت کرنا چاہیے

ہر کہ عاشق شد اگرچہ نازنینِ عالم ست — نازکی کے راست آید بار می باید کشید

جو بھی عاشق بنا، خواہ دنیا بھر کا نازوں کا پالا ہو — نزاکت کب موافق آئیگی، بار برداشت کرنا چاہیے

از برائے دیدنِ دیدارِ گل یارِ عزیز — خواریِ دہقان و جورِ خار می باید کشید

اے پیارے دوست! پھول کا دیدار کرنے کے لئے — کاشتکار کی ذلّت، اور کانٹے کا ظلم برداشت کرنا چاہیے

---

[1] یہ شعر پہلے قصائد میں گذر چکا ہے۔

[2] عشق کا پودا حیرت کے پھل لاتا ہے، وصل اور زیادہ حیرت کا سبب ہے۔

[3] مقامِ حیرت میں عاشق سب کچھ گم کر بیٹھتا ہے۔

[4] راہِ عشق میں ہر دل پر حیرت طاری ہوتی ہے

[5] حافظ کا پورا وجود حیرت کا پودا بنا ہوا ہے

[6] عشق کے معاملہ میں نزاکت سے کام نہیں چلتا مشقّتیں جھیلنی پڑتی ہیں۔

حافظا چندیں الم مارا در ایامِ فراق
اے حافظ! ہمیں فراق کے زمانہ میں کس قدر رنج

برامیدِ وعدۂ دیدار می باید کشید
یار کے دیدار کے وعدہ پر برداشت کرنا چاہیے

غلامِ[1] نرگسِ مستِ تو تاجدارانند
تیری مست نرگس کے غلام، تاجدار ہیں

خرابِ بادۂ لعلِ تو ہوشیارانند
تیرے لعل کی شراب کے مست، ہوشیار ہیں

ترا[2] حیا و مرا آبِ دیدہ شد غماز
تیری حیا اور میرا، آنکھ کا پانی چغلخور بنا

وگرنہ عاشق و معشوق رازدارانند
ورنہ عاشق، اور معشوق راز دار ہیں

بزیرِ زلفِ دوتا چوں گذر کنی بنگر
جب تو گزرتا ہے تو دیکھ، کہ دُہری زلف کے نیچے

کہ از یمین و یسارت چہ بیقرارانند
تیرے دائیں بائیں، کس قدر بے قرار ہیں

گذار کن چو صبا بر بنفشہ زار و ببیں[3]
بنفشہ کے کھیت میں، صبا کی طرح گذر، اور دیکھ

کہ از تطاولِ زلفت چہ سوگوارانند
کہ تیری زلف کی دست درازی سے کتنے غمگین ہیں

رقیب در گذر و بیش ازیں مکن نخوت
اے رقیب! آگے بڑھ، اور اس سے زیادہ تکبر نہ کر

کہ ساکنانِ درِ دوست خاکسارانند
اس لیے کہ دوست کے دروازے کے مقیم، خاکسار ہوتے ہیں

نصیبِ[4] ماست بہشت اے خداشناس برو
اے خداشناس! چلا جا، بہشت ہمارا حصہ ہے

کہ مستحقِ کرامت گناہگارانند
اس لیے کہ بخشش کے مستحق گنہگار ہیں

نہ من بر آں گلِ عارض غزل سرایم و بس
اس رخسار کے پھول پر صرف میں ہی غزل سرا نہیں ہوں

کہ عندلیبِ تو از ہر طرف ہزارانند
ہر طرف، تیری ہزاروں بلبلیں ہیں

تو دستگیر شو اے خضرِ پے خجستہ[5] کہ من
اے مبارک قدم خضر! تو دستگیر بن اس لیے کہ میں

پیادہ میروم و ہمرہاں سوارانند
پیدل جا رہا ہوں، اور ساتھی سوار ہیں

بیا[6] بمیکدہ و چہرہ ارغوانی کن
شراب خانہ میں آ، اور چہرہ لال کرلے

مرو بصومعہ کانجا سیاہ کارانند
عبادت خانہ میں نہ جا، اس لیے کہ وہاں سیاہ کار ہیں

خلاصِ حافظ ازاں زلفِ تابدار مباد
اس پُرپیچ زلف سے خدا کرے حافظ کا چھٹکارا نہ ہو

کہ بستگانِ کمندِ تو رستگارانند
اس لیے کہ تیری کمند کے گرفتار، آزاد ہیں

قتلِ ایں خستہ بشمشیرِ تو تقدیر نبود
اس خستہ کا تیری تلوار سے قتل ہونا، مقدر نہ تھا

ورنہ ہیچ از دلِ بیرحمِ تو تقصیر[7] نبود
ورنہ تیرے بے رحم دل کی جانب سے، کوئی کمی نہ تھی

یارب[8] آئینۂ حسنِ تو چہ جوہر دارد
اے خدا! تیرے حسن کا آئینہ کیا جوہر رکھتا ہے؟

کہ در و آہِ مرا قوتِ تاثیر نبود
کہ میری آہ کو، اس میں اثر کرنے کی قوت نہ تھی

سر ز حیرت بدرِ میکدہ ہا بر کردم
میں نے حیرت سے، میکدے کے دروازے کا رخ کیا

چوں شناسائے تو در صومعہ یک پیر نبود
جبکہ عبادت خانہ میں کوئی پیر، تیرا شناسا نہ تھا

---

[1] بادشاہ وہی ہیں جو تیری آنکھ کے غلام ہیں ہوشیار وہی ہیں جو تیری شراب سے مست ہیں۔

[2] شعر
ماجرائے دل نمی گویم عجب
آبِ چشمم ترجمانی میکند

[3] بنفشہ سیاہی مائل ہوتی ہے لہٰذا اس کو سوگوار قرار دیا جاتا ہے

[4] شعر
[illegible]

[5] شعر
[illegible]

[6] شعر
بخمار خانہ رفتم [illegible]
[illegible]

[7] تیرے بے رحم دل نے تو قتل کرنے میں کسر اٹھا رکھی لیکن ہم ہی مقدر کے جیتے تھے۔

[8] آئینہ پر آہ کرو تو نم کی بھاپ سے متاثر ہو جاتا ہے لیکن تیرے حسن کے آئینہ پر میری آہوں کا کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔

من[1] دیوانہ چو زلفِ تو رہا میکردم
مجھ دیوانے نے، جب تیری زلف کو چھوڑا تھا

ہیچ لائق ترم از حلقۂ زنجیر نبود
تو میرے لیے، بیڑی کے حلقہ سے زیادہ مناسب کوئی چیز نہ تھی

نازنیں ترز قدت در چمن حسن نرست
حسن کے چمن میں، تیرے قد سے زیادہ نازنین کچھ نہ اگا

خوشتر از نقش تو در عالمِ تصویر نبود
عالم تصویر میں، تیرے نقش سے زیادہ حسین کوئی نہ تھا

تا مگر ہمچو صبا باز بزلفِ تو رسم
شاید صبا کی طرح پھر تیری زلف تک پہونچ جاؤں

کارِ من دوشش بجز نالۂ شبگیر نبود
رات، تمام شب رونے کے سوا میرا کچھ کام نہ تھا

آں کشیدم زتو اے آتشِ ہجراں کہ چو شمع
اے ہجر کی آگ! تیری بدولت میں نے وہ تکلیف سہی کہ شمع کی طرح

جز فنائے خودم از دستِ تو تدبیر نبود
تیرے ہاتھ سے اپنے آپ کو فنا کر لینے کے سوا کوئی تدبیر نہ تھی

آیتے[2] بد ز عذاب اندہِ حافظ بے تو
حافظ کا غم، تیرے بدون عذاب کی ایسی آیت تھی

کہ برِ ہیچ کسش حاجتِ تفسیر نبود
کہ کسی کے سامنے، اس کی تفسیر کی ضرورت نہ تھی

قطرۂ اشکے کہ میریزم زچشمِ تر سفید
تری آنکھ سے آنسو کا جو سفید قطرہ، میں گراتا ہوں

مینماید در شبِ ہجرِ تو چوں اختر سفید
تیرے ہجر کی رات میں تارے کی طرح سفید نظر آتا ہے

سوئے[3] ما مائل نشد ہرگز ہمائے وصلِ او
اس کے وصل کا ہُما، ہماری طرف مائل نہ ہوا

استخوانم گرچہ شد از ہجرِ آں دلبر سفید
اگرچہ اس دلبر کے ہجر سے، میری ہڈیاں سفید ہوگئیں ہیں

بسکہ تیرت[4] تا بہ پر بنشست در پہلو مرا
تیرے بہت سے تیر، میرے پہلو میں لگے

چوں کبوتر پر برآوردیم اما پر سفید
کبوتر کی طرح ہم نے پر نکالے لیکن سفید پر

ساقیا چوں بر لبِ میگوں نہی جامِ شراب
اے ساقی! جب شرابی رنگ کے ہونٹ پر تو شراب کا جام دھرتا ہے

مینماید سُرخ از عکسِ لبت ساغر سفید
تیرے ہونٹ کے عکس سے، سفید ساغر سُرخ نظر آتا ہے

نیست[5] ماہِ نو کہ از بیداد و کیں تُرکِ فلک
یہ ہلال نہیں ہے، بلکہ آسمان کے تُرک نے ظلم اور کینہ پروری کی وجہ سے

بر میاں بستہ بخونِ عاشقاں خنجر سفید
عاشقوں کا خون بہانے کے لئے، کمر پر سفید خنجر باندھا ہے

آں لب و دندانِ او حافظ بہنگامِ سخن
اے حافظ! بات کرتے وقت اُس کے وہ ہونٹ اور دانت

حقۂ لعلست گویا پر دُر و گوہر سفید
لعل کی ڈبیہ ہے گویا موتی، اور سفید گوہر سے بھری ہوئی

کلکِ[6] مشکینِ تو روزے کہ زما یاد کند
تیرا سیاہ قلم، اگر کسی دن ہمیں یاد کرے

بردِ اجرِ دو صد بندہ کہ آزاد کند
دو سو غلاموں کا ثواب حاصل کرے جنکو وہ آزاد کرے

قاصدِ حضرتِ سلمیٰ کہ سلامت بادا
جناب سلمیٰ کا قاصد، خدا کرے وہ سلامت رہے

چہ شود گر بسلامے دلِ ما شاد کند
کیا ہو جائے گا اگر ایک سلام سے ہمارے دل کو خوش کردے

یا رب[7] اندر دلِ آں خسروِ شیریں انداز
اے خدا اس شیریں بادشاہ کے دل میں ڈال دے

کہ برحمت گذرے بر سرِ فرہاد کند
کہ وہ رحم کھاکر، فرہاد کے پاس سے گذرے

---

[1] جو دیوانہ تیری زلف سے رہائی حاصل کرے وہ بیڑی کے لائق ہے۔

[2] تیرے فراق میں حافظ کا غم ایک ایسی آیت ہے جو خود واضح تھی۔

[3] ہما کی خوراک پُرانی ہڈیاں ہیں۔

[4] مشہور ہے کہ اگر کبوتر کے پر اکھاڑ دیئے جائیں تو پھر ان کی جگہ سفید پر نکلتے ہیں یعنی اس قدر تیر آکر لگے کہ جب ان کو بدن سے نکالا گیا تو ہمارے سفید پر نکل آئے۔

[5] ہلال کو سفید خنجر قرار دیا ہے۔

[6] محبوب اگر ہمیں خط لکھ کر چند حرفوں سے یاد کرے تو اس کو دو سو غلاموں کے آزاد کرنے کا ثواب ملے۔

[7] ہمارا ممدوح بمنزلہ شیریں کے ہے اور ہم بمنزلہ فرہاد کے۔

حالیا عشوهٔ عشقِ تو ز بنیادم بُرد
اس وقت تو تیرے عشق کے ناز نے میری بنیاد اکھاڑ دی
تا دگر فکرِ حکیمانه چه بنیاد کند
دیکھیے اب حکیمانہ فکر کیا بنیاد قائم کرے؟

گوہرِ پاکِ تو از مدحتِ ما مستغنیست
تیرا پاک جوہر، ہماری تعریف سے بے نیاز ہے
فکرِ مشّاطه چه با حُسنِ خداداد کند
نائن کی تدبیر، خدا داد حسن میں کیا کرے!

امتحاں کن که بسے گنجِ مرادت بدہند
آزمالے، تیری مراد کے بہت سے خزانے تجھے دیں گے
گر خرابے چو مرا لطفِ تو آباد کند
اگر مجھ جیسے تباہ کو، تیری مہربانی آباد کرے

شاہ را بہ بود از طاعتِ صد سالہ و زُہد
زہد کی سَو سالہ عبادت سے، بادشاہ کے لئے بہتر ہے
قدرِ یکساعت عمرے که درو داد کند
ایک گھڑی کے بقدر عمر، جس میں وہ انصاف کرے

رہ نبردیم بمقصودِ خود اندر شیراز
شیراز میں اپنے مقصد کی طرف، ہمیں راستہ نہ ملا
خرم آں روز که حافظ رہِ بغداد کند
وہ دن مبارک ہے جس دن حافظ بغداد کا راستہ طے کرے

کسیکه حُسنِ رخِ دوست در نظر دارد
جو شخص، دوست کا حسن نگاہ میں رکھتا ہے
محقّق ست که او حاصلِ بصر دارد
یہ بات طے ہے، کہ وہ بینائی کا ماحصل رکھتا ہے

چو خامه بر خطِ فرمانِ او سرِ طاعت
اس کے حکم کے خط پر ہم نے تابعداری کا سر قلم کی طرح
نہادہ ایم مگر او بہ تیغ بر دارد
رکھ دیا ہے، بجز اس کے کہ وہ تلوار کے ذریعہ اٹھائے

کسے بوصلِ تو چوں شمع یافت پروانہ
تیرے وصل کا پروانہ اُسی کو حاصل ہوا، جو شمع کی طرح
که زیرِ تیغِ تو ہر دم سرِ دگر دارد
تیری تلوار کے نیچے ہر وقت ایک نیا سر دھرے

بپائے بوسِ تو دست کسے رسید که او
تیری قدم بوسی اسی کو حاصل ہوتی ہے، جو
چو آستانہ بدیں در ہمیشہ سر دارد
چوکھٹ کی طرح، اس دروازہ پہ ہمیشہ سر دھرے

ز زہدِ خشک ملولم بیار بادهٔ ناب
میں خشک زہد سے رنجیدہ ہوں، خالص شراب لا
که بوئے باده دماغم مُدام تر دارد
اس لیے کہ شراب کی خوشبو میرے دماغ کو ہمیشہ تروتازہ رکھتی ہے

بزد رقیبِ تو روزے بسینہ ام تیرے
تیرے نگہبان نے ایک دن میرے سینہ پر ایک تیر مارا!
زبسکه تیرِ غمت سینہ بے سپر دارد
یقیناً تیرے غم کا تیر، بے ڈھال کا سینہ رکھتا ہے

کسیکه از رہِ تقویٰ قدم بروں ننہاد
جس شخص نے تقوے کے راستہ سے قدم باہر نہیں رکھا
بعزمِ میکده اکنوں سرِ سفر دارد
شراب خانہ کے ارادہ سے اب سفر کا خیال رکھتا ہے

زبادہ ہیچت اگر نیست ایں بس که ترا
اگر شراب سے تجھے کچھ حاصل نہیں ہوا، کیا تیرے لیے یہ کافی نہیں ہے
دمے ز وسوسۂ عقل بے خبر دارد
تھوڑی دیر کے لیے عقل کے وسوسے سے بے خبر رکھتی ہے

دلِ شکستۂ حافظ بخاک خواہد بُرد
حافظ کا شکستہ دل، قبر میں لے جائے گا
چو لاله داغِ ہوائے که بر جگر دارد
لالہ کی طرح، محبت کے اس داغ کو جو جگر پر رکھتا ہے

۱؎ حسن خداداد کے ہوتے ہوئے کسی بناؤ سنگھار کی ضرورت نہیں ہے۔
۲؎ میری مراد پوری کرنے سے تیری بہت سی مرادیں پوری ہوں گی۔
۳؎ بادشاہ کی تھوڑی سی منصفانہ زندگی صد سالہ زاہدانہ زندگی سے بہتر ہے۔
۴؎ سلطان احمد بن اویس حافظ کا معتقد تھا اور بغداد پہونچنے کی دعوت دیتا تھا۔
۵؎ خدا نے آنکھ اسی لیے دی ہے کہ اس سے حسن دوست کا مشاہدہ کیا جائے۔
۶؎ پروانہ، شاہی حکم کو بھی کہا جاتا ہے اور یہی معنی یہاں مراد ہیں۔
۷؎ آستانہ کو قدم بوسی کا شرف حاصل ہے، جو آستانہ کی طرح بچھ جائیگا وہی یہ فضیلت حاصل کر سکے گا۔
۸؎ محبوب کے غم کا تیر سیدھا سینہ پر آکر لگتا ہے، اُس کے لئے میرا سینہ بے سپر ہے۔
۹؎ جو ہمیشہ کا متقی مشہور تھا اب میکدہ کا ارادہ کئے ہوئے ہے۔
۱۰؎ شراب نوشی سے بھی کس قدر بڑا فائدہ ہے کہ وہ عقل کے وساوس سے چھٹکارا دیتی ہے۔

که شعر تر انگیزد خاطر که حزیں باشد — یک نکته دریں معنی گفتیم وہمیں باشد
لطیف شعر کیا برانگیختہ کر سکتا ہے اس طبیعت کو جو غمگین ہو — ہم نے اس معاملہ میں ایک نکتہ بیان کیا ہے اور یہی واقعہ ہے

از لعلِ تو گر یابم انگشتریِ زنہار — صد ملکِ سلیمانم در زیرِ نگیں باشد
میں اگر تیرے لعل سے امان کی انگوٹھی حاصل کرلوں — سلیمان کے سو ملک میرے زیر نگیں ہوں گے

غمناک نباید بود از طعنِ حسود اے دل — شاید کہ چو وابینی خیرِ تو دریں باشد
اے دل! حاسد کے طعنہ سے رنجیدہ نہ ہونا چاہیے — اگر تو غور سے دیکھے تو شاید تیری بھلائی اسی میں ہو

ہر کو نکند فہمے ایں کلکِ خیال انگیز — نقشش بتراش ار خود صورتگرِ چیں باشد
اس خیال انگیز، قلم کو جو نہ سمجھے — اس کا نقش کاٹ پھینک خواہ وہ چین کا نقاش ہو

جامِ مے وخونِ دل ہر یک بکسے دادند — در دائرۂ قسمت اوضاع چنیں باشد
شراب کا جام اور دل کا خون، ہر ایک کسی ایک کو دیا ہے — تقسیم کے دائرے میں اسی طرح کی صورتیں ہوتی ہیں

در کارِ گلاب و گل حکمِ ازلی ایں بود — کاں شاہدِ بازاری وایں پردہ نشیں باشد
عرقِ گلاب اور گلاب کے معاملہ میں ازلی حکم یہ تھا — کہ وہ بازاری معشوق، اور یہ پردہ نشین ہو

آں نیست کہ حافظ را مستی رود از خاطر
یہ بات نہیں کہ حافظ کی طبیعت سے رندی نکل جائے
کایں سابقۂ رندی تا روزِ پسیں باشد
اس لیے کہ یہ رندی کا معاملہ آخری دن تک ہوگا

کنوں کہ در چمن آمد گل از عدم بوجود — بنفشہ در قدمِ او نہاد سر بسجود
اب جبکہ چمن میں، پھول عدم سے وجود میں آیا — بنفشہ نے اس کے قدم پر، سجدہ میں سر دھرا

بنوش جامِ صبوحی بنالۂ دف و چنگ — ببوس غبغبِ ساقی بنغمۂ نے و عود
دف اور چنگ کی تان پر، صبح کی شراب کا جام پی — ساقی کے چاہِ غبغب کو بانسری اور سارنگی کے نغمہ پر چوم

بباغ تازہ کن آئینِ دینِ زردشتی — کنوں کہ لالہ برافروخت آتشِ نمرود
زردشتی دین کی رسموں کو، باغ میں تازہ کر — اب، جبکہ لالہ نے نمرود کی آگ روشن کی ہے

ز دستِ شاہدِ سیمیں عذارِ عیسیٰ دم — شراب نوش و رہا کن حدیثِ عاد و ثمود
چاندی جیسے رخسار والے، عیسیٰ جیسے سانس والے معشوق کے ہاتھ سے — شراب پی، اور عاد و ثمود کے قصوں کو چھوڑ

جہاں چو خلدِ بریں شد بدورِ سوسن و گل — ولے چہ سود کہ در وے نہ ممکنست خلود
سوسن اور گل کے دور میں دنیا بہشت ہوگئی ہے — لیکن کیا فائدہ کہ اس میں ہمیشگی ممکن نہیں ہے

شد از فروغِ ریاحیں چو آسماں گلشن — ز یمنِ اخترِ میمون و طالعِ مسعود
پھولوں کے فروغ سے گلشن آسمان کی طرح ہوگیا ہے — مبارک ستارے اور نیک نصیبہ کی برکت سے

چو گل سوار شود بر ہوا سلیماں وار — سحر کہ مرغ در آید بنغمۂ داؤد
جب پھول، سلیمان کی طرح ہوا پر سوار ہوتا ہے — صبح کے وقت پرندے نغمۂ داؤدی شروع کر دیتے ہیں

بدورِ گل منشیں بے شراب و شاہد و چنگ — کہ ہمچو دورِ بقا ہفتۂ بود معدود
پھول کے موسم میں شراب اور معشوق اور چنگ کے بدون نہ بیٹھ — اس لئے کہ زندگی کی طرح ایک ہفتہ بھی، گنا چنا ہے

۱۔ پاکیزہ شعر اس کو متاثر کرتا ہے جو غمِ دنیا سے فارغ ہو۔
۲۔ انگشتری زنہار وہ انگوٹھی ہوتی ہے جو قتلِ عام کے حکم کے وقت بادشاہ کسی ایسے شخص کو دیدیتا ہے جس کو پناہ دینی ہو، اس انگوٹھی کو دیکھ کر ہر سپاہی اس کے قتل سے رک جاتا ہے۔
۳۔ ملامت بھی عشق کی زیادتی کا سبب بنتی ہے تو عاشق کا اسی میں فائدہ ہے کہ اسکو ملامت کی جاتی رہے۔
۴۔ یہ شعر مجمل [illegible]
۵۔ پھول بازاروں میں بکتا ہے اور محفلوں میں سجایا جاتا ہے، عرقِ گلاب کو مراحی میں گھر میں رکھا جاتا ہے۔
۶۔ حافظ نے اس غزل میں عماد الدین محمود کا ذکر کیا ہے جو اسحاق کا وزیر تھا جو شاہ شجاع کے دور میں بغداد کے ایام میں مارا گیا۔ اس غزل میں اس کو آصفِ دوراں کہا ہے، بنفشہ عموماً گلاب کے تختوں کے درمیان بھری جاتی ہے اسی لئے اسکو پھول کے لیے سربسجود قرار دیا۔
۷۔ زردشت آتش پرستوں کے مذہب کا بانی ہے۔ مجوس اسکی کتاب ژند کو آسمانی کتاب مانتے ہیں۔

۸۔ یہ دونوں قومیں نافرمانیوں کیوجہ سے ہلاک کردی گئی تھیں ۹۔ ایک جھونکے میں ہے ادھر سے ادھر یہ چاردن کی بہار ہے دنیا۔ ۱۰۔ حضرت داؤد جو حضرت سلیمان کے والد تھے نہایت خوش الحان تھے۔

بیار جام لبالب بیادِ آصفِ عہد
آصفِ زمانہ کی یاد پر، بھرا ہوا جام لا

وزیرِ مُلکِ سلیماں عمادِ دیں محمود
جو مُلکِ سلیمان کا وزیر عماد الدین محمود ہے

بود کہ مجلس حافظ بیُمنِ تربیتش
ہو سکتا ہے کہ اس کی تربیت کی برکت سے حافظ کی مجلس

ہر آنچہ می طلبد جملہ باشدش موجود
جو کچھ چاہتی ہے وہ سب اس کے لئے موجود ہو جائے

کارم[1] ز دورِ چرخ بساماں نمیرسد
آسمان کی گردش سے، میرا کام سامان کو نہیں پہونچتا ہے

خوں شد دلم ز درد و بدرماں نمیرسد
میرا دل درد کی وجہ سے خون ہو گیا، اور علاج تک نہیں پہونچتا ہے

چوں خاکِ راہ پست شدم ہمچو باد و باز
میں راستہ کی گرد و باد کی طرح پست ہو گیا، پھر بھی

تا آبِ رو نمیرود م ناں نمیرسد
جب تک میری آبرو نہیں جاتی روٹی نہیں پہونچتی ہے

از دستبردِ جورِ زماں اہلِ فضل را
اہلِ کمال کے لئے زمانہ کے ظلم کی دست درازی پر

ایں[2] غصہ بس کہ دست سوئے جاں نمیرسد
یہی رنج کافی ہے کہ جان تک ہاتھ نہیں پہونچتا ہے

سیرم زجانِ خود بدلِ راستاں ولے
سچوں کے دل کی قسم میں زندگی سے دل بھر چکا ہے لیکن

بیچارہ راچہ چارہ کہ فرماں نمیرسد
بیچارے کے لئے کیا تدبیر ہے کہ حکم نہیں پہونچتا ہے

تا صد[3] ہزار خار نمی روید از زمیں
جب تک زمین سے لاکھوں کانٹے نہیں اُگتے ہیں

از گلبنے گلے بگلستاں نمیرسد
شاخ سے کوئی پھول بھی باغ کو نہیں ملتا ہے

یعقوب را دو دیدہ ز حسرت سفید شد
حضرتِ یعقوب کی دونوں آنکھیں حسرت سے سفید ہو گئیں

آوازہ ز مصر بکنعاں نمیرسد
مصر سے کنعان تک کوئی شہرت نہیں پہونچتی ہے

یک[4] پارہ نمی کنم از ہیچ استخواں
کسی ہڈی سے پیٹ کا ایک ٹکڑا بھی میں نہیں الگ کرتا ہوں

تا صد ہزار زخم بدنداں نمیرسد
جب تک دانتوں پر ایک لاکھ زخم نہیں لگتے ہیں

از حشمت اہلِ جہل بکیواں رسیدہ اند
جاہل، دولت کی وجہ سے ساتویں آسمان پر پہونچے ہیں

جز آہِ اہلِ فضل بکیواں نمیرسد
اہلِ فضل کی آہ کے سوا ساتویں آسمان تک کچھ نہیں پہونچتا ہے

صوفی بشوی زنگِ دلِ خود بآبِ مے
اے صوفی، اپنے دل کے زنگ کو شراب کے پانی سے دھو

زیں شست و شوئے خرقہ غفراں نمیرسد
چوغہ کے دھونے، پچھاڑنے سے مغفرت حاصل نہیں ہوتی ہے

حافظ صبور باش کہ درراہِ عاشقی
اے حافظ صابر بن اس لیے کہ عاشقی کے راستہ میں

ہر کس کہ جاں نداد بجاناں نمیرسد
جس شخص نے جان نہیں دی معشوق تک نہیں پہونچتا ہے

کیند[6] آں دو کہ مست و خراب میگردند
وہ دو کون ہیں، جو مست، اور بیہوش گھوم رہے ہیں

نشستہ پشت بر آفتاب میگردند
آفتاب کی پشت پر بیٹھے ہوئے گھوم رہے ہیں

دو ترک زادہ و خرگہ نشینِ سرمستند
دو ترک زادے، اور خیمہ نشین، مست ہیں

بسانِ ساقی و جامِ شراب میگردند
ساقی، اور شراب کے جام کی طرح گھوم رہے ہیں

[1] صلہ کا بہت لطیف تقاضہ ہے
[2] اس غزل میں حافظ نے زمانہ کی ناقدر شناسی کا شکوہ کیا ہے۔
[3] ناقدری کے باوجود اپنے آپ کو ختم بھی نہیں کر سکتے ہیں۔
[4] لاکھوں خار اُگنے کے بعد کہیں پھول اُگتا ہے زمانہ میں نااہلوں کی کمی نہیں ہے۔
[5] معمولی سی چیز کے لئے بھی ہزاروں مصیبتیں بھرنی پڑتی ہیں۔
[6] ہر شعر میں دو ترکے محبوب کی دونوں آنکھیں مراد ہیں اور ہر شعر میں ان کی ہی تشبیہات ذکر کی گئی ہیں۔

دو بحر بَیند کہ در عینِ آب میباشند | چو آفتاب بجائے خراب میگردند
دو سمندری ہیں، جو بالکل پانی میں رہتے ہیں | آفتاب کی طرح، خراب جگہ گھوم رہے ہیں

دو صوفیند کہ در دلق ازرق مُدام | درونِ صومعہ مست و خراب میگردند
دو صوفی ہیں، جو ہمیشہ نیلی، گدڑی میں ہیں | عبادت خانہ میں مست، اور مدہوش گھوم رہے ہیں

دو دُزدِ رہزن و دو تُرکِ شوخ عیّارند | بگردِ نقدگہِ شیخ و شاب میگردند
دو ڈاکو چور ہیں، دو چالاک شریر ترک ہیں | بوڑھے، اور نوجوان کے خزانہ کے گرد گھوم رہے ہیں

دو شیر گیر چو روباہ خوش فریبانند | بگاہِ صبح و گہِ ماہتاب میگردند
دو شیر کو پھانسنے والے، لومڑی کی طرح بہترین چالاکی کرنیوالے | صبح کے وقت، اور چاندنی کے وقت گھوم رہے ہیں

دو زنگیند کہ ملّاح وار گردِ محیط | بسانِ زورقِ سیمیں بر آب میگردند
دو حبشی ہیں، کہ سمندر کے چاروں طرف، ملّاح کی طرح | چاندی کی کشتی کی طرح، پانی پر گھوم رہے ہیں

دو نازنینِ بلاجوئے فتنہ انگیزند
دو نازوں کے پالے، بلاجو، فتنہ انگیز ہیں

بقصدِ حافظِ مسکیں شتاب میگردند
مسکین، حافظ کے ارادے سے تیز گھوم رہے ہیں

گر میفروش حاجتِ رنداں روا کند | ایزد گنہ ببخشد و دفعِ بلا کند
اگر شراب فروش، رندوں کی حاجت روائی کرے | خدا گناہ بخش دیگا، اور مصیبت دفع کردے گا

در کارخانہ کہ رہِ علم و عقل نیست | وہمِ ضعیف رائے فضولی چرا کند
جس کارخانہ میں علم، اور عقل کا راستہ نہیں ہے | کمزور وہم، بے کار رائے کیوں دے؟

مُطرب بساز عود کہ کس بے اجل نمُرد | واں کو نہ ایں ترانہ سراید خطا کند
مُطرب سارنگی بجا کہ بے موت کوئی نہیں مرا | اور وہ جو یہ گانا نہیں گاتا، غلطی کرتا ہے

گر رنج پیشت آید و گر راحت اے حکیم | نسبت مکن بغیر کہ اینہا خدا کند
اے سمجھدار! خواہ تجھے رنج پیش آئے یا راحت | دوسرے کی طرف نسبت نہ کر، اس لیے کہ یہ سب خدا کرتا ہے

مارا کہ دردِ عشق و بلائے خمار ہست | یا وصلِ دوست یا مئے صافی دوا کند
ہمیں، جو عشق کا درد، اور اعضا رشکنی کی مصیبت ہے | دوست کا وصل یا صاف شراب، اس کی دوا کر سکتی ہے

حقا کہ در زماں برسد مژدۂ اماں | گر سالکے بعہدِ امانت وفا کند
یقیناً، فوراً امن کی خوش خبری پہونچ جائے | اگر کوئی سالک، امانت کے عہد کو پورا کرے

ساقی بجامِ عدل بدہ بادہ تا گدا | غیرت نیاورد کہ جہاں پُر بلا کند
اے ساقی! انصاف کے پیمانہ سے شراب دے تاکہ فقیر کو | غیرت آمادہ نہ کرے کہ وہ دنیا کو مصیبت سے بھردے

جاں رفت در سرِ مے و حافظ زغصّہ سوخت
شراب کے خیال میں جان چلی گئی اور حافظ رنج سے جل مرا

عیسیٰ دمے کجاست کہ احیائے ما کند
عیسیٰ جیسے سانس والا کہاں ہے، جو ہمیں زندہ کرے

---

۱ نقد گہ سے خزانۂ دل مراد ہے۔
۲ جس کارخانہ میں عقل کی رسائی نہیں ہے وہاں وہم کیا کام کر سکتا ہے۔
۳ شعر: روزیکہ قضا ہست [illegible]
۴ شعر: [illegible]
۵ دردِ عشق کا علاج وصلِ دوست اور خمار کی دوا شراب ہے۔
۶ فقرا کا غصہ و غضب بسا اوقات دنیا کو مصیبت میں ڈال دیتا ہے۔

گفتم کیم دہان ولبت کامراں کنند
میں نے کہا، تیرا منہ اور ہونٹ مجھے کب کامیاب کریں گے

گفتا بچشم ہر چہ تو گوئی ہماں کنند
اس نے کہا، بسروچشم جو تو کہے گا وہ وہی کریں گے

گفتم خراج مصر طلب میکند لبت
میں نے کہا، تیرے ہونٹ مصر کا خراج طلب کرتے ہیں

گفتا دریں معاملہ کمتر زیاں کنند
اس نے کہا، اس معاملہ میں ٹوٹا نہیں دیتے ہیں

گفتم بنقطۂ دہنت خود کہ برد راہ
میں نے کہا، تیرے منہ کے نقطہ سا کس کو راستہ ملا ہے

گفت ایں حکایتیست کہ بانکتہ داں کنند
اس نے کہا، یہ وہ بات ہے جو نکتہ دانوں سے کرتے ہیں

گفتم صنم پرست مشو با صمد نشیں
میں نے کہا بت پرست نہ بن، خدا کا ہم نشیں بن

گفتا بکوئے عشق ہم ایں و ہم آں کنند
اس نے کہا، عشق کے کوچہ میں یہ بھی اور وہ بھی کرتے ہیں

گفتم ہوائے میکدہ غم میبرد ز دل
میں نے کہا، شراب خانہ کی محبت دل سے غم کو نکال دیتی ہے

گفتا خوش آں کساں کہ دلے شادماں کنند
اس نے کہا وہ کیسے اچھے ہیں جو کسی دل کو خوش کرتے ہیں

گفتم شراب و خرقہ نہ آئینِ مذہب ست
میں نے کہا، شراب اور گدڑی یہ مذہبی طریقہ نہیں ہے

گفت ایں عمل بمذہب پیرِ مغاں کنند
اس نے کہا یہ کام پیر مغاں کے مذہب پر کرتے ہیں

گفتم ز لعلِ نوش لباں پیر را چہ سود
میں نے کہا، شیریں ہونٹ والوں کے تعلق سے بوڑھے کو کیا فائدہ

گفتا ببوسۂ شکرینش جواں کنند
اس نے کہا، میٹھے بوسے سے اس کو جوان کرتے ہیں

گفتم کہ خواجہ کے بسرِ حجلہ میرود
میں نے کہا، کہ خواجہ چھپرکھٹ کے پاس کب جائے گا؟

گفت آں زماں کہ مشتری و مہ قراں کنند
اس نے کہا، اس وقت جب مشتری اور چاند ملیں گے

گفتم دعائے دولتِ تو وردِ حافظ ست
میں نے کہا، تیری دولت کی دعا حافظ کا وظیفہ ہے

گفت ایں دعا ملائکِ ہفت آسماں کنند
اس نے کہا، ساتوں آسمانوں کے فرشتے یہ دعا کرتے ہیں

گر من از باغِ تو یک میوہ بچینم چہ شود
میں اگر تیرے باغ سے ایک میوہ چن لوں تو کیا ہو جائیگا؟

پیش پائے بچراغِ تو بہ بینم چہ شود
تیرے چراغ سے، ترا رستہ دیکھ لوں تو کیا ہو جائیگا؟

یارب اندر کنفِ سایۂ آں سروِ بلند
اے خدا اس بلند سرو کے سایہ کے پہلو میں

گر من سوختہ یکدم بنشینم چہ شود
اگر میں جلا ہوا، تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ جاؤں تو کیا ہو جائیگا؟

آخر اے خاتمِ جمشید سلیماں آثار
اے سلیمان آثار والی، جمشید کی انگشتری!

گر فتد عکسِ تو بر لعلِ نگینم چہ شود
اگر تیرا سایہ میرے نگ کے لعل پر پڑ جائے گا تو کیا ہو جائے گا؟

زاہدِ شہر چو مہرِ ملک و شحنہ گزید
شہر کے زاہد نے جبکہ بادشاہ اور کوتوال کی محبت اختیار کر لی

من اگر مہر نگارے بگزینم چہ شود
میں اگر ایک معشوق کی محبت اختیار کر لوں تو کیا ہو جائے گا؟

صرف شد عمرِ گرانمایہ بمعشوقہ و مے
قیمتی عمر معشوق، اور شراب میں صرف ہو گئی

تا از آنم چہ بہ پیش آید ازینم چہ شود
دیکھئے! اس سے مجھے کیا پیش آئے اس سے مجھے کیا ہو

عقلم از خانہ بدر رفت و اگر مے اینست
میری عقل گھر سے چلی گئی، اور اگر شراب یہی ہے

دیدم از پیش کہ در خانۂ دینم چہ شود
تو میں پہلے ہی سمجھ گیا کہ میرے دین کے خانہ میں کیا ہوگا؟

۱؎ شعر
ہر دو عالم قیمتِ خود گفتۂ
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

۲؎ عشق کے کوچہ میں
صنم پرستی اور صمد پرستی
دونوں چیزیں ہوتی ہیں۔

۳؎ شراب اور گدڑی کا
اجتماع جائز نہیں ہے

۴؎ زہرہ اور مشتری کا یا
چاند اور زہرہ کا یا چاند
اور مشتری کا ایک برج
میں جمع ہو جانا قران السعدین
کہلاتا ہے جو کام شروع
کرنے کے لئے بہت
مبارک وقت خیال
کیا جاتا ہے۔

۵؎ ان باتوں میں تیرا
کوئی نقصان
نہیں اور
میری
زندگی ہے۔

۶؎ جب زاہد،
بادشاہ اور کوتوال سے
محبت کر سکتا ہے تو میرا
معشوق سے محبت کرنا
کونسی بری بات ہے۔

۷؎ جوانی معشوق اور
شراب میں کٹی دیکھئے
بڑھاپا کس حالت میں
گزرتا ہے اور انجام
کیا ہوتا ہے۔

۸؎ شراب نے بے عقل
تو بنا دیا، بے دین
بھی بنا کر چھوڑے
گی۔

منکه[1] در کوے بتاں منزل و ماوا دارم
میں جوکہ معشوقوں کے کوچے میں منزل اور مقام رکھتا ہوں
گر دہی جائے بفردوس بریںم چہ شود
اگر تو مجھے فردوس بریں میں جگہ دیدے گا، تو کیا ہو جائیگا!

خواجہ دانست کہ من عاشقم و ہیچ نگفت
آقا نے جان لیا کہ میں عاشق ہوں اور اس نے کچھ نہ کہا
حافظ ار نیز بداند کہ چنینم چہ شود
حافظ بھی اگر جان لیگا، کہ میں ایسا ہوں تو کیا ہو جائیگا!

گداخت جاں کہ شود کارِ دل تمام و نشد
جان پگھل گئی کہ دل کا کام مکمل ہو، اور نہ ہوا
بسوختیم دریں آرزوئے خام و نشد
اس ناقص آرزو میں، ہم جل گئے، اور وہ پوری نہ ہوئی

فغاں کہ در طلبِ گنجِ گوہرِ مقصود
فریاد ہے کہ گوہر مقصود کے خزانہ کی تلاش میں
شدم خراب جہانے زغم تمام و نشد
کمل غم سے میں تمام دنیا میں خراب ہوا اور وہ نہ ملا

دریغ[2] و درد کہ در جستجوئے گنجِ حضور
افسوس اور درد ہے کہ حضوری کے خزانہ کی تلاش میں
بسے شدم بگدائی برِ کرام و نشد
بھیک کے لیے بزرگوں کے پاس بہت گیا، اور وہ نہ ملا

بطعنہ[3] گفت شبے میرِ مجلسِ تو شوم
بطور طعنے کے اس نے کہا کہ کسی رات کو میں تیرا میر مجلس ہونگا
شدم بمجلسِ او کمتریں غلام و نشد
میں اس کی مجلس میں کمترین غلام بن کر گیا، اور یہ نہ ہوا

پیام داد کہ خواہم نشست با رنداں
اس نے پیغام بھیجا کہ میں رندوں کے ساتھ بیٹھوں گا
بشد برندی و دردی کشیم نام و نشد
رندی اور تلچھٹ پینے میں ہمارا نام مشہور ہو گیا، اور یہ نہ ہوا

رواست[4] در بر اگر می طپد کبوترِ دل
اگر دل کا کبوتر پہلو میں تڑپے تو مناسب ہے
کہ دید در رہِ خود پیچ و تابِ دام و نشد
اس لیے کہ اس نے اپنے راستہ میں جال کے پیچ و تاب کو دیکھا اور نہ ہٹا

بکوئے عشق منہ بے دلیلِ راہ قدم
عشق کے کوچہ میں، راہبر بدون قدم نہ رکھ
کہ من بخویش نمودم صد اہتمام و نشد
اس لیے کہ میں نے خود بخود سو اہتمام کیے، اور کچھ نہ ہوا

بداں ہوس کہ بمستی ببوسم آں لبِ لعل
اس ہوس میں کہ مستی میں اس لعل جیسے ہونٹ کا بوسہ لونگا
چہ خوں کہ در دلم افتاد ہمچو جام و نشد
جام کی طرح دل میں کس قدر خون ہوا، اور وہ نہ ہوا

ہزار حیلہ برانگیخت حافظ از سرِ مہر
محبت میں، حافظ نے ہزاروں حیلے کیے
بداں ہوس کہ شود آں حریف رام و نشد
اس ہوس میں کہ وہ یار قابو میں آجائیگا، اور نہ ہوا

گل[5] بے رخِ یار خوش نباشد
یار کے رخ کے بدوں پھول، اچھا معلوم نہیں ہوتا
بے بادہ بہار خوش نباشد
بغیر شراب کے بہار، اچھی نہیں معلوم ہوتی

طرفِ چمن و ہوائے بستاں
چمن کا کنارہ، اور باغ کی ہوا
بے لالہ عذار خوش نباشد
لالہ رخسار کے بدوں، اچھی معلوم نہیں ہوتی

رقصیدنِ سرو و حالتِ گل
سرو کا رقص کرنا، اور پھول کا حال کھلنا
بے صوتِ ہزار خوش نباشد
بلبل کی چہک کے بدون، اچھا معلوم نہیں ہوتا

[1] جبکہ دنیا میں حسینوں کے کوچہ میں قیام ہا آخرت میں بھی حوروں کی بستی میں جگہ ملنی چاہیے۔

[2] بہت سے سخیوں کے پاس گیا کہ وہ محبوب کے دربار کی حاضری عنایت کردیں لیکن محروم رہا۔

[3] اس نے طنزاً کہا تھا ہم نے پھر بھی اس کو صحیح مانا، مجلس کی غلامی کی لیکن وہ جلوہ افروز نہوا۔

[4] خوب تڑپے، خود کردہ را علاجے نیست۔

[5] شعر
عہد کردیم کہ بے دوست بصحرا نرویم
بے تماشاگہ رویش بتماشا نرویم

باغ و گل و مُل خوشست لیکن — بے صحبتِ یار خوش نباشد

باغ، پھول اور شراب اچھی چیزیں ہیں، لیکن — دوست کی صحبت کے بدوں، اچھی معلوم نہیں ہوتیں

ہر نقش کہ دستِ عقل بندد — بے نقشِ نگار خوش نباشد

عقل کا ہاتھ، جو نقش بھی بنائے — معشوق کے نقش کے بدون، اچھا معلوم نہیں ہوتا

با یارِ شکر لبِ گُل اندام — بے بوس و کنار خوش نباشد

شکر لب، پھول جیسے جسم والے، دوست کے ساتھ — بوسہ، اور بغلگیر ہونے کے علاوہ کچھ اچھا معلوم نہیں ہوتا

جاں نقدِ محقّرست حافظ

اے حافظ! جان حقیر سا نقد ہے

از بہرِ نثار خوش نباشد

نچھاور کرنے کے لیے، اچھی معلوم نہیں ہوتی

گفتم غمِ تو دارم گفتا غمت سر آید — گفتم کہ ماہِ من شو گفتا اگر بر آید

میں نے کہا مجھے تیرا غم ہے، اس نے کہا تیرا غم ختم ہو جائے گا — میں نے کہا میرا چاند بنجا، اس نے کہا، اگر ہو سکا

گفتم ز مہرورزاں رسمِ وفا بیاموز — گفتا ز ماہرویاں ایں کار کمتر آید

میں نے کہا، محبت کرنے والوں سے وفاداری سیکھ لے — اس نے کہا چاند جیسے چہرے والوں سے یہ کام کم ہوتا ہے

گفتم کہ بوئے زلفت گمراہِ عالمم کرد — گفتا کہ بندگی کن ہم اوت رہبر آید

میں نے کہا، تیری زلف کی خوشبو نے مجھے دنیا بھر کا گمراہ بنادیا — اس نے کہا، غلامی کر، وہی تیری رہبر بن جائے گی

گفتم دلِ رحیمت کے عزمِ صلح دارد — گفتا بکش جفا را تا وقتِ آں بر آید

میں نے کہا، تیرا مہربان دل کب تک صلح کرنے کا ارادہ رکھتا ہے — اس نے کہا، جفا برداشت کر تاکہ اس کا وقت آئے

گفتم کہ بر خیالت راہِ نظر ببندم — گفتا کہ شبروست ایں از راہِ دیگر آید

میں نے کہا، تیرے خیال پر نظر کا راستہ بند کردوں گا — اس نے کہا، یہ تو چور ہے، دوسرے راستہ سے آجائے گا

گفتم خوش آں ہوائے کز باغِ خلد خیزد — گفتا خنک نسیمے کز کوئے دلبر آید

میں نے کہا، وہ ہوا کس قدر بھلی ہے جو جنت کے باغ سے چلے — اس نے کہا، وہ نسیم ٹھنڈی ہے جو معشوق کے کوچے سے آئے

گفتم کہ نوشِ لعلت ما را بآرزو کشت — گفتا تو بندگی کن کاں بندہ پرور آید

میں نے کہا، تیرے ہونٹ کی شیرینی نے ہمیں آرزو میں مارڈالا — اس نے کہا، تو بندگی کر، کیونکہ وہی بندہ پرور بنے گی

گفتم زمانِ عشرت دیدی کہ چوں سر آمد

میں نے کہا، تُونے دیکھا عیش کا زمانہ کیسا ختم ہوگیا

گفتا خموش حافظ کایں غصہ ہم سر آید

اس نے کہا، اے حافظ خاموش، یہ رنج بھی ختم ہو جائے گا

گوہرِ مخزنِ اسرار ہمانست کہ بود — حُقّۂ مہر بداں مُہر و نشانست کہ بود

اسرار کے خزانے کا موتی، وہی ہے جو تھا — محبت کی ڈبیہ اسی مہر اور نشان کے ساتھ ہے، جو تھی

از صبا پرس کہ ما را ہمہ شب تا دمِ صبح — بوئے زلفِ تو ہماں مونسِ جانست کہ بود

صبا سے دریافت کرے کہ ہمارے لئے پوری رات صبح تک — تیری زلف کی خوشبو اسی طرح جان کی مونس رہی جیسے کہ تھی

---

۱ وصل کی امید دلائی۔
۲ عاشقوں سے وفاداری کرنا سیکھ لے۔
۳ زلف ہی ہدایت کا سبب بن جائیگی۔
۴ جب بھی صلح کا وقت ہوگا صلح ہو جائے گی۔
۵ تیرا خیال آنکھوں کے راستہ سے دل میں جاتا ہے اس کا یہ راستہ بند کردونگا۔
۶ شعر [illegible]
۷ ازل سے جو دل تھا وہی ہے، اس میں جس طرح محبت بھری ہوئی تھی اسی طرح بھری ہے۔
۸ صبا گواہ ہے کہ ہماری محبت میں کوئی فرق نہ آیا۔

طالبِ[۱] لعل و گہر نیست وگرنہ خورشید
لعل اور گوہر کا کوئی طلبگار نہیں ہے ورنہ سورج

ہمچناں در عملِ معدن و کانست کہ بود
معدن اور کان کے کام میں اسی طرح لگا ہے جیسا کہ تھا

رنگِ[۲] خون دل ما را کہ نہاں کرد خطت
ہمارے دل کے خون کا رنگ جسے تیرے خط نے پوشیدہ کر دیا

ہمچناں از لبِ لعلِ تو عیانست کہ بود
تیرے لعل جیسے ہونٹ سے اسی طرح ظاہر ہے جیسا کہ تھا

عاشقاں[۳] محرمِ اسرارِ امانت باشند
عاشق تو، امانت کے رازوں کے محرم ہوتے ہیں

لاجرم چشمِ گہربار ہمانست کہ بود
لیکن آنکھ تو، آنسو بہانے والی وہی ہے جو تھی

کشتۂ غمزۂ خود را بزیارت می آی
تو اپنی ادا کے شہید کی زیارت کو آ

زانکہ بیچارہ ہماں دل نگرانست کہ بود
اس لیے کہ بیچارہ دل اسی طرح منتظر ہے جیسا کہ تھا

زلفِ ہندوئے تو گفتم کہ دگر رہ نزند
میں نے سمجھا کہ تیری کافر زلف پھر ڈاکہ نہ ڈالے گی

سالہا رفت و بداں سیرت و شانست کہ بود
سالوں گذر گئے، اور اسی عادت اور شان سے ہے، کہ تھی

حافظا باز نما قصۂ خونابۂ چشم
اے حافظ! آنکھوں کے خون بہانے کا معاملہ پھر دکھا

کہ دریں چشمہ ہماں آب روانست کہ بود
اس لیے کہ اس چشمہ میں وہی پانی جاری ہے، جو تھا

گفتم کہ خطا کردی و تدبیر نہ ایں بود
میں نے کہا، تو نے غلطی کی، اور تدبیر یہ نہ تھی

گفتا چہ تواں کرد کہ تقدیر چنیں بود
اس نے کہا، کیا کیا جائے تقدیر ایسے ہی تھی

گفتم کہ خدا داد مرادت بوصالش
میں نے کہا، خدا نے اُسکے وصال کیلئے تیری مراد پوری کر دی

گفتا کہ مرادم بوصالش نہ ہمیں بود
اس نے کہا، اس کے وصال سے میری مراد صرف یہی نہیں تھی

گفتم کہ قرینِ بدت افگند بدیں روز
میں نے کہا، تیرے کس بُرے ساتھی نے تجھے یہ دن دکھایا ہے

گفتا کہ مرا بختِ بدِ خویش قریں بود
اس نے کہا، میرا بُرا نصیبہ ہی بُرا ساتھی تھا

گفتم ز من اے ماہ چرا مہر بریدی
میں نے کہا، اے چاند! مجھ سے محبت کیوں توڑ لی

گفتا کہ فلک با منِ بد مہر بکیں بود
اس نے کہا، مجھ نامہربان سے آسمان کو کینہ تھا

گفتم کہ بسے جامِ طرب خوردی ازیں پیش
میں نے کہا، اس سے پہلے تو تو نے مستی کے بہت سے جام پیے ہیں

گفتا کہ شفا در قدحِ بازپسیں بود
اس نے کہا، شفا، آخری پیالے میں تھی

گفتم کہ تو اے عمر چرا زود برفتی
میں نے کہا، اے عمر! تو اس قدر جلدی کیوں گذر گئی

گفتا کہ فلانے چکنم عمر ہمیں بود
اس نے کہا، اے فلانے میں کیا کروں، عمر ہی اتنی تھی

گفتم کہ بسے خطِ جفا بر تو کشیدند
میں نے کہا، انھوں نے تیرے اوپر ظلم کے بہت سے خط کھینچے

گفتا ہمہ آں بود کہ بر لوحِ جبیں بود
اس نے کہا، سب کچھ وہ تھا جو پیشانی کی تختی پر تھا

گفتم کہ نہ وقتِ سفرت بود چنیں زود
میں نے کہا، اس قدر جلد تیرے سفر کا وقت نہ تھا

گفتا کہ مگر مصلحتِ وقت چنیں بود
اس نے کہا، لیکن وقت کی مصلحت یہی تھی

گفتم کہ ز حافظ بچہ علت شدہ دور
میں نے کہا، تو حافظ سے کیوں دور ہو گیا؟

گفتا کہ ہمہ وقت مرادا عبہ ایں بود
اس نے کہا، یہ میری ہمیشہ کی خواہش تھی

---

[۱] لعل اور گوہر کے طلبگار ختم ہو گئے ورنہ سورج تو کانوں میں برابر لعل و گوہر بنا رہا ہے۔

[۲] محبوب کے رخسار اور ہونٹ عاشق کے دل کے خون سے رنگین تھے خط نکل آنے سے رخسار کا رنگ تو چھپ گیا ہونٹوں کی وہی سُرخی باقی ہے۔

[۳] عاشق تو راز عشق کو پوشیدہ رکھنا چاہتے ہیں لیکن آنکھ آنسو بہا کر راز افشا کر دیتی ہے۔

[۴] [illegible]

[۵] برابر راہ زنی کر رہی ہے۔

[۶] آنکھیں بدستور خونباری کر رہی ہیں۔

[۷] اس غزل میں گویا ایک عاشق مرتے وقت خود اپنی جان سے سوال و جواب کر رہا ہے۔

گرچہ بر واعظِ شہر ایں سخن آساں نشود
خواہ شہر کے واعظ کے لئے یہ بات آسان نہ ہو
تا ریا ورزد و سالوس مسلماں نشود
جب تک ریا، اور مکاری کرے گا مسلمان نہ ہوگا

رندی آموز و کرم کن کہ نہ چنداں ہنرست
رندی سیکھو، اور بخشش کر اس لئے کہ کوئی ہنر نہیں ہے
حیوانے کہ ننوشد مے و انساں نشود
اس جانور کے لئے جو شراب نہ پیے گا اور انسان نہ بنے

گوہرِ پاک بباید کہ شود قابلِ فیض
فیض کے قابل ہونے کے لئے پاک جوہر چاہیے
ورنہ ہر سنگ و گلے لؤلؤ و مرجاں نشود
ورنہ ہر پتھر اور مٹی، موتی، اور مونگا نہیں بنتا

اسمِ اعظم بکند کارِ خود اے دل خوش باش
اے دل خوش رہ، اسم اعظم اپنا کام کرتا ہے
کہ بہ تلبیس و حیل دیو مسلماں نشود
اس لئے کہ مکاری اور حیلہ بازی سے شیطان مسلمان نہیں بنتا

دردمندیکہ کند درد نہاں پیشِ طبیب
وہ مریض جو اپنا مرض طبیب کے سامنے چھپائے
دردِ او بے سببے قابلِ درماں نشود
اس کا درد بیشک علاج کے قابل نہیں ہوتا

عشق می ورزم و امید کہ ایں فنِ شریف
میں عشق اختیار کرتا ہوں اور یہ امید ہے کہ یہ شریف فن
چوں ہنر ہائے دگر موجبِ حرماں نشود
دوسرے ہنروں کی طرح، محرومی کا سبب نہ ہوگا

دوش میگفت کہ فردا بدہم کامِ دلت
وہ کل رات کہہ رہا تھا کہ کل کو تیرے دل کا مقصد پورا کر دوں گا
سببے ساز خدایا کہ پشیماں نشود
اے خدا! ایسا سبب پیدا کر دے کہ وہ شرمندہ نہ ہو

حسنِ خلقے ز خدا می طلبم خوئے ترا
میں خدا سے تیری عادت کے لئے حسنِ خلق طلب کرتا ہوں
تا دگر خاطرِ ما از تو پریشاں نشود
تاکہ پھر تجھ سے ہماری طبیعت پریشان نہ ہو

ہر کہ در پیشِ بتاں از سرِ جاں میلرزد
جو معشوقوں کے سامنے، جان جانے کے خیال سے کانپتا ہے
بے تکلف تنِ او لائقِ قرباں نشود
بیشک اس کا جسم قربان ہونے کے لائق نہیں ہوتا

ذرہ را تا نبود ہمتِ عالی حافظ
اے حافظ! جب تک ذرہ بلند ہمت نہ ہو
طالبِ چشمۂ خورشیدِ درخشاں نشود
روشن آفتاب کے چشمہ کا طالب نہیں ہوتا

گرچہ از غمزہ بتم زخمے بدل کاری کند
اگرچہ میرا محبوب، غمزہ سے دل پر کاری زخم لگاتا ہے
گاہ گاہ از مرہم باشد کہ دلداری کند
ہو سکتا ہے کہ کبھی کبھی مرہم سے میری دلداری کرے

گر نباشد از مے لعلِ تو بوئے در مشام
اگر تیرے ہونٹ کی شراب کی بو دماغ میں نہ ہو
عاشقاں را دیدہ دائم کارِ خماری کند
عاشقوں کی آنکھ، ہمیشہ خماری کا کام کرے

زاہدے را ذوق گر ہمچو منے حاصل شود
اگر زاہد کو مجھ جیسوں کا ذوق حاصل ہو جائے
مست می آید ہمہ توبہ ز ہشیاری کند
شراب سے مست ہو جائے اور ہوشیاری سے بالکل توبہ کرے

ہم ستانم دادِ مے ہم میکنم مستانہ رقص
شراب نوشی کی بھی داد حاصل کروں اور مستانہ رقص بھی کروں
ساقیا آں مطرب امروز اگر یاری کند
اے ساقی! اگر وہ مطرب آج میری مدد کرے

تا خورد از دستِ تو جامِ صبوحی یک صباح
تاکہ کسی صبح کو تیرے ہاتھ سے صبوحی کا جام پی لے
اہلِ تقویٰ ہر شبے تا صبح بیداری کند
متقی، ہر رات کو صبح تک بیداری کرتا ہے

۱؎ واعظ شہر کے لیے اگرچہ یہ آسان بات نہیں ہے لیکن وہ مسلمان جب ہی بنے گا جب مکاری چھوڑ دے گا۔
۲؎ شراب نوشی بدون انسان کا جانور ہے۔
۳؎ اگر طبیعت میں صلاحیت نہیں ہے تو فیض حاصل نہیں ہو سکتا ہر پتھر موتی اور مونگا نہیں بن سکتا ہے۔
۴؎ اسم اعظم "اللہ" کا ورد لامحالہ اثر کرتا ہے۔
۵؎ اور ہنر تو محرومی کا سبب ہی ہے، یہ ہنر کام دے گا۔
۶؎ محبوب میں اور خوبیاں تو ہیں دعا ہے کہ حسن خلق بھی حاصل ہو جائے تاکہ ہم مصیبت سے نجات پائیں۔
۷؎ ذرہ سورج سے روشنی حاصل کرتا ہے۔
۸؎ محبوب زخم لگاتا ہے۔ اسی سے مرہم کی بھی امید ہے
۹؎ خمار شراب کو پیالوں میں ڈالتا ہے۔ کارِ خماری جرعہ ریزی یعنی آنکھیں آنسو گراتی رہیں گی۔
۱۰؎ شب بیداری کی وجہ یہ ہے کہ صبح کی شراب ہاتھ آ جائے۔

حافظِ مسکیں غریبک کز پئے او شد خراب
حافظ، مسکین، ادنیٰ غریب، جو اس کے پیچھے ویران ہو گیا

گر رسیدے ساقیا از بادہ معماری کند
اگر ساقی آجائے تو شراب کے ذریعہ آباد کر دے

گر زلفِ پریشانت در دستِ صبا افتد
اگر تیری بکھری ہوئی زلف، صبا کے ہاتھ پڑ جائے

ہر جا کہ دلے باشد بر بادِ ہوا افتد
جہاں کہیں کوئی دل ہو، ہوا میں برباد ہو جائے

ما کشتیِ صبر خود در بحرِ غم افگندیم
ہم نے اپنے صبر کی کشتی غم کے سمندر میں ڈال دی

تا آخر ازیں طوفاں ہر تختہ کجا افتد
دیکھیے! اس طوفان سے ہر تختہ کہاں پہونچے؟

ہر کس[1] بہ تمنائے فال از رُخِ او گیرد
ہر شخص، تمنا میں اس کے رُخ سے فال نکالتا ہے

بر تختۂ فیروزی تا قرعہ کرا افتد
دیکھیے، کامیابی کے تختے پر کس کا قرعہ پڑے؟

آں بادہ کہ دلہا را از غم دہد آزادی
وہ شراب، جو دلوں کو غم سے آزادی دیتی ہے

پر خونِ جگر گردد چوں دور بما افتد
جب ہماری باری آتی ہے، جگر کے خون سے پر ہوتی ہے

گر زلف[2] سیاہت را من مشکِ ختن گفتم
اگر میں نے تیری سیاہ زلف کو ختن کا مشک کہہ دیا

در تاب مشو جاناں در گفتہ خطا افتد
تو اے جاناں غصہ نہ کر، کہنے میں غلطی ہو جاتی ہے

حالِ دلِ حافظ شد از دستِ غمِ ہجرت
تیرے ہجر کے غم کے ہاتھوں، حافظ کے دل کا حال ایسا ہو گیا ہے

چوں عاشقِ سرگرداں کز دوست جدا افتد
جیسا کہ وہ حیران عاشق، جو دوست سے جدا ہو جائے

مرا[3] بہ رندی و عشق آں فضول عیب کند
مجھ پر رندی اور عشق کا وہی فضول شخص عیب لگاتا ہے

کہ اعتراض بر اسرارِ علمِ غیب کند
جو علمِ غیب کے رازوں پر اعتراض کرتا ہے

کمالِ[4] صدق و محبت ببیں نہ نقصِ گناہ
سچائی اور محبت کے کمال کو دیکھ، نہ کہ گناہ کے عیب کو

کہ ہر کہ بے ہنر افتد نظر بعیب کند
اس لیے کہ جو بے ہنر ہوتا ہے اس کی نظر عیب پر پڑتی ہے

چناں بزد رہِ اسلام غمزۂ ساقی
ساقی کی ادا نے اسلام پر ایسا ڈاکہ مارا

کہ اجتناب ز صہبا مگر صہیب[5] کند
کہ اب شاید، صہیبؓ ہی شراب سے بچ سکے

ز عطرِ حورِ بہشت آں زماں بر آید بوئے
بہشت کی حور کے عطر سے اسی وقت خوشبو آئے گی

کہ خاکِ میکدۂ ما عبیرِ جیب کند
جبکہ ہمارے شراب خانہ کی خاک کو گریبان کی خوشبو بنائے

کلیدِ[6] گنجِ سعادت قبولِ اہلِ دل ست
سعادت کے خزانہ کی کنجی اہلِ دل کے یہاں مقبول ہونا ہے

مباد کس کہ دریں نکتہ شک و ریب کند
ایسا نہ ہو کہ اس نکتہ میں کوئی، شک اور شبہ کرے

شبانِ[7] وادیِ ایمن گہے رسد بمراد
وادیِ ایمن کا گڈریا اس وقت مراد کو پہونچتا ہے

کہ چند سال بجاں خدمتِ شعیب کند
جبکہ چند سال دل سے، شعیب کی خدمت کرے

ز دیدہ خوں بچکاند فسانۂ حافظ
حافظ کا قصہ، آنکھوں سے خون ٹپکا دیتا ہے

چو یادِ عہدِ شباب و زمانِ شیب کند
جب وہ جوانی کے وقت، اور بڑھاپے کے زمانہ کی یاد دلاتا ہے

---

[1] ہر شخص اُسکے رخ کی تمنا میں فال نکال رہا ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ قرعہ کس کے نام کا نکلے۔

[2] زلف کو مشکِ ختن کہنا بھی زلف کی توہین ہے۔

[3] ہمیں رند بنانے میں بھی خدا کی کوئی مصلحت ہوگی لہٰذا ہماری رندی پر عیب لگانا مناسب نہیں ہے۔

[4] ہنر پر نگاہ ہونی چاہیے عیب بینی بے ہنروں کا کام ہے۔

[5] حضرتِ صہیبؓ کا تقویٰ صحابہ میں ضرب المثل تھا۔

[6] اہلِ دل میں مقبول ہونا سعادت مندی کی دلیل ہے۔

[7] حضرتِ موسیٰؑ نے حضرتِ شعیبؑ کی آٹھ سال بکریاں چرائیں جب کہیں وادیٔ ایمن میں ان کو تجلیات کا مشاہدہ ہوا۔

مژدہ ایدل کہ مسیحا نفسے می آید
اے دل خوشخبری ہو کہ اک مسیحا جیسے سانس والا آتا ہے

کہ ز انفاسِ خوشش بوئے کسے می آید
اس لیے کہ اُس کے بہترین سانسوں سے کسی کی خوشبو آرہی ہے

از غم و درد مکن نالہ و فریاد کہ دوش
غم اور درد سے نالہ اور فریاد نہ کر اس لیے کہ کل رات

زدہ ام فالے و فریاد رسے می آید
میں نے فال نکالی ہے اور ایک فریاد رس آرہا ہے

ز آتشِ[1] وادیِ ایمن نہ منم خرم و بس
وادیٔ ایمن کی آگ سے صرف میں ہی خوش نہیں ہوں

موسیٰ اینجا بامیدِ قبسے می آید
موسیٰ بھی اس جگہ، چنگاری کی اُمید میں آتا ہے

ہیچکس[2] نیست کہ در کوئے تواش کارے نیست
کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کا تیرے کوچہ میں کوئی کام نہ ہو

ہر کس اینجا بامیدِ ہوسے می آید
اس جگہ ہر شخص ایک ہوس کی اُمید میں آتا ہے

کس[3] ندانست کہ منزلگہِ معشوق کجاست
کوئی نہیں جانتا کہ معشوق کی منزل کہاں ہے؟

اینقدر ہست کہ بانگِ جرسے می آید
بس اتنا ہے کہ گھنٹے کی آواز آتی ہے

جرعہ[4] دہ کہ بمیخانۂ اربابِ کرم
ایک گھونٹ دے، اس لیے کہ سخیوں کے شراب خانہ میں

ہر حریفے ز پئے ملتمسے می آید
ہر دوست، ایک آرزو لے کر آتا ہے

خبرِ[5] بلبل ایں باغ مپرسید کہ من
اس باغ کے بلبل کی بات نہ پوچھو اس لیے کہ میں

نالۂ می شنوم کز قفسے می آید
ایک نالہ سن رہا ہوں، جو ایک پنجرے سے آتا ہے

دوست[6] را گر سرِ پرسیدنِ بیمارِ غم ست
اگر دوست کو، غم کے بیمار کو، پوچھنے آنے کا خیال ہے

گو بیا خوش کہ ہنوزش نفسے می آید
تو کہدو خوشی سے آجائے اس لیے کہ ابھی اس کا سانس چل رہا ہے

یار دارد سرِ صیدِ دلِ حافظ یاراں
اے دوستو! محبوب کو حافظ کے دل کے شکار کرنے کا خیال ہے

شاہبازے بشکارِ مگسے می آید
ایک شہباز ایک مکھی کے شکار کے لئے آتا ہے

مطرب[7] عشق عجب ساز و نوائے دارد
عشق کا مطرب، عجب ساز اور آواز رکھتا ہے

نقشِ ہر پردہ کہ زد راہ بجائے دارد
جس پردے کے نقش کو بجاتا ہے ایک خاص مقام کیطرف جاتا ہے

عالم از نالۂ عشاق مبادا خالی
خدا کرے عاشقوں کے نالے سے دنیا خالی نہ ہو

کہ خوش آہنگ و فرح بخش نوائے دارد
کیونکہ وہ عمدہ آواز اور تفریح دینے والی لَے رکھتا ہے

پیرِ دُردی کشِ ما گرچہ ندارد زر و زور
ہمارا تلچھٹ پینے والا پیر، اگرچہ زر اور زور نہیں رکھتا ہے

خوش عطا بخش و خطا پوش خدائے دارد
لیکن اچھا عطا بخش، اور خطا پوش خدا رکھتا ہے

از عدالت[8] نبود دور گرش پرسد حال
اُس کے انصاف سے بعید نہ ہوگا، اگر حال پوچھ لے

پادشاہے کہ بہ ہمسایہ گدائے دارد
وہ بادشاہ جو پڑوس میں ایک فقیر رکھتا ہے

محترم[9] دار دلم کایں مگسِ قند پرست
میرے دل کو محترم رکھ، اس لیے کہ یہ میٹھے کی عاشق مکھی

تا ہوا خواہِ تو شد فرِ ہمائے دارد
جب سے تیری ہوا خواہ ہوئی ہے ہما کی شان رکھتی ہے

اشکِ خونیں بطبیباں بنمودم گفتند
میں نے خونی آنسو طبیبوں کو دکھائے تو انہوں نے کہا

دردِ[10] عشق ست و جگر سوز دوائے دارد
عشق کا درد ہے جس کی دوا جگر کو جلانے والی ہے

---

[1] وادیٔ ایمن میں جب حضرت موسیٰ کو روشنی نظر آئی وہ اسکو آگ سمجھ کر اس میں سے چنگاری لینے کے لیے گئے تب ان پر حقیقت کھلی کہ یہ آگ نہیں ہے خدا کی تجلی ہے۔

[2] تیرے کوچہ کی ہوس میں ہر شخص مبتلا ہے۔

[3] قافلہ کے اونٹوں کی گردنوں میں گھنٹیاں باندھ دی جاتی تھیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ قافلہ جا رہا ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ محبوب کا قافلہ کہاں پہونچے گا ہم بھی گھنٹیوں کی آواز پر قافلہ کی سمت چلے جا رہے ہیں۔

[4] ارباب کرم کی محفل میں ہر شخص متمنی بنکر آتا ہے۔

[5] وہی بے چاری ہے جو قفس میں بند ہے۔

[6] اب بھی بیمار پرسی کا موقع ہے۔

[7] ماہر مطرب کہ جس پردے پر ہاتھ مارتا ہے ایک خاص نغمہ پیدا ہوتا ہے

[8] شعر [illegible] بادشاہ کا ہمسایہ فقیر کو پوچھنا عین انصاف ہے۔

[9] چونکہ دل میں تیری محبت ہے لہٰذا وہ قابلِ احترام بن گیا ہے۔

[10] اس درد کی دوا سے جگر جل جائے گا لہٰذا دوا نہ کرنا بہتر ہے۔

ستم از غمزہ میاموز کہ در مذہبِ عشق
غمزہ سے ظلم کرنا نہ سیکھ، اس لیے کہ عشق کے مذہب میں
ہر عمل اجرے و ہر کردہ جزائے دارد
ہر عمل ایک اجر اور ہر کام ایک بدلہ رکھتا ہے

نغز گفت آں بتِ ترسا پسرِ بادہ فروش
اُس آتش پرست معشوق، شراب فروش کے لڑکے نے عمدہ بات کہی
شادیِ روئے کسے جو کہ صفائے دارد
کسی ایسے شخص کے چہرے کی خوشی تلاش کر جو صفائی رکھتا ہے

خسروا حافظِ درگاہ نشیں فاتحہ خواند
اے بادشاہ! درگاہ نشیں، حافظ نے فاتحہ پڑھی
وز زبانِ تو تمنائے دعائے دارد
اور تیری زبان سے، دعا کی تمنا رکھتا ہے

من و انکارِ شراب ایں چہ حکایت باشد
میں، اور شراب کا انکار، یہ کیا قصہ ہوگا؟
غالباً ایں[1] قدرم عقل کفایت باشد
شاید اس قدر عقل، میرے لئے کافی ہوگی

منکہ شبہا رہِ تقویٰ زدہ ام باد فِ و چنگ
میں، جس نے دف اور چنگ کے ساتھ راتوں تقوے پر ڈاکے ڈالے ہیں
ایں زماں سر بہ رہ آرم چہ حکایت باشد
اب اگر میں سر راستہ پر لاؤں کیا بات ہوگی؟

زاہد ار راہ برندی نبرد معذور است[2]
زاہد، اگر رندی کے راستہ پر نہ چلے، معذور ہے
عشق کاریست کہ موقوفِ ہدایت باشد
عشق ایسا کام ہے، جو ہدایت پر موقوف ہے

تا بغایت[3] رہِ میخانہ نمیدانستم
میں تو اب تک، شراب خانہ کا راستہ نہیں جانتا تھا
ورنہ مستوریِ ما تا بچہ غایت باشد
ورنہ ہماری پرہیزگاری، کس حد تک ہوگی

بندۂ پیرِ مغانم کہ ز جہلم برہاند
میں پیرِ مغاں کا غلام ہوں کیونکہ اُس نے مجھے جہل سے چھڑا دیا
پیرِ ما ہر چہ کند عینِ رعایت باشد
ہمارا پیر جو کچھ کرے عین مناسب ہوگا

زاہد و عُجب و نماز و من و مستی و نیاز[5]
زاہد ہے، اور تکبر، اور نماز، اور میں ہوں اور مستی اور عاجزی
تا خود او را ز میاں با کہ عنایت باشد
دیکھیے! اس کی خود کس پر مہربانی ہو

دوش[6] ازیں غصہ نخفتم کہ حکیمے میگفت
کل شب میں اس رنج سے نہ سویا کہ ایک سمجھ دار کہتا تھا
حافظ ار بادہ خورد جائے شکایت باشد
حافظ اگر شراب پئے گا، شکایت کا موقع ہوگا

مسلماناں[7] مرا وقتے دلے بود
اے مسلمانو! میرا بھی کسی وقت ایسا دل تھا
کہ با وے گفتمے گر مشکلے بود
اگر کوئی مشکل پیش آتی تھی، تو میں اُس سے کہتا تھا

دلے ہمدرد و یارے مصلحت بیں
ایک ہمدرد دل، اور ایک مصلحت بیں دوست
کہ استظہارِ ہر اہلِ دلے بود
جو، ہر صاحبِ دل کی پشت پناہ تھا

بگردابے چو می افتادم از غم
جب میں غم کے، کسی بھنور میں پھنستا تھا
بتدبیرش امیدِ ساحلے بود
اُس کی تدبیر سے کسی ساحل کی اُمید ہوتی تھی

زمن ضائع شد اندر کوئے جاناں
وہ دل، مجھ سے معشوق کے کوچہ میں گم ہوگیا
چہ دامنگیر یا رب منزلے بود
اے خدا! کیسی دامنگیر منزل تھی

---

[1] کہ میں شراب کا انکار نہ کروں۔

[2] شعر
عمر ساری تو کٹی عشقِ بتاں میں مومن
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

[2] چونکہ اس کو رہبری حاصل نہیں ہوئی لہذا وہ اس رستہ پر نہیں چل سکتا ہے۔

[3] چونکہ میخانہ کے راستہ سے ناواقف ہیں اس لیے ہم متقی بنے ہوئے ہیں۔

[5] ظاہر ہے کہ خدا کو نیاز مندی ہی پسند ہے

[6] چوں کہ سمجھ دار ہو کر ناسمجھی کی بات کر رہا تھا لہذا مجھے بڑا دکھ ہوا

[7] غزل کا مضمون مسلسل ہے اپنے دل کی کیفیات کو ظاہر کیا ہے۔

[8] ایسا دل جس سے سب کچھ توقعات تھیں محبوب کے کوچہ میں گم ہوگیا، یہ کوچہ بڑا دامنگیر ثابت ہوا۔

بحالِ ایں پریشاں رحمت آرید
اس پریشان کی حالت پر رحم کرو

کہ وقتے کاردانِ کاملے بود
اس لیے کہ ایک وقت وہ ایک مکمل واقف کار تھا

منِ آشفتہ را در ہر بلائے
مجھ پریشاں کے لیے، ہر مصیبت میں

رفیقِ کاروانِ قابلے بود
قافلہ کا، ایک قابل رفیق تھا

مرا تا عشق تعلیمِ سخن کرد
مجھے، جب سے عشق نے بات کرنی سکھائی

حدیثم نکتۂ ہر محفلے بود
میری بات، ہر محفل کا نکتہ تھی

ہنر[1] بے عیبِ حرماں بود لیکن
ہنر محرومی کے عیب سے خالی تھا، لیکن

ز من محروم تر کے سائلے بود
مجھ سے زیادہ محروم، کب کوئی بھکاری تھا

سرشکم در طلب دُرہا فشانید
طلب میں، میرے آنسوؤں نے موتی بکھیرے

ولے از وصلِ او بیجا صلے بود
لیکن، اس کے وصل سے محروم تھے

مگو[2] دیگر کہ حافظ نکتہ دانست
پھر نہ کہنا، کہ حافظ نکتہ داں ہے

کہ ما دیدیم مُحکم غافلے بود
اس لیے، ہم نے دیکھ لیا پکّا غافل تھا

معاشراں[3] ز حریفِ شبانہ یاد آرید
اے ساتھیو! رات کے دوست کو یاد کرو

حقوقِ بندگیِ مخلصانہ یاد آرید
مخلصانہ غلامی کے حقوق کو، یاد رکھو

چو در میانِ مراد آورید دستِ امید
جب مراد کی کمر میں، امید کا ہاتھ ڈالو

ز عہدِ صحبتِ ما در میانہ یاد آرید
اس وقت، ہماری دوستی کا زمانہ یاد رکھو

چو[4] عکسِ بادہ کند جلوہ در رخِ ساقی
جب شراب کا عکس، ساقی کے رُخ میں رونما ہو

ز زہدِ من بسرود و ترانہ یاد آرید
گانے اور ترانے کے ساتھ میرے زہد کو بھی یاد رکھو

بوقتِ[5] سرخوشی از آہ و نالۂ عُشّاق
مستی کے وقت، عاشقوں کی آہ، اور نالہ کو

بصوتِ نغمۂ چنگ و چغانہ یاد آرید
چنگ، اور چغانہ کے نغمہ کی آواز پر یاد رکھو

نمی[6] خورید زمانے غمِ وفاداران
تم تھوڑی دیر کے لیے بھی وفاداروں کا غم نہیں کھاتے،

ز بیوفائیِ دورِ زمانہ یاد آرید
دورِ زمانہ کی، بے وفائی کو یاد رکھو

سمندِ[7] دولت اگرتند و سرکش ست ولے
دولت کا گھوڑا، اگرچہ تیز، اور سرکش ہے، لیکن

ز ہمرہاں بسرِ تازیانہ یاد آرید
کوڑے کے وقت، ساتھیوں کو بھی یاد رکھو

بوقتِ[8] مرحمت اے ساکنانِ صدرِ جلال
اے بزرگی کے صدر نشینو! مرحمت کے وقت

ز روئے حافظ و آں آستانہ یاد آرید
حافظ کے چہرے، اور اس آستانے کو یاد رکھو

من و صلاح و سلامت کس ایں گماں نبرد
میں اور نیکی اور سلامتی، یہ گمان کوئی نہیں کرتا

کہ کس برندِ خرابات ظنّ آں نبرد
اس لیے کہ شراب خانہ کے رند کے بارے میں اس کا گمان کوئی نہیں کرتا

---

[1] یہ بھی درست ہے کہ ہنر کی قدر ہوتی ہے۔ لیکن میں بہرحال محروم رہا۔

[2] شعر [illegible]

[3] شعر [illegible]

[4] تاکہ تمہاری یاد میرے زہد کو بھی ختم کردے اور رندی میسر آجائے۔

[5] عیش کے وقت عاشقوں کی آہ اور نالہ کو یاد رکھو۔

[6] زمانے کی بیوفائی سے ڈرنا چاہیے اور وفاداروں کے غم میں شرکت کرنی چاہیے۔

[7] تم دولت کے گھوڑے پر سوار ہو لیکن پیادہ پا ساتھیوں کو یاد رکھو۔

[8] ہم نے بھی اس آستانہ پر پیشانی رگڑی ہے جب رحم کرنیکا وقت آئے تو ہمیں یاد رکھنا

شعر [illegible]

من این مرقعِ پشمینہ بہرِ آں دارم
میں نے اُون کی یہ گدڑی، اس لیے اختیار کی ہے
کہ زیرِ خرقہ کشم مے کس ایں گماں نبرد
کہ گدڑی میں چھپاکر میں شراب لیجاتا ہوں، کوئی یہ گمان نہ کرے

مباش غرّہ بعلم و عمل فقیہِ زماں
اے فقیہِ زمانہ! علم اور عمل پر غرور نہ کر
کہ ہیچکس زقضائے خدائے جاں نبرد
اس لئے کہ کوئی شخص خدا کی تقدیر سے جان نہیں بچاسکتا ہے

مشو فریفتہ رنگ و بو قدح درکش
رنگ، اور بو پر فریفتہ نہ ہو اور پیالہ پی
کہ زنگِ غم ز دلت جز مےِ مُغاں نبرد
اس لئے کہ تیرے دل کے غم کے زنگ کو پیرِ مغاں کی شراب کے علاوہ اور کوئی چیز مٹا نہیں سکتی

اگرچہ دیدہ بود پاسبانِ تو اے گُل
اے پھول! اگرچہ آنکھ تیری نگہبان ہو
بہوش باش کہ نقدِ تو پاسباں نبرد
ہوش رکھ، کہ تیری نقدی نگہبان ہی نہ لیجائے

منِ ضعیف چگونہ غمِ تو بردارم
میں کمزور کس طرح تیرا غم برداشت کروں
کہ بارِ ہجرِ تو ایں جانِ ناتواں نبرد
کہ تیرے ہجر کا بوجھ، یہ کمزور جان برداشت نہیں کرتی

سخن بنزدِ سخنداں ادا مکن حافظ
اے حافظ! سخنداں کے سامنے بات نہ کر
کہ تحفہ کس دُرّ و گوہر بہ بحر و کاں نبرد
اس لئے کہ موتی اور گوہر کا تحفہ، سمندر اور کان کے پاس کوئی نہیں لیجاتا ہے

مرا مے دگر بارہ از دست بُرد
مجھے، شراب نے دوبارہ بیخود بنا دیا
بمن باز آورد مے دست بُرد
مجھ پر، شراب نے دوبارہ غلبہ حاصل کرلیا

ہزار آفریں بر مےِ سُرخ باد
سُرخ شراب کو، ہزار بار شاباش ہو
کہ از روئے ما رنگِ زردی ببرد
اس لیے کہ ہمارے چہرے سے زرد رنگ کو لے گئی

بنازیم دستے کہ انگور چید
ہمیں اس ہاتھ پر ناز ہے، جس نے انگور چنا
مریزاد پائے کہ در ہم فشرد
خدا کرے، وہ پاؤں نہ گرے جس نے نچوڑا

برو زاہدا خُردہ بر من مگیر
اے زاہد! جا، مجھ پر عیب نہ لگا
کہ کارِ خدائی نہ کاریست خرد
خدائی کا کام، معمولی کام نہیں ہے

مرا از ازل عشق شد سرنوشت
ازل سے، عشق میری تقدیر بنا
قضائے نبشتہ نشاید سترد
لکھی ہوئی تقدیر، مٹائی نہیں جاسکتی ہے

مزن دم ز حکمت کہ در وقتِ مرگ
حکمت کی ڈینگیں نہ مار، اس لئے کہ مرتے وقت
ارسطو دہد جاں چو بیچارہ کرد
ارسطو، بیچارہ کُردی کی طرح جان دے دیتا ہے

مکن رنجِ بیہودہ خرسند باش
بیکار رنج نہ کر، خوش رہ
قناعت کن ار نیست اطلس بہ برد
اگر اطلس نہیں ہے، چادر پر صبر کر

چناں زندگانی کن اندر جہاں
دنیا میں، اس طرح زندگی بسر کر
کہ چوں مُردہ باشی نگویند مرد
کہ جب تو مرے، لوگ یہ نہ کہیں کہ مرگیا

شود مستِ وحدت ز جامِ الست
اَلست کے جام سے توحید کا مست ہو جائیگا
ہر آں کو چو حافظ مے صاف خورد
جس کسی نے حافظ کی طرح صاف شراب پی لی

ا؎ شعر [illegible]

۲؎ نجات کے معاملہ میں محض علم و عمل پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے

۳؎ آنکھیں انسان کی پاسبان بھی ہیں اور یہی تباہی کا سبب بھی ہیں۔ شعر [illegible]

۴؎ جس ہاتھ نے شراب بنانے کے لئے انگور توڑے وہ ہمارے لئے باعث ناز ہے۔ جس پیر نے شراب بنائی اُس کے ہم دعاگو ہیں۔

۵؎ اللہ کی حکمتیں ہم نہیں سمجھتے، ہمیں رند کسی مصلحت کی بنا پر ہی بنایا ہے۔

۶؎ کُرد، کردستانی کو کہا جاتا ہے جو عموماً ناخواندہ ہوتے تھے۔ یعنی مرتے وقت کُردی اور ارسطو حکیم کی یکساں حالت ہے۔

۷؎ مرنے کے بعد تیرا نام زندہ رہنا چاہیے۔

۸؎ اَلَست سے وہی عہد مراد ہے جو ازل میں اللہ نے روحوں سے اپنی ربوبیت پر لیا ہے۔

ع؎ یہ مصرع اور اگلے شعر کا مصرع ثانی، شاہنامہ فردوسی کا شعر ہے جس پر حافظ نے تضمین کی ہے۔

مرا مہرِ سیہ چشماں زدل بیروں نخواہد شد
سیاہ آنکھوں والوں کی محبت میرے دل سے نہ نکلیگی
قضائے آسمانست این و دیگرگوں نخواہد شد
یہ آسمانی فیصلہ ہے، اور یہ نہ بدلے گا

مرا روزِ ازل کارے بجز رندی نفرمودند
میرے لیے ازل میں رندی کے سوا کوئی حکم نہیں فرمایا
ہر آں قسمت کہ آنجا شد کم و افزوں نخواہد شد
جو تقدیر وہاں بن چکی ہے، کم اور زیادہ نہ ہوگی

مجالِ من ہمیں باشد[1] کہ پنہاں مہر او ورزم
میری طاقت میں تو یہی ہے کہ پوشیدہ طور پر اس کی محبت اختیار کروں
کنار و بوس و آغوشش چگویم چوں نخواہد شد
پہلو، اور بوسہ اور اسکو بغل میں لینے کے بارے میں کیا کہوں جبکہ یہ ہونگے ہی نہیں

شرابِ لعل و جائے امن و یارِ مہرباں ساقی
سُرخ شراب، اطمینان کی جگہ، اور مہربان دوست، ساقی
دلا کے بہ شود کارت اگر اکنوں نخواہد شد
اے دل تیرا کام کب بنے گا اگر اب بھی نہ ہوگا

بیا تا در صفِ رنداں[2] بہ بانگِ چنگ مے نوشیم
آ، تاکہ رندوں کی صف میں چنگ کی دھن پر ہم شراب پئیں
کہ سازِ شرع زیں افسانہ بے قانوں نخواہد شد
اس لیے کہ شریعت کا ساز اس قصہ سے بے قانون نہ ہوگا

شبے مجنوں بلیلیٰ گفت کائے محبوبِ بے ہمتا
ایک رات مجنوں نے لیلیٰ سے کہا، اے بے مثال محبوب
ترا عاشق[3] شود پیدا و لے مجنوں نخواہد شد
تجھے عاشق مل جائے گا، لیکن وہ مجنوں نہ ہوگا

رقیب آزارہا فرمود و جائے آشتی نگذاشت
رقیب نے بہت سی تکلیفیں پہونچائیں، اور صلح کی گنجائش نہ چھوڑی
مگر آہِ سحر خیزاں[4] سوئے گردوں نخواہد شد
شاید سحر خیزوں کی آہ آسمان کی طرف نہ جائے گی

بیا تا در مے صافیت[5] رازِ دہر بنمایم
آ، تاکہ تجھے صاف شراب میں زمانے کے راز دکھاؤں
کہ کارِ عشق ازیں افسانہ بے افسوں نخواہد شد
اس لیے کہ عشق کا کام اس بے جادو کے قصہ سے نہ ہوگا

مشو اے دیدہ نقشِ غم زلوحِ سینۂ حافظ
اے آنکھ غم کا نقش حافظ کے سینے کی تختی سے نہ دھو
کہ زخمِ تیرِ دلدارست و رنگِ خوں نخواہد شد
اسلیے کہ یہ محبوب کے تیر کا زخم ہے، اور خون کا رنگ نہ جائیگا

معاشراں[6] گرہ از زلفِ یار باز کنید
ساتھیو! یار کی زلف سے گرہ کھولدو
شبے خوش ست بایں قصہ اش دراز کنید
اچھی رات ہے اس کو اس قصے سے دراز کردو

حضورِ مجلسِ انس ست و دوستاں جمعند
محبت کی مجلس کی حاضری ہے، اور دوست جمع ہیں
واِن یکاد[7] بخوانید و در فراز کنید
وان یکاد پڑھو، اور دروازہ بند کردو

رباب و چنگ بہ بانگِ بلند میگویند
رباب، اور چنگ بلند آواز سے کہتے ہیں
کہ گوشِ ہوش بہ پیغامِ اہلِ راز کنید
کہ اہلِ راز کے پیغام کی طرف ہوش کے کانوں کو متوجہ کرد

ہر آں[8] کسے کہ دریں حلقہ نیست زندہ بعشق
جو شخص اس حلقہ میں عشق کے ذریعہ زندہ نہیں ہے
برو چو مردہ بفتوائے من نماز کنید
اس پر میرے فتوے سے مردے کی طرح نماز پڑھ دو

میانِ عاشق و معشوق فرق بسیارست
عاشق، اور معشوق میں بہت بڑا فرق ہے
چو یار ناز نماید شما نیاز کنید
جب دوست ناز کرے، تم عاجزی کرو

بجانِ[9] دوست کہ غم پردۂ شما ندرد
دوست کی جان کی قسم، غم تمہارا پردہ چاک نہ کریگا
گر اعتماد بر الطافِ کارساز کنید
اگر کارساز کی مہربانیوں پر بھروسہ کروگے

[1] ہمارے اختیار میں تو یہی ہے کہ اس سے محبت کرتے رہیں بوس وکنار جب ہمارے قبضہ کی بات نہیں ہے تو اس کی کیا بات کریں۔
[2] ہماری شراب نوشی سے شریعت کا نظام درہم برہم نہ ہوگا۔
[3] عاشق تو ملجائیں گے لیکن مجھ جیسا دیوانہ عاشق نہ ملے گا۔
[4] آہیں آسمان تک نہیں پہونچتی ہیں کہ رقیب کو پاداش ملے۔
[5] عشق کا کام شراب سے چلے گا دنیاوی باتوں سے یہ مسئلہ حل نہ ہوگا۔
[6] محبوب کی گرہ کشائی میں شب بیداری کرو
[7] وانِ یکاد الذین کفروا۔ الآیۃ۔ نظرِ بد کو دفع کرنیکے لیے پڑھا جاتا ہے یعنی یہ آیت پڑھ لو تاکہ اس مجمع کو نظر نہ لگ جائے۔
[8] جس نے عشق کے ذریعہ زندگی حاصل نہیں کی وہ مردہ ہے۔
[9] خدا کی مہربانیوں پر نظر رکھو غم تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔

نخست موعظۂ پیرِ مے فروش اینست | کہ از معاشرِ ناجنس احتراز کنید
مے فروش پیر کی سب سے پہلی نصیحت یہ ہے | کہ ناجنس، ساتھی سے بچو

اگر طلب کند انعامے از شما حافظ
اگر حافظ، تم سے انعام طلب کرے

حوالتش بلبِ یارِ دل نواز کنید
اس کو دلنواز، یار کے ہونٹ کے حوالے کردو

مرا اَو صلِ تو گر زانکہ دسترس باشد | دگر ز طالعِ خویشم چہ مُلتمس باشد
مجھے، اگر تیرے وصل پر دست رس ہو | پھر مجھے اپنے نصیبہ سے اور کیا درکار ہوگا؟

اگر بہر دو جہاں یک نفس زنم با دوست | مرا زہر دو جہاں حاصل آں نفس باشد
اگر دونوں جہانوں میں تھوڑی دیر کیلئے بھی دوست کے ساتھ سانس لوں | میرے لیے دونوں جہان کا ماحصل وہی سانس ہوگا

بر آستانِ تو غوغائے عاشقاں چہ عجب | کہ ہر کجا شکرستاں بود مگس باشد
تیری چوکھٹ پر عاشقوں کا شور، کیا تعجب کی بات ہے | اس لیے کہ جہاں کہیں شکرستان ہوگا مکھیاں ہوں گی

رہِ خلاص کجا باشد آں غریقے را | کہ سیلِ محنتِ عشقش زپیش و پس باشد
اس ڈوبنے والے کے لیے، بچاؤ کا راستہ کہاں ہوگا؟ | جس کے آگے پیچھے عشق کی تکلیف کا بہاؤ ہو

چہ حاجت ست بشمشیر قتلِ عاشق را | کہ نیم جانِ مرا ایک کرشمہ بس باشد
عاشق کے قتل کے لیے تلوار کی کیا ضرورت ہے؟ | اس لیے کہ میری آدھی جان کے لیے ایک ادا کافی ہے

ہزار بار شود آشنا و دیگر بار | مرا بہ بیند و گوید کہ ایں چہ کس باشد
ہزار بار جان پہچان والا ہوتا ہے، اور پھر | مجھے دیکھتا ہے، اور کہتا ہے یہ کون ہوگا؟

ازیں سبب کہ مرا دستِ بخت کوتاہ ست | کجیم بسروِ بلندِ تو دسترس باشد
چونکہ، میرے نصیبہ کا ہاتھ کوتاہ ہے | تیرے بلند سرو پر، مجھے کب قدرت ہو سکتی ہے؟

خوش ست بادۂ رنگین و صحبتِ جاناں
رنگین شراب، اور معشوق کی صحبت اچھی چیز ہے

مدام حافظِ بیدل دریں ہوس باشد
بیدل حافظ، ہمیشہ اس ہوس میں ہوگا

میزنم ہر نفس از دستِ فراقت فریاد | آہ اگر نالۂ زارم نرساند بتو باد
تیرے فراق کے ہاتھ سے، میں ہر وقت فریاد کرتا ہوں | اگر ہوا، میرا نالۂ زار تجھ تک نہ پہونچائے تو افسوس ہے

چہ کنم گر نہ کنم نالہ و فریاد و فغاں | کز فراقِ تو چنانم کہ بد اندیش مباد
کیا کروں، اگر نالہ و فغاں، اور فریاد نہ کروں | اس لیے کہ تیرے فراق میں ایسا ہوں کہ دشمن بھی نہ ہو

روز و شب غصہ و خوں میخورم و چوں نخورم | چوں ز دیدارِ تو دورم بچہ باشم دلشاد
دن رات رنج اور خون کھاتا ہوں، اور کیسے نہ کھاؤں | جبکہ تیرے دیدار سے دور ہوں، خوش دل کیسے رہوں؟

تا تو از چشمِ منِ سوختہ دل دور شدی | اے بسا چشمۂ خونیں کہ دل از دیدہ کشاد
جب سے تو، مجھ جلے دل، کی آنکھ سے دور ہوا ہے | بہت خونی چشمے ہیں، جو دل نے آنکھوں سے بہائے ہیں

---

۱ ناجنس کی صحبت سے بچنا چاہیے۔
۲ اس کے لئے بوسہ کا انعام کافی ہوگا۔
۳ اگر وصل میسّر آجائے تو اس سے بڑھ کر اور کیا تمنّا ہو سکتی ہے۔
۴ دوست کے ساتھ تھوڑا سا وقت گذار لینا میرے لیے دو جہان کا خلاصہ ہے۔
۵ شعر [illegible]
۶ میرے قتل کے لئے معشوق کی ایک ادا کافی ہے۔
۷ ہر بار تجاہلِ عارفانہ برتتا ہے۔
۸ جن مصائب میں مبتلا ہوں خدا دشمن کو بھی مبتلا نہ کرے۔
۹ تیرے بدون دل سے آنکھوں کے راستے خونی چشمے بہ نکلے ہیں۔

ازیں ہر مژہ صد قطرۂ خوں بیش چکید
ہر پلک کی جڑ سے سو سے زیادہ خون کے قطرے ٹپکے
چوں برآورد دل از دستِ فراقت فریاد
جبکہ دل نے، تیرے فراق کے ہاتھ سے فریاد کی

حافظ دل شدہ مستغرق یادت شب و روز
بے دل حافظ دن رات تیری یاد میں ڈوبا ہوا ہے
توازیں بندۂ دلخستہ بکلی آزاد
تو اس دل خستہ، غلام سے بالکل آزاد ہے

مژدہ[1] اے دل کہ دگر بادِ صبا باز آمد
اے دل خوشخبری ہو کہ بادِ صبا پھر آئی
ہدہد خوش خبر از طرفِ سبا باز آمد
خوش خبر، ہد ہد، سبا کی طرف سے پھر آیا

برکش اے مرغِ سحر نغمۂ داؤدی را
اے صبح کے پرندا نغمۂ داؤدی شروع کر
کہ سلیمانِ گل از طرفِ ہوا باز آمد
کیونکہ پھول کا سلیمان، ہوا کی طرف سے پھر آیا

لالہ بوئے مے نوشیں بشنید از دمِ صبح
صبح کے سانس سے لالہ نے خوش ذائقہ شراب کی خوشبو سونگھی
داغ دل بود بامید دوا باز آمد
اس کا دل داغ دار تھا، دوا کی امید میں پھر آیا

عارفے کو کہ کند فہم زبانِ سوسن[2]
ایسا عارف کہاں ہے، جو سوسن کی زبان سمجھے؟
تا بگوید کہ چرا رفت و چرا باز آمد
اور یہ بتائے کہ کیوں گئی، اور کیوں پھر آئی؟

مردمی کرد و کرم بخت خدا دادۂ من
میرے خدا داد نصیبہ نے شرافت اور کرم کیا
کاں بتِ سنگدل از راہِ وفا باز آمد
کہ وہ سنگدل بت ہو فا کے طریقہ پر لوٹ آیا

جانِ[3] من از پئے ایں قافلہ بس آہ کشید
میری جان نے، اس قافلہ کے پیچھے بہت آہیں بھریں
تا بگوشِ دلم آوازِ درا باز آمد
یہاں تک کہ میرے دل کے کان میں گھنٹہ کی آواز پھر آگئی

گرچہ ما عہد شکستیم و گنہ حافظ کرد
اگرچہ ہم نے عہد شکنی کی، اور حافظ نے گناہ کیا
لطفِ او بیں کہ بصلح از درِ ما باز آمد
اس کی مہربانی دیکھ کہ صلح کے لیے ہمارے دروازے پر آگیا

نفس[4] برآمد و کام از تو بر نمی آید
سانس نکل گیا اور، تجھ سے مقصد پورا نہیں ہوتا ہے
فغاں کہ بختِ من از خواب بر نمی آید
فریاد ہے کہ میرا نصیبہ نیند سے بیدار نہیں ہوتا ہے

مگر بروئے[5] دلآرائے یارِ من ورنہ
شاید میرے یارِ دل آرا کے چہرے سے ہو جائے ورنہ
بہیچ گونہ دگر کار بر نمی آید
کسی دوسرے طریقہ پر، کام نہیں نکلتا ہے

دریں خیال بسر شد دریغ عمرِ عزیز
افسوس ہماری عمر عزیز اس خیال میں ختم ہوگئی
بلائے زلفِ سیاہت بسر نمی آید
تیری کالی زلف کی مصیبت، ختم نہیں ہوتی ہے

چناں بحسرتِ خاکِ در تو می میرم
تیرے در کی خاک کی حسرت میں میں اس طرح سے مر رہا ہوں
کہ آبِ زندگیم در نظر نمی آید
کہ آبِ حیات میری نظر میں نہیں آتا ہے

بسے[6] حکایتِ دل ہست با نسیمِ سحر
صبح کی ہوا سے کہنے کے بہت سے دل کے قصے ہیں
ولے بہ بختِ من امشب سحر نمی آید
لیکن میرے نصیبہ سے آج کی رات صبح نہیں ہوتی ہے

[1] سبا بلقیس کے ملک کا نام ہے حضرتِ سلیمان کو ہُد ہُد نے وہاں کی خبریں لاکر دی تھیں
[2] سوسن کو دس زبانوں والا مانا گیا ہے۔ اس لیے کہ اس کے پھول کی دس پنکھڑیاں بصورت زبان ہوتی ہیں یعنی سوسن سے دریافت کرے کہ تو کیوں گئی تھی اور پھر کیوں آئی ہے۔
[3] قافلہ کی آواز سننے کے لیے میں آہیں بھرتا ہوا پیچھے پیچھے جا رہا تھا چنانچہ آواز سن لی۔
[4] جان نکل گئی اور مقصد پورا نہ ہوا۔
[5] محبوب کا چہرہ عقدہ کشائی کرے گا ورنہ کام بنتا نظر نہیں آتا۔
[6] ہم ہجر کی رات کی باتیں نسیم سحر سے کرنا چاہتے ہیں لیکن آج رات صبح ہی نہیں ہو رہی ہے۔

قدِ بلندِ ترا تا ببر نمے گیرم
جب تک تیرے بلند قد کو بغل میں نہیں لیتا ہوں

درختِ بختِ مرادم ببر نمی آید
میری مراد کے نصیب کا درخت پھل نہیں دیتا ہے

مُقیمِ زلفِ تو شد دل کہ خوش ہوائے داشت
دل تیری زلف میں مُقیم ہو گیا اس لیے کہ اسکی ہوا خوب تھی

وزاں غریبِ بلا کش خبر نمی آید
اور اس مصیبت زدہ پردیسی کی خبر نہیں آتی ہے

فدائے دوست نکردیم عمر و مال دریغ
زندگی اور مال کو ہم نے دوست پر قربان نہ کیا افسوس ہے!

کہ کارِ عشق زما ایں قدر نمی آید
کہ ہم سے عشق کا اتنا سا، کارنامہ نہیں ہوتا ہے

ہمیشہ تیرِ سحرگاہِ من خطا نشدے
میرا صبح کے وقت کا تیر، کبھی خطا نہیں کرتا تھا

کنوں چہ شد کہ یکے کارگر نمی آید
اب کیا ہوا کہ ایک بھی کارگر نہیں ہوتا ہے؟

زشستِ صدق کشادم ہزار تیرِ دعا
میں نے سچائی کی شست سے دعا کے ہزار تیر چلائے

ازاں میانہ یکے کارگر نمی آید
ان میں سے ایک بھی، کارگر نہیں ہوتا ہے

کمینہ شرطِ وفا ترکِ سر بود حافظ
اے حافظ! وفا کی معمولی شرط، سر کو چھوڑ دینا ہے

برو اگر زتو ایں کار بر نمی آید
چلا جا، اگر تجھ سے یہ کام نہیں ہوتا ہے

زبسکہ شد دلِ حافظ رمیدہ از ہمہ کس
حافظ کا دل سب لوگوں سے بہت زیادہ بیزار ہو گیا ہے

کنوں زحلقۂ زلفت بدر نمی آید
جو اب تیری زلف کے حلقے سے باہر نہیں آتا ہے

نقدہا را بود آیا کہ عیارے گیرند
کیا اچھا ہو کہ نقدوں کو پرکھیں

تا ہمہ صومعہ داراں پئے کارے گیرند
تاکہ سب عبادت خانہ والے کسی کام میں لگ جائیں

مصلحت دیدِ من آنست کہ یاراں ہمہ کار
میری رائے میں تو مناسب یہ ہے، کہ دوست سب کام

بگذارند و خمِ طرۂ یارے گیرند
چھوڑ دیں، اور دوست کے حلقۂ زلف کو پکڑ لیں

خوش گرفتند حریفاں سرِ زلفِ ساقی
دوستوں نے مست ساقی کی زلف کو اچھی طرح پکڑ لیا ہے

گر فلک شاں بگذارد کہ قرارے گیرند
اگر آسمان ان کو موقع دے، کہ انھیں سکون ملے

یارب ایں بچۂ ترکاں چہ دلیرند بخوں
اے خدا! یہ ترک بچے خون بہانے میں کس قدر دلیر ہیں

کہ بہ تیرِ مژہ ہر لحظہ شکارے گیرند
کہ ہر دم پلکوں کے تیر سے ایک شکار کرتے ہیں

رقص بر شعرِ تر و نالۂ نے خوش باشد
پاکیزہ شعر اور بانسری کے نالہ کی دُھن پر رقص اچھا ہوتا ہے

خاصہ رقصے کہ در و دستِ نگارے گیرند
خاص طور پر وہ رقص جس میں کسی حسین کا ہاتھ پکڑیں

قوّتِ بازوئے پرہیز بخوباں مفروش
حسینوں کے سامنے پرہیزگاری کی قوّتِ بازو کی ڈینگیں نہ مار

کہ دریں خیل حصارے بسوارے گیرند
اس لیے کہ اس لشکر میں ایک قلعہ ایک سوار کے ذریعہ فتح کر لیتے ہیں

زاغ چوں شرم ندارد کہ نہد پا بر گل
جب کوّا اس میں نہیں شرماتا، کہ پھول پر پاؤں دھرے

بلبلاں را سزد ار دامنِ خارے گیرند
تو بلبلوں کے لئے مناسب ہے کہ کانٹے کا دامن تھام لیں

تا کنند اہلِ نظر خاکِ رہت کحلِ بصر
تاکہ اہلِ نظر تیرے راستے کی خاک کو آنکھ کا سرمہ بنالیں

عمرہا شد کہ سرِ راہگذارے گیرند
عمریں گذر گئی ہیں کہ وہ ایک راستے پر بیٹھے ہوئے ہیں

۱ جبتک تو بغلگیر نہ ہوگا میرا نصیبہ بار آور نہ ہوگا۔
۲ افسوس کی بات ہے کہ ہم اپنی عمر اور دولت دوست پر نثار نہ کر سکیں۔
۳ میری صبح کی دعائیں ضرور مقبول ہوتی تھیں لیکن اب کوئی دعا مقبول نہیں ہوتی ہے
۴ سر ہارنا تو عشق کی ادنیٰ شرط ہے اگر عاشق یہ نہ کر سکے تو اس کو یہ راستہ چھوڑ دینا چاہیے۔
۵ اگر اعمال کی پرکھ ہونے لگے تو پھر عبادت گذار اپنے ریا کے کام کو چھوڑ کر کسی سچائی کے کام میں لگیں۔
۶ میری رائے میں یہی مناسب ہے کہ سب کام چھوڑ کر معشوق کی زلف میں لگا جائے۔
۷ حسینوں کے جھرمٹ میں تقوے کی ڈینگیں مارنا مناسب نہیں ان کا ایک سوار تقوے کے مضبوط سے مضبوط قلعے کو فتح کر لیتا ہے۔
۸ جب نااہلوں کا عروج ہے تو اہلِ کمال کو گوشہ نشینی اختیار کر لینی چاہیے۔

حافظ ابنائے زمانرا غمِ مسکیناں نیست
حافظ: زمانے والوں کو، مسکینوں کی فکر نہیں ہے

زاں میاں گر بتواں بہ کہ کنارے گیرند
اگر ہو سکے تو یہ بہتر ہے کہ وہ ان سے کنارہ کشی کریں

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند[1]
ایسا نہیں ہے کہ جس نے چہرہ سنوار لیا وہ دلبری جانتا ہے

نہ ہر کہ آئینہ سازد سکندری داند
نہ ہر وہ شخص جو آئینہ بناتے، سکندری جانتا ہے

نہ ہر کہ طرفِ کُلہ کج نہاد و تند نشست
ایسا نہیں ہے کہ جس نے ٹوپی کا کنارہ ٹیڑھا کر لیا اور اکڑ کر بیٹھ گیا

کلاہ داری و آئینِ سروری داند
بادشاہی، اور سرداری کا طریقہ جانتا ہے

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجاست
اس جگہ ہزاروں نکتے، بال سے بھی زیادہ باریک ہیں

نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند[2]
یہ نہیں ہے کہ جس نے سر مُنڈا لیا وہ قلندری جانتا ہے

در آبِ دیدۂ خود غرقہ ام چہ چارہ کنم
میں اپنی آنکھوں کے پانی میں ڈوبا ہوا ہوں کیا کروں؟

کہ در محیط نہ ہر کس شناوری داند
اس لیے کہ سمندر میں ہر شخص تیراکی نہیں جانتا ہے

غلامِ ہمتِ آں رندِ عافیت سوزم
میں اُس عافیت سوز رند کی توجہ کا غلام ہوں

کہ در گدا صفتی کیمیا گری داند
جو گدائی میں کیمیا گری جانتا ہے

سوادِ نقطۂ بینش ز خالِ تست مرا[3]
میری بینائی کے نقطہ کی سیاہی تیرے تل سے ہے

کہ قدرِ گوہرِ یکدانہ گوہری داند
اس لیے کہ دُرِ یکتا کی قدر، جوہری جانتا ہے

بباختم دلِ دیوانہ و ندانستم
میں نے دیوانہ دل، ہار دیا، اور میں نہ سمجھا

کہ آدمی بچہ، شیوۂ پری داند
کہ ایک آدمی زادہ، پری کا طور طریقہ جانتا ہے

بقدّ و چہرہ ہر آنکس کہ شاہِ خوباں شد
ہر وہ شخص جو چہرے اور قد میں حسینوں کا بادشاہ بن گیا

جہاں بگیرد اگر دادگستری داند
وہ دُنیا پر قبضہ کر لے اگر انصاف کرنا جانے

وفائے عہد نکو باشد ار بیاموزی[4]
اگر تو سیکھے، تو وفاداری بہتر بات ہے

وگرنہ ہر کہ تو بینی ستمگری داند
ورنہ جس کو بھی تو دیکھے ستمگری جانتا ہے

تو بندگی چو گدایاں بشرطِ مُزد مکن[5]
تو بھکاریوں کی طرح غلامی اُجرت کے لیے نہ کر

کہ خواجہ خود روشِ بندہ پروری داند
اس لیے کہ آقا، خود بندہ پروری کا طریقہ جانتا ہے

زشعرِ دلکشِ حافظ کسے شود آگاہ
حافظ کے دلکش اشعار سے وہ شخص واقف ہو سکتا ہے

کہ لطفِ طبع و سخن گفتنِ دری داند[6]
جو طبیعت کی پاکیزگی، اور فارسی میں شعر گوئی جانتا ہے

نیست در شہر نگارے کہ دلِ ما ببرد[7]
شہر میں کوئی ایسا معشوق نہیں ہے کہ ہمارا دل لیجائے

بختم ار یار شود رختم ازینجا ببرد
میرا نصیبہ اگر دوست ہو، یہاں سے میرا سامان لیجائے

کو حریفے خوش و سرمست کہ پیشِ کرمش
ایسا خوش اور سرمست دوست کون ہے کہ اسکے کرم کے سامنے

عاشقِ سوختہ دل نامِ تمنا ببرد
دل جلا عاشق، تمنا کا نام لے

[1] بناؤ سنگھار سے ہر شخص معشوق نہیں بن سکتا۔ مشہور ہے کہ سکندر کے پاس آئینہ تھا جس کے ذریعہ اس کو اپنی ساری مملکت کے احوال معلوم ہوتے رہتے تھے۔

[2] محض سر منڈا لینے سے انسان قلندر نہیں بنجاتا ہے۔

[3] آنکھوں کی پتلی کی سیاہی محبوب کے تل سے حاصل ہوئی ہے، تیرا تل دُرِ یکتا ہے جس کی خوبی کو میں جانتا ہوں۔

[4] ظلم و ستم کرنا تو ہر شخص جانتا ہے وفاداری سیکھنے کی چیز ہے۔

[5] اجرت کی نیت سے عبادت گداگری ہے

[6] فارسی زبان کی سات قسموں میں سے ایک قسم کا نام دری ہے جو سب سے زیادہ فصیح سمجھی جاتی ہے۔

[7] ممکن ہے کسی دوسرے شہر میں جانے سے کوئی دلبر ملجائے۔

درخیال ایں ہمہ لعبت بہوس میبازم
میں خیال میں یہ تمام کھیل اس امید پر کھیل رہا ہوں
بوکہ صاحب نظرے نام تماشا برد
ہو سکتا ہے کہ کوئی صاحب نظر دیکھنے کا نام لے

راہِ عشق ارچہ کمیں گاہِ کمانداراں ست
عشق کا راستہ اگرچہ تیر اندازوں کی گھات کی جگہ ہے
ہر کہ دانستہ رود صرفہ ز اعدا ببرد
جو سمجھ بوجھ کر چلتا ہے دشمنوں سے بازی لیجاتا ہے

سحر با معجزہ پہلو نزند دل خوش دار
جادو معجزے کی برابری نہیں کر سکتا، دل خوش رکھ
سامری کیست کہ دست از یدِ بیضا برد
سامری کون ہے جو یدِ بیضا سے بازی جیت سکے؟

جامِ مینائی مے سدِ رہِ تنگدلی ست
شراب کا مینائی جام، غم کے راستہ کے لئے روک ہے
منہ از دست کہ سیلِ غمت از جا ببرد
ہاتھ سے نہ رکھ، ورنہ غم کا بہاؤ تجھے بہالے جائے گا

باغبانا ز خزاں بے خبرت می بینم
اے باغباں! تجھ کو خزاں سے بے خبر دیکھ رہا ہوں
آہ ازاں روز کہ بادت گلِ رعنا ببرد
اس دن پر افسوس ہے کہ ہوا تیرے حسین پھول کو اُڑا لیجائیگی

رہزنِ دہر نخفتست مشو ایمن ازو
زمانہ کا ڈاکو، سویا ہوا نہیں ہے اس سے مطمئن نہ ہو
اگر امروز نبردست کہ فردا ببرد
اگرچہ آج نہیں لے گیا ہے کہ کل لے جائے گا

بانگِ گاوے چہ صدا باز دہد عشوہ مخر
بیل کی آواز، اگر بلند ہو، دھوکا نہ کھا
کے سُہا عکس ز خورشیدِ مُصفا ببرد
سُہا، روشن آفتاب کا نور کب لیجا سکتا ہے!

علم و فضلے کہ بچل سال دلم جمع آورد
وہ علم و فضل جو چالیس سال میں میرے دل نے جمع کیا
ترسم آں نرگسِ مستانہ بیکجا ببرد
مجھے ڈر ہے کہ وہ مستانہ آنکھ ایک دم سے لیجائے

حافظ ار جاں طلبد نرگسِ مستانۂ او
اے حافظ! اس کی مستانہ آنکھ اگر جان طلب کرے
خانہ از غیر بپرداز و بہل تا ببرد
گھر کو دوسرے سے خالی کر دے اور چھوڑ تاکہ لیجائے

نفسِ بادِ صبا مُشک فشاں خواہد شد
بادِ صبا کا جھونکا، مشک چھڑکنے والا ہو جائے گا
عالمِ پیر دگر بارہ جواں خواہد شد
بوڑھا عالم، دوبارہ جوان ہو جائے گا

ارغواں جامِ عقیقی بسمن خواہد داد
ارغواں، عقیقی جام سمن کو دیدے گا
چشمِ نرگس بشقائق نگراں خواہد شد
نرگس کی آنکھ، گل لالہ کو دیکھنے والی ہو جائے گی

گل عزیز ست غنیمت شمریدش صحبت
پھول پیارا ہے، اس کی صحبت کو غنیمت سمجھو
کہ بباغ آمد ازیں راہ وازاں خواہد شد
اس لیے کہ اس راستہ سے باغ میں آیا ہے اور اُس راستہ سے چلا جائیگا

زیں تطاول کہ کشید از غمِ ہجراں بلبل
اس ظلم سے جو بلبل نے ہجر کے غم سے برداشت کیا
تا سراپردۂ گل نعرہ زناں خواہد شد
پھول کے خیمہ تک نعرے لگاتی چلی جائے گی

ایدل ار عشرتِ امروز بفردا فگنی
اے دل! اگر تو آج کے عیش کو کل پر ڈالے گا
مایۂ نقدِ بقارا کہ ضماں خواہد شد
بقا کی نقدی کے سرمایہ کا کون ضامن بنے گا

ماہِ شعباں مدہ از دست قدح کایں خورشید
شعبان کے مہینہ میں پیالہ ہاتھ سے نہ دے اسلیے کہ یہ آفتاب
از نظر تا شبِ عیدِ رمضاں خواہد شد
رمضان کی عید کی رات تک نگاہوں سے غائب ہو جائیگا

۱؎ خیال آفرینی اس لئے کر رہا ہوں کہ شاید کوئی صاحب نظر اس کو دیکھے۔
۲؎ سامری وہی شخص ہے جس نے جادو کا بچھڑا بنا کر بنی اسرائیل کو اسکی پوجا میں لگا دیا تھا۔ یدِ بیضا سے حضرت موسیٰ کا وہ ہاتھ مراد ہے جو روشن ہو جاتا تھا اور بیماروں کو شفا بخشتا تھا۔
۳؎ شراب غموں کو دل تک نہیں جانے دیتی ہے، اگر پیالہ چھوڑ دیا غم برباد کر دیں گے۔
۴؎ زاہدوں کو معلوم نہیں ہے کہ ایک دن ان کا گُل وجود تباہ ہو جائے گا
۵؎ سامری کا بنایا ہوا بچھڑا جو جادو کے زور سے بولتا تھا حضرت موسیٰ کے معجزے کے مقابلہ میں بے حقیقت ہے سُہا ستارہ آفتاب کو بے رونق نہیں بنا سکتا ہے۔
۶؎ گھر کو غیروں سے بالکل خالی کر دو تاکہ لوٹنے میں آسانی ہو۔
۷؎ موسم بہار کی آمد ہے
۸؎ ارغواں سُرخ جام یعنی پھول سمن کو پیش کریگا نرگس کھلیگی اور گُل لالہ کو دیکھیگی۔
۹؎ بلبل چیخیا کر پھول سے ...
... خزاں کی شکایت نہیں کرے گی ۱۱؎ رمضان میں شراب نوشی نہ ہو سکیگی شعبان میں جی بھر کر پی لے۔

مطربا مجلسِ انس ست غزلخوان و سرود
اے مطرب، محبت کی مجلس ہے غزل پڑھ اور گا

چند گوئی کہ چنین ست و چناں خواہد شد
کب تک کہے گا کہ ایسا ہے، اور ویسا ہوگا

گر ز مسجد بخرابات شدم عیب مکن
اگر میں مسجد سے شراب خانہ میں چلا گیا عیب نہ لگا

مجلسِ وعظ دراز ست و زماں خواہد شد
وعظ کی مجلس دراز ہے اور وقت ختم ہو جائے گا

حافظ از بہرِ تو آمد سوئے اقلیمِ وجود
حافظ تیری وجہ سے وجود کی دنیا میں آیا ہے

قدمے نہ بودا عش کہ رواں خواہد شد
اس کو رخصت کرنے کے لیے قدم دھرو روانہ ہو جائے گا

نقدِ صوفی نہ ہمہ صافی و بیغش باشد
صوفی کا نقد سب صاف اور بے کھوٹ نہیں ہوگا

اے بسا خرقہ کہ مستوجبِ آتش باشد
بہت سی گدڑیاں ہیں جو آگ کے قابل ہوں گی

صوفیِ ما کہ ز وردِ سحری مست شدے
ہمارا صوفی، جو صبح کے وظیفہ سے مست ہوتا تھا

شامگاہش نگراں باش کہ سرخوش باشد
اس کو شام کے وقت دیکھ کہ نشے میں ہوگا

خوش بود گر محکِ تجربہ آید بمیاں
کیا اچھا ہو، اگر تجربہ کی کسوٹی درمیان میں آئے

تا سیہ روی شود ہر کہ درو غش باشد
تاکہ جس کسی میں بھی کھوٹ ہو وہ روسیاہ ہو جائے

نازپروردِ تنعم نبرد راہ بدوست
عیش کا نازپروردہ، دوست تک نہیں پہونچ سکتا

عاشقی شیوۂ رندانِ بلاکش باشد
عاشقی، بلاکش رندوں کا طریقہ ہوتا ہے

خطِ ساقی گر ازیں گونہ زند نقش برآب
ساقی کا خط اگر اسی طرح پانی پر نقش کھینچے گا

اے بسا رخ کہ بخونابہ منقش باشد
بہت سے چہرے ہیں جو خون سے نقشیں ہوں گے

غمِ دنیائے دنی چند خوری بادہ بخور
کمینی دنیا کا غم کب تک کھائے گا، شراب پی

حیف باشد دلِ دانا کہ مشوش باشد
افسوس ہوگا، اگر سمجھدار کا دل پریشان ہو

دلق و سجادۂ حافظ برد بادہ فروش
حافظ کی گدڑی، اور مصلیٰ شراب فروش لیجائے گا

گر شراب از کفِ آں ساقیِ مہوش باشد
اگر اس چاند جیسے، ساقی کے ہاتھ سے شراب ہوگی

نسبتِ رویت اگر با ماہ و پرویں کردہ اند
اگر تیرے چہرے کو چاند، اور ثریا سے نسبت دی ہے

صورت نادیدہ تشبیہے بتخمیں کردہ اند
بدون صورت دیکھے، اندازے سے تشبیہ دی ہے

شمۂ از داستانِ عشقِ شور انگیزِ ماست
ہمارے شور انگیز، عشق کی داستان کا تھوڑا سا حصہ ہیں

ایں حکایتہا کہ از فرہاد و شیریں کردہ اند
یہ قصے جو فرہاد اور شیریں کے بیان کئے گئے ہیں

نکہتِ جاں بخش دارد خاکِ کوئے گلرخاں
پھول جیسے رخسار والوں کے کوچہ کی خاک جاں بخش خوشبو رکھتی ہے

عارفاں آنجا مشامِ عشق مشکیں کردہ اند
عارفوں نے اس جگہ سے عشق کا دماغ معطر کیا ہے

خاکیاں بے بہرہ اند از جرعۂ کاس الکرام
خاک نشیں، سخیوں کے پیالے کے گھونٹ سے محروم ہیں

ایں تطاول بیں کہ با عشاقِ مسکیں کردہ اند
اس ظلم کو دیکھو! جو مسکین عاشقوں کے ساتھ کیا ہے

ا۔ شراب نوشی کا وقت نکل جائے گا۔
۲۔ صوفی کی گدڑی اکو آگ میں لیجائے گی۔
۳۔ ہمارا صوفی جو صبح کے ورد سے مست رہتا تھا اب شام کی شراب سے مست ہے۔
۴۔ دنیا میں اگر تجربہ کی کسوٹی ہوتی تو دنیا میں جھوٹے روسیاہ ہوتے۔
۵۔ اگر شراب میں ساقی کا رخسار نظر آتا رہا تو بہت سے خون کے آنسو روئیں گے
۶۔ عقلمند کو دنیا کے غموں سے تشویش میں نہ پڑنا چاہیے۔
۷۔ حافظ کی جائے نماز اور گدڑی گروی پڑ جائیگی
۸۔ جن لوگوں نے محبوب کے چہرے کو چاند اور ثریا سے تشبیہ دی ہے وہ بغیر دیکھے دی ہے ورنہ وہ روئے محبوب کی توہین نہ کرتے۔
۹۔ فرہاد و شیریں کے قصے ہمارے عشق کی تھوڑی سی داستان ہے۔
۱۰۔ خاک نشیں یعنی عاشق محروم ہیں۔

شہپرِ زاغ و زغن زیبائے صید و قید نیست
چیل اور کوّے کا شہپر شکار اور قید کے لائق نہیں ہے
کایں کرامت ہمرہِ شہباز و شاہیں کردہ اند
انہوں نے یہ اعزاز شہباز اور شاہین کا کیا ہے

ساقیا مے دہ کہ با حکمِ ازل تدبیر نیست
اے ساقی شراب دے، ازلی حکم کے مقابلہ کی کوئی تدبیر نہیں ہے
قابلِ تغییر نبود آنچہ تعیین کردہ اند
جو انہوں نے معیّن کیا ہے بدلنے کے قابل نہیں ہے

از خرد بیگانہ شو چوں جانش اندر بر بکش
عقل سے بیگانہ بن، جان کی طرح بغل میں دبالے
دخترِ رز را کہ نقدِ عقل کابیں کردہ اند
اُس انگور کی بیٹی کو، جس کا مہر نقد عقل مقرر کیا ہے

در سفالیں کاسۂ رنداں بخواری منگرید
رندوں کے مٹی کے پیالے کو ذلّت سے نہ دیکھو
کایں حریفاں خدمتِ جامِ جہاں بیں کردہ اند
اس لیے کہ ان دوستوں نے جہاں بیں جام کی خدمت کی ہے

تیرِ مژگانِ دراز و غمزۂ جادو نکرد
لمبی پلکوں کے تیر، اور ادا کے جادو نے نہ کیا
آنچہ آں زلفِ دراز و خالِ مشکیں کردہ اند
وہ جو اس دراز زلف، اور کالے تل نے کیا ہے

یک شکرِ انعامِ ما بو دولبت رخصت نداد
ہمارا انعام تھوڑی سی شکر تھی اور تیرے ہونٹ نے اجازت نہ دی
ہم تو انصافش بدہ شیریں لباں ایں کردہ اند
تو ہی اس کا انصاف کر شیریں ہونٹ والوں نے یہ کیا ہے

شاہداں از آتشِ رخسارِ رنگیں دمبدم
معشوقوں نے رنگین رخسار کی آگ سے ہر لحظہ
زاہداں را رخنہا اندر دل و دیں کردہ اند
زاہدوں کے دل اور دین میں شگاف ڈالدئے ہیں

شعرِ حافظ را کہ یکسر مدحِ احسانِ شماست
حافظ کے اشعار کو جو سارے تمہارے احسان کی تعریف ہیں
ہر کجا بشنیدہ اند از لطف تحسیں کردہ اند
جہاں کہیں انہوں نے سنا ہے، لطافت کی تعریف کی ہے

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر میکنند
یہ واعظ جو کہ محراب اور منبر پر جلوہ گری کرتے ہیں
چوں بخلوت میروند آں کارِ دیگر میکنند
جب تنہائی میں جاتے ہیں، وہ دوسرا کام کرتے ہیں

مشکلے دارم ز دانشمندِ مجلس باز پرس
مجھے ایک مشکل درپیش ہے مجلس کے عقلمند سے دریافت کر
توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر میکنند
توبہ کا حکم دینے والے خود توبہ کم کیوں کرتے ہیں

گوئیا باور نمیدارند روزِ داوری
گویا انہیں انصاف کے دن کا یقین نہیں ہے
کانہمہ قلب و دغل در کارِ داور میکنند
اس لیے کہ یہ سب کھوٹ اور فریب خدا کے معاملہ میں کرتے ہیں

یا رب ایں نو دولتاں را بر خرِ خودشاں نشاں
اے خدا ان نو دولتوں کو ان کے گدھے پر بٹھا
کانہمہ ناز از غلامِ ترک و استر میکنند
اس لیے کہ یہ سب ناز، ترک غلام اور خچر کی وجہ سے کرتے ہیں

بندۂ پیرِ خراباتم کہ درویشانِ او
میں شراب خانہ کے ایسے پیر کا غلام ہوں کہ اس کے فقیر
گنج را از بے نیازی خاک بر سر میکنند
بے نیازی کی وجہ سے خزانے کے سر پر خاک ڈالتے ہیں

اے گدائے خانقہ باز آ کہ در دیرِ مغاں
اے خانقاہ کے بھکاری آجا اس لیے کہ آتش پرستوں کے آتش کدوں میں
میدہند آبے و دلہا را توانگر میکنند
ایک پانی پلاتے ہیں اور دلوں کو مالدار بنا دیتے ہیں

حسنِ بے پایانِ او چندانکہ عاشق میکشد
اس کا بے انتہا حسن، جس قدر عاشقوں کو قتل کرتا ہے
زمرۂ دیگر بعشق از غیب سر بر میکنند
دوسری جماعت، عشق میں غیب سے سر ابھارتی ہے

۱ باز اور شاہین کو قید و بند میں رکھا جاتا ہے معمولی جانور کو کون پکڑتا ہے۔
۲ شراب انسان کی عقل لے لیتی ہے۔
۳ حافظ کا بہت ہی مشہور شعر ہے یعنی علماء ظاہر محراب و منبر پر تو وعظ گوئی کرتے ہیں لیکن خلوت میں جاکر خلافِ شریعت کام کرتے ہیں۔
۴ یہ علماء دوسروں کو توبہ کرنے کے لئے تلقین کرتے ہیں لیکن خود ان کو توبہ کی توفیق نہیں ہوتی ہے۔
۵ انہیں قیامت کا یقین نہیں ہے ورنہ خدا کے کاموں میں دغل و فصل نہ کرتے
۶ نو دولت وہ لوگ ہیں جو معمولی حالت سے ایکدم مالدار بنجاتے ہیں یعنی ان کو پھر گدھے کی سواری نصیب ہو یہ اپنے غلاموں اور خچروں کی وجہ سے اکڑتے ہیں۔
۷ اکثر عبادت گذار اپنی عبادت کا عوض جنت چاہتے ہیں یہ گداگری ہے ورنہ عبادت کا اخلاص یہ ہے کہ عبادت میں نہ جنت کا لالچ ہو نہ دوزخ کا خوف بلکہ عبادت کے مقصود محض ذاتِ خداوندی ہو
۸ وہ جس قدر عاشقوں کو قتل کرتا ہے اس سے زیادہ عاشق پیدا ہو جاتے ہیں۔

خانۂ[1] خالی کن دلا تا منزلِ جاناں شود
اے دل گھر کو خالی کرلے تاکہ وہ معشوق کی منزل بنے

کیں ہوسناکاں دل و جاں جائے دیگر میکنند
اس لئے کہ یہ لوالہوس دل اور جان کو دوسری جگہ بناتے ہیں

آہ آہ از دستِ صرافانِ گوہر ناشناس
گوہر کو نہ پہچاننے والے صرافوں کے ہاتھ سے فریاد ہے

ہر زماں خر مہرہ را با دُر برابر میکنند
ہر وقت کوڑی کو، موتی کے برابر کرتے ہیں

بر درِ میخانۂ عشق اے ملک تسبیح گوی
اے فرشتے عشق کے شرابخانہ کے دروازہ پر تسبیح پڑھ

کاندر آنجا طینتِ آدم مخمر میکنند
اس لئے کہ اس جگہ آدم کی مٹی کو شراب سے گوندھتے ہیں

صبحدم از عرش می آمد خروشِ یار گفت
صبح کے وقت عرش سے گفتگو کا یہ شور آرہا تھا

قدسیاں گوئی کہ شعرِ حافظ از بر میکنند
گویا عرش والے حافظ کے اشعار یاد کرتے ہیں

ہر کہ شد[2] محرمِ دل در حرمِ یار بماند
جو شخص دل کا راز دار بنا، وہ یار کے حرم میں رہا

وآنکہ ایں کار ندانست درآں کار بماند
جس نے یہ کام نہ جانا، اُس کام سے عاجز رہا

اگر از پردہ[3] بروں شد دلِ من عیب مکن
اگر میرا دل، پردہ سے باہر آگیا تو عیب نہ لگا

شکرِ ایزد کہ نہ در پردۂ پندار بماند
خدا کا شکر ہے، وہ غرور کے پردہ میں نہ رہا

صوفیاں[4] واستدند از گروِ مے ہمہ رخت
صوفیوں نے تمام سامان، شراب کی گروی سے چھڑالیا

خرقۂ ماست کہ در خانۂ خمار بماند
ہماری گدڑی ہے کہ شراب فروش کے گھر پڑی رہ گئی

خرقہ پوشاں ہمگی مست گذشتند و گذشت
گدڑی پہننے والے سب مست گذر گئے اور ختم ہوا

قصۂ ماست کہ در ہر سرِ بازار بماند
ہمارا قصہ ہے، کہ ہر بازار میں موجود رہ گیا

داشتم[6] دلقے و صد عیبِ مرا میپوشید
میرے پاس ایک گدڑی تھی اور میرے سو عیب چھپاتی تھی

خرقہ رہنِ مے و مُطرب شد و زنار بماند
گدڑی شراب اور مُطرب میں گروی ہوگئی اور زنار رہ گیا

از صدائے سخنِ عشق ندیدم خوشتر
میں نے عشق کی بات کی صدا سے زیادہ بہتر نہ دیکھا

یادگارے کہ دریں گنبدِ دوّار بماند
کسی یادگار کو جو اس گھومنے والے گنبد میں باقی رہی

ہر[7] مے لعل کز آں جامِ بلوریں ستدم
ہر وہ سرخ شراب جو میں نے اس بلوری جام سے حاصل کی

آبِ حسرت شد و در چشمِ گہُربار بماند
وہ حسرت کا پانی بن گئی اور موتی برسانے والی آنکھ میں ٹھہری

جز دلم کو ز ازل تا بہ ابد عاشقِ اوست
میرے دل کے سوا کون ہے جو ازل سے ابد تک اس کا عاشق ہے

جاوداں کس نشنیدم کہ دریں کار بماند
میں نے کسی کے بارے میں نہیں سنا جو ہمیشہ اس کام میں رہا ہو

گشت[8] بیمار کہ چوں چشمِ تو گردد نرگس
نرگس بیمار ہی تاکہ تیری آنکھ کی طرح ہو جائے

شیوۂ او نشدش حاصل و بیمار بماند
اس کا طور طریق اس کو حاصل نہ ہوا اور بیمار رہ گئی

بر جمالِ تو چناں صورتِ چیں حیراں شد
چینی تصویر تیرے حسن پر ایسی حیران ہوگئی

کہ حدیثش ہمہ جا بر در و دیوار بماند
کہ اس کا قصہ، سب جگہ در و دیوار پر رہ گیا

بتماشاگہِ زلفش دلِ حافظ روزے
اس کی زلف کی تماشا گاہ میں حافظ کا دل ایک دن

شد کہ باز آید و جاوید گرفتار بماند
گیا کہ وہ لوٹ آئے گا، اور ہمیشہ کے لئے گرفتار ہوگیا

---

[1] دل جب غیر سے خالی ہوتا ہے تب وہ محبوب کی منزل بنتا ہے۔
[2] حدیث شریف میں آیا ہے جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے خدا کو پہچان لیا۔
[3] اگر میں مستوری سے مستی میں آگیا تو کوئی خرابی نہیں، مستوری پندار کا پردہ تھی۔
[4] دوسرے صوفی کچے شرابی تھے جو سامان شراب کے بدلے گروی رکھا تھا اُس کو چھڑا لائے۔
[5] پہلے عشاق فنا ہوئے اور ان کے قصے بھی ختم ہوئے لیکن بعد از مرگ ہمارے چرچے ہیں۔
[6] میری گدڑی زنار کو چھپائے ہوئے تھی جب شراب میں گروی ہوگئی زنار نظر آنے لگا۔
[7] جو شراب پیتا ہوں وہ مزید شراب کی حسرت میں آنسو بنجاتی ہے۔
[8] نرگس نے تیری آنکھ کی ریس کی تیری آنکھ کی سی ادائیں تو اس کو حاصل نہ ہوئیں، بیماری حاصل ہوگئی۔

ہر آں کو خاطرِ مجموع و یارِ نازنیں دارد
جو شخص اطمینانِ قلب اور نازنیں دوست رکھتا ہے

سعادت ہمدمِ او گشت و دولت ہمنشیں دارد
سعادت اُس کی ساتھی ہوئی اور وہ دولت کو ساتھ رکھتا ہے

جنابِ عشق را درگہ بسے بالاتر از عقل ست
جنابِ عشق کی درگاہ، عقل سے بہت بلند ہے

کسے آں آستاں بوسد کہ جاں در آستیں دارد
وہ شخص اس چوکھٹ کو بوسہ دیتا ہے جو جان کو آستین میں رکھتا ہے

بخواری منگر اے مُنعم ضعیفان و فقیراں را
اے دولت مند ضعیفوں اور فقیروں کو ذلت سے نہ دیکھ

کہ صدرِ مسندِ عزت فقیرِ رہ نشیں دارد
اس لیے کہ عزت کی مسند کا صدر مقام راہ نشیں فقیر رکھتا ہے

دہانِ تنگِ شیرینش مگر مُہرِ سلیمان ست
اس کا تنگ شیریں دہان، شاید سلیمان کی انگوٹھی ہے

کہ نقشِ خاتمِ لعلش جہاں زیرِ نگیں دارد
اس لیے کہ اس کے ہونٹ کی انگشتری کا نقش دنیا کو زیرِ حکم رکھتا ہے

چو بر روئے زمیں باشی توانائی غنیمت داں
جب تک تو زمین کے اوپر ہے، طاقت کو غنیمت سمجھ

کہ دوراں ناتوانیہا بسے زیرِ زمیں دارد
اس لیے کہ زمانہ زمین کے نیچے بہت سی کمزوریاں رکھتا ہے

بلا گردانِ جان و دل دعائے مستمنداں ست
حاجتمندوں کی دعا دل اور جان کی مصیبت کو ٹالنے والی ہے

کہ بیند خیر از آں خرمن کہ ننگ از خوشہ چیں دارد
اس کھلیان سے کون بھلائی دیکھ سکتا ہے جس کو خوشہ چیں سے ذلت محسوس ہوتی ہے

صبا از عشقِ من رمزے بگو با آں شہِ خوباں
اے صبا میرے عشق کی رمز، اس شاہِ خوباں کو سُنا دے

کہ صد جمشید و کیخسرو غلامِ کمتریں دارد
جو سو جمشید اور کیخسرو، کمترین غلام رکھتا ہے

لبِ لعل و خطِ مشکیں چو آنش ہست و اینش نیز
لبِ لعل اور مشکیں خط جبکہ اس کے پاس وہ بھی ہے اور یہ بھی

بنازم دلبرِ خود را کہ حسنش آں و ایں دارد
مجھے اپنے دلبر پر ناز ہے کہ اس کا حسن وہ اور یہ رکھتا ہے

اگر گوید نمیخواہم چو حافظ بندۂ مُفلس
اگر وہ کہے کہ میں حافظ جیسا مُفلس غلام نہیں چاہتا ہوں

بگوئیدش کہ سلطانی گدائے رہ نشیں دارد
تو اس سے کہہ دو کہ راہ نشیں فقیر، بادشاہت رکھتا ہے

ہر آنکہ جانبِ اہلِ وفا نگہ دارد
ہر وہ شخص جو وفاداروں کا خیال رکھتا ہے

خداش در ہمہ حال از بلا نگہ دارد
اس کو خدا تمام حالتوں میں بلا سے محفوظ رکھتا ہے

گرت ہواست کہ معشوق نگسلد پیوند
اگر تجھے خواہش ہے کہ معشوق جوڑ نہ توڑے

نگاہدار سرِ رشتہ تا نگہ دارد
تعلقات کا خیال رکھ، تاکہ وہ خیال رکھے

حدیثِ دوست نگویم مگر بحضرتِ دوست
میں دوست کی باتیں دوست کے سوا کسی سے نہیں کہتا ہوں

کہ آشنا سخنِ آشنا نگہ دارد
اس لیے کہ دوست، دوست کی بات محفوظ رکھتا ہے

سر و زر و دل و جانم فدائے آں محبوب
میرا سر اور مال اور دل اور جان اس محبوب پر قربان ہے

کہ حقِ صحبتِ مہر و وفا نگہ دارد
جو محبت اور وفا کی صحبت کے حق کا خیال رکھتا ہے

دلا معاش چناں کن کہ گر بلغزد پائے
اے دل اس طرح زندگی گزار کہ اگر پیر پھسلے

فرشتہ ات بدو دستِ دعا نگہ دارد
تو دعا کے دو ہاتھوں سے فرشتہ تجھے بچائے

نگہ نداشت دلِ ما و جائے رنجش نیست
اس نے ہمارے دل کا خیال نہ کیا، اور رنج کا موقع نہیں ہے

ز دستِ بندہ چہ خیزد خدا نگہ دارد
بندہ کے ہاتھ کا کیا اٹھتا ہے، خدا حفاظت کرتا ہے

---

۱ جان در آستیں دارد یعنی سر ہتھیلی پر دھرے ہو۔

۲ شعر [illegible]

۳ جس کھلیان سے غرور مندوں کا حصہ نہ ہو وہ بھلائی کا سبب نہیں بن سکتا ہے۔

۴ سینکڑوں جمشید اور کیخسرو اُس کے کمترین غلاموں میں شامل ہیں۔

۵ میرے محبوب کے ہونٹ لعل جیسے ہیں اور اس کے رخسار پر مشکی خط ہے۔

۶ یعنی حافظ اگرچہ بظاہر گدا ہے لیکن حقیقتاً بادشاہ ہے۔

۷ جو اپنے وفاداروں کو نوازتا ہے خدا اُس کو نوازتا ہے۔

۸ عاشق کی باتوں کا معشوق ہی راز دار ہو سکتا ہے۔

۹ انسان ایسی زندگی گذارے کہ اس کی لغزش کے وقت فرشتے اس کے لئے دست بدعا ہو جائیں۔

صبا در آں سرِ زلف ار دلِ مرا بینی ‌‌ ‌ زروئے لطف بگویش کہ جا نگہ دارد
اے صبا اگر تو میرے دل کو اُس زلف میں دیکھے ‌ نرمی سے اُس سے کہنا کہ جگہ کو نگاہ میں رکھے

غبارِ راہگذارت کجاست تا حافظ
تیرے راستہ کا غبار، کہاں ہے تاکہ حافظ

بیادگارِ نسیم صبا نگہ دارد
صبا کی نسیم کی یادگار میں، اس کو محفوظ رکھے

ہمائے اوجِ سعادت بدامِ ما افتد ‌ اگر ترا گذرے بر مقامِ ما افتد
سعادت مندی کی بلندی کا ہما ہمارے جال میں آجائے ‌ اگر تیرا گذر، ہماری جگہ پر سے ہو جائے

حبابؔ وار براندازم از نشاط کلاہ ‌ اگر ز روئے تو عکسے بجامِ ما افتد
خوشی سے بلبلے کی طرح میرے ٹوپی اتار پھینکوں ‌ اگر تیرے چہرے کا عکس، ہمارے جام میں پڑ جائے

ببارگاہِ تو چوں باد را نباشد راہ ‌ کے اتفاقِ مجالِ سلامِ ما افتد
جبکہ تیری بارگاہ میں، ہوا کا بھی گذر نہیں ہوتا ‌ تو ہمارے سلام کا کیا موقع ہے؟

چو جاں فدائے لبت شد خیال می بستم ‌ کہ قطرۂ ز زُلالت بکامِ ما افتد
جب جان تیرے ہونٹوں پر قربان ہو گئی تو میں نے سوچا ‌ تیرے نیر پانی کا قطرہ ہمارے حلق میں پڑ جائے

خیالِ زلفِ تو گفتا کہ جاں وسیلہ مساز ‌ کزیں شکار فراواں بدامِ ما افتد
تیری زلف کے خیال نے کہا کہ جان کو وسیلہ نہ بنا ‌ اس لئے کہ اس طرح کے شکار بہت سے ہمارے جال میں پھنستے ہیں

ملوکؔ را چو رہِ خاک بوسِ ایں در نیست ‌ کے التفاتِ جوابِ سلامِ ما افتد
جب بادشاہوں کو بھی اس در کی خاک کے بوسہ کا موقع نہیں ہے ‌ ہمارے سلام کے جواب کی طرف توجہ کب ہو سکتی ہے

بنا امیدی ازیں در مرو بزن فالے ‌ بود کہ قرعۂ دولت بنامِ ما افتد
اس در سے ناامیدی سے نہ جا، فال نکال ‌ ہو سکتا ہے کہ دولت کا قرعہ ہمارے نام نکلے

شبے کہ ماہِ مراد از افق طلوع کند ‌ بود کہ پرتوِ نورے ببامِ ما افتد
جس رات کو، مقصد کا چاند افق سے نکلے ‌ ہو سکتا ہے کہ کسی نور کا سایہ ہمارے بالا خانہ پر پڑے

زخاکِ کوئے تو ہر گہ کہ دم زند حافظ
جس گھڑی حافظ تیرے کوچے کی مٹی کا ذکر کرتا ہے

نسیمِ گلشنِ جاں در مشامِ ما افتد
جان کے باغ کی ہوا، ہمارے دماغ میں آتی ہے

ہر کرا با خطِ سبزت سرِ سودا باشد ‌ پائے ازیں دائرہ بیروں ننہد تا باشد
جس کو تیرے سبز خط کا عشق ہو ‌ اس دائرے سے قدم باہر نہ رکھے گا جب تک زندہ رہے گا

در قیامت کہ سر از خاکِ لحد برگیرم ‌ داغِ سودائے توام سرِ سویدا باشد
قیامت میں، جب قبر کی خاک سے سر اٹھاؤں گا ‌ تیرے عشق کا داغ، میرے دل کے سیاہ نقطہ کا راز ہوگا

ظلِ ممدودِ خمِ زلفِ توام بر سر باد ‌ کاندریں سایہ قرارِ دلِ شیدا باشد
تیری زلف کے خم کا دراز سایہ، میرے سر پر ہو ‌ اس لیے کہ اس سایہ میں عاشق دل کو سکون ہوتا ہے

۱؎ یعنی زلفِ یار کے آداب کا خیال رکھنا میرے سینے کا بھی خیال رکھے جو اس کا اصل وطن تھا۔
۲؎ بلبلے کو اگر قریب سے دیکھا جائے تو اس میں دیکھنے والے کی صورت کا عکس نظر آتا ہے لیکن ساتھ ساتھ وہ دیکھنے والے کے سانس سے بیٹھ جاتا ہے، بلبلے کا ٹوپی اتار پھینکنا یعنی اس کا بیٹھ جانا۔
۳؎ جب ہوا کا بھی گزر نہیں ہے تو ہم جا کر کس طرح اس کو سلام کر سکتے ہیں۔
۴؎ زلف کے نزدیک ہماری جان بے وقعت ہے ایسی سینکڑوں جانیں اُس جال میں پھنسی ہوئی ہیں۔
۵؎ جبکہ اس کے در کی خاک کو بادشاہوں کو میسر نہیں تو ہمارے سلام کی طرف وہ کیا توجہ دے گا۔
۶؎ جو شوق کہ رخسار کے خط پر عاشق ہوا مرتے دم تک اُس عشق میں مبتلا رہے گا۔
۷؎ سویدا خون اُس کالے نقطہ کو کہا جاتا ہے جو دل کے درمیان میں ہوتا ہے اور اسی پر زندگی کا مدار ہے یعنی میرا سویدا دراصل تمہارے عشق کا داغ ہے۔

چوں دلِ من دمے از پردہ بروں آئی و درآئی
میرے دل کی طرح تھوڑی دیر کے لئے پردے سے نکل اور آجا
کہ دگر بارہ ملاقات نہ پیدا باشد
اس لئے کہ دوبارہ ملاقات نہ ہوگی

تا کے اے دُرِ گرانمایہ روا خواہی داشت
اے قیمتی موتی! تو کب تک جائز رکھے گا
کز غمت دیدۂ مردم ہمہ دریا باشد
کہ تیرے غم میں، لوگوں کی آنکھیں پورا دریا ہوں

از بنِ ہر مژہ ام آب روانست بیا
میری ہر پلک کی جڑ سے، پانی جاری ہے، آجا
اگرت میلِ لبِ جوی و تماشا باشد
اگر تجھے نہر کے کنارے، اور سیر کی خواہش ہو

چشمت از ناز بہ حافظ نکند میل آرے
تیری آنکھیں ناز کی وجہ سے حافظ کی طرف مائل نہیں ہوتی ہیں ہاں
سرگرانی صفتِ نرگسِ شہلا باشد
تکبر، نرگسِ شہلا کی خاصیت ہوتی ہے

ہرگزم مہرِ تو از لوحِ دل و جاں نرود
تیری محبت میرے دل اور جان کی تختی سے کبھی نہ نکلے گی
ہرگز از یادِ من آں سروِ خراماں نرود
وہ ناز سے چلنے والا سرو، کبھی میری یاد سے نہ جائے گا

آں چناں مہرِ توام در دل و جاں جائے گرفت
تیری محبت نے میرے دل اور جان میں اس طرح جگہ کر لی ہے
کہ گرم سر برود مہرِ تو از جاں نرود
اگر میرا سر بھی چلا جائے گا تیری محبت جان سے نہ جائے گی

از دماغِ منِ سرگشتہ خیالِ رخِ دوست
مجھ پریشان کے دماغ سے دوست کے رخ کا خیال
بجفائے فلک و غصۂ دوراں نرود
آسمان کے ظلم سے اور زمانہ کے غم کی وجہ سے نہ نکلے گا

آنچہ از بارِ غمت در دلِ مسکینِ من است
تیرے غم کا بوجھ، جو میرے مسکین دل پر ہے
برود دل ز من و از دلِ من آں نرود
دل مجھ سے جاتا رہے گا، اور میرے دل سے وہ نہ نکلے گا

در ازل بست دلم با سرِ زلفت پیوند
میرے دل نے ازل میں تیری زلف سے جوڑ لگایا ہے
تا ابد سر نکشد و ز سرِ پیماں نرود
ابد تک سر نہ موڑے گا، اور عہد سے نہ ہٹے گا

گر رود از پئے خوباں دلِ من معذور است
میرا دل اگر حسینوں کے پیچھے جاتا ہے معذور ہے
درد دارد چہ کند گر پئے درماں نرود
وہ درد میں مبتلا ہے کیا کرے اگر علاج کے پیچھے نہ جائے

ہر کہ خواہد کہ چو حافظ نشود سرگرداں
جو چاہے کہ حافظ کی طرح حیران نہ ہو
دل بخوباں ندہد در پئے ایشاں نرود
حسینوں کو دل نہ دے، ان کے پیچھے نہ پھرے

ہوسِ بادِ بہارم بسوئے صحرا برد
موسم بہار کی ہوا کی ہوس، مجھے بیابان کی طرف لے گئی
باد بوئے تو بیاورد و قرار از ما برد
ہوا تیری خوشبو لائی، اور ہمارا سکون لے گئی

ہر کجا بود دلے چشمِ تو برد از راہش
جہاں کہیں بھی کوئی دل تھا تیری آنکھ نے اس کو راستہ بھلا دیا
نہ دلِ خستۂ بیمارِ مرا تنہا برد
تنہا میرے خستہ، بیمار دل کو ہی نہیں لے گئی

جامِ مے دی ز لبت دم ز رواں بخشی زد
شراب کے جام نے تیرے ہونٹوں کی وجہ سے کل جان بخشی کا دعویٰ کیا
آبرو از لبِ جاں بخش رواں بخشا برد
جان بخش، روح بخش، ہونٹوں کی آبرو لے گیا

---

۱ چونکہ محبوب کی آنکھیں نرگسِ شہلا ہیں لہذا ان میں بھی نرگس کا سا تکبر ہے۔

۲ دردِ دل کی دوا محبوب کے پاس ہے اور ہر مریض دوا کے پیچھے دوڑتا ہے۔

۳ میں بادِ بہاری کے شوق میں صحرا کی جانب گیا بادِ بہاری سے مجھے تیری خوشبو آئی جس نے بے قرار کر دیا۔

۴ تیری آنکھ کا صرف میں ہی شیدا نہیں ہوں بلکہ ہر دل اس شوق میں مبتلا ہے۔

۵ جامِ شراب تیرے ہونٹوں سے وابستہ ہوا تو اس کو یہ دعوے پیدا ہو گیا ہے کہ وہ زندگی بخشنے والا ہے حالانکہ اس کے بالمقابل دوسرے حسینوں کے زندگی بخشنے والے ہونٹوں کی کوئی قدر و منزلت نہیں رہی۔

راہِ ما غمزۂ آں تُرک کماں ابرو زد
اس کماں جیسے ابرو والے، معشوق کی ادا نے ہم پر ڈاکہ ڈالا
رخت ِ ما ہندوئے[1] آں سروِ سہی بالا بُرد
اُس سرو سہی جیسے قد والے کا ہندو ہمارا سامان لوٹ لے گیا

دلِ[2] سنگین ترا اشکِ من آورد براہ
تیرے پتھر جیسے دل کو میرے آنسو راہ پر لے آئے
سنگ را سیل تواند بَرہ در یا بُرد
بہاؤ، پتھر کو دریا میں بہا لیجاسکتا ہے

آمد[3] و گرم بہ بُرد آبِ رخم اشک چو سیم
چاندی جیسے آنسو نکلے اور میرے چہرے کی رونق کو لوٹ لے گئے
زر بزر داد کسے کآمد و ایں کالا بُرد
جو آیا اور اس سامان کو لے گیا اس نے سونے پر سونا دیا

دوش دستِ طلبم سلسلۂ شوقِ تو بست
کل میری طلب کے ہاتھ نے تیرے شوق کا سلسلہ باندھا
پائے خیلِ خردم لشکرِ غم از جا بُرد
غم کے لشکر نے میری عقل کے لشکر کے پاؤں اکھاڑ دئے

بحثِ بُلبل برِ حافظ مکن از خوش سخنی
خوش کلامی میں، حافظ کے پاس بُلبل کی بحث نہ چھیڑ
پیشِ[4] طوطی نتواں صوتِ ہزار آوا برد
طوطی کے سامنے، بلبل کی آواز کی کچھ نہیں چلتی ہے

ہر کہ او یک سرِ مو پندِ مرا گوش کند
جو شخص بال برابر بھی، میری نصیحت مان لے
ہمچو من حلقۂ گیسوئے تو در گوش کند
میری طرح، تیرے گیسو کا حلقہ بگوش ہو جائے

گر[5] بہ بیند دہنِ تنگِ تو معصوم دلے
اگر کوئی معصوم دل والا، تیرا تنگ منہ دیکھ لے
بادہ بر یادِ لبت ہمچو شکر نوش کند
تیرے ہونٹوں کی یاد پر، شراب کو شکر کی طرح پئے

دوش بر دوش بدوشِ تو رسیدست دلم
کل رات میرا دل تیرے پاس دوش بدوش پہونچا ہے
خواہد امروز کہ جاں در سرِ آں دوش کند
آج اس کی خواہش ہے، کل رات کے خیال میں جان گنوائے

در چمن سوئے گل و نرگس و سوسن بگذر
چمن میں پھول، اور نرگس، اور سوسن کیجانب گذر
تا زبانِ ہمہ را حسنِ تو خاموش کند
تاکہ تیرا حسن سب کی زبان کو خاموش کر دے

زاں سبب پیچ و خم و تاب دہد گیسو را
اس سبب سے وہ گیسو کو پیچ و خم اور بل دے رہا ہے
تا کہ او قیدِ دلِ عاشقِ مدہوش کند
تاکہ وہ مدہوش عاشق کے دل کو قید کر دے

گرچہ صد عرضہ کند حافظِ مسکیں ز فراق
اگرچہ مسکین حافظ، فراق کے بارے میں سو عرضیاں دیتا ہے
چوں[6] بہ بیند رُخِ تو جملہ فراموش کند
جب تیرا چہرہ دیکھ لیتا ہے سب کو بھول جاتا ہے

یاد باد آنکہ نہانت نظرے با ما بود
یاد رہے کہ در پردہ ہم پر تیری نظر تھی
رقمِ مہرِ تو بر چہرۂ ما پیدا بود
تیری محبت کی علامت، ہمارے چہرے پر نمایاں تھی

یاد باد آنکہ چو چشمت بعتابم می کُشت
یاد رہے کہ جب تیری آنکھیں غصہ سے مجھے مارتی تھیں
معجزِ عیسویت در لبِ شکر خا بود
تو تیرے میٹھے ہونٹ میں عیسوی معجزہ تھا

یاد باد آنکہ مہِ من چو کُلہ بشکستے
یاد رہے کہ میرا چاند جب ٹیڑھی ٹوپی اوڑھتا تھا
در[7] رکابش مہِ نو پیکِ جہاں پیما بود
تو اس کی رکاب میں نیا چاند، جہاں پیما قاصد ہوتا تھا

---

[1] سرو سہی وہ سرو کہلاتا ہے جس کی جڑ سے دو سیدھی شاخیں نکلتی ہیں۔
[2] میرے رونے سے تیرا دل میری طرف مائل ہو گیا بیشک سیلاب پتھروں کو دریا میں بہالیجاتا ہے۔
[3] چاندی جیسے آنسوؤں نے میرے رخسار کی سرخی کو لوٹ لیا لیکن اس سے میری رونق کم نہیں بلکہ نورٌ علیٰ نور ہو گئی۔
[4] میری مثال طوطی کی سی ہے جس کے مقابلہ میں بلبل ہیچ ہے۔
[5] معصوم دل والا بھی تیرا منہ دیکھ کر تیرے ہونٹوں کی یاد میں شراب شکر کی طرح پینے لگے۔
[6] محبوب کو دیکھ کر سارے شکوے بھول جاتا ہوں۔
[7] اس شعر میں محبوب کی رکاب کو پہلی رات کے چاند سے تشبیہ دی ہے۔

یاد باد آنکہ رخت شمعِ طرب می افروخت
یاد رہے، کہ جب تیرا رخسار مستی کی شمع روشن کرتا تھا
ویں دلِ سوختہ پروانۂ بے پروا بود
اور یہ جلا ہوا دل اس کا بے پروا پروانہ تھا

یاد باد آنکہ چو یاقوت قدح خندہ زدے
یاد رہے، کہ جب یاقوت جیسا پیالہ مسکراتا تھا
درمیانِ من و لعلِ تو حکایتہا بود
مجھ میں، اور تیرے ہونٹ میں حکایتیں ہوتی تھیں

یاد باد آنکہ در آں بزمگہِ خلق و ادب
یاد رہے، کہ اس اخلاق، اور ادب کی محفل میں
آنکہ او خندۂ مستانہ زدے صہبا بود
جو مستانہ قہقہہ لگاتی تھی، وہ شراب تھی

یاد باد آنکہ صبوحی زدہ در مجلسِ اُنس
یاد رہے کہ صبح کی شراب پی کر محبت کی مجلس میں
جز من و یار نبودیم و خدا با ما بود
میرے اور دوست کے سوا کوئی نہ ہوتا تھا اور خدا ہمارے ساتھ تھا

یاد باد آنکہ خرابات نشیں بودم و مست
یاد رہے، کہ میں مست اور خرابات نشیں تھا
آنچہ[1] در مجلسم امروز کمست آنجا بود
جو آج میری مجلس میں کم ہے، وہ اس جگہ تھی

یاد باد آنکہ باصلاحِ شما میشد راست
یاد رہے، کہ تمہاری اصلاح سے درست ہوتی تھی
نظمِ ہر گوہرِ ناسفتہ کہ حافظ را بود
ہر بے بندھے ہوئے موتیوں کی نظم جو حافظ کی تھی

یاد باد[2] آنکہ سر کوئے توام منزل بود
یاد رہے کہ تیرے کوچہ میں میرا پڑاؤ تھا
دیدہ را روشنی از خاکِ درت حاصل بود
تیرے در کی خاک سے آنکھ کو روشنی حاصل تھی

راست[3] چوں سوسن و گل از اثرِ صحبتِ پاک
بالکل سوسن، اور گل کی طرح پاک صحبت کے اثر سے
بر زباں بود مرا آنچہ ترا در دل بود
میری زبان پر وہ تھا، جو تیرے دل میں تھا

دل[4] چو از پیرِ خرد نقدِ معانی میجست
عقل کے بوڑھے سے دل جب نقدِ معانی ڈھونڈتا تھا
عشق میگفت بشرح آنکہ برو مشکل بود
عشق، تفصیل سے وہ بتا دیتا تھا جو اس پر مشکل تھا

آہ ازیں جور و تظلم کہ دریں دامگہ است
اس ظلم، اور زیادتی پر آہ ہے، جو اس قید خانہ میں ہے
وائے زاں عیش و تنعم کہ در آں منزل بود
ہائے وہ عیش، اور ناز و نعمت جو اس منزل میں تھا

در دلم بود کہ بے دوست نباشم ہرگز
میرے دل میں تھا کہ دوست کے بغیر ہرگز نہ رہوں گا
چہ تواں گفت کہ سعیِ من و دل باطل بود
کیا کہا جائے کہ میری اور دل کی کوشش غلط تھی

دوش[5] بر یادِ حریفاں بخرابات شدم
کل دوستوں کی یاد میں، شراب خانہ میں گیا
خُمِ مے دیدم و خوں در دل و پا در گِل بود
شراب کا مٹکا دیکھا خون دل میں، اور پاؤں مٹی میں تھا

بس بگشتم کہ بپرسم سببِ دردِ فراق
بہت گھوما کہ فراق کے درد کا سبب دریافت کروں
مُفتیِ عقل دریں مسئلہ لایعقل بود
عقل کا مفتی، اس مسئلہ میں بے عقل تھا

راستی خاتمِ فیروزۂ بواسحاقی[6]
درست ہے، اسحاقی فیروزہ کی انگوٹھی
خوش درخشید ولے دولتِ مستعجل بود
اچھی چمکتی تھی، لیکن ناپائیدار دولت تھی

دیدی آں قہقہۂ کبکِ خراماں[7] حافظ
اے حافظ تو نے اکڑ کر چلنے والے کبک کے اس قہقہہ کو دیکھا؟
کہ ز سرپنجۂ شاہینِ قضا غافل بود
جو قضا کے شاہین کے پنجے سے غافل تھی

---

[1] آج وہ شراب میسر نہیں ہے۔
[2] یہ غزل ابو اسحاق کے مرثیہ میں لکھی گئی ہے سلطان ابو سعید کے بعد شیراز اور فارس کے دیگر ممالک کا امیر شیخ ابو اسحاق بادشاہ بن گیا تھا، اُس نے تھوڑے ہی زمانہ سلطنت کی تھی کہ امیر مبارز الدین کے حکم سے قتل کر دیا گیا تھا یہ خواجہ صاحب کا مربی اور ممدوح تھا۔
[3] پھول کو دل اور سوسن کو زبان قرار دیا ہے یعنی جس طرح جو پھول میں ہے وہی سوسن میں ہے۔ اسی طرح میں تیرے دل کا ترجمان تھا۔
[4] جس نکتہ کا حل عقل نہیں کر سکتی ہے اُس کو عشق حل کر دیتا ہے۔
[5] مے نوشوں کی یاد میں ہر چند اداسی تھی خُم کے دل میں خون تھا یعنی اس میں سرخ شراب بھری تھی۔
[6] بو اسحاقی فیروزہ کی ایک کان کا نام ہے۔ جو نیشاپور میں ہے اور ابو اسحاق کی طرف منسوب ہے اس شعر میں ابو اسحاق کی سلطنت کے بہت جلد ختم ہو جانے کی طرف اشارہ ہے۔
[7] کبکِ خراماں سے ابو اسحاق

یاری اندر کس نمی بینیم یاراں را چہ شد
ہم کسی میں دوستی نہیں دیکھ رہے ہیں، دوستوں کو کیا ہوا!

دوستی کو آخر آمد دوستداراں را چہ شد
دوستی گویا ختم ہو گئی، دوستوں کو کیا ہوا!

آبِ حیواں تیرہ گوں شد خضرِ فرخ پے کجاست
آبِ حیات گدلا ہو گیا، مبارک قدم خضر کہاں ہے؟

خوں چکید از شاخِ گل بادِ بہاراں را چہ شد
پھول کی شاخ سے خون ٹپک پڑا، موسم بہار کی ہوا کو کیا ہوا!

صد ہزاراں گل شگفت و بانگِ مرغے بر نخاست
لاکھوں پھول کھلے، اور کسی پرند کی آواز نہ نکلی

عندلیباں را چہ پیش آمد ہزاراں را چہ شد
عندلیبوں کو کیا پیش آیا، بلبلوں کو کیا ہوا!

لعلے از کانِ مروت بر نیامد سالہاست
سالوں گذر گئے، مروت کی کان سے کوئی لعل نہ نکلا

تابشِ خورشید و سعیِ باد و باراں را چہ شد
آفتاب کی گرمی، اور ہوا اور بارش کی کوشش کو کیا ہوا!

زہرہ سازِ خود نمیگیرد مگر عودش بسوخت
زہرہ اپنا ساز نہیں تھامتی ہے؟ شاید اس کی سارنگی جل گئی؟

کس ندارد شوقِ مستی میگساراں را چہ شد
مستی کا کسی کو شوق نہیں ہے، شرابیوں کو کیا ہوا!

کس نمیگوید کہ یارے داشت حقِ دوستی
کوئی نہیں کہتا ہے، کہ کوئی دوست دوستی کا حق رکھتا تھا

حق شناساں را چہ حال افتاد و یاراں را چہ شد
حق کے پہچاننے والوں کا کیا حال ہوا، دوستوں کو کیا ہوا!

گوئے توفیق و کرامت درمیاں افگندہ اند
توفیق اور بزرگی کی گیند، درمیان میں ڈالے ہوئے ہیں

کس بمیداں رو نمی آرد سواراں را چہ شد
کوئی میدان کا رخ نہیں کرتا ہے، سواروں کو کیا ہوا!

حافظ اسرارِ الٰہی کس نمیداند خموش
اے حافظ چپ رہ، خدائی بھید کوئی نہیں جانتا ہے

از کہ می پرسی کہ دورِ روزگاراں را چہ شد
کس سے پوچھتا ہے، کہ زمانوں کے دور کو کیا ہوا!

یک دو جامم دی سحرگہ اتفاق افتادہ بود
کل صبح، مجھے دو ایک جام پینے کا اتفاق ہوا تھا

وز لبِ ساقی شرابم در مذاق افتادہ بود
ساقی کے ہونٹ سے، میرے منہ میں شراب پڑی تھی

از سرِ مستی دگر با شاہدِ عہدِ شباب
مستی کی وجہ سے جوانی کے زمانہ کے معشوق سے دوبارہ

رجعتے میخواستم لیکن طلاق افتادہ بود
رجعت کرنا چاہتا تھا، لیکن طلاق واقع ہو چکی تھی

نقش می بستم کہ گیرم بوسہ زاں چشمِ مست
میں نے نقشہ جمایا تھا کہ اس مست آنکھ کا بوسہ لوں گا

طاقت و صبر از خمِ ابروش طاق افتادہ بود
طاقت اور صبر اس کے ابرو کے خم کی وجہ سے جواب دے چکا تھا

ساقیا جامِ دمادم دہ کہ در سیرِ طریق
اے ساقی پے در پے جام دے اس لیے کہ طریقت کے سفر میں

ہر کہ عاشق وش نیامد در نفاق افتادہ بود
جس نے عاشقانہ طرز نہ اختیار کیا نفاق میں مبتلا تھا

اے معبر مژدۂ فرما کہ دوشم آفتاب
اے تعبیر دینے والے کوئی خوشخبری دے کہ کل رات سورج

در شکر خوابِ صبوحی ہم وثاق افتادہ بود
میری صبح کی میٹھی نیند میں ہم منزل تھا

در مقاماتِ طریقت ہر کجا کردیم سیر
طریقت کے مقامات میں، جہاں کہیں ہم نے سیر کی

عافیت را با نظر بازی فراق افتادہ بود
آرام، اور نظر بازی میں جدائی تھی

گر نبودے شاہ یحییٰ نصرۃ الدین از کرم
اللہ کے کرم سے، اگر شاہ یحییٰ نصرت الدین نہ ہوتا

کارِ ملک و دیں ز نظم و اتفاق افتادہ بود
ملک، اور دین کا کام انتظام اور اتفاق سے گرا ہوا تھا

---

[1] خواجہ صاحب نے اس غزل میں اپنے ہم عصروں کی بے مروتی کا شکوہ کیا ہے۔
[2] کان میں لعل سورج کی شعاعوں اور آب و ہوا سے بنتا ہے۔ یعنی عرصہ گذر گیا اور کوئی مروت والا انسان پیدا نہیں ہوا۔
[3] زہرہ ستارے کو رقاصۂ فلک مانا گیا ہے
[4] کوئی کسی کی دوستی کے حق کا قائل نہیں ہے
[5] میں مستی سے اپنے جوانی کے زمانہ کو لوٹانا چاہتا تھا لیکن معلوم ہوا کہ اس معشوق پر اس قسم کی طلاق پڑ چکی ہے جس کے بعد رجعت ممکن نہیں ہے یعنی جوانی لوٹ کر نہیں آ سکتی ہے۔
[6] سوچا تھا کہ اس کی آنکھوں کا بوسہ لوں گا لیکن ناطاقتی نے اجازت نہ دی۔
[7] صبح کے وقت خواب میں دیکھا کہ گھر میں سورج آیا ہوا ہے یقیناً اس کی تعبیر ہے کہ معشوق آئے گا۔
[8] نظر بازی کے ساتھ راحت اور آرام جمع نہیں ہو سکتا ہے۔
[9] شاہ محمود نے شیراز فتح کرنے کے بعد شاہ یحییٰ نصرت الدین کو اس کا حاکم بنا دیا تھا جو بہت ہی دل عزیز شخص تھا۔

حافظ آں ساعت کہ ایں نظمِ پریشاں می‌نوشت
حافظ، جس وقت یہ پریشان نظم لکھ رہا تھا

طائرِ فکرش بدامِ اشتیاق افتادہ بود
اس کے فکر کا پرندہ عشق کے جال میں پھنسا ہوا تھا

یاد باد آنکہ زما وقتِ سفر یاد نکرد
یاد رہے، کہ سفر کے وقت ہمیں یاد نہ کیا

بوداعے دلِ غمدیدۂ ما شاد نکرد
ہمارے غمگین دل کو رخصت کرکے خوش نہ کیا

آں جوانمرد کہ میزد رقمِ خیر و قبول
اس نوجوان نے جو خیر اور قبولیت کا نشان قائم کرتا تھا

بندۂ پیر ندانم زچہ آزاد نکرد
بوڑھے غلام کو نہ معلوم کس وجہ سے آزاد نہ کیا

دل بہ امید صدائے کہ مگر در تو رسد
دل نے ایسی آواز کی امید پر کہ شاید تجھ میں اثر کر جائے

نالہا کرد دریں کوہ کہ فرہاد نکرد
اس پہاڑ میں ایسے نالے کئے، جو فرہاد نے نہ کئے

ہر شبے جامہ بخونابہ بشوئیم کہ فلک
ہر رات کو خاص خون سے کپڑے دھوتا ہوں اس لئے کہ آسمان نے

رہنموئیم بپائے علمِ داد نکرد
انصاف کے جھنڈے کے نیچے تک میری رہنمائی نہ کی

سایہ تا باز گرفتی ز چمن مرغِ سحر
جب سے چمن سے تو نے اپنا سایہ ہٹا لیا، صبح کے پرندے نے

آشیاں در شکنِ طرۂ شمشاد نکرد
شمشاد کی زلف کی شکن میں، گھونسلا نہیں بنایا

شاید ار پیکِ صبا از تو بیاموزد کار
مناسب ہوگا، اگر صبا کا قاصد تجھ سے کام سیکھے

زانکہ چالاکتر ازیں حرکت باد نکرد
اس لئے، کہ اس سے ہوا بھی تیز نہ چلی

کلکِ مشاطۂ صنعش نکشد نقشِ مراد
خدائی سنگھاری کی نائن کا قلم اس کی مراد کا نقش نہیں بناتا

ہر کہ اقرار بدیں حسنِ خداداد نکرد
جس نے اس خداداد حسن کا اقرار نہ کیا

مطربا پردہ بگرداں و بزن راہِ عراق
اے مطرب پردہ بدل اور نغمۂ عراق کو چھیڑ

کہ ازیں راہ بشد یار و زما یاد نکرد
اس لئے کہ معشوق اسی راستے سے چلا گیا اور ہمیں یاد نہ کیا

ازغزلہائے عراقیست سرودِ حافظ
حافظ کا گانا، عراق غزلوں سے ہے

کہ شنید ایں رہِ دل سوز کہ فریاد نکرد
یہ دل سوز نغمہ کس نے سنا کہ فریاد نہ کی

یارم چوں قدح بدست گیرد
جب میرا محبوب، پیالہ ہاتھ میں تھام لیتا ہے

بازارِ بتاں شکست گیرد
معشوقوں کا بازار، شکست کھا جاتا ہے

در بحر فتادہ ام چو ماہی
میں مچھلی کی طرح، دریا میں گرا ہوا ہوں

تا یار مرا بشست گیرد
تاکہ، مجھ کو محبوب کانٹے سے پکڑ لے

در پاش فتادہ ام بزاری
میں عاجزی سے، اس کے قدموں میں گرا ہوا ہوں

آیا بود آنکہ دست گیرد
کیا یہ ہو سکے گا، کہ وہ ہاتھ پکڑ لے

ہر کس کہ بدید چشمِ او گفت
جس نے بھی اس کی آنکھ دیکھی، وہ بولا

کو محتسبے کہ مست گیرد
محتسب کہاں ہے، جو مست کو گرفتار کرے

---

۱ معشوق بھلائی کا کام کرنے میں مشہور ہے لیکن مجھ بڑھے غلام کو آزاد نہ کیا جو برا کام ہے۔

۲ علمِ داد، بادشاہ عموماً ایک جھنڈا گاڑ دیتے تھے تاکہ فریادی اس کے نیچے جمع ہو جائیں اور پھر ان کا انصاف کر دیا جائے۔

۳ اتنی تیز رفتاری ہوا میں بھی نہیں ہے جس تیزی سے معشوق چلا گیا، تو صبا کو اس کی شاگردی کرنی چاہیے۔

۴ عراق موسیقی کے ایک پردے کا نام ہے جس پر عموماً عشقیہ گانے گائے جاتے ہیں۔ غزلہائے عراقی وہ غزلیں کہلائیں گی جن میں عشقیہ مضمون ہو

۵ شراب نوشی کے بعد اس کے حسن میں ایسا اضافہ ہو جاتا ہے کہ دوسرے حسین ماند پڑ جاتے ہیں۔

۶ اس کی آنکھیں اس قدر مست ہیں کہ محتسب کو انہیں گرفتار کر لینا چاہیے۔

خرم دلِ آنکہ ہمچو حافظ
حافظ کی طرح، اس کا دل خوش ہے جو
جامے ز مئے اَلَسْت گیرد
الست کی شراب سے ایک جام بھرے

ردیفِ ذالِ معجمہ

اے ذوقِ شہدِ لعلِ تو درکامِ من لذیذ
اے وہ کہ تیرے ہونٹ کے شہد کا مزا میرے حلق میں لذیذ ہے
حلوائے قند گرسنہ را در دہن لذیذ
قند کا حلوہ، بھوکے کے منہ میں لذیذ ہوتا ہے

دندانِ یار در دہنِ تنگ خوش نمود
تنگ منہ میں، محبوب کے دانت بھلے معلوم ہوتے ہیں
در کامِ حقہ دانۂ دُرِّ عدن لذیذ
ڈبیہ کے منہ میں عدن کے موتی بھلے ہیں

شہد و شکر ہر آنچہ ببازارِ عالم ست
شہد اور شکر، جو کچھ بھی دنیا کے بازار میں ہے
شیریں ازوست در دہنم ایں سخن لذیذ
اس کی وجہ سے شیریں ہے، میرے منہ میں یہ لذیذ بات ہے

حظے رسد بعنبرِ زلفت دماغ را
تیری زلف کے عنبر سے دماغ کو ایک حصہ ملتا ہے
باشد بمغز نفحۂ مشکِ ختن لذیذ
ختن کے مشک کی مہک دماغ کو لذیذ معلوم ہوتی ہے

مارا بباغِ دیدہ زاشکِ سفید و سرخ
ہماری آنکھ کے باغ میں سفید اور سرخ آنسوؤں سے
حظے ست چون بباغ گل و یاسمن لذیذ
وہ لطف حاصل ہے جیسے باغ میں گلاب اور یاسمن کے پھول ہوتے ہیں

گر خلق را بکام بود لذت از بہی
اگر دنیا والوں کے تالو کو بہی سے لذت حاصل ہوتی ہے
بیمارِ عشق را شدہ سیبِ ذقن لذیذ
عشق کے بیمار کے لیے، ٹھوڑی کا سیب لذیذ بن گیا ہے

عشقِ رخت بخاطرِ حافظ ز جملہ بہ
حافظ کی طبیعت میں تیرے رخسار کا عشق سب سے بہتر ہے
در مغزِ بلبل از ہمہ بوئے چمن لذیذ
بلبل کے دماغ میں چمن کی خوشبو سب سے زیادہ لذیذ ہے

اے گفتگوئے لعلِ تو در کامِ جاں لذیذ
اے کہ تیرے ہونٹوں کی بات، جان کے تالو میں لذیذ ہے
ذکرِ لبت چو طعمِ شکر در دہاں لذیذ
تیرے ہونٹوں کا ذکر، شکر کے ذائقے کی طرح منہ میں لذیذ ہے

دندانِ تست قطرۂ شیر و شکر لبت
تیرے دانت دودھ کا قطرہ اور تیرے ہونٹ شکر ہیں
در کامہاست شیر و شکر بہر آں لذیذ
دودھ اور شکر حلقوں میں اس وجہ سے لذیذ ہے

خونِ دل و کبابِ جگر ہر دو بہر تست
دل کا خون، اور جگر کے کباب دونوں تیرے لیے ہیں
باشد بہم کباب و مئے ارغواں لذیذ
کباب اور ارغوانی شراب اکٹھے لذیذ ہوتے ہیں

گفتم حدیثِ لطفِ تو آمد سخن لطیف
میں نے تیری عنایتوں کا ذکر کیا، تو بات پُر لطف ہو گئی
کردم بیانِ وصفِ لبت شد بیاں لذیذ
میں نے تیرے ہونٹوں کی تعریف کی تو بیان لذیذ ہو گیا

دل ناوکِ تو خواست کہ باشد ہمائے را
دل نے تیرے تیر کی خواہش کی اس لیے کہ ہما کے لیے
نسبت بطعمہائے دگر استخواں لذیذ
دوسرے کھانوں کی بہ نسبت، ہڈی مزیدار ہوتی ہے

---

۱ دانتوں کو عدن کے موتیوں سے تشبیہ دی ہے۔

۲ محبوب کے حسن کی تعریفیں میرے لیے شہد و شکر سے بھی زیادہ شیریں ہیں۔

۳ ہم اس کے ہجر میں سفید اور سرخ آنسو بہارہے ہیں اور ان کی سفیدی اور سرخی مگر ایسا منظر پیش کرتی ہے جیسا گلاب اور یاسمن کے باغ میں ہوتا ہے۔

۴ دانت دودھ کے قطرے کی طرح ہیں اور ہونٹ شکر کی طرح۔

۵ دل ہما ہے اور محبوب کا تیر ہڈی، دل نے محبوب کے تیر کی خواہش کی یعنی ہما، ہڈی کا خواستگار بنا۔

اُورا زبسکہ چاشنیِ حسنِ دلبری ست — پیوستہ حرفِ او گذرد بر زباں لذیذ

اُس کو چونکہ دلبری کے حسن کی بے حد چاشنی حاصل ہے — تو اس کی باتیں ہمیشہ زبان کو لذیذ معلوم ہوتی ہیں

حافظ بسے ز شیرۂ جاں پخت حلوۂ

حافظ نے جان کے شیرے سے، اکثر حلوا پکایا

در آرزوئے آں لبِ نامد چناں لذیذ

اس ہونٹ کی تمنا میں، اور ایسا لذیذ نہ نکلا

بنویس[1] دِلا بیار کاغذ — بفرست بآں نگار کاغذ

اے دل! لکھ! کاغذ لا — اس محبوب کو خط بھیج

اے[2] بادِ صبا ببر بآں شوخ — از عاشقِ بے قرار کاغذ

اے بادِ صبا! اس شوخ کے پاس لیجا — بے قرار، عاشق کی جانب سے پیغام

ہرگز نہ نویسد اُو جوابے — بنویسم اگر ہزار کاغذ

وہ ہرگز جواب نہیں لکھے گا — اگرچہ میں، ہزار خط لکھوں

تا نامِ تو نقش شد برو ماند — بر صفحۂ روزگار کاغذ

جب سے تیرا نام، اس پر نقش ہوا، باقی رہا — صفحۂ روزگار پر کاغذ

بنویس ز روئے مہربانی

مہربانی کرکے لکھ

بر حافظِ دل فگار کاغذ

خستہ دل، حافظ کو خط

ردیفِ رائے مہملہ

الا اے طوطیِ گویائے اسرار — مبادا از شکر خالیت منقار

اے اسرار بیان کرنے والی طوطی! — خدا کرے تیری چونچ، شکر سے خالی نہ ہو

سرت سبز و دلت خوش باد جاوید — کہ خوش[3] نقشے نمودی از خطِ یار

تو سرسبز، اور تیرا دل ہمیشہ خوش رہے — اس لیے کہ تونے یار کے خط کا اچھا نقش قایم کیا ہے

سخن سربستہ گفتی با حریفاں — خدا را زیں معما پردہ بردار

تونے دوستوں سے پوشیدہ بات کہی — خدا کے لیے، اس معمّہ پر سے پردہ اٹھا

بروئے[4] ما زن از ساغر گلابے — کہ خواب آلودہ ایم اے بختِ بیدار

ساغر سے، ہمارے منہ پر کچھ گلاب چھڑک — اس لیے، کہ اے بیدار بخت! ہم سوئے ہوئے ہیں

چہ رہ بود اینکہ زد در پردہ مُطرب — کہ میرقصند باہم مست و ہشیار

مُطرب نے پردہ پر جو گایا، وہ کیا گانا تھا! — کہ مست، اور ہوشیار ملکر رقص کر رہے ہیں

ازیں افیوں کہ ساقی در مے افگند — حریفاں را نہ سر ماند نہ دستار

اس افیون سے، جو ساقی نے شراب میں ملائی — دوستوں کا نہ سر رہے گا، نہ پگڑی

[1] کاغذ لاکر محبوب کو خط لکھو۔
[2] اے صبا ہمارا پیغام معشوق کو پہنچا۔
[3] طوطی کی داستان دراصل محبوب کے خط کا مضمون ہے
[4] بیدار کرنے کے لیے مُنہ پر پانی چھڑک دیا جاتا ہے۔

خرد ہر چند نقدِ کائنات است
عقل اگرچہ کائنات کی دولت ہے

چہ سنجد پیشِ عشقِ کیمیا کار
کیمیا ساز، عشق کے سامنے اس کا کیا وزن ہے؟

سکندر را نمی بخشند آبے
سکندر کو، پانی نہیں دیتے ہیں

بزور و زر میسّر نیست ایں کار
یہ کام زور، اور زر سے حاصل نہیں ہوتا ہے

بیا و حالِ اہلِ درد بشنو
آ، اور درد مندوں کا حال سُن

بلفظِ اندک و معنیٔ بسیار
کم الفاظ، اور زیادہ معنی کے ساتھ

بمستوراں مگو اسرارِ مستی
مستی کے راز، عبادت گزاروں کو نہ بتا

حدیثِ جاں مپرس از نقشِ دیوار
دیوار کی تصویر سے، جان کی بات دریافت نہ کر

بُتِ چینی عدوِّ دین و مال ست
چینی بُت، دین، اور مال کا دشمن ہے

خداوندا دل و دینم نگہ دار
اے خدا میرے دین، اور دل کی حفاظت کر

خداوندی بجائے بندگاں کرد
غلاموں کے ساتھ، آقائی کا معاملہ کیا

خداوندا از آفاتش نگہ دار
اے خدا اُس کو مصیبتوں سے بچا

بیُمنِ دولتِ منصور شاہی
منصور شاہی، حکومت کی برکت سے

عَلَم شد حافظ اندر نظمِ اشعار
اشعار کے نظم کرنے میں، حافظ مشہور ہوگیا

اے بادِ مُشک بو بگذر سوئے آں نگار
اے مشک جیسی خوشبو والی ہوا اس محبوب کے پاس سے گذر

بکشا گرہ ز زلفش و بوئے بمن بیار
اس کی زلف کی گرہ کھول، اور میرے پاس خوشبو لا

با او بگو کہ اے مہِ نا مہربانِ من
اس سے کہدے کہ اے میرے بے رحم چاندا

باز آ کہ عاشقانِ تو مردند ز انتظار
آ جا اس لیے کہ تیرے عاشق انتظار میں مرے ہیں

دل دادہ ایم و مہرِ توا ز جاں خریدہ ایم
ہم نے دل دیا ہے، اور تیری محبت جان کے بدلے خریدی ہے

بر ما جفا و جورِ فراقت روا مدار
اپنے فراق کے ظلم، اور ستم کو ہم پر روا نہ رکھ

کردی چو روزگار فراموش بندہ را
زمانہ کی طرح، تو نے غلام کو بھلا دیا

زنہار عرضِ یارِ وفادار گوش دار
وفادار دوست کی گذارش ضرور سن لے

ایدل بساز با غمِ ہجران و صبر کن
اے دل! ہجر کے ساتھ نباہ کر، اور صبر کر

اے دیدہ در فراقش ازیں بیش خوں مبار
اے آنکھ! اُس کے فراق میں اس سے زیادہ خون نہ برسا

آرے خیالِ دوست ز پیشِ نظر مشوی
ہاں دوست کے تصور کو، نظر کے سامنے سے نہ ہٹا

چوں بر وصالِ یار نداریم اختیار
جبکہ ہمیں دوست کے، وصال پر اختیار نہیں ہے

حافظ تو تا بکے غمِ مالِ جہاں خوری
اے حافظ! تو کب تک دنیا کی دولت کا غم کھائیگا؟

بسیار غم مخور کہ جہاں نیست پائدار
زیادہ غم نہ کھا اس لیے کہ دنیا پائدار نہیں ہے

۱؎ عقل اگرچہ کائنات کی دولت ہے لیکن عشق کے مقابلہ میں ہیچ ہے

۲؎ شعر
[illegible]

۳؎ منصور شیراز کا بادشاہ ہے جو شاہ یحییٰ کو قتل کرنے کے بعد بادشاہ بنا تھا، یہ خواجہ کا بڑا محسن تھا۔

۴؎ ہم پر عاشقوں پر ظلم کرنا مناسب نہیں ہے۔

۵؎ تو بھی زمانہ کی طرح بے وفائی کر رہا ہے۔

۶؎ یار کے وصل پر تو قابو نہیں ہے اس کا تصور ہی کر لیا جائے۔

۷؎ ناپائیدار دنیا کے غم میں نہ پڑنا چاہیے۔

اے بردہ گوئے حسن ز خوبانِ روزگار
اے وہ جو کہ حسن کی گیند دنیا کے حسینوں سے جیت لے گیا
قدت براستی چو سہی سروِ جویبار[1]
تیرا قد سیدھائی میں، نہر کے سرو سہی کی طرح ہے

الحق[2] وجودِ نقش و نشانِ دہانِ تو
صحیح بات یہ ہے کہ تیرے منہ کے نقش و نشان کا وجود
موہوم نقطہ ایست نہ پنہاں نہ آشکار
ایک ایسا موہوم نقطہ ہے جو نہ پوشیدہ ہے، نہ ظاہر

دادیم[3] دل بدستِ خط و زلف و خالِ تو
ہم نے تیرے خط اور زلف اور تل کے ہاتھوں میں دل دیدیا ہے
از دستِ ہر سہ تا چہ کشد این دلِ فگار
دیکھئے تینوں کے ہاتھوں سے یہ زخمی دل کیا مصیبت اٹھائے

بادا ہزار دشمن اگر یار با من است
اگر دوست میرے ساتھ ہو، ہزار دشمن ہوا کریں
دانم مصاف را و نترسم ز کارزار
میں لڑائی سمجھتا ہوں اور جنگ سے نہیں ڈرتا ہوں

عشقت چو در سراچۂ دل خانہ گیر شد
جب سے تیرا عشق دل کی سرائے میں مقیم ہوا ہے
زیں در اگر بدر شوم آیم باضطرار
اس دروازے سے اگر باہر نکلتا ہوں مجبوراً واپس لوٹتا ہوں

گر سرو[4] پیشِ قدِ تو سر میکشد مرنج
اگر تیرے قد کے بالمقابل سرو سرکشی کرے تو رنجیدہ نہ ہو
عقلِ طویل را نبود، ہیچ اعتبار
لمبے کی عقل کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا ہے

منصوبۂ ہوائے تو حافظ کنوں چو باخت
اب جبکہ حافظ نے تیری محبت کی بازی لگائی ہے
در ششدرِ[5] غمت دلش افتاد مہرہ وار
گوٹ کی طرح تیرے غم کے ششدر میں اس کا دل پھنس گیا

اے خرم از فروغِ رخت لالہ زارِ عمر
اے وہ کہ تیرے رخ کے نور سے عمر کا لالہ زار سرسبز ہے
باز آکہ ریخت بے گلِ رویت بہارِ عمر
لوٹ آ کہ تیرے رخ کے پھول کے بدون زندگی کی بہار ضائع ہو گئی

از دیدہ[6] گر سرشک چو باراں رود رواست
اگر آنکھ سے آنسو بارش کی طرح بہیں تو مناسب ہے
کاندر غمت چو برق بشد روزگارِ عمر
اس لیے کہ تیرے غم میں زندگی کا زمانہ برق کی طرح ختم ہو گیا

بے عمر زندہ ام من و زیں بس عجب مدار
میں بدون عمر کے زندہ ہوں اور اس پر زیادہ تعجب نہ کر
روزِ فراق را کہ نہد در شمارِ عمر
ہجر کے زمانہ کو، عمر میں کون گنتا ہے؟

اندیشہ[7] از محیطِ فنا نیست ہر کرا
اس کو فنا کے دریا سے، ہرگز ڈر نہیں ہے
بر نقطۂ دہانِ تو باشد مدارِ عمر
جس کی عمر کا مدار، تیرے منہ کے نقطہ پر ہو

در[8] ہر طرف ز خیلِ حوادث کمیں گہ است
حوادث کے لشکر کی ہر جانب گھات کی جگہ ہے
زاں رو عناں گستہ دواند سوارِ عمر
اسی لیے زندگی کا سوار باگ چھوڑے ہوئے دوڑ رہا ہے

ایں یک دو دم کہ دولتِ دیدار ممکن است
ان دو ایک سانسوں میں جبکہ دیدار کی دولت ممکن ہے
دریاب کارِ دل کہ نہ پیداست کارِ عمر
دل کا مقصد پورا کر لے، اس لئے کہ عمر کا معاملہ واضح نہیں ہے

تا کے[9] مے صبوح و شکر خوابِ صبح دم
صبح کی شراب اور صبح کی میٹھی نیند کب تک!
بیدار گرد ہاں کہ نماند اعتبارِ عمر
ہاں، بیدار ہو جا، اس لیے کہ عمر کا بھروسہ نہیں رہا

دی در گذار بود و نظر سوئے ما نکرد
کل جا رہا تھا اور اس نے ہماری طرف نظر نہ کی
بیچارہ دل کہ ہیچ ندید از گذارِ عمر
دل بیچارہ ہے کہ عمر گذارنے سے اس نے کوئی فائدہ نہ دیکھا

[1] سرو عموماً نہر کے کنارے لگایا جاتا ہے۔
[2] معشوق کے منہ کو نہ موجود کہا جا سکتا ہے نہ معدوم۔
[3] دل تین چیزوں کے پھندے میں پھنسا ہے دیکھئے اس پر کیا گزرتی ہے۔
[4] سرو دراز قد ہے اور دراز قد والے عموماً احمق ہوتے ہیں لہذا اسکی سرکشی سے رنجیدہ نہ ہونا چاہیے۔
[5] ششدر شطرنج کی بازی میں وہ مقام ہوتا ہے کہ جہاں اگر گوٹ پھنس جائے تو بدون مخالف کی گوٹ کو راستہ دیئے اپنی گوٹ کو کوئی راستہ نہیں ملتا ہے۔
[6] جبکہ محبوب کے غم میں عمر بجلی کی طرح گزر رہی ہے اگر آنکھوں سے بارش برسے تو کیا تعجب ہے۔
[7] جبکہ ایک موہوم نقطہ پر زندگی کا مدار ہے تو فنا سے کیا ڈرنا ہے۔
[8] عمر کا گھوڑا بکٹٹ اس لیے دوڑ رہا ہے کہ ہر طرف حوادث گھات میں ہیں۔
[9] صبح کی شراب اور نیند میں وقت ضائع نہ کرنا چاہیے عمر کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

حافظ[1] سخن بگوی که در صفحهٔ جہاں
حافظ اشعر کہہ کہ صفحۂ روزگار پر

ایں نقش ماند از قلمت یادگارِ عمر
تیرے قلم کا یہ نقش، زندگی کی یادگار رہے گا

اے صبا نکہتے از خاکِ درِ یار بیار
اے صبا! یار کے دروازے کی خاک کی ذرا سی خوشبو لا

ببر اندوہِ دل و مژدهٔ دلدار بیار
دل کا رنج دور کر دے اور محبوب کی خوشخبری لا

نکتهٔ روح فزا از دہنِ یار بگوئے
معشوق کے منہ کا کوئی روح فزا، نکتہ بیان کر

نامهٔ خوش خبر از عالمِ اسرار بیار
رازوں کی دنیا سے خوشخبری کا خط لا

تا معطر کنم از لطفِ نسیمِ تو مشام
تاکہ میں تیری نسیم کی لطافت سے دماغ کو معطر کروں

شمّهٔ از نفحاتِ نفسِ یار بیار
محبوب کے سانس کی خوشبو کا کچھ تھوڑا سا حصہ لا

بوفائے تو کہ خاکِ رہِ آں یارِ عزیز
تجھے اپنی وفاداری کی قسم کہ اُس پیارے دوست کے راستہ کی خاک

بے[2] غبارے کہ پدید آید از اغیار بیار
اُس غبار کے بدون، جو غیروں سے اُڑے، لا

روزگاریست کہ دل چہرهٔ مقصود ندید
ایک زمانہ گذر گیا کہ دل نے مقصود کا چہرہ نہیں دیکھا

ساقیا[3] آں قدحِ آئینہ کردار بیار
اے ساقی! آئینہ کی صفات کا وہ پیالہ لا

گردے از رہگذرِ دوست بکوریِ رقیب
رقیب کے اندھے پن کے لئے دوست کے راستہ کی گرد

بہرِ آسائشِ ایں دیدهٔ خونبار بیار
اس خون بہانے والی آنکھ کی راحت کے لیے لا

دلِ[4] دیوانہ ز زنجیر نمی آید باز
دیوانہ دل زنجیر سے باز نہیں آتا ہے

حلقهٔ از خمِ آں طرّهٔ طرّار بیار
اُس طرّار زلف کے پیچ کا ایک حلقہ لا

خامی و سادہ دلی شیوهٔ جانبازاں نیست
کچا پن، اور سادہ دلی، جانبازوں کا شیوہ نہیں ہے

خبرے از برِ آں دلبرِ عیّار بیار
اس عیار، دلبر کے پاس سے کوئی خبر لا

شکرِ آں را کہ تو در عشرتی اے مرغِ چمن
اے چمن کے پرندے اس شکریہ میں کہ تو عیش میں ہے

با سیرانِ قفس مژدهٔ گلزار بیار
قفس کے قیدیوں کے لیے گلزار کی کوئی خوشخبری لا

کامِ جاں تلخ شد از صبر کہ کردم بے دوست
بغیر دوست کے جو میں نے صبر کیا اُس سے جان کا حلق کڑوا ہو گیا

عشوهٔ زآں لبِ شیریں شکر بار بیار
اُس کے شکر برسانے والے میٹھے ہونٹ کی کوئی ادا لا

دلقِ حافظ بچہ ارزد بمیش رنگیں کن
حافظ کی گدڑی کس لائق ہے اس کو شراب سے رنگ

واں گہش مست و خراب از سرِ بازار بیار
اور پھر حافظ کو مست اور خراب سرِ بازار لا

اے صبا نکہتے از کوئے فلانے بمن آر
اے صبا! فلاں کے کوچہ کی ذرا سی خوشبو میرے پاس لا

زار و بیمارِ غمم راحتِ جانے بمن آر
میں غم کی وجہ سے لاغر اور بیمار ہوں کسی جان کی راحت میرے پاس لا

قلبِ بیحاصلِ ما را بزن اکسیرِ مراد
ہمارے نامراد دل پر، مراد کی اکسیر لگا دے

یعنی[5] از خاکِ درِ دوست نشانے بمن آر
یعنی دوست کے دروازے کی خاک کا نشان میرے پاس لا

[1] حافظ کے اشعار زمانہ میں یادگار رہیں گے۔
[2] اس خاک میں رقیبوں کے پیروں کی گرد شامل نہ ہو۔
[3] وہ پیالہ دے جس میں آئینہ کی طرح محبوب کا رخ نظر آئے۔
[4] اس دیوانہ دل کو زنجیر سے قابو میں نہیں لایا جا سکتا اس لئے محبوب کے زلف کے حلقہ کی ضرورت ہے۔
[5] معشوق کے راستہ کی خاک ہمارے دل کے لیے اکسیر ہے۔

در کمیں گاہِ نظر با دلِ خویشم جنگ ست — زابرو و غمزۂ او تیر و کمانے بمن آر
نظر کی کمین گاہ میں میری اپنے دل سے جنگ ہے — اسکی ابرو اور ادا کا تیر اور کمان میرے پاس لا

در غریبی و فراق و غمِ دل پیر شدم — ساغرِ مے ز کفِ تازہ جوانے بمن آر
مسافرت اور فراق اور دل کے غم میں بوڑھا ہو گیا ہوں — شراب کا پیالہ کسی نوجوان کے ہاتھ سے میرے پاس لا

منکرانرا ہم ازیں مے دو سہ ساغر بچشاں — وگر ایشاں نستانند روانے بمن آر
انکار کرنے والوں کو بھی اس شراب کے دو تین ساغر چکھا دے — اور اگر وہ نہ لیں، تو جلد میرے پاس، لا

ساقیا عشرتِ امروز بفردا مفگن — یا ز دیوانِ قضا خطِ امانے بمن آر
اے ساقی! آج کے عیش کو کل پر نہ ڈال — یا قضا کے دفتر سے امان کا ایک خط میرے پاس لا

دلم از پردہ بشد دوش کہ حافظ می گفت
میرا دل پردے سے باہر آ گیا کل جب کہ حافظ کہہ رہا تھا

اے صبا نکہتے از کوئے فلانے بمن آر
اے صبا فلاں کے کوچہ کی خوشبو میرے پاس لا

اے بر امیدِ وصلِ تو موقوف کارِ عمر — عمرِ منی کہ پیر شوی در کنارِ عمر
اے وہ کہ تیرے وصل کی امید پر زندگی کا کام موقوف ہے — تو میری زندگی ہے، خدا کرے زندگی کی بغل میں تو بوڑھا ہو

عمرِ عزیز ہمدمِ من باش یک دمے — تا خوش شود بدولتِ وصلِ تو کارِ عمر
پیاری زندگی، تھوڑی دیر کے لئے میرے ساتھ رہ — تاکہ تیرے وصل کی دولت سے زندگی کا معاملہ بہتر ہو جائے

دانند عاشقاں کہ نیاید بہ ہیچ کار — عمرے کہ بے تو میگذرد در شمارِ عمر
عاشق جانتے ہیں، کہ کسی کام نہیں آتی ہے — عمر کی گنتی میں، وہ زندگی جو تیرے بدون گذرتی ہے

عمرِ منی اگرچہ کہ عمر ست بے وفا — بادا ہزار جانِ گرامی نثارِ عمر
تو میری زندگی ہے، اگرچہ زندگی بے وفا ہے — خدا کرے ہزاروں پیاری جانیں، زندگی پر نچھاور ہوں

زینساں کہ عمر میگذرد در فراقِ تو — از جانِ خود ملول شدم در گذارِ عمر
اس طور پر، کہ زندگی تیرے فراق میں گذر رہی ہے — میں زندگی گذارنے میں اپنی جان سے تنگ آ گیا ہوں

چوں بر مدارِ عمر دمے اختیار نیست
جب زندگی کے دار و مدار پر، کچھ اختیار نہیں ہے

حافظ چہ اعتماد کند بر مدارِ عمر
زندگی کے مدار پر، حافظ کیا بھروسہ کرے

بعد ازیں ہرگز نہ بیند ہیچ میخوارے دگر — ہمچو من میخوارہ و مثلِ تو خمارے دگر
اس کے بعد کوئی شراب نوش پھر ہرگز نہ دیکھے گا — مجھ جیسا شرابی، اور تجھ جیسا دوسرا شراب فروش

ساقیے داریم ما چندانکہ مے از دستِ وے — میخوریم و باز میگوییم یکبارے دگر
ہمارا ایسا ساقی ہے، کہ ہم جس قدر بھی اسکے ہاتھ سے شراب — پیتے ہیں، اور پھر کہتے ہیں، کہ ایک بار اور

خرقۂ پشمینہ بفروشیم و نفروشیم زہد — وز سرِ گیسوئے او پوشیم زنارے دگر
ہم اونی گدڑی بیچتے ہیں، اور زہد نہیں بیچتے ہیں — اور اس کے گیسو سے دوسرا جنیو پہنتے ہیں

ا۔ ابرو کی کمان اور غمزہ کا تیر لا۔
۲۔ نوجوان محبوب کے ہاتھ سے شراب پینے سے جوانی لوٹ آئیگی۔
۳۔ جس سے اطمینان ہو جائے کہ میں کل تک زندہ رہوں گا۔
۴۔ حافظ نے جب مطلع کا پہلا مصرع پڑھا تو دل بے قابو ہو گیا۔
۵۔ جو زمانہ معشوق بدون گذرے وہ عمر میں نہیں جوڑا جاتا ہے، اس لیے کہ وہ زندگی کا نہیں موت کا زمانہ ہے
۶۔ شعر
جان کر منجملۂ خاصانِ میخانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

ہر کہ عاشق گشت میگویند خونِ دل خورد — پس نمیدانیم ما جز عاشقی کارے دگر
لوگ کہتے ہیں، جو عاشق بنا وہ دل کا خون پیتا ہے — لہٰذا ہم عاشقی کے سوا، کوئی دوسرا کام نہیں جانتے ہیں

حرمتِ دستارِ حافظ را بدار اے میفروش
اے شراب فروش، حافظ کی پگڑی کی عزت کر

کو جز ایں کہنہ ندارد ہیچ دستارے دگر
اس لئے کہ اس کے پاس اس پرانی پگڑی کے سوا اور پگڑی نہیں ہے

پروانہ[1] نمی شکیبد از نور — ور قصد کند بسوزد از دور
پروانہ، روشنی سے صبر نہیں کرتا ہے — اور اگر ارادہ کرتا ہے تو دور سے ہی جل جاتا ہے

ہر کس[2] بہوائے خود گرفتار — صاحب نظراں بروئے منظور
ہر شخص، اپنی خواہش میں گرفتار ہے — نظر والے، محبوب کے چہرے کے شوق میں

آنروز کہ روزِ حشر باشد — ق — دیوانِ قضا و عرضِ منشور
جس دن، حشر کا دن ہوگا — فیصلوں کے دفتر کا، حکموں کی پیشی کا

ما زندہ[3] بہ ذکرِ دوست باشیم — دیگر حیواں بنفخۂ صور
ہم، محبوب کے ذکر سے زندہ ہوں گے — دوسرے جاندار، صور پھکنے سے

آنگہ کہ تو در بہشت باشی — خود کس نہ کند نگاہ در حور
جب تو، بہشت میں ہوگا — اپنے آپ ہی، کوئی حور پر نگاہ نہ ڈالے گا

ما مستِ شرابِ نابِ عشقیم — نہ تشنۂ سلسبیل و کافور
ہم، عشق کی خالص شراب کے مست ہیں — نہ سلسبیل، اور کافور کے پیاسے

اے یار حذر ز آہِ ما کن
اے یار! ہماری آہ سے بچ

کآتش[4] نبرد حجابِ مستور
کہیں آگ، چھپنے والے کے پردے کو نہ جلادے

چون صبح کرد عزمِ جہانگیری اختیار — آفاق را ز حلۂ زربفت شد شعار
جب صبح نے دنیا کو فتح کرنے کا پختہ ارادہ کیا — اطرافِ عالم کا زربفت کے جوڑے کا لباس بنا

آفاق را طلیعۂ مہرِ جہاں فروز — آراستہ چو طلعتِ خورشیدِ کامگار
دنیا کو روشن کرنیوالے، سورج کی ابتدا نے اطرافِ عالم کو — کامیاب سورج کے چہرہ کی طرح آراستہ کر دیا

ایں[5] گوہر از کدام صدف خاست کز بہا — بر وے ہزار کوکبِ رخشاں کند نثار
یہ موتی کس سیپ سے نکلا، کہ قیمت کی وجہ سے — اسی پر صبح، ہزاروں چمکتے ستاروں کو نچھاور کر رہی ہے

فرصت شمار صحبت و بشنو بگوشِ ہوش — از حالِ گردشِ فلک و دورِ روزگار
صحبت کو غنیمت جان، اور ہوش کے کان سے سُن — آسمان کی گردش، اور زمانہ کے چکر کا حال

منصوبۂ ہوائے تو حافظ کنوں چہ باخت — در[6] ششدرِ غمت دلش افتادہ در وجا
اب حافظ، تیری محبت کا منصوبہ کیا ہارا — اس کا دل تیرے غم کے ششدرہ میں پھنس گیا

[1] پروانہ کو شمع سے نہ ملتے بنتی ہے نہ جدا ہوتے۔
[2] شعر
ہمیں تم پسند ہو تو مجنوں کو لیلےٰ
نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی
[3] دوسرے لوگ صور کے پھونکنے سے زندہ ہوں گے ہم محبوب کے ذکر سے جی اٹھیں گے۔
[4] ہماری آہ نے اگر پردہ جلادیا تو تو بے پردہ ہو جائے گا۔
[5] سورج پر صبح اپنے تمام ستارے نچھاور کر دیتی ہے۔
[6] اس شعر میں شطرنج کی بازیوں کی طرف اشارہ ہے ششدر اس بازی کو کہتے ہیں جہاں گوٹ ایسے مقام پر پھنس جائے کہ بدون دوسرے کو راستہ دیئے خود اپنا راستہ بند ہو جائے۔

دِلا چندم بریزی خون ز دیده شرم دار آخر
اے دل! میری آنکھ سے کتنا خون بہائے گا، آخر شرم کر
تو نیز اے دیدہ خوابے کن مرادِ دل برآر آخر
اے آنکھ! تو بھی کچھ سو جا، آخر دل کی مراد پوری کر

منم یارب کہ جانا نرا زعارض بوسہ میچینم
اے خدا! میں ہی ہوں کہ محبوب کے رخسار کا بوسہ لیتا ہوں
دعائے صبحدم دیدی کہ چوں آمد بکار آخر
تونے دیکھا، آخر صبح کی دعا کیسی کارآمد ہوئی

چو باد از خرمنِ غیراں ربودن خوشہ تا چند
دوسروں کے کھلیان سے ہوا کی طرح خوشہ چینی کب تک
زہمت توشہ بردار و خود تخمے بکار آخر
ہمت کا توشہ لے، آخر خود کوئی بیج بو

مرادِ دنیا و عقبیٰ بمن بخشید روزی بخش
روزی عنایت کرنے والے نے مجھے دنیا اور عقبیٰ کی مراد دیدی
بگوشم قولِ چنگ اوّل بدستم زلفِ یار آخر
ابتداءً میرے کان میں چنگ کا قول اور آخر میں میرے ہاتھ میں یار کی زلف ہے

نگارستانِ چیں دانم نخواہد شد سرایت لیک
مجھے معلوم ہے تیرا گھر چین کا نگارستان نہ بنے گا، لیکن
بنوکِ کلکِ رنگ آمیز نقشے می نگار آخر
قلم کی نوک سے رنگ ملا اور آخر کوئی نقش کھینچ

دلا در مُلکِ شبخیزی گر از اندوہ نگریزی
اے دل! شب خیزی کی دنیا میں اگر تو رنج سے گریز نہ کرے گا
دمِ صبحت بشارتہا بیارد زاں نگار آخر
صبح کا سانس آخرکار اس محبوب کی خوشخبریاں تجھے دے گا

بتے چوں ماہ زانو زدہ مے چوں لعل پیش آورد
چاند جیسا معشوق دو زانو ہو کر بیٹھا ہے اور لعل جیسی شراب لایا ہے
تو گوئی تائبم حافظ ز ساقی شرم دار آخر
اے حافظ! تو کہتا ہے میں نے توبہ کر لی ہے، آخر ساقی سے شرم کر

دیگر ز شاخِ سروِ سہی بلبلِ صبور
صابر بلبل نے سرو سہی کی شاخ سے پھر
گلبانگ زد کہ چشمِ بد از روئے گل بدور
آواز دی کہ پھول کے چہرے سے نظرِ بد دور ہو

اے گل بشکر آنکہ شگفتی بکامِ دل
اے پھول! اس شکرانے میں کہ تو دل کے مقصد کے مطابق کھل گیا ہے
با بلبلانِ بیدلِ شیدا مکن غرور
بے دل، عاشق، بلبلوں سے غرور نہ کر

زاہد اگر بحور و قصور ست امیدوار
زاہد، اگر حور اور محلوں کا امیدوار ہے
مارا شرابخانہ قصور ست و یار حور
ہمارے لیے شراب خانہ محل ہیں اور یار حور ہے

از دستِ غیبتِ تو شکایت نمی کنم
تیری عدم موجودگی کی، میں شکایت نہیں کرتا ہوں
تا نیست غیبتے ندہد لذتے حضور
جب تک عدم موجودگی نہیں ہوتی ہے، موجودگی مزہ نہیں دیتی ہے

گر دیگراں بعیش و طرب خرم اند و شاد
اگر دوسرے عیش اور مستی میں خوش و خرم ہیں
مارا غمِ نگار بود مایۂ سرور
ہمارے لئے محبوب کا غم، خوشی کا سرمایہ ہے

مے خور ببانگِ چنگ و مخور غصہ ور کسے
چنگ کی دھن پر شراب پی، اور غصہ نہ کر، اگر کوئی
گوید ترا کہ بادہ مخور گو ہو الغفور
تجھے کہے کہ شراب نہ پی، تو کہدے وہ بخشنے والا ہے

حافظ شکایت از غمِ ہجراں چہ میکنی
اے حافظ! ہجر کے غم کی تو کیا شکایت کرتا ہے
در ہجر وصل باشد و در ظلمت ست نور
ہجر میں ہی وصل ہوتا ہے اور تاریکی میں نور ہے

---

۱ دل کو شرم آنی چاہیے وہ آنکھوں سے خون بہا رہا ہے، سونے میں ہی محبوب کا دیدار میسر آتا ہے۔
۲ ہوا دوسروں کے کھلیان سے خوشہ چینی کرتی ہے، انسان کو اپنی کمائی کھانی چاہیے۔
۳ دنیا کی مراد چنگ کا گانا اور آخرت کی مراد زلفِ یار ہے۔
۴ اگر انسان مانی جیسی نقاشی نہ بھی کر سکے تو بھی کچھ نہ کچھ تو کرے۔
۵ موسم خزاں میں بلبل صابر بنی ہوئی تھی اب موسم بہار آنے پر نغمہ سرائی کر رہی ہے۔
۶ فراق کے بعد ہی وصال میں لذت پیدا ہوتی ہے۔
۷ خدا کی مغفرت پر بھروسہ کر کے پی جا۔

روئے بنماو مراگو کہ دل از جاں برگیر
چہرہ دکھا اور مجھ سے کہہ کہ جان سے دل ہٹالے
پیش شمع آتش پروانہ بجاں گو در گیر[1]
کہدے کہ شمع کے سامنے، پروانہ کی آگ جان میں لگالے

برلب تشنۂ من بیں ومدار آب دریغ
میرے پیاسے ہونٹ کو دیکھ، اور پانی میں دریغ نہ کر
بر سر کشتۂ خویش آی وز خاکش برگیر
اپنے مقتول کے پاس آ، اور اس کو خاک سے اٹھالے

چنگ بنواز و بساز ار نبود عود چہ باک
چنگ بجا اور درست کرلے اگر عود نہیں تو کیا پرواہ ہے
آتشم عشق و دلم عود و تنم مجمر گیر
میرے عشق کو آگ، اور میرے دل کو اگر، اور میرے جسم کو انگیٹھی فرض کرلے

در سماع آی وز سر خرقہ برانداز برقص
سماع میں آ، اور وجد میں سر سے خرقہ اتار پھینک
ورنہ در گوشہ نشیں دلق ریا در برگیر
ورنہ گوشہ نشیں ہوجا، ریاکاری کی گدڑی پہن لے

دوست[2] گو یار شود ہر دو جہاں دشمن باش
دوست سے کہدو یار بنجائے، اور دونوں جہان دشمن ہوں
بخت گو پشت مکن بر روئے زمیں لشکر گیر
نصیب کو کہدو پشت نہ دکھائے اور روئے زمین لشکر ہوجائے

ترک[3] درویش مگیر ار نبود سیم و زرش
فقیر کو نہ چھوڑ اگر اس کے پاس سونا اور چاندی نہ ہو
در غمت سیم شمار اشک و رخش را زر گیر
اپنے غم میں اسکے آنسوؤں کو چاندی اور اسکے رخ کو سونا سمجھ

میل رفتن مکن ای دوست دمے باما باش
اے دوست جانیکی خواہش نہ کر اور تھوڑی دیر ہمارے ساتھ رہ
برلب[4] جوئے طرب جوی و بکف ساغر گیر
نہر کے کنارے مستی چاہ، اور ہاتھ میں پیالہ پکڑ

رفتہ گیر از برم ایں آتش و آب دل و چشم
میرے جسم سے دل کی اس آگ کو اور آنکھ کے پانی کو گیا ہوا سمجھ
گونہ ام زرد و لبم خشک و کنارم تر گیر
میرے رنگ کو زرد، اور میرے ہونٹ کو خشک اور میری بغل کو تر سمجھ

صوف برکش ز سر و بادۂ صافی در کش
سر سے کمبل اتار پھینک، اور صاف شراب پی
سیم در باز و بر و سیمبرے در برگیر
چاندی کو ہاردے اور جا چاندی جیسے جسم والے کو بغل میں لے لے

حافظ آراستہ کن بزم و بگو واعظ را
اے حافظ! مجلس سجا، اور واعظ سے کہدے
کہ ببین مجلسم و ترک سر منبر گیر
کہ میری مجلس دیکھ، اور منبر چھوڑ دے

روئے[5] بنماو وجود خودم از یاد ببر
چہرہ دکھادے اور میرے وجود کو میری یاد سے بھلادے
خرمن سوختگاں راہمہ گو باد ببر
کہدے کہ سب جلے ہوؤں کے کھلیان کو ہوا اڑا لیجائے

ماکہ دادیم دل و دیدہ بطوفان بلا
ہم، جنھوں نے دل اور آنکھ کو مصیبت کے طوفان کے سپرد کردیا ہے
گو بیا سیل غم و خانہ ز بنیاد ببر
کہدو غم کا بہاؤ آئے، اور گھر کو بنیاد سے اکھاڑ لیجائے

زلف چوں عنبر خامش کہ ببوید ہیہات
افسوس ہے، اسکی کچے عنبر جیسی زلف کو کون سونگھ سکتا ہے؟
ایدل خام طمع ایں سخن از یاد ببر
اے خام طمع دل! اس بات کو بھلادے

سینہ[6] گو شعلۂ آتشکدۂ پارس بکش
سینہ سے کہدو پارس کے آتشکدہ کی آگ کو بجھادے
دیدہ گو آب رخ دجلۂ بغداد ببر
آنکھ سے کہدو بغداد کے دجلہ کی آبرو لیجائے

سعی ناکردہ دریں راہ بجائے نرسی
کوشش بدون تو اس راستہ میں کسی جگہ نہ پہونچے گا
مزد اگر می طلبی طاعت استاد ببر
اگر تو صلہ چاہتا ہے تو استاد کی فرمانبرداری کر

[1] شمع سے محبوب کا رخسار آتش پروانہ سے عشق مراد ہے۔
[2] دشمن چہ کند چو مہرباں باشد دوست۔
[3] عاشق کے آنسو کو چاندی اور زرد چہرے کو سونا سمجھ۔
[4] یعنی آنکھوں سے نہریں بہہ رہی ہیں۔
[5] چہرہ دکھاکر مجھے بیخود بنادے اور خودی سے غافل کردے۔
[6] سینہ میں ایسی آگ ہونی چاہیے جس سے پارسیوں کا آتش کدہ شرما جائے۔ آنکھوں سے آنسو دجلہ سے زیادہ جاری ہونے چاہئیں۔

دوش میگفت بمژگانِ درازت بکشم
کل کہہ رہا تھا: تجھے لمبی پلکوں سے قتل کر دوں گا

یاربؔ از خاطرش اندیشۂ بیداد ببر
اے خدا! اس کی طبیعت سے ظلم کا ڈر نکال دے

روزِ مرگم نفسے وعدۂ دیدار بدہ
میرے مرنے کے دن کے لیے تھوڑی دیر دیدار کا وعدہ کرلے

وانگہم تا بہ لحد فارغ و آزاد ببر
پھر تو مجھے قبر تک فارغ، اور آزاد لیجا

دولتِ پیرِ مغاں باد کہ باقی سہل ست
پیر مغاں کی دولت باقی رہے، اس لیے کہ باقی باتیں تو آسان ہیں

دیگرے گو برود نامِ من از یاد ببر
دوسرے سے کہدو چلا جائے، اور میرا نام یاد سے مٹا دے

بعد ازیں چہرۂ زردِ منؔ و خاکِ درِ دوست
اس کے بعد میرا زرد چہرہ ہوگا، اور دوست کے در کی خاک

بادہ پیش آر و بیکجا غمم از یاد ببر
شراب سامنے لا، اور مجھے غم بالکل بھلا دے

حافظ اندیشہ کن از نازکیِ خاطرِ یار
اے حافظ! یار کے مزاج کی نزاکت کا خیال رکھ

بر واز درگہش ایں نالہ و فریاد ببر
اس کے دربار سے چلا جا، اور اس نالہ اور فریاد کو لیجا

ساقیا مایۂ شباب بیار
اے ساقی! جوانی کا سرمایہ لا

یک دو ساغر شرابِ ناب بیار
خالص شراب کے ایک دو ساغر، لا

داروئے دردِ عشق یعنی مے
عشق کے درد کی دوا، یعنی شراب

کوست درمانِ شیخ و شاب بیار
جو بوڑھے، اور جوان کا علاج ہے، لا

آفتابؔ ست و ماہ بادہ و جام
سورج اور چاند ہیں، شراب، اور جام

درمیانِ مہ آفتاب بیار
چاند میں سورج، لا

غمِ دوراں مخور کہ رفت و نرفت
زمانہ کا غم نہ کھا، کہ گیا، اور نہ گیا

نغمۂ بربط و رباب بیار
بربط، اور رباب کا نغمہ، لا

میکندؔ عقل سرکشیِ تمام
عقل پوری سرکشی کرتی ہے

گردنش را ز مے طناب بیار
اس کی گردن کے لیے، شراب کی رسی، لا

بزن ایں آتشِ مرا آبے
میری اس آگ پر تھوڑا پانی ڈال

یعنی آں آتشِ چو آب بیار
یعنی وہ آگ، جو پانی کی طرح ہے، لا

گل اگر رفت گو بشادی رو
پھول اگر چلا گیا، کہدو خوشی سے جائے

بادۂ ناب چوں گلاب بیار
عرقِ گلاب کی طرح خالص شراب، لا

غلغلِ قمری ار نماند رواست
قمری کا شور، اگر نہیں رہا تو مناسب ہے

قلقلؔ شیشۂ شراب بیار
شراب کے شیشہ کی قلقل، لا

یا صوابست یا خطا خوردن
پینا جائز ہے، یا گناہ

گر خطا ہست و گر صواب بیار
خواہ گناہ ہے، خواہ جائز، لا

وصلؔ او جز بخواب نتواں دید
اس کے وصل کو خواب کے سوا نہیں دیکھا جا سکتا

داروئے کوست اصلِ خواب بیار
وہ دوا، جو نیند کی جڑ ہے، لا

۱ خدا کرے وہ قتل کر دے اور ظلم کا خیال کرکے ارادہ ترک نہ کرے۔
۲ محبوب کے مزاج کی نزاکت فریاد اور نالہ کی برداشت نہیں کر سکتی ہے۔
۳ خالص شراب جوانی کا سرمایہ ہے۔
۴ چاند میں آفتاب لا یعنی جام میں شراب لا۔
۵ عقل کی سرکشی شراب کی رستی سے جائیگی۔
۶ قُلقُل وہ آواز ہے جو صراحی کے انڈیلنے سے پیدا ہوتی ہے۔
۷ وصل بیداری میں میسر نہ آئیگا بلکہ خواب میں میسر آسکتا ہے۔

گرچہ مستم سہ چار جامِ دگر تا بکلّی شوم خراب بیار
اگرچہ میں مست ہوں، تین چار جام اور لا، تاکہ میں بالکل مست ہو جاؤں

یک دو رطلِ گراں بہ حافظ دہ
حافظ کو ایک دو، بھاری پیمانے دے

گر گناہ است وگر ثواب بیار
خواہ گناہ ہے، خواہ ثواب، لا

سروِ بالا بلندِ خوش رفتار دلبرِ نازنینِ خوش گفتار
بلند قد، خوش رفتار، سرو نازنین دلبر، خوش کلام

دلِ ما بردہ بہ عیّاری ازبرائے خدا نگاہش دار
تو، چالاکی سے ہمارا دل لے گیا خدا کے لئے اس کی حفاظت کر

زلفِ[1] سنبل اگر بر افشانی نبود مشک را دگر مقدار
اگر تو سنبل کی زلف کو، جھٹک دے پھر مشک کی قدر نہ ہوگی

بیوفائی مکن دگر پیشہ بوفا کوش اے بُتِ عیّار
پھر بیوفائی کا پیشہ، نہ اختیار کر اے چالاک بُت! وفا اختیار کر

گاہ گاہے ببوسہ ام بنواز تا بگردی ز عمر بر خوردار
مجھے، کبھی کبھی بوسہ سے نواز دے تاکہ تو، اپنی زندگی سے پھل کھانے والا بنے

تا بدیدم دو چشمِ جادویت در دلِ من بنماند صبر و قرار
جب سے میں نے تیری دونوں جادوگر آنکھوں کو دیکھا ہے میرے دل میں صبر و قرار نہیں رہا

حافظِ[2] دردمند حیران ست
درد مند، حافظ حیران ہے

بندۂ تست بے زر و مقدار
مفلس، اور بے مرتبہ تیرا غلام ہے

شبِ[3] قدر ست و طے شد نامۂ ہجر سَلَامٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ
شبِ قدر ہے، اور ہجر کا نامہ لپٹ گیا ہے وہ سلامتی ہے، جب تک فجر طلوع ہو

دلا در عاشقی ثابت قدم باش کہ در ایں رہ نباشد کار بے اجر
اے دل! عاشقی میں ثابت قدم رہ اس لیے کہ اس راستہ میں کوئی کام بلا اجر نہیں ہے

من از رندی نخواہم کرد توبہ ولو آذيتني بالهجر و الهجر[4]
میں رندی سے توبہ نہ کروں گا اگرچہ تو مجھے بُرا بھلا کہہ کر، اور جدائی سے ستائے

دلم رفت و ندیدم روئے دلدار فغاں ازایں تطاول آہ ازیں زجر
میرا دل چلا گیا، اور میں نے محبوب کا چہرہ نہ دیکھا اس ظلم سے فریاد ہے، اس جھڑکنے پر آہ ہے

برآ اے صبحِ روشن دل خدارا کہ بس تاریک می بینم شبِ ہجر
اے روشن دل صبح! خدا کے لئے نکل آ میں فراق کی رات کو بہت تاریک دیکھ رہا ہوں

[1] محبوب کی زلف جو سنبل کی زلف کی طرح ہے اس کی خوشبو کے بالمقابل مشک بے قدر ہے۔
[2] حافظ اگرچہ مفلس اور حقیر ہے لیکن تیرا غلام ہے۔
[3] شب قدر کے بارے میں ہے کہ وہ فجر کے طلوع ہونے تک سلامتی ہی سلامتی ہے۔
[4] ہجر بفتح ہا جدائی اور بضم بُرا بھلا کہنا۔

وفا خواہی جفا کش باش حافظ
اے حافظ! تو وفا چاہتا ہے تو جفا کش بن
فَاِنَّ الرِّبحَ وَالخُسرَانَ فِی التَّجَر
اس لیے کہ تجارت میں نفع اور ٹوٹا ہے

صبا ز منزلِ جاناں گذر دریغ مدار
اے صبا! محبوب کے مکان کے پاس سے گذرنے میں دریغ نہ کر
وز و بعاشقِ مسکیں خبر دریغ مدار
اور مسکین عاشق کو اس کی خبر دینے میں دریغ نہ کر

بشکرِ آنکہ شگفتی بکامِ دل اے گل
اے پھول! تو دل کی مراد کے موافق کھل گیا ہے اسکے شکریہ میں
نسیمِ وصل ز مرغِ سحر دریغ مدار
وصل کی خوشبو کو بلبل تک پہونچانے میں دریغ نہ کر

مرادِ ما ہمہ موقوفِ یک کرشمہ تست
ہماری ساری تمنا تیری ایک ادا پر موقوف ہے
ز دوستانِ قدیم ایں قدر دریغ مدار
قدیم دوستوں سے اس قدر دریغ نہ کر

حریفِ بزمِ تو بودم چو ماہِ نو بودی
جب تو نیا چاند تھا، میں تیری بزم کا شریک تھا
کنوں کہ ماہِ تمامی نظر دریغ مدار
اب جبکہ تو مکمل چاند ہے، نظر کرنے میں دریغ نہ کر

جہان و ہر چہ درو ہست سہل و مختصر ست
دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے آسان اور مختصر ہے
ز اہلِ معرفت ایں مختصر دریغ مدار
جان پہچان والوں سے، اس مختصر میں دریغ نہ کر

مکارمِ تو بآفاق می برد شاعر
شاعر تیری بھلائیاں، دنیا میں لیجاتا ہے
از و وظیفہ و زادِ سفر دریغ مدار
اس کے لئے وظیفہ، اور سفر کے توشہ سے دریغ نہ کر

چو ذکرِ خیر طلب میکنی سخن این ست
اگر تو ذکر خیر چاہتا ہے، تو بات یہ ہے
کہ در بہائے سخن سیم و زر دریغ مدار
کہ شعر کی قیمت میں چاندی اور سونے سے دریغ نہ کر

کنوں کہ چشمہ نوش ست لعلِ شیرینت
اب جبکہ تیرا لعل جیسا شیریں ہونٹ، شہد کا چشمہ ہے
سخن بگوی و ز طوطی شکر دریغ مدار
بات کر، اور طوطی کو شکر دینے میں دریغ نہ کر

مسافراں کہ بہمت کنند سیرِ بسیط
وہ مسافر جو باطنی توجہ سے دنیا کی سیر کرتے ہیں
برائے مقدمِ ایشاں سفر دریغ مدار
ان کی پیشوائی میں، سفر سے دریغ نہ کر

غبارِ غم برود حال بہ شود حافظ
غم کا غبار جاتا رہے گا، حافظ! حالت اچھی ہو جائیگی
تو آبِ دیدہ ازیں رہگذر دریغ مدار
تو اس راستہ پر، آنکھوں کے پانی سے دریغ نہ کر

عید ست و موسمِ گل و یاراں در انتظار
عید اور موسم بہار ہے اور دوست انتظار میں ہیں
ساقی بروئے شاہ ببیں ماہ و مے بیار
اے ساقی! شاہ کے چہرے میں چاند دیکھ اور شراب لا

دل برگرفتہ بودم از ایامِ گل و لے
میں نے موسم بہار سے دل ہٹا لیا تھا، لیکن
کارے نکرد ہمتِ پاکانِ روزگار
زمانہ کے نیکوں کی توجہ نے کچھ کام نہ کیا

گر فوت شد سحور چہ نقصاں صبوح ہست
اگر سحری چھوٹ گئی، تو کیا فکر ہے، صبح کی شراب تو ہے
از مے کنند روزہ کشا طالبانِ یار
یار کے طالب شراب سے روزہ کشائی کرتے ہیں

۱؎ عشق کے کاروبار میں کبھی ٹوٹا، یعنی ظلم کبھی نفع یعنی وفا حاصل ہوتا ہے۔
۲؎ اے پھول اپنے کھلنے کے شکرانہ میں بلبل تک خوشبو پہونچا دے۔
۳؎ جب تیرا نوخیز حسن تھا میں تیرا ہم مجلس تھا اب جبکہ تیرا حسن شباب پر ہے، نگہِ کرم نہ پھیر۔
۴؎ ممدوح سے عطیہ کی درخواست ہے۔
۵؎ میں طوطی ہوں اور تیرا کلام شکر ہے طوطی کو شکر کھلائی جاتی ہے لہٰذا مجھ سے بات کر۔
۶؎ اولیاء اللہ اپنے مراقبہ میں سارے جہانوں کی سیر کر لیتے ہیں۔
۷؎ شاہ کا چہرہ دیکھ لے جو چاند کی طرح ہے۔
۸؎ میں نے توبہ کر لی تھی لیکن بزرگوں کی باطنی توجہ نے ساتھ نہ دیا اور میں توبہ پر قائم نہ رہ سکا۔
۹؎ رندوں کی سحری صبح کی شراب ہے اور شراب ہی افطاری ہے۔

جز نقدِ جاں بدست ندارم شراب کو
نقدِ جاں کے سوا میرے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے شراب کہاں ہے؟

کاں نیز بر کرشمۂ ساقی کنم نثار
کہ وہ بھی میں ساقی کی ادا پر نچھاور کر دوں

خوش دولتے ست خرّم و خوش خسروِ کریم
دولت بھی اچھی ہے، اور سخی بادشاہ بھی خوش و خرم ہے

یارب ز چشم زخمِ زمانش نگاہ دار
اے خدا! زمانہ کی نظرِ بد سے اسے بچا

مے خور بشعرِ بندہ کہ زیبے دگر دہد
بندہ کے اشعار پر شراب پی! اس لئے کہ نئی رونق دیگا

جامِ مرصّع تو بدیں دُرِّ شاہوار[1]
تیرا جڑاؤ جام، اس بادشاہ کے لائق موتی کے ساتھ

دل در جہان مبند و ز مستے سوال کن
دنیا میں دل نہ پھنسا، اور کسی مست سے پوچھ

از فیضِ جام[2] و قصۂ جمشیدِ کامگار
جام کے فیض، اور کامیاب جمشید کا قصہ

ایدل جنابِ عشق بلندست ہمّتے
اے دل! عشق کی بارگاہ اونچی ہے، ہمت کر

نیکو شنو حدیث و تواں قصہ گوش دار
بات کو اچھی طرح سن، اور تو اس قصے پر کان دھر

زآنجا کہ پردہ پوشیِ لطفِ عمیم تست
چونکہ تیری عام مہربانی، پردہ پوش ہے

بر نقدِ ما بپوش کہ قلبے ست کم عیار
ہمارے سکہ کی پردہ پوشی کر کیونکہ وہ کھوٹا کم خالص ہے

ترسم کہ روزِ حشر عناں بر عناں رود
مجھے ڈر ہے کہ حشر کے دن برابر ہوں گی

تسبیحِ شیخ[3] و خرقۂ رندِ شراب خوار
شیخ کی تسبیح، اور شراب خوار رند کی گدڑی

حافظ چو رفت روزہ و گل نیز میرود
اے حافظ جبکہ رمضان گذر گیا اور موسم گل بھی گذر رہا ہے

ناچار بادہ نوش کہ از دست رفت کار
مجبوراً شراب پی، کہ ہاتھ سے کام نکل گیا

عاشقِ یارم مرا[4] با کفر و ایماں چہ کار
میں تو یار کا عاشق ہوں، مجھے کفر، اور ایمان سے کیا کام؟

تشنۂ دردم مرا با وصل و با ہجراں چہ کار
میں درد کا پیاسا ہوں، مجھے وصل اور ہجر سے کیا کام؟

از لبِ جاناں نمی یابم نشانِ زندگی[5]
معشوق کے ہونٹ سے مجھے زندگی کا نشان نہیں ملتا ہے

پس مرا اے جانِ من با جان و با جاناں چہ کار
پس اے میری جان! مجھے معشوق، اور جان سے کیا کام؟

کشتۂ عشقم مرا از شحنۂ دوراں چہ غم[6]
میں عشق کا مقتول ہوں، مجھے زمانہ کے کوتوال کا کیا غم؟

مفلسِ عورم مرا با زمرۂ دیواں چہ کار
میں ننگا مفلس ہوں، میرا دفتر والوں سے کیا کام؟

قبلہ و محرابِ من ابروئے دلدارست و بس
میرا قبلہ، اور محراب بس دلدار کی ابرو ہے

این دلِ شوریدہ را با این چہ و با آں چہ کار
اس دیوانہ دل کو اِس، اور اُس سے کیا کام؟

چونکہ اندر ہر دو عالم یار میباید مرا
چوں کہ دونوں جہانوں میں، مجھے یار چاہیے

با بہشت و دوزخ و با حور و با غلماں چہ کار[7]
بہشت، اور دوزخ، اور حور، اور غلمان سے کیا کام؟

ہر کہ آز خود شد مجرّد در طریقِ عاشقی
جو عشق کے راستہ میں اپنے وجود ہی سے جدا ہو گیا

از غم و دردش چہ آگاہی و با درماں چہ کار[8]
اس کو درد اور غم سے کیا واقفیت، اور علاج سے کیا کام؟

صورتِ مرداں چہ خواہی سیرتِ مرداں گزیں
تو مردوں کی صورت کیا چاہتا ہے، مردوں کی عادت اختیار کر

مردِ عاشق پیشہ را با صورتِ ایواں چہ کار
عاشق پیشہ انسان کو محل کی تصویر سے کیا کام؟

---

[1] دُرِّ شہوار یعنی وہ موتی جو بادشاہ کے لائق ہو مراد اشعار ہیں۔
[2] مست بتادے گا کہ جام سے کیا فیض حاصل ہوتا ہے اور یہ کہ جب جمشید جیسا بادشاہ بھی مر گیا دنیا کس قدر ناپائیدار ہے۔
[3] قیامت میں ریاکار شیخ کی تسبیح اور شراب خوار کی گدڑی یکساں ثابت ہوں گی۔
[4] ہمارا تعلق محبوب سے ہے ہمیں کفر اور ایمان سے کچھ بحث نہیں ہے۔
[5] جبکہ ہمیں محبوب کا حیات بخش ہونٹ حاصل نہیں ہے تو ہم اب جان اور جاناں کی کیا بات کریں۔
[6] مُردے کو کوتوال کا کوئی ڈر نہیں ہوتا مفلس دفتروں کے چکر نہیں کاٹتا ہے۔
[7] شعر
[illegible]
[8] جو عشق میں فنا کا درجہ حاصل کر لیتا ہے اس کو نہ درد کی خبر رہتی ہے نہ علاج کا طالب ہوتا ہے۔

حافظا گر عاشق و مستی دگر رہ باز گوی
اے حافظ! اگر تو عاشق اور مست ہے دوبارہ کہہ

عاشقِ یارم مرا با کفر و با ایماں چہ کار
میں یار کا عاشق ہوں، مجھے کفر اور ایمان سے کیا کام؟

گر بود عمر بمیخانہ روم بارِ دگر
اگر زندگی رہی، میخانہ میں دوبارہ جاؤں گا

بجز از خدمتِ رنداں نکنم کارِ دگر
رندوں کی خدمت کے سوا، دوسرا کام نہ کروں گا

خرم آں روز کہ با دیدۂ گریاں بروم
وہ دن مبارک ہوگا کہ روتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ جاؤں گا

تا زنم آبِ درِ میکدہ یکبارِ دگر
تاکہ میکدہ کے دروازہ پر دوبارہ چھڑکاؤ کروں

معرفت نیست دریں قوم خدایا مددے
اس قوم کو پہچان نہیں ہے، اے خدا مدد کر

تا برم گوہرِ خود را بخریدارِ دگر
تاکہ اپنے گوہر کو دوسرے خریدار کے پاس لیجاؤں

عافیت می طلبد خاطرم ار بگذارند
میری طبیعت عافیت چاہتی ہے، اگر چھوڑیں

غمزۂ شوخش و آں طرۂ طرارِ دگر
پھر اس کی شوخ ادا، اور وہ طرار زلف

گر مساعد شودم دائرۂ چرخِ کبود
اگر نیلے چرخ کا دائرہ، میرا مددگار ہو

ہم بچرخ آورمش باز بپرکارِ دگر
پھر اس کو دوسری پرکار سے دائرہ میں لے آؤں گا

رازِ سربستۂ ما بیں کہ بدستاں گفتند
ہمارے سربستہ راز کو دیکھ، داستان میں انھوں نے بیان کیا

ہر زماں بادف و نے بر سرِ بازارِ دگر
دف اور بانسری کے ساتھ ہر وقت ایک نئے بازار میں

یار اگر رفت و حقِ صحبتِ دیریں نشناخت
دوست اگر چلا گیا اور دیرینہ صحبت کا حق نہ پہچانا

حاش للہ کہ روم من زپئے یارِ دگر
خدا بچائے کہ میں دوسرے یار کے پیچھے جاؤں

ہر دم از درد بنالم کہ فلک ہر ساعت
میں ہر وقت درد سے نالاں ہوں اس لیے کہ آسمان ہر گھڑی

کندم قصدِ دلِ زار بآزارِ دگر
میرے کمزور دل کا نئی تکلیف کے ساتھ ارادہ کرتا ہے

بازگویم نہ دریں واقعہ حافظ تنہاست
میں پھر کہتا ہوں اس واقعہ میں تنہا حافظ نہیں ہے

غرقہ گشتند دریں بادیہ بسیار دگر
اس جنگل میں دوسرے بہت سے تباہ ہو گئے ہیں

نصیحتے کنمت بشنو و بہانہ مگیر
تجھے ایک نصیحت کرتا ہوں، سن، اور بہانہ نہ بنا

ہر آنچہ ناصحِ مشفق بگویدت بپذیر
جو کچھ مشفق، ناصح تجھ سے کہے، اس کو قبول کر

ز وصلِ روئے جواناں تمتعے بردار
جوانوں کے چہرے کے وصل سے فائدہ اٹھا

کہ در کمینگہِ عمر ست مکرِ عالمِ پیر
اس لیے کہ بوڑھے جہاں کا مکر زندگی کی گھات میں ہے

نعیمِ ہر دو جہاں پیشِ عاشقاں بجوے
عاشقوں کے نزدیک دونوں جہانوں کی نعمتیں ایک جَو کے برابر ہیں

کہ ایں متاعِ قلیل ست و آں بہائے حقیر
اس لیے کہ یہ تھوڑا سا سامان، اور وہ حقیر قیمت ہے

معاشرے خوش و رودے بساز میخواہم
ایک اچھا دوست اور ساز میں سے ایک رود چاہتا ہوں

کہ دردِ خویش بگویم بنالۂ بم و زیر
تاکہ اونچے نیچے سروں سے اپنا درد بیان کر دوں

۱؎ یعنی اس غزل کے مطلع کو پھر پڑھ۔

۲؎ اپنے آنسوؤں سے چھڑکاؤ کروں تاکہ گرد و غبار نہ اڑے۔

۳؎ جی تو آرام کو چاہتا ہے لیکن معشوق کی ادا اور زلف چین نہیں لینے دیتے ہیں۔

۴؎ پرکار کے دائرہ میں جو چیز آجاتی ہے وہ چاروں طرف سے گھر جاتی ہے یعنی معشوق کو پھر قابو میں لاؤں گا۔

۵؎ لوگ ہمارے ہی راز کو دف اور نے کے ذریعہ ظاہر کر رہے ہیں۔

۶؎ نصیحت کا بیان اگلے اشعار میں ہے۔

۷؎ نصیحت یہ ہے کہ نوجوان معشوقوں سے لطف اندوز ہو۔

۸؎ ایں سے ہر دو جہان اور آں سے جَو کی طرف اشارہ ہے۔

۹؎ رود ایک قسم کے ساز کا نام ہے زیر، گانے میں دھیمی آواز اور بم بلند آواز کو کہتے ہیں۔

برآں سرم کہ ننوشم مے وگنہ نکنم
میں اس خیال میں ہوں کہ شراب نہ پیوں اور گناہ نہ کروں

اگر موافقِ تدبیرِ من شود تقدیر
اگر تقدیر، میری تدبیر کے موافق ہو جائے

دلِ رمیدۂ مارا کہ پیش میگیرد
ہمارے بھاگے ہوئے دل کا کون راستہ روکے گا؟

خبر دہید بہ مجنونِ بستہ در زنجیر
زنجیر میں بندھے ہوئے، مجنوں کو خبر دے دو

چو قسمتِ ازلی بے حضورِ ما کردند
جب ازلی تقسیم، ہماری موجودگی کے بدون انھوں نے کی ہے

گر اندکے نہ بوفق رضاست خردہ مگیر
اگر تھوڑا سا مرضی کے موافق نہیں، اعتراض نہ کر

بعزمِ توبہ نہادم قدح زکف صد بار
میں نے توبہ کے ارادہ سے، سو بار پیالہ ہاتھ سے رکھا

ولے کرشمۂ ساقی نمیکند تقصیر
لیکن ساقی کی ادا، کوتاہی نہیں کرتی ہے

چو لالہ در قدحم ریز ساقیا مئے ناب
اے ساقی! خالص شراب لالہ جیسی میرے پیالہ میں انڈیل

کہ نقشِ خالِ نگارم نمیرود ز ضمیر
اسلئے کہ میرے دل سے محبوب کے تل کا نقشہ نہیں مٹتا ہے

مئے دو سالہ و محبوبِ چاردہ سالہ
دو سالہ شراب، اور چودہ سالہ معشوق

ہمیں بس ست مرا صحبتِ صغیر و کبیر
بڑے چھوٹے کی صحبت میں سے مجھے یہی کافی ہیں

نگفتمت کہ حذر کن ز زلفِ او ایدل
اے دل! میں نے تجھ سے نہیں کہا تھا کہ اس کی زلف سے بچنا

کہ میکنند در آں حلقہ باد در زنجیر
اس لیے کہ اس حلقہ میں ہوا کو بھی قید کر دیتے ہیں

بیار ساغرِ یاقوت و فیضِ دُرِّ خوش آب
یاقوتی ساغر، اور اچھی آب کے موتی کا فیض، لا

حسود گو کرمِ آصفی ببین و بمیر
حاسد سے کہدے، آصفی کرم دیکھ، اور مر جا

بنوش بادہ و عزمِ وصالِ جاناں کن
شراب پی، اور محبوب کے وصل کا ارادہ کر

سخن شنو کہ زنندت ز بامِ عرش صفیر
بات سن، اس لیے کہ عرش کے بالاخانہ سے تجھے پکارتے ہیں

حدیثِ توبہ دریں بزمگہ مگو واعظ
اے واعظ! اس بزم میں توبہ کی بات نہ کر

کہ ساقیانِ کماں ابروئیت زنند بہ تیر
کیونکہ کمان جیسے ابرو والے ساقی تجھ پر تیر چلا دینگے

چہ جائے گفتۂ خاجو و شعرِ سلمانست
خاجو کے کلام اور سلمان کے اشعار کا کیا موقع ہے؟

کہ شعرِ حافظِ شیراز بہ ز شعرِ ظہیر
اس لیے کہ شیراز کے حافظ کے اشعار ظہیر کے اشعار سے اچھے ہیں

ہمتے از عاشقاں گر عاشقی ہمراہ گیر
اگر تو عاشق ہے، عاشقوں کی توجہ ساتھ رکھ

پائے بر فرقِ خداوندِ کلاہ و گاہ گیر
تاج، اور رتبہ والے کے سر پر، پیر دھر

سنگِ مستی بر سرِ درویشِ غیرت خواہ زن
غیرت کھانے والے درویش کے سر پر مستی کا پتھر مار

داغِ حسرت بر دلِ دیندارِ دنیا خواہ گیر
دنیا کے طالب، دین دار کے دل پر حسرت کا داغ لگا

ز آسماں ہمت بیاموز و تواضع از زمیں
آسمان سے ہمت، اور زمین سے تواضع سیکھ

مردمی از مہر جوی و نورِ مہر از ماہ گیر
سورج سے بہادری لے اور چاند سے محبت کا نور حاصل کر

تا بکے گیری ز بہرِ منصبے دامانِ شاہ
کسی عہدے کے لیے بادشاہ کا دامن کب تک تھامے گا

رَو چو مرداں حلقۂ درگاہِ شاہنشاہ گیر
جا، مردوں کی طرح بادشاہوں کے بادشاہ کے دربار کی زنجیر پکڑلے

---

۱ یعنی خدائی فیصلے ہمارے سامنے نہیں ہوئے ہیں اب اگر ہم سے تھوڑی سی غلطی ہو جائے تو ملامت کے قابل نہیں ہے۔
شعر
پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدمی کوئی ہمارا دم تحریر بھی تھا

۲ ساقی کی ادا توبہ توڑنے میں کوتاہی نہیں برتتی ہے۔

۳ آصف حضرت سلیمان کے وزیر کا نام ہے یہاں عماد ابن محمود مراد ہے، جو سلطان قطب الدین کا وزیر تھا۔

۴ خاجو سلمان ساوجی ظہیر فاریابی فارسی کے مشہور شعراء ہیں یعنی حافظ شیرازی کا کلام ان سب سے بہتر ہے۔

۵ جب درویش میں غیرت کا مادہ ہو اسکو مدہوش کر دے اور دنیا دار عابد کے دل پر حسرت کا داغ لگا دے

۶ آسمان کو ہمت والا، زمین کو متواضع، سورج کو بہادر، چاند کو پُر از محبت قرار دیا جاتا ہے۔

۷ فریادی شاہی دربار میں جاکر زنجیر کو پکڑتا تھا۔

گر چو شاہاں بر سریرِ مُلک نتوانی نشست
اگر بادشاہوں کی طرح ملک کے تخت پر تو نہیں بیٹھ سکتا ہے

رَو چو فرّاشاں طنابِ خیمہ و خرگاہ گیر
جا فرّاشوں کی طرح خیمہ اور خرگاہ کا رسا تھام لے

عشق گوید روز و شب در گوشِ ہر تر دامنے
دن رات، ہر گنہگار کے کان میں عشق کہتا ہے

گر تو مردِ راہِ مائی زیں سبکتر راہ گیر
اگر تو ہماری راہ کا مرد ہے، اس سے ہلکا راستہ اختیار کر

تا بکے ازلا سخن گوئی بیا حافظ بیا
اے حافظ! آ جا کب تک "لا" کی بات کہے گا

ایں زماں فتراکِ عشقِ سِرِّ الّا اللہ گیر[1]
اب الّا اللہ کے راز کے عشق کا شکار بند تھام لے

یوسفِ گم گشتہ باز آید بکنعاں غم مخور[2]
گم شدہ یوسف کنعاں میں واپس آ جائے گا، غم نہ کر

کلبۂ احزاں شود روزے گلستاں غم مخور
غموں کی کوٹھری، کسی دن باغ بن جائے گی، غم نہ کر

ایں دلِ غمدیدہ حالش بہ شود دل بد مکن
اس غم زدہ دل کا حال اچھا ہو جائیگا، نا امید نہ ہو

ویں سرِ شوریدہ باز آید بساماں غم مخور
اور یہ پریشان دماغ، پھر آراستہ ہو جائیگا، غم نہ کر

گر بہارِ عمر باشد باز بر طرفِ چمن
اگر عمر کی بہار رہی، چمن کے کنارے پر پھر

چترِ گُل بر سر کشی اے مُرغِ خوشخواں غم مخور
پھول کا چھتر تو سر پر رکھیگا اے خوش الحان پرندہ غم نہ کر

دورِ گردوں گر دو روزے بر مرادِ ما نگشت
اگر زمانہ کا چکر ایک دو روز ہماری منشار کے مطابق نہ چلا

دائماً یکساں نماند کارِ دوراں غم مخور
تو زمانہ کا کام، ہمیشہ یکساں نہ رہے گا، غم نہ کر

ہاں مشو نومید چوں واقف نۂ از سرِّ غیب
ہاں، نا امید نہ ہو جبکہ تو غیب کے راز سے واقف نہیں ہے

باشد اندر پردہ بازیہائے پنہاں غم مخور
پردے کے اندر چھپی بازیاں ہوں گی، غم نہ کر

ہر کہ سرگرداں بعالم گشت و غمخوارے نیافت
جو شخص دنیا میں پریشاں پھرا، اور کوئی غمخوار نہ ملا

آخر الامر او بغمخوارے رسد ہاں غم مخور
انجام کار وہ کسی غمخوار تک پہنچتا ہے، غم نہ کر

در بیاباں گر بشوقِ کعبہ خواہی زد قدم
اگر کعبہ کے شوق میں، تو بیاباں میں قدم رکھنا چاہتا ہے

سرزنشہا گر کند خارِ مُغیلاں غم مخور[3]
اگر ببول کا کانٹا جھڑکیاں دے، غم نہ کر

حالِ ما در فرقتِ جاناں و ابرامِ رقیب
دوست کے فراق اور رقیب کے ستانے سے جو ہمارا حال ہے

جملہ میداند خدائے حال گرداں غم مخور
حالتوں کو بدلنے والا، خدا سب جانتا ہے، غم نہ کر

اے دل ار سیلِ فنا بنیادِ ہستی بر کند
اے دل! فنا کا سیلاب اگر وجود کی بنیاد اکھاڑ دے

چوں ترا نوح است کشتیباں ز طوفاں غم مخور
جبکہ تیرا کشتیبان نوح ہے، طوفان کا غم نہ کر

گر چہ منزل بس خطرناکست و مقصد ناپدید
اگرچہ منزل بہت خطرناک ہے، اور مقصود اوجھل ہے

ہیچ راہے نیست کو را نیست پایاں غم مخور
کوئی راستہ ایسا نہیں ہے جس کی انتہا نہ ہو، غم نہ کر

حافظا در کنجِ فقر و خلوتِ شبہائے تار
اے حافظ! فقر کے گوشہ میں، اور تاریک راتوں کی تنہائی میں

تا بود وِردت دعا و درسِ قرآں غم مخور
جب تک تیرا ورد دعا اور قرآن کا درس ہے، غم نہ کر

---

[1] "لا" یعنی "نہیں" اس سے اللہ کے ماسوا کی نفی ہوتی ہے۔ "الّا اللہ" مگر اللہ" اس سے خدا کے وجود کا اقرار ہوتا ہے تصوف میں ابتداءً لا کا تصور قائم کیا جاتا ہے پھر الّا اللہ پر پہونچا جاتا ہے۔

[2] اس پوری غزل میں خواجہ نے اِنَّ مَعَ العُسْرِ یُسْرًا کی تفسیر کی ہے یعنی ہر تنگی کے بعد راحت ہے۔ کنعان، حضرت یعقوبؑ کا شہر ہے

[3] مُغیلاں اصل میں امّ غیلان تھا ام بمعنی ماں اور غیلان غول کی جمع بمعنی دیو اب ببول کے درخت کو کہا جاتا ہے جو صحرائے عرب میں بکثرت پیدا ہوتا ہے۔

ردلیفِ زائے مُعجمہ

اے سروِ نازِ حسن کہ خوش میروی بناز
اے حسن کے سروِ ناز! تو جو ناز سے خوش خرامی کر رہا ہے
عُشّاق رابناز تو ہر لحظہ صد نیاز
تیرے ناز پر عاشقوں کی جانب سے ہر وقت سو نیازمندیاں ہیں

فرخندہ باد طالعِ نازت کہ در ازل
تیرے ناز کا نصیبہ مبارک ہو، اس لیے کہ ازل میں
بُبریدہ اند بر قدِ سروت قبائے ناز
تیرے سرو کے قد کے مطابق، ناز کی قبا چھانٹی ہے

آنرا کہ بوئے عنبرِ زلفِ تو آرزوست
جس کو تیری زلف کے عنبر کی، خوشبو کی آرزو ہے
چوں عُودگو بر آتشِ سوزاں بسوز و ساز
کہہ دو اگر کی طرح جلتی آگ پر جلے اور دم نہ مارے

از طعنۂ رقیب نگردد عیارِ کم
رقیب کے طعنے سے، کھرا پن کم نہیں ہوتا ہے
چوں زر اگر برند مرا در دہانِ گاز
جبکہ گانتی کے منہ سے مجھے سونے کی طرح کاٹیں

پروانہ را ز شمع بود سوزِ دل ولے
پروانہ کے دل میں جلن، شمع کی وجہ سے ہوتی ہے، لیکن
بے شمعِ عارضِ تو دلم را بود گداز
تیرے رخسار کی شمع کے بدون، میرا دل پگھلتا رہتا ہے

دل کز طوافِ کعبۂ کویت وقوف یافت
جس دل نے تیرے کوچہ کے کعبہ کے طواف سے واقفیت حاصل کر لی
از شوقِ آں حریم ندارد سرِ حجاز
اس حریم کے شوق کی وجہ سے حجاز کا خیال نہیں کرتا ہے

ہردم بخونِ دیدہ چہ حاصل وضو چو نیست
آنکھ کے خون سے ہر وقت وضو کرنے سے کیا فائدہ جبکہ
بے طاقِ ابروِ تو نمازِ مرا جواز
تیری ابرو کے طاق کے بدون، میری نماز کا جواز نہیں ہے

صوفیِ ما کہ توبہ ز مے کردہ بود دوش
ہمارا صوفی، جس نے کل شراب سے توبہ کی تھی
بشکست عہد چوں درِ میخانہ دید باز
اس نے عہد توڑ دیا جب شراب خانہ کا دروازہ کھلا دیکھا

چوں بادہ مست بر سرِ خم رفت کف زناں
تالیاں بجاتا ہوا، مستِ شراب کی طرح مٹکے پر پہونچا
حافظ کہ دوش از لبِ ساغر شنید راز
جب حافظ نے کل ساغر کے ہونٹ سے راز سنا

براہِ میکدہ عُشّاق راست در تگ و تاز
شراب خانہ کے راستہ میں، عُشّاق کی دوڑ بھاگ میں
ہماں نیاز کہ حُجّاج را براہِ حجاز
وہی عاجزی ہے جو حاجیوں کو حجاز کے راستہ میں

چہ گویمت کہ ز سوزِ دروں چہ می بینم
میں تجھ سے کیا کہوں کہ اندرونی سوزش سے میرا کیا حال ہے
ز اشک پرس حکایت کہ من نیم غمّاز
آنسوؤں سے قصہ دریافت کر لے کیونکہ میں چغلخور نہیں ہوں

غرض کرشمۂ حسنست ورنہ حاجت نیست
حسن کا کرشمہ دکھانا ہے ورنہ کوئی ضرورت نہیں ہے
جمالِ دولتِ محمود را بزلفِ ایاز
محمود کی دولت کے جمال کو، ایاز کی زلف کی

بہیچ در نروم بعد ازیں ز حضرتِ دوست
اس کے بعد دوست کے دربار سے کسی دروازہ پر نہ جاؤں گا
چو کعبہ یافتم آیم ز بُت پرستی باز
جب میں نے کعبہ پا لیا بت پرستی سے باز آجاؤں گا

شبے چنیں بسحر گہ ز بخت میخواہم
صبح کے وقت، اپنے نصیبہ سے ایسی رات مانگتا ہوں
کہ با تو شرحِ سر انجامِ خود کنم آغاز
جس میں تیرے سامنے اپنے انجام کی شرح کا آغاز کر دوں

۱؎ ازل میں ناز کی قبا تیرے قد کے مطابق تراشی گئی ہے اسی وجہ سے تیرے اوپر خوب پھبتی ہے۔
۲؎ جب تک عاشق اپنے وجود کو عود کی طرح عشق کی آگ پر نہیں جلاتا ہے اس کو زلفِ محبوب کی خوشبو حاصل نہیں ہوتی۔
۳؎ اگرچہ رقیب اپنے منہ کی قینچی سے میرے ٹکڑے بھی کر ڈالے تب بھی میرے اخلاص میں کمی نہیں آسکتی ہے جس طرح سے خالص سونے کو گانتی سے کاٹ کر کٹھالی میں گلایا جاتا ہے۔
۴؎ محبوب کا طاقِ ابرو مجھے میسر نہیں اور اس کے بدون میری نماز جائز نہیں تو خونِ دل سے وضو کرنے سے کیا فائدہ ہے۔
۵؎ قدرت کو حسن کا کرشمہ ظاہر کرنا تھا ورنہ محمود کو ایاز سے ہر طرح کی بے نیازی حاصل تھی۔
۶؎ میرا کعبہ تو دوست کا دربار ہے اس سے ہٹ کر جانا بت پرستی ہوگی۔

شعر

تنم ز ہجرِ تو چشم از جہاں فرو میدوخت
میرا بدن تیرے ہجر کی وجہ سے دنیا سے آنکھ بند کرنا چاہتا تھا
امّیدِ دولتِ وصلِ تو داد جانم باز
تیرے وصل کی اُمّید نے، مجھے پھر زندگی بخشدی

چہ حلقہ ہا کہ زدم بر درِ دل از سرِ سوز
سوز کے ساتھ میں نے دل کے دروازہ پر کس قدر زنجیریں کھڑکائیں
بہ بوئے روزِ وصالِ تو در شبانِ دراز
لمبی راتوں میں تیرے وصل کے دن کی تمنا میں

چو غنچہ سِرِّ نہفتہ نہاں کجا ماند
غنچہ کی طرح چھپا ہوا راز کب پوشیدہ رہ سکتا ہے،
دلِ مرا کہ نسیمِ صباست محرمِ راز
جبکہ صبا کی نسیم، میرے دل کی محرمِ راز ہے

زشوقِ مجلسِ آں ماہِ خرگہی حافظ
اے حافظ! اُس خیمہ والے، چاند کی مجلس کے شوق میں
گرت چو شمع جفائے رسد بسوز و بساز
اگر شمع کی طرح تجھے ظلم پہونچے جل اور موافقت کر

برنیامد از تمنائے لبت کامم ہنوز
تیرے ہونٹ کی تمنا سے اب تک میرا مقصد پورا نہیں ہوا
بر امیدِ جامِ لعلت دُردی آشامم ہنوز
تیرے لعل کے جام کی امید میں اب تک تلچھٹ پینے والا ہوں

روزِ اوّل رفت دینم در سرِ زلفینِ تو
پہلے ہی دن تیری دونوں زلفوں کے خیال میں میرا دین چلا گیا
تا چہ خواہد شد دریں سودا سرانجامم ہنوز
دیکھو اس جنون میں میرا انجام اب کیا ہوگا؟

از خطا گفتم شبے موئے ترا مشکِ ختن
ایک رات، میں نے غلطی سے تیرے بالوں کو مشکِ ختن کہدیا
میزند ہر لحظہ تیرے مو بر اندامم ہنوز
ہر لحظہ اب تک بال میرے بدن پر تیر مار رہے ہیں

نامِ من رفتہ است روزے بر لبِ جاناں بسہو
ایک دن میرا نام بھولے سے محبوب کے ہونٹوں پر آگیا تھا
اہلِ دل را بوئے جاں می آید از نامم ہنوز
اہلِ دل کو اب تک میرے نام سے جان کی خوشبو آرہی ہے

پرتوِ روئے ترا در خلوتم دید آفتاب
سورج نے تیرے رُخ کا نور میری خلوت میں دیکھ لیا تھا
میرود چوں سایہ ہر دم بر لبِ بامم ہنوز
اب تک سایہ کی طرح میرے بالاخانہ پر دوڑ رہا ہے

در ازل دادہ است ما را ساقیِ لعلِ لبت
ہمیں ازل میں تیرے لبِ لعلیں کے ساقی نے دیا ہے
جرعۂ جامے کہ من مدہوشِ آں جامم ہنوز
جام کا ایک ایسا گھونٹ جس سے میں، اب تک اس جام کا مست ہوں

ساقیا یک جرعہ دہ زاں آبِ آتشگوں کہ من
اے ساقی اس آگ جیسے پانی سے ایک گھونٹ دے اس لیے کہ میں
در میانِ پختگانِ عشقِ او خامم ہنوز
اُس کے عشق کے پختہ کاروں میں ابھی تک کچا ہوں

ایکہ گفتی جاں بدہ تا باشدت آرامِ دل
اے وہ کہ تو نے کہا جان دیدے تاکہ تجھے دل کا آرام حاصل ہوجائے
جاں بغمہایش سپردم نیست آرامم ہنوز
میں نے جان اُس کے غموں کے سپرد کردی مجھے ابتک آرام حاصل نہیں ہے

در قلم آورد حافظ قصۂ لعلِ لبش
حافظ اس کے ہونٹ کا قصہ، تحریر میں لے آیا
آبِ حیواں میرود ہر دم ز اقلامم ہنوز
میرے قلموں سے اب تک آبِ حیات بہہ رہا ہے

بیا و کشتیِ ما در شطِ شراب انداز
آ، اور ہماری کشتی کو شراب کے دریا میں ڈال دے
غریو و ولولہ در جانِ شیخ و شاب انداز
جوش اور خروش بوڑھے اور جوان کی جان میں ڈالدے

۱؎ نسیم صبا میری ہمراز ہے وہ جس طرح غنچے کے راز ظاہر کردیتی ہے میرے راز بھی ظاہر کردیگی۔ غنچہ نسیم سے کھل جاتا ہے۔

۲؎ محبوب کی زلف کو مشکِ ختن کہنا زلف کی توہین ہے۔

۳؎ چونکہ محبوب نے بھولے سے ایک بار میرا نام لے لیا تھا اسلیئے اس میں خوشبو آگئی۔

۴؎ سورج میرے کوٹھے پر اس لیے ٹہلتا پھرتا ہے کہ اس کو میرے گھر میں محبوب کا نور نظر آگیا تھا۔

۵؎ لوگوں نے بتایا تھا کہ جان دینے سے راحت حاصل ہوجائیگی، لیکن ایسا نہ ہوا۔

۶؎ چونکہ حافظ نے قلم سے محبوب کے ہونٹوں کی تعریف لکھی ہے اس لیے اس کے قلم سے آبِ حیات جاری ہوگیا ہے۔

۷؎ کشتی سے پیالہ مراد ہے جو کشتی کی صورت میں بنایا جاتا ہے۔

مرا[1] بکشتیِ بادہ درافگن اے ساقی
اے ساقی! مجھے شراب کی کشتی میں ڈال دے
کہ گفتہ اند نکوئی کن و در آب انداز
اس لیے کہ لوگوں نے کہا ہے نیکی کر اور دریا میں ڈال دے

ز کوئے میکدہ برگشتہ ام ز راہِ خطا
غلطی سے میں شراب خانہ کے کوچہ سے واپس لوٹ آیا
مرا دگر ز کرم در رہِ صواب انداز
کرم کرکے مجھے دوبارہ درست راستے پر ڈال دے

بیار ازاں مئے گلرنگِ مشکبو جامے
اس گلرنگ مشک کی سی خوشبو والی شراب کا ایک جام لا
شرارِ رشک و حسد در دلِ گلاب انداز
رشک اور حسد کی چنگاری گلاب کے دل میں ڈال دے

اگرچہ[2] مست و خرابم تو نیز لطفے کن
اگرچہ میں مست اور خراب ہوں تو تو مہربانی کر
نظر بریں دلِ سرگشتہ خراب انداز
اس حیران، اجڑے، دل پر ایک نظر ڈال دے

بہ نیم شب[3] اگرت آفتاب می باید
اگر آدھی رات میں، تجھے سورج چاہیے
ز روئے دخترِ گلچہرِ رز نقاب انداز
گلاب جیسے چہرے والی انگور کی لڑکی کے چہرے سے نقاب ہٹا دے

مہل[4] کہ روزِ وفاتم بخاک بسپارند
نہ چھوڑ کر مجھے مرنے کے دن مٹی کے سپرد کردیں
مرا بمیکدہ بر در خمِ شراب انداز
مجھے شراب خانہ میں لیجا اور شراب کے مٹکے میں ڈال دے

ز جورِ چرخ چو حافظ بجاں رسید دلت
جبکہ آسمان کے ظلم سے، اے حافظ تیرا دل جان سے عاجز آگیا
بسوئے دیوِ محن ناوکِ شہاب[5] انداز
مصیبتوں کے بھوت کی طرف ستارے کا تیر چلا

گر از تو یک سرِ مو سر کشد دلِ حافظ
اگر حافظ کا دل تجھ سے ایک بال برابر کشیدگی اختیار کرے
بگیر و در خمِ زلفش بہ پیچ و تاب انداز
اس کو پکڑ اور زلف کے پیچ و خم میں باندھ کر ڈال دے

حالِ خونیں دلاں کہ گوید باز
خونی دل والوں کا حال، پھر کون کہے گا؟
و ز فلک خونِ جم کہ جوید باز
آسمان سے جمشید کے خون کا پھر کون بدلہ لے گا؟

جز فلاطونِ[6] خم نشینِ شراب
مٹکے کی شراب کے افلاطون کے علاوہ
سرِ حکمت بما کہ گوید باز
دانائی کا راز، ہم سے پھر کون کہے گا؟

شرمش[7] از چشمِ مے پرستاں باد
مے پرستوں کی آنکھ سے اُسے تو شرم آنی چاہیے
نرگسِ مست اگر بروید باز
اگر مست نرگس اس کے بعد اُگے

ہر کہ چوں لالہ[8] کاسہ گرداں شد
جو شخص لالہ کی طرح پیالہ لیکر پھرنے والا ہوا
زیں جفا رخ بخوں بشوید باز
اس ظلم سے، وہ پھر چہرے کو خون سے دھوئے گا

بسکہ[9] در پردہ چنگ گفت سخن
چنگ نے، کتنی ہی زیر پردہ باتیں کہی
برش موئے تا نموید باز
اس کے بال کاٹ دو، تاکہ پھر نوحہ نہ کرے

بکشاید دلم چو غنچہ اگر
میرا دل، غنچہ کی طرح کھل جائے، اگر
ساغرِ لالہ گوں ببوید باز
لالہ جیسا، ساغر پھر خوشبو دیدے

گرد بیت الحرام[10] خم حافظ
حافظ، مٹکے کے بیت الحرام کے چاروں طرف
گر نمیرد بسر بپوید باز
اگر نہیں مرتا، تو سر کے بل گھومے گا

---

[1] نیکی کر اور دریا میں ڈال، کا مطلب حافظ نے یہ لیا کہ مجھے مار کر شراب کے مٹکے میں ڈال دے۔
[2] میں اگرچہ مست اور خراب ہوں لیکن تو اس برائی پر نظر نہ کر اور رحم کی نظر ڈال دے۔
[3] ساغرِ شراب بمنزلہ آفتاب ہے۔
[4] مرنے کے بعد مجھے سپردِ خاک نہ کرنا شراب کے مٹکے میں غرق کر دینا۔
[5] شیطانوں کو شہابِ ثاقب سے مارا جاتا ہے
[6] شراب کو افلاطون حکیم قرار دیا ہے کیونکہ اس کے ذریعے دانائی کے راز کھلتے ہیں۔
[7] مے نوشوں کی آنکھ سے نرگس کو شرمانا چاہیے۔
[8] لالہ کا رُخ خون آلود اسی وجہ سے ہے، کہ وہ گداگری کرتا ہے۔
[9] چنگ فطرت کے چھپے راز ظاہر کرتی ہے اُس کے تار کاٹ دو۔
[10] بیت الحرام، خانہ کعبہ یعنی جب اگر زندہ رہا تو شراب کے مٹکے کا اسی طرح طواف کروں گا جیسا کہ کعبہ کا کیا جاتا ہے۔

(۱۶)

صبح دم بلبلِ مست از چہ سبب می نالد
مست بلبل، صبح کے وقت کیوں نالاں ہے؟
کارِ او چوں ز بہاراں بنظام ست امروز
جبکہ آج اس کا کام بہاروں کی وجہ سے منظم ہے

محتسب بیہدہ گو پند مدہ رنداں را
محتسب سے کہدو رندوں کو بیہودہ نصیحت نہ کرے
کانکہ با شاہد و مے نیست کدام ست امروز
آج وہ کون ہے جو معشوق اور شراب لئے ہوئے نہیں ہے!

شیخ واعظ کہ مرا منع ز زلفش کردے
وہ واعظ شیخ، جو مجھے اس کی زلف سے روکتا تھا
دیدمش باز کہ چوں مرغ بدام ست امروز
پھر جو آج میں نے اُسے دیکھا، تو جال میں پرندکی طرح پھنسا ہوا ہے

گو بگویند خلائق کہ کنوں حافظ را
کہدو! کہ لوگ کہیں کہ اب حافظ کی
چشم بر روئے نگار و لبِ جام ست امروز
نظر محبوب کے چہرے، اور جام کے لب پر ہے

زلفینِ سیہ خم بخم اندر زدہ باز
تونے پھر اپنی دونوں سیاہ زلفوں کو پیچ در پیچ کیا ہے
وقتِ منِ شوریدہ بہم برزدہ باز
مجھ دیوانے کے وقت کو، پھر برہم کیا ہے

زاں روئے نکو چشمِ بداں دور کہ امروز
اس خوبصورت چہرے سے خدا کرے بروں کی نظر آج دور ہو
برمہ زدہ طعنہ و بر خور زدہ باز
تونے چاند پر طعنہ زنی کی ہے، اور پھر سورج پر[1]

بر ساغرِ عیشم زدہ سنگ ولیکن
میرے عیش کے ساغر پر، تونے پتھر مارا ہے لیکن
با تو چہ تواں گفت کہ ساغر زدہ باز
تجھے کیا کہا جا سکتا ہے کہ تو نے پھر ساغر چڑھایا ہے[2]

از دودِ دلِ خستہ ام اے دوست حذر کن
اے دوست، میرے ٹوٹے ہوئے دل کے دھوئیں سے بچ
کا تش بمنِ سوختہ دل برزدہ باز
کیونکہ مجھ دل جلے کو تو نے پھر آگ لگا دی ہے[3]

من سر چو قلم بر سرِ سودائے تو دارم
قلم کی طرح میں تیرے عشق پر سر دھرتا ہوں
با آنکہ منِ سر زدہ را سر زدہ باز
اس کے باوجود کہ مجھ سر کٹے کا تو نے پھر سر کاٹ دیا ہے[4]

نقدِ سرۂ قلب کہ پالودہ ام از چشم
دل کے خالص نقد کو جس کو میں نے آنکھوں سے صاف کیا ہے!
بر سکۂ رویم ہمہ بر زر زدہ باز
میرے چہرے کے سکّہ پر تو نے پھر سونے پر مارا ہے[5]

از غالیہ برہم زدہ خوش شکر و قند
خوشبو کی وجہ سے تو نے شکر اور قند کو اچھی طرح برہم کیا ہے
امروز ہمہ بر گل و شکر زدہ باز
آج پھر گل، اور شکر پر تو نے حملہ کیا ہے

شہبازِ غمت راست کبوتر دلِ حافظ
تیرے غم کے باز کے لئے، حافظ کا دل کبوتر ہے
ہشدار کہ بر صیدِ کبوتر زدہ باز
ہوشیار رہ کر تو نے باز، پھر کبوتر کے شکار پر چھوڑا ہے

صبا بمقدمِ گل راحِ روح بخشد باز
پھول کی آمد پر، صبا پھر روح کو راحت بخش رہی ہے
کجاست بلبلِ خوشگوئے گو برآر آواز
خوش الحان بلبل کہاں ہے، کہدو کہ چہکے[6]

دلا ز ہجر مکن نالہ زانکہ در عالم
اے دل! ہجر سے نالاں نہ ہو، اس لیے کہ دنیا میں
غمست و شادی و خار و گل و نشیب و فراز
غم ہے اور خوشی، اور خار ہے اور گل اور نیچ ہے اور اونچ

[1] محبوب کا چہرہ چاند اور سورج پر طعنہ زنی کر رہا ہے۔
[2] چونکہ محبوب مست ہے لہذا مستی میں جو کر گذرے اُس پر ملامت نہیں ہوسکتی ہے۔
[3] میرے دل میں آگ لگی ہوئی ہے اس کے دھوئیں سے ڈر، اور زیادہ نہ جلا۔
[4] جس طرح قلم تراشا جاتا ہے اور پھر سیاہی میں سر دھرتا ہے اسی طرح میں سر کٹنے کے باوجود سودائے عشق پر سر دھرے ہوں۔
[5] رو رو کر میں نے دل کے سونے کو صاف کیا تھا اب محبوب نے میرے رخساروں کو بھی سونے کی طرح زرد کر دیا ہے۔
[6] موسم بہار آگیا جو روح افزا ہے بلبل کو چہکنا چاہیے۔

دوتا شدم چو کماں از غم و نمیگویم
ہنوز ترکِ کمان ابروانِ تیر انداز

میں غم کی وجہ سے کمان کی طرح دہرا ہوگیا ہوں اور قایل نہیں ہوں
اب بھی تیر انداز، کمان جیسے ابرو والوں کو چھوڑنے کا

حکایتِ شبِ ہجراں بدشمناں مکنید
کہ نیست سینۂ اربابِ کینہ محرمِ راز

ہجر کی رات کا قصہ، دشمنوں کو نہ سناؤ
اس لیے کہ کینہ وروں کا سینہ، محرم راز نہیں ہے

ز طرّۂ تو پریشانیِ دلم شد فاش
ز مُشک نیست غریب آرے ار بود غمّاز

میرے دل کی پریشانی تیرے طرّہ سے ظاہر ہوگئی
ہاں مُشک پر تعجب نہیں ہے اگر وہ چغلخور ہو

ہزار دیدہ بروئے تو ناظرند و تو خود
نظر بروئے کسے بر نمیکنی از ناز

ہزاروں آنکھیں تیرے چہرے کو دیکھنے والی ہیں اور تو خود
کسی کے چہرہ پر ناز کی وجہ سے نظر نہیں ڈالتا ہے

اگر بسوزدت اے دل ز درد نالہ مکن
دم از محبتِ او میزن و بدرد بساز

اے دل اگر محبوب تجھکو جلا دے تو درد سے نالہ مت کر
اس کی محبت کا دم بھر اور درد کو گوارا کر

غبارِ خاطرِ ما چشمِ خصم کور کند
ہمارے دل کا غبار دشمن کی آنکھ کو اندھا کرتا ہے

تو رُخ بخاک بنہ اے حافظ از مقامِ نیاز
اے حافظ نیاز مندی سے تو خاک پر چہرہ رکھدے

مستم از بادۂ شبانہ ہنوز
ساقیِ ما نرفت خانہ ہنوز

رات کی شراب سے میں اب تک مست ہوں
ہمارا ساقی، ابھی گھر نہیں گیا

میکشد ایں غمم کہ میگوید
توبہ کردی ز عشق یا نہ ہنوز

مجھے یہ غم مارے ڈالتا ہے کہ وہ کہتا ہے
کہ تو نے ابھی تک، عشق سے توبہ کی ہے یا نہیں

چشمِ مستش ز غمزۂ جادو
میزند تیر بر نشانہ ہنوز

اس کی مست آنکھ، جادو کی ادا سے
ابھی تک نشانہ پر، تیر چلاتی ہے

دُرِ دریائے عشق می طلبی[3]
جاں نیاوردہ درمیانہ ہنوز

تو عشق کے سمندر کا موتی طلب کرتا ہے
جان کو ابھی تک درمیان میں نہیں لایا ہے

نازنینا ز عشقِ تو باللہ
عالمے توبہ کرد و مانہ ہنوز[4]

اے نازنیں! تیرے عشق سے، خدا کی قسم
ایک جہان نے توبہ کرلی اور ہم نے اب تک نہیں کی ہے

ہست مجلس بر آں قرار کہ بود
ہست مُطرب بر آں ترانہ ہنوز

مجلس اسی طرح پر ہے جس طرح تھی
مُطرب ابھی تک اسی ترانہ پر ہے

حافظِ خستہ درمیاں آمد[5]
عاجز، حافظ درمیان میں آگیا

میکند یار ازو کرانہ ہنوز
دوست، اب تک اس سے کنارہ کرتا ہے

منم غریبِ دیار و توئی غریب نواز
دمے بحالِ غریبِ دیارِ خود پرداز

میں پردیسی ہوں، اور تو پردیسی کو نوازنے والا ہے
تھوڑی دیر کے لیے اپنے پردیسی کی حالت پر توجہ کر

---

[1] اگرچہ عشق میں کمان بن گیا ہوں لیکن اسکی ابرو کی کمان کو چھوڑنے کو تیار نہیں ہوں۔

[2] میرے دل کی پریشانی تیرے گیسو نے ظاہر کردی ہے وہ مُشک ہے اور مُشک چغلخور ہوتا ہی ہے

[3] دریائے عشق سے اس وقت تک موتی ہاتھ نہیں لگتا جب تک انسان جان کی بازی نہ لگائے۔

[4] دوسروں کا عشق ناپائیدار تھا ہمارا عشق پائدار ہے۔

[5] چونکہ حافظ مجلس میں آگیا اس لیے یار نے کنارہ کشی کرلی۔

بہر کمند کہ خواہی بگیر و بازم بند
تو جس کمند سے چاہے مجھے پکڑ لے اور پھر باندھ
بشرطِ آنکہ زکارم نظر نگیری باز
اس شرط پر کہ تو پھر میرے مقصد سے نظر نہ پھیرے

بر آستینِ خیالِ تو می دہم بوسہ
میں تیرے خیال کی آستین کو چومتا ہوں
بر آستانِ وصالت چو نیست دستِ نیاز
جبکہ عاجزی کا ہاتھ تیرے وصل کی چوکھٹ پر نہیں ہے

نہ این زماں منِ شوریدہ دل نہادم روی
مجھ شوریدہ دل نے صرف اسی وقت چہرہ نہیں دھرا
بر آستانِ تو کاندر ازل نہادم باز
تیری چوکھٹ پر، بلکہ ازل میں ہی رکھ دیا تھا

دلا منال زشامے کہ صبح در پئے اوست
اے دل اس شام سے نالاں نہ ہو جس کے پیچھے صبح ہے
کہ نیش و نوش بہم باشد و نشیب و فراز
اس لیے کہ ڈنک اور شہد اور نیچ اونچ ساتھ ہوتی ہے

گرم چو خاکِ زمیں خوار می کنی سہل ست
اگر تو مجھے زمین کی خاک کی طرح ذلیل کرے، آسان ہے
خرام می کن و بر خاک سایہ می انداز
ناز سے چل اور خاک پر سایہ ڈال دے

درونِ سینہ دلم چوں کبوتراں بطپید
میرا دل سینہ میں، کبوتروں کی طرح تڑپنے لگا
چہ آتشے ست کہ بر جانِ ما نہادی باز
یہ کیا آگ ہے جو تو نے پھر ہماری جان میں لگا دی ہے

خیالِ قدِ بلندِ تو می کند دلِ من
میرا دل تیرے بلند قد کا خیال کرتا ہے
تو دستِ کوتہِ من بین و آستینِ دراز
تو میرے کوتاہ ہاتھ، اور لمبی آستین کو دیکھ

حدیثِ دردِ من اے مدعی نہ امروز ست
اے رقیب! میرے درد کا قصہ آج کا نہیں ہے
کہ حافظ از ازل او رند بود و شاہد باز
بلکہ وہ حافظ تو ازل سے رند اور شاہد باز تھا

منم کہ دیدہ بدیدارِ دوست کردم باز
میں ہوں جس نے دوست کے دیدار پر آنکھ کھولی ہے
چہ شکر گویمت اے کارسازِ بندہ نواز
اے کام بنانے والے، غلام کو نوازنے والے تیرا کس طرح شکریہ ادا کروں

نیاز مندِ بلا گو رخ از غبار مشوی
عشق کے نیاز مند کو کہہ دو کہ رخ سے غبار کو نہ دھوئے
کہ کیمیائے مراد ست خاکِ کوئے نیاز
نیاز کے کوچہ کی خاک، مراد کی کیمیا ہے

بیک دو قطرہ کہ ایثار کردی اے خواجہ
اے خواجاں ایک دو قطروں کی وجہ سے جو تو نے قربان کئے
بسا کہ در رخِ دولت کنی کرشمہ و ناز
تو دولت کے چہرے پر بہت کچھ کرشمہ و ناز کر رہا ہے

طہارت ار نہ بخونِ جگر کند عاشق
اگر عاشق جگر کے خون سے وضو نہ کرے
بقولِ مفتیِ عشقش درست نیست نماز
عشق کے مفتی کے بقول اس کی نماز درست نہیں ہے

زمشکلاتِ طریقت عناں متاب اے دل
اے دل طریقت کی مشکلات سے باگ نہ موڑ
کہ مردِ راہ نیندیشد از نشیب و فراز
اس لیے کہ راستہ کا مرد نیچ اونچ کی فکر نہیں کرتا ہے

دریں مقامِ مجازی بجز پیالہ مگیر
اس مجازی مقام میں پیالے کے سوا نہ تھام
دریں سراچہ بازیچہ غیرِ عشق مباز
اس کھیل کود کی سرائے میں عشق کے علاوہ کوئی کھیل نہ کھیل

من از نسیم سخن چیں چہ طرف بر بندم
میں چغلخور نسیم سے کیا تعلق پیدا کروں؟
چو سروِ راست دریں باغ نیست محرمِ راز
جبکہ سیدھا سرو بھی اس باغ میں محرم راز نہیں ہے

---

۱ اگر دل کا مدعا پورا ہوتا ہے تو عشق کی قید و بند آسان ہے۔
۲ ہم محبوب کے آستانہ پر ازل سے سر دھرے ہیں۔
۳ ہمیں خاک کی طرح ذلیل ہونا منظور ہے بشرطیکہ محبوب کا سایہ پڑ جائے۔
۴ خدا کا شکر ہے کہ مجھے دوست کا دیدار حاصل ہے۔
۵ چونکہ میں نے عشق میں دو چار آنسو بہائے ہیں مجھے دولتِ عشق حاصل ہے۔
۶ نمازِ عشق کا وضو خونِ جگر سے ہوتا ہے۔
۷ طریقت میں بہت سی مشکلات آتی ہیں ان سے گھبرانا نہ چاہیے۔
۸ دنیا کا مقام چند روزہ ہے، اس لئے یہ مجازی مقام ہے، حقیقی مقام عالمِ آخرت ہے، دنیا بازیچۂ اطفال ہے یہاں عشقبازی ہونی چاہیے۔

اگرچہ حسن تو از عشق غیر مستغنی ست — من آں نیم کہ ازیں عشقبازی آیم باز
اگرچہ تیرا حسن، غیر کے عشق سے بے نیاز ہے — میں وہ نہیں ہوں جو اس عشقبازی سے باز آجاؤں

غزل سرائی ناہید صرفہ نبرد
زہرہ کا گانا، غالب نہیں آسکتا

دراں مقام کہ حافظ برآورد آواز
جس جگہ، حافظ آواز نکالے

ہزار شکر کہ دیدم بکامِ خویشت باز — ترا بکامِ خود و باتو خویش راد مساز
ہزار شکر ہے کہ میں نے پھر تجھے اپنے مقصد کے موافق دیکھا — تجھے اپنے منشار کے مطابق اور اپنے آپ کو تیرے ساتھ موافق دیکھا

روندگانِ حقیقت رہِ بلا سپرند — رفیقِ عشق چہ غم دارد از نشیب و فراز
حقیقت پر چلنے والے، مصیبت کا راستہ طے کرنے والے ہیں — عشق کا ساتھی نیچ، اور اونچ کا کیا غم کرے!

غمِ حبیب نہاں بہ ز جستجوئے رقیب — کہ نیست سینۂ اربابِ کینہ محرمِ راز
رقیب کے دریافت کرنے پر، دوست کا غم چھپانا بہتر ہے — اس لیے کہ کینہ وروں کا سینہ، محرمِ راز نہیں ہے

چہ فتنہ بود کہ مشاطۂ قضا انگیخت — کہ کرد نرگسِ مستش سیہ بسرمۂ ناز
کیا فتنہ تھا، جو قضا کی مشاطہ نے اٹھایا — کہ اس کی مست نرگس کو ناز کے سرمے سے سیاہ کردیا

بدیں سپاس کہ مجلس منور ست بدوست — گرت چو شمع جفائے رسد بسوز و بساز
اس شکریہ میں، کہ دوست سے مجلس روشن ہے — اگر شمع کی طرح تجھ پر ظلم ہو، جل اور موافقت کر

مقامِ اہلِ سعادت ملامتست اے دل — کزیں ہست برایشاں درِ سعادت باز
اے دل، سعادتمندوں کا مقام ملامت ہے — اُن پر اسی راستہ سے سعادت کا دروازہ کھلا ہے

ملامتے کہ بروئے من آمد از غمِ عشق — ز اشک پرس حکایت کہ من نیم غماز
وہ ملامت جو عشق کے غم کی وجہ سے مجھ پر ہوئی — آنسو سے دریافت کرلے میں چغلخور نہیں ہوں

امیدِ قدِ تو می داشتم ز بختِ بلند — نسیمِ زلفِ تو می خواستم ز عمرِ دراز
میں بلند نصیبہ سے تیرے قد کی امید رکھتا تھا — دراز عمر سے، تیری زلف کی خوشبو چاہتا تھا

بہ نیم بوسہ دعائے بخر ز اہلِ دلے — کہ کیدِ دشمنت از جان و جسم دارد باز
کسی صاحبِ دل سے آدھا بوسہ دیکر دعا خرید لے — تاکہ تیری جان، اور جسم کو دشمن کے مکر سے بچائے

زہائے ہائے شبانہ نگشتہ ام واقف — بحالِ من ز ترحم بہ نیم شب پرداز
میں رات کی ہائے ہائے، سے واقف نہیں ہوا ہوں — رحم کرکے آدھی رات میں میرے حال پر دھیان دے

فگند زمزمۂ عشق در حجاز و عراق
حجاز، اور عراق میں عشق کی گونج پیدا کردی

نوائے بانگِ غزلہائے حافظِ شیراز
حافظِ شیراز کی غزلوں کی آواز نے

۱؎ حسن محبوب ہمارے عشق سے بے نیاز ہے ہم اس کے حسن کے نیاز مند ہیں۔

۲؎ ناہید، زہرہ ستارے کو کہتے ہیں، اس کو آسمان کی مطربہ مانا گیا ہے۔

۳؎ راہ حقیقت راہ عشق ہے، عاشق کو نشیب و فراز کی پرواہ نہیں ہوتی ہے۔

۴؎ آنکھ مستی کی وجہ سے خود ہی فتنہ برپا کر رہی تھی سرمے نے اس کی فتنہ گری کو اور بڑھا دیا۔

۵؎ بوسہ کے عوض دعا لے لے تاکہ تو مصیبتوں سے محفوظ رہے۔

۶؎ حافظ کی عشقیہ غزلوں نے فارس سے گذر کر حجاز اور عراق میں عشق کی دھوم مچادی۔

ردیفِ سینِ مُہملہ

اے[1] صبا گر بگذری بر ساحلِ رودِ اَرَس[2]
اے صبا اگر تو دریائے اَرَس کے ساحل پر سے گذرے

بوسہ زن بر خاکِ آں وادی و مُشکیں کن نفَس
اس وادی کی خاک کو بوسہ دے اور سانس کو مشکیں بنالے

منزلِ سلمیٰ کہ بادش ہر دم از ما صد سلام
سلمیٰ کی منزل کو جس پر ہماری جانب سے ہر دم سو سلام ہوں

ق

بر صدائے ساربان بینی و آہنگِ جرس
تو ساربان کی صدا، اور گھنٹے کی آواز پر دیکھے

محملِ جاناں ببوس آنگہ بزاری عرضہ دار
جاناں کے کجاوہ کو چومنا پھر عاجزی سے عرض کرنا

کز فراقت سوختم اے مہرباں فریاد رس
کہ تیرے فراق میں جل گیا ہوں، اے مہرباں فریاد کو پہونچ

عشرتِ[3] شبگیر کن مے نوش کاندر راہِ عشق
پوری رات کا عیش کر، شراب پی اس لیے کہ عشق کے راستہ میں

شبروان را آشنائیہاست با میرِ عسس
چوروں کے کوتوال سے تعلقات ہوتے ہیں

دل برغبت می سپارد جان بچشمِ مستِ یار
یار کی مست آنکھ پر دل خوشی سے جان دیتا ہے

گرچہ ہُشیاراں ندادند اختیارِ خود بکس
اگرچہ عقلمندوں نے اپنا اختیار کسی کو نہیں دیا ہے

منکہ قولِ ناصحاں را خواندمے بانگِ رباب[4]
میں جو کہ نصیحت کرنیوالوں کی بات کو رباب کی آواز سمجھتا تھا

گوشمالے خوردم از ہجراں کہ اینم پند بس
ہجر نے میرے ایسے کان اینٹھے کہ مجھے یہ نصیحت کافی ہے

طوطیاں در شکرستاں کامرانی می کنند
شکرستان میں طوطیاں، مزے اڑا رہی ہیں

وز تحسّر دست بر سر می زند مسکیں مگس
مکھی بیچاری، حسرت میں سر پر دوہتڑ مار رہی ہے

عشقبازی کارِ بازی نیست اے دل سر بباز
عشقبازی کھیل کود نہیں ہے، اے دل! سر کی بازی لگا

زانکہ گوئے عشق نتواں زد بچوگانِ ہوس
اس لیے کہ ہوس کے بلّے سے عشق کی گیند نہیں لیجائی جاسکتی ہے

نامِ حافظ گر برآید بر زبانِ کلکِ دوست
اگر حافظ کا نام، دوست کے قلم کی زبان پر آجائے

از جنابِ[5] حضرتِ شاہم بس ست ایں ملتمس
جنابِ حضرتِ بادشاہ سے، میری صرف یہی درخواست ہے

بوئے بہار آمد بنال اے بلبلِ مشکیں نفَس
اے مشک جیسے سانس والی بلبل! نالہ کر بہار کی خوشبو آگئی ہے

ور پائے بندی ہمچو من فریاد می کن در قفس
اگر تو قید ہے تو پنجرہ میں میری طرح فریاد کر

من بر سر کوئے تو اے آرامِ جاں شب تا سحر
اے راحتِ جاں! رات بھر صبح تک تیرے کوچہ میں

فریاد و آہ و نالہ از جاں برآید چوں جرس
فریاد اور آہ اور نالہ میری جان سے گھنٹے کی طرح نکلتا ہے

ہر[6] چند می داری مرا دور از لبِ شیرینِ خود
تو جتنا بھی، مجھے اپنے شیریں لب سے، دور کرتا ہے

آیم روانے باز پس پیشِ تو اے جاں چوں مگس
اے جان میں مکھی کی طرح فوراً لوٹ کر تیرے سامنے آجاتا ہوں

خود[7] ہر کرا سیم و زر است از دُزد می ترسد مدام
جس کے پاس چاندی اور سونا ہے، وہ ہمیشہ چور سے ڈرتا ہے

آنکس کہ فعلش شد چو من ترسے ندارد از عسس
جس کا کام میری طرح ہو گیا ہے اسے سپاہی کا کوئی ڈر نہیں ہوتا ہے

---

[1] ان تینوں شعروں کا مطلب یہ ہے کہ اے صبا جب تو سلمیٰ معشوقہ کی منزل پر پہونچے تو محمل کو بوسہ دینا اور پھر اس سے ہمارا حالِ زار عرض کر دینا۔

[2] اَرَس ایک نہر کا نام ہے جو آذر بائیجان کے کنارے پر بہتی ہے

[3] رات میں خوب مستی کر اور کوتوال سے نہ ڈر اس لیے کہ عموماً کوتوال رات کے چوروں سے سازباز رکھتے ہیں۔

[4] یعنی تفریح کی بات، جو ناقابلِ عمل ہوتی ہے۔

[5] ممکن ہے اس جگہ بھی شاہ سے سلطان احمد بن اویس والیِ بغداد مراد ہو جو حافظ کا بہت زیادہ قدرداں تھا۔

[6] تیرے ہونٹ شکرستان ہیں اور میں ان کی مکھی ہوں۔

[7] جس کے پاس مال ہو وہ چور سے ڈرے مفلس کو کوتوال کا کوئی خوف نہیں ہوتا۔

گر پند خواہی دادنم ور بند خواہی کردنم
خواہ تو مجھے نصیحت کرنا چاہے، خواہ قید

ہرگز نخواہد شد بروں ما را ازیں سر ایں ہوس
ہمارے اس سر سے یہ ہوس ہرگز نہ نکلے گی

چوں حافظ دلخستہ را ہر دم بفریاد آوری
جبکہ خستہ دل حافظ کو تو ہمیشہ فریاد میں مبتلا رکھتا ہے

اے ترکِ شہر آشوبِ من بارے بفریادم برس
اے شہر کو فتنہ میں مبتلا کرنے والے میرے ترک ایک بار میری فریاد کو پہنچ

جاناں ترا کہ گفت کہ احوالِ ما مپرس
اے محبوب! تجھ سے کس نے کہا ہے کہ ہمارے حالات نہ پوچھ

بیگانہ گرد و قصۂ ہیچ آشنا مپرس
بیگانہ بن جا، اور کسی آشنا کی بات نہ پوچھ

آنجا کہ لطفِ شامل و خلقِ کریم تست
جہاں کہ تیری عام مہربانی ہے اور بھلے اخلاق ہیں

جرمِ گذشتہ عفو کن و ماجرا مپرس
پچھلی خطا کو معاف کر دے، اور گذشتہ بات نہ پوچھ

خواہی کہ روشنت شود احوالِ سرِ عشق
اگر تو چاہتا ہے کہ عشق کے راز تجھ پر روشن ہو جائیں

از شمع پرس قصہ ز بادِ صبا مپرس
شمع سے قصہ پوچھ، باد صبا سے نہ پوچھ

ہیچ آگہی ز عالمِ درویشیش نبود
اس کو درویشی کی دنیا کی کچھ واقفیت نہ تھی

آنکس کہ با تو گفت کہ درویش را مپرس
جس نے تجھ سے کہا ہے کہ درویش کو نہ پوچھ

از دلق پوش صومعہ نقدِ طلب مجوی
عبادت خانہ کے گدڑی پہننے والے سے نقد عیش نہ ڈھونڈ

یعنے ز مفلساں سخنِ کیمیا مپرس
یعنی مفلسوں سے کیمیا کی بات دریافت نہ کر

در دفترِ طبیبِ خرد بابِ عشق نیست
عقل کے طبیب کی کتاب میں عشق کا باب نہیں ہے

اے دل بدرد خو کن و نامِ دوا مپرس
اے دل درد کی عادت ڈال، اور دوا کا نام نہ پوچھ

نقشِ حقوقِ خدمت و اخلاص و بندگی
خدمت اور اخلاص اور بندگی کے حقوق کا نقش

از لوحِ سینہ محو کن و نامِ ما مپرس
سینہ کی تختی سے مٹا دے، اور ہمارا نام نہ پوچھ

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم
ہم نے سکندر اور دارا کے قصے نہیں پڑھے ہیں

از ما بجز حکایتِ مہر و وفا مپرس
ہم سے محبت اور وفا کے قصہ کے علاوہ، نہ پوچھ

من ذوقِ دردِ عشقِ تو دانم نہ مدعی
میں تیرے درد عشق کا ذائقہ جانتا ہوں نہ کہ رقیب

از شعلہ پرس حالِ ز پروانہ وا مپرس
شعلہ سے حال پوچھ، پروانہ سے نہ پوچھ

حافظ رسید موسمِ گل معرفت مخواں
اے حافظ! پھول کا موسم آگیا معرفت کے قصے نہ سنا

دریاب نقدِ عمر ز چون و چرا مپرس
زندگی کا نقد حاصل کر لے اور چون و چرا کے متعلق نہ پوچھ

دارم از زلفِ سیاہت گلہ چنداں کہ مپرس
تیری کالی زلف سے مجھے اس قدر شکوے ہیں کہ نہ پوچھ

کہ چناں زو شدہ ام بے سر و ساماں کہ مپرس
کیونکہ میں اسکی وجہ سے اس قدر بے سروساماں ہوگیا ہوں کہ نہ پوچھ

کس بامیدِ وفا ترکِ دل و دیں مکناد
وفا کی امید پر کوئی دل، اور دین کو نہ چھوڑے

کہ چنانم من ازیں کردہ پشیماں کہ مپرس
میں اس اپنے کئے سے اس قدر شرمندہ ہوں، کہ نہ پوچھ

۱؎ جبکہ ہر وقت فریادی بنائے ہوئے ہے ایک بار تو فریاد رسی کر دے۔
۲؎ تیرے اخلاق کا تقاضا ہے کہ پہلی خطائیں معاف کر دے اور گذشتہ باتوں کی باز پرس نہ کر۔
۳؎ شمع عاشق صادق ہے، صبا ہرجائی ہے۔
۴؎ جس نے درویشوں سے بے تعلقی کا مشورہ دیا ہے وہ درویشوں کی حقیقت سے بے خبر ہے۔
۵؎ عبادت خانے والے تو مفلس ہیں ان کو کیمیا نہیں آتی ہے۔
۶؎ عقل کی کتاب میں عشق کا باب نہیں ہے لہذا عقل سے عشق کی دوا دریافت کرنا بے کار ہے۔
۷؎ ہم نے وفا کی امید میں دین اور دل دیدیا اب ہم شرمندہ ہیں۔

بہر یک[1] جرعہ کہ آزار کشش در پے نیست
زحمتے می کشم از مردمِ ناداں کہ مپرس

ایک گھونٹ کی خاطر جواُن کے در پے آزار نہیں ہے
نادان انسانوں کی اس قدر تکلیفیں برداشت کرتا ہوں کہ نہ پوچھ

گوشہ گیری و سلامت ہوسم بود و لے
فتنہ می کند آں نرگسِ فتّاں کہ مپرس

میری خواہش گوشہ گیری اور سلامتی کی تھی لیکن
وہ فتنہ میں ڈالنے والی نرگس ایسا فتنہ پیدا کردیتی ہے کہ نہ پوچھ

زاہد[2] از ما بسلامت بگذر کاں مئے لعل
دل و دیں میبرد از دست بدانساں کہ مپرس

اے زاہد ہمارے پاس سے سلامتی سے گذر جا اس لیے کہ وہ سرخ شراب
اس طور پر ہاتھ سے دل اور دین لیجاتی ہے کہ نہ پوچھ

گفتم[3] از گوئے فلک صورتِ حالے پرسم
گفت آں می کشم اندر خمِ چوگاں کہ مپرس

میں نے کہا، آسمان کی گیند سے میں صورتِ حال دریافت کروں
اس نے کہا اس کو بلّے کے خم میں ایسا کھینچوں گا کہ نہ پوچھ

گفتمش زلف بکین کہ کشادی گفتا
میں نے اس سے کہا، کس سے دشمنی کے لیے تو نے زلف کھولی ہے اس نے کہا

حافظ این[4] قصہ دراز است بقرآں کہ مپرس
حافظ یہ قصہ دراز ہے، تجھے قرآن کی قسم نہ پوچھ

دردِ عشقے کشیدہ ام کہ مپرس
زہرِ ہجرے چشیدہ ام کہ مپرس

میں نے، عشق کا ایسا درد برداشت کیا ہے کہ نہ پوچھ
میں نے فراق کا ایسا زہر چکھا ہے، کہ نہ پوچھ

گشتہ ام در جہان و آخر کار
دلبرے[5] بر گزیدہ ام کہ مپرس

میں دنیا میں بہت پھرا ہوں اور آخر کار
ایسا دلبر چن لیا ہے، کہ نہ پوچھ

آنچناں در ہوائے خاکِ درش
میرود آبِ دیدہ ام کہ مپرس

اس کے دروازے کی خاک کی ہوس میں اس طرح
میرے آنکھ سے آنسو بہتے ہیں، کہ نہ پوچھ

بے تو در کلبۂ گدائیِ خویش
رنجہائے کشیدہ ام کہ مپرس

اپنی فقیری کی کٹیا میں، تیرے بدون
وہ رنج برداشت کئے ہیں، میں نے نہ پوچھ

من[6] بگوشِ خود از دہانش دوش
سخنانے شنیدہ ام کہ مپرس

کل میں نے، اس کے منہ سے اپنے کانوں سے
وہ باتیں سنی ہیں، کہ نہ پوچھ

سوئے[7] من لب چہ میگزی کہ مگوی
لبِ لعلے گزیدہ ام کہ مپرس

میری طرف ہونٹ کیوں بچکاتا ہے، کہ نہ کہہ
میں نے ایسا سرخ ہونٹ کاٹا ہے کہ نہ پوچھ

ہمچو حافظ غریب در رہِ عشق
پردیسی حافظ کی طرح، عشق کی راہ میں

بمقامے رسیدہ ام کہ مپرس
ایسے مقام پر پہونچ گیا ہوں، کہ نہ پوچھ

در[8] ضمیرِ ما نمی گنجد بغیر از دوست کس
ہر دو عالم را بدشمن دہ کہ ما را دوست بس

ہمارے دل میں دوست کے سوا کسی کی گنجائش نہیں ہے
دونوں جہان دشمن کو دیدے اس لیے کہ ہمیں دوست کافی ہے

یارِ گندم گونِ ما گر میل کردے نیم جو
ہر دو عالم پیشِ چشمِ ما نمودے یک عدس

ہمارا گندم گوں محبوب، اگر آدھا جو بھی جھکا کرتا
دونوں جہان ہماری نظر میں، ایک مسور کا دانہ نظر آتے

[1] ایک گھونٹ شراب کسی کا کیا بگاڑتی ہے جو لوگ مجھے اس قدر ستاتے ہیں۔
[2] زاہد تو اپنا دل اور دین بچا کر لیجا ورنہ یہ شراب تباہ کردیگی۔
[3] میں نے کہا آسمان سے صورتِ حال معلوم کروں گا اس پر وہ بولا میرے سامنے آسمان کی کیا حقیقت ہے۔ شعر [illegible]
[4] ان گنت عاشق ہیں جن کو پریشان کرتا ہے۔
[5] ایسا محبوب چُنا ہے جس کی خوبیاں ناقابلِ بیان ہیں۔
[6] محبوب نے مجھ سے ایسی کچھ باتیں کیں جو ناقابلِ بیان ہیں۔
[7] تو روکنے کے لیے چاہے جس قدر اشارے کرے میں اس کے ذکر سے باز نہ آؤں گا۔
[8] ہمیں دوست درکار ہے بقیہ دونوں جہاں رقیب کو دیدو۔

میروی چوں شمع و جمعے از پس و پیش تو دواں
تو شمع کی طرح جاتا ہے اور ایک مجمع آگے پیچھے دوڑتا ہے
نے غلط گفتم نباشد شمع را خود پیش و پس
نہیں میں نے غلط کہا، خود شمع کا آگا پیچھا نہیں ہوتا ہے

غافلست آں کو بشمشیر از تو می پیچد عناں
وہ نادان ہے جو تلوار کے باعث تجھ سے باگ توڑتا ہے
قندرا لذت مگر نیکو نمیداند مگس
شاید مکھی اچھی طرح شکر کی لذت کو نہیں جانتی ہے

خاطرم وقتے ہوس کردے کہ بینم چیز ہا
ایک وقت میرا دل ہوس کرتا تھا کہ میں بہت سی چیزیں دیکھوں
تا ترا دیدم نکردم جز بدیدارت ہوس
جب سے تجھے دیکھا ہے میں نے تیرے دیدار کے سوا ہوس نہیں کی

مردماں را از عسس شب گر خیالے درست
انسانوں کو اگر رات کے چوکیدار کا خیال ہے
من چناں کز خیالم باز نشناسد عسس
میں ایسا ہوں کہ میرے خیال کو چوکیدار پہچان ہی نہیں سکتا ہے

کوئیت از اشکم چو دریا گشت و میترسم کہ باز
تیرے آنسوؤں سے تیری گلی دریا جیسی بن گئی اور میں ڈرتا ہوں کہ پھر
بر سر آیند ایں رقیبان سبکسارت چو خس
یہ تیرے ہلکے رقیب، تنکے کی طرح اوپر نہ چڑھ آئیں

حافظا ایں رہ بپائے لاشۂ لنگ تو نیست
اے حافظ یہ راستہ تیرے لنگڑے مردہ جسم کے پیر کے مناسب نہیں ہے
بعد ازیں بنشیں کہ گردے بر نخیزد زیں فرس
اس کے بعد بیٹھ رہ، کہیں اس گھوڑے کی دھول نہ اڑ جائے

دلا رفیق سفر بخت نیکخواہت بس
اے دل تیرے سفر کا ساتھی تیرا نیک خواہ نصیبہ کافی ہے
نسیم روضۂ شیراز پیک راہت بس
شیراز کے باغ کی نسیم تیرے لیے راستہ کا قاصد کافی ہے

دگر ز منزل جاناں سفر مکن درویش
اے درویش محبوب کی منزل سے، پھر سفر نہ کرنا
کہ سیر معنوی و کنج خانقاہت بس
تیرے لیے روحانی سیر، اور خانقاہ کا گوشہ کافی ہے

بصدر مصطبہ بنشین و ساغر مے نوش
شراب خانہ کے صدر مقام پر بیٹھ اور شراب کا ساغر پی
کہ ایں قدر ز جہاں کسب مال و جاہت بس
اس لیے کہ تیرے لیے دنیا میں اس قدر مال اور مرتبہ کمالینا کافی ہے

زیادتی مطلب کار بر خود آساں کن
زیادتی نہ چاہ، اپنے اوپر کام آسان کرلے
کہ شیشۂ مے صاف و بت چو ماہت بس
اس لیے کہ تیرے لیے صاف شراب کی بوتل اور چاند جیسا محبوب کافی ہے

فلک بمردم ناداں دہد زمام مراد
آسمان نادان لوگوں کے ہاتھ میں مراد کی باگ پکڑا دیتا ہے
تو اہل دانش و فضلی ہمیں گناہت بس
تو بزرگی، اور عقل والا ہے تیرا یہی گناہ کافی ہے

وگر کمیں بکشاید غمے بہ کشور دل
اور اگر کوئی غم، دل کے ملک پر گھات لگائے
حریم درگہ پیر مغاں پناہت بس
تیری پناہ کے لیے، پیر مغاں کی درگاہ کا احاطہ کافی ہے

ہوائے مسکن مالوف و عہد یار قدیم
محبوب وطن کی محبت، اور پرانے دوست کا عہد
ز رہروان سفر کردہ عذر خواہت بس
سفر کیے ہوئے، مسافروں سے تیرا عذر خواہ کافی ہے

بمنت دگراں خو مکن کہ در دو جہاں
دوسروں کے احسان کا عادی نہ ہو اس لیے کہ دونوں جہان میں
رضائے ایزد و انعام بادشاہت بس
تیرے لیے خدا کی رضامندی، اور بادشاہ کا انعام کافی ہے

بہیچ ورد دگر نیست حاجت اے حافظ
اے حافظ کسی دوسرے وظیفہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے
دعائے نیم شب و ورد صبحگاہت بس
آدھی رات کی دعا، اور صبح کا وظیفہ تیرے لیے کافی ہے

---

۱ مکھی شکر کی لذت سے پوری آشنا نہیں ورنہ ہٹانے سے نہ ہٹتی۔

۲ شعر
جب سے پڑی ہے آنکھ کسی کے رخسار پر
ہیں مہر و ماہ دونوں نظر سے گرے ہوئے

۳ یا یہ مطلب ہے کہ چوکیدار مجھ کو محض ایک صورت خیالی سمجھے گا میں اس قدر نحیف ہو چکا ہوں۔

۴ چونکہ رقیب کے وقعت ہلکے لوگ ہیں اس لیے پانی میں نہ ڈوبیں گے اوپر تیرنے لگیں گے۔

۵ حافظ عشق کے راستہ پر تیرا لنگڑا گھوڑا نہ چل سکیگا خود ہلاک ہو جائے گا۔

۶ درویش کو روحانی سفر کرنا چاہیے اور خانقاہ میں گوشہ نشین رہنا چاہیے۔

۷ شراب خانہ کی صدر نشینی کا مرتبہ اور دنیا کی دولت میں سے شراب کا ساغر کافی ہے

۸ فلک نا اہلوں کی مراد پوری کرتا ہے۔

۹ دوستوں کے ساتھ سفر میں نہ جانے کے لئے وطن کی یاد اور قدیم یاروں کی دوستی کا عذر کافی ہے۔

گلعذارے ز گلستانِ جہاں مارا بس
دنیا کے باغ سے ایک پھول جیسے رخسار والا ہمارے لئے کافی ہے

زیں چمن سایۂ آں سروِ رواں مارا بس
اس چمن سے اس سروِ رواں کا سایہ ہمارے لئے کافی ہے

من[1] و ہمصحبتیِ اہلِ ریا دورم باد
میں اور ریاکاروں کی صحبت خدا کرے مجھ سے دور رہے

از گرانانِ جہاں رطلِ گراں مارا بس
دنیا کی بھاری چیزوں میں سے ہمارے لئے بھاری پیمانہ کافی ہے

قصرِ[2] فردوس بپاداشِ عمل می بخشند
جنت کا محل، عمل کے بدلہ میں دیتے ہیں

ماکہ رندیم و گدا دیرِ مغاں مارا بس
چونکہ ہم رند اور گدا ہیں ہمارے لئے دیرِ مغاں کافی ہے

بنشیں[3] برلبِ جوی و گذرِ عمر ببیں
نہر کے کنارے بیٹھ، اور عمر کے گذرنے پر غور کر

کایں اشارت ز جہانِ گذراں مارا بس
گزرنے والی دنیا کے متعلق یہ اشارہ ہمارے لئے کافی ہے

نقدِ[4] بازارِ جہاں بنگر و آزارِ جہاں
دنیا کے بازار کے نقد، اور دنیا کی تکلیف کو دیکھ

گر شمارا نہ بس ایں سود و زیاں مارا بس
اگر یہ نفع اور نقصان تیرے لئے کافی نہیں ہے، ہمارے لئے کافی ہے

یار باماست چہ حاجت کہ زیادت طلبیم
دوست ہمارے ساتھ ہے کیا ضرورت ہے کہ ہم اور چاہیں

دولتِ صحبتِ آں مونسِ جاں مارا بس
اُس جان کے مونس کی صحبت کی دولت ہمارے لئے کافی ہے

از درِ[5] خویش خدارا بہ بہشتم مفرست
خدا کے لئے اپنے در سے مجھے بہشت میں نہ بھیج دینا

کہ سرِ کوئے تو از کون و مکاں مارا بس
کیونکہ کون و مکاں کے بدلے ہمارے لئے تیرا کوچہ کافی ہے

نیست[6] مارا بجز از وصلِ تو در سر ہوسے
ہمارے سر میں تیرے وصل کے علاوہ کوئی خواہش نہیں ہے

ویں تجارت ز متاعِ دو جہاں مارا بس
دونوں جہاں کے ساماں میں سے ہمارے لئے یہ تجارت کافی ہے

خلوتِ انس و صالش کہ بعمرے جستم
اُسکے وصل کی محبت کی تنہائی جو ایک عمر میں میں نے تلاش کی ہے

دست داد ست بما و ز دو جہاں مارا بس
ہمیں حاصل ہو گئی ہے اور دونوں جہاں سے ہمارے لئے یہ کافی ہے

باغ و عشرت گہِ دنیا بملوک ارزانی
باغ اور دنیا کے عیش کی جگہ، بادشاہوں کو عنایت فرما

ما فقیریم و گدا کوئے بتاں مارا بس
ہم تو فقیر اور گدا ہیں، ہمارے لئے بتوں کا کوچہ کافی ہے

حافظ[7] از مشربِ قسمت گلہ بے انصافیست
اے حافظ تقسیم کے طریقہ کا شکوہ بے انصافی ہے

طبع چوں آب و غزلہائے رواں مارا بس
پانی جیسی طبیعت اور رواں غزلیں ہمارے لئے کافی ہیں

ردیفِ شین معجمہ

اگر[8] رفیقِ شفیقی درست پیماں باش
اگر تو مہرباں دوست ہے تو وعدے کا پکا رہ

حریفِ حجرہ و گرمابہ و گلستاں باش
حجرہ، اور حمام، اور باغ کا یار بن

شکنج[9] زلفِ پریشاں بدستِ باد مدہ
پریشاں زلفوں کے پیچ کو، ہوا کے ہاتھ میں نہ دے

مگو کہ خاطرِ عشاق گو پریشاں باش
یہ نہ کہہ کہ کہدو عاشقوں کی طبیعت پریشاں رہے

---

۱ خدا ریاکاروں کی صحبت سے بچائے دنیا کی بھاری چیزوں میں سے صرف بھاری جام کافی ہے۔ نیز گرانانِ جہاں سے ریاکار بھی مراد ہو سکتے ہیں۔

۲ جنت تو عمل کے بدلے میں ملے گی جو ہمارے پاس نہیں ہے ہمارے لیے پارسیوں کا آتش کدہ کافی ہے۔

۳ نہر کے پانی کو دیکھ کر عبرت حاصل کر عمر اسی طرح گذری چلی جا رہی ہے۔

۴ دنیا میں تکالیف زیادہ ہیں اور نفع کم ہم نے اس سے عبرت حاصل کر لی ہے۔

۵ محبوب کے کوچہ کے عوض ہم جنت کے بھی طالب نہیں ہیں۔

۶ دنیا کی دولتوں میں سے وصلِ یار ہمارے لئے کافی ہے۔

۷ جبکہ ہمیں رواں طبیعت اور رواں غزلیں حاصل ہیں تو اب تقسیم کا شکوہ مناسب نہیں۔

۸ اگر تو مہربان دوست ہے تو وفادار اور ہر جگہ کا ساتھی بن۔

۹ زلفوں کو پریشان کر عاشقوں کی پریشانی بڑھتی ہے۔

گرت[1] ہواست کہ با خضر ہمنشیں باشی
اگر تجھے خواہش ہے کہ تو خضر کا ساتھی ہو

نہاں ز چشم سکندر چو آبِ حیواں باش
آبِ حیات کی طرح سکندر کی آنکھ سے پوشیدہ رہ

رموزِ[2] عشق نوازی نہ کارِ ہر مرغیست
عشق کے رموز کو گانا ہر پرندہ کا کام نہیں ہے

بیا و نوگلِ ایں بلبلِ غزلخواں باش
آ، اور اس غزلخواں بلبل کا، تازہ پھول بن

طریقِ خدمت و آئینِ بندگی کردن
خدمتگاری کا طریقہ، اور غلامی کرنے کا طرز

خدائے را کہ رہا کن بیا و سلطاں باش
خدا کے لیے چھوڑ دے، آ، اور بادشاہ بن

دگر بصیدِ[3] حرم تیغ برمکش زنہار
خبردار! حرم کے شکار پر پھر تلوار نہ کھینچنا

وز آنچہ بادلِ ما کردہ پشیماں باش
اور تو نے جو ہمارے دل کے ساتھ کیا ہے اس سے شرمندہ ہو

تو شمعِ انجمنی یک زبان و یک دل شو
تو انجمن کی شمع ہے، یک زبان، اور یکدل بن جا

خیالِ کوششِ پروانہ بین و خنداں باش
پروانہ کی کوشش کے خیال کو دیکھ اور خوش ہو

کمالِ دلبری و حسن در نظر بازیست
دلبری، اور حسن کا کمال نظر بازی میں ہے

بشیوۂ نظر از ناظرانِ دوراں باش
نظر کرنے کی عادت میں، دنیا کے نظر بازوں میں سے بن

خموش[4] حافظ و از جورِ یار نالہ مکن
اے حافظ! چپ رہ! اور دوست کے ظلم سے نالاں نہ ہو

ترا کہ گفت کہ بر روئے خوب حیراں باش
تجھ سے کس نے کہا تھا کہ خوبصورت چہرہ پر عاشق بن

اے دل غلام شاہِ جہاں باش و شاہ باش
اے دل! جہاں کے بادشاہ کا غلام بن، اور بادشاہ بن

پیوستہ در حمایت لطفِ الٰہ باش
ہمیشہ خدا کی مہربانی کی حمایت میں رہ

از خارجی[5] ہزار بیک جو نمی خرند
ہزار خارجیوں کو، ایک جَو میں نہیں خریدتے ہیں

گو کوہ تا بکوہ منافق پناہ باش
اگرچہ وہ پہاڑ سے لیکر، پہاڑ تک منافقوں کی پناہ ہوں

چوں[6] احمدم شفیع بود در روزِ رستخیز
قیامت کے دن جبکہ احمد میرے سفارشی ہوں

گو ایں تنِ بلاکشِ من پُرگناہ باش
تو کہدو، کہ میرا یہ بلاکش، جسم گناہوں سے پر ہو

آں[7] را کہ دوستیِ علی نیست کافرست
جس کو علی کی دوستی میسّر نہ ہو، وہ کافر ہے

گو زاہدِ زمانہ و گو شیخِ راہ باش
خواہ وہ دنیا بھر کا زاہد، اور طریقت کا شیخ ہو

امروز زندہ ام بولائے تو یا علی
اے علی! آج میں تیری دوستی کی وجہ سے زندہ ہوں

فردا بروحِ پاکِ امامان[8] گواہ باش
کل کو اماموں کی پاک روحوں کے طفیل تو گواہ رہنا

قبرِ امامِ[9] ہشتم سلطانِ دیں رضا
دین کے بادشاہ، آٹھویں امام رضا کی قبر کو

از جاں ببوس و بر درِ آں بارگاہ باش
جان سے بوسہ دے، اور اس بارگاہ کے دروازہ پر رہ

دستت نمیرسد کہ بچینی گلے ز شاخ
تیرا ہاتھ نہیں پہونچتا کہ تو کسی شاخ سے پھول چنے

بارے بپائے گلبنِ[10] ایشاں گیاہ باش
ایک بار ان کی پھول کی شاخ کے نیچے گھاس بنجا

مردِ[11] خدا کہ زاہدِ تقوے طلب بود
وہ خدا کا مرد جو زاہد، تقوے کا طالب ہو

خواہی سفید جامہ و خواہی سیاہ باش
خواہ سفید کپڑے پہنے، یا سیاہ کپڑے پہنے

---

[1] انسان خضر کا ہمنشیں جب بن سکتا ہے جب دنیاداروں کی نگاہ سے چھپا رہے۔
[2] رموزِ عشق بیان کرنا صرف حافظ کا کام ہے
[3] ہمارا دل حرم کا کبوتر ہے اس کو ستانا جائز نہیں ہے۔
[4] اے حافظ چپ رہ اور دوست کے ظلم کا شکوہ نہ کر تو خود عاشق بنا ہے۔
[5] خارجی وہ لوگ کہلاتے ہیں جو صفین کی جنگ میں ابتداءً حضرت علی کرم اللہ وجہ کے طرفداروں میں سے تھے پھر مخالف ہو گئے اور حضرت علی کو کافر گردان کران سے برسر پیکار ہو گئے۔
[6] چونکہ آنحضور ہمارے سفارشی ہیں لہذا گناہوں سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔
[7] حدیث شریف کا یہی مضمون ہے کہ علی سے مومن دوستی رکھے گا، منافق عناد رکھے گا۔
[8] بارہ امام مراد ہیں جن کو شیعہ صاحبان کا فرقہ اثنا عشریہ مانتا ہے۔
[9] بارہ اماموں میں سے آٹھویں امام علی موسیٰ رضا ہیں۔
[10] یعنی یہ بارہ امام بمنزلہ شاخِ گل ہیں۔
[11] مقصود تقویٰ اور زہد ہے خواہ لباس کچھ ہو۔

حافظ طریقِ بندگیِ شاہ[1] پیشہ کن
اے حافظ! شاہ کی غلامی کو، پیشہ بنا
وآنگاہ در طریق چو مردانِ راہ باش
پھر طریقت میں، مردانِ راہ کی طرح بن

اے[2] ہمہ شکلِ تو مطبوع و ہمہ جائے تو خوش
اے وہ! کہ تیری تمام صورتیں پسندیدہ اور تمام جگہیں اچھی ہیں
دلم از عشوۂ شیرینِ شکر خائے تو خوش
تیری، میٹھی شکر چبانے والی ادا سے، میرا دل خوش ہے

ہمچو گلبرگِ طری ہست وجودِ تو لطیف
تیرا وجود، پھول کی تری کی طرح پاکیزہ ہے
ہمچو سروِ چمنی ہست سراپائے تو خوش
چمن کے سرو کی طرح، تیرا سراپا حسین ہے

ہم گلستانِ خیالم ز تو پُر نقش و نگار
تیری وجہ سے میرے خیال کا باغ بھی نقش و نگار سے پر ہے
ہم مشامِ دلم از زلفِ سمنسائے تو خوش
نیز تیری سمن جیسی خوشبو والی زلف کی وجہ سے میرے دل کا دماغ معطر ہے

شیوۂ نازِ تو شیریں خط و خالِ تو ملیح
تیرے ناز کا طریقہ شیریں ہے، تیرے خط و خال ملیح ہیں
چشم و ابروئے تو زیبا قدِ بالائے تو خوش
تیری آنکھ اور ابرو زیب دینے والا ہے، تیرا بلند قد حسین ہے

پیش[3] چشمِ تو بمیرم کہ بدان بیماری
میں تیری آنکھ کے سامنے جان دیتا ہوں اس لیے کہ اسی بیماری سے
میکند دردِ مرا از رخِ زیبائے تو خوش
میرے درد کو جو تیرے زیب دینے والے رخ سے ہے اچھا کر دیتی ہے

در رہِ عشق کہ از سیلِ فنا نیست گزیر
عشق کے راستے میں جبکہ فنا کے بہاؤ سے بچاؤ نہیں ہے
میکنم خاطرِ خود را بتمنائے تو خوش
اپنی طبیعت کو، تیری تمنا سے خوش رکھتا ہوں

در[4] بیابانِ طلب گرچہ ز ہر سو خطر ست
طلب کے بیابان میں، اگرچہ ہر جانب سے خطرہ ہے
میرود حافظِ بیدل بتولائے تو خوش
بیدل حافظ تیری دوستی کے سہارے آرام سے چلتا ہے

باز آی و دلِ تنگِ مرا مونسِ جاں باش
پھر آجا اور میرے رنجیدہ دل کے لیے، جان کا مونس بن جا
ویں سوختہ را محرمِ اسرارِ نہاں باش
اور اس سوختہ کے پوشیدہ رازوں کا، محرم بن جا

زاں[5] بادہ کہ در مصطبۂ عشق فروشند
اس شراب سے جو عشق کے شراب خانہ میں بیچتے ہیں
ما را دو سہ ساغر بدہ و گو رمضاں باش
ہمیں دو تین ساغر دے خواہ رمضان ہی ہو

در[6] خرقہ چو آتش زدی اے عارفِ سالک
اے عارف، سالک! جبکہ تو نے گدڑی میں آگ لگا دی ہے
جہدے کن و سرحلقۂ رندانِ جہاں باش
کوشش کر، اور دنیا بھر کے رندوں کا سرگروہ بن

آں یار کہ گفتا بتو ام دل نگرانست
جس یار نے کہا ہے، کہ میرا دل تیرا منتظر ہے
گو میرسم اکنوں بسلامت نگراں باش
اس سے کہہ دو کہ میں ابھی سلامتی سے پہنچتا ہوں، منتظر رہے

خوں شد دلم از حسرتِ آں لعلِ رواں بخش
اس روح بخشنے والے ہونٹ کی حسرت میں، میرا دل خون ہو گیا
آں درجِ[7] محبت بہماں مہر و نشاں باش
وہ محبت کی ڈبیہ اُسی مہر و نشان کے ساتھ رہے

تا[8] بر دلش از غصہ غبارے ننشیند
تاکہ اس کے دل پر غصہ کی وجہ سے کچھ غبار نہ بیٹھے
اے سیلِ سرشک از عقبِ نامہ رواں باش
اے آنسوؤں کے سیل، خط کے پیچھے روانہ ہو جا

---

[1] شاہِ مرداں حضرت علی کرم اللہ وجہ کہا ہے۔
[2] محبوب کا ہر عضو حسین ہے اور ہر جگہ کے لئے باعثِ رونق ہے۔
[3] تیری آنکھ بیمار ہے لیکن اس کی بیماری ہی ہمارے درد کا علاج ہے
[4] حافظ تیری دوستی کے سہارے آرام سے راستہ طے کر رہا ہے۔ ورنہ بڑا پرخطر راستہ ہے۔
[5] مصطبہ، شراب خانہ یعنی شراب عشق پلادے خواہ رمضان ہی کیوں نہ ہو۔
[6] جب گدڑی پھونک دی ہے تو اب رندوں کا سردار بننا چاہیے۔
[7] درجِ محبت سے مراد عاشق کا دل ہے یعنی وہ محبوب کی محبت سے خالی نہ ہو۔
[8] خط پڑھ کر اگر محبوب کے دل پر غصہ کا غبار بیٹھے گا تو آنسو اس کو دھو دیں گے۔

اے زاہد اگر وصلت بیناد بدست
اے زاہد اگر مزاجی کا وصل تجھے میسر آ جائے

از ہمت پیران دو عالم باماں باش
دونوں جہانوں کے بزرگوں، کی باطنی توجہ سے امن میں رہ

حافظ کہ ہوس میکند از جام جہاں بیں
حافظ، جو کہ جام جہاں بیں کی ہوس کرتا ہے

گو در نظر آصف جمشید مکاں باش
اس کو کہدو کہ جمشید مرتبہ آصف کی نظر میں ہے

باغباں گر پنج روزے صحبت گل بایدش
اگر باغباں کو پھول کی پنج روزہ صحبت چاہیے

بر جفائے خار ہجراں صبر بلبل بایدش
ہجر کے کانٹے کے ظلم پر اس کو بلبل کا سا صبر چاہیے

اے دل اندر بند زلفش از پریشانی منال
اے دل! اس کی زلف کے پھندے میں پریشانی سے نالاں ہو

مرغ زیرک چوں بدام افتد تحمل بایدش
دانا پرند جب جال میں پھنس جائے تو اس کو بردباری کرنی چاہیے

با چنیں زلف و رخے بادش نظر بازی حرام
ایسی زلف اور رخسار کے ہوتے ہوئے اسکے لئے نظر بازی حرام ہو

ہر کہ روئے یاسمین و جعد سنبل بایدش
جس کو چنبیلی کا چہرہ اور سنبل کے گھنگریالے بال چاہئیں

رند عالم سوز را با مصلحت بینی چہ کار
دنیا کے جلا ڈالنے والے رند کو مصلحت بینی سے کیا واسطہ؟

کار ملکست آنکہ تدبیر و تحمل بایدش
جس کام کو تدبیر اور تحمل کی ضرورت ہے وہ سلطنت کا کام ہے

تکیہ بر تقویٰ و دانش در طریقت کافریست
تقویٰ، اور عقل پر بھروسہ کرنا، طریقت میں کفر ہے

راہرو گر صد ہنر دارد توکل بایدش
مسافر اگر سو ہنر بھی جانتا ہو تو اس کو توکل کرنا چاہیے

ناز ہا زاں نرگس مستانہ میباید کشید
اس مست نرگس کے بہت ناز، اٹھانے چاہئیں

ایں دل شوریدہ گر آں زلف و کاکل بایدش
اگر اس دیوانہ دل کو، وہ زلف اور کاکل چاہیے

ساقیا در گردش ساغر تعلل تا بچند
اے ساقی! ساغر کی گردش میں، لیت و لعل کب تک

دور چوں با عاشقاں افتد تسلسل بایدش
جب عاشقوں کی باری آ جائے تو اس کا تسلسل چاہیے

کیست حافظ تا ننوشد بادہ بے آواز چنگ
حافظ کون ہے، جو چنگ کی آواز بدون شراب نہ پیے

عاشق مسکیں چرا چندیں تجمل بایدش
مسکین عاشق کو اس قدر ٹھاٹ کیوں چاہئیں؟

بر داز من قرار و طاقت و ہوش
لے گیا میرا قرار، اور طاقت، اور ہوش

بت سنگیں دل و سیمیں بنا گوش
پتھر جیسے دل والا، اور چاندی جیسی کانوں کی لو والا

نگارے چابکے شوخے پریوش
ایک حسین، چالاک، شوخ، پری جیسا

حریف مہوشے ترک قباپوش
دوست، چاند جیسا، ترک، قبا پہننے والا

ز تاب آتش سودائے عشقش
اس کے عشق کے، جنوں کی آگ کی گرمی سے

بسان دیگ دائم میزنم جوش
میں ہمیشہ، دیگ کی طرح جوش مارتا ہوں

چو پیراہن شوم آسودہ خاطر
میں کرتے کی طرح، آسودہ طبیعت ہو جاؤں گا

گرت ہمچوں قبا گیرم در آغوش
اگر تجھ کو قبا کی طرح، آغوش میں لے لونگا

---

۱ آصف سے عماد بن محمود سلطان قطب الدین کا وزیر مراد ہے یعنی اگرچہ وہ وزیر ہے، لیکن جمشید کا رتبہ اس کو حاصل ہے۔

۲ محبوب کے رخ اور زلف کے ہوتے ہوئے اگر کوئی چنبیلی اور سنبل کی زلف کی خواہش کرے تو اس پر نظر بازی حرام ہے وہ اس میدان کا مرد نہیں ہے۔

۳ اصل اعتماد ذات باری پر ہے اور یہی توکل ہے، اپنے اعمال پر بھروسہ نہ کرنا چاہیے۔

۴ حافظ تو ایک مسکین عاشق ہے وہ بدون چنگ کی آواز کے بھی شراب پی لے گا اس کو اس قدر ٹھاٹ کی ضرورت نہیں ہے۔

۵ اس مصرع اور اگلے دونوں مصرعوں میں محبوب کی صفات کا ذکر ہے۔

۶ کرتا ڈھیلا ہوتا ہے، قبا چست ہوتی ہے یعنی اگر اس معشوق کو چپٹا لونگا تو طبیعت میں کشادگی پیدا ہو جائیگی۔

اگر بوسیدہ گردد استخوانم — نگردد مہرش از جانم فراموش
اگر میری ہڈیاں پرانی بھی ہو جائیں گی — تو اس کی محبت میری جان سے فراموش نہ ہوگی

دلؔ و دینم دل و دینم بردہ ست — بر و دوشش بر و دوشش بر و دوش
میرا دل، اور دین، میرا دل، اور دین لے گئے ہیں — اس کا سینہ اور کندھا، اس کا سینہ اور کندھا، سینہ اور کندھا

دوائے تو دوائے تست حافظ
تیری دوا ہے، تیری دوا ہے، اے حافظ!
لبِ نوشش لبِ نوشش لبِ نوش
اُس کا شیریں ہونٹ، اس کا شیریں ہونٹ، شیریں ہونٹ

بجدؔ و جہد چو کارے نمی‌رود از پیش — بکردگار رہا کردہ بہ مصالحِ خویش
محنت اور کوشش سے جبکہ کام نہیں بنتا ہے — اپنی مصلحتوں کو خدا پر چھوڑ دینا بہتر ہے

بپادشاہیِ عالم فرو نیارد سر — اگر ز سرّ قناعت خبر شود درویش
دنیا کی بادشاہی کے سامنے سر نہ جھکائے — اگر درویش، قناعت کے راز سے واقف ہو جائے

زسنگؔ تفرقہ خواہی کہ منحنی نشوی — مشو بسانِ ترازو تو در پئے کم و بیش
اگر تو چاہتا ہے کہ تفرقہ کے پتھر سے نہ جھکے — تو ترازو کی طرح، تو کم و بیش کے درپے نہ ہو

ریائے زاہدؔ سالوس جانِ من فرسود — قدح بیار و بزن مرہمے برین دلِ ریش
مکار زاہد کی ریاکاری نے میری جان گھلا دی — پیالہ لا، اور اس زخمی دل پر مرہم رکھ دے

بنوشؔ بادہ کہ قسامِ صنع قسمت کرد — در آفرینش از انواع نوشدارو و نیش
شراب پی اس لیے کہ قدرت کے تقسیم کنندہ نے تقسیم کر دیں — ابتدا ہی میں تریاق، اور زہر کی قسمیں

ریاؔ حلال شمارند و جامِ بادہ حرام — زہے طریقت و ملت زہے شریعت و کیش
ریاکاری کو جائز، اور شراب کے جام کو حرام سمجھتے ہیں — طریقت اور ملت کا کیا کہنا، شریعت اور مذہب کا کیا کہنا

بدلرؔبائی اگر خود سر آمدی چہ عجب — کہ نورِ حسنِ تو بود از اساسِ عالم بیش
دلربائی میں اگر تو سردار بنا ہے تو کیا تعجب ہے! — اس لیے کہ تیرے حسن کا نور، دنیا کی بنیاد سے پہلے تھا

دہانؔ تنگِ تو دلخواہِ جانِ حافظ شد
تیرا تنگ منہ، حافظ کی جان کا خواہاں بن گیا
بجاں بود خطرم زین دلِ محال اندیش
اس ناممکن بات سوچنے والے دل سے مجھے جان کا خطرہ ہوتا ہے

بدورِ لالہ قدح گیر و بے ریا میباش — ببوئے گل نفسے ہمدمِ صبا میباش
لالہ کے موسم میں، پیالہ پکڑ، اور بے ریا بن — پھول کی خوشبو کے ساتھ تھوڑی دیر کے لیے صبا کا ساتھی بن جا

نگویمت کہ ہمہ سال مے پرستی کن — سہ ماہ مے خور و نہ ماہ پارسا میباش
میں تجھے یہ نہیں کہتا ہوں کہ پورے سال شراب نوشی کر — تین مہینے شراب پی، نو مہینے پارسا بن

چو پیرؔ سالکِ عشقت بمے حوالہ کند — بنوش و منتظرِ رحمتِ خدا میباش
جب عشق کا سالک، پیر تجھے شراب کے حوالے کر دے — پی لے، اور خدا کی رحمت کا منتظر بن

۱ؔ اس کے سینہ اور کندھے کو دیکھ کر میں نے دل اور دین قربان کر دیا ہے ان مصرعوں میں الفاظ کی تکرار، تاکید کے لئے ہے۔
۲ؔ شعر
کار ساز ما بفکرِ کارِ ما
فکرِ ما در کارِ ما آزارِ ما
۳ؔ سنگِ تفرقہ، یا سنگِ تفرقہ کی تکلیف یعنی ترازو کے پلڑے کمی بیشی کی وجہ سے جھکتے رہتے ہیں اگر تو یہ نہیں چاہتا تو کمی بیشی کا خیال ترک کر دے سیدھا قد رہیگا۔
۴ؔ سالوس، مکار بت بنا۔
۵ؔ شراب پی جو تریاق ہے، یہ سب ازلی تقسیم ہے اس میں کسی کو دخل نہیں ہے۔
۶ؔ ریاکاری کو حلال اور شراب کو حرام سمجھنے والوں کی بھی عجیب و غریب شریعت ہے۔
۷ؔ یہ شعر نعت النبی میں معلوم ہوتا ہے یعنی اگر آنحضور تمام انبیاء کے سردار ہیں تو کوئی تعجب نہیں جبکہ آپ کا نور ازلی ہے تو ایسا ہونا ہی چاہیے تھا۔
۸ؔ محبوب کا منہ ایک معدوم چیز ہے میرا دل اس کا طالب بنا لہذا میری جان خسارے میں پڑ گئی اور ...

گرت ہواست کہ چوں جم بسرِ غیب رسی
اگر تجھے تمنا ہے کہ جمشید کی طرح غیب کے راز تک پہونچے
بیا و ہمدمِ جامِ جہاں نما میباش
آ، اور جام جہاں نما کا ہمدم بن

چو غنچہ گرچہ فروبستگی ست کارِ جہاں
دنیا کا کام، اگرچہ غنچہ کی طرح گرہ لگانا ہے
تو ہمچو بادِ بہاری گرہ کشا میباش
تو موسم بہار کی طرح، گرہ کو کھولنے والا بن

وفا مجوی ز کس ور سخن نمی شنوی
کسی سے وفا کا طالب نہ بن، اور اگر تو بات نہیں مانتا ہے
بہرزہ طالبِ سیمرغ و کیمیا میباش
تو بیکار، سیمرغ، اور کیمیا کا طالب بن

مریدِ طاعتِ بیگانگاں مشو حافظ
اے حافظ! غیروں کی بندگی کا طالب نہ بن
ولے معاشرِ رندانِ آشنا میباش
لیکن، دوست رندوں کا، ہم صحبت بن

چو بر شکست صبا زلفِ عنبر افشانش
جب صبا نے اس کی عنبر چھڑکنے والی زلف کو پریشان کیا
بہر شکستہ کہ پیوست تازہ شد جانش
جس شکستہ کو وہ لگی، اس کی جان تازہ ہوگئی

کجاست ہمنفسے تا کہ شرحِ غصہ دہم
وہ ہمراز کہاں ہے جس سے رنج کی تشریح کروں
کہ دل چہ میکشد از روزگارِ ہجرانش
کہ دل اس کے ہجر کے زمانہ سے کیا برداشت کرتا ہے

نسیمِ صبح وفانامہ کہ برد بدوست
صبح کی نسیم جو وفانامہ دوست کے پاس لے گئی
ز خونِ دیدۂ ما بود مہرِ عنوانش
اس کے عنوان کی مہر ہماری آنکھوں کے خون کی تھی

زمانہ از ورقِ گل مثالِ روئے تو بست
زمانہ نے پھول کی پتی سے تیرے چہرے کی مثال بنائی
ولے ز شرمِ تو در غنچہ کرد پنہانش
لیکن تیری شرم کی وجہ سے اس کو غنچہ میں چھپا دیا

بسے شدیم و نشد عشق را کرانہ پدید
ہم بہت پھرے، اور عشق کا کنارہ نمودار نہ ہوا
تبارک اللہ ازیں رہ کہ نیست پایانش
تبارک اللہ، اس راستہ کی کوئی انتہا نہیں ہے!

جمالِ کعبہ مگر عذرِ رہرواں خواہد
کعبہ کا جمال، شاید مسافروں کی عذر خواہی کرے
کہ جانِ زندہ دلاں سوخت در بیابانش
اس لیے کہ زندہ دلوں کی جان اس کے بیاباں میں جل گئی

دلم کہ مہرِ تو از غیرِ تو نہاں میداشت
بیچارہ دل جو تیری محبت تیرے غیر سے پوشیدہ رکھتا تھا
ببیں کہ دیدہ کند فاش پیشِ یارانش
دیکھ دوستوں کے سامنے آنکھ اس کا راز فاش کر رہی ہے

بدیں شکستہ بیت الحزن کہ می آرد
اس غم کی کوٹھری کے شکستہ کے لیے کون لائے گا،
نشانِ یوسفِ دل از چہِ زنخدانش
اس کی ٹھوڑی کے کنویں سے دل کے یوسف کا پتہ

بگیرم آں سرِ زلف و بدستِ خواجہ دہم
میں اس زلف کو پکڑوں گا اور آقا کے ہاتھ میں دیدوں گا
کہ دادِ من بستاند مگر ز دستانش
شاید اس کے مکروفریب سے مجھے انصاف دلائے

سحر بطرفِ چمن می شنیدم از بلبل
صبح کو چمن کے کنارے پر میں بلبل سے سن رہا تھا
نوائے حافظِ خوش لہجۂ غزلخوانش
اس کے غزل خواں، خوش لہجہ، حافظ کی آواز

---

۱ غنچہ شکل گرہ بند ہوتا ہے موسم بہار کی ہوا اس کو کھلاتی ہے یعنی تو گرہ کشائی کر۔
۲ وفا دنیا سے ایسی ہی ناپید ہے جیسے کیمیا اور سیمرغ سے یوں وفا اٹھ گئی زمانے سے گویا اس جہاں میں تھی ہی نہیں
۳ صبا جب کسی زلف کی خوشبو لیکر چلتی ہے تو شکستہ دلوں میں تازہ جان ڈال دیتی ہے۔
۴ صبا نے ہمارے خون کے آنسوؤں سے رونے کی خبر محبوب کو پہونچائی۔
۵ غنچہ میں پتی اس لیے چھپی ہوتی ہے کہ اس کو محبوب کے چہرے سے شرم آرہی ہے۔
۶ جو لوگ کعبہ کے بیاباں میں جل کر رہ گئے ہیں اور کعبہ تک نہیں پہونچ سکے، کعبہ ان کی جانب سے خود عذر بیان کرے گا۔
۷ بیت الحزن وہ کوٹھری جس میں حضرت یعقوب نے حضرت یوسف کے فراق کے مصائب جھیلے تھے، دل کو یوسف قرار دیا ہے۔
۸ صبح کو چمن میں بلبلیں حافظ کی غزلیں گاتی ہیں جو معشوق کا غزلخواں ہے۔

چو جام لعل تو نوشم کجا بماند ہوشش
جب میں تیرے لعل کا جام پیتا ہوں تو ہوش کہاں بچتا ہے!

چو چشم مست تو بینم بجا نماند گوش
جب تیری مست آنکھ دیکھ لیتا ہوں تو کان اپنی جگہ پر نہیں رہتے ہیں

منم غلام تو ورزانکہ از من آزادی
میں تیرا غلام ہوں اور چونکہ تو مجھ سے آزاد ہے

مرا بکوزہ فروش شرابخانہ فروش
مجھے شراب خانے کے کوزہ فروش کے ہاتھ بیچ دے

بوئے آنکہ ز میخانہ کوزۂ یابم
اس امید پر کہ شراب خانہ سے ایک کوزہ حاصل کر لوں گا

روم سبوئے خراباتیاں کشم بر دوش
جاتا ہوں، شرابیوں کی مشکل کندھے پر اٹھاتا ہوں

مرا مگوی کہ خاموش باش و دم در کش
مجھے نہ کہہ چپ رہ، اور سانس کھینچ لے

کہ در چمن نتواں یافت مرغ را خاموش
اس لئے کہ چمن میں بلبل کو خاموش نہیں پایا جا سکتا ہے

اگر نشانِ تو جویم کدام صبر و قرار
اگر تیرا پتہ ڈھونڈوں، تو مجھے صبر و قرار کہاں ہے،

دگر حدیث تو گویم کدام طاقت و ہوش
اور اگر تیری بات کروں، تو طاقت اور ہوش کہاں ہے،

شرابِ پختہ بخاماں دلِ فسردہ مدہ
پرانی شراب افسردہ دل، کچوں کو نہ دے

کہ بادہ آتشِ تیز ست و پختگاں در جوش
اس لئے کہ شراب ایک تیز آگ ہے اور پختہ کار جوش میں ہیں

نعیمِ روضۂ جنت بذوقِ آں نرسد
جنت کے باغ کی نعمت اس مزے کو نہیں پہونچتی ہے

کہ یار نوش کند بادہ و تو گوئی نوش
کہ یار شراب پیے اور تو کہے، پیجئے

مرا چو خلعتِ سلطانِ عشق میدادند
جب مجھے عشق کے بادشاہ کی خلعت دے رہے تھے

ندا زدند کہ حافظ خموش باش خموش
انہوں نے پکار کر کہا حافظ! چپ رہ، چپ

خوشا شیراز و وضعِ بیمثالش
شیراز، اور اس کی بے مثال وضع کیسی اچھی ہے

خداوندا نگہ دار از زوالش
اے خدا! اس کو زوال سے بچا

ز رکنا بادِ ما صد لوحش اللہ
ہمارے رکنا باد پر، سو بار لوحش اللہ ہو

کہ عمرِ خضر می بخشد زلالش
اس لیے کہ اس کا نیرہ پانی خضر کی عمر بخشتا ہے

میانِ جعفر آباد و مصلےٰ
جعفر آباد، اور مصلیٰ کے درمیان

عبیر آمیز می آید شمالش
رکنا باد کی شمالی ہوا مشک آمیز آتی ہے

بشیراز آی و فیضِ روحِ قدسی
شیراز میں آجا، اور جبرئیل کا فیض

بخواہ از مردمِ صاحب کمالش
طلب کر، اس کے صاحب کمال انسانوں سے

کہ نامِ قندِ مصری برد آنجا
اس جگہ، مصری قند کا کس نے نام لیا؟

کہ شیریناں ندادند انفعالش
کہ شیریں لب والوں نے اس کو شرمندہ نہیں کیا

صبا زاں لولیِ شنگولِ سرمست
اے صبا! اس ٹھگ پر، شوخ، مست کی

چہ داری آگہی چونست حالش
تو کیا خبر رکھتی ہے، اس کا حال کیا ہے؟

مکن بیدار ازیں خوابم خدا را
خدا کے لیے، مجھے اس نیند سے بیدار نہ کر

کہ دارم عشرتے خوش با خیالش
اس لیے کہ میرا اس کے خیال سے عمدہ میل جول ہو رہا ہے

ا شراب خانہ کے کوزہ فروش کی غلامی میں شراب تو پینے کو ملیگی۔
۲ ایک پیالہ شراب کی تمنا میں شرابیوں کی خدمتگاری کرتا ہوں
۳ جس قدر لطف اس بات میں ہے کہ یار پیئے اور تو پلائے اس قدر لطف جنت کی نعمتوں میں بھی نہیں ہے۔
۴ جب مجھے عشق کی خلعت ملی ساتھ ساتھ چپ رہنے کا حکم بھی ملا۔
۵ اس غزل میں خواجہ صاحب نے شیراز رکنا باد اور مصلیٰ کی تعریفیں کی ہیں جن سے خواجہ صاحب کو بہت زیادہ محبت تھی۔
۶ لوحش اللہ در اصل لا اوحش اللہ تھا یعنی خدا اس کو ویران نہ بنائے استعمال کی کثرت سے اب اس طرح بولا جاتا ہے
۷ چونکہ یہاں کے حسین مصری قند کو اپنے لبوں سے شرمندہ کرتے ہیں لہٰذا لوگ اس کا نام ہی نہیں لیتے ہیں۔

گر آں شیریں پسر خونم بریزد — دلا چوں شیرِ مادر کن حلالش
اگر وہ شیریں لڑکا میرا خون بہا دے — اے دل! ماں کے دودھ کی طرح اس کے لئے حلال کر دے

چرا حافظ چومی ترسیدی از ہجر
اے حافظ! جبکہ تو اس کے ہجر سے ڈرتا تھا تو کیوں؟

نکردی شکرِ ایامِ وصالش
اس کے وصال کے دنوں کا، تونے شکریہ ادا کیا

در[1] عہدِ بادشاہِ خطا بخش جرم پوش — حافظ قرابہ کش شد و مفتی پیالہ نوش
خطا بخش، جرم پوش بادشاہ کے دور میں — حافظ قرابہ کش، اور مفتی پیالہ نوش ہو گیا

صوفی ز کنجِ صومعہ در پائے خم نشست — تا دید محتسب کہ سبو میکشد بدوش
صوفی عبادت خانہ کے گوشہ سے، خم کے قدموں میں آ بیٹھا — جب اس نے دیکھا کہ محتسب بھی کندھے پر صراحی لیے پھرتا ہے

احوالِ شیخ و قاضی و شربِ الیہود[2] شاں — کردم سوال صبحدم از پیرِ مے فروش ق
شیخ، اور قاضی اور ان کے چھپ کر پینے کے حالات کا — میں نے صبح کے وقت شراب فروش پیر سے سوال کیا

گفتا نہ گفتنی ست سخن گرچہ محرمی — درکش زبان و پردہ نگہدار و مے بنوش
اس نے کہا، اگرچہ تو محرم ہے لیکن بات کہنے کی نہیں ہے — زبان بند کر لے اور پردے کا خیال رکھ، اور شراب پی

ساقی بہار میرسد و جامِ مے نماند — فکرے بکن کہ خونِ دل آمد ز غم بجوش
اے ساقی بہار کا موسم آ رہا ہے، اور شراب کا جام نہیں رہا — کوئی تدبیر کر کہ دل کا خون غم کی وجہ سے جوش میں آ گیا ہے

عشق[3] ست و مفلسی و جوانی و نو بہار — عذرم پذیر و جرم بذیلِ کرم بپوش
عشق ہے، اور مفلسی، اور جوانی ہے، اور نو بہار — میرا عذر قبول کر لے اور کرم کے دامن سے جرم کو ڈھانپ لے

اے[4] بادشاہِ صورت و معنیٰ کہ مثلِ تو — نادیدہ ہیچ دیدہ و نشنید ہیچ گوش
اے صورت، اور سیرت کے بادشاہ تجھ جیسا — کسی آنکھ نے نہیں دیکھا اور کسی کان نے نہیں سنا

چنداں بماں کہ خرقۂ ازرق کند قبول — ق بختِ جوانت از فلکِ پیر ژندہ پوش
اس قدر زندہ رہ، کہ نیلا خرقہ قبول کر لے — تیرا جوان نصیبہ، گدڑی پہننے والے بوڑھے آسمان سے

تا چند ہمچو شمع زباں آوری کنی — پروانۂ مراد رسید اے محب خموش
شمع کی طرح، تو کب تک زبان درازی کرے گا — اے عاشق! خاموش ہو جا، مراد کا پروانہ آ گیا

دی شب ندا ز غیب بگوشِ دلم رسید
میرے دل کے کان میں کل رات غیب سے آواز آئی

حافظ تو غصہ کم خور و بنشین و مے بنوش
اے حافظ! تو غم کم کھا، بیٹھ، اور شراب پی

دلم رمیدہ شد و غافلم منِ درویش — کہ آں شکاریِ[5] سرگشتہ را چہ آمد پیش
میرا دل اڑ گیا، اور میں درویش غافل ہوں — کہ اس پریشان شکاری کو کیا پیش آیا؟

چو بید بر سرِ ایمانِ خویش می لرزم — کہ دل بدستِ کماں ابروئیست کافر کیش
میں اپنے ایمان کے بارے میں بید کی مانند لرز رہا ہوں — اس لیے کہ دل ایک کمان جیسے ابرو والے کافر کیش کے ہاتھ میں ہے

---

[1] امیر مبارز الدین نے شراب خانے بند کرا دیے تھے اس کے مرنے کے بعد شاہ شجاع نے پھر جاری کرا دیے خواجہ صاحب نے اس غزل میں اسی طرف اشارہ کیا ہے، قرابہ، شراب کی صراحی یعنی اب حافظ اور مفتی سب شراب نوش ہو گئے ہیں

[2] شرب الیہود یہودیوں کا پینا چونکہ وہ اسلامی دور میں چھپ کر شراب پیتے تھے اس لیے چھپ کر پینے کو شرب الیہود کہا جانے لگا۔

[3] لغزش کے سارے اسباب جمع ہیں اگر غلطی ہو جائے تو معاف کر دینا۔

[4] یہ شعر قطعہ بند ہے اگلے شعر کے ساتھ مل کر مطلب پورا ہو گا، ایران کا قاعدہ تھا کہ بادشاہ بوڑھا ہو جانے پر گدڑی گدڑی پہن لیتا تھا اور ولیعہد نیلا خرقہ پہن کر گدی نشین ہوتا تھا مطلب یہ ہے کہ تو بے مثل بادشاہ ہے تیری عمر دراز ہو۔

[5] شکاری سے دل رمیدہ مراد ہے۔

(۱۷)

خیالِ[1] حوصلۂ بحر می پزم ہیہات
میں سمندر کے حوصلہ کا خیال پکا رہا ہوں، افسوس ہے

چہاست در سرِ ایں قطرۂ محال اندیش
اس نا ممکن بات سوچنے والے قطرے کے سر میں کیا کچھ ہے

بکوئے میکدہ گریان و سر فگندہ روم
شراب خانہ کے کوچہ میں، روتے ہوئے اور سر جھکائے جاؤں گا

چراکہ شرم ہمی آیدم ز حاصلِ خویش
اس لیے کہ اپنی پونجی سے، مجھے شرم آرہی ہے

نہ عمرِ خضر بماند نہ مُلکِ اسکندر
نہ خضر کی عمر رہتی ہے، نہ سکندر کا ملک

نزاع بر سرِ دنیائے دوں مکن درویش
اے درویش کمینی دنیا پر جھگڑا نہ کر

بنازم آں[2] مژۂ شوخِ عافیت کُش را
اس عافیت کُش، شوخ پلک پر میں ناز کرتا ہوں

کہ موجِ میزندش آبِ نوش بر سرِ نیش
کہ جس کے ڈنگ پر آبِ حیات جوش مارتا ہے

ز آستینِ[3] طبیباں ہزار خوں بچکد
طبیبوں کی آستین سے خون کے ہزاروں قطرے ٹپکیں

گرم بتجربہ دستے نہند بر دلِ ریش
اگر میرے زخمی دل پر تشخیص کے لیے ہاتھ رکھیں

تو بندۂ گلہ از بادشہ مکن اے دل
اے دل تو غلام ہے، بادشاہ کا شکوہ نہ کر

کہ شرطِ عشق نباشد شکایت از کم و بیش
اس لیے کہ کم و بیش کی شکایت عشق کے مناسب نہیں ہوتی ہے

بداں[4] کمر نرسد دستِ ہر گدا حافظ
اے حافظ اس کمر تک ہر فقیر کا ہاتھ نہیں پہونچتا ہے

خزینۂ بکف آور ز گنجِ قاروں بیش
قارون کے خزانے سے بڑا خزانہ حاصل کر

دوش[5] بامن گفت پنہاں رازدانے تیز ہوش
کل، مجھ سے تیز ہوش ایک راز داں نے چپکے سے کہا

کز شما پنہاں نشاید داشت رازِ مے فروش
کہ شراب فروش کا راز، تم سے پوشیدہ نہیں کھا جاسکتا ہے

گفت آساں گیر بر خود کارہا کز روئے طبع
اس نے کہا اپنے اوپر آسان کام لے، اس لیے کہ طبعاً

سخت میگیرد جہاں بر مردمانِ سخت کوش
سخت کوش انسانوں کو دنیا سخت پکڑتی ہے

وانگہم[6] در داد جامے کز فروغش بر فلک
پھر اس نے مجھے ایسا جام دیا کہ اس کے نور سے آسمان پر

زہرہ در رقص آمد و بربط زناں میگفت نوش
زہرہ رقص میں آگئی اور وہ بربط بجاتے ہوئے کہہ رہی تھی پی لے

تا نگردی آشنا زیں پردہ بوئے نشنوی
جب تک تو اس پردے سے آشنا نہ ہوگا، خوشبو نہ سونگھے گا

گوشِ نامحرم نباشد جائے پیغامِ سروش
نامحرم کے کان غیبی فرشتہ کے پیغام کی جگہ نہیں ہوتے ہیں

در حریمِ[7] عشق نتواں زد دم از گفت و شنید
عشق کے احاطہ میں گفت و شنید کا دم نہیں ملایا جاسکتا

زانکہ آنجا جملہ اعضا چشم باید بود و گوش
اس لیے کہ اس جگہ تمام اعضاء کو آنکھ اور کان بنجانا چاہیے

در بساطِ نکتہ داناں خود فروشی شرط نیست
نکتہ دانوں کی بساط پر، اپنی نمائش جائز نہیں ہے

یا سخن دانستہ گو اے مردِ بخرد یا خموش
اے عقلمند! یا بات سمجھ کر کر، یا چپ رہ

با دلِ[8] خونیں لبِ خنداں بیاور ہمچو جام
جام کی طرح خونی دل کے ساتھ مسکراتے ہونٹ لا

نے گرت زخمے رسد آئی چو چنگ اندر خروش
نہ کہ اگر تجھے ایک زخم لگے، بانسری کی طرح جوش میں آجائے

گوش کن پند اے پسر از بہرِ دنیا غم مخور
اے بیٹے نصیحت سن، دنیا کے لیے غم نہ کھا

گفتمت چوں دُر حدیثے گر توانی دار گوش
میں نے تجھ سے موتی جیسی بات کہی ہے، ہوسکے تو کان لگا

---

[1] قطرے سے دل اور بحر سے عشق کا سمندر مراد ہے۔
[2] ظاہر ہے ڈنک میں زہر ہوتا ہے لیکن محبوب کی پلک جو کہ ڈنک کی طرح ہے اس سے آبِ حیات ٹپکتا ہے۔
[3] ہمارا دل اس قدر زخمی ہے کہ اگر طبیب دل پر ہاتھ دھریگا تو اس کی آستین سے خون کے ہزاروں قطرے ٹپکیں گے۔
[4] معشوق کی کمر تک ہاتھ پہونچانے کے لئے قارون کے خزانہ سے بھی زیادہ خزانے کی ضرورت ہے۔
[5] رازدان نے جو راز بتایا ہے وہ اگلے شعر میں مذکور ہے یعنی دنیا میں آسان راستہ اختیار کرنا چاہیے۔
[6] راز بتاکر ایسا جام دیا کہ زہرہ جو رقاصہ فلک ہے ناچنے لگی اور پینے کی دعوت دینے لگی۔
[7] عشق کے معاملہ میں انسان کو زبان گونگی کرلینی چاہیے۔
[8] جام کو خونی دل مانا جاتا ہے چونکہ اس میں سرخ شراب بھری ہوتی ہے اور اس کے ہونٹ کو مسکراتا ہوا فرض کیا گیا ہے۔

ساقیا مے دہ کہ رندیہائے حافظ عفو کرد
اے ساقی شراب دے اس لیے کہ حافظ کی رندیوں کو معاف کر دیا ہے

خسروِ صاحبقران[1] جرم بخشِ عیب پوش
جرم بخش، عیب پوش صاحبقران، بادشاہ نے

سحر زہاتفِ غیبم رسید مژدہ بگوش[2]
صبح کے وقت، غیبی ہاتف کی جانب سے خوشخبری میرے کان میں پڑی

کہ دورِ شاہ شجاع ست مے دلیر بنوش
کہ شاہ شجاع کا دور ہے، دلیری سے شراب پی

شد آنکہ اہلِ نظر بر کنارہ میرفتند
وہ وقت گیا کہ نظر باز کنارے پر چلتے تھے

ہزار گونہ سخن بر دہان ولب خاموش
منہ میں ہزاروں قسم کی باتیں تھیں اور ہونٹ خاموش تھا

ببانگِ چنگ بگوئیم آں حکایتہا
چنگ کی دھن پر، ہم وہ حکایتیں بیان کریں گے

کہ از نہفتنِ او دیگِ سینہ میزد جوش
جن کے چھپانے سے، سینہ کی دیگ جوش مارتی تھی

شرابِ خانگی از بیمِ محتسب خوردن
چھپ کر شراب پینا، محتسب کے ڈر سے تھا

بروئے یار بنوشیم و بانگِ نوشا نوش
یار کے سامنے، پیو، پیو کی آواز پر پیتے ہیں

زکوئے میکدہ دوشش بدوش می بردند[3]
شراب خانہ کے کوچہ سے کل اس کو کندھے پر لیجا رہے تھے

امامِ شہر کہ سجادہ می کشید بدوش
جو شہر کا امام کندھے پر مصلے لیے پھرتا تھا

دلا دلالتِ خیرت کنم براہِ نجات
اے دل! نجات کے راستہ پر میں تیری نیک رہنمائی کرتا ہوں

مکن بفسق مباہات وزہد ہم مفروش
فسق پر فخر نہ کر، اور زہد فروشی بھی نہ کر

محلِ نورِ تجلی ست رائے انورِ شاہ
بادشاہ کی روشن رائے، تجلی کے نور کی جگہ ہے

چو قربِ او طلبی در صفائے نیت کوش[4]
اگر اس کی نزدیکی چاہتا ہے نیت کی صفائی میں کوشش کر

بجز ثنائے جلالش مساز وردِ ضمیر
اس کے جلال کی تعریف کے علاوہ، دل کا کوئی وظیفہ نہ بنا

کہ ہست گوشِ دلش محرمِ پیامِ سروش
اسلیے کہ اُس کے دل کا کان غیبی فرشتے کے پیام کا محرم ہے

رموزِ مصلحتِ ملک خسرواں دانند[5]
ملک کی مصلحت کے راز، بادشاہ جانتے ہیں

گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش
اے حافظ! تو ایک گوشہ نشین فقیر ہے، غل نہ مچا

شرابِ تلخ میخواہم کہ مرد افگن بود زورش
میں ایسی کڑوی شراب چاہتا ہوں کہ جسکا زور مردافگن ہو

کہ تا یکدم بیاسایم ز دنیا و شر و شورش
تاکہ دنیا اور اس کے شور و شر سے ذرا آرام پاؤں

بیاور مے کہ نتواں شد ز مکرِ آسماں ایمن
شراب لا، اس لیے کہ آسمان کے مکر سے مطمئن نہیں ہوا جا سکتا

بلعبِ زہرۂ چنگی[6] و بہرامِ سلحشورش
چنگ والی زہرہ کے کھیل اور اس کے ہتھیار بند بہرام کی وجہ سے

کمندِ صیدِ بہرامی بیفگن جامِ جم بردار
شکار کی بہرامی کمند پھینک دے، جامِ جم اٹھالے

کہ من پیمودم ایں صحرا نہ بہرام ست نے گورش[7]
اس لیے کہ میں نے یہ جنگل ناپا ہے نہ بہرام ہے نہ اس کا گور خر

نظر کردن بدرویشاں منافیِ بزرگی نیست
درویشوں کی طرف نظر کرنا، بڑائی کے منافی نہیں ہے

سلیماں با چناں حشمت نظرہا بود با مورش
باوجود ایسی حشمت کے سلیمان کی نظریں چیونٹی پر تھیں

---

[1] صاحب قران وہ شخص کہلاتا ہے جس کی پیدائش کے وقت زحل اور مشتری ایک برج میں ہوں ایسا شخص صاحبِ نصیب ہوتا ہے یہاں عماد بن محمود وزیر سلطان قطب الدین مراد ہے۔

[2] یہ غزل بھی حافظ نے اسی وقت کہی ہے جب امیر مبارز الدین کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے شاہِ شجاع نے شراب خانے کھلوا دیئے تھے۔

[3] مدہوش پڑا تھا کندھے پر ڈال کر لیجا رہے تھے۔

[4] بادشاہ کا قرب نیت کی صفائی سے حاصل ہوتا ہے۔

[5] یعنی اگر شاہِ شجاع نے شراب خانے کھلوا دیئے ہیں تو کیوں شور کرتا ہے وہ ملکی مصلحتوں کو جانتا ہے۔

[6] زہرہ ستارے کو رقاصۂ فلک مانا گیا ہے اور دنیا میں ناچ رنگ اس کے اثر سے ہے بہرام سے مریخ مراد ہے قتل اور غارتگری اس کے اثر سے مانی گئی ہے۔

[7] بہرام عراق کا مشہور بادشاہ گذرا ہے چونکہ اس کو گورخر کے شکار کا بہت شوق تھا لہذا اس کو بہرام گور کہا جاتا ہے۔ شعر میں گور سے دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں یعنی گورخر اور قبر۔

بیا تا در مے صافیت رازِ دہر بنمایم
آ، تاکہ صاف شراب میں تجھے زمانہ کا راز دکھاؤں
بشرطِ آنکہ ننمائی بکج طبعانِ دل کورش
اس شرط پر کہ تو اس کو کج طبع اندھے دل والوں کو نہ دکھائے

شرابِ[1] لعل مینوشم من از جامِ زمرّد گوں
ہیں زمردیں جام سے لعل جیسی شراب پیتا ہوں
کہ زاہد افعیِ وقتست ومیسازم ازیں کورش
اس لیے کہ زاہد وقت کا سانپ ہے اور اس سے اسکو اندھا کرتا ہوں

سماطِ عہدِ دوں پرور ندارد شہدِ آسایش
کمینہ پرور زمانہ کا دستر خوان آرام کا شہد نہیں رکھتا ہے
مذاقِ حرص و آز اے دل بشوی از تلخ و از شورش
اے دل حرص اور لالچ کا مزا اسکے تلخ اور نمکین سے دھو ڈال[2]

کمانِ ابروئے جاناں نمی پیچد سر از حافظ
محبوب کے ابرو کی کمان حافظ سے سر نہیں موڑتی ہے
ولیکن[3] خندہ می آید بریں بازوئے پُر زورش
لیکن اس کے طاقتور بازو پر، ہنسی آتی ہے

صوفی گُلے بچین و مُرقع بخار بخش
اے صوفی! کوئی پھول چن اور گدڑی کانٹے کو بخش دے
ویں زہدِ خشک را بمئے خوشگوار بخش
اور یہ خشک زہد، خوشگوار شراب کو بخش دے

طامات[4] و زرق در رہِ آہنگِ چنگ نہ
ڈینگوں اور مکر کو چنگ کی آواز کے راستہ میں رکھ دے
تسبیح و طیلساں بمے و میگسار بخش
تسبیح اور چادر کو، شراب اور شراب نوشوں کو بخش دے

زہدِ گراں کہ ساقی و شاہد نمی خرند
بھاری زہد جس کو ساقی، اور معشوق نہیں خریدتے ہیں
در حلقۂ چمن بہ نسیمِ بہار بخش
چمن کے حلقہ میں، موسم بہار کی نسیم کو بخش دے

راہم شرابِ لعل زد اے میرِ عاشقاں
اے عاشقوں کے سردار سرخ شراب نے مجھ پر ڈاکہ ڈال دیا ہے
خونِ مرا بچاہِ زنخدانِ یار بخش[5]
میرا خون دوست کی ٹھوڑی کے کنویں کو بخش دے

یارب بوقتِ گُل گنہِ بندہ عفو کن
اے خدا! پھول کے موسم میں بندے کے گناہ معاف کر دے
ویں ماجرا بسرو لبِ جوئبار بخش[6]
اور اس قصہ کو جو نہر کے کنارے کے سرو کے پاس ہوا بخش دے

اے آنکہ رہ بمشربِ مقصود بردۂ
اے وہ جو مقصد کے گھاٹ پر پہونچ گیا ہے
زیں بحر قطرۂ بمنِ خاکسار بخش
اس سمندر کا ایک قطرہ مجھ خاکسار کو بخش دے

شکرانہ کہ روئے ترا چشمِ بد ندید
اس شکرانہ میں کہ تیرے چہرے کو نظر بد نے نہیں دیکھا ہے
مارا بعفو و لطفِ خداوندگار بخش
ہمیں خدا کے عفو، اور مہربانی کے طفیل بخش دے

ساقی چو شاہ نوش کند بادۂ صبوح
اے ساقی! جب شاہ صبح کی شراب پیے
گو جامِ زر بحافظِ شب زندہ دار بخش
کہہ دے کہ زریں جام شب بیدار حافظ کو بخش دے

فکرِ بُلبل ہمہ آنست کہ گل شد یارش
بلبل کا صرف یہ خیال ہے کہ پھول اس کا یار ہوگیا
گُل در اندیشہ کہ چوں عشوہ کند در کارش
پھول اس فکر میں ہے کہ اس کے معاملہ میں ناز کیسے دکھائے

دلربائی ہمہ آں نیست کہ عاشق بکشند
ساری دلربائی یہی نہیں ہے، کہ عاشق کو قتل کریں
خواجہ آنست کہ باشد غمِ خدمتگارش
آقا وہ ہے جس کو خدمت گذار کی فکر ہو

---

[1] مشہور ہے کہ زمرد کی تاثیر سے سانپ اندھا ہو جاتا ہے۔
[2] انسان کو ایسا بننا چاہیے کہ زمانہ کے تلخ اور شیریں میں اس کے لیے کوئی فرق نہ رہے۔
[3] کیونکہ باوجود اس طاقت کے وہ میرے کمزور دل کے درپے ہے۔
[4] طامات وہ باتیں جو صوفی اپنی کرامات کے طور پر کہتے ہیں۔ طیلسان وہ چادر جو عموماً صوفیا اوڑھتے تھے۔
[5] مجھے محبوب کے ہونٹوں اور چاہ زنخداں نے مار ڈالا ہے، لیکن میرے خون کا بدلہ نہ لینا۔
[6] موسم بہار اور لب دریا سرو کے نیچے کے گناہ قابل معافی ہیں۔
[7] عاشق سمجھ رہا ہے کہ معشوق کو رام کر لیا، معشوق ظلم کی تدبیریں سوچ رہا ہے۔

جائے آنست کہ خوں موج زند در دلِ لعل
موقع اس کا ہے، لعل کے دل میں خون ہِشارے مارے
زیں تغابن کہ خزف می شکند بازارش
اس ٹوٹے پر کہ ٹھیکری اس کے بازار کو ٹھنڈا کر رہی ہے

بلبلؔ از فیضِ گُل آموخت سخن ورنہ نبود
بلبل پھول کے فیض سے بات کرنا سیکھی ورنہ
اینہمہ قول و غزل تعبیہ در منقارش
یہ سب قول اور غزل اس کی چونچ میں چھپے ہوئے نہ تھے

آں سفر کردہ کہ صد قافلہ دل ہمرہِ اوست
وہ مسافر، جس کے ہمراہ دل کے سو قافلے ہیں
ہر کجا ہست خدایا بسلامت دارش
جہاں بھی ہے، خدا اس کو سلامت رکھ

اگر از وسوسۂ نفس و ہوا دور شوی
اگر تو نفس اور خواہش کے وسوسے سے دور ہو جائے
بیشکے رہ ببری در حرمِ دیدارش
بغیر کسی شک کے تو اس کے دیدار کے حرم کا راستہ طے کرے

اے کہ از کوچۂ معشوقۂ ما میگذری
اے وہ جو ہماری معشوقہ کے کوچہ سے گذر رہا ہے
باخبر باش کہ سر می شکند دیوارش
ہوشیار رہ اس لیے کہ اس کی دیوار سر پھوڑ دیتی ہے

صحبتِ عافیت گرچہ خوش افتاد اے دل
اے دل! اگرچہ آرام کی صحبت تجھے پسند آگئی ہے
جانبِ عشق عزیز ست فرو مگذارش
عشق کا پہلو بھی عزیز ہے، اس کو نہ چھوڑ

صوفیؔ ار سرخوش ازینست کہ کج کرد کلاہ
صوفی اگر اس سے مست ہے کہ اس نے ٹوپی ٹیڑھی کر لی ہے
بدو جامِ دگر آشفتہ شود دستارش
اور دو پیالوں میں، اس کی پگڑی بکھر جائے گی

دلِ حافظ کہ بدیدارِ تو خوگر شدہ است
حافظ کا دل، جو تیرے دیدار کا عادی ہو گیا ہے
ناز پروردِ وصال ست مجو آزارش
وہ وصل کے نازوں کا پالا ہوا ہے، اسکو نہ ستا

کنارِ آب و پائے بید و طبعِ شعر و یارے خوش
پانی کا کنارہ ہے اور بید کا سایہ اور موزوں طبیعت اور ایک حسین معشوق ہے
معاشر دلبرِ شیرین و ساقی گلعذارے خوش
شیریں دلبر ساتھی ہے اور حسین، پھول جیسے رخسار والا ساقی ہے

الا اے دولتِ طالع کہ قدرِ وصل میدانی
اے نصیبہ کی دولت ہاں! تو وصل کی قدر جانتی ہے
گوارا بادت ایں عشرت کہ داری روزگارے خوش
خدا کرے تجھے یہ عیش راس آئے کہ تجھے اچھا زمانہ میسر ہے

عروسِ طبع را زیور ز فکرِ بکر می بندم
طبیعت کی دلہن کو، تازہ فکر کا زیور پہناتا ہوں
بود کز نقشِ ایامم بدست افتد نگارے خوش
ہو سکتا ہے کہ زمانہ کے نقش سے کوئی حسین معشوق میرے ہاتھ لگ جائے

شبِ صحبت غنیمت داں و دادِ خوشدلی بستاں
صحبت کی رات کو غنیمت سمجھ اور خوشدلی کی داد حاصل کر
کہ مہتابِ دل افروز ست و طرفِ لالہ زارے خوش
اس لیے کہ دل افروز چاندنی ہے اور حسین لالہ زار کا کنارہ ہے

چہ مے در کاسۂ چشمست ساقی را بنام ایزد
نام خدا، ساقی کی آنکھوں کے پیالہ میں کیسی شراب ہے!
کہ مستی میکند با عقل و می آرد خمارے خوش
جو عقل کے ساتھ مستی کرتی ہے اور بہترین نشہ لاتی ہے

ہر آنکس را کہ بر خاطر ز عشقِ دلبرے بارِیست
جو شخص کسی معشوق کے عشق کا دل پر بوجھ رکھتا ہے
سپندے گو بر آتش نہ کہ داری کار و بارے خوش
اس کو کہہ دے آگ پر تھوڑا کالا دانہ رکھے کیونکہ تیرا کاروبار اچھا ہے

بغفلت عمر شد حافظ بیا با ما بمیخانہ
اے حافظ! غفلت میں عمر ختم ہو گئی، ہمارے ساتھ شراب خانہ میں آ
کہ شنگولانِ سرمستت بیاموزند کارے خوش
تاکہ مست معشوق تجھے ایک بہتر کام سکھا دیں

ا۔ جبکہ ٹھیکری کی وجہ سے لعل کا بازار پھیکا ہے، تو اس کا دل خون ہو جانا چاہئے۔
۲۔ بلبل گل کے فیض سے چہچہاتی ہے۔
۳۔ یہ کوچۂ عشق میں پاکتیں ہیں۔
۴۔ صوفی میں اگر کچھ نخوت ہے تو دو چار جام اس کو اور پلا دو
۵۔ یہ سارے اسباب عیش مہیا ہیں طبع شعر سے مراد یہ ہے کہ ایسا پر لطف سماں ہے کہ دل شعر کہنے پر آمادہ ہے۔
۶۔ چونکہ تو وصل کا قدر دان ہے خدا کرے تجھے یہ عیش موافق آجائے
۷۔ عیش کا جو وقت بھی میسر آجائے اس کو غنیمت جان کر اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔
۸۔ عشق کی دولت کو نظر بد سے بچانے کے لئے کالا دانہ آگ پر جلانا چاہیے۔

ما آزمودہ ایم دریں شہر بختِ خویش
اس شہر میں ہم نے اپنا مقدر آزما لیا ہے

باید بروں کشید ازیں ورطہ رختِ خویش
اس بھنور سے اپنا سامان باہر کھینچنا چاہیے

از بسکہ دست می گزم و آہ می کشم
میں حد سے زیادہ ہاتھ کاٹتا ہوں، اور آہ بھرتا ہوں

آتش زدم چو گل بتنِ لخت لختِ خویش[1]
میں نے پھول کی طرح، اپنے پارہ پارہ جسم میں آگ لگادی ہے

دوشم زِ بلبلے چہ خوش آمد کہ می سرود[2]
کل مجھے بلبل کی بات کیسی بھلی معلوم ہوئی جبکہ وہ گا رہی تھی

گل گوش پہن کردہ ز شاخِ درختِ خویش
پھول نے اپنے درخت کی شاخ سے کان کھول رکھے تھے

کاے دل صبور باش کہ آں یارِ تند خوی[3]
کہ اے دل! صبر کر کہ وہ بدمزاج یار

بسیار تند خوے نشیند ز بختِ خویش
اپنے نصیبہ کی وجہ سے بہت بدمزاج بنکر بیٹھا ہے

گر موج خیز حادثہ سر بر فلک زند
اگر تھپیڑے مارنے والی مصیبت آسمان تک بھی پہونچ جائے

عارف باب تر نکند رختِ بختِ خویش
عارف اپنے نصیبہ کے سامان کو پانی میں تر نہیں کرتا ہے

خواہی کہ سخت و سُستِ جہاں بر تو بگذرد
اگر تو چاہتا ہے کہ زمانہ کا سخت اور سُست تجھ پر نہ گذرے

بگذر ز عہدِ سُست و سخنہائے سختِ خویش
اپنے کچے وعدے، اور سخت باتوں سے باز آجا

اے حافظ ار مراد میسر شدے مدام
اے حافظ! اگر مراد ہمیشہ حاصل ہوجایا کرتی

جمشید نیز دور نماندے ز تختِ خویش[4]
جمشید، بھی اپنے تخت سے دور نہ رہتا

من خرابم ز غمِ یارِ خراباتیِ خویش
میں اپنے خراباتی معشوق کے غم میں خراب ہورہا ہوں

میزند غمزۂ او ناوکِ غم بر دلِ ریش
زخمی دل پر، اس کی ادا غم کا تیر مارتی ہے

با تو پیوستم و از غیرِ تو دل ببریدم
میں تجھ سے پیوستہ ہوگیا ہوں اور تیرے غیر سے دل ہٹالیا ہے

آشنائے تو ندارد سرِ بیگانہ و خویش
تیرا آشنا اپنے، اور غیر کا خیال نہیں رکھتا ہے

بعنایت نظرے کن کہ منِ دل شدہ را
مہربانی کی نظر کر، اس لیے کہ مجھ دل گمشدہ کا

نرود بے مددِ لطفِ تو کارے از پیش[5]
تیری مہربانی کی مدد کے بغیر کوئی کام آگے نہیں بڑھتا ہے

آخر اے پادشہِ حسن و ملاحت چہ شود
اے حسن اور ملاحت کے بادشاہ آخر کیا ہوجائے گا؟

گر لبِ لعلِ تو ریزد نمکے بر دلِ ریش[6]
اگر تیرا لعل جیسا ہونٹ زخمی دل پر نمک چھڑک دے گا

خرمنِ صبرِ منِ سوختہ دل داد بباد
مجھ سوختہ دل کے صبر کا کھلیان، برباد کردیا

چشمِ مستِ تو کہ بکشاد کمیں از پس و پیش
تیری مست آنکھ نے جس نے آگے پیچھے سے گھات لگادی

گر چلیپائے[7] سرِ زلف ز ہم بکشاید
اگر وہ زلف کا چلیپا، کھول دے

بس مسلماں کہ شود کشتۂ آں کافر کیش
بہت سے مسلمان اس کافر مذہب کے مقتول ہوجائیں گے

پسِ زانو منشین و غمِ بیہودہ مخور
فکر میں نہ بیٹھ، اور بیہودہ غم نہ کر

کہ ز غم خوردنِ تو رزق نگردد کم و بیش
اس لیے کہ تیرے غم کھانے سے رزق کم و بیش نہیں ہوسکتا ہے

چونکہ ایں کوششِ بیفائدہ سودے ندہد
چونکہ یہ بے فائدہ کوشش، کوئی فائدہ نہیں دیتی ہے

پس میازار دلِ خود ز غم اے دور اندیش
تو اے دور اندیش! غم سے اپنے دل کو نہ ستا

---

[1] پھول کی پتیاں چونکہ سُرخ ہوتی ہیں لہٰذا گویا کہ انہیں آگ لگی ہوئی ہے۔

[2] بلبل گا رہی تھی اور پھول غور سے سن رہا تھا بلبل کا گانا اگلے شعر میں مذکور ہے۔

[3] یعنی پھول چونکہ چند روزہ زندگی رکھتا ہے اس لیے اپنی ناپائداری کے رنج میں ہے۔

[4] اگر ہر شخص کی مراد پوری ہوا کرتی تو جمشید کی سلطنت ختم نہ ہوتی

[5] مقصد کی کامیابی محبوب کی نظرِ عنایت پر موقوف ہے۔

[6] اگر زخمی دل پر ذرا سی نمک پاشی کردے گا تو تیرے نمک میں کمی نہ آئے گی۔

[7] چلیپا صلیب کی شکل کو کہتے ہیں یہاں مراد زلف ہے زلف کو کافر مذہب اس لیے کہا ہے کہ وہ کالی ہے۔

پرسش حالِ دلِ سوختہ کن بہر خدا | نیستؔ از شاہ عجب گر بنوازد درویش
خدا کے لیے جلے دل کے حال کی پرسش کر | بادشاہ سے تعجب نہیں ہے اگر درویش کو نوازے

حافظ از نوشِ لب لعلِ تو کامے نگرفت
تیرے لعل جیسے ہونٹ کے تریاق سے حافظ نے کوئی مقصد پورا کیا

کہ زند بر دلِ ریشش دو ہزاراں سرِ نیش
جب تک کہ اس کے زخمی دل پر، دو ہزار ڈنگ نہ مارے

مجمعؔ خوبی و لطف ست عذارِ چو مہش | لیکنش مہر و وفا نیست خدایا بدہش
اس کا چاند جیسا رخسار خوبی اور پاکیزگی کا مجموعہ ہے | لیکن اس میں محبت اور وفا نہیں ہے اے خدا اس کو عطا فرما

دلبرمؔ شاہد و طفل ست ببازی روزے | بکشد زارم و در شرع نباشد گنہش
میرا دلبر معشوق ہے اور بچہ، کسی دن کھیل کود میں | مجھے بری طرح قتل کر ڈالے گا اور شریعت میں اس پر کوئی گناہ نہ ہوگا

چارؔدہ سالہ بتے چابک و شیریں دارم | کہ بجاں حلقہ بگوش ست مہِ چاردہش
میں ایک چودہ سالہ ایسا چالاک اور میٹھا بت رکھتا ہوں | کہ چودھویں کا چاند، دل سے اس کا غلام ہے

من ہماںؔ بہ کہ ازو نیک نگہ دارم دل | کہ بد و نیک ندیدہ است و ندارد نگہش
میرے لیے یہی بہتر ہے کہ اس سے دل کو خوب بچا کر رکھوں | کیونکہ اس نے اچھا اور برا نہیں دیکھا ہے اور وہ اس کی حفاظت نہ کریگا

بوئےؔ شیر از لبِ ہمچوں شکرش می آید | گرچہ خوں میچکد از شیوۂ چشمِ سیہش
اس کے شکر جیسے ہونٹوں سے دودھ کی خوشبو آتی ہے | اگرچہ اس کی کالی آنکھوں کے شیوے سے خون ٹپکتا ہے

در پئے آں گلِ نو رستہ دلِ ما یارب | خود کجا شد کہ ندیدیم دریں چند گہش
اس نوخیز پھول کے پیچھے، اے خدا ہمارا دل | خود کہاں چلا گیا کہ ہم نے اس کو بہت دنوں سے نہیں دیکھا ہے

یارِؔ دلدارِ من ار قلب بدیں ساں شکند | برد زود بہ سرداریِ خود پادشہش
میرا دلدار یار، اگر اسی طرح دل شکنی کرے گا | بادشاہ اس کو جلد اپنی سرداری میں لے لیگا

جاں بشکرانہ کنم صرف گر آں دانۂ دُر
میں شکرانہ میں جان خرچ کر دوں گا اگر اس موتی کے دانہ کیلئے

صدفِ دیدۂ حافظ شود آرام گہش
حافظ کی آنکھ کی سیپ، آرام گاہ بن جائے

مرا کاریستؔ مشکل بادلِ خویش | کہ گفتن می نیارم مشکلِ خویش
مجھے اپنے دل سے ایک ایسا مشکل کام ہے | کہ میں اپنی مشکل، بیان بھی نہیں کر سکتا ہوں

خیالتؔ داند و جانِ من از غم | کہ ہر شب در چہ کارم بادلِ خویش
تیرا تصور، اور میری جان جانتی ہے کہ غم کی وجہ سے | ہر رات اپنے دل کے ساتھ، کس کام میں لگا ہوں

ز واپس ماندگاں یادے کن آخر | چہ رانی تند یارا محملِ خویش
بچھڑے ہوؤں کو ذرا یاد کر، آخر | اے دوست اپنے کجاوے کو تیز کیوں ہنکا رہا ہے؟

بسے گشتم چو مجنوں کوہ و صحرا | مگر یابم سراغ از منزلِ خویش
میں مجنوں کی طرح، پہاڑ، اور جنگل میں بہت گھوما | شاید کہ اپنی منزل کا، سراغ پالوں

۱؎ شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را
۲؎ عشق میں سینکڑوں مصیبتیں برداشت کرنے کے بعد کچھ راحت ملتی ہے۔
۳؎ محبوب میں وفا کے سوا سب ہی خوبیاں ہیں خدا کرے یہ خوبی بھی اس کو حاصل ہو جائے
۴؎ معشوق کم سن ہے اگر قتل بھی کر ڈالے گا تو گنہگار نہ ہوگا۔
۵؎ چودہ سالہ معشوق ہے اور چودھویں کا چاند اُس کا غلام ہے۔
۶؎ چونکہ کمسن معشوق ہے ابھی ناتجربہ کار ہے دل کی حفاظت نہ کر سکے گا۔
۷؎ کمسنی کی وجہ سے منہ سے دودھ کی خوشبو آتی ہے لیکن آنکھیں خونی ہیں۔
۸؎ قلب سے مراد دل اور وسطِ لشکر ہوتا ہے یعنی چونکہ اس میں قلب شکنی کی طاقت ہے تو بادشاہ اس کو فوج کا سردار بنا دیگا۔
۹؎ مجھے اپنے دل سے ایسا مشکل کام آن پڑا ہے جس کا بتانا بھی مشکل ہے۔
۱۰؎ تیرے تصور میں جان اور دل غم سے گھل رہے ہیں۔

مرادر اوّلِ منزل رہ اُفتاد — گم آمد کشتیم در ساحلِ خویش
میں منزل کی ابتدا ہی میں بھٹک گیا — اپنے ساحل پر، میری کشتی نہ لگی

چہ فرصتہا کہ گم کردم دریں راہ — زبختِ خوابناک غافلِ خویش
کس قدر مواقع ہیں جو میں نے اس راہ میں کھو دیئے — اپنے خوابیدہ، غافل نصیبہ کی وجہ سے

گم از جولانے آخر در رہِ ما
آخر ہمارے راستہ میں، ایک بار تو آ

چو حافظ خاک کرد آب و گلِ خویش
جبکہ حافظ نے اپنے جسم کو خاک بنا دیا ہے

ہاتفے از گوشۂ میخانہ دوش — گفت بہ بخشند گنہ مے بنوش
شراب خانہ کے کونہ سے، کل ایک ہاتف نے — کہا، گناہ بخش دیں گے، شراب پی

عفوِ الٰہی بکند کارِ خویش — مژدۂ رحمت برساند سروش
خدا کی بخشش، اپنا کام کرتی ہے — غیبی فرشتہ رحمت کی خوشخبری دیتا ہے

ایں خردِ خام بمیخانہ بر — تا مے لعل آوردش خوں بجوش
اس کچی عقل کو، شراب خانہ میں لیجا — تاکہ سرخ شراب، اس کے خون کو جوش میں لائے

عفوِ خدا بیشتر از جرم ماست — نکتۂ سربستہ چہ گوئی خموش
خدا کی بخشش، ہمارے گناہ ہوں سے زیادہ ہے — پوشیدہ نکتہ، کیوں بتاتا ہے، چپ رہ

گرچہ وصالش نہ بکوشش دہند — ہر قدر اے دل کہ توانی بکوش
اگرچہ اس کا وصل کوشش سے نہیں دیتے ہیں — اے دل، تجھ سے جس قدر ہو سکے کوشش کر

گوشِ من و حلقۂ گیسوئے یار — روئے من و خاک درِ مے فروش
میرا کان ہے، اور یار کی زلف کا حلقہ — میرا چہرہ ہے، اور شراب فروش کے در کی خاک

داورِ دیں شاہِ شجاع آنکہ کرد — روحِ قدس حلقۂ امرش بگوش
دین کا حاکم، شاہ شجاع وہ ہے کہ ڈال لیا ہے — جبرئیل نے، اس کے حکم کا حلقہ کان میں

اے مَلِکُ العرش مُرادش بدہ — وز خطرِ چشمِ بدش دار گوش
اے عرش کے بادشاہ، اس کی مراد پوری کر — اور نظرِ بد کے خطرے سے، اس کی حفاظت کر

رندیِ حافظ نہ گناہیست صعب
حافظ کی رندی، کوئی بڑا گناہ نہیں ہے

با کرمِ پادشہِ عیب پوش
عیب پوش، بادشاہ کے کرم کے سامنے

یا ربّ آں نوگلِ خنداں کہ سپردی بمنش — میسپارم بتو از چشمِ حسودِ چمنش
اے خدا، جو مسکراتا ہوا نیا پھول تو نے میرے سپرد کیا ہے — باغ کے حاسدوں کی نظرِ بد سے اسکو میں تیرے سپرد کرتا ہوں

ہمرہِ اوست دلم باد بہر جا کہ رود — ہمتِ اہلِ کرم بدرقۂ جان و تنش
میرا دل، اُس کے ساتھ ہے وہ جہاں بھی جائے — اہلِ کرم کی توجہ، اس کی جان اور جسم کی محافظ ہو

۱؎ ہم پر شروع منزل ہی میں ڈاکہ پڑا اور ساحل پہونچے بدون کشتی تباہ ہوگئی۔

۲؎ حافظ نے اپنے جسم کو راستے کی خاک بنا دیا ہے اس پر چلنے کی ایک بار تو زحمت کر

۳؎ گناہگاروں کو رحمت سے مایوس نہ ہونا چاہیے، رحمتِ خداوندی گناہوں سے بڑھی ہوئی ہے۔

شعر
رحمتِ حق ز گناہ بیشتر است

۴؎ وصلِ یار اگرچہ کوشش سے حاصل نہیں ہوتا ہے بلکہ محض خدا کی دین ہے لیکن کوشش کرنا انسانی فرض ہے۔

۵؎ جو پھول تو نے میرے سپرد کیا ہے نظرِ بد سے بچانے کے لئے میں ترے سپرد کرتا ہوں۔

۶؎ محبوب جہاں بھی جائے گا میرا دل اسکے ساتھ ہے خدا کرے وہ زندہ و سلامت رہے۔

گر بسر منزلِ سلمیٰ رسی اے بادِ صبا
اے بادِ صبا اگر تو سلمیٰ کی منزل کے پاس پہونچے
چشم دارم کہ سلامے برسانی زمنش
مجھے امید ہے کہ تو میرا سلام اسکو پہونچا دے گی

بادبؔ نافہ کشائی کن ازآں زلفِ سیاہ
اس کالی زلف کی، ادب سے خوشبو پھیلا
جائے دلہائے عزیزست بہم برمزنش
وہ قیمتی دلوں کی جگہ ہے، اس کو درہم برہم نہ کر

چوں دلم حقِ وفا با خط و خالش دارد
چونکہ اس کے خط و خال پر، میرا دل وفا کا حق رکھتا ہے
محترم دار درآں طرّۂ عنبر شکنش
اس کو اس عنبر شکن زلف میں باعزت رکھ

گرچہ از کوئے وفا گشت بصد مرحلہ دور
اگرچہ وہ وفا کے کوچے سے سینکڑوں مرحلے دور ہوگیا ہے
دور باد آفتِ دورِ فلک از جان و تنش
آسمان کی گردش کی مصیبت اس کے جسم اور جان سے دور رہے

درمقامیکؔ بیادِ لبِ او مے نوشند
جس مقام پر، اس کے ہونٹوں کی یاد میں شراب پیتے ہیں
سفلہ آں مست کہ باشد خبر از خویشتنش
وہ مدہوش کمینہ ہے، جس کو اپنی خبر رہے

عرضؔ و مال از درِ میخانہ نشاید اندوخت
سامان اور مال شراب خانہ کے دروازے سے بچانا نہ چاہیے
ہر کہ ایں آب خورد رخت بدریا فگنش
جو یہ پانی پیئے، اس کا سامان دریا میں ڈال دو

ہر کہ ترسد ز ملالِ اندۂ عشقش نہ حلال
جو تکلیف سے ڈرے، عشق کا غم اس کے لیے جائز نہیں ہے
سرِ ما و قدمش یا لبِ ما و دہنش
ہمارا سر ہے اور اس کے قدم یا ہمارے ہونٹ ہیں اور اس کا منہ

شعرِ حافظ ہمہ بیتؔ الغزلِ معرفت ست
حافظ کے سب شعر معرفت کے بیت الغزل ہیں
آفریں بر نفسِ دلکش و لطفِ سخنش
اس کے دلکش سانس اور کلام کی پاکیزگی کو آفریں ہے

ردیفِ صادِ مہملہ

از رقیبؔ دلم نیافت خلاص
میرے دل کو بے ترے رقیب سے چھٹکارا نہ ملا
زانکہ القاصُ لایحبُّ القاص
اس لیے کہ قصہ گو قصہ گو سے محبت نہیں کرتا ہے

محتسبؔ خمِ شکست و من سرِ او
محتسب نے مٹکا پھوڑا، اور میں نے اس کا سر
سِنٌّ بالسِّنِّ وَالجُرُوحُ قصاص
دانت کا بدلہ دانت، اور زخموں کا بدلہ زخم

مطربِ ما رہے بزد کہ بچرخ
ہمارے مطرب نے ایسا ساز چھیڑا کہ آسمان پر
مشتری ہمچو زہرہ شد رقاص
مشتری، زہرہ کی طرح ناچنے والی بن گئی

گوہر از بحر کے بروں آرد
سمندر سے، موتی کب باہر نکالے گا
ترکِ سر تا نمی کند غوّاص
جب تک غوطہ خور سر کی پروا نہ چھوڑے

نقدے از عشق جوئی نہ از عقل
کوئی سرمایہ، عشق سے مانگ، نہ کہ عقل سے
تا کہ خالص شوی چو زرِ خلاص
تاکہ کٹھالی کے سونے کی طرح، تو بھی خالص بنجائے

ؔ یہ بھی صبا کو خطاب ہے یعنی محبوب کی زلف کو پریشان نہ کر ورنہ بہت سے دل پریشان ہو جائیں گے۔
ؔ جس محفل میں محبوب کے ہونٹوں کی یاد پر شراب نوشی ہو رہی ہو اگر کوئی مست ہوش میں رہے تو وہ کمینہ ہے۔
ؔ شراب خانہ کے دروازہ پر پہونچکر مال اور سامان کو لٹا دینا چاہیے
ؔ بیت الغزل وہ شعر کہلاتا ہے جو غزل میں سب سے اچھا ہو۔ حافظ کے تمام اشعار بیت الغزل ہیں۔
ؔ مشہور ہے کہ دو بودم پیشہ باہم حسد برند — لہٰذا دل اور رقیب کی کسی طرح نہیں بنتی ہے
ؔ محتسب نے شراب کا مٹکا پھوڑا، میں نے شرعی فیصلہ کے مطابق اس کا سر پھوڑ دیا اس لیے کہ قرآن کا حکم ہے دانت کا بدلہ دانت اور زخموں کا بدلہ زخم ہے۔

حافظ اوّل زمصحفِ رخِ دوست
حافظ نے سب سے پہلے دوست کے چہرے کے قرآن سے

خواند الحمد و سورۂ اخلاص
الحمدُ للہ ، اور سورۂ اخلاص پڑھی

نیست کس راز کمندِ سرِ زلفِ تو خلاص
تیری زلف کی کمند سے کسی کو رہائی نہیں ہے

میکشی عاشقِ مسکین و نترسی ز قصاص
مسکین، عاشق کو تو قتل کرتا ہے اور انتقام سے نہیں ڈرتا

عاشقِ سوختہ دل تا بہ بیابانِ فنا
سوختہ دل، عاشق جب تک فنا کے بیابان میں

نرود در حرمِ دل نشود خاصُ الخاص
نہ جائیگا دل کے حریم میں، خاص الخاص نہ بنے گا

جاں نہادم بمیاں شمع صفت از سرِ شوق
شوق کی وجہ سے میں نے شمع کی طرح جان درمیان میں رکھدی

کردم ایثارِ تنِ خویش ز روئے اخلاص
اخلاص کی وجہ سے میں نے اپنا جسم قربان کر دیا

آتشے در دلِ دیوانۂ ما در زدہ
تو نے ہمارے دیوانہ دل میں، ایسی آگ لگادی ہے

کہ چو دُود دیم ہمیشہ بہوایت رقّاص
کہ تیری محبت میں تسلسل دھوئیں کی طرح ہم ناچ رہے ہیں

کیمیائے غمِ عشقِ تو تنِ خاکی را
تیرے عشق کے غم کی کیمیا، خاکی جسم کو

زرِ خالص کند ار چند بود ہمچو رصاص
خالص سونا کر دیتی ہے خواہ وہ کتنا ہی رانگ کی طرح ہو

بہواداریِ آں شمع چو پروانہ وجود
اس شمع کی محبت میں، پروانہ کی طرح وجود کو

تا نسوزی نشوی از خطرِ عشق خلاص
جب تک تو نہ جلا دے گا تجھے عشق کے خطرے سے خلاصی حاصل ہوگی

ناوکِ غمزۂ او دست برد از رستم
اس کے غمزہ کے تیر نے رستم سے بازی جیت لی

حاجبِ ابروئے او بردگر واز وقّاص
اس کی ابرو کا درباں، وقّاص سے بازی لے گیا

قیمتِ درِّ گرانمایہ چہ دانند عوام
گرانبہا موتی کی قیمت، عوام کیا جانیں!

حافظا گوہرِ یکدانہ مدہ جز بخواص
اے حافظ! دُرِ یکتا، خواص کے علاوہ کسی کو نہ دے

ردیفِ ضادِ مُعجمہ

بیا کہ می شنوم بوئے جاں زآں عارض
آجا کیونکہ میں اس رخسار سے جان کی خوشبو سونگھتا ہوں

کہ یافتم دلِ خود را نشاں از آں عارض
اس لیے کہ مجھے اپنے دل کا پتہ اسی رخسار سے ملا ہے

بگِل بماند قدِ سروِ ناز از آں قامت
سروِ ناز کا قد اس قد کی وجہ سے مٹی میں پھنس گیا

خجل شدہ است گُلِ گلستاں از آں عارض
باغ کا پھول، اس رخسار سے شرمندہ ہو گیا ہے

معانیٔ کہ ز حوراں بشرح می گویند
جو خوبیاں حوروں کی تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں

ز حسن و لطف بریں ابن بیاں از آں عارض
اس رخسار سے یہ بیان حسن اور پاکیزگی کے ساتھ دریافت کر

---

۱ شعر
زجبرئیل اگر قرآں پیغام خوانم
ہم گفتارِ معشوق است قرآں کہ من دارم

۲ عاشق خواص میں جب شمار ہوگا جبکہ فنا فی المعشوق کا درجہ طے کرلے گا۔

۳ کمالِ عشق یہی ہے کہ عاشق اپنے وجود کو قربان کردے۔

۴ دھواں چکر کاٹتا ہوا اٹھتا ہے۔

۵ راہِ عشق کے خطرات سے عاشق جب ہی محفوظ ہوتا ہے جبکہ اپنے وجود کو ختم کردے۔

۶ وقّاص کے لغوی معنی گردن توڑنیوالے کے ہیں یہاں مراد کوئی کمان گر ہے یا حضرت سعد بن ابی وقاص مراد ہیں۔

۷ معشوق کے قد سے شرما کر سرو زمین میں گڑھ گیا ہے۔

گرفته[1] نافہ چیں بوئے مشک ازآں گیسو
اس زلف سے چین کے نافہ نے مشک کی خوشبو حاصل کی ہے
گلاب یافتہ بوئے چناں ازآں عارض
گلاب نے ایسی اچھی خوشبو اس رخسار سے حاصل کی ہے

بشرم رفتہ تنِ یاسمن ازآں اندام
اس جسم سے، یاسمن کا جسم شرمندہ ہے
بخوں نشستہ گلِ ارغواں ازآں عارض
اس رخسار کی وجہ سے گل ارغواں خون میں نہایا ہوا ہے

زمہرِ روئے تو خورشید گشتہ غرق عرق
تیرے چہرے کے آفتاب سے سورج پسینہ میں ڈوبا ہوا ہے
نزار[2] ماندہ مہِ آسماں ازآں عارض
اس رخسار کی وجہ سے آسمان کا چاند لاغر بنا ہوا ہے

زنظمِ دلکش حافظ چکید آبِ حیات
حافظ کی دل کش نظم سے آب حیات اس طرح ٹپکتا ہے
چنانکہ خوی شدہ جاناں چکاں ازآں عارض
جس طرح پسینہ میں نہائے ہوئے معشوق کے رخسار سے پسینہ ٹپکتا ہے

حسن و جمالِ تو جہاں جملہ گرفت طول و عرض
تیرے حسن اور جمال نے تمام جہاں کے طول اور عرض پر قبضہ کر لیا ہے
شمسِ فلک خجل شد از رخِ خوب ماہِ ارض
زمین کے چاند کے حسین رخ سے آسمان کا سورج شرمندہ ہے

از رخِ تست مقتبس خور[3] زچہارم آسماں
چوتھے آسمان کا سورج تیرے رخ سے نور حاصل کرنے والا ہے
ہمچو زمینِ ہفتمیں ماندہ بزیر بارِ قرض
ساتویں زمین کی طرح، قرض کا زیر بار ہے

دیدنِ حسنِ روئے[4] تو برہمہ خلق واجبست
تیرے چہرے کے حسن کا دیکھنا تمام مخلوق پر واجب ہے
سجدۂ درگہ تو شد برہمہ شاہِ ارض فرض
تیری درگاہ کا سجدہ زمین کے تمام بادشاہوں پر فرض ہے

گرلبِ[5] روح پرورت گلشکرے نبخشدم
اگر تیرا روح پرور ہونٹ، مجھے گلقند نہ بخشے گا
کے تنِ دردمندِ من رستہ شود ازیں مرض
میرا دردمند جسم اس مرض سے کس طرح نجات پائے

بوسہ بخاکِ پائے او دست کجا دہد ترا
اس کی خاکِ پا کا بوسہ تجھے کب میسر آسکتا ہے
قصۂ شوق حافظا خود کہ رساندش بعرض
اے حافظ! عشق کا قصہ خود اس کی خدمت میں پیش کرے گا

سوادِ دیدۂ[6] من شد زآبِ چشم بیاض
آنسوؤں کی وجہ سے میری آنکھ کی سیاہی، سفیدی ہو گئی
ہنوز چند نگارا زمن کنی اعراض
اے معشوق! اب کب تک مجھ سے روگردانی کرے گا

بیا[7] کنار بگیریم و آشتی بکنیم
آ جا، ہم بغلگیر ہوں، اور صلح کر لیں
گذشتہ یاد چہ آری مضیٰ مضیٰ ماماض
گذشتہ باتوں کو کیا یاد کرتا ہے، گذرا، گذرا جو گذرنے والا تھا

چہ تیزی ست بمژگانِ چشم او یارب
اے خدا! اس کی آنکھوں کی پلکوں میں کس قدر تیزی ہے
برید جامۂ تقویٰ بغمزہ چوں مقراض
تقوے کے جامہ کو، اس نے قینچی کی طرح غمزے سے کاٹ دیا

چو عکس[8] زلف و رخت در میانِ چشم افتاد
جب تیری زلف اور رخ کا عکس آنکھ میں پڑا
گرفت دیدۂ مردم ازآں سواد و بیاض
انسانوں کی آنکھ کو اسی سے سیاہی اور سفیدی حاصل ہوئی

غزل بقافیۂ ضاد ناید اے حافظ
اے حافظ! ضاد کے قافیہ کی غزل نہیں کہی جا سکتی
مگر ہم از تو بیابد طبیعتِ فیاض
شاید فیاض طبیعت، تجھ سے حاصل کرے

[1] مشک نے اس کی زلف سے اور گلاب نے اُسکے رخسار سے رنگ و بو حاصل کی ہے۔
[2] پہلی رات کا چاند اس کے رخسار کے رشک سے لاغر بنا ہوا ہے۔
[3] سورج معشوق کے چہرے سے نور حاصل کرتا ہے
[4] روئے زمین پر معشوق کا نور پھیلا ہوا ہے۔
[5] میرا مرض تیرے ہونٹ کے گلقند سے ہی شفایاب ہوگا۔
[6] تیرے فراق میں روتے روتے آنکھوں کی پتلیاں سفید ہو گئی ہیں۔
[7] گذشتہ شکووں کو بھلا کر بغلگیر ہو جا۔
[8] آنکھ کی سیاہی اور سفیدی محبوب کی زلف اور رخ سے قائم ہے۔

ردیفِ طائے مُہملہ

گردِ عذارِ یارِ من تا بنوشت حسن خط[1]
میرے معشوق کے رخسار کے گرد جب سے حسن نے خط کھینچا ہے
ماہ ز حسنِ روئے او راست فتادہ در غلط
اس کے چہرے کے حسن کی وجہ سے چاند واقعی غلطی میں پڑ گیا ہے

از ہوسِ لبش کہ آں ز آبِ حیات خوشتر ست
اس کے ہونٹ کے عشق میں جو آبِ حیات سے بہتر ہے
گشت رواں ز دیدہ ام چشمۂ آب ہمچو شط
میری آنکھ سے، نہر جیسا چشمہ جاری ہو گیا ہے

خالِ سیاہ را بر آں عارضِ سیم رنگ بیں[2]
اس چاندی جیسے رنگ والے رخسار پر سیاہ تل دیکھو
راست ز مُشک ماندہ آں بر رخِ ماہ یک نقط
بالکل مُشک کا ایک نقطہ ہے جو چاند کے رخ پر قائم ہوا ہے

موئے کشادہ کردہ خوی تا بچمن در آمدی
پسینے میں نہائے ہوئے بال کھولے ہوئے جب تو چمن میں آیا ہے
شد رخِ گل چو زعفراں مشک و گلاب شد سقط
گلاب کا رخسار زعفران کی طرح ہو گیا ہے، مشک اور گلاب گری پڑی چیز بن گئے

گہ بہواش میدہم گرد مثالِ جان و دل
کبھی اس کی محبت میں جان اور دل گرد کی طرح بناتا ہوں
گاہ بآب میکشم آتشِ عشق ہمچو بط
کبھی بط کی طرح عشق کی آگ کو پانی سے بجھاتا ہوں

گر بغلامی خودم شاہ قبول میکند[3]
اگر مجھے بادشاہ اپنی غلامی میں قبول کرتا ہے
تا بمبارکی دہم بندہ بہ بندگیش خط
تو بیشک خادم اُس کی غلامی کی تحریر مبارکی میں لکھ کر دے دے گا

آبِ حیات حافظا گشتہ خجل ز نظمِ تو
اے حافظ! تیری غزل سے آبِ حیات شرمندہ ہو گیا
کس بہوائے عشق او شعر نگفتہ زیں نمط
اس کے عشق میں اس طریقہ پر کسی نے شعر نہیں کہا ہے

ردیفِ ظائے مُعجمہ

ز چشمِ بد رُخِ خوبِ ترا خدا حافظ
نظرِ بد سے تیرے حسین رخسار کا خدا نگہبان ہو
کہ کرد جملہ نکوئی بجائے ما حافظ
اس لیے کہ اے حافظ! اس نے ہمارے ساتھ ساری بھلائیاں کی ہیں

اگرچہ خونِ دلت خورد لعلِ او بستاں[4]
اگرچہ اس کے ہونٹ نے تیرے دل کا خون پی لیا ہے، لے لے
بکامِ دل ز لبش بوسہ خوں بہا حافظ
اے حافظ! دل کے مدعا کے مطابق خون بہا میں اس کے ہونٹ کے بوسے

بزلف و خالِ بتاں دل مبند دیگر بار
بتوں کی زلف، اور تل میں دوبارہ دل نہ پھنسا
اگر بجستی ازیں بند و ایں بلا حافظ
اے حافظ! اگر تو اس قید اور مصیبت سے بچ نکلا ہے

بیا کہ نوبتِ صلح ست و دوستی و صفا
آ جا، کہ خلوص اور دوستی اور صلح کا وقت ہے
کہ با تو نیست مرا جنگ و ماجرا حافظ
اس لیے کہ اے حافظ! تجھ سے میری کوئی لڑائی اور قصہ نہیں ہے

---

[1] معشوق کے چہرے کے گرد خط نے مزید حسن پیدا کر دیا ہے، چنانچہ چاند نے اس کو آفتاب سمجھ کر اُس سے نور حاصل کرنے کا خیال کیا جو واقعی غلط خیال ہے۔

[2] معشوق کے رُخ پر تل ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ چاند پر مشکیں نقطہ

[3] اگر شاہ غلامی میں قبول کرے تو مبارکبادی میں خطِ غلامی لکھ کر پیش کروں۔

[4] حافظ کے دل کا خون بہا یہی ہے کہ قاتل کے ہونٹ کے چند بوسے دلا دیے جائیں۔

تو از کجا و امید وصال او ز کجا	بدامنش نرسد دست ہر گدا حافظ
تو کہاں اور اس کے وصل کی امید کہاں	اے حافظ! اسکے دامن تک ہر گدا کا ہاتھ نہیں پہونچتا ہے
چہ ذوق یافت دل من ز وصل آن محبوب	مراست تحفۂ جان بخش دلربا حافظ
اس محبوب کے وصل سے میرے دل نے کیا مزا پایا	اس لیے کہ اے حافظ! مجھے دلربا کا جاں بخش تحفہ حاصل ہے

بیا بخوان غزل خوب طرفہ و پر سوز
آ، پُر درد، اور عجیب، اور اچھی غزل پڑھ
کہ شعر تست فرح بخش و جانفزا حافظ
اس لیے کہ اے حافظ تیرے اشعار فرحت بخشنے والے اور جانفزا ہیں

ردیفِ عینِ مُہملہ

بفرّ دولت گیتی فروز شاہ شجاع	کہ ہست در نظر من جہان حقیر متاع
شاہ شجاع کی دنیا کو روشن کرنے والی حکومت کے دبدبہ کی قسم	کہ دنیا میری نگاہ میں ایک ذلیل پونجی ہے
صراحیے و حریفے خوشم ز دنیا بس[1]	کہ غیر ازیں ہمہ اسباب تفرقہ است و صداع
تمام دنیا میں بس ایک صراحی اور اچھا دوست میرے لیے کافی ہے	اس لیے کہ اس کے علاوہ سب پریشانی اور دردِ سر کے اسباب ہیں
مگوئے[2] وعظ و بجامے بدل کن این شفقت	کہ نیست با تو کسے را بہیچ گونہ نزاع
وعظ کہہ اور اس شفقت کو ایک جام میں تبدیل کردے	پھر کسی کا تجھ سے کوئی جھگڑا نہیں ہے
ز مسجدم بخرابات میفرستد عشق	بسر ہمیروم ایجان نمی کنیم نزاع
عشق، مجھے مسجد سے خرابات میں بھیجتا ہے	اے جان! میں سر کے بل جا رہا ہوں، ہم کسی سے جھگڑا نہیں کرتے ہیں
بس ست ورد شبانہ مے مغانہ بیار	حریف بادہ رسید اے رفیق توبہ وداع
رات کا معمول کافی ہے، مغوں کی شراب لا	شراب کا ساتھی پہونچ گیا ہے، اے توبہ کے ساتھی رخصت ہو
ہنر نمی[3] خرد ایام و غیر ازینم نیست	کجا روم بتجارت باین کساد متاع
زمانہ ہنر نہیں خریدتا ہے اور میرے پاس اسکے سوا کچھ نہیں ہے	اس کھوٹی پونجی کو لیکر، تجارت کرنے کہاں جاؤں؟
بیار مے کہ چو خورشید مشعل افروزد	رسد بکلبۂ درویش نیز فیض شعاع
شراب لا، اس لیے کہ جب آفتاب مشعل روشن کرتا ہے	فقیر کی کوٹھری میں بھی، شعاع کا فیض پہونچتا ہے

جبین و چہرۂ حافظ خدا جدا نکناد
خدا، حافظ کی پیشانی، اور چہرہ کو جدا نہ کرے
ز خاک بارگہ کبریائے شاہ شجاع
شاہ شجاع کی بلند بارگاہ کی خاک سے

بامداداں[4] کہ ز خلوتگہ کاخ ابداع	شاہ خاور فگند بر ہمہ اطراف شعاع
صبح کو جبکہ ایجاد کے محل کی خلوت گاہ سے	مشرق کا بادشاہ، چاروں طرف شعاعیں ڈالتا ہے

[1] دنیا کی چیزوں میں سے معشوق اور صراحی کافی ہے باقی دردِ سر ہے۔
[2] اے واعظ اپنی شفقت کا مظاہرہ بجائے وعظ کے ایک جام کے ذریعہ کر۔
[3] زمانہ میں ہنر کی کساد بازاری ہے اور میرے پاس اس کے علاوہ کوئی پونجی نہیں ہے۔
[4] یعنی جب صبح کو سورج نمودار ہوتا ہے اور مشرق سے ناچتا ہوا آئینہ گھماتا ہوا نمودار ہوتا ہے اور دنیا کو مختلف رنگوں میں دکھاتا ہے اور جمشید فلک کے رقص خانہ میں زہرہ ارغنوں سنبھالتی ہے تو چنگ شور کرتی ہے اور منکرین پر طعنہ زنی کرتی ہے اور کہتی ہے کہ زمانہ کی حالت کو دیکھو عیش و عشرت میں وقت کاٹ دینا ہی بہتر ہے۔

برکشد آئنہ از جیبِ افق چرخِ زناں
افق کی جیب سے، گھماتے ہوئے، آئینہ نکالتا ہے

بنماید رخِ گیتی بہزاراں انواع
دنیا کا چہرہ، ہزاروں طرح سے دکھاتا ہے

وز زوایائے طرب خانۂ جمشیدِ فلک
آسمان کے جمشید کے طرب خانہ کے گوشوں سے

ارغنوں ساز کند زہرہ بآہنگِ سماع
زہرہ گانے کے ارادہ سے ارغنوں بجاتی ہے

چنگ در غلغلہ آید کہ کجا شد منکر
چنگ شور کرتی ہے، کہ منکر کہاں گیا؟

جام در قہقہہ آید کہ کجا شد مناع
جام ٹھٹھا لگاتا ہے، کہ رد کرنے والا کہاں گیا؟

وضعِ دوراں بنگر ساغرِ عشرت برگیر
زمانہ کی حالت کو دیکھ، عیش کا ساغر تھام

کہ بہر حال ہمیں ست بہینِ اوضاع
اس لیے، کہ بہترین حالتیں لا محالہ یہی ہیں

طرۂ شاہدِ دنیا ہمہ مکر ست و فریب
دنیا کے معشوق کی زلف تمام تر مکر اور فریب ہے

عارفاں بر سرِ ایں نکتہ نجویند نزاع
جانکار، اس نکتہ پر اختلاف نہیں کرتے ہیں

عمرِ خسرو طلب ار نفعِ جہاں میطلبی
اگر تو دنیا کا نفع چاہتا ہے، بادشاہ کی عمر کی درازی چاہ

کہ وجودیست عطا بخش و کریم و نفاع
اس لیے کہ وہ بڑا عطا بخشنے والا، سخی اور نفع رساں وجود ہے

مظہرِ لطفِ ازل روشنیِ چشمِ امل
ازلی مہربانی کا مظہر ہے، امید کی آنکھ کی روشنی ہے

جامعِ علم و عمل جانِ جہاں شاہ شجاع
علم و عمل کا جامع ہے، شاہ شجاع دنیا کی جان ہے

حافظ ار بادہ خوری با صنمِ گلرخ خور
حافظ اگر تو شراب پئے تو گلابی رخسار والے معشوق کے ساتھ پی

کہ ازیں بہ نبود در دو جہاں ہیچ متاع
اس لیے کہ دونوں جہان میں اس سے بہتر کوئی پونجی نہیں ہے

در وفائے عشقِ تو مشہورِ خوبانم چو شمع[1]
میں حسینوں میں شمع کی طرح تیرے عشق کی وفاداری میں مشہور ہوں

شب نشینِ کوئے سربازان و رندانم چو شمع
میں شمع کی طرح، سر کی بازی لگانے والوں اور رندوں کے کوچہ میں تمام رات بیٹھنے والا ہوں

کوہِ صبرم نرم شد چوں موم از دستِ غمت[2]
تیرے غم کے ہاتھوں میرے صبر کا پہاڑ موم کی طرح نرم ہو گیا ہے

تا در آب و آتشِ عشقت گدازانم چو شمع
جب کہ تیرے عشق کے آب و آتش میں شمع کی طرح پگھل رہا ہوں

بے جمالِ عالم آرائے تو روزِ من شب ست
تیرے عالم کو سنوارنے والے جمال کے بدوں میرا دن رات ہے

با کمالِ عشقِ تو در عینِ نقصانم چو شمع[3]
تیرے عشق کے کمال کے ہوتے ہوئے میں شمع کی طرح عین گھاٹے میں ہوں

رشتۂ صبرم بمقراضِ غمت ببریدہ شد
میرے صبر کا دھاگا تیرے غم کی قینچی سے کاٹ دیا گیا

ہمچناں در آتشِ ہجرِ تو سوزانم چو شمع
تیرے ہجر کی آگ میں، اسی طرح شمع کی مانند جل رہا ہوں

گر کمیتِ اشکِ گلگونم نبودے تند رو
اگر میرے سرخ آنسوؤں کا گھوڑا، تیز رو نہ ہوتا

کے شدے پیدا بگیتی رازِ پنہانم چو شمع[4]
میرا چھپا ہوا راز دنیا میں شمع کی مانند کب ظاہر ہوتا

روز و شب خوابم نمی آید بچشمِ غم پرست
میری غم پرست آنکھ میں دن رات نیند نہیں آتی ہے

بسکہ در بیماریِ ہجرِ تو گریانم چو شمع
بس تیرے ہجر کی بیماری میں، شمع کی طرح روتا ہوں

در میانِ آب و آتش ہمچناں سرگرم تست
پانی اور آگ کے درمیان بھی اسی طرح تیرے لئے سرگرم ہے

ایں دلِ زار و نزار و اشکبارانم چو شمع
میرا یہ دل جو عاجز اور لاغر ہے اور شمع کی طرح آنسو بہانے والا ہے

[1] تیرے عشق میں حسینوں کی مجلس میں شمع کی طرح مشہور ہوں۔
[2] جب سے تیرے ہجر میں شمع کی طرح پگھل رہا ہوں میرا کوہِ صبر موم بن گیا ہے۔
[3] شمع ہر وقت پگھلتی اور گھٹتی رہتی ہے۔
[4] میں تو رازدار تھا آنسوؤں نے راز پھیلا دیا۔

در شبِ ہجراں مرا پروانۂ وصلے فرست
ہجر کی رات میں میرے پاس وصل کا پروانہ بھیج دے

ورنہ از آہے جہانے را بسوزانم چو شمع
ورنہ آہ کے ذریعہ ایک دنیا کو شمع کی طرح جلا ڈالوں گا

سرفرازم کن شبے از وصلِ خود اے ماہرو
اے چاند جیسے چہرے والے! کسی رات کو اپنے وصل سے مجھے کامیاب بنا

تا منور گردد از دیدارت ایوانم چو شمع
تاکہ شمع کی طرح تیرے دیدار سے میرا مکان منور ہو جائے

ہمچو صبحم یک نفس باقیست بے دیدارِ تو
تیرے دیدار کے بدوں میرا ایک سانس باقی ہے صبح کی طرح مجھے

چہرہ بنما دلبرا تا جاں بیفشانم چو شمع
اے دلبر! چہرہ دکھا تاکہ شمع کی طرح جان قربان کردوں

آتشِ مہرِ ترا حافظ عجب در سر گرفت
تیرے عشق کی آگ، حافظ کے سر میں عجب لگی ہے

آتشِ دل کے بآبِ دیدہ بنشانم چو شمع
شمع کی طرح دل کی آگ کو آنکھ کے پانی سے کب بجھا سکتا ہوں

قسم بحشمت جاہ و جلالِ شاہ شجاع
شاہ شجاع کے، جاہ و جلال کی حشمت کی قسم

کہ نیست باکسم از بہر مال و جاہ نزاع
کہ مال اور مرتبہ کے لئے میرا کسی کے سے جھگڑا نہیں ہے

بفیضِ جرعۂ جامِ تو تشنہ ایم و لے
ہم تیرے جام کے گھونٹ کے فیض کے پیاسے ہیں لیکن

نمی کنیم دلیری نمید ہیم صداع
ہم دلیری نہیں کرتے، دردِ سر نہیں بنتے

خدائے را بمیم شست و شوئے خرقہ کنید
خدا کے لیے میری گدڑی کو شراب کے ذریعہ پاک صاف کر دو

کہ من نمیشنوم بوئے خیر ازیں اوضاع
اس لیے کہ ان حالتوں سے مجھے خیر کی خوشبو نہیں آتی ہے

بہ بیں کہ رقص کناں میرود بنالۂ چنگ
دیکھ! چنگ کے نالہ پر ناچتا جا رہا ہے

کسے کہ اذن نمیداد اے استماعِ سماع
وہ، جو گانا سننے کی اجازت نہ دیتا تھا

بعاشقاں نظرے کن بشکر ایں نعمت
اس نعمت کے شکرانہ میں، عاشقوں کی طرف نظر کر

کہ من غلامِ مطیعم تو بادشاہِ مطاع
کہ میں فرمانبردار غلام ہوں، اور تو مطاع بادشاہ ہے

برو ادیب و نصیحت مگو کہ دیگر تو
اے ادب سکھانے والے! چلا جا اور نصیحت نہ کر اس لیے کہ پھر تو

نہ بینیم پس ازیں ہیچگہ بکنجِ بقاع
اس کے بعد زمین کے گوشہ پر، کسی جگہ مجھے نہ دیکھے گا

ز زہدِ حافظ و طاماتِ او ملول شدم
حافظ کے زہد اور اس کی بزرگی کی ڈینگوں سے میں ملول ہو گیا ہوں

بساز رود و غزل گوئی بر سرودِ سماع
رود بجا، اور قوالی کی لے میں غزل سنا

ردیفِ غینِ معجمہ

سحر چو بلبلِ بیدل دمے شدم در باغ
صبح کو بیدل بلبل کی طرح میں تھوڑی دیر کے لئے باغ میں گیا

کہ تا چو بلبلِ بیدل کنم علاجِ دماغ
تاکہ بے دل بلبل کی طرح، دماغ کا علاج کروں

۱؎ ہجر کی رات وصل کا پروانہ بھیج دے ورنہ آہ کے ذریعہ دنیا کو شمع کی طرح جلا ڈالوں گا پروانہ اور شمع کا جوڑ پر لطف ہے
۲؎ میں زندگی کے آخری سانس لے رہا ہوں چہرہ دکھا دے تاکہ شمع کی طرح میں بھی جان دیدوں جو صبح ہوتے ہی بجھ جاتی ہے۔
۳؎ پانی آنکھ سے جاری ہے آگ دل میں لگی ہے تو اس پانی سے وہ آگ کیسے بجھ سکتی ہے۔
۴؎ ہم خود بڑھ کر جام اٹھا لینے کی دلیری نہیں کرنا چاہتے ہیں ممکن ہے ناگواری کا سبب بن جائے
۵؎ گدڑی میں سے ریا کی بو آرہی ہے اس کو شراب سے دھو ڈالو۔
۶؎ وہ محتسب جو دوسروں کو سماع کی اجازت نہ دیتا تھا اب خود چنگ کی آواز پر رقص کر رہا ہے۔

بچہرۂ گلِ سوری نگاہ میکردم
میں گلِ سوری کے چہرہ کو دیکھ رہا تھا
کہ بود در شبِ تارے بروشنی چو چراغ
جو اندھیری رات میں روشنی دینے میں چراغ کی طرح تھا

چناں بحسن و جوانیِ خویشتن مغرور
اپنے حسن اور جوانی پر ایسا مغرور تھا
کہ داشت از دلِ بلبل ہزار گونہ فراغ
کہ بلبل کے دل سے ہزار طرح کی بے پروائی رکھتا تھا

کشادہ نرگسِ رعنا بحسرت آب از چشم
حسین نرگس حسرت میں آنکھ سے آنسو بہا رہی تھی
نہادہ لالۂ حمرا بجان و دل صد داغ
سُرخ لالہ، دل اور جان میں سو داغ رکھتا تھا

زباں کشیدہ چو تیغے بسرزنش سوسن
سوسن سرزنش کے لیے تلوار کی طرح زبان سونتے ہوئے تھی
دہاں کشادہ شقائق چو مردمانِ نباغ
گلِ لالہ دو بولیوں والے انسانوں کی طرح منہ پھیلائے ہوئے تھا

یکے چو بادہ پرستاں صراحی اندر دست
ایک بادہ پرستوں کی طرح، صراحی ہاتھ میں لیے تھا
یکے چو ساقیِ مستاں بکف گرفتہ ایاغ
ایک مستوں کے ساقی کی طرح پیالہ ہاتھ میں لئے تھا

نشاط و عیش جوانی چو گل غنیمت داں
خوشی اور جوانی کے عیش کو، پھول کی طرح غنیمت سمجھ
کہ حافظا نبود بر رسول غیر بلاغ
اس لیے کہ اے حافظ رسول کی ذمہ داری بجز پیغام پہونچانے کے کچھ نہیں ہے

ردیفِ فائے مُوحدہ

طالع اگر مدد کند دامنش آورم بکف
نصیبہ اگر مدد کرے تو اس کا دامن ہاتھ سے پکڑ لوں گا
گر بکشم زہے طرب ور بکشد زہے شرف
اگر میں اس کو کھینچ لوں زہے خوشی اور اگر وہ کھینچ لے زہے عزت

طرفِ کرم ز کس نہ بست ایں دلِ پُر اُمیدِ من
میرے اِس امیدوار دل نے کسی سے کرم کا فائدہ نہ اٹھایا
گرچہ صبا ہمی برد قصۂ من بہر طرف
اگرچہ صبا، میرا قصہ ہر طرف لیجا رہی ہے

چند بناز پرورم مہرِ بتانِ سنگدل
سنگدل بتوں کی محبت کو میں کہاں تک ناز سے پالوں
یادِ پدر نمیکنند ایں پسرانِ ناخلف
یہ نالائق لڑکے اپنے باپ کو بھی یاد نہیں کرتے ہیں

از خمِ ابروئے توام ہیچ کشایشے نشد
تیرے ابرو کے خم سے مجھے کوئی آرام نہ ملا
وہ کہ دریں خیالِ کج عمرِ عزیز شد تلف
ہائے اس غلط خیال میں پیاری عمر تلف ہوگئی

من بخیالِ زاہدی گوشہ نشین و طرفہ آنک
میں تقوے کے خیال سے گوشہ نشین ہوں اور تعجب ہے کہ
مُغبچۂ ز ہر طرف میزندم بچنگ و دف
ایک مغبچہ ہر طرف سے میرے لئے چنگ اور دف بجا رہا ہے

ابروئے دوست کے شود دست کشِ خیالِ من
دوست کی ابرو میرے خیال سے کب دست بردار ہوسکتی ہے
کس نزدست زیں کماں تیرِ مراد بر ہدف
اس کمان کے ذریعہ کسی نے نشانہ پر تیرِ مراد نہیں مارا ہے

بیخبر اند زاہداں نقش بخوان و لا تقل
زاہد بے خبر ہیں، تو نقش پڑھ اور نہ بتا
مستِ ریاست مُحتسب بادہ بنوش و لا تخف
محتسب ریاکاری میں مست ہے، تو شراب پی اور نہ ڈر

۱؎ گلِ سوری اپنے حسن اور نوجوانی پر مغرور تھا اور بلبل کے عشق سے بے پرواہ تھا۔
۲؎ صبح کو نرگس کے پھول پر جو شبنم ہوتی ہے اس کو حسرت کے آنسوؤں سے تعبیر کیا ہے۔
۳؎ گلِ سوسن نیلے رنگ کا پھول ہے جس کی پتیوں کو زبان سے تشبیہ دیجاتی ہے، شقائق لالہ کے پھول کو کہتے ہیں۔
۴؎ حافظ کا یہی پیغام ہے جو پہلے مصرع میں دیا ہے۔
۵؎ دامن کھینچ لیا تو مقصد پورا ہوا اور اگر قتل کردیا تو عزت ملی
۶؎ صبا نے میرے عشق کی داستان ہر جگہ کہی لیکن کہیں سے مدد حاصل نہ ہوئی
۷؎ لہٰذا ہمیں بھی ان سے دفا کی کیا اُمید ہوسکتی ہے۔
۸؎ میں زہد کے خیال سے گوشہ نشیں ہونا چاہتا ہوں لیکن مغبچے بیٹھنے نہیں دیتے ہیں۔

صوفیِ شہر بیں کہ چوں لقمۂ شبہہ میخورد[1]
شہر کے صوفی کو دیکھ، حرام کا لقمہ کس طرح کھاتا ہے
یال و دمش دراز باد ایں حیوانِ خوش علف
اس خوش خوراک جانور کی گردن کے بال اور دم دراز ہو

من بکدام دلخوشی مے خورم و طرب کنم
میں کس خوش دلی سے شراب پیوں، اور مستی کروں؟
کز پس و پیش خاطرم لشکرِ غم کشیدہ صف
اس لیے کہ میری طبیعت کے آگے پیچھے غم کے لشکر نے صف کھینچ لی ہے

حافظا گر قدم زنی در رہِ خاندانِ عشق
اے حافظ! اگر تو خاندانِ عشق کے راستہ میں قدم دھرے گا
بدرقۂ رہت شود ہمتِ شحنۂ نجف[2]
نجف کے کوتوال کی باطنی توجہ تیرے راستہ کی رہبر ہوگی

ردیفِ قاف

زبانِ خامہ ندارد سرِ بیانِ فراق[3]
قلم کی زبان، فراق کے بیان کی طاقت نہیں رکھتی ہے
وگرنہ شرح دہم با تو داستانِ فراق
ورنہ تجھ سے فراق کی داستان کی تفصیل بیان کروں

رفیقِ خیلِ خیالیم و ہمرکابِ شکیب
ہم خیال کے لشکر کے ساتھی، اور صبر کے ہمرکاب ہیں
قرینِ محنت و اندوہ و ہمقرانِ فراق
محنت اور رنج کے ساتھی، اور فراق کے ملاقاتی ہیں

دریغ مدتِ عمرم کہ بر امیدِ وصال[4]
افسوس ہے میری عمر کی مدت پر کہ وصال کی امید میں
بسر رسید و نیامد بسر زمانِ فراق
ختم ہو چلی، اور فراق کا زمانہ ختم نہ ہوا

سرے کہ بر سرِ گردوں بفخر می سودم
وہ سر جس کو میں فخر سے آسمان کے سر سے لگاتا تھا
ز روئے عجز نہادم بر آستانِ فراق
عاجزی کی وجہ سے میں نے فراق کی چوکھٹ پر رکھ دیا

چگونہ باز کنم بال در ہوائے وصال[5]
وصال کی ہوا میں، پروں کو کیسے پھیلاؤں؟
کہ ریخت مرغِ دلم پر در آشیانِ فراق
اس لیے کہ میرے دل کے پرندے نے فراق کے آشیانہ میں پر گرادیے ہیں

بسے نماند کہ کشتیِ عمر غرقہ شود[6]
زیادہ وقفہ نہیں رہا کہ عمر کی کشتی ڈوب جائے
ز موجِ شوقِ تو در بحرِ بیکرانِ فراق
فراق کے لاانتہا سمندر میں تیرے شوق کی بہتات کی وجہ سے

فلک چو دید سرم را اسیرِ چنبرِ عشق
میرے سر کو آسمان نے، جب عشق کے پھندے کا قیدی دیکھا
ببست گردنِ صبرم بریسمانِ فراق
تو میرے صبر کی گردن، فراق کی رسی سے کس دی

کنوں چہ چارہ کہ در بحرِ غم بگردابے
اب کیا تدبیر ہے کہ غم کے سمندر کے ایک بھنور میں
فتادہ کشتیِ صبرم ز بادبانِ فراق
فراق کے بادبان کی وجہ سے میرے صبر کی کشتی پھنس گئی ہے

چگونہ دعوئے وصلت کنم بجاں کہ شدہ است[7]
میں جان کے ذریعہ کس طرح سے تیرے وصل کا دعویٰ کروں اسلئے کہ
تنم وکیلِ قضا و دلم ضمانِ فراق
میرا جسم، قضا کا وکیل اور میرا دل فراق کا ضامن ہوگیا ہے

فراق و ہجر کہ آورد در جہاں یا رب
اے خدا فراق اور ہجر کو دنیا میں کون لایا تھا؟
کہ روئے ہجر سیہ باد و خانمانِ فراق
خدا کرے ہجر کا چہرہ، اور فراق کا گھر سیاہ ہو

---

[1] صوفی جو دوسروں کی کمائی کھاتا ہے ایک خوش خوراک جانور ہے خدا اس کی دم اور گردن کے بال دراز کرے۔

[2] نجف عراق کا وہ شہر ہے جہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ مدفون بتلائے جاتے ہیں شحنۂ نجف سے وہی مراد ہیں یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی باطنی توجہ تیری رہنمائی کرے گی۔

[3] داستانِ فراق بیان کرنیکی قلم میں طاقت نہیں ہے ورنہ اس کی خوب تشریح کرتا۔

[4] فراق کا زمانہ اس قدر دراز تھا کہ تمام عمر وصل کی امید میں ختم ہوگئی۔

[5] اب مرغِ دل بے بال و پر ہے اس میں پرواز کی طاقت نہیں رہی ہے۔

[6] اب زیادہ دیر نہیں ہے ہم عنقریب فراق میں جان دے دیں گے

[7] جبکہ جسم اور دل ہی ہمارا ساتھ نہیں دیتے ہیں ہم وصل کا دعویٰ کس طرح کریں؟

زسوزِ شوق دلم شد کباب دور از یار
دوست سے دور، عشق کی سوزش سے میرا دل کباب ہوگیا ہے

مدام خونِ جگر میخورم ز خوانِ فراق
میں ہمیشہ فراق کے دستر خوان سے خونِ جگر کھاتا ہوں

بپائے شوق گر ایں رہ بسر شدے حافظ
اے حافظ! اگر شوق کے پیر سے راستہ طے ہوتا

بدستِ ہجر ندادے کسے عنانِ فراق
فراق کی باگ، ہجر کے ہاتھ میں کوئی نہ دیتا

مباد کس چو منِ خستہ مبتلائے فراق
مجھ خستہ کی طرح، خدا کرے کوئی فراق میں مبتلا نہ ہو

کہ عمرِ من ہمہ بگذشت در بلائے فراق
اس لیے کہ میری تمام عمر فراق کی مصیبت میں بیتی

غریب و عاشق و بیدل فقیر و سرگرداں
میں، پردیسی اور عاشق اور بیدل اور فقیر اور حیران ہوں

کشیدہ محنتِ ایام و دردِ ہائے فراق
زمانے کی مصیبت اور فراق کے درد اٹھائے ہوئے ہوں

اگر بدستِ من افتد فراق را بکشم
اگر میرے ہاتھ پڑ جائے تو فراق کو مار ڈالوں

بآبِ دیدہ دہم باز خونبہائے فراق
اور پھر فراق کا خون بہا آنسوؤں سے ادا کروں

کجا روم چہ کنم حالِ دل کرا گویم
کہاں جاؤں کیا کروں، دل کا حال کس سے کہوں؟

کہ دادِ من بستاند دہد جزائے فراق
جو میرا انصاف کرے، فراق کو سزا دے

زدردِ ہجر و فراقم دمے خلاصی نیست
ہجر اور فراق کے درد سے تھوڑی دیر کے لیے بھی میرا چھٹکارا نہیں ہے

خدائے را بستاں داد و دہ سزائے فراق
خدا کے لیے میرا انصاف کر، اور فراق کو سزا دے

فراق را بفراقِ تو مبتلا سازم
فراق کو تیرے فراق میں مبتلا کردوں

چنانکہ خوں بچکانم ز دیدہائے فراق
اس طور پر کہ فراق کی آنکھوں سے خون ٹپکاؤں

من از کجا و فراق از کجا و غم ز کجا
میں کہاں کا، فراق کہاں کا، اور غم کہاں سے؟

مگر کہ زاد مرا مادر از برائے فراق
شاید میری ماں نے، مجھے فراق کے لیے جنا ہے

بداغِ عشقِ تو حافظ چو بلبلِ سحری
تیرے عشق کے داغ کی وجہ سے حافظ صبح کی بلبل کی طرح

زند بروز و شباں خوں نفشاں نوائے فراق
دن رات فراق کے خون برسانے والے نعرے لگا رہا ہے

مقامِ امن و مے بیغش و رفیقِ شفیق
امن کی جگہ، اور خالص شراب، اور مہربان ساتھی

گرت مدام میسر شود زہے توفیق
اگر تجھے ہمیشہ میسر آجائیں، تو زہے نصیب

جہان و کارِ جہاں جملہ ہیچ در ہیچ است
دنیا، اور دنیا کے کام سب ہیچ در ہیچ ہیں

ہزار بار من ایں نکتہ کردہ ام تحقیق
میں نے ہزار بار، اس نکتہ کی تحقیق کرلی ہے

دریغ و درد کہ تا ایں زماں ندانستم
افسوس اور درد ہے کہ میں اس وقت تک جان نہ سکا

کہ کیمیائے سعادت رفیق بود رفیق
کہ مخلص دوست خوش نصیبی کی کیمیا ہے

بمامنے رو و فرصت شمر غنیمت وقت
کسی امن کی جگہ چلا جا اور فرصت کو وقت کی غنیمت شمار کر

کہ در کمینگہِ عمر اند قاطعانِ طریق
کیونکہ راستہ کے ڈاکو، عمر کی گھات میں ہیں

ا عشق کی منزل اگر پائے شوق سے طے ہو جایا کرتی تو اپنے آپ کو کون ہجر کے سپرد کرتا۔
۲ مجھ خستہ کی اب یہ حالتیں ہیں۔
۳ یعنی فراق کو قتل کرکے خوشی کے آنسو خون بہا میں دوں گا
۴ لطف یہ ہے کہ فراق خود فراق میں مبتلا ہو جائے۔
۵ بلبل بھی فراق میں مبتلا ہے اور میں بھی۔
۶ توفیقِ خداوندی ہے اگر یہ چیزیں مہیا ہو جائیں تو زہے نصیب۔
۷ کسی مخلص دوست کا حاصل ہو جانا کیمیائے سعادت ہے۔

کجاستؔ اہل دلے تا کند دلالت خیر
کہاں ہے وہ اہل دل کہ جو بہتری کی رہنمائی کرے؟

کہ ما بدوست نبردیم رہ بہیچ طریق
اس لیے کہ ہمیں کسی طریقہ پر دوست کا راستہ نہ ملا

فدائے غمزۂ ساقی ہزار جاں آندم
میں ساقی کی ادا پر، ہزار جان سے قربان ہوں، جب کہ

کہ تر کند لب لعل از شراب ہمچو عقیق
وہ عقیق جیسی شراب سے ہونٹ تر کرے

حلاوتے کہ ترا در چہ زنخدانست
وہ شیرینی جو تیری ٹھوڑی کے کنوئیں میں ہے

بکنہ او نرسد صد ہزار فکر عمیق
ہزاروں گہری فکریں اس کی حقیقت کو نہیں پہونچ سکتی ہیں

اگرچہؔ موئے میانت بچوں منے نرسد
اگرچہ تیری کمر کا بال مجھ جیسے تک نہیں پہونچتا

خوش ست خاطرم از فکر ایں خیال دقیق
لیکن اس باریک خیال سے میری طبیعت خوش ہے

ازآں برنگ عقیقست اشک من ہمہ وقت
اسی وجہ سے میرے آنسو ہر وقت عقیق کے رنگ کے ہیں

کہ مہر خاتم چشم منست ہمچو عقیق
کہ میری آنکھ کی انگوٹھی کی مہر، عقیق جیسی ہے

بیاؔ کہ توبہ ز لعل نگار و خندۂ جام
تو آجا، اس لیے کہ محبوب کے ہونٹ اور جام کے قہقہہ سے توبہ

تصوریست کہ عقلش نمیکند تصدیق
ایک ایسا تصور ہے، جس کی تصدیق عقل نہیں کرتی ہے

بخندہ گفت کہ حافظ غلام طبع توام
اس نے ہنسی میں کہا کہ اے حافظ! میں تیری طبیعت کا غلام ہوں

ببیں کہ تا بچہ حدم ہمی کند تحمیق
دیکھ! کس حد تک مجھے بے وقوف بناتا ہے

ردیفِ کافِ عربی

اگر شرابؔ خوری جرعۂ فشاں بر خاک
اگر تو شراب پیے، تو ایک گھونٹ زمین پر چھڑک دے

ازآں گناہ کہ نفعے رسد بغیر چہ باک
جس گناہ سے دوسرے کو فائدہ پہونچے اس سے کوئی نقصان نہیں ہے

بزن بر اوج فلک حالیا سرادق عشق
اب آسمان کی بلندی پر عشق کی قنات تان دے

کہ خود برد اجلت ناگہاں بتیرہ مغاک
اس لیے کہ اچانک تجھے خود تیری موت تاریک گڑھے میں لیجائیگی

مخورؔ دریغ و بخور مے بشاہد و دف و چنگ
افسوس نہ کر، اور معشوق اور دف اور چنگ کے ساتھ شراب پی

کہ بے دریغ زند روزگار تیغ ہلاک
اس لیے کہ زمانہ بے دریغ، ہلاکت کی تلوار مارتا ہے

بخاکِؔ پائے تو اے سرو ناز پرور من
اے میرے ناز پرور سرو! تجھے اپنے پیر کی خاک کی قسم

کہ روز واقعہ پا وا مگیرم از سر خاک
کہ موت کے روز میری خاک سے پاؤں نہ ہٹانا

چہؔ دوزخی چہ بہشتی چہ آدمی چہ ملک
کیا دوزخی، کیا بہشتی، کیا آدمی کیا فرشتہ

بمذہب ہمہ کفر طریقت ست امساک
سب کے مذہب میں، بخل، طریقت کا کفر ہے

فریب دختر رز طرفہ میزند رہ عقل
انگور کی لڑکی کا فریب عجب طرح عقل پر ڈاکہ ڈالتا ہے

مباد تا بقیامت خراب طارم تاک
انگور کی ٹٹی، خدا کرے قیامت تک برباد نہ ہو

ا؎ اب تو اہل دل کی دعا سے ہی وصال میسر آسکے گا۔

۲؎ اگرچہ کمر تک رسائی نہیں لیکن یہ باریک خیال ہی باعثِ لطف ہے۔

۳؎ یہ توبہ عقلاً ممکن نہیں ہے لہذا اے ساقی تو آ کر شراب پلادے۔

۴؎ زمین پر ایک گھونٹ گرا دینے سے شاید کوئی پیاسا مردہ سیراب ہو جائے۔

۵؎ جب تک موقع ملے لطف کی زندگی گذار ورنہ زمانہ تباہی کے درپے ہے۔

۶؎ موت کے وقت موجود رہنا، تاکہ مجھے پاکیزگی کاشف حاصل ہو جائے۔

۷؎ بخل سب ہی کے نزدیک برا ہے۔

براہِ میکدہ حافظ خوش از جہاں رفتی
اے حافظ دنیا سے میکدہ کے راستہ تو خوب اچھا چلا گیا

دعائے اہلِ دلت باد مونسِ دلِ پاک
تیرے پاک دل کے لئے اہلِ دل کی دعا غمخوار رہے

اے دلِ ریش مرا با لبِ تو حقِ نمک[1]
اے محبوب میرے زخمی دل کا تیرے ہونٹ پر حقِ نمک ہے

حق نگہدار کہ من میروم اللہ معک
حق کی حفاظت کر کہ میں جاتا ہوں خدا تیرے ساتھ ہے

توئی آں گوہرِ یک دانہ کہ در عالمِ قدس
تو ہی وہ دُرِ یکتا ہے کہ عالمِ قدس میں

ذکرِ خیرِ تو بود حاصلِ تسبیحِ ملک
فرشتوں کی تسبیح کا ماحصل، تیرا ذکرِ خیر ہوتا ہے

در خلوصِ منت ار ہست شکے تجربہ کن
اگر تجھے میرے خلوص میں شک ہے تجربہ کرلے

کس عیارِ زرِ خالص نشناسد چو محک
کسوٹی کی طرح خالص سونے کے خالص پن کو کوئی نہیں پہچانتا ہے

گفتہ بودی کہ شوم مست و دو بوست بدہم
تو نے کہا تھا میں مست ہوں گا، اور تجھے دو بوسے دوں گا

وعدہ از حد بشد و ما نہ دو دیدیم و نہ یک
وعدہ حد سے گذر گیا اور ہم نے دو دیکھے نہ ایک

بکشا پستہ[2] خنداں و شکرریزی کن
مسکراتا ہوا پستہ کھول، اور شکرریزی کر

خلق را از دہنِ خویش میندا ز بہ شک
مخلوق کو اپنے منہ کے بارے میں شک میں نہ ڈال

چرخ برہم زنم ار جز بمرادم گردد
آسمان کو درہم برہم کردوں گا اگر وہ میری مراد کے سوا گھومے گا

من نہ آنم کہ زبونی کشم از چرخِ فلک
میں وہ نہیں ہوں کہ چرخِ فلک سے زبوں حالی برداشت کروں

چوں بر حافظِ خویشش نگذاری بارے[3]
جبکہ اس کے، اپنے حافظ کے پاس اسے نہیں چھوڑتا ہے

اے رقیب از برِ او یکدو قدم پیشتر ک
تو اے رقیب تو بھی اس سے ایک دو قدم دور رہ

اے پیکِ پے خجستہ چہ نامی فدیت لک
اے مبارک قدم، قاصد تیرا کیا نام ہے؟ میں تجھ پر قربان

ہرگز سیاہ چردہ[4] ندیدم بایں نمک
میں نے کوئی گندمی رنگ والا اس ملاحت کا نہیں دیکھا

خوباں سزد کہ بر درت آیند جملگی
حسینوں کو چاہیے، کہ سب تیرے در پر آئیں

وانگاہ خاکِ پائے تو بوسند یک بیک
پھر ایک ایک کر کے تیری خاکِ پا کو بوسہ دیں

ہم ظاہر از دو چشمِ تو در دیدہ مردمی
تیری دونوں آنکھوں کی وجہ سے، آنکھ میں انسانیت ظاہر ہے

ہم روشن از دو لعلِ تو در دیدہ مر نمک
تیرے دو ہونٹوں سے، آنکھ میں پتلی روشن ہے

آدم[5] ز حسنِ روئے تو گر بہرہ داشتے
اگر آدم تیرے چہرے کے حسن سے، حصہ رکھتے

از دیدنش بسجدہ نپرداختے ملک
فرشتے ان کا دیکھنا چھوڑ کر، سجدے میں نہ گرتے

صورتگرانِ چیں اگر آں چہرہ بنگرند
چین کے مصور، اگر وہ چہرہ دیکھ لیں

نقشِ نگار خانۂ چیں را کنند حک
تو چین کے نگار خانہ کے نقش کو ہٹا ڈالیں

از طرفِ بام روئے چو ماہِ تو ہر شبے
ہر شب میں بالاخانہ کے کنارے سے تیرا چاند جیسا چہرہ

مانندِ آفتاب ہمی تابد از فلک
ایسا چمکتا ہے، جیسا کہ آسمان سے سورج

---

[1] ہمارے زخمی دل کا تیرے ہونٹوں پر حقِ نمک ہے ہم تو رخصت ہوتے ہیں تو اس کی حفاظت کر

[2] پستہ سے مراد منہ ہے یعنی منہ سے بات کر اور مسکرا ورنہ لوگ اس منہ کے وجود میں شک کریں گے۔

[3] اگر تو معشوق کو حافظ سے دور رکھتا ہے تو خود بھی دو چار قدم اس سے دور رہ۔

[4] یہ نعت، خواجہ صاحب نے آنحضور کی تعریف میں کہی ہے سیاہ چردہ آنحضور کو اس لئے کہا ہے کہ آنحضور کا حسن ملیح تھا۔

[5] آدم میں اگر حسین ہوتا تو فرشتے دیدار کو چھوڑ کر سجدہ میں کبھی مصروف نہ ہوتے۔ شعر
در بزمِ وصالِ تو ہنگامِ تماشا
نظارہ ز جنبیدنِ مژگاں گلہ دارد

در دوستی حافظ اگرمیتت یقیں
اگر تجھے، حافظ کی دوستی کا یقین نہیں ہے
زر خالص ست و باک نمیدارد از محک
سونا خالص ہے، اور وہ کسوٹی کا ڈر نہیں رکھتا ہے

اے کرشور افگندۂ در بزمِ خوباں از نمک
اے وہ محبوب! کہ تو نے نمک کی وجہ سے حسینوں کی محفل میں دھوم مچا دی
دادِ مستانِ لبت درخندہ لبتاں از نمک
ہنس کر اپنے ہونٹوں کے مستوں سے ملاحت کی داد حاصل کر

می بُرد[1] آب گہر لعلت بدُر پاشی و لطف
موتی بکھیرنے اور پاکیزگی میں تیرے ہونٹ گوہر کی آب لیجاتے ہیں
میکند نرخِ شکر یاقوت ارزاں از نمک
یاقوت شکر کے نرخ کو نمک سے بھی سستا بنا رہا ہے

از نمک خنداں کنی ہردم بنوعے پستہ را
تو ہر ساعت ایک خاص طرح پر نمک کی وجہ سے پستہ کو ہنساتا ہے
دیدۂ آنرا کہ گردد پستہ خنداں از نمک
اے محبوب! تو نے نمک سے پستہ کو ہنستا ہوا دیکھ لیا ہے؟

شور[2] می بینم ازاں جادوئے مستت در شراب
تیرے اس مست جادو سے میں شراب میں شور دیکھتا ہوں
ذوق می یابم دراں چاہِ زنخداں از نمک
نمک کا ذوق اس ٹھوڑی کے کنویں میں حاصل کرتا ہوں

گر نباتت میبرُد باید جاں بشیرینی و لطف
اگر تیری مصری شیرینی اور پاکیزگی کی وجہ سے جان نکال لیتی ہے
قندِ شور انگیز لعلت میدہد جاں از نمک
تو تیرے ہونٹوں کی شور انگیز قند نمک کی وجہ سے جان عطا کرتی ہے

شد[3] دلم ریش از لبِ پُر شورِ شیرینت ولے
میرا دل تیرے پر شور شیریں ہونٹ سے زخمی ہو گیا لیکن
میکند زخم مرا ہر لحظہ درماں از نمک
ہر لحظہ میرے زخم کا علاج نمک سے کرتا ہے

ہرچہ جامِ بادہ خواہد کرد از تلخی و شور
تلخی اور شور کی وجہ سے شراب کا جام جو کچھ کرے گا
شکرِ شیریں لعلت میکند آں از نمک
تیرے میٹھے ہونٹوں کی شکر نمک کی وجہ سے وہی کچھ کرتی ہے

آبِ حیواں یافت حافظ از نمکدانِ لبت
حافظ نے تیرے ہونٹوں کے نمک دان سے آبِ حیات پالیا
گرچہ ہرگز کس نیابد آبِ حیواں از نمک
اگرچہ کوئی شخص کبھی نمک سے آبِ حیات نہیں پاتا ہے

ہزار دشمنم ار[4] میکنند قصدِ ہلاک
مجھے ہلاک کرنے کا اگر ہزاروں دشمن قصد کرتے ہیں
گرم تو دوستی از دشمناں ندارم باک
اگر تو میرا دوست ہے، مجھے دشمنوں کی پروا نہیں ہے

مرا امیدِ وصالِ تو زندہ میدارد
مجھے تیرے وصل کی امید، زندہ رکھتی ہے
وگرنہ ہردمم از ہجرتست بیمِ ہلاک
ورنہ ہر وقت، مجھے تیرے ہجر سے ہلاکت کا ڈر ہے

نفس[5] نفس اگر از باد نشنوم بویت
اگر ایک ایک سانس تیری خوشبو ہوا سے نہ سونگھوں
زماں زماں کنم از غم چو گل گریباں چاک
ہر وقت غم کی وجہ سے پھول کی طرح گریبان چاک کروں

رود[6] بخواب دو چشم از خیالِ تو ہیہات
تیرے خیال کو چھوڑ کر دونوں آنکھیں سو جائیں؟ نہیں نہیں
بود صبور دل اندر فراقِ تو حاشاک
تیرے فراق میں دل صبور ہو جائے؟ نہیں نہیں

بِضَرْبِ سَیْفِكَ قَتْلِی حَیَاتُنَا اَبَدًا
میرا قتل تیری تلوار کی ضرب سے، ہماری ابدی زندگی ہے
فَاِنَّ رُوْحِیْ قَدْ طَابَ اَنْ یَکُوْنَ فِدَاكَ
بیشک میری روح اس میں خوش ہے کہ تجھ پر قربان ہو

---

[1] تیرے ہونٹ رونق میں موتی کو مات کرتے ہیں اور شیرینی میں شکر سے بڑھے ہوئے ہیں
[2] شراب میں محبوب کی آنکھ سے مستی آئی ہے۔
[3] اس نمکین ہونٹ نے دل زخمی کر دیا ہے اور پھر نمک سے ہی زخموں کا علاج کرتا ہے۔
[4] دشمن چہ کند چو مہرباں باشد دوست۔
[5] ہر آن اگر تیری خوشبو نہ سونگھوں تو میں پھول کی طرح ہر وقت گریبان چاک کروں۔
[6] دونوں مصرعوں کا ابتدائی حصہ سوال اور آخری حصہ جواب ہے۔

اگر تو زخم زنی بہ کہ دیگرے مرہم
اگر تو زخمی کرے تو یہ بہتر ہے، دوسرے کے مرہم لگانے سے
وگر تو زہر دہی بہ کہ دیگرے تریاک
اگر تو زہر دے یہ بہتر ہے، دوسرے کے تریاق سے

ترا چنانکہ توئی ہر نظر کجا بیند
تو جیسا ہے اس طرح تجھے ہر نظر کہاں دیکھ سکتی ہے؟
بقدرِ بینشِ خود ہر کسے کند ادراک
ہر شخص اپنی بینائی کے بقدر، ادراک کرتا ہے

عناں نہ پیچم اگر میزنی بشمشیرم
اگر تو مجھے تلوار سے بھی مارے گا تو باگ نہ موڑوں گا
سپر کنم سر و دستت ندارم از فتراک
اپنے سر کو سپر بنا دوں گا اور تیرے فتراک سے ہاتھ نہ ہٹاؤں گا

بچشمِ خلق عزیز آنگہے شوی حافظ
اے حافظ مخلوق کی نگاہ میں تو اس وقت باعزت ہوگا
کہ بر درش بنہی روئے مسکنت بر خاک
جب کہ اس کے در پر عاجزی سے چہرہ دھر دے گا

ردیفِ لام

اگر بکوئے تو باشد مرا مجالِ وصول
اگر میرا تیرے کوچہ میں پہونچنا ممکن ہو جائے
رسد ز دولتِ وصلِ تو کارِ من بحصول
تو تیرے وصل کی دولت سے میرا کام حاصل ہو جائے

قرار بردہ زمن آں دو سنبلِ مشکیں
مشک جیسی خوشبو والی وہ دو سنبل میرا سکون لے گئی ہیں
خراب کردہ مرا آں دو نرگسِ مکحول
ان دو سرگیں نرگسوں نے، مجھے برباد کر دیا ہے

دل از جواہرِ مہرِ تو صیقلے دارد
دل تیری محبت کے جواہر سے چمک حاصل کرتا ہے
بود ز زنگِ حوادث ہر آئینہ مصقول
اور حوادث کے زنگ سے ہر آئینہ منجھ جاتا ہے

منِ شکستۂ بدحال زندگی یابم
میں شکستہ، بدحال، زندگی پالوں گا
در آں زماں کہ بہ تیغِ غمت شوم مقتول
جبکہ تیرے غم کی تلوار سے، مقتول ہو جاؤں

چہ جرم کردہ ام ای جان و دل بحضرتِ تو
اے جان و دل، میں نے تیری جناب میں کیا خطا کی ہے؟
کہ طاعتِ منِ بیدل نمی شود مقبول
کہ مجھ بے دل کی بندگی بھی، مقبول نہیں ہوتی ہے

چو بر درِ تو منِ بینوائے بے زر و زور
جبکہ میں بے سامان، بے زور و زر تیرے دروازے پر ق
بہیچ باب ندارم رہِ خروج و دخول
کسی طرح سے آنے جانے کا راستہ نہیں رکھتا ہوں

کجا روم چہ کنم حالِ دل کرا گویم
کہاں جاؤں، کیا کروں، دل کا حال کس سے کہوں؟
کہ گشتہ ام ز غم و جورِ روزگار ملول
کہ میں زمانہ کے ظلم اور غم سے ملول ہو گیا ہوں

خراب تر ز دلِ من غمِ تو جائے نیافت
تیرے غم نے میرے دل سے زیادہ، خراب کوئی جگہ نہ پائی
کہ ساخت در دلِ تنگم قرارگاہِ نزول
کہ اس نے میرے تنگ دل کو اترنے کا ٹھکانا بنایا ہے

بدردِ عشق بساز و خموش شو حافظ
اے حافظ! عشق کے درد سے نباہ کر اور چپ رہ
رموزِ عشق مکن فاش پیشِ اہلِ عقول
عقل والوں کے سامنے، عشق کے راز نہ کھول

۱؎ تیرے ہاتھ سے زخم اور زہر، دوسروں کے ہاتھ کے مرہم اور تریاق سے ہمارے لیے بہتر ہے۔
۲؎ تیرے حسن کی حقیقت کا ادراک ناممکن ہے۔ ہر شخص اپنی بینائی کے بقدر دیکھتا ہے۔
۳؎ دو سنبل سے دو زلفیں، اور دو نرگس سے دو آنکھیں مراد ہیں۔
۴؎ دل پر محبت سے صیقل آئیگی اور تب ہی حوادث کا زنگ چھٹے گا۔
۵؎ شعر کیا وہ نمرود کی خدائی تھی بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا

اے بردہ دلم را تو بدیں شکل و شمائل
اے وہ! جو ان خصلتوں اور شکل کے ذریعہ میرے دل کو لے گیا
پروائے کست نے و جہانے بتو مائل
تجھے کسی کی پروا نہیں اور دنیا تیری طرف مائل ہے

گہ آہ کشم از دل و گہ تیر تو از جاں
کبھی دل سے آہ کھینچتا ہوں، کبھی جان سے تیرا تیر
پیش تو چگویم کہ چہا می کشم از دل
تیرے سامنے کیا کہوں؟ کہ دل سے کیا کیا کھینچتا ہوں؟

وصفِ لبِ لعلِ تو چہ گویم بہ رقیباں
رقیبوں سے تیرے ہونٹ کی تعریف کیا بیان کروں؟
نیکو نبود معنیِ نازک برِ جاہل
جاہل کے سامنے باریک باتیں بیان کرنا اچھا نہیں ہوتا

ہر روز چو حُسنت زدگر روز فزونست
جبکہ تیرا حسن، ہر دن دوسرے دن سے بڑھا ہوا ہے
مہ را نتواں کرد بروئے تو مقابل
تو چاند کا تیرے چہرے سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا ہے

دل بردی و جاں میدہمت غم چہ فرستی
دل تو لے گیا اور جان تجھکو دیئے دیتا ہوں تو نے غم کیسے بھیجا؟
چوں نیک حریفیم چہ حاجت بہ محصّل
جبکہ ہم اچھے دوست ہیں، تو وصول کرنے والے کی کیا ضرورت ہے؟

حافظ چو تو پا در حرمِ عشق نہادی
اے حافظ! جبکہ تو نے عشق کے احاطہ میں پیر رکھدیا ہے
در دامنِ او دست زن و از ہمہ بگسل
اُس کے دامن سے وابستہ ہو جا اور سب سے کٹ جا

اے رُخت چوں خُلد و لعلت سلسبیل
اے وہ! کہ تیرا چہرہ جنت ہے اور تیرا ہونٹ سلسبیل
سلسبیلت کرد جان و دل سبیل
تیری سلسبیل نے جان اور دل لٹا دیئے ہیں

سبز پوشانِ خطت بر گردِ لب
تیرے خط کے سبز پوش، ہونٹوں کے گرد
ہمچو حوران اند گردِ سلسبیل
لیے ہیں، جیسے کہ سلسبیل کے گرد حوریں

ناوکِ چشمِ تو در ہر گوشۂ
ہر گوشہ میں، تیری آنکھ کا تیر
ہمچو من افتادہ دارد صد قتیل
مجھ جیسے، سو مقتول گرے ہوئے رکھتا ہے

یا ربّ ایں آتش کہ در جانِ منست
اے خدا! یہ آگ جو میری جان میں ہے
سرد کن زانساں کہ کردی بر خلیل
اس طور پر ٹھنڈی کردے جیسی تو نے خلیل پر کی

من نمی یابم مجال اے دوستاں
اے دوستو! میرا موقع نہیں ہے
گرچہ او دارد جمالے بس جمیل
اگرچہ وہ بہت زیادہ حسین، جمال رکھتا ہے

پائے مالنگ ست و منزل بس دراز
ہمارا پیر لنگڑا ہے اور منزل بہت لمبی ہے
دستِ ما کوتاہ و خرما بر نخیل
ہمارا ہاتھ کوتاہ ہے، اور چھوارے کھجور کے درخت پر ہیں

حسنِ ایں نظم از بیاں مستغنی است
اس نظم کی خوبی بیان سے، بے نیاز ہے
بر فروغِ خور کسے جوید دلیل
سورج کی روشنی پر، کون دلیل تلاش کرتا ہے؟

آفریں بر کلکِ نقاشے کہ داد
اس نقاش کے قلم کو شاباش ہے جس نے دیا ہے
بکرِ معنےٰ را چنیں حسنِ جمیل
معانی کی دوشیزہ کو اس قدر حسنِ جمیل

معجز است ایں شعر یا سحرِ حلال
یہ شعر معجزہ ہے، یا حلال جادو
ہاتف آورد ایں سخن یا جبرئیل
یہ کلام ہاتف لایا ہے، یا جبرئیل؟

---

۱ دل میں جو تیرے پیوستہ ہیں کبھی ان کو کھینچتا ہوں کبھی آہیں کھینچتا ہوں اور چونکہ تو بے نیاز ہے لہذا تجھے اس کی تفصیل بھی نہیں بتا سکتا ہوں۔

۲ چاند کا حسن تو ہمیشہ یکساں ہے تیرے حسن میں روز مرہ اضافہ ہو رہا ہے۔

۳ جان لینے کے تقاضے کے لیے تجھے غم کو بھیجنے کی ضرورت نہیں ہم تو بلا تقاضہ ہی جان دے رہے ہیں۔

۴ سلسبیل جنت کا مشہور چشمہ ہے یعنی تیرے ہونٹوں نے ہمارے دل اور جان کو عیراتی مال بنا دیا ہے جو لٹ رہا ہے۔

۵ ہونٹ سلسبیل ہیں اور اس پر سبزۂ آغاز بمنزلہ حوروں کے ہے

۶ حضرت ابراہیم خلیل اللہ پر نمرود کی آگ ٹھنڈی ہوگئی تھی۔

کس نداند گفت شعرے زیں نمط
اس طرح پر شعر کہنا، کوئی نہیں جانتا ہے

کس نیارد سُفت دُرّے زیں قبیل
اس طرح کا ایک موتی، کوئی نہیں پرو سکتا ہے

حافظا گر معنئے داری بیار
اے حافظ! تو اگر کوئی معنی رکھتا ہے، تو لا

ورنہ دعویٰ نیست غیر از قال و قیل
ورنہ دعویٰ، سوائے قیل و قال کے کچھ نہیں ہے

بعہدِ گُل شدم از توبۂ شراب خجل[1]
موسم بہار میں شراب سے توبہ کرکے میں ایسا شرمندہ ہوا

کہ کس مباد زکردارِ ناصواب خجل
کہ خدا کرے کوئی غلط کام سے ایسا شرمندہ نہ ہو

صلاحِ من ہمہ جامِ مے ست و من زیں بخت
میری ساری نیکی جام شراب ہے اور اس نصیب سے

نیَم زشاہد و ساقی بہیچ باب خجل
میں معشوق، اور ساقی سے کسی طرح شرمندہ نہیں ہوں

زخوں[2] کہ رفت مرا دوش در سراچۂ چشم
آنکھوں کی سرائے میں کل شب جو میرا خون بہا

شدیم در نظرِ رہروانِ خواب خجل
ہم نیند کے مسافروں کی نظر میں، شرمندہ ہو گئے

تو خوبروئے تری ز آفتاب شکرِ خدا
تو سورج سے بھی زیادہ خوبصورت ہے، خدا کا شکر ہے

کہ نیستم ز تو در روئے آفتاب خجل
کہ میں تیرے معاملہ میں سورج کے سامنے شرمندہ نہیں ہوں

رواست[3] نرگسِ مست ار فگند سر در پیش
مست نرگس نے اگر سر جھکایا، تو مناسب ہے

کہ شد ز شیوۂ آں چشمِ پُر عتاب خجل
اسلئے، کہ وہ اس پُر عتاب آنکھ کے شیوے سے شرمندہ ہے

بود[4] کہ یار نپرسد گنہ ز خُلقِ کریم
ہوسکتا ہے کہ بھلے اخلاق کیوجہ سے یار، گناہ کی باز پرس نہ کرے

کہ از سوال ملولیم و از جواب خجل
اس لیے کہ ہم سوال سے ملول اور جواب سے شرمندہ ہیں

بزیرِ لب ز چہ رُو جامِ زہر خندہ زند
کس وجہ سے جام زیرِ لب غصہ کی ہنسی ہنس رہا ہے؟

اگر نہ از لبِ لعلِ تو شد شراب خجل
اگر شراب تیرے لعل جیسے ہونٹ سے شرمندہ نہیں ہوئی

رُخ از جنابِ تو عمریست تا نتافتہ ام
عمر گذر گئی ہے کہ میں نے تیری جناب سے منہ نہیں موڑا ہے

نیَم بیاری توفیق ازیں جناب خجل
قسمت کی مدد کی وجہ سے میں اس دربار میں شرمندہ نہیں ہوں

ازاں نہفتہ[5] رُخِ خویش در نقابِ صدف
اسی وجہ سے سیپ کے پردے میں منہ چھپائے ہوئے ہے

کہ شد ز نظمِ خوشش لؤلؤئے خوشاب خجل
کیونکہ اس کی عمدہ نظم سے آبدار موتی شرمندہ ہوگیا

حجابِ ظلمت ازاں بست آبِ خضر کہ گشت
آبِ خضر نے اسی وجہ سے، تاریکی کا پردہ تانا ہے

ز نظمِ حافظ و از طبع ہمچو آب خجل
کہ حافظ کی نظم، اور اس کی پانی جیسی طبیعت سے شرمندہ ہے

بسحرِ چشمِ[6] تو اے لعبتِ خجستہ خصال
اے مبارک خصلتوں والی گڑیا، تیری آنکھ کے جادو کی قسم

برمزِ خطِ تو اے آیتِ ہمایوں فال
اے مبارک فال والی آیت، تیرے خط کے اشارے کی قسم

بنوشِ لعلِ تو اے آبِ زندگانیٔ من
اے میرے آبِ حیات، تیرے ہونٹ کے شہد کی قسم

برنگ و بوئے تو اے نوبہارِ حسن و جمال
اے حسن و جمال کی نوبہار، تیرے رنگ و بو کی قسم

---

[1] موسم بہار میں توبہ کر لینے سے میں ایسا شرمندہ ہوں کہ خدا ایسی شرمندگی کسی کو نہ دے۔

[2] میں تمام رات خون کے آنسو رویا جس کی وجہ سے نیند کے قافلے آنکھ تک نہ پہونچ سکے۔

[3] نرگس نے اگر شرمندگی سے سر ڈالا ہے تو بالکل مناسب بات ہے۔

[4] چونکہ اس کے بلند اخلاق ہیں لہٰذا ہمیں سوال و جواب کی شرمندگی سے بچانے کے لیے ہو سکتا ہے کہ ہم سے گناہوں کی باز پرس ہی نہ کرے۔

[5] حافظ کی نظم سے شرمندہ ہو کر موتی سیپ میں چھپ گئے ہیں۔

[6] پوری غزل قسم ہے جوابِ قسم مقطع ہے یعنی محبوب کی ان تمام صفات کی قسم کہ محبوب کی مرضی بدون زندگی منظور نہیں ہے، معشوق کو آیت قرار دیا ہے جیسا کہ رخ کو مصحف قرار دیا جاتا ہے خط سے مراد سبزہ آغاز ہے۔

بآں صحیفۂ عارض کہ گشت گلشنِ چشم
رخسار کے اس صحیفہ کی قسم، جو نظر کا باغ بنا ہے
بآں حدیقۂ بینش کہ شد مقالِ خیال
نظر کے اس باغ کی قسم، جو خیال کا موضوع بنا ہے

بآں عقیق کہ مارا ست مہرِ خاتمِ چشم
اس عقیق کی قسم، جو ہماری آنکھ کی انگوٹھی کی مہر ہے
بآں گہر کہ شمارا ست در بلیغ مقال
ان موتیوں کی قسم، جو بلیغ گفتگو میں تمہیں حاصل ہیں

بطیبِ خلقِ تو و نفحۂ شمامۂ گل
تیرے اخلاق کی پاکیزگی اور پھول کی خوشبو کی مہک کی قسم
ببوئے زلفِ تو و نکہتِ نسیمِ شمال
تیری زلف، اور شمالی نسیم کی خوشبو کی قسم

بجلوہائے تو و شیوہائے رفتنِ چشم
تیرے جلووں اور آنکھوں کی حرکت کے شیووں کی قسم
بعشوہائے تو و غمزہائے چشمِ غزال
تیرے عشووں، اور ہرن کی آنکھ کے غمزوں کی قسم

بگردِ راہِ تو یعنی بسایۂ امید
تیری گردِ راہ، یعنی امید کے سایہ کی قسم
بخاکِ پائے تو یعنی برشکِ آبِ زلال
تیری خاکِ پا، یعنی نیر پانی کے لیے باعثِ رشک کی قسم

بسروِ ماہ نمایت بآفتابِ بلند
تیرے ماہ نما سرو کی قسم، بلند آفتاب کی قسم
بآستانِ رفیعت بآسمانِ جلال
تیرے بلند آستانہ کی قسم، جلال کے آسمان کی قسم

کہ سخا چو کشاید دو دستِ جود و کرم
جب سخاوت کیوقت اکرم و بخشش کے دونوں ہاتھ کھول دیتا ہے
وجودِ سائلِ مسکیں رسد بنقدِ سوال
مسکین سائل کا وجود، سوال کے نقد کو پہونچ جاتا ہے

کہ بے رضائے تو حافظ گر التفات کند
کہ اگر حافظ تیری رضامندی بدون عمر کی طرف توجہ کرے
بعمر باز نماند چہ جائے مال و منال
تو وہ زندہ نہ رہے، چہ جائیکہ مال، اور دولت

خوش خبر باش اے نسیمِ شمال
اے شمالی نسیم! تجھے خوش خبری ہو
کہ بما میرسد زمانِ وصال
کہ وصال کا زمانہ، ہم تک پہونچ رہا ہے

مَا لِسَلْمٰی وَمَنْ بِذِی سَلَمٍ
سلمٰی کا کیا حال ہے، اور ذی سلم میں کون ہیں؟
أَیْنَ جِیْرَانُنَا وَکَیْفَ الْحَالُ
ہمارے پڑوسی کہاں ہیں، اور کیا حال ہے؟

عرصۂ بزمگاہ خالی ماند
مجلس کا میدان، خالی رہ گیا
از حریفان و رطلِ مالا مال
شراب نوشوں سے، اور بھرے ہوئے پیمانے سے

عَفَتِ الدَّارُ بَعْدَ عَافِیَةٍ
عیش کے بعد گھر، مٹ گیا
فَاسْئَلُوْا حَالَهَا عَنِ الْأَطْلَالِ
اس کا حال، کھنڈرات سے پوچھو

فِیْ جَمَالِ الْکَمَالِ نِلْتَ مُنًی
کمال کے جمال میں تو نے مرادیں حاصل کریں
صَرَفَ اللّٰهُ عَنْكَ عَیْنَ کَمَالٍ
خدا نظرِ بد کو، تجھ سے پھیر دے

سایہ افگند حالیا شبِ ہجر
اب ہجر کی رات نے سایہ ڈال دیا
تا چہ بازند شبروانِ خیال
دیکھیے! خیال کے ڈاکو کیا بازی کھیلتے ہیں

قِصَّةُ الْعِشْقِ لَا انْفِصَامَ لَهَا
عشق کے قصہ کا، انقطاع نہیں ہے
وَصَمَتَتْ هٰهُنَا لِسَانُ الْحَالِ
یہاں حال کی زبان، سست ہوگئی

۱؎ محبوب کے رخسار کو گلشنِ چشم اور حدیقۂ بینش قرار دیا ہے چونکہ اس کو دیکھ کر آنکھیں محظوظ ہوتی ہیں اور چونکہ وہ خیال کا موضوعِ بحث ہے لہٰذا اسے مقالِ خیال قرار دیا ہے۔
۲؎ عقیق سے مراد ہونٹ ہیں اور چونکہ ان کا نقشہ عاشق کی آنکھ میں جما رہتا ہے لہٰذا ان کو آنکھ کی مہر قرار دیا ہے۔
۳؎ معشوق کے راستہ کی خاک کو سایۂ امید اور پاؤں کی خاک کو آبِ زلال کا رشک قرار دیا ہے
۴؎ سلمٰی عرب کی مشہور معشوقہ ہے یہاں مراد حافظ کا اپنا محبوب ہے، ذی سلم جگہ کا نام ہے
۵؎ ان دیار میں معشوق کے ساتھ عیش و عشرت رہے اب وہ ویران ہیں
۶؎ شبِ ہجر میں مختلف خیالات آ آ کر ستاتے ہیں۔
۷؎ عشق کا قصہ طولانی ہے زبان کبھی اس کو پورا ادا نہیں کر سکتی ہے۔

(۳۶)

ترکِ ما سوئے کس نمی نگرد — آہ ازیں کبریاؤ جاہ و جلال
ہمارا معشوق کسی کی طرف، نہیں دیکھتا ہے — اس تکبر، اور مرتبہ، اور دبدبہ سے آہ ہے

یا بریدَ الحمٰی حماکَ اللہ — مرحبا مرحبا تعالِ تعال
اے حمیٰ کے قاصد خدا تیری حمایت کرے — مرحبا، مرحبا، آ جا، آ جا

حافظا عشق و صابری تا چند
اے حافظ! عشق، اور صبر کرنا، تا کبے؟

نالۂ عاشقاں خوش ست بنال
عاشقوں کا رونا، بہتر ہے، رو

دارائے جہاں نصرتِ دیں خسروِ کامل — یحییٰ بن مظفر ملکِ عالمِ و عادل
شہنشاہِ جہاں، دین کی مدد، مکمل بادشاہ — یحییٰ بن مظفر، جو عالم، اور منصف بادشاہ ہے

اے آنکہ در اسلام پناہِ تو گشودہ — بر روئے جہاں روزنۂ جان و تن و دل
اے وہ کہ اسلام میں تیری پناہ نے کھول دئے — روئے جہان پر جان، اور دل، اور جسم کے سوراخ

تعظیمِ تو بر جان و خرد واجب و لازم — انعامِ تو بر کون و مکاں فائض و شامل
تیری تعظیم جان، اور عقل پر واجب، اور لازم ہے — تیرا انعام کون، اور مکان پر جاری، اور شامل ہے

روزِ ازل از کلکِ تو یک قطرہ سیاہی — بر روئے مہ افتاد کہ شد حلِ مسائل
ازل میں، تیرے قلم سے سیاہی کا ایک قطرہ — چاند کے منہ پر گر گیا، جس سے مسائل کا حل ہو گیا

خورشید چو آں خالِ سیہ دید بدل گفت — اے کاش کہ من بودمے آں بندۂ مقبل
سورج نے جب اس کالے تل کو دیکھا، دل میں کہا — اے کاش میں وہ با اقبال غلام ہوتا

شاہا فلک از بزمِ تو در رقص و سماع ست — دستِ طرب از دامنِ ایں سلسلہ مگسل
اے شاہ! تیری بزم کی وجہ سے آسمان رقص اور سماع میں لگا ہوا ہے — مستی کا ہاتھ، اس سلسلہ کے دامن سے نہ ہٹا

مے نوش و جہاں بخش کہ از پیچِ کمندت — شد گردنِ بدخواہ گرفتارِ سلاسل
شراب پی، اور جہان کو بخش، اس لیے کہ تیری کمند کے پیچ کی وجہ سے — بدخواہ کی گردن، زنجیروں میں گرفتار ہے

چوں دورِ فلک یکسرہ بر منہجِ عدل ست — خوش باش کہ ظالم نبرد راہ بمنزل
چونکہ آسمان کا دور بالکل انصاف کے راستہ پر ہے — خوش رہ کیونکہ ظالم منزل تک راستہ طے نہیں کر سکتا ہے

حافظ قلمِ شاہِ جہاں مقسمِ رزق ست
اے حافظ شاہِ جہاں کا قلم رزق کی تقسیم کا آلہ ہے

از بہرِ معیشت مکن اندیشۂ باطل
گزارے کی، فضول فکر نہ کر

رہرواں را عشق بس باشد دلیل — آبِ چشم اندر رہش کردم سبیل
سالکوں کے لیے، عشق ہی کافی راہبر ہے — میں نے اس کے راستہ پر آنکھ کے پانی کی سبیل لگا دی ہے

موجِ اشکِ ما کے آرد در حساب — آنکہ کشتی راند بر خونِ قتیل
ہمارے آنسوؤں کی موج کو کب حساب میں لا سکتا ہے — جس نے مقتول کے خون پر کشتی چلائی ہو

ے بریدِ قاصد حمیٰ سے محبوب کی منزل مراد ہے۔ ے عاشق کی خاموشی اچھی نہیں ہے نالہ کرنا ہی اس کے لائق ہے ے شاہ یحییٰ وہی بادشاہ ہے جس کو امیر تیمور نے شیراز کی فتح کے بعد شیراز کا بادشاہ بنا دیا تھا یہ بڑا لعزیز بادشاہ تھا خواجہ صاحب نے مختلف غزلوں میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ے یعنی تیرے دور میں سلطنت نے اہلِ اسلام پر جان اور دل اور جسم کے روزن کھول دئے ہیں اور وہ روحانی اور جسمانی فوائد حاصل کر رہے ہیں۔ ے چاند میں جو کالے دھبے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ازل میں ممدوح کے قلم کی سیاہی کے قطرات اس پر گر گئے تھے انہی قطروں کی وجہ سے اس کو یہ شرافت حاصل ہو گئی ہے کہ اس سے تاریخ کے بڑے معاملوں کا حل ہوتا ہے اور چاند سے بہت سے فقہی مسائل متعلق ہو گئے ہیں۔ ے چونکہ ان قطرات سے چاند کو یہ شرافت پیدا ہوئی لہٰذا سورج نے بھی ... ان کی تمنا کی ے تیری محفلِ طرب سے آسمان بھی محظوظ ہو رہا ہے اس کو جاری رکھ ے بادشاہ خود رزق تقسیم کرتا ہے لہٰذا تجھے فکر کی ضرورت نہیں ہے ے جو محبوب مقتولوں کے خون ...

اختیاری نیست بدنامی ما — ضَلَّنِی فِی الْعِشْقِ مَنْ یَهْدِی السَّبِیْل

ہماری بدنامی، اختیاری نہیں ہے — مجھے عشق میں اس نے گمراہ کیا جو راستہ دکھاتا ہے

بے مے و مطرب بفردوسم مخواں — رَاحَتِی فِی الرَّاحِ لَا فِی السَّلْسَبِیْل

شراب اور مطرب کے بدوں مجھے جنت میں نہ بلا — میری راحت شراب میں ہے نہ کہ سلسبیل میں

آتشِ روئے بتاں بر خود مزن — ورنہ از آتش گذر کن چوں خلیل

بتوں کے چہرے کی آگ، اپنے آپ میں نہ لگا — ورنہ خلیل کی طرح، آگ سے گذر جا

یا مکن با پیل باناں دوستی — یا بنا کن خانۂ در خورِ پیل

یا ہاتھی والوں کے ساتھ، دوستی نہ کر — یا ہاتھی کے مناسب گھر بنا

یا منہ بر خود کہ مقصد گم کنی — یا منہ پائے اندریں رہ بے دلیل

یا اپنے ذمہ رکھ، کہ تو مقصد کو گم کر دے گا — یا اس راستہ پر بدوں راہبر کے پیر نہ دھر

یا مکش بر چہرہ نیلِ عاشقی — یا فرو بر جامۂ تقویٰ بہ نیل

یا چہرہ پر عاشقی کا داغ نہ لگا — یا تقوے کا لباس، ماتمی بنا دے

شاہِ عالم را بقاؤ عزّ و مال — یا دو ہر چیزے کہ خواہد زیں قبیل

شاہِ عالم کے لیے عزت اور مال کا بقا — ہو اور ہر وہ چیز جو وہ اس طرح کی چاہے

یار سومِ پیلباناں یاد گیر — یا مدہ ہندوستاں بر یادِ پیل

یا تو ہاتھی والوں کی، عادتیں یاد کر لے — یا ہاتھی کو، ہندوستان کی یاد نہ دلا

عقل در حسنش نمی یابد بدل — طبع در وصفش نمی یابد بدیل

عقل کو اس کے حسن کا بدل نہیں ملتا ہے — طبیعت کو اس کی خوبیوں کا دوسرا نہیں ملتا ہے

حافظ از سر پنجۂ عشقِ نگار

حافظ معشوق کے عشق کی طاقت کی وجہ سے

ہمچو مور افتادہ زیرِ پائے پیل

اس طرح پڑا ہوا ہے، جیسے چیونٹی ہاتھی کے پیر تلے

ساقی بیار بادہ کہ آمد زمانِ گل — تا بشکنیم توبہ دگر در میانِ گل

اے ساقی! شراب لا کیونکہ موسم بہار آگیا ہے — تاکہ، ہم پھولوں میں بیٹھ کر دوبارہ توبہ توڑیں

کوریِ خار نعرہ زناں تا چمن رویم — چوں بلبلاں نزول کنیم آشیانِ گل

کانٹے کے اندھے پن پر، نعرہ لگاتے ہوئے چمن تک جائیں — بلبلوں کی طرح، پھول کے آشیانہ میں قیام کریں

در صحنِ بوستاں قدحِ بادہ نوش کن — کآیاتِ خوشدلی برسید از زبانِ گل

چمن کے صحن میں، شراب کا پیالہ پی — اس لیے کہ پھول کی زبانی خوشدلی کی علامتیں آگئی ہیں

گل در چمن رسید مشو ایمن از فراق — یار و شراب خواہ و سرا بوستانِ گل

چمن میں، پھول کھل گئے ہیں، فراق سے مطمئن نہ ہو — یار اور شراب، اور پھول کا بوستان کدہ، چاہ

حافظ وصالِ گل طلبی ہمچو بلبلاں — جاں کن فدائے خاکِ رہِ باغبانِ گل

اے حافظ! اگر تو بلبلوں کی طرح پھول کا وصل چاہتا ہے — پھول کے باغبان کے راستہ کی خاک پر جان قربان کر دے

---

۱ ہماری گمراہی اختیاری نہیں ہے خدا ہی نے ہمیں گمراہ بنایا ہے۔
۲ انسان جو کام کرے اس کے لوازمات کا خیال رکھ کر کرے۔
۳ راہِ عشق بدون رہبر کے طے نہ ہو سکیگی
۴ وہ اپنے حسن اور اوصاف میں بے نظیر ہے۔
۵ موسم بہار ہے کانٹوں کے علی الرغم ہم چمن میں جا کر پھولوں کا آشیانہ بنائیں گے۔
۶ جامہ بہ نیل فرو بردن" محاورہ ہے معنے: ماتمی لباس بنانا۔

شَمَمتُ رُوحَ وِدادٍ وَ شِمتُ بَرقَ وِصالٍ
میں نے محبت کی خوشبو سونگھی، وصل کی بجلی دیکھی
بیا کہ بوئے ترا میرم اے نسیم شمال
اے شمالی نسیم آجا، میں تیری خوشبو پر جان دیتا ہوں

اَحادِیاً بِجَمالِ الحَبیبِ قِف وَانزِلٖ
اے محبوب کے اونٹوں کے حدی خواں، ٹھہر اور پڑاؤ کر
کہ نیست صبر جمیلم ز اشتیاق جمال
اس لیے کہ جمالِ محبوب کے شوق میں اب مجھے صبرِ جمیل حاصل نہیں ہے

شکایتِ شبِ ہجراں فرو گذار اے دل
اے دل! شبِ ہجر کی شکایت چھوڑ دے
بشکر آنکہ برافگند پردہ روزِ وصال
اس شکریہ میں کہ وصل کے دن نے پردہ اٹھا دیا ہے

چو یار بر سرِ صلح ست و عذر میخواہد
جبکہ دوست صلح پر آمادہ ہے اور عذر خواہی کرتا ہے
تواں گذشت ز جورِ رقیب در ہمہ حال
ہر حال میں رقیب کے ظلم سے درگذر کی جا سکتی ہے

بیا کہ پردۂ گل ریز ہفت خانۂ چشم
آ جا اس لیے کہ پھولوں کا پردہ آنکھ کے ساتوں پردے کے نیچے
کشیدہ ایم بتحریرِ کارگاہِ خیال
خیال کے کارخانہ کی تحریر سے ہم نے بچھایا ہے

بجز خیالِ دہانِ تو نیست در دلِ تنگ
تنگ دل میں تیرے منہ کے علاوہ کوئی خیال نہیں ہے
کہ کس مباد چو من در پئے خیالِ محال
خدا کرے میری طرح محال کے خیال کے کوئی درپے نہ ہو

ملال مصلحتے می نمایم از جاناں
میں مصلحتاً محبوب سے تنگدلی ظاہر کرتا ہوں
کہ کس بجہد نماند ز جانِ خود بملال
اس لیے کہ کوئی شخص مشقت سے بھی اپنی جان سے تنگدل نہیں رہتا ہے

مرا دلیست پریشاں بدستِ غم پامال
میرا پریشان دل، غم کے ہاتھ پامال ہے
چنانکہ ہیچ کسش نیست واقفِ احوال
اس طور پر کہ اس کے احوال سے کوئی شخص واقف نہیں ہے

اسیر و بیدل و بیجاں شدم از آں سرِ زلف
میں اس زلف کے ہاتھوں سے قیدی اور بے دل اور بیجان ہو گیا ہوں
بماندہ والہ و شیدا چو مرغِ بے پر و بال
حیران اور عاشق، بے بال و پر، پرندہ کی طرح پڑا ہوا ہوں

قتیلِ عشقِ تو شد حافظِ غریب و لے
غریب دل حافظ تیرے عشق سے مقتول ہو گیا ہے
بخاکِ ما گذرے کن کہ خونِ مات حلال
ہماری خاک پر سے گذر اس لیے کہ ہمارا خون تیرے لیے حلال ہے

ہر نکتہ کہ گفتم در وصفِ آں شمائل
ان خوبیوں کی تعریف میں میں نے جو نکتہ بھی بیان کیا
ہر کس شنید گفتا لِلّٰہ دَرُّ قائل
جس نے بھی سنا بولا، کہنے والے کی بھلائی خدا کے لیے ہے

دل دادہ ام بیارے عاشق کُشے نگارے
میں نے ایسے یار کو دل دیا ہے، جو عاشق کش حسین ہے
مَرضِیَّۃُ السَّجایا مَحمُودَۃُ الخَصائِل
جس کی عادتیں پسندیدہ ہیں جس کی خصلتیں قابلِ تعریف ہیں

تحصیلِ عشق و رندی آساں نمود اوّل
عشق اور رندی کا سیکھنا ابتداءً آسان معلوم ہوا
جانم بسوخت آخر در کسبِ ایں فضائل
آخر میں ان فضیلتوں کے حاصل کرنے میں میری جان جل گئی

گفتم کہ کے ببخشی بر جانِ ناتوانم
میں نے کہا، میری کمزور جان پر تو کب بخشش کرے گا؟
گفت آں زماں کہ نبود جاں در میانہ حائل
اس نے کہا جبکہ جان درمیان میں آڑے نہ رہیگی

حلاج بر سرِ دار ایں نکتہ خوش سرائید
حلاج نے، سولی پر یہ نکتہ، خوب بتایا
از شافعی مپرسید امثالِ ایں مسائل
اس قسم کے مسئلے، امام شافعی سے نہ پوچھو

۱؎ جمالِ محبوب کے شوق میں صبرِ جمیل ہاتھ سے جا رہا ہے لہٰذا اے ساربان اب ٹھہر جا اور قیام کرے۔
۲؎ جب دوست صلح کا خواہاں ہے تو ہر طرح رقیب کے شکوے شکایت برداشت کر لیے جائیں گے۔
۳؎ آنکھ کے ساتوں پردے کے نیچے پھولوں کا فرش بچھا لیا ہے تاکہ محبوب اس پر قدم رنجہ ہو۔
۴؎ غموں کے ہاتھوں میرا دل اس قدر پامال ہوا ہے کہ کوئی شخص اس سے واقف نہیں ہے۔
۵؎ للّٰہ درُّ قائل (کہنے والے کی بھلائی خدا کے لیے ہی ہے) جب کسی کی بات کی تصدیق اور خوبی بیان کرنی ہوتی ہے تو یہ جملہ بولا جاتا ہے۔
۶؎ عشق اور رندی کرنا شروع میں تو آسان نظر آتا ہے لیکن اس کے حاصل کرنے میں بڑی دلسوزی کرنی پڑتی ہے۔
۷؎ مر کے بعد ہی جان بخشی ہو سکتی ہے۔
۸؎ حلاج سے مراد منصور ابن حسین کو انا الحق کہنے

دردا کہ بر درِ خود بارم نداد دلبر
ہائے درد، کہ دلبر نے مجھے اپنے دروازہ پر باریابی نہ دی

چندانکہ از جوانب انگیختم وسائل
جسقدر بھی ہر طرف سے میں نے، ذرائع پیدا کئے

در عینِ گوشہ گیری بودم چو چشمِ مستت
میں تیری مست آنکھ کی طرح بالکل گوشہ گیری میں تھا

اکنوں شدم چو مستاں بر ابروئے تو مائل
اب مستوں کی طرح تیری ابرو پر مائل ہوگیا

از آبِ[1] دیدہ صد رہ طوفانِ نوح دیدم
میں نے آنکھوں کے آنسوؤں سے سینکڑوں طرح طوفانِ نوح دیکھے ہیں

از لوحِ سینہ ہرگز نقشت نگشت زائل
لیکن سینہ کی لوح سے تیرا نقش ہرگز زائل نہ ہوا

اے[2] دوست دستِ حافظ تعویذِ چشم زخم ست
اے دوست، حافظ کا ہاتھ نظرِ بد کا تعویذ ہے

آیا بود کہ بینم در گردنت حمائل
کیا اچھا ہو، کہ تیری گردن میں لٹکا ہوا دیکھوں

ہر کس کہ ندارد بجہاں مہرِ تو در دل
جو شخص دنیا میں، دل میں تیری محبت نہیں رکھتا ہے

حقا کہ بود طاعتِ او ضائع و باطل
یقیناً اس کی عبادت ضائع، اور باطل ہے

بر[3] داشتن از عشقِ تو دل فکرِ محالست
تیرے عشق سے، دل ہٹا لینا ناممکن خیال ہے

از جانِ خود آساں بود از عشقِ تو مشکل
اپنی جان سے اٹھا لینا آسان ہوتا تیرے عشق سے مشکل ہے

از[4] عشقِ تو ناصح چہ مرا منع نماید
ناصح، مجھے تیرے عشق سے کیوں منع کرتا ہے؟

اے دوست مگر ہم تو کنی حلِ مسائل
اے دوست تو ہی شاید مسائل حل کرے

گشتیم جہاں را کہ ببینیم و ندیدیم
ہم دنیا میں گھومے کہ دیکھیں، اور نہ دیکھا

ہمچوں تو کسے زیبا در شکل و شمائل
تجھ جیسا کوئی حسین، شکل، اور عادتوں میں

اے زاہدِ[5] خود بیں بدرِ میکدہ بگذر
اے متکبر زاہد، شراب خانہ کے دروازہ سے گذر

آن دلبرِ من بیں کہ بود میرِ قبائل
میرے اس دلبر کو دیکھ، جو قبیلوں کا سردار ہے

از وصلِ تو شستند رقیباں ز طمع دست
تیرے وصل کے لالچ سے رقیبوں نے ہاتھ دھو لئے

چوں گشت مرا کامِ دل از لعلِ تو حاصل
جبکہ میرے دل کا مقصد تیرے ہونٹ سے پورا ہوگیا

حافظ تو برو بندگیِ پیرِ مغاں کن
اے حافظ تو جا، اور پیرِ مغاں کی غلامی کر

بر دامنِ او دست زن و از ہمہ بگسل
اس کے دامن کو تھام لے، اور سب سے ٹوٹ جا

ردیفِ میم

آنکہ[6] پامالِ جفا کردہ چو خاکِ راہم
جس نے خاکِ راہ کی طرح مجھے ظلم سے پامال کیا ہے

خاک می بوسم و عذرِ کرمش میخواہم
میں اس کی خاک بوسی کرتا ہوں اور اسکے کرم کا عذر چاہتا ہوں

من نہ آنم کہ بجور از تو بنالم حاشا
میں ہرگز وہ نہیں ہوں، کہ ظلم کی وجہ سے تجھ سے نالاں ہو جاؤں

چاکرِ معتقد و بندۂ دولت خواہم
میں معتقد خادم اور دولت کی دعا دینے والا غلام ہوں

---

[1] آنکھوں نے اگرچہ طوفانِ نوح پیدا کردئے لیکن دل سے تیرا نقش نہ مٹا۔

[2] حافظ کا ہاتھ نظرِ بد کا تعویذ ہے یہ گلے میں لٹکا رہنا چاہیے۔

[3] جان سے ہاتھ اٹھا لینا آسان ہے لیکن تیرے عشق سے دست بردار ہونا محال ہے۔

[4] ناصح کیوں روکتا ہے اس راز کو تو ہی حل کرے گا۔

[5] میکدہ میں جا کر دیکھ میرا محبوب سالارِ قافلہ ہے۔

[6] جس نے ہمیں پامال کیا ہے اس کے قدموں کی خاک کو ہم بوسہ دیتے ہیں۔

ذرۂ خاکم و در کوئے تو ام وقت خوش ست
میں خاک کا ذرہ ہوں اور میرا بہترین وقت تیرے کوچہ میں گذر رہا ہے

ترسم اے دوست کہ بادے ببرد ناگاہم
اے دوست ڈر ہے کہ کہیں اچانک مجھے ہوا نہ اڑا لیجائے

صوفیِ صومعۂ عالمِ قدسم لیکن
میں عالم قدس کے عبادت خانہ کا صوفی ہوں، لیکن

حالیا دیرِ مغانست حوالت گاہم
فی الحال مغوں کا آتش کدہ میری حوالہ گاہ ہے

بستہ ام در خمِ گیسوئے تو امیدِ دراز
میں نے تیرے گیسو کے خم سے دراز امید وابستہ کردی ہے

آں مبادا کہ کند دستِ طلب کوتاہم
ایسا نہ ہو کہ وہ میرے دستِ طلب کو کوتاہ کردے

پیرِ میخانہ سحر جامِ جہاں بینم داد
میخانہ کے پیر نے صبح کو مجھے جامِ جہاں بیں دیا

واندراں آئنہ از حسنِ تو کرد آگاہم
اور اس آئینہ میں، مجھے تیرے حسن سے باخبر کردیا

با منِ راہ نشیں خیز و سوئے میکدہ آئی
مجھ راہ نشیں کے ساتھ اٹھ، اور میکدہ کی جانب آ

تا بہ بینی کہ دراں حلقہ چہ صاحب جاہم
تاکہ تو دیکھے، میں اس حلقہ میں کس قدر رتبہ والا ہوں

بر سرِ شمعِ قدت شعلہ صفت می لرزم
تیرے قد کی شمع پر میں شعلہ کی طرح کانپ رہا ہوں

گرچہ دانم کہ ہوائے تو کشد ناگاہم
اگرچہ جانتا ہوں کہ تیری محبت مجھے اچانک قتل کردیگی

خوشم آمد کہ سحر خسروِ خاور می گفت
مجھے بھلا لگا کہ صبح کو مشرق کا بادشاہ کہہ رہا تھا

با ہمہ پادشہی بندۂ توران شاہم
میں تمام بادشاہی کے باوجود توران شاہ کا غلام ہوں

مست بگذشتی و از حافظت اندیشہ نبود
تو مست ہوکر گذر گیا، اور تجھے حافظ کا کوئی خیال نہ تھا

آہ اگر دامنِ حسنِ تو بگیرد آہم
ہائے! اگر میری آہ، تیرا دامن تھام لے

از غمِ خویش چناں شیفتہ کردی بازم
تو نے پھر مجھے، اپنے غم سے ایسا سودائی کردیا

کز خیالِ تو بخود نیز نمی پردازم
کہ تیرے خیال سے ہٹکر میں اپنی طرف بھی مشغول نہیں ہوتا ہوں

ہر کہ از نالۂ شبگیرِ من آگاہ شود
جو میرے رات بھر کے نالوں سے باخبر ہوجائے

ہیچ شک نیست کہ چوں روز بداند رازم
کوئی شک نہیں، کہ وہ میرے راز کو دن کی طرح جان لیگا

گفتہ بودی کہ خبر دہ کہ ز ہجرم چونی
تو نے کہا تھا، کہ بتا، میرے ہجر سے تیرا کیا حال ہے

آنچنانم کہ بہ بینی و ندانی بازم
میں ایسا ہوں، کہ تو مجھے دیکھے، اور پھر بھی نہ پہچانے

بعد ازیں با رخِ خوبِ تو نظر خواہم باخت
اس کے بعد میں تیرے حسین چہرہ کو خوب دیکھا کروں گا

گو ہمہ خلق بدانند کہ شاہد بازم
گو تمام لوگ جان جائیں، کہ میں شاہد باز ہوں

عہد کردی کہ بسوزی ز غمِ خویش مرا
تو نے عہد کر لیا ہے، کہ اپنے غم سے مجھے جلادے گا

ہیچ غم نیست تو میسوز کہ من میسازم
کوئی فکر نہیں ہے، تو جلا، میں موافقت کروں گا

آنچناں بر دلِ من نازِ تو خوش می آید
میرے دل کو تیرا ناز ایسا بھلا لگتا ہے

کہ حلالت بکنم گر بکشی از نازم
کہ میں تجھے معاف کرتا ہوں، اگر تو مجھے ناز سے قتل کردے

اگر از دامِ تو خود نیز خلاصم بخشی
اگر تو خود اپنے جال سے، مجھے چھوڑ بھی دے گا

ہم بخاکِ سر کوئے تو بود پروازم
پھر بھی تیرے کوچہ کی خاک پر میری پرواز ہوگی

---

[1] ذرۂ خاکی ہوں تیرے کوچہ میں میرا اچھا وقت گذر رہا ہے بس اس کا ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں ہوا اڑا کر اور کسی جگہ نہ لیجا پھینکے۔

[2] پیر میخانہ نے جام جہاں بیں دیا اور اس میں تیرا حسن دکھا دیا۔

[3] توران شاہ جلال الدین، خواجہ قوام کے قتل کے بعد شاہ شجاع کا وزیر ہوگیا تھا جو خواجہ صاحب کا قدردان تھا کئی غزلوں میں خواجہ صاحب نے اس کا ذکر کیا ہے۔

[4] اس قدر پریشان ہوں کہ بسا اوقات اپنے خیال سے بھی غافل ہو جاتا ہوں۔

[5] روز روشن کی طرح میرے راز کو سمجھ جائیگا

[6] تیرے ہجر میں میرا حلیہ اس قدر بگڑ گیا ہے کہ تو بھی مجھے نہیں پہچان سکتا۔

[7] جلا ڈال کوئی پروا نہیں ہے ہم جلنے کو بالکل تیار ہیں۔

[8] اگر تو نے جال سے نکال بھی دیا تو تیرے کوچہ میں ہم پرواز کرتے رہیں گے۔

حافظ ارجاں ندہد بہر تو چوں پروانہ
اگر حافظ تیرے لئے پروانہ کی طرح جان نہ دے گا

پیشِ روئے تو چو شمعش نفسے بگدازم
تیرے چہرے کے سامنے اس کو شمع کی طرح تھوڑی دیر میں جلادوں گا

اگر[1] بر خیزد از دستم کہ با دلدار بنشینم
اگر مجھ سے ہو سکا، کہ میں دلدار کے ساتھ بیٹھوں

ز جامِ وصل مے نوشم ز باغ خلد گل چینم
وصل کے جام سے شراب پیوں گا، جنت کے باغ سے پھول چنوں گا

شرابِ تلخ صوفی سوز بنیادم نخواہد برد
صوفی سوز تلخ شراب میری جڑ نہ اکھاڑ سکے گی

لبم بر لب نہ اے ساقی و بستاں جانِ شیرینم
اے ساقی میرے ہونٹ پر ہونٹ رکھ دے اور میری شیریں جان لیلے

لبت[2] شکر بمستاں داد و چشمت مے بمیخواراں
تیرے ہونٹ نے مستوں کو شکر دی اور تیری آنکھوں نے شرابیوں کو شراب

منم کز غایتِ حرماں نہ با آنم نہ با اینم
میں ہوں کہ انتہائی محرومی کی وجہ سے نہ اُس میں ہوں نہ اس میں ہوں

مگر دیوانہ خواہم شد دریں سودا کہ شب تا روز
میں شاید اس سودا میں دیوانہ ہو جاؤں گا کہ رات کو صبح تک

سخن با ماہ میگویم پری در خواب می بینم
چاند سے باتیں کرتا ہوں، پری کو خواب میں دیکھتا ہوں

چو ہر خاکے کہ باد آورد فیضے بود و انعامے
ہوا جو خاک لائی ہے، وہ ایک فیض اور انعام تھا

ز حالِ بندہ یاد آور کہ خدمتگارِ دیرینم
غلام کے حال کو یاد رکھ کہ میں قدیم خدمتگار ہوں

نہ[3] ہر کو نقشِ نظمے زد کلامش دلپذیر آمد
ایسا نہیں ہے جس شخص نے بھی نظم لکھی اس کا کلام دلپذیر ہوا

تذرو طرفہ میگیرم کہ چالاک ست شاہینم
میں عجب کبک پکڑتا ہوں، اس لیے کہ میرا باز چالاک ہے

و گر باور نمیداری رو از صورتگر چیں پرس
اور اگر تجھے یقین نہیں ہے، جا اور چین کے نقاش سے پوچھ

کہ مانی نسخہ میخواہد ز نوکِ کلکِ مشکینم
کہ مانی، میرے مشکیں قلم کا نسخہ مانگتا ہے

وفاداری و حق گوئی نہ کارِ ہر کسے باشد
وفاداری اور حق گوئی ہر شخص کا کام نہیں ہوتا

غلامِ آصفِ دوراں جلال الحق و الدینم
میں آصفِ دوراں جلال الحق والدین کا غلام ہوں

رموزِ عشق و سرمستی ز من بشنو نہ از حافظ
عشق اور مستی کے راز مجھ سے سُن، نہ کہ حافظ سے

کہ با جام و قدح ہر شب حریفِ ماہ و پروینم
اس لیے کہ میں ہر رات کو جام اور قدح کے ساتھ ماہ اور پروین کا ساتھی ہوں

ایں[4] چہ شوریست کہ در دورِ قمر می بینم
یہ کیا شور ہے جو میں دورِ قمر میں دیکھتا ہوں

ہمہ آفاق پُر از فتنہ و شر می بینم
تمام جہاں کو فتنہ اور شر سے پُر دیکھتا ہوں

ہر[5] کسے روزِ بہی می طلبد از ایام
ہر شخص زمانہ سے بہتر دن چاہتا ہے

مشکل اینست کہ ہر روز بتر می بینم
مشکل یہ ہے کہ میں ہر روز کو بدتر دیکھتا ہوں

ابلہاں را ہمہ شربت ز گلاب و قندست
بیوقوفوں کے لیے تمام تر گلاب اور قند کا شربت ہے

قوتِ دانا ہمہ از خونِ جگر می بینم
عقلمند کی ساری روزی خونِ جگر سے دیکھتا ہوں

اسپِ تازی شدہ مجروح بزیرِ پالاں
تازی گھوڑا، پالان کے نیچے زخمی ہو گیا

طوقِ زریں ہمہ در گردنِ خر می بینم
سونے کے طوق، تمام تر گدھے کی گردن میں دیکھتا ہوں

[1] اگر بن پڑا تو دوست کی صحبت کا لطف اٹھاؤں گا شراب نوشی اور گلچینی کروں گا۔
[2] تیرے ہونٹوں نے مستوں کو شکر بانٹی تیری آنکھوں نے شراب نوشوں کو شراب پلائی لیکن ہمارا شمار دو مستوں میں ہوا نہ میخواروں میں۔
[3] ہر شاعر کا کلام بہتر نہیں ہوتا ہے چونکہ حافظ کی طبیعت تیز ہے اس لیے بہترین کلام کہتا ہے۔
[4] احوالِ زمانہ کے تغیر پر خواجہ صاحب نے یہ بہترین غزل کہی ہے۔
[5] ہر انسان کی خواہش ہے کہ کل آج سے بہتر ہو لیکن ہم روز بروز زیادہ خرابیاں دیکھ رہے ہیں۔
[6] کم عقل مزے اڑا رہے ہیں عقلمند خونِ جگر پی رہے ہیں۔
[7] جلال الدین توران شاہ شاہ شجاع کا وزیر تھا اس غزل میں اس کو آصف دوراں کہا ہے۔

دختراں راہمہ جنگ ست و جدل با مادر
لڑکیوں کی ماؤں سے تمام تر جنگ، اور لڑائی ہے

پسراں راہمہ بدخواہِ پدر می بینم
تمام لڑکوں کو باپ کا بدخواہ دیکھتا ہوں

ہیچ رحمے نہ برادر بہ برادر دارد
بھائی، بھائی پر کوئی رحم نہیں کرتا ہے

ہیچ شفقت نہ پدر را بہ پسر می بینم
باپ کی لڑکے پر، کوئی شفقت نہیں دیکھتا ہوں

پندِ حافظ بشنو خواجہ برو نیکی کن
اے خواجہ حافظ کی نصیحت سن، جا، اور نیکی کر

زانکہ ایں پند بہ از دُرّ و گہر می بینم
اس لیے کہ اس نصیحت کو موتی اور گوہر سے بہتر دیکھتا ہوں

اَلَمْ یَأْتِ لِلْاَحْبَابِ اَنْ یَتَرَحَّمُوْا
کیا دوستوں کے لیے یہ وقت نہیں آیا کہ وہ رحم کریں؟

وَلِلنَّاقِضِیْنَ الْعَهْدَ اَنْ یَتَنَدَّمُوْا
اور عہد کو توڑنے والوں کے لیے، کہ وہ شرمندہ ہوں

اَلَمْ یَأْتِهِمْ اَنْبَاءُ مَنْ فَاتَ عَهْدُهُمْ
کیا انہیں اس کی خبر نہیں پہنچیں جس سے اُن کی ملاقات ختم ہوگئی؟

وَفِیْ صَدْرِهٖ نَارُ الْهَوٰی تَتَضَرَّمُ
اور اُس کے سینہ میں محبت کی آگ بھڑک رہی ہے

فَیَا لَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ بِمَا جَرٰی
اے کاش، میری قوم جان لیتی جو کچھ کہ گذرا

عَلٰی مُرْتَجٍ مِنْهُمْ فَیَعْفُوْا وَیَرْحَمُوْا
انہیں سے ایک امیدوار پر، پھر وہ معاف کریں اور رحم کریں

حَکَی الدَّمْعُ عَنِّیْ بِالْحَوَائِجِ اُضْمِرَتْ
آنسوؤں نے میری پوشیدہ ضرورتوں کو بیان کر دیا

فَیَا عَجَبًا مِّنْ صَامِتٍ یَتَکَلَّمُ
پس ایسے خاموش پر تعجب ہے جو بات کرتا ہے

بَنُوْ عَمِّنَا جُوْدُوْا عَلَیْنَا بِجُرْعَةٍ
اے ہمارے چچیرو! ہمیں ایک گھونٹ عنایت کرو

وَلِلْفَضْلِ اَسْبَابٌ بِهَا یُتَوَسَّمُ
اور بڑائی کی علامتیں ہیں جن سے وہ پہچانی جاتی ہے

اَیَا مَنْ فَاقَ کُلَّ السَّلَاطِیْنِ سَطْوَةً
اے وہ جو تمام بادشاہوں پر دبدبہ کے لحاظ سے غالب آگیا ہے

تَرَحَّمْ جَزَاکَ اللّٰهُ وَالْخَیْرَ یَغْنَمُوْا
تو رحم کر، خدا تجھ کو بدلہ دے، اور لوگ نیکی کو غنیمت جانتے ہیں

اَتٰی مَوْسِمُ النَّیْرُوْزِ وَاخْضَرَّتِ الرُّبٰی
نیروز کا زمانہ آگیا اور ٹیلے سرسبز ہو گئے

وَیَرِقُّ خَمْرٌ وَّالنَّدَامٰی تَرَنَّمُوْا
اور شراب رقیق ہو رہی ہے اور ساتھی گا رہے ہیں

شُهُوْرٌ بِهَا الْاَقْنَاءُ تَقْتَضِی الْغِنَا
یہ مہینے وہ ہیں جن میں انگور کے خوشے ہیں جو مالداری چاہتے ہیں

وَفِیْ شَاْنِنَا عَیْشُ الرَّبِیْعِ مُحَرَّمُ
اور ہمارے لیے موسم ربیع کا عیش، محرّم بنا ہے

بِکُلٍّ مِّنَ الْخُلَّانِ ذُخْرٌ وَّمِنَّةٌ
دوستوں میں سے ہر ایک کے لیے ذخیرہ ہے اور احسان کرتا ہے

وَلِلْحَافِظِ الْمِسْکِیْنِ فَقْرٌ وَّمَغْرَمُ
اور مسکین حافظ کے لیے فقر، اور تاوان ہے

بارہا گفتہ ام و بارِ دگر می گویم
میں نے بارہا کہا ہے، اور پھر کہتا ہوں

کہ منِ دل شدہ ایں رہ نہ بخود می پویم
کہ میں دل گم شدہ اس راستہ پر خود نہیں دوڑ رہا ہوں

در پسِ آئنہ طوطی صفتم داشتہ اند
انہوں نے مجھے آئنہ کے پیچھے، طوطی کی طرح رکھا ہے

آنچہ استادِ ازل گفت ہماں می گویم
جو کچھ ازل کے استاد نے کہا ہے، وہی میں کہہ رہا ہوں

ـــــــــ

۱ اب وہ وقت ہے کہ دوست رحم کریں اور بدعہد اپنی بدعہدی پر شرمندہ ہوں۔

۲ عاشق دوستوں سے بچھڑ گیا اور اسکے سینہ میں عشق کی آگ شعلہ زن ہے۔

۳ آنسو خاموش ہیں لیکن انھوں نے میری تمام حالت کہدی۔

۴ شراب کا گھونٹ پلا دینا بڑی فضیلت کی بات ہے۔

۵ موسم بہار میں شراب میں رقت آجاتی ہے۔

۶ یہ زمانہ تو وہ تھا کہ جس میں مالداری ہوتی اور ذخیرہ پاس ہوتا تاکہ عیش کیا جا سکتا۔

۷ طوطی کو آئنہ کے پیچھے رکھدیا جاتا ہے تاکہ آئنہ میں وہ اپنی صورت کی دوسری طوطی دیکھے اور آئنہ کے دوسری طرف سکھانے والا بولنا شروع کر دیتا ہے وہ اپنی تصویر کو یہ سمجھ کر کہ دوسری طوطی بول رہی ہے خود بھی اسی طرح سے بولنا شروع کر دیتی ہے خواجہ صاحب کا مطلب یہ ہے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ دراصل خدا کہلوا رہا ہے۔

من اگر خارم اگر گُل چمن آرائے ہست
میں خواہ کانٹا ہوں، خواہ پھول، کوئی چمن آرا ہے
کہ از آں دست کہ می پرورَدم می رویم
کہ جس طرح سے مجھے پالتا ہے اسی طرح میں اُگتا ہوں

دوستاں عیب من بیدل حیراں مکنید
اے دوستو! مجھ بے دل حیران پر عیب نہ لگاؤ
گوہرے دارم و صاحب نظرے می جویم
میرے پاس ایک گوہر ہے اور میں کسی صاحب نظر کو ڈھونڈتا ہوں

گرچہ با دلق مُلمّع مے گلگوں عیب ست
اگرچہ ریا کی گدڑی کے ساتھ گلاب جیسی شراب عیب ہے
مکنم عیب کز و رنگِ ریا می شویم
میرے اوپر عیب نہ لگا میں اس سے ریاکاری کا رنگ دھو رہا ہوں

خندہ و گریۂ عُشّاق ز جائے دگرست
عاشقوں کا ہنسنا، اور رونا دوسری وجہ سے ہے
می سرائیم بشب و وقتِ سحر می مویم
میں رات کو گاتا ہوں اور صبح کے وقت روتا ہوں

حافظ گفت کہ خاکِ درِ میخانہ مبوی
حافظ نے مجھ سے کہا میخانہ کے دروازے کی خاک نہ سونگھ
گو مکن عیب کہ من مشکِ ختن می بویم
کہدے عیب نہ لگائے میں ختن کا مشک سونگھتا ہوں

باز آئی ساقیا کہ ہوا خواہِ خدمتم
ساقی لوٹ آ، میں خدمت کا خواہشمند ہوں
مشتاقِ بندگی و دعا گوئے دولتم
غلامی کا مشتاق، اور دولت کا دعا گو ہوں

زانجا کہ فیضِ جامِ سعادت فروغ تست
چونکہ سعادت کی روشنی والے جام کا فیض تیرا ہی ہے
بیروں شدن نمائی ز ظلماتِ حیرتم
میری حیرت کی تاریکیوں سے نکلنے میں رہنمائی کر دے

ہرچند غرقِ بحرِ گناہم ز شش جہت
اگرچہ ہر طرف سے گناہوں کے سمندر میں ڈوبا ہوا ہوں
تا آشنائے عشق شدم ز اہلِ رحمتم
جب سے عشق کا آشنا بنا ہوں، قابلِ رحم ہوں

عیبم مکن برندی و بدنامی اے فقیہ
اے فقیہ! بدنامی، اور رندی کا مجھ پر عیب نہ لگا
کایں بود سر نوشت ز دیوانِ فطرتم
اس لیے کہ فطرت کے دفتر سے میری یہی تقدیر تھی

مے خور کہ عاشقی نہ بکسب ست و اختیار
شراب پی کیونکہ عاشقی کسب اور اختیار سے نہیں ہے
کایں بود سر نوشت ز دیوانِ قسمتم
کیونکہ یہی تھا، جو تقسیم کے دفتر سے میرے لئے مقدر ہوا ہے

گر دم زنی ز طرۂ مشکینِ آں نگار
اگر تو اس محبوب کے مشکیں زلف کا دم بھرتی ہے
فکرے کن اے صبا ز مکافاتِ غیرتم
اے صبا! میری غیرت کے بدلے کی ذرا فکر کر

در ابروئے تو تیرِ نظر تا بگوشِ ہوش
تیرے ابرو میں نظر کا تیر، گوش ہوش تک
آوردہ و کشیدہ و موقوفِ فرصتم
لایا ہوا اور کھینچا ہوا ہے، اور میری فرصت پر موقوف ہے

من کز وطن سفر نگزیدم بعمرِ خویش
میں جس نے اپنی تمام عمر اپنے وطن سے سفر نہیں کیا ہے
در عشقِ دیدنِ تو ہوا خواہِ غربتم
تیرے دیکھنے کے عشق میں سفر کا خواہشمند ہوں

دریا و کوہ در رہ و من خستہ و ضعیف
راستہ میں دریا اور پہاڑ ہیں اور میں خستہ اور ضعیف ہوں
اے خضرِ پے خجستہ مدد کن بہمّتم
اے مبارک قدم خضر! باطنی توجہ سے میری مدد کر

دورم بصورت از درِ دولت سرائے دوست
میں دوست کی دولت سرائے سے بظاہر دور ہوں
لیکن بجان و دل ز مقیمانِ حضرتم
لیکن دل اور جان سے دربار کے مقیموں میں سے ہوں

---

۱ میں گدڑی پر سے ریا کے دھبے شراب سے دھو رہا ہوں۔
۲ میں حیرت کی تاریکیوں میں گھرا ہوا ہوں مجھے اُن سے باہر نکال دے۔
۳ چونکہ رندی اور بدی ہمارے مقدر سے ہے لہذا اس پر عیب جوئی مناسب نہیں ہے۔
۴ اے صبا اگر تو اس کی زلف کا دم بھرتی ہے تو میری غیرت سے بھی ڈرتی رہ۔
۵ تیر جب چلایا جاتا ہے چلّے کو کھینچ کر کان کی برابر لایا جاتا ہے تاکہ تیر دور جا کر گرے۔
۶ بظاہر اگرچہ دور ہوں لیکن دل کے اعتبار سے قریب ہوں۔

حافظ بہ پیشِ چشمِ تو خواہد سپرد جاں
حافظ تیری آنکھوں کے سامنے جان دینا چاہتا ہے

دریں خیالم ار بدہد عمر مُہلتم
میں اسی خیال میں ہوں اگر عمر مجھے فرصت دے

برخیز تا طریقِ تکلف رہا کنیم
اُٹھ تاکہ تکلف کے طریقہ کو چھوڑیں

دُکانِ معرفت بدو جو پُر بہا کنیم
معرفت کی دکان کو دو جو سے پر رونق بنائیں

بر دیگراں نگارِ قباپوش بگذرد
قباپوش معشوق دوسرے کے پاس سے گذرتا ہے

ما نیز جامہ ہائے صبوری قبا کنیم
ہم بھی، صبر کا جامہ چاک کر دیں!

ہفتاد زلت از نظرِ خلق در حجاب
مخلوق کی نگاہ سے پوشیدہ ہو کر ستر غلطیاں پردہ میں

بہتر ز طاعتے کہ بروی و ریا کنیم
اس عبادت سے بہتر ہیں جو دکھاوے اور ریا سے کریں

آنکو بغیرِ سابقہ چندیں نواخت کرد
وہ جس نے پہلی پہچان بدوں اس قدر نوازشیں کیں

ممکن بود کہ عفو کند گر خطا کنیم
ممکن ہے معاف کر دے اگر ہم غلطی کریں

گر یک شبے بدستِ من افتد نگارِ من
اگر میرا معشوق ایک رات میرے ہاتھ لگ جائے

مُشکل بود کہ دامنش از کف رہا کنیم
مشکل ہوگا کہ ہم اس کا دامن ہاتھ سے چھوڑیں

گفتم نگشت کامِ دلم حاصل از لبت
میں نے اس سے کہا تیرے ہونٹوں سے میرے دل کا مقصد پورا ہوا

گفتا تو صبر کن کہ مرادت روا کنیم
وہ بولا صبر کر تا کہ ہم تیری مراد پوری کریں

حافظ وفا نمی کند ایامِ سُست عہد
اے حافظ بد عہد زمانہ وفا نہیں کرتا ہے

ایں پنج روزہ عمر بیا تا وفا کنیم
آ، اس پانچ روزہ زندگی میں کہ ہم وفا کریں

بُشریٰ اِذَا السَّلَامَۃُ حَلَّتْ بِذِی سَلَمٖ
خوشخبری ہو، جبکہ سلامتی ذی سلم میں اتری ہے

لِلّٰہِ حَمْدُ مُعْتَرِفٍ غَایَۃَ النِّعَمٖ
لاانتہا، نعمتوں کے اعتراف کرنیوالے کی تعریف خدا کیلئے ہے

آں خوشخبر کجاست کزیں فتح مژدہ داد
وہ خوشخبر کہاں ہے جس نے اس فتح کی خوشخبری دی

تا جاں فشانمش چو زر و سیم در قدم
تاکہ میں چاندی اور سونے کی طرح اس کے قدموں پر جان نثار کروں

از بازگشتِ شاہ چہ خوش طرفہ نقش بست
شاہ کی واپسی کی وجہ سے ایک عمدہ عجیب نقش بنایا

آہنگِ خصمِ او بسرا پردہ عدم
اس کے دشمن کے ارادے نے عدم کے سراپردہ پر

پیماں شکن ہر آئنہ گردد شکستہ دل
وعدہ توڑنے والا، لامحالہ شکستہ دل ہوتا ہے

اِنَّ الْعُہُوْدَ عِنْدَ مُلُوْکِ النُّہٰی ذِمَمٗ
عہد، عقل کے بادشاہوں کے نزدیک ذمہ داریاں ہیں

در نیلِ غم فتاد و سپہرش بطعنہ گفت
وہ غم کے نیل میں جا گرا اور اس سے آسمان نے طعنہ کے طور پر کہا

اَلْآنَ قَدْ نَدِمْتَ وَمَا یَنْفَعُ النَّدَمٗ
اب تو شرمندہ ہوا حالانکہ ندامت مفید نہیں ہے

میجست از سحابِ امل رحمتے ولے
وہ امید کے بادل سے رحمت ڈھونڈتا تھا، لیکن

جز دیدہ اش معاینہ بیروں نداد نم
اس کی آنکھوں کے سوا کسی چیز نے باہر نمی نہ دکھائی

۱۔ اگر زندگی نے مہلت دی تو حافظ تیری نظروں کے سامنے جان دینا چاہتا ہے۔
۲۔ معرفت کی دکان دو جو سے ہی چمک اٹھتی ہے، ریا کے ڈھیر بھی ہوں تو بیکار ہیں۔
۳۔ ریا کی عبادت سے چھپ کر ستر گناہ کرنا بہتر ہیں۔
۴۔ کسی بادشاہ کی فتحمندی پر خواجہ صاحب نے یہ غزل کہی ہے۔
۵۔ بادشاہ کی آمد پر دشمن معدوم ہو گیا۔
۶۔ عہد شکن شرمندہ ہوتا ہے اور بالآخر ایسے وقت رنج کرتا ہے جب رنج اس کو مفید نہیں ہوتا ہے۔

ساقی بیا کہ دورِ گل ست و زمانِ عیش
اے ساقی آجا پھول کا موسم اور عیش کا زمانہ ہے
پیش آر جام و ہیچ مخور غم ز بیش و کم
جام سامنے لا، اور زیادتی اور کمی کا غم نہ کر

اے دل تو جامِ جم بطلب مُلکِ جم مخواہ
اے دل تو جامِ جم چاہ، جمشید کی سلطنت نہ چاہ
کیں بود قولِ بُلبلِ بستان سرائے جم
اس لیے کہ جمشید کے پائیں باغ کی بُلبل کا یہی قول تھا

چوں خونِ خصم ہمچو صراحی بریختی
جب تو نے دشمنوں کا خون صراحی کی طرح بہا دیا
با دوستاں بعیش و طرب گیر جامِ جم
دوستوں کے ساتھ عیش اور مستی میں جامِ جم تھام

بشنو ز جامِ بادہ کہ ایں زالِ نو عروس
شراب کے جام سے سن کہ اس نئی دلہن بڑھیا نے
بسیار کُشت شوہرِ چوں کیقباد و جم
کیقباد اور جمشید جیسے بہت سے شوہر مار ڈالے ہیں

حافظ بکنجِ میکدہ دارد قرارگاہ
حافظ کو سکون کی جگہ شراب خانہ کے گوشہ میں ملتی ہے
کَالطَّیْرِ فِی الْحَدِیْقَةِ وَاللَّیْثِ فِی الْاَجَمْ
جیسا کہ پرند کو باغ میں، اور شیر کو کچھار میں

بعزمِ توبہ سحر گفتم استخارہ کنم
میں نے صبح کو کہا توبہ کے ارادہ سے استخارہ کروں گا
بہارِ توبہ شکن میرسد چہ چارہ کنم
توبہ شکن بہار آرہی ہے، کیا تدبیر کروں!

سخن درست بگویم نمی توانم دید
سچی بات کہتا ہوں، میں نہیں دیکھ سکتا
کہ مے خورند حریفان و من نظارہ کنم
کہ رقیب شراب پئیں اور میں دیکھتا رہوں

بدَورِ لالہ دماغِ مرا علاج کنید
لالہ کے زمانہ میں میرے دماغ کا علاج کرو
گر از میانۂ اہلِ طرب کنارہ کنم
اگر میں مستوں کے درمیان سے کنارہ کروں

اگر شبے بزبانم حدیثِ توبہ رود
اگر کسی رات کو میری زبان سے توبہ کی بات نکلے
ز بے طہارتی آنرا بمے غرارہ کنم
ناپاکی کی وجہ سے اس کا شراب سے غرارہ کروں

بتختِ گل بنشانم بتے چو سلطانے
ایک بادشاہ کی طرح ایک معشوق کو پھول کے تخت پر بٹھاؤں
ز سنبل و سمنش سازِ طوق و یارہ کنم
اس کے لیے سنبل اور سمن سے ہار اور کنگن تیار کروں

مرا کہ نیست رہ و رسمِ لقمہ پرہیزی
جبکہ پرہیز کے لقمہ کی میرے لیے راہ اور رسم نہیں ہے
ہماں بہ است کہ میخانہ را اجارہ کنم
یہی بہتر ہے کہ شراب خانہ کا ٹھیکہ لے لوں

ز روئے دوست مرا چوں گلِ مراد شگفت
جبکہ دوست کے چہرے سے میری مراد کا پھول کھل گیا ہے
حوالہ سرِ دشمن بسنگِ خارہ کنم
تو دشمن کے سر کو سنگِ خارہ کے حوالہ کروں

گدائے میکدہ ام لیک وقتِ مستی بیں
میں شراب خانہ کا فقیر ہوں لیکن مستی کے وقت دیکھ
کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کنم
کہ فلک پر ناز، اور ستارے پر حکم کرتا ہوں

اگر ز لعلِ لبِ یار بوسۂ یابم
اگر میں یار کے لعل جیسے ہونٹ کا ایک بوسہ پالوں
جواں شوم ز سر و زندگی دوبارہ کنم
از سرِ نو جوان ہو جاؤں، اور دوبارہ زندگی حاصل کرلوں

چو غنچہ بالبِ خنداں بیادِ مجلسِ شاہ
شاہ کی مجلس کی یاد پر مسکراتے ہونٹوں کے ساتھ غنچہ کی طرح
پیالہ گیرم و از شوق جامہ پارہ کنم
پیالہ تھاموں اور شوق کی وجہ سے کپڑے پھاڑوں

۱؎ جمشید کا ملک فانی ہے جامِ جم حاصل کرنا چاہیے تاکہ دوام پیدا ہو۔
۲؎ تو نے دشمنوں پر فتح حاصل کرلی ہے اب دوستوں کے ساتھ محفلِ طرب قائم کر۔
۳؎ کیقباد اور جمشید جیسے بہت سے اس دنیا کے مالک بنے ہیں اور پھر اس دنیا نے ان کو فنا کر دیا ہے۔
۴؎ مجھے شراب خانہ کے گوشہ میں وہی سکون حاصل ہوتا ہے جو پرند کو باغ یا شیر کو کچھار میں۔
۵؎ استخارہ کے معنیٰ بھلائی طلب کرنا ہیں، شرعی حکم ہے کہ اگر انسان کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرنا چاہے تو دو رکعت نفل پڑھے پھر استخارہ کی مشہور دعا پڑھے اور سو جائے پھر جس طرف دل کا رجحان ہو وہ کام کرے انشاء اللہ اس میں اس کی بھلائی ہوگی۔
۶؎ جو شخص موسمِ بہار میں اہلِ طرب سے کنارہ کرے اس کا دماغ خراب ہے۔
۷؎ توبہ کا لفظ منہ سے نکالنے سے منہ گندا ہو جائیگا شراب سے کلیاں کرنی چاہییں۔
۸؎ یارہ پھولوں کے گجرے کو کہا جاتا ہے۔ ۹؎ جبکہ حلال مقدر نہیں ہے تو بہتر ہے کہ شراب خانہ کا ٹھیکہ لیا جائے اور اس کی کمائی کھائی جائے۔

نہ قاضیم نہ مدرس نہ محتسب فقیہ
میں نہ قاضی ہوں، نہ مدرس نہ محتسب ہوں، نہ فقیہ
مرا چہ سود کہ منع شراب خوارہ کنم
مجھے کیا فائدہ کہ شراب خور کو روکوں؟

زبادہ خوردنِ پنہاں ملول شد حافظ
حافظ، چھپ کر شراب پینے سے تنگدل ہو گیا
ببانگِ بربط و نے رازش آشکارہ کنم
بربط اور بانسری کی آواز سے اس کے راز کو فاش کرتا ہوں

بغیر ازآنکہ بشد دین و دانش از دستم
اس کے علاوہ کہ دین اور عقل میرے ہاتھ سے جاتے رہے
دگر بگو کہ ز عشقت چہ طرف بر بستم
بتا تیرے عشق سے مجھے اور کیا فائدہ ہوا؟

اگرچہ خرمنِ عمرم غمِ تو داد بباد
اگرچہ تیرے غم نے میری عمر کا کھلیان برباد کر دیا ہے
بخاکِ پائے عزیزت کہ عہد نشکستم
تیرے قدموں کی پیاری خاک کی قسم کہ میں نے عہد نہیں توڑا ہے

چو ذرہ گرچہ حقیرم بیمنِ دولتِ عشق
اگرچہ میں ذرہ کی طرح حقیر ہوں، عشق کی دولت کی برکت سے
کہ در ہوائے رخت چوں بمہر پیوستم
تیرے رُخ کے عشق میں کس طرح سورج سے جا ملا ہوں

بیار بادہ کہ عمریست تا من از سرِ مہر
شراب لا اس لیے کہ ایک عمر گذر گئی جب سے میں محبت کی وجہ سے
بکنجِ عافیت از بہرِ عیش ننشستم
عافیت کے گوشہ میں عیش کے لئے نہیں بیٹھا ہوں

اگر ز مردمِ ہشیاری اے نصیحت گو
اے نصیحت گو! اگر تو عقلمند انسانوں میں سے ہے
سخن بخاک میفگن چرا کہ من مستم
بات مٹی میں نہ ملا، اس لئے کہ میں مست ہوں

چگونہ سر ز خجالت برآورم بر دوست
دوست کے سامنے شرمندگی سے کس طرح سر اٹھاؤں؟
کہ خدمتے بسزا بر نیامد از دستم
اس لیے کہ میرے ہاتھ سے کوئی مناسب خدمت نہیں ہوئی ہے

بسوخت حافظ و آں یارِ دلنواز نگفت
حافظ جل گیا، اور اس دلنواز یار نے نہ کہا
کہ مرہمے بفرستم چو خاطرش خستم
کہ میں کوئی مرہم بھیج دوں، جبکہ میں نے اس کا دل زخمی کیا ہے

بگذار تا بشارعِ میخانہ بگذریم
چھوڑ، تاکہ ہم شراب خانہ کی سڑک پر سے گزریں
کز بہرِ جرعۂ ہمہ محتاجِ ایں دریم
اس لیے کہ ہم سب ایک گھونٹ کے لیے اس دروازہ کے محتاج ہیں

جائیکہ تخت و مسندِ جم میرود بباد
جس جگہ جمشید کا تخت اور مسند برباد ہو جاتے ہیں
گر غم خوریم خوش نبود بہ کہ مے خوریم
اگر غم کھائیں تو اچھا نہ ہوگا، بہتر ہے کہ شراب پئیں

تا بو کہ دست در کمرِ او تواں زدن
تاکہ ایسا ہو کہ ہاتھ اس کی کمر میں ڈالا جا سکے
در خونِ دل نشستہ چو یاقوتِ احمریم
سرخ یاقوت کی طرح دل کے خون میں ہم بیٹھے ہیں

روزِ نخست چوں دمِ رندی زدیم و عشق
پہلے دن سے جب ہم نے رندی اور عشق کا دم بھرا
شرط آں بود کہ جز رہِ ایں شیوہ نسپریم
شرط یہی ہے کہ اس راستہ کے سوا کوئی راستہ نہ چلیں

واعظ مکن نصیحتِ شوریدگاں کہ ما
واعظ! دیوانوں کو نصیحت نہ کر اس لیے کہ ہم
با خاکِ کوئے دوست بفردوس ننگریم
دوست کے کوچہ کی خاک کے سامنے جنت کو نہیں دیکھتے

۱؎ شراب خواری سے روکنا ان لوگوں کا کام ہے میرا کام نہیں ہے۔
۲؎ عشق سے مجھے تو یہی فائدہ ہوا کہ دین بھی گیا اور عقل بھی گئی۔
۳؎ ذرہ کو سورج کا عاشق قرار دیا گیا ہے، ذرہ سورج سے نور حاصل کرتا ہے۔
۴؎ عقلمند انسان ایسی بات نہیں کہتا جو رائگاں جائے۔
۵؎ چونکہ دوست کے لائق کوئی خدمت انجام نہیں دی جا سکی لہٰذا ہم شرمندہ ہیں۔
۶؎ دنیا نے جب کہ جمشید کے تخت و تاج کو بھی ختم کر دیا تو وہ ناقابلِ بھروسہ ہے۔
۷؎ وفاداری کا تقاضہ ہے کہ اب راہِ عشق پر قائم رہا جائے۔
۸؎ ہم دوست کے کوچہ کی خاک کے مقابلہ میں جنت کو بھی نظر میں نہیں لاتے ہیں لہٰذا ہمیں نصیحت کرنا بے سود ہے۔

زاں پیشتر کہ عمرِ گرانمایہ بگذرد
اس سے قبل کہ قیمتی عمر گذر ے
بگذار تا قیامتِ روئے تو بنگریم
موقع دے، کہ تیرے چہرے کی قیامت کو ہم دیکھ لیں

چوں صوفیاں بحالت و رقصند در سماع
جبکہ صوفی سماع میں، حال اور رقص میں ہیں
مانیز ہم بشعبدہ دستے بر آوریم
ہم بھی شعبدہ کے طور پر، کچھ ہاتھ نکالیں

از جرعۂ[1] تو خاکِ زمیں قدرِ لعل یافت
تیرے گھونٹ سے زمین کی خاک نے لعل کا مرتبہ پالیا
بیچارہ ما کہ پیشِ تو از خاک کمتریم
ہم بیچارے ہیں کہ تیرے سامنے خاک سے بھی کمتر ہیں

حافظ چو رہ بکنگرۂ کاخِ وصل نیست
اے حافظ جب وصل کے محل کے کنگرہ کا راستہ نہیں ہے
با خاکِ آستانۂ ایں در بسر بریم
اس دروازہ کی چوکھٹ کی خاک پر ابسر کرلیں

بہ تیغم[2] گر زند دستش نگیرم
اگر وہ مجھے تلوار سے مارے اس کا ہاتھ نہ پکڑوں
وگر تیرم زند منت پذیرم
وہ اگر میرے تیر مارے اس کا شکر گذار ہوں

کمانِ[3] ابروئے مارا گو مزن تیر
ہمارے کمان جیسے ابرو والے سے کہدے کہ تیر نہ مارے
کہ پیشِ دست و بازویت بمیرم
تاکہ تیرے ہاتھ اور بازو پر جان دوں

غمِ گیتی چو از پایم در آورد
دنیا کے غم نے، جبکہ مجھے پچھاڑ دیا ہے
بجز ساغر نباشد دستگیرم
ساغر کے علاوہ، میرا کوئی دستگیر نہ ہوگا

بر آ اے آفتابِ[4] صبحِ اُمید
اے امید کی صبح کے آفتاب، نکل آ
کہ در دستِ شبِ ہجراں اسیرم
کیونکہ میں شب ہجر کے ہاتھوں، میں قیدی ہوں

چو طفلاں[5] تا کے اے واعظ فریبی
اے واعظ تو بچوں کی طرح کب تک پھسلائے گا؟
بسیبِ بوستان و جوئے شیرم
مجھ کو باغ کے سیب اور دودھ کی نہر کے ذریعہ

من[6] آں مرغم کہ ہر شام و سحرگاہ
میں وہ پرند ہوں، جو ہر صبح اور شام
رسد تا سدرہ آوازِ صفیرم
سدرہ تک، میری سیٹی کی آواز پہونچتی ہے

بفریادم رس اے پیرِ خرابات
اے پیرِ خرابات، میری فریاد کو پہونچ
بیک جرعہ جوانم کن کہ پیرم
ایک گھونٹ سے مجھے جوان بنادے میں بوڑھا ہوں

بگیسوئے تو خوردم دوش سوگند
کل میں نے تیری زلفوں کی قسم کھائی ہے
کہ از پائے تو من سر بر نگیرم
کہ میں تیرے پیروں سے، سر نہ اٹھاؤں گا

بسوز ایں خرقۂ تقویٰ چو حافظ
حافظ کی طرح تقوے کی اس گدڑی کو جلادے
کہ گر آتش شوم درو ے نگیرم
اس لیے کہ میں اگر آگ بھی بنتا ہوں اسمیں اثر نہیں کرتا ہوں

بمژگانِ سیہ کردی ہزاراں رخنہ در دینم
تو نے کالی پلکوں سے میرے دین میں ہزاروں رخنے پیدا کردئے
بیا کز چشمِ بیمارت ہزاراں درد برچینم
آ، تاکہ تیری بیمار آنکھوں سے میں ہزاروں درد حاصل کروں

[1] تیری توجہ سے خاک بھی لعل بن گئی لیکن ہم محروم ہی ہیں۔
[2] دوست کا قتل کرنا ہمارے لئے باعثِ احسان ہے۔
[3] ہم تو محبوب کے دست و بازو پر خود ہی جان قربان کرتے ہیں اس کو ابرو سے تیر چلانے کی ضرورت نہیں ہے۔
[4] آفتاب صبح امید سے مراد معشوق ہے۔
[5] ہمیں بچوں کی طرح سیب اور دودھ کی نہروں سے نہیں پھسلایا جاسکتا ہے۔
[6] ہم تو سدرہ تک کی سیر کرتے ہیں۔

زر رت کنند زیور بر رت کشند در بر
سونے سے تیرا زیور بناتے ہیں، سونے کے ذریعہ تجھے بغل میں لیتے ہیں

من بینوائے مضطر چہ کنم کہ زر ندارم
میں مفلس، مجبور کیا کروں کہ میرے پاس سونا نہیں ہے؟

دگرم مگو کہ خواہم کہ ز در گہت برانم
پھر مجھے نہ کہنا کہ میں چاہتا ہوں، کہ تجھے دربار سے نکال دوں

تو بر این و من بر آنم کہ دل از تو بر ندارم
تو اس پر ہے، اور میں اس پر کہ تجھ سے دل نہ ہٹاؤں گا

من اگرچہ مے پرستم ندہید مے بدستم
میں اگرچہ شراب پرست ہوں، میرے ہاتھ میں شراب نہ دو

مبرید دل ز دستم کہ دلِ دگر ندارم
میرے ہاتھ سے دل نہ لیجاؤ اس لیے کہ میرے پاس دوسرا دل نہیں ہے

دلِ حافظ ار بجوئی غمِ دل بہ تندخوئی
اگر تو حافظ کی دل جوئی کرے، بد مزاجی کی وجہ سے دل کا غم

چہ بگویمت بگوئی سرِ دردِ سر ندارم
تجھ سے کیا کہوں، تو کہتا ہے میں دردِ سر نہیں برداشت کرتا ہوں

تا سایۂ مبارکت افتاد بر سرم
جب سے تیرا مبارک، سایہ میرے سر پر پڑا ہے

دولت غلامِ من شد و اقبال چاکرم
دولت میری غلام ہوگئی ہے، اور اقبال میرا خادم ہوگیا ہے

شد سالہا کہ از سرِ من بخت رفتہ بود
کئی سال گذرے کہ میرے سر سے مقدر دور ہوگیا تھا

از دولتِ وصالِ تو باز آمد از درم
تیرے وصال کی دولت سے پھر میرے دروازہ سے واپس آگیا ہے

بیدار در زمانہ ندیدے کسے مرا
زمانہ میں پھر کوئی مجھے بیدار نہ دیکھتا

در خواب اگر خیالِ تو گشتے مصوّرم
اگر نیند میں تیرا خیال، میرے لیے مصور ہو جاتا

من عمر در غمِ تو بپایاں برم و لے
میں تیرے غم میں، عمر ختم کردوں گا لیکن

باور مکن کہ بے تو زمانے بسر برم
یقین نہ کر کہ تیرے بدون تھوڑا سا وقت گذاروں گا

زاں شب کہ باز در دلِ تنگم در آمدی
جس رات سے تو پھر میرے تنگ دل میں آیا

صد شمع در گرفت دماغِ معطّرم
میرے معطر دماغ میں، سو شمعیں روشن ہوگئیں

دردِ مرا طبیب نداند دوا کہ من
طبیب میرے درد کی دوا نہیں جانتا ہے، اس لیے کہ میں

بے دوست خستہ خاطر و با دوست خوشترم
بغیر دوست کے خستہ طبیعت اور دوست کے ساتھ بہت خوش ہوں

گفتی بیار رختِ اقامت بکوئے ما
تو نے کہا ہمارے کوچہ میں ٹھہرنے کا سامان لے آ

من خود بجانِ تو کہ ازیں کوئے نگذرم
تیری جان کی قسم، میں خود اس کوچہ سے نہ جاؤں گا

گردوں چو کرد نظمِ ثریا بنامِ شاہ
جبکہ آسمان نے ثریا کو، بادشاہ کے نام پر نظم کیا ہے

من نظمِ خود چرا نکنم از کہ کمترم
میں کس سے کم ہوں، میں اپنی نظم کیوں نہ بناؤں؟

ہر کس غلامِ شاہے و مملوکِ صاحبے ست
ہر شخص ایک بادشاہ کا غلام اور ایک آقا کا مملوک ہے

حافظ کمینہ بندۂ سلطانِ کشورم
میں حافظ ملک کے بادشاہ کا ادنیٰ غلام ہوں

تو ہمچو صبحی و من شمعِ خلوتِ سحرم
تو صبح کی طرح ہے، اور میں سحر کی شمع خلوت ہوں

تبسّمے کن و جاں بیں کہ چوں ہمی سپرم
تو ذرا مسکرادے اور دیکھ میں کس طرح جان دیتا ہوں

۲ اگر خواب میں بھی تیرا تصور آجائے تو تمام عمر سوتا رہوں اور اس خوف سے کبھی بیدار نہ ہوں کہ تیرا تصور چلا جائے گا۔
۳ میرے درد کی دوا طبیب کیا کرے گا۔ میرا مرض یہ ہے کہ بے دوست مریض ہوں اور دوست کے ساتھ صحت مند ہوں۔
۴ میں سامان لانیکے لئے بھی تیرے کوچہ سے باہر قدم نہ رکھوں گا۔
۵ شعر
ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے
من قبلہ راست کردم در طرف کج کلاہے

چنیں کہ در دلِ من داغِ زلفِ سرکش تست
میرے دل میں تیری سرکش زلف کا ایسا داغ ہے

بنفشہ زار شود تربتم چو در گذرم
کہ جب میں مر جاؤں گا، میری قبر بنفشہ زار ہوگی

بر آستانِ امیدت کشادہ ام درِ چشم
میں نے تیری امید کی چوکھٹ پر، آنکھ کا در کھولا ہے

کہ یک نظر فگنی چوں فگندی از نظرم
تاکہ تو ایک نظر ڈال دے، جبکہ تو نے مجھے نظر سے گرا دیا ہے

غلامِ مردمِ چشمم کہ با سیاہ دلی
میں آنکھ کی پتلی کا غلام ہوں کہ باوجود سیاہ دلی کے

ہزار قطرہ ببارد چو دردِ دل شمرم
ہزاروں قطرے برساتی ہے جب دل کا درد گنتا ہوں

چہ شکر گویمت اے خیلِ غم عفاک اللہ
اے غم کے لشکر میں تیرا شکریہ کیا ادا کروں خدا تجھے بخشے؟

کہ روزِ بیکسی آخر نمی روی ز سرم
اس لیے کہ بیکسی کے دن بھی تو میرے سر سے نہیں جاتا ہے

بہر نظر بتِ ما جلوہ می کند لیکن
ہمارا بت ہر نظر میں جلوہ فرما ہے، لیکن

کس آں کرشمہ نہ بیند کہ من ہمی نگرم
کوئی وہ ادا نہیں دیکھتا ہے جو میں دیکھتا ہوں

بخاکِ حافظ اگر یار بگذرد چو نسیم
اگر یار نسیم کی طرح حافظ کی خاک پر سے گذرے

چو غنچہ در لحدِ تنگ خود کفن بدرم
میں اپنی تنگ لحد میں، غنچہ کی طرح کفن پھاڑ لوں

چرا نہ در پئے عزمِ دیارِ خود باشم
میں اپنے وطن کے ارادے کے درپے، کیوں نہ ہوں؟

چرا نہ خاکِ کفِ پائے یارِ خود باشم
اپنے یار کے پیر کی خاک، کیوں نہ بنوں؟

غمِ غریبی و غربت چو بر نمی تابم
جب بے وطنی، اور مسافرت کے غم کی مجھے برداشت نہیں ہے

بشہرِ خود روم و شہریارِ خود باشم
اپنے شہر جاؤں، اور اپنا بادشاہ بنوں

ز محرمانِ سراپردۂ وصال شوم
وصل کے محل کے محرموں میں سے بنوں

ز بندگانِ خداوندگارِ خود باشم
اپنے بادشاہ کے غلاموں میں سے بنوں

چو کارِ عمر نہ پیداست بارے آں اولیٰ
جبکہ عمر کا معاملہ واضح نہیں ہے، اب یہی مناسب ہے

کہ روزِ واقعہ پیشِ نگارِ خود باشم
کہ موت کے دن، اپنے محبوب کے سامنے رہوں

ز دستِ بختِ گراں خواب و کارِ بیساماں
گہری نیند سونے والے نصیبہ کے ہاتھ اور بے سروسامان کام کا

اگر کنم گلہ، رازدارِ خود باشم
اگر میں کوئی گلہ کروں تو اپنا رازدار ہوں گا

ہمیشہ پیشۂ من عاشقی و رندی بود
میرا پیشہ ہمیشہ، عاشقی اور رندی تھا

دگر بکوشم و مشغولِ کارِ خود باشم
میں پھر کوشش کروں گا اور اپنے کام میں مشغول ہوں گا

بود کہ لطفِ ازل رہنموں شود حافظ
ہو سکتا ہے کہ اے حافظ! خدائی عنایت رہنما بن جائے

وگرنہ تا بابد شرمسارِ خود باشم
ورنہ قیامت تک اپنے آپ سے شرمندہ رہوں گا

چل سال بیش رفت کہ من لاف میزنم
چالیس سال گذر گئے ہیں کہ میں ڈینگیں مارتا ہوں

کز چاکرانِ پیرِ مغاں کمتریں منم
کہ میں پیرِ مغاں کے، کمترین غلاموں میں سے ہوں

---

[1] تیری زلف سے اس درجہ تعلق ہے کہ مرنے کے بعد میری قبر سے بنفشہ اُگے گی بنفشہ کو زلف سے تشبیہ دیجاتی ہے۔

[2] حالانکہ سیاہ دل بے رحم ہوتا ہے۔ لیکن میری کالی آنکھ میرے درد پر روتی ہے۔

[3] میں غم کے لشکر کا شکر گذار ہوں کہ وہ بیکسی کی حالت میں بھی میرا ساتھ نہیں چھوڑتا ہے۔

[4] نسیم سحری سے غنچہ کھل جاتا ہے۔

[5] خواجہ صاحب شیراز سے باہر تو کبھی نہیں نکلے لہٰذا یہاں وطن سے مراد عالمِ آخرت ہے یعنی جبکہ سفرِ دنیا سے گھبرا گیا ہوں اپنے وطن لوٹنا چاہیے اور اپنے حقیقی بادشاہ کے پاس وقت گذارنا چاہیے۔

[6] عمر کا انجام معلوم نہیں لہٰذا قیامت سے پہلے ہی محبوب کے دربار میں پہونچ جانا چاہیے۔

[7] اگر ازلی مہربانی رہنمائی نہ کرے گی تو ہمیشہ شرمندگی رہے گی۔

[8] چالیس سال سے پیرِ مغاں کی غلامی کا دعویٰ ہے۔

هرگز بیمنِ عاطفتِ پیرِ مے فروش
اے مے فروش پیر کی مہربانی کی برکت سے کبھی بھی
ساغر تہی نشد ز مئے صافِ روشنم
صاف روشن شراب سے میرا ساغر خالی نہ ہوا

در حقِ من بُدرد کشی ظن بد مبر
تلچھٹ پینے کی وجہ سے میرے بارے میں بدگمانی مت کر
کآلودہ گشت خرقہ ولے پاک دامنم
کہ گدڑی آلودہ ہو گئی ہے لیکن میں پاک دامن ہوں

شہبازِ دستِ پادشہم ایں چہ حالت ست
میں بادشاہ کے ہاتھ کا شہباز ہوں یہ کیا حالت ہے؟
کز یاد بردہ اند ہوائے نشیمنم
کہ کارکنانِ قضاوقدر نے مجھ سے نشیمن کی محبت بھلا دی ہے

حیف است بلبلے چو من اکنوں دریں قفس
افسوس، مجھ جیسی بلبل اب اس پنجرے میں
با ایں لسانِ عذب کہ خامش چو سوسنم
اس میٹھی زبان کے ہوتے ہوئے میں سوسن کی طرح چپ ہوں

آب و ہوائے پارس عجب سفلہ پرور ست
فارس کی آب و ہوا، عجب کمینہ پرور ہے
کو ہمرہے کہ خیمہ ازیں خاک بر کنم
ساتھی کہاں ہے کہ میں اس سرزمین سے خیمہ اکھاڑوں؟

تورانشہ خجستہ کہ دارد مزیدِ فضل
مبارک، توران شاہ جس کا مزید کرم ہے
شد منتِ مواہبِ او طوقِ گردنم
اس کے عطیوں کے احسان کا میری گردن کا طوق بن گیا ہے

از یمنِ شاہ و دولتِ رندانِ پاکباز
بادشاہ کے فیض اور پاکباز رندوں کے اقبال کے باعث
پیوستہ صدرِ مصطبہ ہا بود مسکنم
میرا مسکن ہمیشہ شراب خانوں کا صدر مقام تھا

حافظ بزیرِ خرقہ قدح تا بکے کشی
اے حافظ گدڑی کے نیچے کب تک شراب نوشی کرے گا؟
در بزمِ خواجہ پردہ ز کارت بر افگنم
خواجہ کی محفل میں تیرے کام سے پردہ اٹھا دوں گا

حاشا کہ من بموسمِ گل ترکِ مے کنم
ہرگز نہیں کہ میں موسمِ بہار میں شراب چھوڑ دوں
من لافِ عقل میزنم ایں کار کے کنم
میں عقل کی ڈینگیں مارتا ہوں، میں یہ کام کب کر سکتا ہوں؟

مطرب کجاست تا ہمہ محصولِ زہد و علم
مطرب کہاں ہے، تاکہ زہد، اور علم کا حاصل
در کارِ بانگِ بربط و آوازِ نے کنم
بربط، اور بانسری کی آواز کے معاملہ میں لگا دوں

از قال و قیلِ مدرسہ حالے دلم گرفت
مدرسہ کے قال و قیل سے اب میں تنگدل ہو گیا ہوں
یک چند نیز خدمتِ معشوق و مے کنم
تھوڑی دیر کے لیے معشوق اور شراب کی بھی خدمت کروں

کو پیکِ صبح تا گلہ ہائے شبِ فراق
صبح کا قاصد کہاں ہے، تاکہ شبِ فراق کے شکوے،
با آں خجستہ طالعِ فرخندہ پے کنم
اس مبارک نصیب، مبارک قدم والے سے کروں

کے بود در زمانہ وفا جامِ مے بیار
زمانہ میں وفا کب تھی، شراب کا جام لا!
تا من حکایتِ جم و کاؤس و کے کنم
تاکہ میں جمشید اور کاؤس اور کیخسرو کا قصہ بیان کروں

از نامۂ سیاہ نترسم کہ روزِ حشر
میں سیاہ نامۂ اعمال سے خوف زدہ نہیں ہوں اس لیے کہ حشر کے دن
با فیضِ لطفِ او صد ازیں نامہ طے کنم
اس کی مہربانی کے فیض سے اس قسم کے سو اعمال نامے طے کر دوں گا

خاکِ مرا چو در ازل از مے سرشتہ اند
جبکہ ازل میں میری مٹی کو شراب سے گوندھا ہے
با مدعی بگو کہ چرا ترکِ مے کنم
رقیب سے کہہ دو میں اس کو کیوں چھوڑوں؟

ا؎ ظاہر اگرچہ خراب ہے لیکن باطن اچھا ہے لہٰذا بدگمانی مناسب نہیں ہے۔
۲؎ میں بادشاہ کے ہاتھ پر بیٹھنے والا شہباز تھا مجھے اپنے اصلی نشیمن کی یاد رکھنی چاہیے۔
۳؎ حافظ جیسی خوش الحان بلبل عنصری جسم میں پھنس کر خاموش رہے، یہ بڑے افسوس کی بات ہے۔
۴؎ توران شاہ کے احسانات کا طوق میری گردن میں ہے۔ توران شاہ خواجہ قوام کے قتل ہو جانے کے بعد شاہ شجاع کا وزیر ہوا تھا یہ بھی خواجہ صاحب کا بہت قدردان تھا۔
۵؎ عقل کا دعویٰ ہوتے ہوئے یہ بے عقلی کا کام ممکن نہیں ہے۔
۶؎ مدرسہ کی بحثوں سے اب تھک گیا ہوں کچھ دنوں کے لئے معشوق و شراب کی خدمتگاری کرنی چاہیے۔
۷؎ جبکہ اس جیسا مہربان موجود ہو تو سیاہ اعمالناموں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے
۸؎ ازل میں ہمارا خمیر شراب سے تیار ہوا ہے تو ہم شراب کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔

این جانِ عاریت کہ بہ حافظ سپرد دوست
یہ مانگی ہوئی جان جو دوست نے حافظ کے سپرد کی ہے

روزے رخش بہ بینم و تسلیمِ وے کنم
ایک دن اس کا چہرہ دیکھوں گا اور اس کے سپرد کردوں گا

حالیا[1] مصلحتِ وقت دراں می بینم
اب میں مصلحت وقت اسی میں دیکھتا ہوں

کہ کشم رخت بمیخانہ و خوش بنشینم
کہ سامان شراب خانہ میں لے جاؤں، اور آرام سے بیٹھوں

جز صراحی و کتابم نبود یار و ندیم
صراحی اور کتاب کے علاوہ میرا یار اور شریک محفل کوئی نہ ہو

تا حریفانِ دغا را بجہاں کم بینم
تاکہ دغاباز دوستوں کو دنیا میں نہ دیکھوں

بسکہ در خرقہ[2] سالوس زدم لافِ صلاح
مکر کی گدڑی میں میں نے نیکی کی بہت ڈینگیں ماریں

شرمسارِ رخِ ساقی و مے رنگینم
ساقی کے رخ اور سرخ شراب سے میں شرمندہ ہوں

جامِ مے گیرم و از اہلِ ریا دور شوم
شراب کا جام لوں اور ریاکاروں سے دور ہو جاؤں

یعنی از اہلِ جہاں پاکدلی بگزینم
یعنی دنیا والوں سے پاک دلی اختیار کرلوں

سر[3] بآزادگی از خلق برآرم چوں سرو
سرو کی طرح، دنیا سے آزادگی میں سر کو بلند کروں

گر دہد دست کہ دامن ز جہاں برچینم
اگر موقع ملجائے کہ دنیا سے دامن کھینچ لوں

سینۂ تنگِ من و بارِ غمِ او ہیہات
میرا تنگ سینہ، اور اس کے غم کا بوجھ، افسوس!

مرد ایں بارِ گراں نیست دلِ مسکینم
میرا مسکین دل اس بھاری بوجھ کا مرد نہیں ہے

دل[4] و جانم بخیالِ سرِ زلفِ تو بسوخت
میرا دل اور جان تیری زلف کے خیال میں جل گیا

ور گواہ بایدت اینک نفسِ مشکینم
اگر تجھے گواہ چاہیئے، یہ میری مشکیں سانس ہے

بر دلم گردِ ستمہاست خدارا مپسند
میرے دل پر ظلموں کی گرد ہے، خدا کے لئے پسند نہ کر

کہ مکدر شود آئینۂ مہر آگینم
کہ میرا محبت بھرا آئینہ مکدر ہو

بندۂ آصفِ[5] عہدم دلم آزردہ مکن
میں آصفِ زمانہ کا غلام ہوں، میرے دل کو آزردہ نہ کر

کہ اگر دم زنم از چرخ بخواہد کینم
اس لیے کہ اگر آہ کردوں گا وہ آسمان سے میرا انتقام لیگا

من[6] اگر رندِ خراباتم و گر حافظِ شہر
میں خواہ خرابات کا رند ہوں، خواہ شہر کا حافظ

ایں متاعم کہ تو می بینی و کمتر زینم
میری یہی پونجی ہے جو تو دیکھتا ہے اور میں اس سے کم ہوں

حجابِ[7] چہرۂ جاں میشود غبارِ تنم
میرے جسم کا غبار روحِ جان کے چہرے کا حجاب بنتا ہے

خوشا دمے کہ ازیں چہرہ پردہ برفگنم
وہ وقت کیا اچھا ہوگا، جب اس چہرے سے پردہ اٹھاؤنگا

چنیں قفس نہ سزائے منِ خوش الحان است
مجھ جیسے خوش الحان کے لیے ایسا پنجرا مناسب نہیں ہے

روم بگلشنِ رضواں کہ مرغِ آں چمنم
میں رضوان کے باغ میں جاؤں گا اس لیے کہ میں اس چمن کا پرندہ ہوں

عیاں[8] نشد کہ چرا آمدم کجا بودم
یہ نہ کھلا کہ میں کیوں آیا، کہاں تھا؟

دریغ و درد کہ غافل ز کارِ خویشتنم
افسوس اور درد ہے کہ میں اپنے کام سے غافل ہوں

---

[1] فتنہ و فساد کا وقت ہے ہمیں شراب خانہ میں گوشہ نشین ہو جانا چاہیے۔

[2] مکر کی گدڑی پہنکر نیکی کی بہت ڈینگیں ماری ہیں اس لیے ہم شرمندہ ہیں۔

[3] اگر دنیا سے دامن چھڑا لوں تو آزاد سرو کی طرح سربلند ہو جاؤنگا۔

[4] سانس سے دھواں برآمد ہو رہا ہے یہ اس بات کا گواہ ہے کہ جان اور دل جل گیا ہے۔

[5] آصفِ زمانہ سے عماد بن محمود سلطان قطب الدین کا وزیر مراد ہے جو خواجہ صاحب کا خاص مربی تھا۔

[6] شعر
بہرزانم کہ خواہی گفت آنی
کہ دانم عیب مہ چون تو زدانی

[7] خاکی جسم روح کے چہرے کا حجاب ہے

[8] ہم پہلے کہاں تھے اور اس دنیا میں کیوں آئے ہیں یہ پتہ نہ چلا اور اسی وجہ سے ہم اپنے کام سے غافل ہیں۔

بوئے مژدۂ وصل تو تا سحر ہمہ شب
تیرے وصل کی خوشخبری کی امید پر، تمام رات صبح تک
براہِ باد نہادم چراغِ روشن چشم
آنکھ کا روشن چراغ ہیں نے ہوا کے راستہ پر رکھا

بمردمی کہ دلِ دردمندِ حافظ را
انسانیت کی قسم، کہ حافظ کے دردمند دل کو
مزن بناوکِ دلدوز مردم افگن چشم
دل کو زخمی کرنے والے، بہادروں کو پچھاڑنے والے آنکھ کے تیر سے نہ مار

خیز تا از درِ میخانہ کشادے طلبیم
اٹھ، تاکہ شرابخانہ کے دروازے سے کچھ کشادگی چاہیں
بر درِ دوست نشینیم و مرادے طلبیم
دوست کے دروازے پر بیٹھیں اور کوئی مراد مانگیں

زادِ راہِ حرمِ دوست نداریم مگر
دوست کے حرم کے سفر کا توشہ ہمارے پاس نہیں ہے لیکن
بگدائی ز درِ میکدہ زادے طلبیم
شراب خانہ کے دروازے سے بھیک میں، ہم توشہ چاہیں

اشکِ آلودۂ ما گرچہ روان ست ولے
ہمارے ناپاک آنسو اگرچہ جاری ہیں، لیکن
برسالت سوئے آن پاک نہادے طلبیم
اس کی طرف بھیجنے کے لئے کسی پاک فطرت کو تلاش کرتے ہیں

لذتِ داغِ غمت بر دلِ ما باد حرام
تیرے غم کے داغ کی لذت ہمارے دل پر حرام ہو
اگر از جورِ غمِ عشق تو دادے طلبیم
اگر تیرے عشق کے غم کے ظلم کا ہم انصاف چاہیں

نقطۂ خالِ تو بر لوحِ بصر نتوان زد
بینائی کی تختی پر تیرے تل کا نقطہ نہیں بنایا جا سکتا
مگر از مردمکِ دیدہ مدادے طلبیم
ہاں آنکھ کی پتلی سے ہم کچھ روشنائی مانگ لیں

بوسہ از لبِ شیرین تو دل خواست بجاں
دل نے جان کے بدلے، تیرے شیریں ہونٹ کا ایک بوسہ مانگا
بشکر خندہ لبت گفت مزادے طلبیم
تیرے ہونٹ نے مسکرا کر کہا، ہم کچھ زیادہ چاہتے ہیں

تا بود نسخۂ عطرے دلِ سودا زدہ را
تاکہ سودائی دل کے لیے، عطر کا ایک نسخہ ہو جائے
از خطِ غالیہ سائے تو سوادے طلبیم
تیرے خوشبودار خط سے ہم سیاہی طلب کرتے ہیں

چوں غمت را نتواں یافت مگر در دلِ شاد
چونکہ سوائے خوش دل کے، تیرا غم نہیں پایا جا سکتا ہے
ما بامیدِ غمت خاطرِ شادے طلبیم
ہم تیرے غم کی آرزو میں ایک شاداں دل چاہتے ہیں

بر درِ مدرسہ تا چند نشینی حافظ
اے حافظ مدرسہ کے دروازہ پر کب تک بیٹھا رہے گا؟
خیز تا از درِ میخانہ کشادے طلبیم
اٹھ تاکہ میخانہ کے دروازہ سے ہم کشادگی طلب کریں

خیز تا خرقۂ صوفی بخرابات بریم
اٹھ تاکہ صوفی کی گدڑی کو شراب خانہ میں لیجائیں
زرق و طامات ببازارِ خرافات بریم
مکر اور کرامت کی ڈینگوں کو خرافات کے بازار میں لیجائیں

تا ہمہ خلوتیاں جامِ صبوحی گیرند
تاکہ سب خلوت نشین، صبوحی کا جام حاصل کریں
چنگِ صبحی بدرِ پیرِ مناجات بریم
صبح کی چنگ کو سرگوشی کے پیر کے دروازے پر لیجائیں

ور نہد در رہِ ما خارِ ملامت زاہد
اگر زاہد ہمارے راستہ میں ملامت کے کانٹے بچھائے
از گلستانش بزندانِ مکافات بریم
اسے باغ سے سزا کے قید خانہ میں لیجائیں

۱؎ کشادگی درِ میخانہ سے ہی حاصل ہوگی، وہیں سے مراد پوری ہوگی۔
۲؎ دوست تک جانے کے لیے زادِ راہ، میکدہ پر گدائی کرنے سے حاصل ہوگی۔
۳؎ دوست تک پیغام پہونچانے کے لئے کوئی پاک قاصد ہونا چاہیے، ہمارے آنسو ناپاک ہیں۔
۴؎ اگر ہم عشق کے ظلم کی داد ہی چاہیں تو پھر ہم پر دل کے داغ کی لذت حرام ہے۔
۵؎ ہم تیرے خطِ رخسار سے سیاہی کے طالب ہیں تاکہ دیوانے دل کے لئے وہ عطر کا کام کرے۔
۶؎ تیرے غم کی جگہ چونکہ دلِ شاد ہے لہذا اسی وجہ سے ہم دلکی خوشی کے خواہشمند ہیں۔
۷؎ پیرِ مغاں کے دروازہ پر چنگ بجائیں تاکہ وہ ہمارے سالکانہ انداز کی وجہ سے سب کو شراب دیدے۔

شرم می آیدم از خرقۂ آلودۂ خویش
اپنی ناپاک گدڑی سے مجھے شرم آتی ہے

کہ بدیں فضل و ہنر نامِ کرامات بریم
کہ اس بزرگی اور ہنر کے ہوتے ہوئے ہم کرامات کا نام لیں

قدرِ وقت ار نشناسد دل و کارے نکند
اگر دل وقت کی قدر نہ پہچانے اور کوئی کام نہ کرے

بس خجالت کہ ازیں حاصلِ اوقات بریم
بڑی شرمندگی ہوگی جو اوقات کے اس حاصل سے ہم اٹھائیں گے

سوئے رندانِ قلندر برہ آوردِ سفر
قلندر رندوں کے لیے سوغات کے طور پر

دلقِ پشمینہ و سجادہ بطامات بریم
اونی گدڑی، اور لاف و گزاف کا مصلیٰ ہم لیجائیں گے

با تو آں عہد کہ در وادیٔ ایمن بستیم
وہ عہد جو ہم نے تجھ سے وادئ ایمن میں کیا تھا

ہمچو موسیٰ اَرِنی گوی بمیقات بریم
موسیٰ کی طرح ارنی کہتے ہوئے وعدہ گاہ تک لیجائیں گے

فتنہ میبارد ازیں طاقِ مقرنس برخیز
اس بلند محراب سے، فتنے برستے ہیں، اٹھ

تا بمیخانہ پناہ از ہمہ آفات بریم
تاکہ میخانہ میں، تمام آفتوں سے پناہ پکڑ لیں

در بیابانِ فنا گم شدن آخر تا چند
فنا کے جنگل میں گم ہونا، آخر کب تک؟

رہ بپرسیم مگر پے بمہمات بریم
راستہ پوچھیں، شاید مہمات تک راستہ طے کریں

بادہ نوشیدنِ پنہاں نہ نشانِ کرم ست
چھپ کر شراب پینا، سخاوت کی نشانی نہیں ہے

ایں مبانجی بر اربابِ کرامات بریم
اس پیغام کو کرامات والوں کے پاس لیجائیں گے

خاکِ کوئے تو بصحرائے قیامت فردا
کل کو قیامت کے میدان میں، تیرے کوچہ کی خاک کو

ہمہ بر فرق سر از بہر مباہات بریم
تمام تر سر پر رکھ کر، فخر کے لیے ہم لیجائیں گے

کوسِ ناموسِ تو بر کنگرۂ عرش زنیم
تیری عزت کا نقارہ ہم عرش کے کنگرہ پر بجائیں گے

عَلَمِ عشقِ تو بر بامِ سمٰوات بریم
تیرے عشق کا جھنڈا آسمانوں کے بالا خانہ تک لیجائیں گے

حافظ آبِ رخِ خود بر درِ ہر سفلہ مریز
اے حافظ اپنی آبرو، ہر کمینے کے دروازے پر نہ بہا

حاجت آں بہ کہ بر قاضیٔ حاجات بریم
ضرورت وہی اچھی ہے جو حاجتوں کے پورا کرنیوالے کے پاس لیجائیں

(★)

در خراباتِ مغاں گر گذر افتد بازم
مغوں کے شرابخانہ میں، اگر میرا پھر گذر ہو جائے

حاصلِ خرقہ و سجادہ رواں در بازم
گدڑی، اور مصلے کے حاصل کو فوراً ہار دوں

حلقۂ توبہ گر امروز چو زہاد زنم
اگر زاہدوں کی طرح آج توبہ کی کنڈی کھٹکھٹاؤں

خازنِ میکدہ فردا نکند در بازم
شراب خانہ کا خزانچی، کل کو میرے لیے دروازہ نہ کھولیگا

ور چو پروانہ دہد دست فراغ البالی
اگر پروانہ کی طرح فارغ البالی حاصل ہو جائے

جز بداں عارضِ شمعے نبود پروازم
اس شمع کے رخسار کے علاوہ میری پرواز نہ ہوگی

ماجرائے دلِ سرگشتہ نگویم با کس
پریشان دل کا قصہ، کسی سے نہیں کہتا ہوں

زانکہ جز تیغِ غمت نیست کسے دمسازم
اس لیے کہ تیرے غم کی تلوار کے سوا میرا کوئی ساتھی نہیں ہے

صحبتِ حور نخواہم کہ بود عینِ قصور
میں حور کی صحبت نہیں چاہتا ہوں اس لیے کہ عین غلطی ہوگی

با خیالِ تو اگر با دگرے پردازم
تیرے خیال کے ہوتے ہوئے اگر میں کسی دوسرے میں مشغول ہوا

سرِ سودائے تو در سینہ بماندے پنہاں
تیرے عشق کا راز سینہ میں پوشیدہ رہتا

چشمِ تر دامن اگر فاش نکردے رازم
تر دامن والی آنکھ، اگر میرا راز فاش نہ کرتی

---

[۱] اپنی بے عملی کو فضل و ہنر طنزاً کہا ہے۔
[۲] رہ آورد سفر ان تحفوں کو کہا جاتا ہے جو سفر سے واپسی پر تقسیم کئے جاتے ہیں یعنی رندوں کے لئے یہ چیزیں بالکل بے اصل ہیں۔
[۳] عہد سے مراد عہد الست ہے حضرت موسیٰ نے کوہ طور پر ارنی کہا تھا یعنی اے خدا تو اپنے آپ کو مجھے دکھا دے۔ میقات سے یہاں میدانِ قیامت مراد ہے۔
[۴] مقام فنا میں کبتک رہیں، اب مقام بقا حاصل کرنا چاہیے۔
[۵] اربابِ کرم سے کہو کہ چھپ کر تنہا پینا سخاوت کے خلاف ہے۔
[۶] قاضی الحاجات ضرورتوں کو پورا کرنیوالا یعنی خدائے تعالیٰ مطلب یہ ہے کہ اپنی حاجتیں خدا کے سامنے پیش کرنی چاہیں ہر کمینہ کے سامنے اپنی حاجت رکھ کر اپنی آبروریزی نہ کرنی چاہیئے۔
[۷] شرابخانہ میں اگر پہنچنا ہو گیا تو جس قدر ریاکاری کے اسباب ہیں سب ختم کر دونگا۔
[۸] اگر توبہ کروں گا تو کل کو میرے میخانہ اپنا دروازہ بند کر لیگا۔
[۹] محبوب کے ہوتے ہوئے حور کا تصور کرنا بھی غلطی ہے۔

مُرغ ساں از قفسِ خاک ہوائی گشتم[1]
خاک کے پنجرے سے، پرند کی طرح میں اُڑگیا

بامیدے کہ مگر صید کند شہبازم
اس امید پر، کہ شاید شہباز میرا شکار کرے

ہمچو چنگم بکنار آر و بدہ کامِ دلم[2]
چنگ کی طرح مجھ بغل میں لے لے اور میرے دل کا مقصد پورا کردے

یا چو نے از لبِ خود یک نفسے بنوازم
یا بانسری کی طرح اپنے ہونٹ سے تھوڑی دیر کے لیے مجھے نواز

گر بہر موئے سرے بر تنِ حافظ باشد
اگر حافظ کے بدن پر، ہر ہر بال کی جگہ سر ہو

ہمچو زلفت ہمہ را در قدمت اندازم
تیری زلف کی طرح، سب کو تیرے قدموں پر ڈال دوں

درِ خراباتِ مُغاں نورِ خدا می بینم[3]
مغوں کے شراب خانہ میں، میں خدا کا نور دیکھتا ہوں

ویں عجب بیں کہ چہ نورے ز کجا می بینم
اس تعجب انگیز بات کو دیکھو کیا نور ہے اور کہاں سے دیکھتا ہوں

کیست دُردی کشِ ایں میکدہ یا رب کہ درش
ایخدا اس شراب خانہ کا تلچھٹ پینے والا کون ہے، کہ اس کا دروازہ

قبلۂ حاجت و محرابِ دعا می بینم
میں حاجت کا قبلہ اور دعا کی محراب دیکھتا ہوں

جلوہ بر من مفروش اے مَلِکُ الحاج کہ تو[4]
اے حاجیوں کے سردار میرے سامنے خود نمائی نہ کر اس لیے کہ تو

خانہ می بینی و من خانہ خدا می بینم
گھر کو دیکھتا ہے، اور میں گھر کے مالک کو دیکھتا ہوں

سوزِ دل اشکِ رواں آہِ سحر نالۂ شب
دل کی سوزش، بہتے آنسو، صبح کی آہ، رات کا رونا

ایں ہمہ از اثرِ لطفِ شما می بینم
میں ان سب کو، آپ کی مہربانی کا اثر خیال کرتا ہوں

خواہم از زلفِ بُتاں نافہ کشائی کردن[5]
میں بتوں کی زلف سے نافہ کشائی کرنا چاہتا ہوں

فکرِ دور است ہمانا کہ خطا می بینم
یہ دور کا خیال ہے، بیشک میں غلط خیال کر رہا ہوں

ہر دم از روئے تو نقشے زندم راہِ خیال
ہر آن تیرے چہرے کا ایک نیا نقشہ میرے خیال پر ڈاکہ مارتا ہے

با کہ گویم کہ دریں پردہ چہا می بینم
میں کس سے کہوں، کہ اس پردے میں کیا کیا دیکھتا ہوں

کس ندیدست ز مُشکِ ختن و نافۂ چیں[6]
ختن کے مشک اور چین کے نافے کسی نے نہیں دیکھا ہے

آنچہ من ہر سحر از بادِ صبا می بینم
جو کچھ کہ میں، ہر صبح کو بادِ صبا سے دیکھتا ہوں

نیست در دائرہ یک نقطہ خلاف از کم و بیش[7]
دائرہ میں ایک نقطے کے بھی کم و بیش کا اختلاف نہیں ہے

کہ من ایں مسئلہ بے چون و چرا می بینم
میں اس مسئلہ کو بے چون و چرا دیکھتا ہوں

منصبِ عاشقی و رندی و شاہد بازی
عاشقی کا منصب اور رندی، اور معشوق بازی

ہمہ از تربیتِ لُطفِ شما می بینم
یہ سب آپ کی مہربانی کی تربیت سے سمجھتا ہوں

دوستاں عیبِ نظر بازیِ حافظ مکنید
اے دوستو! حافظ کی نظر بازی پر عیب نہ لگاؤ

کہ من او را ز مُحبّانِ خدا می بینم[8]
اس لیے کہ میں اس کو خدا کے دوستوں میں سے دیکھتا ہوں

دردم از یار است و درماں نیز ہم
میرا درد بھی دوست کی جانب سے ہے، اور دوا بھی

دل فدائے او شد و جاں نیز ہم
دل، اس پر فدا ہوگیا، اور جان بھی

---

[1] محبوب کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہوں شاید کوئی معشوق مل جائے اور وہ مجھے شکار کرے۔

[2] چنگ کو بغل میں رکھ کر بجایا جاتا ہے؛ بانسری بجاتے وقت ہونٹوں سے لگتی ہے۔

[3] میکدہ میں نورِ خدا نظر آجانا تعجب خیز بات ہے۔

[4] حاجی صرف خانہ کعبہ کو دیکھتا ہے جو خدا کا گھر ہے ہم خدا کو دیکھتے ہیں۔

[5] نافہ کشائی کرنا، خوشبو حاصل کرنا یعنی اس محبوب کی زلف سے خوشبو حاصل کروں یہ میری خام خیالی ہے

[6] ختن کے مشک اور چین کے نافہ میں بھی وہ خوشبو نہیں ہے جو زلفِ یار میں ہے۔

[7] یعنی دورِ فلک اسی یکسانیت سے چل رہا ہے کہ اس میں ذرا بھی فرق نہیں ہے اور کسی چیز میں بھی کمی بیشی کا امکان نہیں ہے۔

شعر
قسمت کیا ہر ایک کو قسامِ ازل نے
جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

[8] چونکہ حافظ اولیاء اللہ میں سے ہے لہذا اس پر نکتہ چینی مناسب نہیں ہے۔

آنکہ میگویند[1] آن بہتر ز حسن
لوگ جو یہ کہتے ہیں، آن حسن سے بہتر ہے

یارِ ما ایں دارد و آں نیز ہم
میرا دوست یہ بھی رکھتا ہے، اور وہ بھی

ہر دو عالم یک فروغ روئے اوست
دونوں جہاں اس کے چہرے کا معمولی نور ہیں

گفتمت پیدا و پنہاں نیز ہم
میں نے تجھ سے یہ کھلم کھلا بھی کہا ہے اور پوشیدہ بھی

داستاں[2] در پردہ میگویم ولے
میں پردے میں، داستان کہہ رہا ہوں لیکن

گفتہ خواہد شد بدستاں نیز ہم
وہی قصہ اور کہانی کے طور پر بھی بیاں کی جائے گی

یار بازا کنوں بقصدِ جانِ ما
یار نے، اب پھر ہماری جان کے ارادے سے

عہد را بشکست و پیماں نیز ہم
عہد کو توڑ ڈالا، اور پیمان کو بھی

خونِ ما آں نرگسِ مستانہ ریخت
اس مستانہ نرگس نے، ہمارا خون بہا دیا

واں سرِ زلفِ پریشاں نیز ہم
اور اس پریشان زلف نے بھی

عاشق[3] از مُفتی نترسد مے بیار
عاشق مفتی سے نہیں ڈرتا، شراب لا

بلکہ از یرغوی سلطاں نیز ہم
بلکہ بادشاہ کی، سزا سے بھی

اعتمادے[4] نیست بر کارِ جہاں
دنیا کے کام پر، کوئی بھروسہ نہیں ہے

بلکہ بر گردونِ گرداں نیز ہم
بلکہ چکر کھانے والے آسمان پر بھی

چوں[5] سر آمد دولتِ شبہائے وصل
جبکہ وصل کی راتوں کی دولت ختم ہوگئی

بگذرد ایامِ ہجراں نیز ہم
تو گذر جائیں گے، ہجر کے ایام بھی

از جہانِ[6] کہنہ ما ہم بگذریم
پرانی دنیا سے، ہم بھی چلے جائیں گے

چوں گدا بگذشت و سلطاں نیز ہم
جبکہ فقیر بھی چلا گیا، اور بادشاہ بھی

نقشِ خالش خونِ چشمم بارہا
اس کے تل کے نقش نے، میری آنکھوں کا خون بارہا

آشکارا خورد و پنہاں نیز ہم
کھلم کھلا بھی پیا، اور پوشیدہ بھی

محتسب[7] داند کہ حافظ مے خورد
محتسب جانتا ہے، کہ حافظ شراب پیتا ہے

و آصفِ مُلکِ سلیماں نیز ہم
اور سلیمان کے ملک کا، آصف بھی

دوستاں وقتِ گل[8] آں بہ کہ بعشرت کوشیم
اے دوستو! بہار کے موسم میں یہی بہتر ہے کہ ہم عیش کی کوشش کریں

سخن پیرِ مغانست بجاں مے نوشیم
پیر مغاں کا قول ہے ہم دل و جان سے شراب پئیں

نیست در کس کرم و وقتِ طرب میگذرد
کسی میں سخاوت نہیں، اور مستی کا وقت گذر رہا ہے

چارہ آنست کہ سجادہ بمے بفروشیم
تدبیر یہی ہے کہ مصلیٰ شراب کے بدلے بیچ دیں

خوش ہوائے ست فرح بخش خدایا بفرست
ہوا اچھی اور فرحت بخش ہے، اے خدا بھیج دے!

نازنینے کہ برویش مے گلگوں نوشیم
ایسے نازنین کو جس کے سامنے سرخ شراب پئیں

ارغنوں[9] ساز فلک رہزنِ اہلِ ہنرست
آسمان، ارغن (باجا) بجانے والا اہلِ ہنر کا رہزن ہے

چوں ازیں غصہ ننالیم و چرا نخروشیم
اس غصہ سے ہم کیوں نالاں نہوں، اور کیوں شور نہ کریں

---

[1] لوگ کہتے ہیں محبوب کی آن حسن سے بہتر ہے میرے معشوق میں آن اور حسن دونوں ہیں۔

[2] جو داستان ہم آج درپردہ بیان کر رہے ہیں کل داستانِ محفل ہوگی۔

[3] عاشق شراب نوشی میں نہ مفتی سے ڈرتا ہے نہ بادشاہ سے

[4] دنیا اور آسمان کے کام ناقابلِ اعتماد ہیں۔

[5] جس طرح وصل کا زمانہ گذر گیا ہجر کا وقت بھی کٹ جائے گا لہذا پریشان نہ ہونا چاہیے۔

[6] دنیائے فانی ہے جس طرح ہر فقیر اور امیر گذرا ہم بھی چلے جائیں گے یہاں کی زندگی چند روزہ ہے۔

[7] حافظ کی شراب نوشی محتسب بھی جانتا ہے اور عماد بن محمود، سلطان قطب الدین کا وزیر بھی خوب جانتا ہے۔

[8] موسم بہار گذر رہا ہے اور کوئی سخی شراب پلانے والا نظر نہیں آتا لہذا اب جانماز بیچ کر پینی پڑے گی۔

[9] آسمان اپنا ساز بجا کر اہلِ ہنر پر ڈاکہ ڈالتا ہے ہم اس ظلم سے نالے اور خروش میں ہیں۔

گل بجوش آمد وازمے نہ زدیمش آبے
پھول جوش میں آیا اور ہم نے اس پر شراب کا پانی چھڑکا

لاجرم زآتش حرمانِ ہوس میجوشیم
ہم لامحالہ اپنی خواہش کی محرومی کی آگ سے جل رہے ہیں

میکشیم[1] از قدحِ بادہ شرابِ موہوم
ہم شراب کے پیالے سے خیالی شراب پی رہے ہیں

چشمِ بد دُور کہ بے مُطرب و مے درجوشیم
چشم بد دور کہ بے مطرب اور شراب کے ہم جوش میں ہیں

حافظ ایں حالِ عجب با کہ تواں گفت کہ ما
اے حافظ یہ عجب حالت کس سے کہی جا سکتی ہے کہ ہم؛

بلبلانیم کہ در موسمِ گُل خاموشیم
وہ بُلبلیں ہیں، جو پھول کے موسم میں خاموش ہیں

دوش[2] بیماریِ چشمِ تو ببرد از دستم
رات تیری آنکھ کی بیماری، مجھے ہاتھ سے لے گئی تھی

لیکن از لطفِ لبت صورتِ جاں می بستم
لیکن تیرے ہونٹوں کی مہربانی سے میں نے جان کی صورت پیدا کی

عشقِ[3] من با خطِ مشکینِ تو امروزی نیست
تیرے سیاہ خط سے میرا عشق آج کا نہیں ہے

دیرگاہست کزیں جامِ ہلالی مستم
عرصہ گذر گیا ہے کہ میں اس ہلالی جام سے مست ہوں

عافیت چشم مدار از منِ میخانہ نشیں
مجھ میخانہ نشین سے، عافیت کی امید نہ رکھ

کہ دم از خدمتِ رنداں زدہ ام تا ہستم
کیونکہ میں نے رندوں کی خدمت کا دم بھرا ہے جب تک زندہ ہوں

در رہِ[4] عشق ازاں سوئے فنا صد خطرست
عشق کے راستہ میں فنا کے اس طرف سے بھی سو خطرے ہیں

تا نگوئی کہ چو عمرم بسر آمد رستم
ہرگز نہ کہنا کہ جب میری زندگی ختم ہو گئی تو میں چھوٹ جاؤنگا

بوسہ بر دُرجِ عقیقِ تو حلال ست مرا
تیری عقیق کی ڈبیہ کا بوسہ، میرے لیے جائز ہے

کہ بافسونِ جفا عہدِ وفا نشکستم
اس لیے کہ ظلم کے منتر سے میں نے وفا کا عہد نہیں توڑا

بعد ازینم[5] چہ غم از تیرِ کج اندازِ حسود
اس کے بعد مجھے ٹیڑھے تیر چلانے والے حاسد کا کیا غم؟

کہ بمحبوبِ کماں ابروئے خود پیوستم
کیونکہ میں اپنے کمان جیسے ابرو والے محبوب کے ساتھ مل گیا ہوں

از ثباتِ[6] خودم ایں نکتہ خوش آمد کہ بجور
اپنی ثابت قدمی کا یہ نکتہ مجھے پسند آیا کہ ظلم کی وجہ سے

بر سرِ کوئے تو از پائے طلب ننشستم
تیرے کوچہ کے کونے پر میں طلب چھوڑ نہیں بیٹھا

صنمِ لشکریم[7] غارتِ دل کرد و برفت
لشکری صنم نے میرا دل لوٹا، اور چلا گیا

آہ اگر عاطفتِ شاہ نگیرد دستم
افسوس ہوگا اگر بادشاہ کی مہربانی میری دستگیری نہ کرے

رتبتِ دانشِ حافظ بفلک بر شدہ بود
حافظ کی سمجھ کا رتبہ آسمان سے بھی اونچا ہو چکا تھا

کرد غمخواریِ بالائے بلندت پستم
تیرے بلند قد کی غمخواری نے، مجھے پست کر دیا

دوش[9] سودائے رخش گفتم ز سر بروں کنم
میں نے کل کہا اس کے رخسار کا عشق سر سے نکال دوں

گفت کو زنجیر تا تدبیرِ ایں مجنوں کنم
وہ بولا زنجیر کہاں ہے تاکہ اس پاگل کا بندوبست کروں؛

قامتش را سرو گفتم سر کشید از من بخشم
میں نے اس کے قد کو سرو کہا اس نے غصہ سے منہ پھیر لیا

دوستاں از راست میرنجد نگارم چوں کنم
اے دوستو میرا معشوق سچی بات سے رنجیدہ ہوتا ہے میں کیا کروں؛

---

[1] ہم خیالی شراب پی رہے ہیں اور مطرب و شراب بدوں ہی مست ہیں۔

[2] محبوب کی بیمار آنکھ نے تو بالکل مار ڈالا تھا لیکن ہونٹوں نے زندگی بخش دی۔

[3] جام ہلالی سے دائرۂ خط مراد ہے یعنی ہم معشوق کے خطِ رخسار پر ازل سے عاشق ہیں۔

[4] شعر
اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

[5] جبکہ ہمیں وصل میسر آگیا تو رقیب کے تیروں کا کوئی خوف نہیں ہے۔

[6] ہم عشق کے کوچہ میں ہار کر نہ بیٹھے رہیں اپنی روش بہت پسند ہے۔

[7] میرا محبوب ایک لشکری تھا جو مجھے لوٹ کر چلا گیا اب بادشاہ ہی مہربانی کرے تو کام بنے گا۔

[8] شعر
عشق نے غالب نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

[9] میں نے رخسار سے آزادی حاصل کرنے کو کہا تو معشوق نے کہا دیوانہ ہے زلف کی زنجیر سے باندھ دو۔

[10] محبوب حقیقتاً سرو ہے

نکتہ ناسنجیدہ گفتم دلبرا معذور دار
اے دلبر! معذور سمجھ، میں نے ناموزوں نکتہ کہہ دیا
عشوۂ فرمائی تا من طبع را موزوں کنم
ذرا ناز دکھائے، تاکہ میں طبیعت کو موزوں کر لوں

زرد روئی میکشم زاں طبع نازک بیگناہ
اس نازک طبع کی جانب سے میں بے خطا زرد روئی برداشت کر رہا ہوں
ساقیا جامے بدہ تا چہرہ را گلگوں کنم
اے ساقی جام دے تاکہ چہرے کو گلاب کی طرح کر لوں

منکہ رہ بردم بگنج حسنِ بے پایانِ دوست
میں جو دوست کے لا انتہا حسن کے خزانہ تک پہونچ گیا
صد گدائے ہمچو خود را بعد ازیں قاروں کنم
اس کے بعد اپنے جیسے سو فقیروں کو قارون بنا دوں گا

اے نسیمِ حضرتِ سلمیٰ خدا را تا بکے
اے سلمیٰ کے دربار کی نسیم! خدا کے لیے کب تک
ربع را برہم زنم اطلال را جیحوں کنم
گھر کو برباد کروں گا، ٹیلوں کو جیحون بنا دوں گا؟

اے مہِ نامہرباں از بندہ حافظ یاد کن
اے نامہربان چاند! حافظ غلام کو یاد کر
تا دعائے دولتِ آں حسنِ روز افزوں کنم
تاکہ اس روز مرہ بڑھنے والے حسن کی دولت کو دعائیں دوں

دیدہ دریا کنم و رخت بصحرا افگنم
آنکھ کو دریا بناتا ہوں، سامان کو جنگل میں پھینکتا ہوں
و اندریں کار دلِ خویش بدریا فگنم
اور اس کام میں اپنے دل کو دریا میں ڈالتا ہوں

از دلِ تنگِ گنہگار برآرم آہے
تنگ، گنہگار دل سے ایسی ایک آہ کرتا ہوں
کآتش اندر گنہ آدم و حوا فگنم
کہ آدم اور حوا کے گناہ میں آگ لگا دوں

خوردہ ام تیرِ فلک بادہ بدہ تا سر مست
میں نے آسمان کا تیر کھایا ہے، شراب لا تاکہ مست ہوکر
عقدہ در بندِ کمرِ ترکشِ جوزا فگنم
جوزا کے ترکش کے کمربند پر گرہ لگا دوں

جرعۂ جام بریں تختِ رواں افشانم
اس تختِ رواں پر جام کا ایک گھونٹ چھڑکتا ہوں
غلغلِ چنگ دریں گنبدِ مینا فگنم
اس نیلے گنبد میں چنگ کا شور پیدا کرتا ہوں

مایۂ خوشدلی آنجاست کہ دلدار آنجاست
خوشدلی کا سرمایہ وہاں ہے، جہاں معشوق ہے
میکنم جہد کہ خود را مگر آنجا فگنم
کوشش کر رہا ہوں، شاید اپنے آپ کو وہاں پہونچا دوں

بندِ برقع بکشا اے مہِ خورشید لقا
اے سورج کی صورت والے چاند! برقع کا بند کھول
تا چو زلفت سرِ سودا زدہ در پا فگنم
تاکہ تیری زلف کی طرح دیوانے سر کو پیروں پر ڈال دوں

حافظا تکیہ بر ایام چو سہوست و خطا
اے حافظ! جبکہ زمانہ پر بھروسہ کرنا غلطی اور بھول ہے
من چرا عشرتِ امروز بفردا فگنم
میں آج کے عیش کو، کل پر کیوں ڈالوں؟

در شبستانۂ عشرت صنمے خوش دارم
عشرت کے خلوتخانہ میں میں ایک خوبصورت صنم رکھتا ہوں
کز سرِ زلف و رخش نعل در آتش دارم
کہ اس کی زلف اور رخسار کے خیال سے آگ میں نعل رکھتا ہوں

گر بکاشانۂ رنداں قدمے خواہی زد
اگر تو رندوں کے گھر میں قدم رنجہ فرمائے گا
نقلِ شعرِ شکریں و مئے بیغش دارم
تو مجھے شعروں کا نقل، اور خالص شراب رکھتا ہوں

---

۱ محبوب کے فراق میں زرد رو ہوں شراب ملے تو چہرہ پر سرخی دوڑے۔
۲ حسن کے خزانہ سے اس قدر دولت ہاتھ آجائے گی کہ اپنے جیسے ہزاروں فقیروں کو قارون بنا دوں گا۔
۳ فراق میں روتے روتے معشوق کی قیام گاہ کو درہم برہم کر دیا ہے، کھنڈرات میں دریائے جیحون پیدا کر دیا ہے۔ لہٰذا اب تو اے باد صبا محبوب کا پیام لا۔
۴ ایسی آہ کروں گا کہ جس سے حضرت آدم اور حوا کا گیہوں کھانے کا گناہ تک جل کر خاک ہو جائیگا
۵ جوزا منطقۃ البروج کے جنوب میں ایک انسانی شکل مانی گئی ہے جو ایک ہاتھ میں عصا لیے ہوئے کمر بستہ ہے اور گردن میں تلوار لٹکائے ہوئے ہے۔ یعنی مست ہوکر میں جوزا کے ترکش کے کمربند پر گرہ لگانا چاہتا ہوں تاکہ مجھ پر تیر نہ چلا سکے
۶ دنیا پر بھروسہ غلط بات ہے لہٰذا آج کے عیش کو کل پر نہ ٹالنا چاہیے۔
۷ نعل در آتش ہونا بے قرار ہونا مشہور ہے کہ اگر کسی کو بیقرار کرنا ہو تو نعل پر مطلوب کا نام لکھ دیا جائے اور اس کو آگ میں ڈال دیا جائے اور اس پر منتر پڑھ دیا جائے تو مطلوب بیقرار ہو جائے گا۔ شاگر ہم جیسے رندوں کے یہاں آؤ گے تو اشعار لطیفہ

ور تو زیں دست مرا بے سر و ساماں داری
اور اگر تو اسی طور پر، مجھے بے سرو سامان رکھے گا

من بآہِ سحرت زلفِ مشوش دارم
میں صبح کی آہ سے تیری زلفوں کو پریشان رکھوں گا

عاشق و رندم و میخوارہ بآوازِ بلند
میں عاشق، اور رند ہوں اور علی الاعلان شراب نوش

اینہمہ منصب از آں شوخِ پریوش دارم
اس شوخ پری جیسی صورت والے کی توجہ سے میں یہ تمام منصب رکھتا ہوں

گر چنیں جلوہ نماید خطِ زنگاری دوست
اگر معشوق کا سبز خط اسی طرح جلوہ نمائی کرے گا

منِ رخ زرد بخونابہ منقش دارم
میں زرد، رخسار کو خالص خون سے نقشین رکھوں گا

ناوکِ غمزہ بیاور زرہِ زلف کہ من
زلف کے راستے سے غمزہ کا تیر لا، اس لیے کہ میں

جنگہا با دلِ مجروحِ بلاکش دارم
زخمی، بلاکش، دل کے ساتھ لڑائیاں رکھتا ہوں

یک سرِ موئے بدستِ من و یک سر با دوست
بال کا ایک سرا میرے ہاتھ میں اور ایک سرا دوست کے ہاتھ میں ہے

سالہا بر سرِ ایں موئے کشاکش دارم
سالوں سے اس بال پر کشمکش رکھتا ہوں

حافظا چوں غم و شادیِ جہاں در گذرست
اے حافظ چونکہ دنیا کی خوشی، اور غم گذر جانے والا ہے

بہتر آنست کہ من خاطرِ خود خوش دارم
بہتر یہی ہے، کہ میں اپنے دل کو خوش رکھوں

دی شب بسیلِ اشک رہِ خواب میزدم
کل رات میں آنسوؤں کے بہاؤ سے نیند پر ڈاکہ ڈالتا تھا

نقشے بیادِ خطِ تو بر آب میزدم
تیرے خط کی یاد کا نقشہ، پانی پر بناتا تھا

روئے نگار در نظرم جلوہ می نمود
معشوق کا چہرہ، میری نظر میں جلوہ دکھاتا تھا

وز دور بوسہ بر رخِ مہتاب میزدم
اور میں چاند کے چہرے کا دور سے بوسہ لیتا تھا

ابروئے یار در نظر و خرقہ سوختہ
یار کا ابرو نگاہ میں تھا، اور گدڑی جلا کر

جامے بیادِ گوشۂ محراب میزدم
محراب کے گوشہ کی یاد میں، میں جام اڑاتا تھا

چشمم بروئے ساقی و گوشم بقولِ چنگ
میری نگاہ ساقی کے چہرے پر تھی اور کان چنگ کی بات پر

فالے بچشم و گوش دریں باب میزدم
اس بارے میں آنکھ، اور کان سے میں فال لے رہا تھا

نقشِ خیالِ روئے تو تا وقتِ صبحدم
تیرے چہرے کے خیال کا نقشہ، صبح تک

بر کارگاہِ دیدۂ بیخواب میزدم
بے نیند، آنکھ کے کارخانہ میں بناتا تھا

ہر مرغِ فکر کز سرِ شاخِ طرب بجست
فکر کا جو پرند، مستی کی شاخ سے اڑتا تھا

بازش ز طرۂ تو بمضراب میزدم
تیری زلف کی مضراب سے، میں اس کو پھر مارتا تھا

ساقی بصوتِ ایں غزلم کاسہ میگرفت
میری اس غزل کی آواز پر ساقی پیالہ اٹھاتا تھا

می گفتم ایں سرود و مےِ ناب میزدم
میں یہ گانا گاتا تھا اور خالص شراب پیتا تھا

خوش بود وقتِ حافظ و فالِ مراد کام
حافظ کا وقت اچھا تھا، اور مقصد کی مراد کی فال

بنامِ عمر و دولتِ احباب میزدم
دوستوں کی دولت اور عمر کے نام پر میں نکالتا تھا

۱؎ مجھے اگر تو بیقرار رکھے گا میں بھی اپنی آہوں سے تیری زلف کو پریشان کر دوں گا۔

۲؎ اپنے زرد رخسار کو خون کے آنسوؤں سے منقش رکھوں گا۔

۳؎ چونکہ میری دل سے لڑائی ہے لہٰذا اس پر محبوب کی نگاہ کا تیر جو زلفوں کی راہ سے آئے یعنی ترچھی نگاہ کا تیر چلانا چاہتا ہوں۔

۴؎ بال سے مراد باہمی تعلق ہے۔

۵؎ آب سے مراد آنسو ہیں۔

۶؎ قرب تو حاصل نہ تھا ہم دور سے بوسہ لیتے تھے۔

۷؎ ہم نے یہ فال لی کہ جب ساقی پر نظر اور چنگ کی آواز کان میں آ رہی ہے تو اب وصل میسر آ جائیگا۔

۸؎ یعنی دل میں اگر کسی خوشی کا خیال آتا بھی ہے تو تیری زلف پھر پریشانی پیدا کر دیتی ہے۔

دیدار شد میسر و بوس و کنار هم
دیدار میسر آگیا، اور بغل میں لینا، اور بوسہ لینا بھی

از بخت شکر دارم و از روزگار هم
نصیبہ کا بھی شکر گذار ہوں، اور زمانہ کا بھی

زاہد برو کہ طالع اگر طالع من ست
زاہد چلا جا، اگر میرا نصیبہ اچھا نصیبہ ہے

جامم بدست باشد و زلف نگار هم
تو میرے ہاتھ میں جام بھی ہوگا اور معشوق کی زلف بھی

ما عیب کس برندی و مستی نمی کنیم
ہم کسی پر مستی اور رندی کا عیب نہیں لگاتے ہیں

لعل بتاں خوش ست و مئے خوشگوار هم
معشوقوں کا ہونٹ بھی اچھی چیز ہے اور خوشگوار شراب بھی

اے دل بشارتے دہمت محتسب نماند
اے دل میں تجھے خوشخبری دیتا ہوں محتسب نہیں رہا

وز مے جہاں پرست و بت میگسار هم
اور دنیا شراب سے بھری ہے اور شراب پلانیوالا معشوق بھی

آں شد کہ چشم بدنگراں بود از کمیں
وہ وقت گیا کہ گھات سے بری آنکھ نگراں تھی

خصم از میاں برفت و سرشک از کنار هم
دشمن درمیان سے چلا گیا، اور گود سے آنسو بھی

خاطر بدست تفرقہ دادن نہ زیر کی ست
طبیعت کو تفرقہ کے سپرد کرنا، عقلمندی نہیں ہے

مجموعہ بخواہ و صراحی بیار هم
ایک اطمینان چاہ، اور صراحی بھی لا

بر خاکیان عشق فشاں جرعۂ لبش
عشق کے خاک نشینوں پر اس کے ہونٹ کا ایک گھونٹ چھڑک دے

تا خاک لعل گوں شود و مشکبار هم
تاکہ مٹی، لعل جیسی ہو جائے اور مشک پھیلانے والی بھی

چوں آبروئے لالہ و گل فیض حسن تست
چونکہ لالہ اور گل کی آبرو تیرے حسن کا فیض ہے

اے ابر لطف بر من خاکی ببار هم
اے مہربانی کے ابر! مجھ خاکی پر بھی برس

چوں کائنات جملہ بروئے تو زندہ اند
جبکہ ساری کائنات تیرے چہرے کی بدولت زندہ ہے

اے آفتاب سایہ ز من بر مدار هم
اے آفتاب! مجھ سے بھی سایہ نہ ہٹا

اہل نظر اسیر تو اند از خدا بترس
اہل نظر تیرے قیدی ہیں خدا سے ڈر

وز انتصاف آصف جم اقتدار هم
اور جمشید جیسے اقتدار والے، آصف کے انصاف لینے سے بھی

بر یاد روئے انور او آفتاب صبح
صبح کا آفتاب اس کے منور چہرہ کی یاد پر

جاں میکند فدا و کواکب نثار هم
جان قربان کرتا ہے اور ستاروں کو بھی نچھاور کرتا ہے

گوئے زمیں ربودۂ چوگان عدل تست
زمین کی گیند تیرے انصاف کے بلّے کی جیتی ہوئی ہے

ویں برکشیدہ گنبد نیلی حصار هم
اور یہ نیلے حصار والا، تنا ہوا گنبد بھی

تا از نتیجۂ فلک و طور دور اوست
جب تک آسمان کے نتیجہ، اور اس کے چکر کے طریقہ سے ہے

ق

تبدیل سال و ماہ و خزان و بہار هم
سال اور مہینہ کی تبدیلی، اور خزاں اور بہار بھی

خالی مباد کاخ جلالت ز سروراں
تیرے جلال کا محل، سرداروں سے خالی نہ ہو

وز ساقیان سروقد گلعذار هم
اور سرو جیسے قد والے، پھول جیسے رخسار والے ساقیوں سے بھی

برہان ملک و دیں کہ ز دست وزارتش
ملک اور دین کا برہان کہ اس کی وزارت کے ہاتھ سے

ایام کاں یمیں شد و دریا یسار هم
زمانہ کی کان داہنا ہاتھ ہو گئی ہے اور دریا بھی بایاں ہاتھ ہو گیا ہے

عزم سبک عنان تو در جنبش آورد
تیرا تیز رو ارادہ، حرکت میں لے آتا ہے

ایں پایدار مرکز عالی مدار هم
اس عالی مدار، پایدار مرکز کو بھی

---

۱ یعنی اگر ہم خوش نصیب ہیں تو محبوب کی زلف اور جام و شراب سے بہرہ ور ہوں گے، تیری نصیحت بیکار ہے

۲ جبکہ محتسب کا ڈر بھی نہیں ہے اور شراب اور معشوق بھی موجود ہے تو اس سے زیادہ اور کیا خوشخبری ہوگی۔

۳ دل کی پریشانی پیدا کرنا عقلمندی نہیں ہے اطمینان خاطر اور صراحی حاصل کرنی چاہئے۔

۴ نظر باز تیرے قیدی ہیں ان کے بارے میں خدا سے ڈر اور عماد بن محمود وزیر سلطان قطب الدین سے ڈر۔

۵ یہ اور اگلا شعر ملکر مفہوم پورا ہوگا۔ یعنی جب تک آسمان کی گردش سے سال اور مہینے بنیں تیرا گھر آباد رہے

۶ برہان الدین والملک وزیر کا نام ہے یعنی اسکے وجود سے زمانہ مالامال ہے نیز جواہر کی کان زمانے کا داہنا ہاتھ بن گئی ہے اور دریا کے موتی بایاں ہاتھ۔

۷ یعنی تیرے ارادے کے ساتھ زمین بھی حرکت میں آجاتی ہے۔

دیوارِ درمیانہ چو برگِ گُلِ دو رُوست (۱)
درمیان کی دیوار، دو رخے پھول کی پتی کی طرح ہے
ہمسایہ ہمند خزان و بہار ہم
آپس میں ہمسایہ ہیں، خزاں اور بہار بھی

حافظ کہ در ثنائے تو چندیں گہر فشاند (۲)
حافظ جس نے تیری تعریف میں بہت سے موتی نثار کئے
پیشِ کفِ تو شد خجل و شرمسار ہم
تیرے ہاتھ کے سامنے شرمندہ ہوگیا اور شرمسار بھی

روزِ عیداست و من امروز دراین تدبیرم (۳)
عید کا دن ہے، اور میں آج اس تدبیر میں ہوں
کہ دہم حاصلِ سی روزہ و ساغر گیرم
کہ تیس روزوں کی کمائی دیدوں اور ساغر لے لوں

چند روز یست کہ دُورم زرخِ ساقی و جام
کتنے دن ہوگئے ہیں، کہ میں ساقی کے رخ اور جام سے دور ہوں
بس خجالت کہ پدید آمد ازیں تقصیرم
بہت شرمندگی ہے، جو رونما ہوئی، میری اس کوتاہی سے

من بخلوت نہ نشینم پس ازیں ور مثل (۴)
اس کے بعد میں خلوت میں نہ بیٹھوں گا، خواہ مثلاً
زاہدِ صومعہ بر پائے نہد زنجیرم
عبادتخانہ کا زاہد، میرے پیر میں بیڑی ڈال دے

پندِ پیرانہ دہد واعظِ شہرم لیکن
شہر کا واعظ، مجھے بزرگانہ نصیحت کرتا ہے لیکن
من نہ آنم کہ دگر پندِ کسے بپذیرم
میں وہ نہیں ہوں، جو اب کسی کی نصیحت مانوں

آنکہ پُر خاک درِ میکدہ جا داشت کجاست (۵)
جس کی شراب خانہ کے دروازے پر جگہ تھی وہ کہاں ہے،
تا نہم بر قدمِ او سر و پیشش میرم
تاکہ اس کے قدموں پر سر رکھدوں اور اسکے سامنے جان دیدوں

میکشیدم مے و سجادۂ تقویٰ بر دوش
میں شراب پی رہا تھا، اور تقوے کا مصلیٰ کاندھے پر تھا
آہ اگر خلق شوند آگہ ازیں تزویرم
آہ ہے، اگر لوگ میری اس مکاری سے واقف ہوجائیں

جز صراحی و کبابم نہ بود یار و ندیم
صراحی اور کباب کے سوا میرا کوئی دوست اور ہم مجلس نہ ہوگا
تا حریفانِ دغا را ز جہاں کم بینم
تاکہ دغاباز دوستوں کو دنیا میں کم دیکھوں

خلق گویند کہ حافظ سخنِ پیر نیوش (۶)
لوگ کہتے ہیں کہ اے حافظ! بوڑھے کی بات سن
سالخوردہ میم امروز بہ از صد پیرم
آج میرے لیے، پرانی شراب سو بوڑھوں سے بہتر ہے

روزگارے شد کہ در میخانہ خدمت میکنم
ایک زمانہ گذر گیا کہ میں میخانہ میں خدمتگاری کرتا ہوں
در لباسِ فقر کارِ اہلِ دولت میکنم (۷)
فقری کے لباس میں دولتمندوں کا کام کرتا ہوں

تا مگر در دام وصل آرم تذروِ خوشخرام
تاکہ حسین چال والی چکور کو وصل کے جال میں پھانس لوں
در کمینم انتظارِ وقتِ فرصت میکنم
میں گھات میں ہوں، فرصت کے وقت کا انتظار کرتا ہوں

واعظِ ما بوئے حق نشنید بشنو ایں سخن (۸)
یہ بات سن لے، ہمارے واعظ نے حق کی خوشبو نہیں سونگھی ہے
در حضورش نیز میگویم نہ غیبت میکنم
میں اسکے سامنے بھی کہتا ہوں، غیبت نہیں کرتا ہوں

چوں صبا افتان و خیزاں میروم تا کوئے دوست
دوست کے کوچہ تک، صبا کی طرح گرتا پڑتا جاتا ہوں
وز رفیقِ راہ استمدادِ ہمت میکنم
اور راستہ کے ساتھی سے، باطنی توجہ کی مدد طلب کرتا ہوں

---

(۱) یعنی جو دیوار میرے اور محبوب کے درمیان میں حائل ہے اس کے دو رخ ہیں میری طرف خزاں ہے اور محبوب کی طرف بہار۔
(۲) تو نے حافظ کو مدح سے زیادہ دیا اس لئے وہ شرمندہ ہے۔
(۳) رمضان میں تیس روزے رکھکر جو ثواب کمایا ہے اس کو ایک ساغر کے عوض دے ڈالوں۔
(۴) اگر زاہد پیروں میں بیڑیاں بھی ڈال دیگا میں خلوت نشینی اختیار کروں گا۔
(۵) میکدہ کا خاک نشیں کہاں ہے تاکہ اس کے قدموں پر سر دھردوں، اور جان دیدوں۔
(۶) پرانے لوگوں کی نصیحت سے پُرانی شراب بہت بہتر ہے۔
(۷) لباس فقیرانہ ہے، لیکن عشق کی دولت سے مالا مال ہوں۔
(۸) میں نے واعظ کے منہ پر کہدیا ہے کہ اس نے تو حق کی بُو بھی نہیں سونگھی ہے۔

خاکِ کویت برنتابد زحمتِ مابیش ازیں — لطفہا کردی بُتا تخفیفِ زحمت میکنم
تیرے کوچہ کی خاک ہماری زحمت کی اس سے زیادہ برداشت نہ کریگی — اے بُت تو نے بہت مہربانیاں کیں ہیں میں تکلیف دہی میں کمی کرتا ہوں

زلفِ دلبر دامِ راہ و غمزہ اش تیرِ بلاست — یاد دار اے دل کہ چندیت نصیحت میکنم
معشوق کی زلف راستہ کا جال ہے اور اس کی ادا بلا کا تیر ہے — اے دل یاد رکھنا، تجھے میں کس قدر نصیحتیں کر رہا ہوں

دیدۂ بد بیں بپوشاں اے کریمِ عیب پوش — زیں دلیریہا کہ من در کنجِ خلوت میکنم
اے عیب چھپانے والے کسی دشمن کی نظر سے چھپانا — ان دلیریوں کو، جو میں تنہائی کے گوشہ میں کرتا ہوں

حاش للہ کز حسابِ روزِ حشرم باک نیست — فالِ فردا میزنم امروز عشرت میکنم
خدا کی پناہ کہ مجھے حشر کے دن کے حساب کی پروا نہیں ہے — کل کی فال لیتا ہوں، آج عیش کرتا ہوں

از یمینِ عرش آمیں میکند رُوحُ الاَمیں — چوں دعائے پادشاہِ مُلک و مِلت میکنم
جبرئیل عرش کی داہنی جانب سے آمین کہتے ہیں — جب میں ملک اور ملت کے بادشاہ کو دعا دیتا ہوں

خسروا امیدِ جاہ و مال دارم زیں سبب — التماسِ آستاں بوسیِ حضرت میکنم
اے بادشاہ میں مرتبہ اور مال کا امیدوار ہوں اسی وجہ سے — کہ دربار کی آستاں بوسی کی درخواست کرتا ہوں

حافظم در محفلے دُردی کشم در مجلسے
میں ایک محفل میں حافظ ہوں ایک مجلس میں تلچھٹ پینے والا ہوں
بنگر ایں شوخی کہ چوں با خلق صحبت میکنم
اس شرارت کو دیکھ مخلوق کے ساتھ میں کیسے گذارا کرتا ہوں

زدستِ کوتہِ خود زیرِ بارم — کہ از بالا بلنداں شرمسارم
میں اپنے کوتاہ ہاتھ سے اس قدر زیر بار ہوں — کہ بلند قد والوں سے شرمندہ ہوں

مگر زنجیرِ زلفت گیردم دست — وگرنہ سر بشیدائی بر آرم
شاید، تیری زلف کی زنجیر میری دستگیری کردے — ورنہ میں دیوانگی میں مشہور ہو جاؤں گا

زچشمِ من بپرس اوضاعِ گردوں — کہ شب تا روز اختر می شمارم
آسمان کی حالتیں، میری آنکھ سے پوچھ — کہ رات سے صبح تک میں اختر شماری کرتا ہوں

چہ مے خوردم من از میخانۂ عشق — کہ ہشیاری و بیداری ندارم
عشق کے شراب خانہ سے میں نے کیسی شراب پی ہے — کہ میں ہوشیاری، اور بیداری نہیں رکھتا ہوں

بایں شکرانہ می بوسم لبِ جام — کہ کرد آگہ ز دورِ روزگارم
میں جام کے لب کے، اس شکرانہ میں بوسے لیتا ہوں — کہ اس نے، مجھے زمانہ کے چکر سے آگاہ کردیا

من از بازوئے خود دارم بسے شکر — کہ زورِ مردم آزاری ندارم
میں اپنے بازوؤں کا، بہت شکر گذار ہوں — کہ مجھ میں، مردم آزاری کا زور نہیں ہے

اگر گفتم دُعائے میفروشاں — چہ باشد شکرِ نعمت میگزارم
اگر میں نے، شراب فروشوں کے لیے دعا کی — تو کیا ہوا، میں تو نعمت کا شکریہ ادا کرتا ہوں

مکن عیبم زخوں خوردن دریں دشت — کہ کار آموزِ آہوئے تتارم
اس جنگل میں، خون پینے سے مجھ پر عیب نہ لگا — کیونکہ، میں تاتار کے ہرن کا استاد ہوں

---

۱ ہم نے تیرے کوچہ کو بہت زحمتیں دیں اب زیادہ زحمت نہ دیں گے۔
۲ اگر نصیحت نہ مانے گا جال میں پھنس جائیگا، اور مصیبت کے تیر کھائے گا۔
۳ خدا کرے میری تنہائی کی برائیوں سے دشمن واقف نہ ہو۔
۴ جب اللہ نے آج عیش دے ہیں تو یہ نیک فال ہے حشر میں عیش میسر آجائیگا۔
۵ اگر ہم زلف کے پابند نہ ہوئے تو مجنوں بنکر جنگل کو نکل جائینگے۔
۶ بلکہ ستی اور مدہوشی ہے۔
۷ چونکہ جام نے زمانہ کے مکر و فریب ہم پر کھولدیے ہیں اس لیے ہم اسکی لب بوسی کرتے ہیں۔
۸ ہم اپنے بازوؤں کے شکر گذار ہیں کہ ان میں لوگوں کو ستانے کی طاقت نہیں ہے۔
۹ چونکہ مے فروشوں کا ہم پر احسان ہے لہٰذا احسان کی شکر گذاری میں ہم ان کو دعائیں دیتے ہیں۔
۱۰ مشک خون سے بنتا ہے تو جب تک ہم بھی خونِ جگر نہ پئیں گے مشک کی خاصیت ہم میں پیدا نہ ہوگی۔

تو از خاکم نخواہی بر گرفتن — بجائے اشک اگر گوہر ببارم
تو، مجھے زمین سے نہ اٹھائے گا — اگر میں آنسوؤں کی بجائے، موتی برساؤں

سرے دارم چو حافظ مست لیکن
میں حافظ کا سا، دیوانہ سر، رکھتا ہوں، لیکن

بہ لطفِ آں پری امیدوارم
اس پری کی مہربانی کا امیدوار ہوں

زلف[1] بر باد مدہ تا ندہی بر بادم — نازِ بنیاد مکن تا نکنی بنیادم
زلف کو پریشان نہ کر، تاکہ تو مجھے برباد نہ کرے — ناز کی بنیاد نہ ڈال، تاکہ تو میری بنیاد نہ اکھاڑے

رخ[2] بر افروز کہ فارغ کنی از برگِ گلم — قد بر افراز کہ از سرو کنی آزادم
چہرے کو فروزاں کر، تاکہ تو مجھے پھول کی پتی سے بے نیاز کرے — قد بلند کر، تاکہ تو مجھے سرو سے آزاد کرے

زلف[3] را حلقہ مکن تا نکنی در بندم — چہرہ را آب مدہ تا ندہی بر بادم
زلف میں گرہ نہ لگا، تاکہ تو مجھے قید نہ کرے — چہرے کو رونق نہ دے، تاکہ تو مجھے برباد نہ کرے

شہرۂ[4] شہر مشو تا نہ نہم سر در کوہ — شورِ شیریں منما تا نکنی فرہادم
شہر میں مشہور نہ ہو، تاکہ میں پہاڑوں کا رخ نہ کروں — شیریں کی شہرت نہ پیدا کر، تاکہ تو مجھے فرہاد نہ بنائے

مے مخور[5] با دگراں تا نخورم خونِ جگر — سرکش تا نکشد سر بفلک فریادم
دوسروں کے ساتھ شراب نوشی نہ کر، تاکہ میں خونِ جگر نہ پیوں — سرکشی نہ کر، تاکہ میری فریاد سربفلک نہ ہو

سرم از دست بشد وصلِ تو ننمود جمال — دست گیرم کہ ز ہجرِ تو ز پا افتادم
میرا سر ہاتھ سے گیا، تیرے وصل نے جمال نہ دکھایا — میری دستگیری کر، اس لیے کہ تیرے ہجر کی وجہ سے میں گر گیا ہوں

یارِ بیگانہ مشو تا نبری از خویشم — غمِ اغیار مخور تا نکنی ناشادم
غیر کا دوست نہ بن، تاکہ تو مجھے بے خود نہ بنائے — غیروں کا غم نہ کھا، تاکہ تو مجھے ناخوش نہ کرے

رحم کن[6] بر منِ مسکین و بفریادم رس — تا بخاکِ درِ آصف نرسد فریادم
مجھ مسکین پر رحم کر، اور میری فریادرسی کر — تاکہ میری فریاد آصف کے دروازہ کی خاک تک نہ پہونچے

چوں فلک جور مکن تا نکشی زار مرا — رام شو تا بدمد طالعِ فرخ زادم
آسمان کی طرح ظلم نہ کر، تاکہ تو مجھے عاجز کر کے نہ مارے — فرمانبردار بن، تاکہ میرا مبارک نصیب چمک اٹھے

حافظ از جورِ تو حاشا کہ بنالد روزے
حاشا اللہ، کہ حافظ کسی دن تیرے ظلم سے نالاں ہو

من از آں روز کہ در بندِ توام آزادم
میں جس دن سے تیری قید میں ہوں، آزاد ہوں

سالہا[7] پیرویِ خدمتِ رنداں کردم — تا بفتوائے خرد حرص بزندان کردم
میں نے سالوں، رندوں کی خدمت کی پیروی کی — تب عقل کے فتوے سے، حرص کو قید کیا

من بسر منزلِ عنقا نہ بخود بردم راہ — قطعِ ایں مرحلہ با مرغِ[8] سلیماں کردم
میں خود، عنقا کی منزل تک نہیں پہونچا — میں نے اس مرحلہ کو سلیمان کے پرندے کے ساتھ طے کیا

---

[1] تو زلف کو پریشان کرے گا تو میں برباد ہو جاؤں گا، تو ناز کریگا تو میں تباہ ہو جاؤں گا۔
[2] تو رخ دکھا تاکہ مجھے پھول کی ضرورت نہ ہے، تیرے قد کو دیکھ کر مجھے سرو سے آزادی حاصل ہو جائیگی۔
[3] زلف میں گرہ نہ لگا ورنہ میں قیدی بن جاؤں گا، چہرے کو پُر رونق کرے گا تو میں برباد ہو جاؤں گا۔
[4] تیری شہرت ہوگی تو میں دیوانہ وار جنگلوں کو نکل جاؤں گا، تو شیریں بنے گا تو میں فرہاد ہو جاؤں گا۔
[5] تو دوسروں کے ساتھ شراب نوشی کریگا، تو میں خونِ جگر ہوں گا تو سرکشی کرے گا تو میری آہیں آسمان تک پہونچیں گی۔
[6] مجھ پر رحم کرو ورنہ عماد بن محمود قطب الدین کے وزیر کے دربار میں جا کر فریاد کروں گا۔
[7] رندوں کی برسوں خدمت گذاری کر کے حرص کو قید کر سکا ہوں۔
[8] مرغِ سلیمان سے ہُدہُد مراد ہے جس نے بلقیس کی خبر لا کر دی تھی۔

از خلافِ آمدِ عادت بطلب کام کہ من
مقصد کو خلافِ عادت چیزوں سے طلب کر اس لیے کہ میں نے
کسبِ جمعیت ازاں زلفِ پریشاں کردم
اس پریشان زلف سے دل جمعی حاصل کی ہے

سایۂ بر دلِ ریشم فگن اے گنجِ مراد
اے مراد کے خزانے! میرے زخمی دل پر ایک سایہ ڈال
کہ من ایں خانہ بسودائے تو ویراں کردم
اس لیے کہ میں نے اس گھر کو تیرے عشق میں ویران کیا ہے

توبہ کردم کہ نبوسم لبِ ساقی وکنوں
میں نے توبہ کی تھی کہ ساقی کے لب کو بوسہ نہ دوں گا، اور اب
میگزم لب کہ چرا گوش بناداں کردم
میں ہونٹ کاٹتا ہوں کہ نادان کی بات پر کیوں کان دھرا

نقشِ مستوری و مستی نہ بدستِ من و تست
زہد اور مستی کا نقش میرے، اور تیرے ہاتھ میں نہیں ہے
آنچہ استادِ ازل گفت بکن آں کردم
جو استادِ ازل نے کہا کر، میں نے وہ کیا

دارم از لطفِ ازل منزلِ فردوس طمع
ازل کی مہربانی سے میں فردوس کے مکان کی طمع کرتا ہوں
گرچہ دربانیِ میخانہ فراواں کردم
اگرچہ میں نے شراب خانہ کی دربانی بہت کی ہے

اینکہ پیرانہ سرم صحبتِ یوسف بنواخت
اس بڑھاپے میں یوسف کی صحبت نے جو مجھے نوازا ہے
اجرِ صبریست کہ در کلبۂ احزاں کردم
یہ اُس صبر کا بدلہ ہے جو میں نے غموں کی کوٹھری میں کیا

گر بدیوانِ غزل صدر نشینم چہ عجب
اگر غزل کی مجلس میں، میں صدر نشین ہوں تو کیا تعجب ہے؟
سالہا بندگیِ صاحبِ دیواں کردم
میں نے سالوں امیرِ مجلس کی خدمت کی ہے

ہیچ کس را نرسد در خمِ محرابِ فلک
آسمان کی محراب کے دائرہ میں کسی شخص کو نہ حاصل ہوں گے
آں تنعّم کہ من از ہمّتِ سلطاں کردم
وہ عیش جو میں نے بادشاہ کی توجہ سے کئے ہیں

صبح خیزی و سلامت طلبی چوں حافظ
حافظ کی طرح، صبح کو اٹھنا، اور سلامت طلبی
ہرچہ کردم ہمہ از دولتِ قرآں کردم
جو کچھ میں نے کیا، یہ سب قرآن کی بدولت کیا ہے

سرم خوش ست و ببانگِ بلند میگویم
میں مست ہوں اور علی الاعلان کہتا ہوں
کہ من نسیمِ حیات از پیالہ میجویم
کہ میں زندگی کی نسیم، پیالہ سے ڈھونڈتا ہوں

عبوسِ زہد بوجہِ خمار بنشیند
زہد کی ترش روئی، خمار کی وجہ سے زائل ہو جاتی ہے
مریدِ ہمّتِ دُردی کشانِ خوشخویم
میں خوش اخلاق، تلچھٹ پینے والوں کی باطنی توجہ کا مرید ہوں

گرم نہ پیرِ مغاں در بروئے بکشاید
اگر پیرِ مغاں میرے لیے دروازہ نہ کھولے
کدام در بزنم چارہ از کجا جویم
میں کونسا دروازہ کھٹکھٹاؤں، کہاں سے تدبیر ڈھونڈوں؟

مکن دریں چمنم سرزنش بخودروئی
اس چمن میں میرے خود رَو ہونے پر مجھے نہ جھڑک
چنانکہ پرورشم میدہند میرویم
میری جس طرح سے پرورش کرتے ہیں میں اُگتا ہوں

تو خانقاہ و خرابات در میانہ مبیں
تو خانقاہ اور شراب خانہ کو درمیان میں نہ دیکھ
خدا گواہ کہ ہر جا کہ ہست با اویم
خدا گواہ ہے، وہ جہاں کہیں بھی ہے میں اُسکے ساتھ ہوں

زشوقِ نرگسِ مست و بلند بالائے
ایک بلند قد، اور مست نرگس کے عشق میں
چو لالہ با قدح افتادہ برلبِ جویم
میں لالہ کی طرح، ہاتھ میں پیالہ لئے، نہر کے کنارے پڑا ہوں

۲؎ نیکی اور بدی اختیاری نہیں ہے سب منجانب اللہ ہے۔

۳؎ اگرچہ پرانا گنہگار ہوں لیکن جنت الفردوس کا امیدوار ہوں۔

۴؎ کلبۂ احزان، غموں کی کوٹھری، وہ جگہ کہلاتی ہے جہاں حضرت یعقوب نے، حضرت یوسف کے فراق کے دن بسر کرے تھے۔

۵؎ حافظ کو صبح خیزی اور سلامت روی سب قرآن کی بدولت حاصل ہوئی ہے۔

۶؎ زہد کی بدمزاجی کو ہم شراب کے ذریعہ مٹاتے ہیں ہم تو خوش اخلاق تلچھٹ نوشوں کے مرید ہیں۔

۷؎ یہ ملامت نہ کر کہ ہم خود رَو پودے کی طرح ہیں ہمیں تو قدرت نے جیسا بنایا ہے ویسے بنے ہیں۔

۸؎ لالہ کے بارے میں یہ فرض کیا گیا ہے کہ وہ ہاتھ میں پیالہ لیے کھڑا ہے۔

شدم نشانہ بسرگشتگی و ابروئے دوست
میں دیوانگی کا نشانہ بنا ہوں، اور دوست کے ابرو نے

کشیدہ درخمِ چوگانِ خویش چوں گویم
مجھے گیند کی طرح اپنے بلّے کے موڑ میں لے لیا ہے

غبارِ[۱] راہِ طلب کیمیائے بہروزی ست
طلب کے راستہ کا غبار، کامیابی کی کیمیا ہے

غلامِ دولتِ آں خاکِ عنبریں بویم
میں اس عنبر جیسی خوشبو والی خاک کی دولت کا غلام ہوں

نصیحتم[۲] چہ کنی ناصحا چہ میدانی
اے ناصح! مجھے کیا نصیحت کرتا ہے، تجھے کیا پتہ ہے؟

کہ من نہ معتقدِ مردِ عافیت جویم
میں عافیت تلاش کرنے والے انسان کا معتقد نہیں ہوں

بیار[۳] مے کہ بفتوائے حافظ از دلِ پاک
شراب لا تاکہ حافظ کے فتوے کے مطابق پاک دل سے

غبارِ زرق بفیضِ قدح فروشویم
مکاری کے غبار کو، میں پیالہ کے فیض سے دھو ڈالوں

صنما با غمِ عشقِ تو چہ تدبیر کنم
اے صنم! تیرے عشق کے غم کی کیا تدبیر کروں؟

تابکے در غمِ تو نالۂ شبگیر کنم
تیرے غم میں کب تک رات بھر کا رونا روؤں؟

دلِ[۴] دیوانہ از آں شد کہ پذیرد درماں
دیوانہ دل اس سے تو گذر گیا کہ علاج کو قبول کرے

مگرش ہم ز سرِ زلفِ تو زنجیر کنم
مگر ہاں اس کو تیری زلف کی زنجیر سے قید کروں

آنچہ[۵] در مدتِ ہجرِ تو کشیدم ہیہات
افسوس ہے، جو کچھ میں نے تیرے فراق کی مدت میں برداشت کیا ہے

در دو صد نامہ محال ست کہ تحریر کنم
ناممکن ہے دو سو خطوں میں بھی اس کو لکھ سکوں

با سرِ زلفِ تو مجموعِ پریشانیِ خویش
تیری زلف کے خیال میں اپنی پریشانی کے مجموعے کو

کو مجالے کہ بیکایک ہمہ تقریر کنم
کہاں مجال، کہ ایک دم سب کا سب بیان کرسکوں

رندِ یکرنگم و با شاہد و مے ہمصحبت
میں یک رنگ رند ہوں، اور معشوق اور شراب کا ساتھی ہوں

نتوانم کہ دگر حیلہ و تزویر کنم
اب مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ پھر حیلہ، اور مکاری کروں

آں[۶] زماں کارزوئے دیدنِ جانم باشد
جب مجھے اپنی جان کے دیکھنے کی خواہش ہوتی ہے

در نظر نقشِ رخِ خوبِ تو تصویر کنم
تیرے خوبصورت چہرے کا نقشہ آنکھوں میں کھینچ لیتا ہوں

گر بدانم کہ وصالِ تو بدیں ست دہد
اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ تیرا وصل اس طور پر حاصل ہو جائیگا

دل و دیں را ہمہ در بازم و توفیر کنم
دل اور دین سب کو ہار دوں اور وقف کر دوں

دور[۷] شو از برم اے واعظ و افسانہ مگو
اے واعظ میرے پاس سے چلا جا، اور افسانہ گوئی نہ کر

من نہ آنم کہ دگر گوش بہ تزویر کنم
میں وہ نہیں ہوں کہ اب مکاری پر کان دھروں

نیست امکانِ خلاص از غمِ او اے حافظ
اے حافظ اس کے غم سے چھوٹنے کا کوئی امکان نہیں ہے

چونکہ تقدیر چنیں بود چہ تدبیر کنم
جبکہ تقدیر ہی ایسی تھی اب میں کیا تدبیر کروں؟

صلاح از ما چہ میجوئی کہ مستاں[۸] را صلا گفتیم
ہم سے نیکی کیا ڈھونڈتا ہے، کیونکہ ہم نے مستوں کو دعوت دیدی؟

بدورِ نرگسِ مستت سلامت را دعا گفتیم
تیری مست نرگس کے دور میں سلامتی کو الوداع کہدیا ہے

۱۔ معشوق کی طلب کے راستہ کا غبار انسان کو کندن بنا دیتا ہے۔
۲۔ ناصح مصائب سے ڈراتا ہے، حالاں کہ ہم تو مشکل پسند انسان کے ہی معتقد ہوتے ہیں۔
۳۔ شراب کا پیالہ ریاکاری کو دھو ڈالتا ہے۔
۴۔ یہ دیوانہ دل قابل علاج نہیں ہے، ابتو اس کو زلف کی زنجیر میں ہی باندھنا چاہئے۔
۵۔ ہجر کے مصائب کو دو سو خطوں میں بھی تحریر نہیں کیا جا سکتا ہے۔
۶۔ محبوب ہماری جان ہے جب ہم جان کو دیکھنا چاہتے ہیں محبوب کی تصویر دیکھ لیتے ہیں۔
۷۔ واعظ کی ساری تقریر افسانہ گوئی اور مکر ہے ہم اس پر دھیان نہیں دیتے ہیں۔
۸۔ مستوں سے مراد، محبوب کی آنکھیں ہیں یعنی جب ہم نے اس کی آنکھوں کو دعوت دیدی ہے اب عافیت اور صلاح کہاں ہے۔

در میخانہ رابکشا کہ ہیچ از خانقہ نکشود
میخانے کے دروازہ کو کھول، اس لیے کہ خانقاہ سے کچھ حاصل نہوا
گرتؔ باور بود ور نہ سخن ایں بود وما گفتیم
اگر تجھے یقین آئے، ورنہ بات یہی تھی اور ہم نے کہدی

من از چشمِ خوشِ ساقی خراب افتادہ ام لیکن
میں ساقی کی حسین آنکھ سے مست پڑا ہوں، لیکن
بلائے کز حبیب آمدہ ہزارش مرحبا گفتیم
جو مصیبت دوست کی طرف سے آئی ہم نے اس کو ہزار خوش آمدید کہاہے

قدتؔ گفتم کہ شمشاد ست وبس خجلت ببار آورد
میں نے تیرے قد کو شمشاد کہا اور بہت شرمندگی کا پھل لایا
کہ ایں نسبت چرا کردیم وایں بہتاں چرا گفتیم
کہ یہ نسبت ہم نے کیوں کی، اور یہ بہتان کیوں باندھا

اگر برمن نبخشائی پشیمانی خوری آخر
اگر تو مجھ پر بخشش نہ کرے گا، آخرکار شرمندہ ہوگا
بخاطر دار ایں معنیٰ کہ در خدمت کجا گفتیم
اس بات کو یاد رکھنا، ہم نے تجھ سے کس موقع پر کہی ہے!

جگرؔ چوں نافہ ام خوں گشت وبہ زیں نمی باشد
میرا جگر نافہ کی طرح خون ہوگیا اور میرے لئے اس سے بہتر نہیں ہوسکتی
جزائے آنکہ باز لفش سخن از چیں خطا گفتیم
اس کی سزا کہ اس کی زلف کے سامنے ہم نے غلطی سے چین کی بات کہی

تو آتش گشتی اے حافظ ولے بایار درنگرفت
اے حافظ تو آگ بن گیا، لیکن یار پر اثر نہ ہوا
زبدؔ عہدیِ گُل گوئی حکایت باصبا گفتیم
گویا کہ ہم نے پھول کی بد عہدی کی بات صبا سے کہی

صوفی بیا کہ خرقۂ سالوس برکشیم
اے صوفی! آ، کہ مکر کی گدڑی کو اتار دیں
ویں دلقِ زرق راخطِ بطلاں بسر کشیم
اور اس مکر کی گدڑی پر، باطل ہونے کا نشان بنادیں

نذرؔ وفتوحِ صومعہ در وجہِ مے دہیم
عبادتخانہ کے چڑھاووں اور نذرانوں کو شراب میں خرچ کردیں
دلقِ ریا بآبِ خرابات برکشیم
ریا کی گدڑی کو شرابخانہ کے پانی کے عوض اتار ڈالیں

سرِ قضا کہ در تتقِ غیب منزوی ست
قضا کا راز جو غیب کے پردے میں گوشہ نشین ہے
مستانہ اش نقاب زرخسار برکشیم
مستانہ وار اس کے رخسار سے، نقاب الٹ دیں

بیرؔوں جہیم سرخوش واز بزمِ مدعی
مست ہوکر باہر نکلیں اور رقیب کی مجلس سے
غارت کنیم بادہ وشاہد بر کشیم
شراب لوٹ لیں، اور معشوق کو بغل میں لے لیں

کامؔ جہاں برآر کہ بخشد خدا گناہ
دنیا کا مقصد پورا کرلے، اس لیے کہ خدا گناہ بخش دے گا
روزے کہ رختِ جاں بجہانِ دگر کشیم
جس دن جان کا سامان ہم دوسری دنیا میں لیجائیں گے

گوعشوہ زابروئے توتا چو ماہِ نو
تیرے ابرو کی ادا کہاں ہے تاکہ ہلال کی طرح
گوئے سپہر درخمِ چوگانِ زر کشیم
آسمان کی گیند کو زریں بلّے کے موڑ میں لے لیں

فرداؔ اگر نہ روضۂ رضواں بما دہند
کل اگر رضوان کا باغ، ہمیں نہیں دیں گے
غلماں زغرفہ حورز جنت بدر کشیم
غلمان کو کھڑکی سے، حور کو جنت سے ہم باہر کھینچ لیں گے

حافظ نہ حدِ تست چنیںؔ لاف ہا زدن
اے حافظ اس طرح کی لاف زنی کرنا تیری حد میں نہیں ہے
پا از گلیمِ خویش چرا بیشتر کشیم
ہم اپنی چادر سے باہر پیر کیوں نکالیں!

۱؎ تجھے یقین آئے یا نہ آئے ہم نے سچی بات تجھے بتادی ہے۔
۲؎ محبوب کی جانب سے آنیوالی ہر مصیبت کو ہم خوش آمدید کہتے ہیں۔
۳؎ محبوب کے قد کو شمشاد درخت سے تشبیہ دینا محبوب کے قد کی توہین ہے۔
۴؎ میں نے غلطی سے زلف کی خوشبو کو تاتاری مشک کی خوشبو سے تشبیہ دیدی۔
۵؎ جس طرح سے گُل کی شکایت صبا سے کرنے سے گُل متاثر نہیں ہوتا ہے
۶؎ عبادتخانہ میں جو چڑھاوے آتے ہیں وہ اس قابل ہیں کہ ان کو شراب نوشی میں صرف کردیا جائے
۷؎ ہمیں مست ہوکر نکلنا چاہیے اور رقیبوں سے شراب اور معشوق چھین لینا چاہیے۔
۸؎ دنیا کا عیش اٹھانا چاہیے آخرت میں خدا مددگار ہے۔
۹؎ اگر جنت میں جانیکا موقع نہ دیں گے تو ہم حور و غلمان کو باہر کھینچ لائیں گے۔
۱۰؎ پہلے شعر میں جو لاف زنی کی ہے وہ حافظ کے مرتبہ سے اونچی ہے
۲ ہے ہر شخص کو چادر کے بقدر پیر پھیلانے چاہییں۔

عاشقِ روئے جوانے خوش و نو خاستہ ام
میں ایک خوبصورت، نوخیز، جوان کے چہرے کا عاشق ہوں
وز خدا صحبتِ او را بدعا خواستہ ام
اور میں نے خدا سے دعا کر کے اس کی صحبت مانگی ہے

عاشق و رند و نظر بازم و میگویم فاش
میں عاشق اور رند، اور نظر باز ہوں، اور کھلم کھلا کہتا ہوں
تا بدانی کہ بچندیں ہنر آراستہ ام
تاکہ تجھے معلوم ہو جائے کہ میں اتنے ہنروں سے آراستہ ہوں

شرمم از خرقۂ آلودۂ خود می آید
مجھے اپنی ناپاک گدڑی سے شرم آتی ہے
کہ بہ ہر پارہ دو صد شعبدہ پیراستہ ام
جس کے ہر ٹکڑے کو میں نے دو سو شعبدوں سے آراستہ کیا ہے

خوش بسوز از غمش اے شمع کہ امشب من نیز
اے شمع! اس کے غم میں اچھی طرح جل کیونکہ آج کی رات میں نے بھی
بہمیں کار کمر بستہ و برخاستہ ام
اسی کام پر کمر باندھی ہے، اور اٹھا ہوں

با چنیں حیرتم از دست بشد صرفۂ کار
کام کا فائدہ ایسی حیرت میں میرے ہاتھ سے چلا گیا ہے
در غم افزودہ ام آنچہ از دل و جاں کاستہ ام
جو کچھ میں نے دل اور جان سے گھٹایا ہے غم میں بڑھایا ہے

پاسبانِ حرمِ دل شدہ ام شب ہمہ شب
میں ساری ساری رات دل کے حرم کا چوکیدار بنا ہوں
بو کہ سیرے بکند آں مہِ ناکاستہ ام
ہو سکتا ہے کہ میرا پورا چاند سیر کرنے آ جائے

ہمچو حافظ بخرابات روم جامہ قبا
کپڑوں کو پھاڑ کر حافظ کی طرح میں شراب خانہ میں جاتا ہوں
بو کہ در بر کشد آں دلبرِ نوخاستہ ام
ہو سکتا ہے کہ وہ نوخیز دلبر مجھے بغل میں لے لے

عمریست تا من در طلب ہر روز گامے میزنم
ایک عمر گذر گئی ہے کہ میں ہر روز طلب کے راستہ میں ایک قدم بڑھاتا ہوں
دستِ شفاعت ہر دمے در نیکنامے میزنم
ہر وقت سفارش کا ہاتھ کسی نیک نام تک پہنچاتا ہوں

بے ماہِ مہر افروزِ خود تا بگذرانم روزِ خود
اپنے سورج کو روشن کرنے والے چاند کے بدون کب تک اپنے دن گذار لوں
دامے براہے می نہم مرغے بدامے میزنم
راستہ پر ایک جال بچھاتا ہوں، کسی پرند کو ایک جال میں پھنساتا ہوں

تا بو کہ یابم آگہی زاں سایۂ سروِ سہی
تاکہ ہو سکتا ہے کہ اس سرو سہی کے سایہ کا پتہ لگا لوں
گلبانگِ عشق از ہر طرف بر خوشخرامے میزنم
ہر جانب سے، ہر خوشخرام کو عشق کی آواز دیتا ہوں

ہر چند آں آرامِ دل دانم نہ بخشد کامِ دل
ہر چند کہ یہ جانتا ہوں کہ وہ دل کا آرام دل کا مقصد پورا نہ کریگا
نقشِ خیالی میکشم فالِ دوامے میزنم
خیالی نقش بناتا ہوں، اور ہمیشگی کی فال نکالتا ہوں

اورنگ کو گلچہر کو نقشِ وفا و مہر کو
اورنگ کہاں ہے گلچہر کہاں، وفا اور مہر کا نقش کہاں ہے؟
حالے من اندر عاشقی دادِ تمامے میزنم
اب تو میں عاشقی میں کمال کی داد دیتا ہوں

دانم سر آید قصہ ام چنداں نماند غصہ ام
میں جانتا ہوں، میرا قصہ ختم ہو گا میرا رنج زیادہ دیر نہ رہیگا
زیں آہِ خوں افشاں کہ من ہر صبح و شامے میزنم
اس خون چھڑکنے والی آہ سے جو میں ہر صبح و شام کرتا ہوں

با آنکہ از خود غائبم وز مے چو حافظ تائبم
باوجودیکہ میں اپنے آپ سے غائب ہوں اور شراب سے حافظ کی طرح تائب ہوں
در مجلسِ روحانیاں گہ گاہ جامے میزنم
روحانی لوگوں کی مجلس میں کبھی کبھی ایک پیالہ پی لیتا ہوں

ا۔ یہ ہماری تمام ہنرمندیاں ہیں جس کا ہم اعلان کر رہے ہیں۔
۲۔ گدڑی کپڑوں کے ٹکڑے جوڑ کر بنائی جاتی ہے یعنی گدڑی کے ہر پیوند میں شعبدہ بازی ہے۔
۳۔ دل اور جان جتنی گھٹتی ہے اس کا اسی کے بقدر غم بڑھتا ہے۔
۴۔ قبا ڈھیلی ہوتی ہے جامہ کو قبا بنانا یعنی اس کو چاک کرنا۔
۵۔ محبوب کے وصل کیلئے ہر روز ہم ایک قدم بڑھاتے ہیں اور ہر نیک آدمی سے سفارش کراتے ہیں۔
۶۔ ہر حسین کو عشق کی صدا دیتا ہوں شاید ان میں کہیں میرا معشوق بھی ملجائے۔
۷۔ خیالِ وصل سے فال نکالتا ہوں کہ جب عالمِ خیال میں وصل ہو گیا ہے تو اب حقیقتاً بھی وصل ہو جائیگا۔
۸۔ اورنگ ایک مشہور عاشق اور گلچہر ایک مشہور معشوقہ گذری ہے یعنی اگرچہ اب ان کے قصے ختم ہو گئے ہیں لیکن ہم ان کے عشق و محبت کی تکمیل کر رہے ہیں۔

عشقبازی و جوانی و شراب لعل فام
عشقبازی، اور جوانی، اور لعل جیسی شراب

مجلس انس و حریف ہمدم و شرب مدام
محبت کی مجلس اور ہمدم دوست، اور دائمی شراب نوشی

ساقی شکر دہان و مطرب شیریں سخن
شیریں دہن ساقی، اور شیریں کلام مطرب

ہمنشین نیک کردار و حریف نیکنام
نیک کردار ہمنشیں، اور نیکنام دوست

شاہدے در لطف و پاکی رشک آب زندگی
ایسا معشوق، جو لطافت اور پاکی میں آب حیات کے لئے باعث رشک ہو

دلبرے در حسن و خوبی غیرت ماہ تمام
ایسا دلبر جو حسن و خوبی میں چودھویں کے چاند کیلئے باعث غیرت ہو

بادۂ گلرنگ و تلخ و عذب خوشخوار و سبک
پھول کے رنگ کی شراب جو کڑوی اور شیریں اور خوشگوار اور ہلکی ہو

نقلے از لعل نگار و نقلے از یاقوت جام
ایک نقل محبوب کے ہونٹ کا اور ایک نقل جام کے یاقوت کا

بزمگاہے دلنشیں چوں قصر فردوس بریں
فردوس بریں کے محل کی طرح دلنشین بزم گاہ

گلشنے پیرامنش چوں روضۂ دار السلام
ایسا گلشن، جس کے چاروں طرف جنت جیسے باغیچے ہوں

صف نشیناں نیکخواہ و پیشکاراں با ادب
نیک خواہ صف نشین ہوں، اور باادب خدمت گار ہوں

دوستداراں صاحب سر و حریفاں دوستکام
رازدار دوست ہوں اور مقصد کو دوست رکھنے والے ساتھی ہوں

غمزۂ ساقی بیغمائے خرد آہختہ تیغ
ساقی کی ادا، عقل کی لوٹ مار پر تلوار سونتے ہوئے ہو

زلف دلبر از برائے صید دل گسترده دام
دلبر کی زلف، دل کو شکار کرنے کے لئے جال بچھائے ہو

ہر کہ ایں صحبت بجوید خوشدلی بروے حلال
جو شخص ایسی صحبت چاہے، اس پر خوشدلی حلال ہے

وانکہ ایں عشرت نخواہد زندگی بروے حرام
جو اس قسم کا عیش نہ چاہے اس پر زندگی حرام ہے

نکتہ دانے بذلہ گو چوں حافظ شیریں سخن
نکتہ داں، اور بذلہ گو شیریں سخن حافظ جیسا ہو

بخشش آموز و جہاں افروز چوں حاجی قوام
بخشش آموز، اور جہاں کو روشن کرنے والا حاجی قوام جیسا ہو

عمریست تا براہ غمت رو نہادہ ایم
ایک عمر گذری ہے، جبکہ ہم نے تیرے غم کے راستہ کا رخ کیا ہے

روی و ریائے خلق بیکسو نہادہ ایم
اور ہم نے مخلوق کے دکھاوے اور ریا کو ایک طرف دھر دیا ہے

ہم جاں بداں دو نرگس جادو سپردہ ایم
ہم نے جان کو بھی جادو بھری ان دو آنکھوں کے سپرد کر دیا ہے

ہم دل برآں دو سنبل ہندو نہادہ ایم
ہم نے دل کو بھی اُن دو کالی زلفوں پر رکھ دیا ہے

ما ملک عافیت نہ بلشکر گرفتہ ایم
ہم نے عافیت کے ملک پر لشکر سے قبضہ نہیں کیا ہے

ما تخت سلطنت نہ بباز و نہادہ ایم
ہم نے سلطنت کا تخت قوت بازو سے نہیں بچھایا ہے

در گوشۂ امید چو نظارگان ماہ
امید کے گوشہ میں، چاند دیکھنے والوں کی طرح

چشم طلب برآں خم ابرو نہادہ ایم
ہم نے طلب کی آنکھ کو اس ابرو کے خم پر لگا دیا ہے

بے بوئے زلف تو سر سودائی از ملال
تیری زلف کی خوشبو کے بدون، رنج کی وجہ سے دیوانے سر کو

ہمچوں بنفشہ بر سر زانو نہادہ ایم
بنفشہ کی طرح، ہم نے گھٹنے پر رکھ دیا ہے

ننہادہ ایم بار جہاں بر دل ضعیف
دنیا کا بار ہم نے کمزور دل پر نہیں رکھا ہے

ویں کار و بار بستہ بیکسو نہادہ ایم
اور اس کاروبار کو باندھ کر ہم نے ایک طرف دھر دیا ہے

ــــ

۱ یہ پوری غزل قطع بند ہے اور مضمون مسلسل ہے یعنی ان خوبیوں کی مجلس کا جو شخص خواہشمند نہ ہو اس پر خوشدلی حرام ہے۔
۲ آب زندگی، آب حیات ماہ تمام، چودھویں کا چاند۔
۳ نقل اس چیز کو کہا جاتا ہے جو شراب کے ساتھ کھائی جاتی ہے۔
۴ اس شعر پر آکر غزل کا مضمون مکمل ہوا ہے۔
۵ حاجی قوام، ابواسحاق بادشاہ کا وزیر تھا۔ اس نے خواجہ صاحب کے لئے ایک مدرسہ تعمیر کرایا تھا جس میں خواجہ صاحب فقہ اور تفسیر کا درس دیا کرتے تھے۔
۶ جان آنکھوں کو دیدی ہے دل زلفوں کو، ہندو بمعنی سیاہ مستعمل ہوتا ہے۔
۷ عافیت کا ملک اور اس کی سلطنت کا تخت لشکر اور قوت بازو سے حاصل نہیں ہوتا ہے۔
۸ بنفشہ کے بارے میں یہ تصور ہے کہ وہ رنج میں سر نیچے کو ڈالے ہوئے ہے۔
۹ دنیا کے غموں سے ہم فارغ البال ہیں۔

تا سحرِ چشمِ یار چہ بازی کند کہ باز
دیکھیے! یار کی آنکھ کا جادو کیا کھیل دکھاتا ہے اس لیے کہ پھر

بنیاد بر کرشمۂ جادو نہادہ ایم
ہم نے جادو کے کرشمہ پر بنیاد رکھی ہے

طاقِ[۱] و رواقِ مدرسہ و قیل و قالِ فضل
مدرسہ کا طاق، اور چھت، اور بزرگی کی قیل و قال

زینہا بخاکِ کوئے تو ماروُ نہادہ ایم
ان کو چھوڑ کر ہم نے تیرے کوچہ کی خاک کا رخ کیا ہے

عمرے گذشت و ما با امیدِ اشارتے
ایک عمر گذر گئی ہے اور ہم نے ایک اشارے کی امید پر

چشمے براں دو نرگسِ جادو نہادہ ایم
جادو بھری ان دو آنکھوں پر، آنکھ رکھی ہے

ناموسِ[۲] چند سالۂ اجدادِ نیکنام
نیکنام باپ دادا کی سالہا سال کی آبرو کو

درراہِ جام و ساقیِ مہرو نہادہ ایم
ہم نے جام، اور چاند جیسے چہرے والے ساقی کے راستہ میں رکھ دیا ہے

ہشیار و عاقلیم کہ بر دست و پائے دل
ہم ہوشیار اور عقلمند ہیں کہ دل کے ہاتھ، اور پاؤں پر

زنجیر و بندزاں خمِ گیسو نہادہ ایم
اس زلف کے خم کی زنجیر، اور بیڑی ڈال دی ہے

اے دل بعیش کوش کہ مانقدِ عقل و ہوش
اے دل! عیش کی کوشش کر اسلیے کہ ہم نے عقل اور ہوش کے نقد کو

درراہِ یارِ سلسلہ گیسو نہادہ ایم
دراز گیسو والے یار کی راہ میں، ڈال دیا ہے

فرما اشارتے کہ دو چشمِ امیدوار
کوئی اشارہ کر، اس لیے کہ ہم نے دو امیدوار آنکھوں کو بخشش

پیوستہ بر دو گوشۂ ابرو نہادہ ایم
ابرو کے دونوں گوشوں پر، لگا رکھا ہے

گفتی[۳] کہ حافظا دلِ سرگشتہ ات کجاست
تونے کہا کہ اے حافظ! تیرا دیوانہ دل کہاں ہے؟

درحلقہ ہائے آں خمِ گیسو نہادہ ایم
ہم نے اس خم گیسو کے حلقوں میں رکھدیا ہے

غمِ[۴] زمانہ کہ ہیچش کراں نمی بینم
زمانہ کا غم جس کا میں کوئی کنارہ نہیں دیکھتا ہوں

دواش جز مے چوں ارغواں نمی بینم
میں اسکی دوا، ارغوانی شراب کے سوا نہیں دیکھتا ہوں

نشانِ[۵] مردِ خدا عاشقی ست باخود آئی
مردِ خدا کی پہچان، عاشقی ہے، ہوش میں آ

کہ در مشائخِ شہر ایں نشاں نمی بینم
اس لیے کہ شہر کے بزرگوں میں میں، یہ علامت نہیں دیکھتا ہوں

دریں خمار کسم جرعۂ نمی بخشد
اس خمار میں کوئی مجھے ایک گھونٹ نہیں بخشتا ہے

ببیں کہ اہلِ دلے در جہاں نمی بینم
دیکھ، میں دنیا میں کوئی صاحبِ دل نہیں دیکھتا ہوں

ز آفتابِ قدح ارتفاعِ عیش بگیر
پیالہ کے آفتاب سے، عیش کی بلندی حاصل کر

چرا کہ طالعِ وقت آنچناں نمی بینم
اس لیے کہ وقت کا ستارہ میں ایسا نہیں دیکھتا ہوں

نشانِ[۶] موئے میانش کہ دل دروبستم
اس کی کمر کے بال کا پتہ، جس میں میں نے دل باندھا ہے

زمن مپرس کہ خود درمیاں نمی بینم
مجھ سے نہ پوچھ، اس لیے کہ میں خود اس کو نہیں دیکھتا ہوں

بریں[۷] دو دیدۂ حیرانِ من ہزار افسوس
میری ان دو حیران آنکھوں پر، ہزاروں افسوس ہیں

کہ با دو آئنہ رویش عیاں نمی بینم
کہ دو آئینوں کے ہوتے ہوئے اسکے چہرہ کو صاف نہیں دیکھتا ہوں

قدِ تو تا بشد از جوئبارِ دیدۂ من
میری آنکھ کی نہر سے، جب سے تیرا قد غائب ہوا ہے

بجائے سرو جز آبِ رواں نمی بینم
سرو کی جگہ، سوائے جاری پانی کے میں نہیں دیکھتا ہوں

---

[۱] ظاہری قیل وقال کو ترک کرکے اب ہم کوئے یار کی طرف متوجہ ہوگئے ہیں۔
[۲] ہم نے اپنی نسلی عزت کو جو سالہا سال میں حاصل ہوئی تھی جام و ساقی پر قربان کردیا ہے۔
[۳] پہلے مصرع میں سوال ہے دوسرے مصرع میں اس کا جواب۔
[۴] لاانتہا غم کا علاج سرخ شراب ہی ہے۔
[۵] جس میں عشق نہیں وہ مردِ خدا نہیں ہے، اور اس چیز سے تمام مشائخِ وقت خالی ہیں۔
[۶] محبوب کی کمر کو معدوم فرض کیا جاتا ہے۔
[۷] آنکھ کے دو آئینے موجود ہیں لیکن ہم محبوب کے چہرے کو صاف طور پر نہیں دیکھ سکتے۔

بترک صحبت پیر مغاں نخواہم گفت
پیر مغاں کی صحبت کے ترک کو میں نہ کہوں گا

چرا کہ مصلحت خود در آں نمی بینم
اس لیے کہ اپنی مصلحت میں اس میں نہیں دیکھتا ہوں

من[1] و سفینۂ حافظ کہ جز دریں دریا
میں ہوں اور حافظ کا دیوان، اس لیے کہ اس دریا کے سوا

بضاعت سخن دُر فشاں نمی بینم
موتی برسانے والے کلام کا سرمایہ میں نہیں دیکھتا ہوں

فاش میگویم و از گفتۂ خود دلشادم
کھلم کھلا کہتا ہوں، اور اپنے کہے سے خوش ہوں

بندۂ عشقم و از ہر دو جہاں آزادم
میں عشق کا بندہ ہوں، اور دونوں جہان سے آزاد ہوں

طائر[2] گلشن قدسم چہ دہم شرح فراق
میں پاک باغ کا پرند ہوں، فراق کی تشریح کیا کروں؟

کہ دریں دامگۂ حادثہ چوں افتادم
کہ اس حادثہ کے جال کی جگہ میں کس طرح پھنس گیا ہوں

من ملک بودم و فردوس بریں جایم بود
میں فرشتہ تھا، اور فردوس بریں میرا مقام تھا

آدم[3] آورد دریں دیر خراب آبادم
اس خراب آباد، مندر میں مجھے آدم لے آئے

سایۂ طوبیٰ و دلجوئی حور و لب حوض
طوبیٰ کا سایہ، اور حور کی دل جوئی، اور حوض کا کنارہ

بہوائے سر کوئے تو برفت از یادم
تیرے کوچہ کی محبت میں میری یاد سے نکل گئے

نیست[4] بر لوح دلم جز الف قامت یار
میرے دل کی تختی پر یار کے قد کے الف کے سوا کچھ نہیں

چہ کنم حرف دگر یاد نداد اُستادم
کیا کروں استاد نے، مجھے دوسرا حرف یاد نہیں کرایا

کوکب بخت مرا ہیچ منجّم نشناخت
میرے نصیبہ کے ستارے کو، کوئی نجومی نہ پہچانا

یارب از مادر گیتی بچہ طالع زادم
اے خدا میں دنیا کی ماں سے کس ستارے کے ساتھ پیدا ہوا ہوں!

تا شدم[5] حلقہ بگوش در میخانۂ عشق
جب سے میں عشق کے میخانہ کا حلقہ بگوش بنا ہوں

ہر دم آید غمے از تو بمبارک بادم
ہر وقت تیرا ایک غم مجھے مبارکباد دینے آتا ہے

گر خورد خون دلم مردمک دیدہ رواست
اگر آنکھ کی پتلی میرے دل کا خون پیے تو مناسب ہے

کہ چرا دل بجگر گوشۂ مردم دادم
کہ میں نے کیوں انسان کے جگر گوشہ کو دل دیا ہے؟

پاک کن[6] چہرۂ حافظ بسر زلف ز اشک
زلف سے حافظ کے چہرے کو آنسوؤں سے صاف کرے

ورنہ ایں سیل دمادم بکند بنیادم
ورنہ یہ مسلسل بہاؤ، میری بنیاد اکھاڑ دے گا

فتوئ[7] پیر مغاں دارم و عہدیست قدیم
میرے پاس پیر مغاں کا فتویٰ ہے اور قدیم دستور ہے

کہ حرام ست مے آنرا کہ نہ یارست و ندیم
کہ شراب اس کے لیے حرام ہے جس کا نہ کوئی یار ہو نہ ساتھی

چاک خواہم زدن ایں دلق[8] ریائی چہ کنم
ریا کی اس گدڑی کو پھاڑنا چاہتا ہوں کیا کروں؟

روح را صحبت ناجنس عذابیست الیم
ناجنس کی صحبت روح کے لئے دردناک عذاب ہے

تا مگر[9] جرعہ فشاند لب جاناں بر من
تاکہ شاید معشوق کا ہونٹ مجھ پر ایک گھونٹ چھڑک دے

سالہا زاں شدہ ام بر در میخانہ مقیم
اسی وجہ سے میں سالوں سے میخانہ کے در پر مقیم ہوں

---

[1] حافظ کے دیوان کے علاوہ کوئی دیوان معانی سے پُر نہیں ہے۔

[2] ہمارا تعلق عالم قدس سے تھا ہم اس دنیا میں کیسے پھنسے یہ بتانا مشکل ہے۔

[3] حضرت آدم کی لغزش ہمارے دنیا میں پھنسنے کا سبب بنی ورنہ جنت میں مقیم رہتے۔

[4] محبوب کے قد کو الف سے تشبیہ دی جاتی ہے، عشق کے استاد نے ہمیں حرف الف تک ہی سبق دیا ہے

[5] عشق کا غلام بننے سے ہمیں مصیبتوں نے گھیر لیا ہے۔

[6] اگر حافظ کے آنسو زلف کے ذریعہ تو نہ پوچھے گا وہ روتے روتے اپنے آپ کو تباہ کر لیگا۔

[7] دوست اور شریک مجلس بدون شراب پینا ناجائز ہے۔

[8] ناجنس سے ریا کی گدڑی مراد ہے۔

[9] عرصہ دراز سے ہم شراب خانہ کے دروازے پر اس اُمید سے مقیم ہیں کہ شاید وہ اپنے لب کا ایک گھونٹ ہمیں پلادے۔

مگرش صحبتِ دیرینِ من از یاد برفت — **اے نسیمِ سحری یاد دہش عہدِ قدیم**
شاید، میری پرانی دوستی وہ بھول گیا ہے — اے صبح کی نسیم! اس کو پرانا زمانہ یاد دلادے

بعدِ صد سال اگر بر سرِ خاکم گذری — **سر برآرد ز گلم رقص کناں عظمِ رمیم**
سو سال بعد بھی اگر تو میری خاک پر سے گذرے گا — تو پرانی ہڈی ناچتی ہوئی میری مٹی سے سر نکالے گی

فکرِ بہبودِ خود اے دل زدرِ دیگر کن — **دردِ عاشق نشود بہ زمداوائے حکیم**
اے دل اپنی بھلائی کی فکر دوسرے دروازہ سے کر — عاشق کا درد حکیم کی دوا سے اچھا نہیں ہوتا ہے

گوہرِ معرفت اندوز کہ باخود ببری — **کہ نصیبِ دگرانست نصابِ زر و سیم**
معرفت کے موتی جمع کرتا کہ اپنے ساتھ لیجائے — کیونکہ چاندی اور سونے کی مقدار دوسروں کا حصہ ہے

دام سخت است مگر یار شود لطفِ خدا — **ورنہ آدم نبرد صرفہ ز شیطانِ رجیم**
جال سخت ہے، شاید خدا کی مہربانی یاری کرے — ورنہ انسان، مردود شیطان سے بازی نہیں جیت سکتا

غنچہ گو تنگدل از کارِ فروبستہ مباش — **کز دمِ صبح مدد یابی و انفاسِ نسیم**
غنچہ سے کہدو، بند کام سے تنگدل نہ ہو — اس لئے کہ صبح کے وقت اور نسیم کے جھونکوں سے تو مدد پائیگا

دلبر از ما بصد امید گرفت اول دل — **ظاہراً عہد فرامُش نکند خُلقِ کریم**
معشوق نے پہلے سو امیدیں دلاکر ہم سے دل لے لیا — بظاہر اس کا اچھا اخلاق، عہد کو فراموش نہ کرے گا

حافظ ار سیم و زرت نیست برو شاکر باش
اے حافظ! اگر تیرے پاس سونا چاندی نہیں ہے، جا شاکر رہ
چہ بہ از دولتِ لطفِ سخن و طبعِ سلیم
کلام کی پاکیزگی اور طبع سلیم کی دولت سے بڑھ کر کیا ہوگا

کو فرصتے کہ خدمتِ پیرِ مُغاں کنم — **وز پندِ پیر دولتِ خود را جواں کنم**
موقع کہاں ہے کہ میں پیرِ مغاں کی خدمت کروں — اور بوڑھے کی نصیحت سے اپنے نصیب کو جوان کروں

من سالہا مجاورِ میخانہ بودہ ام — **باقیش ہم بخدمتِ آں آستاں کنم**
میں سالوں سے میخانہ کا مجاور رہا ہوں — باقی عمر بھی، اس چوکھٹ کی خدمت کروں گا

دی شیشہ دید بامن و بشکست مُحتسب — **امروز زیرِ دلقِ ملمع نہاں کنم**
کل محتسب نے میرے پاس بوتل دیکھی اور توڑ دی — آج ملمع کی گدڑی کے نیچے، چھپالوں گا

مُنکر رسید تا شکند شیشہ، شراب — **تدبیرِ امن ازو تو مکن من چناں کنم**
منکر پہونچ گیا تاکہ شراب کی بوتل کو توڑ دے — تو اس سے بچاؤ کی تدبیر نہ کر، میں ویسا ہی کروں گا

شیخم بگوش گفت حرامست مے مخور — **گفتم بچشم ہر چہ تو گوئی ہماں کنم**
شیخ نے میرے کان میں کہا شراب نہ پی، حرام ہے — میں نے کہدیا، بسروچشم، جو تو کہے گا میں وہی کروں گا

حافظ مکن فرار ز جورِ رقیب سگ
اے حافظ رقیب کتے، کے ظلم سے نہ بھاگ
کاندر پناہِ یار ترا در اماں کنم
اس لیے کہ میں یار کی پناہ میں تجھے امن دے دوں گا

---

[1] قدیم دوستی کا خیال کر اور ہمیں ہجر میں مبتلا نہ کر۔
[2] شعر [3] شعر
از سر بالین من برخیز اے نادان طبیب — درد مند عشق را دارو بجز دیدار نیست
[illegible]
[4] معرفت خداوندی ساتھ جائیگی، چاندی سونا دنیا میں پڑا رہجائیگا۔
[5] عاشق کو اپنی ناکامیوں پر دل گرفتہ نہ ہونا چاہیے انجام کار وصل حاصل ہوجائے گا
[6] سالوں سے شرابخانہ کا مجاور ہوں بقیہ زندگی بھی اسی حالت میں کاٹوں گا۔
[7] جیسا کہ پہلے شعر کے دوسرے مصرع میں کہا ہے یعنی گدڑی کے نیچے بوتل چھپالوں گا۔
[8] یعنی جھگڑا ختم کرنے کے لیے میں نے کہدیا کہ آپکے فرمانکی تعمیل کروں گا۔

گرازیںؔ منزلِ غربت بسوئے خانہ روم
اگر اس سفر کی منزل سے، گھر کی طرف جاؤں گا

نذر کردم کہ ہم ازراہ بمیخانہ روم
تو میں نے منّت مانی، کہ راستہ میں سے شرابخانہ جاؤں گا

زیں سفر گر بسلامت بوطن باز رسم
اگر میں اس سفر سے خیریت سے گھر واپس پہونچ جاؤں گا

دگر آنجا کہ روم عاقل و فرزانہ روم
پھر جہاں بھی جاؤں گا، عقلمند اور دانا بن کر جاؤں گا

تا بگویم کہ چہ کشفم شد ازیں سیرِ سلوک
تاکہ بتاؤں کہ اس سلوک کی سیر میں مجھ کو کیا کشف ہوا

برؔ درِ میکدہ با بربط و پیمانہ روم
شراب خانہ کے دروازہ پر سارنگی اور پیالہ لیکر جاؤں گا

آشنایانِ رہِ عشق گرم خوں بخورند
عشق کے راستہ کے دوست، اگر میرا خون بھی پییں

کافرم گر بشکایت برِ بیگانہ روم
میں کافر ہوں، اگر غیر کے پاس شکایت لیکر جاؤں

بعد ازیں دستِ من و زلفِ چو زنجیرِ نگار
اس کے بعد میرا ہاتھ ہوگا اور محبوب کی زنجیر جیسی زلف

تا بکے از پئے کامِ دلِ دیوانہ روم
دیوانے دل کے مقصد کے پیچھے، کب تک دوڑوں

گرؔ ببینم خمِ ابروئے چو محرابش باز
اُس کے محراب جیسے ابرو کے خم کو، اگر میں پھر دیکھوں

سجدۂ شکر کنم در پئے شکرانہ روم
شکر کا سجدہ کروں گا، اور شکرانہ ادا کرنے جاؤں گا

خرم آں دم کہ چو حافظ بتولائے وزیر
وہ وقت مبارک ہوگا کہ وزیر کی دوستی کے بدولت، حافظ کی طرح

سرخوش از میکدہ با دوست بکاشانہ روم
میکدہ سے مست ہوکر، دوست کے ساتھ گھر جاؤں گا

گرچہؔ از آتشِ دل چوں خمِ مے در جوشم
اگرچہ دل کی آگ سے میں شراب کے مٹکے کی طرح جوش میں ہوں

مُہر بر لب زدہ خوں میخورم و خاموشم
ہونٹ پر مہر لگائے ہوں خون پی رہا ہوں اور خاموش ہوں

قصدِؔ جان ست طمع در لبِ جاناں کردن
معشوق کے ہونٹ کی تمنا کرنا، جان کو ہلاک کرنا ہے

تو مرا بیں کہ دریں کار بجاں میکوشم
تو مجھے دیکھ کہ اس کام میں جان سے کوشاں ہوں

من کے آزاد شوم از غمِ دل چوں ہر دم
میں دل کے غم سے کب آزاد ہو سکتا ہوں جبکہ ہر دم،

ہندوِ زلفِ بُتے حلقہ کند در گوشم
کسی معشوق کی کالی زلف، مجھے حلقہ بگوش بناتی ہے

حاشؔ للہ کہ نیم معتقدِ طاعتِ خویش
حاشاللہ، میں اپنی اطاعت کا معتقد نہیں ہوں

ایں قدر ہست کہ گہ گہ قدحے می نوشم
اتنا تو ہے، کہ کبھی کبھی کوئی پیالہ پی لیتا ہوں

ہست اُمیدم کہ علی الرغمِ عدو روزِ جزا
مجھے اُمید ہے کہ دشمن کے علی الرغم، قیامت کے دن

فیضِ عفوش ننہد بارِ گنہ بر دوشم
اسکے عفو کا فیض، گناہ کا بوجھ میرے کندھے پر نہ دھرے گا

پدرمؔ روضۂ رضواں بدو گندم بفروخت
میرے باپ نے بہشت، دو گیہوں میں بیچ ڈالی

ناخلف باشم اگر من بجوے نفروشم
میں ناخلف ہوں گا، اگر ایک جَو میں نہ بیچوں گا

خرقہ پوشیِ من از غایتِ دینداری نیست
میری خرقہ پوشی انتہائی دینداری کی وجہ سے نہیں ہے

پردۂ بر سرِ صد عیبِ نہاں میپوشم
سو چھپے عیبوں پر، ایک پردہ ڈالتا ہوں

منؔ نخواہم کہ بنوشم بجز از راوقِ خم
میں نہیں چاہتا کہ مٹکے کی بہت صاف کی ہوئی شراب پیوں

چہ کنم گر سخن پیرِ مغاں ننیوشم
کیا کروں، پیر مغاں کے کہنے سے پیتا ہوں!

۱ راستہ میں شراب نوشی کرکے گھر پہونچوں گا۔
۲ جب سارنگی اور پیمانہ ہوگا تب وہ مکاشفات بیان کیے جائیں گے۔
۳ ہم ابرو کی محراب میں سجدۂ شکر ادا کرنے کے لیے تیار ہیں۔
۴ دل میں اگرچہ جوش ہے لیکن ہم بالکل خاموش ہیں۔
۵ محبوب کے لب کی تمنا کرنا ہلاکت کو دعوت دینا ہے۔
۶ صرف یہی معمولی سی اطاعت ہے کہ کبھی کبھی قدح نوشی کر لیتا ہوں۔
۷ حضرت آدم گیہوں کی بدولت جنت سے نکلے تو گویا جنت کو گیہوں کے بدلے فروخت کر دیا۔
۸ ہم تو صاف چھنی ہوئی شراب پینا چاہتے ہیں لیکن پیرِ مُغاں کے حکم سے تلچھٹ پیتے ہیں۔

گر ازیں دست زند مطرب مجلس رہِ عشق
اگر مجلس کا مطرب اسی طریقہ پر نغمۂ عشق گائے گا

شعرِ حافظ برد وقتِ سماع از ہوشم
حافظ کے شعر، سماع کے وقت مجھے بیہوش کردیں گے

گرچہ افتاد ز زلفش گرہے در کارم
اگرچہ میرے کام میں اس کی زلف کی وجہ سے گرہ پڑگئی ہے

ہمچناں چشمِ اُمید از کرمش میدارم
ہیں اسی طرح سے اس کے کرم کا امید وار ہوں

بطربؔ حمل مکن سرخیٔ رویم کہ چو جام
میرے چہرے کی سرخی کو خوشی پر محمول نہ کراس لئے کہ جام کی طرح

خونِ دل عکس بروں میدہد از رخسارم
میرے رخساروں سے دل کا خون جھلک رہا ہے

پردۂ مطربم از دست بروں خواہد برد
مطرب کا پردہ، مجھے بے قابو کردے گا

آہ اگر زانکہ درآں پردہ نباشد بارم
افسوس ہوگا، اگر اس پردے میں مجھے باریابی نہ ہوئی

منم آں شاعرِ ساحر کہ ز افسونِ سخن
میں وہ جادو نگار شاعر ہوں کہ کلام کے جادو کی وجہ سے

از نئے کلک ہمہ شہد و شکر میبارم
قلم کی نے سے، تمام تر شہد و شکر برساتا ہوں

بصد امید نہادیم دریں بادیہ پائے
سو امیدوں کے ساتھ، ہم نے اس جنگل میں پیر رکھا ہے

اے دلیلِ دلِ گم گشتہ فرومگذارم
اے گم شدہ دل کے رہبر مجھے چھوڑ نہ دینا

چوں منش در گذرِ بادنمی یارم دید
جب میں اس کو ہوا کی گذرگاہ میں بھی نہیں دیکھ پاتا ہوں

باکہ گویم کہ بگوید سخنے با یارم
تو کس سے کہوں کہ میرے دوست سے کوئی بات کہدے

دیدۂ بخت بافسانۂ او شد در خواب
اس کے افسانہ سے نصیبہ کی آنکھ سوگئی

کو نسیمے ز عنایت کہ کند بیدارم
مہربانی کی نسیم کہاں ہے جو مجھے جگادے

اعلم اللہ کہ خیالے ز تنم بیش نماند
خدا جانتا ہے، میرا بدن ایک خیال سے زیادہ نہیں رہا ہے

بلکہ آں نیز خیالست کہ می پندارم
بلکہ جو کچھ میں سمجھ رہا ہوں، یہ بھی ایک خیال ہے

پاسبانِ حرمِ دل شدہ ام شب ہمہ شب
میں تمام تمام رات دل کے حرم کا چوکیدار بنا رہا ہوں

تا دریں پردہ جز اندیشۂ او نگذارم
تاکہ اس پردے میں اس کے خیال کے سوا کسی کو نہ آنے دوں

دوش میگفت کہ حافظ ہمہ ریست و ریا
کل وہ کہتا تھا کہ حافظ بالکل ڈونگ دکھاوا ہے

بجز از خاکِ درت باکہ بگو رُو آرم
تو بتا کہ تیرے در کی خاک کے سوا، اور میں کس طرف رُخ کروں

گرچہ ما بندگانِ پادشہیم
اگرچہ ہم بادشاہ کے غلام ہیں

پادشاہانِ مُلکِ صبحگہیم
صبح کے وقت کے مُلک کے بادشاہ ہیں

گنج در آستین و کیسہ تہی
خزانہ آستین میں ہے، اور تھیلی خالی ہے

جامِ گیتی نما و خاکِ رہیم
ہم جامِ جہاں نما ہیں، اور راہ کی خاک ہیں

ہوشیارِ حضور و مستِ غرور
ہم حضور کے ہوشیار ہیں اور غرور کے مست ہیں

بحرِ توحید و غرقۂ گنہیم
توحید کے سمندر ہیں، اور گناہ میں غرق ہیں

۱۔ اگرچہ زلف کی بدولت ہمارے تمام کاموں میں گرہیں لگ گئی ہیں لیکن پھر بھی ہم کرم کے امیدوار ہیں۔

۲۔ چہرے کی سرخی کو میری مستی کی وجہ سے نہ سمجھو بلکہ دل کا خون ہے جو رخسار میں جھلک رہا ہے۔

۳۔ میں جادو بیان شاعر ہوں میرے کلام سے شہد و شکر ٹپکتا ہے۔

۴۔ جب اس کو سرِراہ بھی نہیں دیکھ سکتے تو اس تک اپنا پیغام کیسے پہونچائیں۔

۵۔ اس کا افسانہ سنتے سنتے میرا نصیبہ سوگیا اب اس کی عنایت کی نسیم ہی اس کو بیدار کرسکے گی۔

۶۔ اتنا لاغر ہوگیا ہوں کہ میرا جسم محض خیالی ہے اور یہ بھی میرا خیال ہے ورنہ ہوسکتا ہے کہ بالکل معدوم ہوگیا ہو۔

۷۔ صبح کے وقت ہمیں روحانی بادشاہی حاصل ہوتی ہے۔

۸۔ چونکہ ہمیں شہود اور حضور حاصل ہے اس لئے ہم بحرِ توحید ہیں اور چونکہ ہم دنیا میں بھی مست ہیں اس لئے گنہگار ہیں۔

شاہدِ بخت چوں کرشمہ کند
نصیبہ کا معشوق، جب ادا دکھائے
ماش آئینہ رخ چو مہیم
ہم اس کے چاند جیسے چہرے کا آئینہ ہیں

شاہِ بیدار[1] بخت را ہر شب
بیدار بخت، بادشاہ کے لئے ہر شب
مانگہبانِ افسر و کلہیم
ہم تاج، اور کلاہ کے نگہبان ہیں

گو غنیمت شمار صحبتِ ما
کہہ دو، ہماری صحبت کو غنیمت سمجھے
کہ تو در خواب و ما بدید گہیم
کہ تو سویا ہے، اور ہم پہرہ داری کی جگہ میں ہیں

شاہِ[2] منصور واقف ست کہ ما
شاہ منصور واقف ہے کہ ہم
روئے ہمّت بہر کجا کہ نہیم
جس طرف بھی باطنی توجہ کرتے ہیں

دشمناں را زخوں کفن سازیم
دشمنوں کا خون سے کفن تیار کر دیتے ہیں
دوستاں را قبائے فتح دہیم
دوستوں کو فتح کی قبا دیدیتے ہیں

رنگِ[3] تزویر پیشِ ما نبود
دھوکے کا رنگ، ہمارے پیش نظر نہیں ہوتا
شیرِ سرخیم و افعیِ سیہیم
ہم سرخ شیر، اور سیاہ سانپ ہیں

وامِ[4] حافظ بگو کہ باز دہند
کہو کہ حافظ کا قرض ادا کر دیں
کردہ اعتراف و ما گوہیم
تو نے اقرار کیا ہے، اور ہم گواہ ہیں

گر دست دہد خاکِ کفِ پائے نگارم
اگر معشوق کے پیر کی خاک، میرے ہاتھ لگ جائے
بر لوحِ بصر خطِ[5] غباری بنگارم
بینائی کی تختی پر، غباری خط لکھوں

پروانۂ او گر برسد در طلبِ جاں
اگر جان کی طلبی کے لئے، اس کا پروانہ آجائے
چوں شمع ہماندم بدمے جاں بسپارم
شمع کی طرح، اسی وقت ایک دم میں جان دیدوں

گر قلبِ[6] دلم را ننہد دوست عیارے
اگر معشوق، میرے دل کے کھوٹے سکے کو قیمتی نہ سمجھے
من نقدِ رواں در دمش از دیدہ ببارم
فوراً اس کے سامنے چالو سکہ، آنکھوں سے برسا دوں

دامن مفشاں برمنِ خاکی کہ پس از مرگ
مجھ خاکی سے منہ نہ پھیر، اس لیے کہ مرنے کے بعد بھی
زیں در نتواند کہ برد باد غبارم
اس در سے ہوا، میرے غبار کو نہ لیجا سکے گی

از بوئے کنارِ تو شدم غرقۂ امید
تیرے پہلو کی تمنا میں، میں امید میں ڈوب گیا ہوں
از موجِ سرشکم کہ رساند بکنارم
میرے آنسوؤں کی موج سے مجھے کنارے پر کون لگائے گا؟

زلفینِ[7] سیاہِ تو بدلداریِ عشّاق
تیری دو کالی زلفوں نے، عشاق کی دلداری
دادند قرارے و بردند قرارم
کا اقرار کیا، اور میرے قرار کو لے گئیں

امروز مکش سر ز وفائے من و اندیش
آج میری وفا سے، سرکشی نہ کر، اور اندیشہ کر
زاں[8] شب کہ من از غم بدعا دست برآرم
اس رات سے کہ میں غم کی وجہ سے دعا کیلئے ہاتھ اٹھاؤں

اے ساقی ازاں بادہ یکے جرعہ بیاور
اے ساقی اس شراب کا ایک گھونٹ لادے
کاں بوئے شفا میدہد از رنجِ خمارم
جو خمار کے رنج سے، مجھکو شفا کی امید دلادے

[1] شاید بیدار بخت سے مراد شاہ منصور ہے جو کہ شاہ یحییٰ کو شکست دیکر شیراز کا بادشاہ بنا تھا اس بادشاہ کا کئی غزلوں میں خواجہ صاحب نے ذکر کیا ہے۔
[2] یہ شعر قطعہ بند ہے اگلے شعر سے ملکر اس کا مضمون مکمل ہوتا ہے۔
[3] ہم شاہ منصور کے مخلص ہیں ہم دوغلے نہیں ہیں۔
[4] صلہ کا لطیف تقاضا ہے یعنی شاہ خود ہمارے قرض کا اقراری ہے۔
[5] خطِ غبار ایک قسم کی تحریر کا نام ہے جسمیں دوہری لائنوں سے حروف بنائے جاتے ہیں اور ان میں باریک باریک نقطے یا کوئی باریک تحریر بھر دی جاتی ہے۔
[6] اگر ہمارا کھوٹا دل محبوب کو پسند نہیں ہے تو ہم آنسوؤں کا خالص سکہ اس کو دینگے
[7] یعنی تیری زلفوں نے عاشقوں کی دلداری کا وعدہ کیا لیکن میرے دل سے رقابت برتی اور اسکو بیقرار کر دیا۔
[8] مظلوم کی دعا اثر کرتی ہے۔ شعر ہے

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دعا کردن — اجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید

حافظ لبِ لعلش چو مرا جانِ عزیزست
اے حافظ اس کا لعل جیسا ہونٹ جب مجھے جان کی طرح پیارا ہے

عمرے بود آں لحظہ کہ جاں رالبِ آرم
وہ تھوڑا سا وقت ایک عمر ہوگا کہ جان کو ہونٹوں پر لاؤں گا

گر دست رسد در خمِ زلفینِ تو بازم
اگر تیری دو زلفوں کے خم میں میرا ہاتھ پھر پہونچ جائے

چوں گوئے چہ سرہا کہ بچوگانِ تو بازم
بہت سے سر ہوں گے جن سے گیند کی طرح تیرے بلّے سے کھیلوں گا

زلفِ[1] تو مرا عمرِ عزیزست ولے نیست
تیری زلف میری عمرِ عزیز ہے، لیکن نہیں ہے

در دست سرِ موئے ازاں زلفِ درازم
میرے ہاتھ میں اُس دراز زلف کا ایک بال

پروانۂ راحت بدہ اے شمع کہ امشب
اے شمع! راحت کا پروانہ دیدے اس لیے کہ آج کی رات

از آتشِ دل پیشِ تو چوں شمع گدازم
دل کی گرمی سے میں تیرے سامنے شمع کی طرح پگھل رہا ہوں

چوں[2] نیست نمازِ منِ آلودہ نمازے
چونکہ مجھ گنہگار کی نماز، کوئی نماز نہیں ہے

در میکدہ زاں کم نشود سوز و گدازم
اس کی وجہ سے میکدہ میں میرا سوز و گداز کم نہیں ہوتا ہے

در مسجد و میخانہ خیالت اگر آید
مسجد اور میخانہ میں اگر تیرا خیال آئے

محرابِ، و کمانچہ ز دو ابروئے تو سازم
تو تیرے دو ابرو کو کمانچہ اور محراب بناؤں

گر خلوتِ[3] ما را شبے از رخ بفروزی
اگر کسی رات تو، ہماری خلوت کو رخ سے روشن کردے

چوں صبح در آفاقِ جہاں سر بفرازم
میں صبح کی طرح دنیا کے اطراف میں سربلند ہو جاؤں

آندم[4] کہ بیک خندہ دہم جاں چو صراحی
جب صراحی کی طرح میں ایک قہقہہ میں جان دیدوں تو

مستانِ تو خواہم کہ گزارند نمازم
میں چاہتا ہوں کہ تیرے مست میری نماز پڑھیں

محمود[5] بود عاقبتِ کار دریں راہ
اس راہ میں انجام کار، قابلِ تعریف ہوگا

در سر برود در سرِ سودائے ایازم
خواہ ایاز کے عشق میں، میرا سر چلا جائے

حافظ غمِ دل با کہ بگویم کہ دریں دور
اے حافظ دل کا غم کس سے کہوں اس لیے کہ اس زمانہ میں

جز جام نشاید کہ بود محرمِ رازم
جام کے سوا، کوئی اس کے لائق نہیں ہے کہ میرا محرمِ راز بنے

گر من[6] از سرزنشِ مدعیاں اندیشم
اگر رقیبوں کی جھڑکی سے، میں ڈروں

شیوۂ مستی و رندی نرود از پیشم
مجھ سے مستی، اور رندی کا شیوہ پورا نہ ہوگا

زہدِ[7] رندانِ نوآموختہ راہے بدہ است
نوآموز رندوں کا زہد، گاؤں تک پہونچانے والا راستہ ہے

منکہ بدنامِ جہانم چہ صلاح اندیشم
میں جو کہ دنیا میں بدنام ہوں، نیکی کی کیا سوچوں؟

شاہِ شوریدہ سراں خواں منِ بیساماں را
مجھ بے ساماں کو، دیوانوں کا سردار کہہ

زانکہ در کم خردی از ہمہ عالم بیشم
اس لیے کہ کم عقلی میں تمام دنیا سے بڑھا ہوا ہوں

بر جبیں[8] نقش کن از خونِ دلِ من خالے
پیشانی پر میرے خونِ دل کا قشقہ کھینچ

تا بدانند کہ قربانِ تو کافر کیشم
تاکہ لوگ جان جائیں، میں تجھ کافر پر قربان ہوں

---

[1] تیری زلف میری زندگی ہے لیکن اس کا ایک بال بھی میرے ہاتھ میں نہ آیا۔
[2] چونکہ ہماری نماز صحیح نماز نہیں ہے اسلیئے میکدہ میں وہی سوز و گداز پیدا ہوتا ہے۔
[3] اگر کسی شب تو ہمیں دیدار کرادیگا تو ہم صبح کی طرح سربلند ہوجائیں گے۔
[4] صراحی سے جو قُلقُل کی آواز ہوتی ہے وہ اس کا قہقہہ ہے اور اس قہقہہ سے ہی اس کی جان نکلتی ہے یعنی شراب باہر آتی ہے
[5] محمود اور ایاز عشق میں مشہور ہیں لہٰذا دونوں میں لفظی تجنیس ہے۔
[6] جو رقیبوں کا خوف کرے گا مستی اور رندی میں ناقص رہیگا
[7] نوآموز رندوں کے لیے زہد کا راستہ بھی منزلِ مقصود تک پہونچا دینے والا ہے۔
[8] شعر

اعتمادے بنماؤ بگذر بہرِ خدا
بھروسہ ظاہر کر، اور خدا کے لیے درگذر کر
تا بدانی کہ دریں خرقہ چہ نادرویشم
تاکہ تجھے یہ معلوم ہوجائے کہ میں اس گدڑی میں کیسا نادر ولی ہوں

شعرِ خونبارِ من اے دوست بریارِ بخواں
اے دوست میرے خون برسانے والے اشعار اس دوست کے پاس پڑھ
کہ ز مژگانِ سیہ بر رگِ جاں زدنیشم
کیونکہ کالی پلکوں سے اس نے میری شہرگ پر ڈنک مارا ہے

دامن از رشحۂ خونِ دلِ ما درہم چیں
ہمارے دل کے خون کے چھینٹوں سے دامن سمیٹ لے
کہ اثر در تو کند گر بخراشی ریشم
اس لیے کہ تجھ پر بھی اثر کرے گا اگر تو ہمارے زخم کو چھیلے گا

من اگر رندم و گر شیخ چہ کارم باکس
میں خواہ رند ہوں خواہ شیخ، مجھے کسی سے کیا واسطہ
حافظِ رازِ خود و عارفِ وقتِ خویشم
میں اپنے راز کا نگہبان اور زمانہ کا عارف ہوں

ما بر آریم شبے دست و دعائے بکنیم
ہم کسی رات کو ہاتھ اٹھائیں، اور دعا کریں
غمِ ہجرانِ ترا چارہ ز جائے بکنیم
کسی جگہ سے، تیرے ہجر کے غم کا علاج کریں

دلِ بیمار شد از دست رفیقاں مددے
اے دوستو امداد کرو، بیمار دل ہاتھ سے نکل گیا
تا طبیبش بسر آریم و دوائے بکنیم
تاکہ طبیب کو اس کے پاس لائیں، اور کوئی دوا کریں

خشک شد بیخِ طرب راہِ خرابات کجاست
خوشی کی جڑ خشک ہو گئی، خرابات کا راستہ کدھر ہے؟
تا در آں آب و ہوا نشو و نمائے بکنیم
تاکہ اس آب و ہوا میں، اس کی نشو و نما کریں

آنکہ بے جرم برنجید و بہ تیغم زد و رفت
جو بدوں خطا کے رنجیدہ ہوا اور مجھے تلوار سے مارا اور چلا گیا
بازش آرید خدارا کہ صفائے بکنیم
خدا کیلئے اسے دوبارہ لاؤ، تاکہ ہم صلح صفائی کریں

در رہِ نفس کز و سینۂ ما بتکدہ شد
اس نفس کے معاملہ میں جس سے ہمارا سینہ بتخانہ بن گیا ہے
تیرِ آہے بکشائیم و غزائے بکنیم
ہم ایک آہ کا تیر چلائیں، اور جہاد کریں

مدد از خاطرِ رنداں طلب اے دل ورنہ
اے دل رندوں کے دل سے مدد حاصل کر ورنہ
کار صعب ست مبادا کہ خطائے بکنیم
کام سخت ہے، ایسا نہ ہو کہ ہم سے کوئی غلطی ہو جائے

سایۂ طائرِ کم حوصلہ کارے نکند
کم حوصلہ پرند کا سایہ، کوئی مدد نہیں کرتا ہے
طلبِ سایۂ میمونِ ہمائے بکنیم
کسی ہما کے بابرکت سائے کی، ہم طلب کریں

دلم از پردہ بشد حافظِ خوش لہجہ کجاست
ہمارا دل پردے سے باہر آ گیا خوش لہجہ حافظ کہاں ہے؟
تا بقول و غزلش ساز و نوائے بکنیم
تاکہ اس کے قول اور غزل سے ساز و نوا کا بندوبست کریں

ما سرخوشانِ مست دل از دست دادہ ایم
ہم مست سرخوشوں نے ہاتھ سے دل دے دیا ہے
ہمرازِ عشق و ہمنفسِ جامِ بادہ ایم
ہم عشق کے ہم راز، اور شراب کے جام کے ساتھی ہیں

بر ما بسے کمانِ ملامت کشیدہ اند
ہم پر بہت لوگوں نے ملامت کی کمان کھینچی ہے
تا کارِ خود ز ابروئے جاناں کشادہ ایم
جبکہ ہم نے اپنے کام میں معشوق کے ابروئے کشادہ گرہ پیدا کی ہے

۱؎ چونکہ اس کی پلکوں نے شہرگ پر نیش زنی کی ہے لہٰذا میرے خوں بار اشعار اس کو سناؤ تاکہ اس کو احساس ہو۔

۲؎ میں اپنے راز کا نگہبان ہوں اور اپنے وقت کو پہچانتا ہوں۔ مجھے کسی سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

۳؎ خوشی کی جڑ خشک ہوگئی ہے شراب خانہ کی آب و ہوا میں اس کی نشو و نما کرنی چاہیے۔

۴؎ جو معشوق بلا خطا ہمیں قتل کر کے چلا گیا اس کو واپس لے آؤ ہم اس سے صفائی کر لیں گے۔

۵؎ نفس کی خواہشات کی وجہ سے ہمارا سینہ بتکدہ بنا ہوا ہے ہمیں آہ کے تیر سے اس نفس سے جہاد کرنا چاہیے۔

۶؎ کم حوصلہ پرندے مقصد پورا نہ ہوگا ہما کی طلب کرنی چاہیے۔

۷؎ ہمارا دل بے چین ہے حافظ کی غزلوں سے اسے سکون حاصل ہوگا۔

۸؎ ہمیں جب سے معشوق سے تعلق ہوا ہے ہم پر لوگ ملامت کے تیر چلا رہے ہیں۔

اے گل تو دوش جامِ صبوحی کشیدۂ
اے پھول تو نے کل صبح کی شراب کا جام پیا ہے
ما آں شقائقیم کہ باداغ زادہ ایم
ہم ایسے گلِ لالہ ہیں جو داغ کے ساتھ پیدا ہوئے ہیں

پیرِ مُغاں ز توبۂ ما گر ملول شد
پیرِ مُغاں اگر ہماری توبہ سے رنجیدہ ہوا ہے
گو بادہ صاف کن کہ بعذر ایستادہ ایم
کہدو شراب کو چھانے ہم عذر خواہی کے لیے کھڑے ہیں

کار از تو میرود مددے اے دلیلِ راہ
اے راستہ کے رہبر مدد کر، کام تیرے قابو سے نکلا جا رہا ہے
انصاف میدہیم کہ از رہ فتادہ ایم
ہم انصاف سے کہتے ہیں کہ ہم راستہ سے بھٹک گئے ہیں

چوں لالہ مے مبین و قدح درمیانِ کار
ہمارے معاملہ میں لالہ جیسی شراب اور پیالے کو نہ دیکھ
ایں داغ بیں کہ بر دلِ خونیں نہادہ ایم
اس داغ کو دیکھ، جو ہم نے خونی دل پر لگایا ہے

گفتی کہ حافظ ایں ہمہ رنگ و خیال چیست
تو نے کہا اے حافظ! یہ سب رنگ اور خیال کیا ہے
نقشِ غلط مخواں کہ ہماں لوحِ سادہ ایم
غلط نقش نہ پڑھ، ہم اسی طرح سے سادہ تختی ہیں

ما وِردِ سحر بر درِ میخانہ نہادیم
ہم نے صبح کے ورد کو میخانہ کے دروازے پر رکھ دیا ہے
اوقاتِ دعا در رہِ جانانہ نہادیم
دعا کے اوقات کو معشوق کے راستہ میں رکھ دیا ہے

سلطانِ ازل گنجِ غمِ عشق بما داد
ازل کے بادشاہ نے عشق کے غم کا خزانہ ہمیں دیا ہے
تا رُوی دریں منزلِ ویرانہ نہادیم
جب سے ہم نے اس ویران منزل کی طرف رخ کیا ہے

در خرمنِ صد عاقل و زاہد زند آتش
سو عقلمندوں اور زاہدوں کے خرمن میں آگ لگا دیگا
ایں داغ کہ ما بر دلِ دیوانہ نہادیم
یہ داغ، جو ہم نے دیوانے دل پر لگایا ہے

در دل ندہم رہ پس ازیں مہرِ بتاں را
اس کے بعد بتوں کی محبت کو دل میں راستہ نہ دوں گا
مُہرِ لبِ او بر درِ ایں خانہ نہادیم
ہم نے اس گھر کے دروازے پر اس کے ہونٹ کی مہر لگا دی ہے

آں بوسہ کہ زاہد ز پئش داد بما دست
زاہد نے، جس بوسہ کے لئے ہمیں ہاتھ دیا
از روئے صفا بر لبِ جانانہ نہادیم
صفائی کی وجہ سے ہم نے معشوق کے منہ کو دیا

چوں میرود ایں کشتیِ سرگشتہ کہ آخر
چونکہ یہ کشتی ڈگمگاتی چلتی ہے تو آخر کار
جاں در سرِ ایں گوہرِ یکدانہ نہادیم
ہم نے اس دُرِ یکتا کے خیال میں جان لگا دی

المنۃ للہ کہ چو ما بیدل و دیں بود
خدا کا احسان ہے کہ ہماری طرح بے دل اور بے دین تھا
آنرا کہ خرد پرور و فرزانہ نہادیم
جس کو ہم نے عقل پرور اور دانا سمجھا

در خرقہ ازیں بیش منافق نتواں بود
گدڑی میں اس سے زیادہ منافق نہیں ہوا جا سکتا ہے
بنیادش ازیں شیوۂ رندانہ نہادیم
ہم نے اس کی بنیاد اس رندانہ طریقہ سے رکھی ہے

قانع بخیالے ز تو بودیم چو حافظ
ہم حافظ کی طرح تیرے ایک خیال پر قانع تھے
یارب چہ گدا ہمت و شاہانہ نہادیم
اے خدا ہم کیسے گدا ہمت اور شاہانہ طبیعت والے ہیں

---

۱ اگر ہماری توبہ سے پیرِ مُغاں ملول ہے تو ہم توبہ سے معذرت کے لئے حاضر ہیں۔
۲ لالہ کو قدح پرست مانا گیا ہے یعنی ہماری ظاہری شراب نوشی پر نہ جاؤ ہمارے دل کو دیکھو۔
۳ صبح کے ورد اور دعا کے اوقات کو معشوق پر قربان کر دیا ہے۔
۴ ہمارے دل کا داغ سو عقلمندوں کی گدڑی جلا دیگا۔
۵ اب ہمارے دل میں دوسروں کے عشق کی گنجائش نہیں ہے اس کی محبت کی مہر لگ چکی ہے۔
۶ زاہد نے چونکہ صفائی قلب سے ہمیں بوسہ کیلئے ہاتھ دیا ہم نے وہ بوسہ محبوب کے منہ کو دیدیا۔
۷ یعنی عمر کی کشتی ڈگمگا رہی ہے اس لئے مناسب یہی ہے کہ جان جائے تو دُرِ یکتا کے پیچھے جان جائے۔
۸ جو اپنے آپ کو عقلمند اور دانا کہتے ہیں وہ بھی ہماری طرح اس کے عشق میں مبتلا ہیں۔
۹ ہم نے رندی اسی لیے اختیار کر لی ہے کہ گدڑی پہنکر منافقت برتنا اچھی بات نہیں ہے۔

مادریں در نہ پئے حشمت و جاہ آمدہ ایم
ہم اس دروازے پر دولت اور مرتبہ کیلئے نہیں آئے ہیں
از بد حادثہ اینجا بہ پناہ آمدہ ایم
حادثہ کے ہاتھ سے، ہم اس جگہ پناہ لینے آئے ہیں

رہرو منزل عشقیم و ز سر حد عدم
ہم منزل عشق کے مسافر ہیں، اور عدم کی سرحد سے
تا با قلیم وجود ایں ہمہ راہ آمدہ ایم
وجود کے ملک تک، یہ سب راستہ طے کرکے آئے ہیں

سبزۂ خط تو دیدیم و ز بستان بہشت
ہم نے تیرے رخسار کا سبزہ دیکھا اور بہشت کے باغ سے
بطلبگاری ایں مہر گیاہ آمدہ ایم
ہم اس مہر گیاہ کی طلب میں، ہم آئے ہیں

باچنیں گنج کہ شد خازن او روح امیں
ایسے خزانے کے ہوتے ہوئے کہ جس کے خزانچی جبرئیل ہیں
بگدائی بدر خانۂ شاہ آمدہ ایم
ہم بھیک مانگنے، بادشاہ کے گھر کے دروازے پر آئے ہیں

لنگر حلم تو اے کشتی توفیق کجاست
اے توفیق کی کشتی! تیری بردباری کا لنگر کہاں ہے؟
کہ دریں بحر کرم غرق گناہ آمدہ ایم
کہ ہم کرم کے اس سمندر میں گناہ میں ڈوبے ہوئے آئے ہیں

آبرو میرود اے ابر خطا پوش ببار
اے خطا کو چھپانے والے بادل! آبرو جا رہی ہے برس پڑ
کہ بدیوان عمل نامہ سیاہ آمدہ ایم
اس لیے کہ ہم عمل کے دفتر میں سیاہ نامۂ اعمال لیکر آئے ہیں

حافظ ایں خرقۂ پشمینہ بینداز کہ ما
اے حافظ! اس اونی گدڑی کو پھینک دے، اس لئے کہ ہم
از پئے قافلہ با آتش و آہ آمدہ ایم
قافلے کے پیچھے پیچھے آگ، اور آہ لیکر آئے ہیں

ما زیاراں چشم یاری داشتیم
ہم نے دوستوں سے، دوستی کی امید کی
خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم
وہ خود ہی غلط تھا، جو ہم نے سمجھا

تا درخت دوستی کے بر دہد
دیکھو! دوستی کا درخت کب پھل دے؟
حالیا رفتیم و تخمے کاشتیم
فی الحال ہم اگئے ہیں، اور بیج بو آئے ہیں

گفتگو آئین درویشی نبود
باتیں کرنا، درویشی کا طریقہ نہ تھا
ورنہ با تو ماجراہا داشتیم
ورنہ، تجھ سے ہمیں بہت سی باتیں کرنی تھیں

شیوۂ چشمت فریب جنگ داشت
تیری آنکھوں کا شیوہ، لڑائی کا دھوکا رکھتا تھا
ما غلط کردیم و صلح انگاشتیم
ہم نے غلطی کی! اور صلح سمجھ لی

نکتہ بارفت و شکایت کس ندید
نکتہ بازی ہوئی، اور کوئی شکایت نہ سمجھا
جانب حرمت فرو نگذاشتیم
ہم نے، احترام کے پہلو کو نہ چھوڑا

گلبن حسنت نہ خود شد دلفریب
تیرے حسن کی شاخ خود بخود دلفریب نہیں بن گئی ہے
ما دم ہمت برو بگماشتیم
بلکہ ہم نے اس پر، باطنی توجہ کی طاقت لگا دی

چوں نہادی دل بمہر دیگراں
جب تونے، دوسروں کی محبت میں دل لگا دیا
ما امید از وصل تو برداشتیم
ہم نے تجھ سے، وصل کی امید اٹھالی

گفت خود دادی بما دل حافظا
اس نے کہا اے حافظ! تونے ہمیں خود دل دیا
ما محصل بر کسے نگماشتیم
ہم نے کسی پر محصل مقرر نہیں کیا

۱؎ ہم دولت اور مرتبہ کے خواہشمند بنکر نہیں آئے ہیں، حوادث سے پناہ لینے کے لئے آئے ہیں۔

۲؎ مہر گیاہ ایک گھاس ہے جس کی جڑ انسانی شکل کی ہوتی ہے مشہور ہے کہ اگر کوئی شخص اس گھاس کو اپنے پاس رکھ لے تو تمام لوگ اس پر مہربان ہو جاتے ہیں معشوق کے سبزۂ خط کو مہر گیاہ قرار دیا ہے۔

۳؎ جبکہ عشق کی آگ اور آہ ہو، اس کے ساتھ اونی گدڑی مناسب نہیں ہے

۴؎ دوستوں سے دوستی کی امید رکھنا خود ہماری غلطی تھی۔

۵؎ شکایتیں کرنا عشق کے شیوہ کے خلاف تھا ورنہ ہمیں بہت شکایتیں ہیں۔

۶؎ آنکھوں سے دوستی کا اظہار محض ایک جنگی فریب تھا۔

۷؎ میں نے محبوب کے احترام کو ملحوظ رکھا اور اشاروں میں شکایتیں کیں تاکہ کوئی اور نہ سمجھ سکے

۸؎ تونے خود دل دیا ہے ہم نے اپنا کوئی محصل تیرے پاس نہیں بھیجا تھا۔

ما نگوئیم بد و میل بنا حق نکنیم
ہر کسی کو برا نہیں کہتے ہیں اور ناحق کی طرف میلان نہیں کرتے
جامۂ کس سیہ و دلق خود ازرق نکنیم
کسی کے جامہ کو سیاہ اور اپنی گدڑی کو نیلا نہیں بناتے ہیں

رقم مغلطہ بر دفتر دانش نہ کشیم
ہم عقلمندی کی کتاب پر غلطی کا نشان نہیں بناتے ہیں
سر حق باورق شعبدہ ملحق نہ کنیم
حق کے راز کو، شعبدہ بازی کے ورق سے نہیں جوڑتے ہیں

عیب درویش و توانگر بہ کم و بیش بد است
فقیر اور مالدار کو عیب لگانا تھوڑے اور بہت کی وجہ سے بری بات ہے
کار بد مصلحت آنست کہ مطلق نہ کنیم
مناسب تو یہی ہے، کہ ہم برائی کا کام بالکل نہ کریں

خوش برانیم جہاں در نظر راہرواں
رہروؤں کی نگاہ میں دنیا کو ہم اچھی طرح چلاتے ہیں
فکر اسپ سیہ و زین مغرق نہ کنیم
ہم کالے گھوڑے، اور جڑاؤ زین کی فکر نہیں کرتے ہیں

آسماں کشتی ارباب ہنر می شکند
آسمان، ہنرمندوں کی کشتی توڑ دیتا ہے
تکیہ آں بہ کہ بریں بحر معلق نہ کنیم
یہی بہتر ہے کہ ہم، اس معلق سمندر پر بھروسہ نہ کریں

شاہ اگر جرعۂ رنداں نہ بحرمت نوشد
شاہ اگر رندوں کے گھونٹ کو عزت سے نہ پیئے
التفاتے بمئے صاف مروق نہ کنیم
ہم صاف اور چھنی ہوئی شراب کی طرف توجہ نہ دیں

گر بدے گفت حسودے و رفیقے رنجید
اگر کسی حاسد نے کچھ برا کہا، اور کوئی دوست رنجیدہ ہو گیا
گو تو خوش باش کہ ما گوش باحمق نہ کنیم
تو کہہ دو کہ تو خوش رہ ہم احمق کی طرف کان نہیں لگاتے ہیں

حافظ از خصم خطا گفت نگیریم برو
اے حافظ! اگر دشمن نے غلط کہا تو ہم اس کی گرفت نہیں کرتے ہیں
ور بحق گفت جدل با سخن حق نہ کنیم
اور اگر اس نے صحیح کہا ہے تو ہم صحیح بات پر جھگڑا نہیں کرتے ہیں

مرا عہدیست با جاناں کہ تا جاں در بدن دارم
میرا معشوق سے وعدہ ہے کہ جب تک بدن میں جان رکھتا ہوں
ہواداری کویش را چو جان خویشتن دارم
اس کے کوچہ کی محبت کو اپنی جان کی طرح رکھوں گا

صفائے خلوت خاطر ازاں شمع چگل جویم
دل کی خلوت کی صفائی اس چگل کی شمع سے ڈھونڈتا ہوں
فروغ چشم و نور دل ازاں ماہ ختن دارم
آنکھ کی روشنی، اور دل کا نور اس ختن کے چاند سے رکھتا ہوں

بکام و آرزوئے دل چو دارم خلوتے حاصل
جب مجھے دل کے مقصد اور آرزو کے مطابق ایک خلوت حاصل ہے
چہ فکر از خبث بدگویاں میان انجمن دارم
تو انجمن میں برائی کرنے والوں کی خباثت کی کیا فکر کروں؟

شراب خوشگوارم ہست و یار مہرباں ساقی
مجھے خوشگوار شراب حاصل ہے، اور مہربان دوست ساقی ہے
ندارد ہیچکس یارے چنیں یارے کہ من دارم
ایسا دوست کسی کا نہیں ہے، جیسا دوست میں رکھتا ہوں

مرا در خانہ سروے ہست کاندر سایۂ قدش
میرے گھر میں ایسا سرو ہے جس کے قد کے سایہ میں
فراغ از سرو بستانی و شمشاد چمن دارم
مجھے باغ کے سرو، اور چمن کے شمشاد سے بے نیازی ہے

سزد کز خاتم لعلش زنم لاف سلیمانی[9]
اس لعل جیسے ہونٹوں کی انگوٹھی کی وجہ سے اگر میں سلیمان بنجانے کی ڈینگیں ماروں تو مناسب ہے
چو اسم اعظم باشد چہ باک از اہرمن دارم
جب مجھے اسم اعظم حاصل ہو تو مجھے شیطان کا کیا ڈر ہے

خدا را اے رقیب امشب زمانے دیدہ برہم نہ
اے رقیب خدا کے لیے آج کی رات تھوڑی دیر کے لئے سو جا
کہ من با لعل خاموشش نہانی صد سخن دارم
اس لیے کہ مجھے اس کے خاموش ہونٹ سے سینکڑوں باتیں چھپا کر کرنی ہیں

---

۱ حق و باطل کو خلط ملط کرکے اپنی عقلمندی پر ہم دھبہ نہیں لگاتے ہیں۔

۲ خواہ کوئی مالدار ہے یا فقیر، کسی پر بھی عیب لگانا درست نہیں ہے

۳ آسمان کو بحر معلق قرار دیا ہے اس لیے کہ آسمان بھی سمندر کی طرح نیلگون ہے۔

۴ اگر شاہ شراب کی عزت نہ کریگا تو ہم بھی اس سے بے نیازی برتیں گے۔

۵ دشمن اگر غلط بات کہتا ہے تو وہ خود غلط ہے ہمیں لڑنے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر صحیح بات کہتا ہے تو صحیح بات پر جھگڑا مناسب نہیں ہے

۶ چگل، ترکستان کا ایک مشہور حسن خیز شہر ہے ختن، چین کا وہ علاقہ ہے جہاں کے ہرنوں میں نافہ پیدا ہوتا ہے۔

۷ خلوت میں جبکہ دل کا مقصد پورا ہو رہا ہے اگر انجمن میں بدگو برائی کرے تو ہمیں کیا پرواہ ہے

۸ جب سے محبوب کے قد کے سایہ میں آیا ہوں چمن کے سرو اور شمشاد کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔

۹ حضرت سلیمان کی انگشتری پر اسم اعظم کندہ ہوا تھا اسی وجہ سے وہ انسانوں کے علاوہ

گرم صد لشکر از خوبان بقصد دل کمیں سازند
حسینوں کے سو لشکر اگر میرے دل کو لوٹنے کی گھات لگائیں

بحمد اللہ والمنۃ بتے لشکر شکن دارم
خدا کا احسان اور شکر ہے، میں ایک لشکر شکن معشوق رکھتا ہوں

الا اے پیر فرزانہ مکن عیبم ز میخانہ
اے عقلمند پیر! میخانہ کی وجہ سے مجھ پر عیب نہ لگا

کہ من در ترک پیمانہ دل پیماں شکن دارم
اس لیے کہ پیالہ چھوڑنے کے بارے میں عہد شکن دل رکھتا ہوں

چو در گلزار اقبالش خرامانم بحمد اللہ
چونکہ میں اُسکے اقبال کے چمن میں ٹہلتا ہوں خدا کا شکر ہے

نہ میل لالہ و نسرین نہ برگ یاسمن دارم
مجھے لالہ اور نسرین اور یاسمن کے پھول کی خواہش نہیں ہے

بر رندی شہرہ شد حافظ پس از چندیں ورع اما
اس قدر پرہیزگاری کے بعد، حافظ رندی میں مشہور ہو گیا لیکن

چہ غم دارم چو در عالم امین الدین حسن دارم
مجھے کیا غم ہے، جب مجھے دنیا میں امین الدین حسن حاصل ہے

مرحبا طائر فرخ رخ و فرخندہ پیام
اے مبارک رو، مبارک پیام پرندے خوش آمدید

خیر مقدم چہ خبر یار کجا راہ کدام
تیرا آنا مبارک ہو، کیا خبر ہے، یار کہاں ہے، راستہ کونسا ہے

یارب ایں قافلہ را لطف ازل بدرقہ باد
اے خدا! اس قافلہ کی، ازلی مہربانی، نگہبان ہو

کہ ازو خصم بدام آید و معشوق بکام
کہ جس سے دشمن جال میں پھنسے اور دوست مقصد کے مطابق حاصل ہو جائے

ماجرائے من و معشوق مرا پایاں نیست
میرے اور میرے معشوق کے قصہ کی انتہا نہیں ہے

ہر چہ آغاز ندارد نہ پذیرد انجام
جس چیز کی ابتدا نہیں ہے، اُس کی انتہا نہیں ہوتی ہے

چشم خونبار مرا خواب نہ در خور باشد
میری خون برسانے والی آنکھ کے لئے نیند مناسب نہیں ہے

مَنْ لَهُ الْقَتْلُ دَوَاءٌ عَجَباً كَيْفَ يَنَامُ
قتل ہو جانا جس کی دوا ہو، تعجب ہے وہ کیسے سوئے

تو ترحم نکنی بر من بیدل دانم
مجھے معلوم ہے، تو مجھ بے دل پر رحم نہ کرے گا

ذَاكَ دَعْوَايَ وَهَا أَنْتَ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ
یہ میرا دعویٰ ہے، اور تو ہے، اور یہ زمانہ ہے

گل ز حد برد تنعم ز کرم رخ بنمائے
پھول نے حد سے زیادہ مزے اڑا لیے، کرم کر کے چہرہ دکھا

سرو می نازد و خوش نیست خدا را بخرام
سرو ناز کرتا ہے، اور اچھی بات نہیں ہے خدا کیلئے ٹہل

مرغ روحم کہ ہمیں زد ز سر سدرہ صفیر
میری روح کا پرندہ جو سدرہ پر سے چہچہاتا تھا

عاقبت دانۂ خال تو فگندش در دام
انجام کار، تیرے تل کے دانہ نے اس کو جال میں پھنسا دیا

زلف دلدار چو زنار ہمی فرماید
محبوب کی زلف، جب زنار کا حکم دیتی ہے

بروائے شیخ کہ شد بر تنم ایں خرقہ حرام
تو اے شیخ! چلا جا، اس لیے کہ میرے اوپر یہ گدڑی حرام ہو گئی ہے

حافظ ار میل بابروئے تو دارد شاید
حافظ اگر تیری ابرو کی خواہش کرتا ہے، تو مناسب ہے

جائے در گوشۂ محراب کنند اہل کلام
اہل علم، محراب کے گوشہ میں جگہ بنا لیتے ہیں

مرو کہ در غم ہجر تو از جہاں برویم
تو نہ جا، اس لیے کہ تیرے ہجر کے غم میں دنیا سے چل بسیں گے

بیا کہ پیش تو از خویش ہر زماں برویم
تو آجا، تاکہ تیرے سامنے ہر وقت ہم بیخود رہیں

۱۔ میں ایسے محبوب پر فریفتہ ہوا ہوں کہ اب حسینوں کا لشکر میرے دل پر ڈاکہ نہیں ڈال سکتا ہے۔

۲۔ امین الدین حسن، شاہ ابو اسحاق کے دور کے ایک بزرگ ہیں جنکو خواجہ صاحب نے اس دور کی پانچ مشہور شخصیتوں میں گنایا ہے خواجہ صاحب ان کے معتقد تھے۔

۳۔ شعرہ ہے جس شخص کی بیماری کا علاج ہی قتل ہو اسکو سونا مناسب نہیں ہے۔

[illegible]

۴۔ میرا دعویٰ ہے کہ تو کبھی رحم نہ کرے گا تو بھی زندہ ہے اور زمانہ بھی موجود ہے میرا دعویٰ خود ثابت ہو جائے گا۔

۵۔ پھول اور سرو محبوب کے رخ اور قد کے رونما ہو جانے سے ہی شرمائیں گے۔

۶۔ حافظ چونکہ اہل علم میں سے ہے اور وہ گوشہ محراب اختیار کرلیتے ہیں اس لیے حافظ نے محبوب کے ابرو کی محراب اختیار کرلی ہے۔

۷۔ محبوب کی جدائی موت کا سبب، اور موجودگی بیخودی کا سبب ہے۔

سخن بگوئی کہ پیشِ لبِ تو جاں بدہیم
بات کر، تاکہ تیرے ہونٹوں کے سامنے ہم جان دیدیں

رہا مکن کہ دریں حسرت از جہاں برویم[1]
آزاد نہ کر، کہ اسی حسرت میں ہم دنیا سے چل بسیں

روا مدار کہ جاں بر لب ست و ماز جہاں
اس کو مناسب نہ سمجھ، کہ جان ہونٹوں پر ہے اور ہم دنیا سے

ندیدہ کامِ دل از آں لب و دہاں برویم
ان ہونٹوں اور منہ سے دل کا مقصد پورا کئے بغیر چلے جائیں

خوش آں زماں کہ ببینیم بر دہاں لبِ تو
وہ وقت کیا خوب ہوگا، کہ ہم منہ پر تیرے ہونٹ دیکھیں

تو خود بگوئی کہ ما از برت چساں برویم
تو خود بتادے، ہم تیرے پاس سے کس طرح چلے جائیں

گدائے کوئے شمائیم و حاجتے داریم
ہم تیرے کوچہ کے فقیر ہیں، اور ہم ضرورتمند ہیں

روا مدار کہ محروم از آستاں برویم[2]
اس کو جائز نہ سمجھ کہ ہم چوکھٹ سے محروم چلے جائیں

نشانِ وصل بمادہ بہر طریق کہ ہست
ہمیں وصل کی نشان دہی کر، جس راستہ سے بھی ہو

کہ بارے از پئے وصلِ تو بر نشاں برویم
تاکہ اب تیرے وصل کے لئے ہم نشان نشان پر چلے جائیں

مگو کہ حافظ ازیں در برو برائے خدا
خدا کے لئے یہ نہ کہہ، کہ حافظ اس دروازے سے چلاجا

کہ ہرچہ رائے تو باشد جز ایں بر آں برویم[3]
اس لئے کہ اس کے علاوہ جو کچھ تیری رائے ہو ہم اس پر چلیں گے

مزن بر دل ز نوکِ غمزہ تیرم
ادا کی نوک سے، میرے دل پر تیر نہ مار

کہ پیشِ چشمِ بیمارت بمیرم
کیونکہ میں تیری بیمار آنکھ کے سامنے مرجاؤں گا

نصابِ[4] حسن در حدِ کمال ست
حسن کا نصاب، مکمل ہے

زکاتم دہ کہ مسکین و فقیرم
مجھے زکوٰۃ دیدے، اس لیے کہ میں مسکین اور فقیر ہوں

قدح پُر کن کہ من از دولتِ عشق
پیالہ بھردے، اس لیے کہ میں عشق کی دولت کی وجہ سے

جواں بختِ جہانم گرچہ پیرم
دنیا کا جواں بخت ہوں، اگرچہ بوڑھا ہوں

چناں پُر شد فضائے سینہ از دوست[5]
دوست سے سینے کی فضا اس قدر پُر ہوگئی ہے

کہ فکرِ خویش گم شد از ضمیرم
کہ میرے دل سے اپنی فکر گم ہوگئی ہے

مبادا جز حسابِ مطرب و مے[6]
خدا کرے مطرب اور شراب کے حساب کے سوا کچھ نہ ہو

اگر حرفے کشد کلکِ دبیرم
اگر میرے منشی کا قلم، کوئی حرف لکھے

دراں غوغا کہ کس کس را نپرسد[7]
اس شور و غل میں کہ کوئی کسی کو نہ پوچھے گا

من از پیرِ مغاں منت پذیرم
میں اپنے پیرِ مغاں کا شکر گذار ہوں گا

چو طفلاں زاہدا تا کے فریبی
اے زاہد! بچوں کی طرح کب تک مجھے پھسلائے گا

بسیبِ بوستان و شہد و شیرم[8]
باغ کے سیب، اور شہد، اور دودھ سے

من آں مرغم کہ ہر شام و سحرگاہ
میں وہ پرندہ ہوں، کہ ہر شام اور صبح کو

ز بامِ عرش می آید صفیرم
عرش کے بالا خانہ سے میری آواز آتی ہے

قرارے کردہ ام با مے فروشاں
میں نے شراب فروشوں سے عہد کیا ہے

کہ روزِ غم بجز ساغر نگیرم[9]
کہ غم کے دن، ساغر کے سوا کچھ نہ تھاموں گا

---

[1] ہم جاں بلب ہیں ایسا نہ ہو کہ یہ حسرت دل ہی میں لیجائیں۔
[2] ضرورتمند فقیر کو محروم کرنا مناسب نہیں ہوتا ہے۔
[3] دروازے سے چلے جانیکا حکم تو ہمارے لئے ناممکن العمل ہے اس کے علاوہ جو تیرا حکم ہو ہم پورا کرینگے۔
[4] نصاب، مال کی وہ مقدار کہلاتی ہے جس پر زکوٰۃ فرض ہوجاتی ہے۔
[5] سینہ میں اب اس قدر گنجائش نہیں کہ خود ہمیں اپنا بھی خیال آسکے۔
[6] اگر حساب کتاب لکھنے والے میرے اعمالنامہ میں کچھ لکھیں تو خدا کرے شراب اور قوال کے علاوہ کچھ نہ لکھ پائیں۔
[7] جب ایسی پریشانی ہوگی کہ کوئی کسی کا پرسانِ حال نہ ہوگا پیرِ مغاں مجھ پر کرم کرے گا۔
[8] شعر: ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن / دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے
[9] غم کو شراب کا پیالہ ہی مٹا سکتا ہے۔

خوشا آں دم کہ استغنائے مستی — فراغت بخشد از شاہ و وزیرم
وہ وقت کیا خوب ہوگا کہ جب مستی کی بے نیازی — مجھے بادشاہ اور وزیر سے بے نیاز بنا دے گی

فراواں گنج غم در سینہ دارم — اگرچہ مدّعی بیند فقیرم
سینہ میں غم کا بھرپور خزانہ رکھتا ہوں — اگرچہ رقیب مجھے فقیر سمجھتا ہے

من آندم بر گرفتم دل ز حافظ
میں نے اس وقت سے حافظ سے دل ہٹا لیا

کہ ساقی گشت یارِ ناگزیرم
جب سے ساقی میرا جگری دوست بن گیا ہے

مژدۂ وصلِ تو کو کز سرِ جاں برخیزم — طائرِ قدسم و از دامِ جہاں برخیزم
تیرے وصل کی خوشخبری کہاں ہے تاکہ جان سے ہاتھ دھو لوں — میں عالمِ قدس کا پرندہ ہوں، اور دنیا کے جال سے نکل جاؤں

یارب از ابرِ ہدایت برساں بارانے — پیشتر زانکہ چو گردے ز میاں برخیزم
اے خدا ہدایت کے ابر سے بارش برسا دے — اس سے پہلے کہ میں گرد کی طرح درمیان سے اٹھوں

بولائے تو کہ گر بندۂ خویشم خوانی — از سرِ خواجگیِ کون و مکاں برخیزم
تیری محبت کی قسم، اگر تو مجھے اپنا غلام کہہ دے — کون و مکاں کی بادشاہی سے میں دست بردار ہو جاؤں

بر سرِ تربتِ من بے مے و مطرب منشیں — تا ببویت ز لحد رقص کناں برخیزم
میری قبر پر شراب اور مطرب کے بدون نہ بیٹھ — تاکہ تیری خوشبو کی وجہ سے لحد سے رقص کرتا ہوا اٹھ کھڑا ہوں

گرچہ پیرم تو شبے تنگ در آغوشم گیر — تا سحرگہ ز کنارِ تو جواں برخیزم
اگرچہ میں بوڑھا ہوں، تو ایک رات کو مجھے خوب بغل میں دبا لے — تاکہ صبح کو تیری بغل سے جوان اٹھوں

تو مپندار کہ از خاکِ سرِ کوئے تو من — بجفائے فلک و جورِ زماں برخیزم
تو یہ نہ سمجھ، کہ تیرے کوچہ کی خاک سے میں — آسمان کے ظلم سے، اور زمانہ کی زیادتی سے اٹھ کھڑا ہوں گا

برنخیزم ز سرِ کوئے تو تا جاں دارم — ور رسد کار بجاں از سرِ جاں برخیزم
جب تک جان ہے، تیرے کوچہ سے نہ اٹھوں گا — اور اگر معاملہ جان تک بھی پہونچ جائیگا تو جان سے ہاتھ دھو لوں گا

سرو بالا بنما اے بتِ شیریں حرکات
اے میٹھی پیاری اداؤں والے بت! بلند، سرو دکھا

کہ چو حافظ ز سرِ جان و جہاں برخیزم
تاکہ حافظ کی طرح، جان اور دنیا سے ہاتھ دھو لوں

من ترکِ عشقبازی و ساغر نمیکنم — صد بار توبہ کردم و دیگر نمیکنم
میں عشقبازی، اور ساغر کو نہیں چھوڑتا ہوں — سو بار توبہ کر چکا ہوں، اور اب نہیں کروں گا

باغِ بہشت و سایۂ طوبیٰ و قصر و حور — با خاکِ کوئے دوست برابر نمیکنم
بہشت کا باغ، اور طوبیٰ کا سایہ، اور محل اور حور — دوست کے کوچہ کی خاک کے برابر نہیں سمجھتا ہوں

تلقین و درسِ اہلِ نظر یک اشارت ست — کردم اشارتے و مکرّر نمیکنم
اہلِ نظر کے درس کی تعلیم ایک اشارے سے ہے — میں نے ایک اشارہ کر دیا ہے اور مکرر نہیں کروں گا

ا عشق کی مستی دنیاداروں سے بے نیاز کرتی ہے۔
۲ محبوب کا غم بے پایاں خزانہ ہے۔
۳ یہ غزل خواجہ کے لوحِ مزار پر کندہ ہے یعنی اگر تیرے وصل کا مژدہ ملجائے تو اپنی جان قربان کر دوں اس دنیا سے عالمِ قدس کو جو میرا اصل مقام ہے چلا جاؤں۔
۴ اگر تو مجھے اپنا غلام کہدے تو کون و مکاں کی بادشاہی میرے لیے ہیچ ہو جائے۔
۵ تیرا وصل میسر آجائے تو بڑھاپے کے باوجود جوان ہو جاؤں۔
۶ محبوب کا قد دیکھ لوں تو پھر میرے لئے دنیا ہیچ ہے۔
۷ سو بار توبہ کر کے توڑ چکا ہوں اب توبہ نہ کروں گا۔
۸ اہلِ نظر ایک اشارے سے مکمل تعلیم کر دیتے ہیں اہلِ ظاہر دسوں سال پڑھاتے ہیں۔

ہرگز نمی شود ز سرِ خود خبر مرا
مجھے اپنے سر کی بھی خبر نہیں ہوتی ہے
تا در میانِ میکدہ سر بر نمیکنم
جب تک شرابخانہ میں سر نہیں اٹھاتا ہوں

شیخم بطنز گفت حرام ست مے مخور
شیخ نے مجھ سے طنزاً کہا شراب حرام ہے نہ پی
گفتم مگو کہ گوش بہ ہر خر نمیکنم
میں نے کہا نہ کہہ، میں ہر گدھے کی بات نہیں سنا ہوں

پیرِ مُغاں حکایتِ معقول میکند
پیرِ مُغاں، سمجھ میں آنیوالی باتیں کرتا ہے
معذورم ار محالِ تو باور نمیکنم
اگر میں تیری ناممکن بات کا یقین نہیں کرتا ہوں تو میں معذور ہوں

ایں تقویٰ ام بس ست کہ چوں زاہدانِ شہر
میرے لیے اس قدر تقویٰ کافی ہے، کہ شہر کے زاہدوں کی طرح
نازو کرشمہ بر سرِ منبر نمیکنم
منبر پر بیٹھ کر، ناز اور ادا نہیں دکھاتا ہوں

زاہد بطعنہ گفت برو ترکِ عشق کن
زاہد نے طعنہ سے کہا، جا عشق کو چھوڑ
محتاجِ جنگ نیست برادر نمیکنم
بھائی لڑائی کی کوئی ضرورت نہیں، میں نہیں کرتا ہوں

حافظ جنابِ پیرِ مُغاں مامنِ وفاست
اے حافظ! پیرِ مغاں کا دربار، وفا کا مامن ہے
من ترکِ خاک بوسیِ ایں در نمیکنم
میں اس در کی خاک بوسی کو نہیں چھوڑتا ہوں

من دوستدارِ روئے خوش و موئے دلکشم
میں حسین چہرے اور دلکش بالوں کا عاشق ہوں
مدہوشِ چشمِ مست و مے صافِ بیغشم
مست آنکھ، صاف اور خالص شراب سے مدہوش ہوں

در عاشقی گریز نباشد ز سوز و ساز
عاشقی میں، سوز و ساز کے سوا چارہ نہیں
استادہ ام چو شمع مترساں ز آتشم
میں شمع کی طرح کھڑا ہوں، مجھے آگ سے نہ ڈرا

من آدمِ بہشتیم اما دریں سفر
میں تو جنتی آدمی ہوں، مگر اس سفر میں
حالی اسیرِ عشقِ جوانانِ مہوشم
فی الحال چاند جیسے نوجوانوں کی محبت کا قیدی ہوں

بخت ار مدد کند کہ کشم رخت سوئے دوست
نصیبہ اگر مدد کرے کہ میں دوست کے پاس چلا جاؤں
گیسوئے حور گرد فشاند ز مفرشم
تو حوروں کے گیسو میرے فرش کی جگہ کو جھاڑیں گے

شیراز معدنِ لبِ لعل ست و کانِ حسن
شیراز، لعل جیسے ہونٹوں کی معدن اور حسن کی کان ہے
من جوہریِ مُفلس ازاں رو مشوشم
میں مُفلس جوہری، اسی وجہ سے پریشان ہوں

از بسکہ چشمِ مست دریں شہر دیدہ ام
میں نے اس شہر میں بہت سی مست آنکھیں دیکھی ہیں
حقا کہ مے نمیخورم اکنوں و سر خوشم
بیشک میں اب شراب نہیں پیتا ہوں اور مست ہوں

شہریست پُر کرشمہ و خوباں ز شش جہت
ناز و انداز سے بھرا ایک شہر ہے اور ہر طرف حسین ہیں
چیزیم نیست ورنہ خریدارِ ہر ششم
میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے، ورنہ میں چھوں جانب کا خریدار ہوں

گفتی ز سرِ عہدِ ازل نکتۂ بگوئی
تو نے یہ کہا، کہ ازلی عہد کے راز کا کوئی نکتہ بتا
آنگہ بگویمت کہ دو پیمانہ درکشم
جب بتاؤں گا، جب دو پیمانے چڑھا لوں گا

حسنِ عروسِ طبع مرا جلوہ آرزوست
میری طبیعت کی دلہن کے حسن کو رونمائی کی آرزو ہے
آئینہ ندارم ازاں آہ می کشم
میرے پاس کوئی آئینہ نہیں ہے اسی وجہ سے میں آہیں بھرتا ہوں

۱ پیرِ مُغاں کی باتیں معقول ہیں نہ زاہد سمجھ میں نہ آنیوالی باتیں کرتا ہے۔
۲ میں واعظوں کی طرح منبر پر بیٹھ کر ریاکاری نہیں کرتا ہوں میرے لیے یہی پرہیزگاری کافی ہے۔
۳ پیرِ مُغاں کا دربار وفاداروں کا ٹھکانا ہے، لہٰذا میں اس کو نہ چھوڑونگا
۴ عشق میں سوز و ساز ضروری ہے میں جبکہ عشق میں شمع کی طرح جل رہا ہوں اب مجھے آگ سے کیا ڈرایا جا سکتا ہے۔
۵ چونکہ ہم آدم کی اولاد ہیں جو جنت سے آئے تھے لہٰذا ہمیں جنت ہی میں جانا ہے دنیا کی زندگی تو ایک سفر کی حالت ہے اس میں حسینوں سے کچھ عشق کر رہا ہوں۔
۶ جو جوہری ہو اور جوہر کو پہچانتا بھی ہو اور پھر افلاس کی وجہ سے نہ خرید سکے تو بہت پریشان ہوگا۔
۷ بغیر پیے مست آنکھوں کو دیکھ کر مست ہو رہا ہوں۔
۸ مُفلس ہوں ورنہ تو ہر شش جہت کے حسینوں کو خرید لیتا۔
۹ عہدِ ازل کے راز شراب کی مستی ہی میں کھلتے ہیں۔ ۱۰ چونکہ میرے کلام کے قدر دان نہیں ہیں اس لیے آہیں بھرتا ہوں۔

حافظ ز تاب فکرت بیجا صلے بسوخت
حافظ بے نتیجہ فکر کی سوزش سے جل گیا
ساقی کجاست تا زند آبے بر آتشم
ساقی کہاں ہے، تاکہ میری آگ پر کچھ پانی ڈالے

من کہ باشم کہ بر آں خاطرِ عاطر گذرم
میں کون ہوں جو اس معطر خیال میں گذروں
لطفہا میکنی اے خاکِ درت تاجِ سرم
تو مہربانیاں کرتا ہے، اے وہ کہ تیرے در کی خاک میرا تاج ہے

دلبرا بندہ نوازیت کہ آموخت بگو
اے دلبر بتا، تجھے بندہ نوازی کس نے سکھائی ہے
کہ من ایں ظن برقیبانِ تو ہرگز نبرم
میں تیرے رقیبوں پر ہرگز یہ بدگمان نہیں کرتا ہوں

ہمتم بدرقہ راہ کن اے طائرِ قدس
اے عالم قدس کے پرند! باطنی توجہ کو میرا راہبر بنا دے
کہ دراز ست رہِ مقصد و من نو سفرم
کیونکہ مقصد کا راستہ دراز ہے اور میں نیا مسافر ہوں

اے نسیمِ سحری بندگیِ ما برساں
اے صبح کی نسیم! ہماری درخواست پہونچا دے
کہ فراموش مکن وقتِ دعائے سحرم
کہ صبح کی دعا میں، مجھے فراموش نہ کر

خرم آں روز کزیں مرحلہ بربندم رخت
وہ دن بڑا مبارک ہوگا جب میں اس پڑاؤ سے سامان باندھوں گا
در سرِ کوئے تو پرسند رفیقاں خبرم
تیرے کوچہ میں، ساتھی میری خبریں پوچھیں گے

پایۂ نظم بلند ست و جہانگیر بگو
نظم کا مرتبہ بلند، اور جہاں گیر ہے، کہہ دو
تا کند پادشہِ بحر دہاں پُر گہرم
اگر سمندر کا بادشاہ میرے منہ کو موتیوں سے بھردے

راہِ خلوتگہِ خاصم بنما تا پس ازیں
مجھے خاص خلوت گاہ کی راہنمائی کر دے تاکہ اس کے بعد
مے خورم با تو و دیگر غمِ دنیا نخورم
تیرے ساتھ شراب پیوں اور پھر دنیا کا غم نہ کھاؤں

حافظا شاید اگر در طلبِ گوہرِ وصل
اے حافظ مناسب ہے اگر وصل کے موتی کی تلاش میں
دیدہ دریا کنم از اشک و در غوطہ خورم
آنسوؤں سے آنکھ کو دریا بنا دوں، اور اس میں غوطہ لگاؤں

من نہ آں رندم کہ ترکِ شاہد و ساغر کنم
میں وہ رند نہیں ہوں جو معشوق اور ساغر کو چھوڑ دوں
محتسب داند کہ من ایں کارہا کمتر کنم
محتسب جانتا ہے میں یہ کام بہت کم کرتا ہوں

چوں صبا مجموعۂ گل را بآبِ لطف شست
جبکہ صبا نے مہربانی کے پانی سے تمام پھولوں کو دھو دیا ہے
کج دلم خواں گر نظر بر صفحۂ دفتر کنم
مجھے کج دل کہنا اگر میں کتاب کے صفحے پر نظر ڈالوں

لالہ ساغر گیر و نرگس مست و بر ما نامِ فسق
لالہ ساغر تھامنے والا اور نرگس مست، اور ہم پر فسق کا الزام
داوری دارم بسے یا رب کرا داور کنم
اے خدا میری بہت سی شکایتیں ہیں کس کو منصف بناؤں

عشق دُردانہ است و من غواص و دریا میکدہ
عشق موتی ہے، میں غوطہ خور، اور شراب خانہ دریا ہے
سر فرو بردم در آنجا تا کجا سر بر کنم
اس جگہ میں نے غوطہ لگایا ہے دیکھئے، کہاں سر ابھاروں گا

گرچہ گرد آلودِ فقرم شرم باد از ہمتم
اگرچہ میں فقر سے گرد آلود ہوں، مجھے اپنی ہمت سے شرم آنی چاہئے
گر بآبِ چشمۂ خورشید دامن تر کنم
اگر خورشید کے چشمہ کے پانی سے دامن تر کروں

۱؎ میں حقیر اس قابل نہیں ہوں کہ اس کو میرا خیال آئے۔
۲؎ پرانا مسافر ہوتا تو راہبر کے بغیر بھی راستہ طے کر پاتا۔
۳؎ چونکہ میں تیری گلی سے رخصت ہو جاؤں گا میرے ساتھی مجھے تیری گلی میں ڈھونڈتے پھریں گے۔
۴؎ جو نظم میں نے کہی ہے وہ دنیا میں مشہور ہو جائیگی، ایسی حالت میں بادشاہ کو چاہیے کہ موتیوں سے میرا منہ بھردے۔
۵؎ محتسب کو اچھی طرح معلوم ہے کہ میں مسلسل شاہد بازی اور شراب نوشی کرتا ہوں۔
۶؎ اب کتب بینی کا وقت نہیں ہے چمن کی سیر کا وقت ہے۔
۷؎ یعنی باوجود افلاس کے اگر میں دوسروں سے نفع اندوزی کا خیال کروں تو مجھے شرم آنی چاہیے۔

منکه دارم در گدائی گنجِ سلطانی بدست
میں جو کہ فقیری میں شاہی خزانہ ہاتھ میں رکھتا ہوں
کے طمع در گردشِ گردونِ دوں پرور کنم
کمینہ پرور آسمان کی گردش سے کب طمع کر سکتا ہوں!

عاشقاں را گر در آتش می پسندد لطفِ دوست
اگر دوست کی مہربانی، عاشقوں کو آگ میں پسند کرتی ہے
تنگ چشمم گر نظر بر چشمۂ کوثر کنم
اگر میں کوثر کے چشمے پر نظر کروں تو میں تنگ نظر ہوں

عہد و پیمانِ فلک را نیست چنداں اعتبار
آسمان کے عہد و پیمان کا کچھ اعتبار نہیں ہے
عہد با پیمانہ بندم شرط با ساغر کنم
پیمانہ کے ساتھ عہد کروں گا ساغر کے ساتھ شرط باندھوں گا

باز کش یکدم عناں اے ترکِ شہر آشوبِ من
اے شہر کو فتنے میں مبتلا کرنے والے میرے معشوق ذرا لگام کھینچ لے
تا ز اشک و چہرہ راہت پر زر و گوہر کنم
تاکہ چہرے اور آنسوؤں سے تیرے راستہ کو زر و جواہر سے بھر دوں

با وجودِ بینوائی روسیہ بادم چو ماہ
بے سروسامانی کے باوجود میں چاند کی طرح روسیاہ ہو جاؤں
گر قبولِ فیضِ خورشیدِ بلند اختر کنم
اگر میں بلند ستارہ، آفتاب کا فیض قبول کروں

منکہ امروزم بہشتِ نقد حاصل میشود
مجھے جبکہ آج نقد بہشت حاصل ہوتی ہے
وعدۂ فردائے زاہد را چرا باور کنم
زاہد کے کل کے وعدہ پر کیوں یقین کروں!

شیوۂ رندی نہ لائق بود وضعم را ولے
رندی کا طریقہ، میری وضع کے مناسب نہ تھا لیکن
چوں در افتادم چرا اندیشۂ دیگر کنم
اس میں جب پڑ گیا ہوں تو دوسرا خیال کیوں کروں!

دوش لعلت عشوہ ہا میداد عاشق را ولے
تیرا ہونٹ کل عاشق کو فریب دیتا تھا، لیکن
من نہ آنم کز وے ایں افسانہا باور کنم
میں وہ نہیں ہوں کہ اس کی ان افسانوں پر یقین کروں

گوشۂ محرابِ ابروئے تو میخواہم ز بخت
نصیب سے میں تیرے ابرو کی محراب کے گوشہ کا خواستگار ہوں
تا در آنجا ہمچو مجنوں درسِ عشق از بر کنم
تاکہ اس جگہ مجنوں کی طرح عشق کے سبق کو حفظ کروں

وقتِ گل گوئی کہ زاہد شو بچشم و جان و دل
موسم بہار میں تو کہتا ہے، زاہد بن جا! بسر و چشم
میروم تا مشورت با شاہد و ساغر کنم
میں جاتا ہوں تاکہ معشوق اور ساغر سے مشورہ کروں

من کہ عیبِ توبہ کاراں کردہ باشم بارہا
جب کہ میں نے بارہا توبہ کرنیوالوں کو عیب لگایا ہے
توبہ از مے وقتِ گل دیوانہ باشم گر کنم
موسم بہار میں اگر میں توبہ کروں تو میں دیوانہ ہونگا

زہد وقتِ گل چہ سودائے ست حافظ گوش دار
موسم بہار میں زہد، کیسی دیوانگی ہے، حافظ سن
تا اعوذے خوانم و اندیشۂ دیگر کنم
تاکہ میں اعوذ پڑھوں، اور دوسرے خیال میں لگوں

مرا می بینی و دردم زیادت میکنی دردم
تو مجھے دیکھتا ہے، اور فوراً میرے درد میں اضافہ کرتا ہے
ترا می بینم و شوقم زیادت میشود ہر دم
میں تجھے دیکھتا ہوں، اور ہر گھڑی، میرا عشق بڑھتا ہے

بسامانم نمی پرسی نمیدانم چہ سر داری
تو میرے سامان کے بارے میں نہیں پوچھتا ہے، مجھے معلوم نہیں تیرا کیا خیال ہے؟
بدرمانم نمیکوشی نمیدانی مگر دردم
تو میرے علاج میں کوشش نہیں کرتا ہے شاید تو میرے درد سے واقف نہیں ہے

نہ راہست اینکہ بگذاری مرا جاناں و بگریزی
یہ کوئی راستہ نہیں ہے کہ اے محبوب تو مجھے چھوڑ دے اور بھاگ جائے
گذارے آر و بازم پرس تا خاکِ رہت گردم
تشریف لا! اور پھر مجھے پوچھ تاکہ میں تیرے راستہ کی خاک بن جاؤں

---

۱ ہم راضی برضا ہیں اگر دوست ہمیں جہنم میں بھیجنا پسند کرے تو ہم کوثر کی طرف نظر بھر کر بھی نہ دیکھیں گے
۲ چاند کا اپنا ذاتی نور نہیں ہے بلکہ وہ سورج سے روشنی حاصل کرتا ہے چاند کی روسیاہی اس کی چھائیاں ہیں۔
۳ جب مجھے آج دوست کا وصل حاصل ہے تو میں زاہد کے کل کے وعدہ کا کیوں اعتبار کروں۔
۴ تو کل میٹھی میٹھی باتیں کر کے عاشقوں کو فریب دیرہا تھا لیکن میں ان باتوں کو افسانہ سمجھتا ہوں۔
۵ ظاہر ہے کہ معشوق اور ساغر کب توبہ کا مشورہ دیسکتے ہیں اور وہ بھی موسم بہار میں۔
۶ توبہ کرنیوالوں کا عیب توبہ کرنا ہے۔
۷ جب فاسد خیالات آتے ہیں تو اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھ لیا جاتا ہے۔
۸ تو مجھے دیکھتا ہے تو درد میں اضافہ ہوتا ہے میں تجھے دیکھتا ہوں تو عشق بڑھتا ہے۔

ندارم[۱] دستت از دامن بجز در خاک و آندم هم
خاک میں ملجانیکے بغیر، تیرے دامن سے دست بردار نہیں ہوں گا اور اسوقت بھی

چو بر خاکم گذار آری بگیرد دامنت گردم
جب تو میری خاک پر سے گزریگا تو میری خاک تیرا دامن پکڑلے گی

فرو رفت از غم عشقت دمم دم میدهی تا کے
تیرے عشق کے غم سے میرا سانس گھٹ گیا تو کب تک دھوکے دیگا

دمار از من بر آوردی نمیگوئی بر آوردم
تو نے مجھے مارڈالا، نہیں کہتا ہے کہ میں نے مارا

شبے دل را بتاریکی ز زلفت باز می جستم
ایک رات میں تیری زلف کی تاریکی میں دل کو ڈھونڈتا تھا

رخت میدیدم و جامے ز لعلت باز میخوردم
تیرا چہرہ دیکھتا تھا، اور پھر تیرے ہونٹ سے جام پیتا تھا

کشیدم در برت ناگاه و شد در تاب گیسویت
تجھے میں نے اچانک بغل میں لے لیا اور تیرے گیسو بل کھا گئے

نهادم بر لبت لب را و جان و دل فدا کردم
میں نے تیرے ہونٹوں پر ہونٹ رکھدیئے اور جان و دل کو قربان کر دیا

بعزم سبزهٔ صحرا چو میگردی روان بے ما
جنگل کے سبزے کی سیر کے ارادے سے جبکہ تو ہمارے بغیر چلا جاتا ہے

سرشک سرخ میگردد روان از چهرهٔ زردم
میرے زرد چہرے سے سرخ آنسو جاری ہو جاتے ہیں

تو خوش میباش[۲] با حافظ برو گو خصم جان میده
تو حافظ سے خوش رہ، جا دشمن سے کہدے وہ جان دیدے

چو گرمی از تو می بینم چه باک از خصم دم سردم
جب میں تیری جانب سے گرم جوشی دیکھتا ہوں مجھے ٹھنڈے سانسوں والے دشمن کی کیا پرواہ ہے

نماز[۳] شام غریبان چو گریه آغازم
مسافروں کی شام کی نماز کے وقت میں جب رونا شروع کرتا ہوں

بمویه هائے غریبانه قصه پردازم
عجیب و غریب نالوں کے ساتھ، قصہ بیان کرتا ہوں

بیاد[۴] یار و دیار آنچنان بگریم زار
یار اور وطن کی یاد میں میں ایسا زار زار روتا ہوں

کر از جهان ره و رسم سفر بر اندازم
کہ دنیا سے سفر کی راہ و رسم کو اٹھا دوں گا

من از دیار حبیبم نه از بلاد رقیب
میں دوست کے وطن کا ہوں، نہ کہ رقیب کے شہروں کا

مهیمنا[۵] برفیقان خود رسان بازم
اے نگہبان، پھر مجھے اپنے دوستوں کے پاس پہونچا دے

خدائے را مدد ے اے دلیل راه که من
اے راستے کے راہبر، خدا کے لئے کچھ مدد کر، تاکہ میں

بکوئے[۶] میکده دیگر علم بر افرازم
پھر میکدہ کے کوچہ میں، جھنڈا بلند کروں

خرد[۷] ز پیری من کے حساب برگیرد
عقل میرے بڑھاپے کو کب گنتی میں لائے گی

که باز با صنمے طفل عشق می بازم
کیونکہ میں پھر کمسن معشوق کے ساتھ عشق بازی کر رہا ہوں

بجز صبا و شمالم نمی شناسد کس
مجھے، صبا اور شمالی ہوا کے سوا کوئی نہیں پہچانتا ہے

عزیز من که بجز باد نیست همرازم
اے میرے عزیز کیونکہ ہوا کے علاوہ میرا کوئی ہمراز نہیں ہے

هوائے منزل یار آب زندگانی ماست
محبوب کے مکان کی ہوا، ہمارا آب حیات ہے

صبا بیار نسیمے ز خاک شیرازم
اے صبا میرے پاس شیراز کی خاک کی ذراسی ہوا لے آ

سرشکم[۸] آمد و عیبم بگفت روے بروی
میرے آنسو نکل آئے اور منہ در منہ میرا عیب کہدیا

شکایت از که کنم خانگی ست غمازم
میں کس کی شکایت کروں، میرے گھر کا ہی چغلخور ہے

ز چنگ زهره شنیدم که صبحدم میگفت
زہرہ کے چنگ سے میں نے سنا کہ صبح کے وقت کہہ رہی تھی

مرید حافظ خوش لهجه و خوش آوازم
میں خوش لہجہ، خوش آواز، حافظ کی مرید ہوں

---

۱ زندگی میں تیرے دامن سے وابستہ رہوں گا، مرنیکے بعد میری خاک تیرے دامن سے لگی رہے گی۔
۲ جب محبوب راضی ہے تو دشمن کی ناراضی کی کیا پرواہ ہے۔
۳ دنیا کی زندگی مسافرانہ ہے اس زندگی کے مصائب کو نماز میں رو رو کر بیان کرتا ہوں۔
۴ وطن کی یاد میں ایسا روتا ہوں کہ اگر لوگ سن پائیں تو سفر کرنا چھوڑ دیں۔
۵ مہیمن، نگہبان، اللہ کے ناموں میں سے بھی ہے۔
۶ تاکہ میں وطن میں لوٹ کر پھر شرابخانہ میں جھنڈا بلند کروں۔
۷ جبکہ میرا معشوق کمسن ہے تو عقل میرے بڑھاپے کو کس گنتی میں لائیگی۔
۸ آنسو میرے اپنے ہیں انہی نے میری چغلخوری کی اب شکایت کس کے متعلق کروں۔

ہر چند[1] پیر و خستہ دل و ناتواں شدم
ہر چند بوڑھا، اور خستہ دل اور کمزور ہوگیا ہوں

ہرگہ کہ یادِ روئے تو کردم جواں شدم
جس وقت تیرے چہرے کی یاد کرلی جوان ہوگیا

شکرِ خدا کہ ہر چہ طلب کردم از خدا
خدا کا شکر ہے کہ خدا سے میں نے جو بھی طلب کیا

بر منتہائے مطلبِ خود کامراں شدم
اپنے مطلب کے آخیر پر میں کامیاب ہوگیا

در شاہراہِ دولتِ سرمد بتختِ بخت
ہمیشگی کی دولت کے راستہ میں نصیب کے تخت پر

با جامِ مے بکامِ دلِ دوستاں شدم
شراب کے جام کے ساتھ دوستوں کے دل کے منشا کے مطابق پہونچا

ازآں[2] زماں کہ فتنۂ چشمت بما رسید
جب سے تیری آنکھوں کا فتنہ ہمارے پاس آیا ہے

ایمن ز شرِ فتنۂ آخر زماں شدم
آخری زمانہ کے فتنے کے شر سے، میں مطمئن ہوگیا

اے گلبنِ جواں برِ دولت بخور کہ من
اے پھولوں کی جوان شاخ! دولت کا پھل کھا کہ میں

در سایۂ تو بلبلِ باغِ جناں شدم
تیرے سایہ میں جنت کے باغ کا بلبل ہوگیا ہوں

اوّل[3] ز حرفِ لوحِ وجودم خبر نبود
پہلے تو مجھے وجود کی تختی کے ایک حرف کا بھی پتہ نہ تھا

در مکتبِ غمِ تو چنیں نکتہ داں شدم
تیرے غم کے مکتب میں، میں ایسا نکتہ داں ہوگیا ہوں

قسمت[4] حوالتم بخرابات می کند
قسمت، مجھے شراب خانہ کے حوالے کرتی ہے

ہر چند ایں چنیں شدم و آنچناں شدم
ہر چند کہ میں اس طرح ہوا اور اس طرح ہوا

من[5] پیرِ سال و ماہ نیم یار بیوفاست
میں سال اور مہینہ کا بوڑھا نہیں ہوں، دوست بیوفا ہے

برمن چو عمر میگذرد پیر ازآں شدم
میرے پاس سے وہ عمر کی طرح گذر جاتا ہے اسلیے بوڑھا ہوگیا ہوں

آں[6] روز بر دلم درِ معنی کشادہ شد
میرے دل پر معانی کا دروازہ اس دن کھلا

کز ساکنانِ درگہِ پیرِ مغاں شدم
جبکہ میں پیرِ مغاں کی درگاہ کے ساکنوں میں بن گیا

دوشم[7] نوید داد و بشارت کہ حافظا
کل اس نے مجھے خوشخبری اور بشارت دی کہ اے حافظ!

بازآ کہ من بعفوِ گناہت ضماں شدم
واپس آجا، میں تیرے گناہوں کی معافی کا ضامن بن گیا ہوں

ردیفِ نون

اے[8] شام بکوئے ما گذر کن
اے شام! ہمارے کوچہ سے گذر

وے صبح بحالِ ما نظر کن
اور اے صبح! ہمارے حال کو دیکھ

از ظلمتِ[9] شب تنم بفرسود
رات کی تاریکی سے، میرا بدن فرسودہ ہوگیا

یارب شبِ ظلمتم سحر کن
اے خدا! میری اندھیری رات کو صبح کردے

اے بادِ سحر بگوئی با یار
اے بادِ سحر! دوست سے کہدے

خود را بتہِ تیغِ او سپر کن
اپنے آپ کو اس کی تلوار کے نیچے ڈھال بنادے

گر کشتہ شوم بداغِ ہجراں
اگر میں ہجر کے داغ سے مارا جاؤں

بر کشتۂ خویشتن نظر کن
اپنے شہید پر نظر کر

---

[1] عمر کے اعتبار سے بوڑھا ہوں اور خستہ دل بھی ہوں لیکن محبوب کی یاد مجھے جوان بنادیتی ہے۔

[2] چونکہ محبوب کی آنکھوں کا فتنہ ان تمام فتنوں سے بڑھا ہوا ہے جو قیامت کے قریب برپا ہوں گے لہذا آنکھوں کے فتنے میں مبتلا ہوجانیکے بعد اس کا ڈر دل سے نکل گیا۔

[3] عشق نے سربستہ رازوں کا نکتہ داں بنادیا ورنہ ہم جاہل تھے۔

[4] یعنی کتنا ہی زاہد اور پارسا تھا لیکن تقدیر غالب آکر رہی۔

[5] یعنی سالوں اور مہینوں کے حساب سے میں بوڑھا نہیں ہوں ہجر نے بوڑھا بنادیا ہے۔

[6] حقائق اور معارف شراب خانہ میں پہونچکر کھلے۔

[7] پیرِ مغاں نے پکارا اور کہا کہ واپس لوٹ آ گناہوں کی مغفرت کا میں ضامن ہوں۔

[8] شام اور صبح! ہماری حالت پر رحم کر۔

[9] رات کی تاریکی نے جسم گھلا ڈالا، اے خدا اس رات کو صبح کردے۔

[۱] از زلفِ کمانکشش بپرہیز — وز ناوکِ غمزہ اش حذر کن
اس کی کمان کھینچنے والی، زلف سے بچ — اور اس کی ادا کے تیر سے ڈر

اے دل اگرت ہوائے وصل ست — برخیز روان و ترکِ سر کن
اے دل! اگر تجھے وصل کی خواہش ہے — جلد اٹھ، اور سر سے ہاتھ دھولے

چوں یارِ سرِ وفا ندارد — برخیز و ز شہرِ خود سفر کن
چونکہ یار کو وفا کا خیال نہیں ہے — اٹھ، اور اپنے شہر سے چلدے

[۲] حافظ چو نمیرسی بمقصود
اے حافظ! جبکہ تو مقصود تک نہیں پہونچتا ہے

دم درکش و قصہ مختصر کن
چپ رہ، اور قصہ کو مختصر کر

[۳] اے نورِ چشمِ من سخنے ہست گوش کن — تا ساغرت پُر ست بنوشان و نوش کن
اے میری آنکھوں کے نور! ایک بات ہے، سن — جب تک تیرا ساغر بھرا ہے، پلا اور پی

پیراں سخن بتجربہ گفتند گفتمت — ہاں اے پسر کہ پیر شوی پند گوش کن
بوڑھوں نے تجربہ کی بات کہی ہے، میں نے تجھ سے کہدیا — ہاں اے بیٹا! تاکہ تو بوڑھا بنے، نصیحت سن

[۴] بر ہوشمند سلسلہ ننہادہ است عشق — خواہی کہ زلفِ یار کشی ترکِ ہوش کن
عشق نے، عقلمند پر سلسلہ نہیں رکھا ہے — تو چاہتا ہے کہ محبوب کی زلف کھینچے تو ہوش چھوڑدے

تسبیح و خرقہ لذتِ مستی نبخشدت — ہمت دریں عمل طلب از میفروش کن
تسبیح، اور گدڑی تجھے مستی کی لذت نہ بخشے گی — اس کام میں مے فروش سے باطنی توجہ چاہ

[۵] با دوستاں مضائقہ در عمر و مال نیست — صد جاں فدائے یارِ نصیحت نیوش کن
دوستوں کے ساتھ جان و مال سے دریغ نہیں ہے — نصیحت سننے والے دوست پر سو جانیں قربان کردے

[۶] در راہِ عشق وسوسۂ اہرمن بسے ست — ہشدار و گوشِ دل بہ پیامِ سروش کن
عشق کے راستہ میں شیطان کا بہت کچھ اندیشہ ہے — ہوشیار ہوجا، اور غیبی پیغام پر دل کا کان لگا

[۷] برگ و نوا تبہ شد و سازِ طرب نماند — اے چنگ نالہ برکش و اے دف خروش کن
ساز و سامان تباہ ہوگیا، اور مستی کا ساز نہیں رہا — اے چنگ! نالہ کر، اور اے دف! شور کر

ساقی کہ جامت از مئے صافی تہی مباد — چشمِ عنایتے بمنِ دُرد نوش کن
اے ساقی! تیرا جام خالص شراب سے خالی نہ ہو — مجھ تلچھٹ پینے والے کی طرف نظرِ عنایت کر

سرمست در قبائے زر افشاں چو بگذری
زر افشاں قبا میں، مست ہو کر تو جب گذرے

یک بوسہ نذرِ حافظِ پشمینہ پوش کن
کمبل پوش، حافظ کو ایک بوسہ نذر کردے

[۸] افسرِ سلطانِ گل پیدا شد از طرفِ چمن — مقدمش یارب مبارکباد بر سرو و سمن
چمن کی طرف سے، پھول کے بادشاہ کا تاج رونما ہوا — اے خدا! اس کا آنا سرو، اور سمن کو مبارک ہو

---

[۱] زلف کو تیر انداز اور ادا کو تیر قرار دیا ہے۔
[۲] جبکہ وصل کی توقع نہیں ہے تو قصہ گوئی سے کیا فائدہ ہے۔
[۳] یہی بات کہنی ہے کہ جب تک بھی ساغر میں شراب ہے خود بھی پی اور دوسروں کو بھی پلا۔
[۴] عشق، عقل کے ساتھ جمع نہیں ہوتا اگر عشق کرنا ہے تو مدہوشی پیدا کرو۔
[۵] جو مخلص دوست ہیں ان پر جان و مال قربان کر دینا چاہیے۔
[۶] عشق کے معاملہ میں غیبی آواز پر کان رکھنا چاہیے، ورنہ شیطان وساوس ڈالے گا اور انسان گمراہ ہوجائیگا۔
[۷] گویا کہ چنگ اور دف کو اپنی ناتوانی پر نالہ اور نوحہ کرنا چاہیے۔
[۸] یعنی موسم بہار آگیا ہے۔

خوش بجائے خویشتن بود ایں نشستِ خسروی — تا نشیند ہر کسے اکنوں بجائے خویشتن
بادشاہ کا اپنی جگہ پر بیٹھنا، اچھا ہوا — تاکہ ہر شخص اب اپنی جگہ بیٹھ جائے

تا ابد معمور باد ایں خانہ کز خاکِ درش — ہر نفس با بوئے رحماں می وزد بادِ یمن
خدا کرے یہ گھر ہمیشہ آباد رہے، اس لیے کہ اسکے در کی خاک سے — یمن کی ہوا ہر سانس میں رحمان کی خوشبو لیکر چلتی ہے

خاتمِ جم را بشارت دہ بحسنِ خاتمہ — کاسمِ اعظم کرد ازو کوتاہ دستِ اہرمن
جمشید کی انگوٹھی کو حسنِ خاتمہ کی بشارت دیدے — اس لیے کہ اسمِ اعظم نے شیطان کے ہاتھ کو اس سے کوتاہ کردیا ہے

خنگِ چوگانیِ چرخت رام شد در زیرِ زیں — شہسوارا خوش بمیداں آمدی گوئے بزن
آسمان کا چوگانی کا گھوڑا تیری زین کے نیچے رام ہوگیا ہے — اے شہسوار! تو میدان میں خوب آیا، گیند مار

جوئبارِ ملک را آب از سرِ شمشیرِ تست — تو درختِ عدل بنشاں بیخ بدخواہاں بکن
ملک کے چشمہ میں پانی، تیری تلوار کی نوک کی وجہ سے ہے — تو انصاف کا پودا لگا، دشمنوں کی جڑ اکھاڑ

شوکتِ پورِ پشنگ و تیغِ عالمگیرِ او — در ہمہ شہنامہ باشد داستانِ انجمن
پشنگ کے بیٹے کا دبدبہ اور اس کی عالمگیر تلوار — تمام شاہناموں میں انجمن کی داستان ہوگی

بعد ازیں نشگفت اگر با نکہتِ خلقِ خوشت — خیزد از صحرائے ایراں نافۂ مشکِ ختن
کوئی تعجب نہیں ہے اسکے بعد اگر تیرے اچھے اخلاق کی خوشبو کی وجہ سے — ختن کے مشک کا نافہ ایران کے جنگل سے پیدا ہو

گوشہ گیراں انتظارِ جلوۂ خوش میکشند — بر شکن طرفِ کلاہ و برقع از رخ برفکن
گوشہ نشین، اچھے جلوے کا انتظار کر رہے ہیں — ٹوپی کا کنارہ ٹیڑھا کر، اور رخ سے برقع اتار پھینک

اے صبا بر ساقیِ بزمِ اتابک عرضہ دار — تا ازاں جامِ زرافشاں جرعۂ بخشد بمن
اے صبا! اتابک کی مجلس کے ساقی کو پیغام پہونچادے — تاکہ اس زرافشاں جام سے مجھے ایک گھونٹ بخشدے

مشورت با عقل کردم گفت حافظ مے بنوش
میں نے عقل سے مشورہ کیا، اس نے کہا اے حافظ شراب پی

ساقیا مے دہ بقولِ مستشارِ مؤتمن
اے ساقی! با اعتماد مشیر کے قول کے مطابق شراب دیدے

اے خسروِ خوباں نظرے سوئے گدا کن — رحمے بمنِ سوختۂ بے سروپا کن
اے حسینوں کے بادشاہ! فقیر پر ایک نظر کر — مجھ جلے ہوئے، بے سروپا پر رحم کر

دارد دلِ درویش تمنائے نگاہے — زاں چشمِ سیہ مست بیک غمزہ روا کن
فقیر کا دل، ایک نگاہ کا آرزومند ہے — اس مست، کالی آنکھ کی ایک ادا سے حاجت روائی کردے

گر لاف زند ماہ کہ ماند بجمالت — بنمائے رخِ خویش و مہ انگشت نما کن
اگر چاند ڈینگیں مارے کہ تیرے حسن کے مشابہ ہے — اپنا رخ دکھادے، اور چاند پر انگشت نمائی کردے

اے سروِ چماں از چمن و باغ زمانے — بخرام دریں بزم و دو صد جامہ قبا کن
اے سرو خراماں! چمن اور باغ سے تھوڑی دیر کے لئے — اس محفل میں ٹہل، اور سینکڑوں پیرہن چاک کردے

شمع و گل و پروانہ و بلبل ہمہ جمع اند — اے دوست بیا رحم بہ تنہائیِ ما کن
شمع، گل، پروانہ اور بلبل سب جمع ہیں — اے دوست! آجا، ہماری تنہائی پر رحم کر

۱ اگر میرا انجمن آجائے تو پھر سب اپنی اپنی جگہ قرینے سے بیٹھ جاتے ہیں۔
۲ ایک حدیث کا مضمون ہے حضور نے فرمایا مجھے یمن کی طرف سے رحمان کے سانس کی خوشبو آتی ہے۔
۳ تیری تلوار ملک کی آبیاری کررہی ہے تو انصاف کی شجرکاری کر۔
۴ پشنگ، افراسیاب کے باپ کا نام ہے۔ تورکمنی لڑکا شاہ نام شاہی کارناموں کی تاریخ ہوتی ہے۔
۵ تیرے اچھے اخلاق سے ایران کی سرزمین مہک رہی ہے اور اس میں سے مشک ختن کی خوشبو آرہی ہے۔
۶ عقل کا مشورہ بھی ہے کہ شراب نوشی کیجائے۔
۷ اگر چاند برابری کا دعویٰ کرے تو اپنا رخ دکھادے وہ بدنام ہوجائے گا۔
۸ جامہ کو قبا کرنا یعنی اس کو چاک کرنا۔
۹ دوسرے عاشق و معشوق جمع ہیں اور میں عاشقِ مہجور ہوں۔

بادل شدگاں جور و جفا تا بکے آخر — آہنگِ وفا ترکِ جفا بہرِ خدا کن
بے دلوں پر آخر کب تک ظلم و ستم کرے گا! — خدا کے لئے وفا کا ارادہ کر اور جفا چھوڑ دے

مشنو سخنِ دشمنِ بدگوئے خدارا
خدا کے لیے، بدگو دشمن کی بات نہ سن

با حافظِ مسکینِ خود اے دوست وفا کن
اے دوست! اپنے مسکین، حافظ کے ساتھ وفا کر

اے روئے ماہ منظرِ تو نو بہارِ حسن — خال و خطِ تو مرکزِ لطف و مدارِ حسن
اے کہ تیرا چاند جیسا چہرہ، حسن کی نوبہار ہے — تیرا تل اور خط، پاکیزگی کا مرکز اور حسن کا مدار ہے

در چشمِ پر خمارِ تو پنہاں فسونِ سحر — در زلفِ بیقرارِ تو پیدا قرارِ حسن
تیری خمار بھری آنکھوں میں جادو کا منتر پوشیدہ ہے — تیری بے قرار زلف میں حسن کا ٹھکاؤ ظاہر ہے

ماہے نتافت چوں رخت از برجِ خسروی — سروے نخاست چوں قدت از جویبارِ حسن
شاہی برج سے تیرے چہرے جیسا کوئی چاند نہ چمکا — حسن کی نہر سے تیرے قد جیسا کوئی سرو نہیں ابھرا

خرم شد از ملاحتِ تو عہدِ دلبری — فرخ شد از لطافتِ تو روزگارِ حسن
تیری ملاحت سے، دلبری کا زمانہ خوشگوار و خرم ہو گیا — تیری پاکیزگی سے حسن کا زمانہ بابرکت ہو گیا

از دامِ زلف و دانۂ خالِ تو در جہاں — یک مرغِ دل نماند نگشتہ شکارِ حسن
تیری زلف کے جال اور تل کے دانہ سے، دنیا میں — دل کا ایک پرندہ نہیں بچا، جو حسن کا شکار نہ بن گیا ہو

دائم بلطف دایۂ طبع از میانِ جاں — می پرورد بناز ترا در کنارِ حسن
فطرت کی دایہ دل و جان سے، مہربانی کے ساتھ ہمیشہ — تجھے حسن کی گود میں، ناز سے پالتی ہے

گردِ لبت بنفشہ از آں تازہ و تر است — کآبِ حیات میخورد از جویبارِ حسن
تیرے ہونٹوں کے چاروں طرف بنفشہ اس وجہ سے تر و تازہ ہے — کہ حسن کی نہر سے آبِ حیات پی رہا ہے

مثلِ تو گلرخے نتواں یافت در جہاں — در گلشنِ زمانہ تو داری بہارِ حسن
تجھ جیسا پھول جیسے چہرے والا دنیا میں نہ پایا جا سکا — زمانہ کے باغ میں تو حسن کی بہار رکھتا ہے

حافظ طمع برید کہ بیند نظیرِ دوست
حافظ نے یہ لالچ ختم کر دیا کہ دوست کی مثال دیکھے

دیار نیست غیرِ تو اندر دیارِ حسن
حسن کے ملک میں تیرے سوا کوئی آباد نہیں ہے

اے لبت آبِ حیات و اے قدت سروِ چمن — اے رخت خورشیدِ خاور وے خطت مشکِ ختن
اے وہ کہ تیرا ہونٹ آبِ حیات ہے، اور تیرا قد چمن کا سرو ہے — اے وہ کہ تیرا رخ مشرق کا سورج ہے اور تیرا خط ختن کا مشک ہے

ہمچو ابرویت بچشمِ من کم آید ماہِ نو — چوں لبِ لعلت نمیباشد عقیق اندر یمن
کوئی نیا چاند، میری نظر میں تیرے ابرو جیسا نہیں ہے — تیرے لبِ لعل جیسا، یمن میں کوئی عقیق نہ ہوگا

تا رخت دیدہ است گل در باغ اے سروِ رواں — بر تنِ خود چاک میسازد ز خجلت پیرہن
اے چلتے پھرتے سرو! جب سے باغ میں پھول نے تیرا رخسار دیکھا ہے — شرمندگی سے اپنے بدن پر لباس چاک کر رہا ہے

۱؎ آج تک تجھ جیسا حسین رخ اور حسین قد کوئی پیدا نہیں ہوا۔
۲؎ کوئی دل نہیں جو تیری زلف کے دام اور تل کے دانہ میں نہ پھنسا ہو۔
۳؎ قدرت نے تجھے حسن کی گود میں ناز سے پالا ہے۔
۴؎ سبزۂ خط کو بنفشہ اور ہونٹوں کو آبِ حیات کی نہر قرار دیا ہے۔
۵؎ ملکِ حسن کا صرف تو ہی ایک باشندہ ہے۔
۶؎ میری نظر میں ہلال تیری ابرو سے زیادہ خوبصورت نہیں ہے اور تیرے ہونٹوں کے مقابلہ میں یمنی عقیق ہیچ ہے۔

رشتۂ جانِ من ست آں یا مُوئے بُتاں — ذرّۂ خورشید یا دُرجِ دُرست آں یا دہن

وہ میری جان کا دھاگا ہے، یا معشوقوں کا بال ہے — وہ آفتاب کا ذرہ ہے، یا موتیوں کی ڈبیہ یا منہ ہے

بوسہ میخواہم ز تو لب را بدنداں میگزی — میکنی جانم جراحت بارِ دیگر جانِ من

میں تجھ سے بوسہ مانگتا ہوں، تو دانتوں سے ہونٹ کاٹتا ہے — اے میری جان! تو میری جان کو دوبارہ زخمی کرتا ہے

عاشقِ روئے توام اے شاہِ خوبانِ جہاں — ایں حکایت را بدانند آشکارا مرد و زن

اے حسینانِ عالم کے بادشاہ! میں تیرے چہرے کا عاشق ہوں — اس قصہ کو مرد و زن کھلّم کھلا جانتے ہیں

مُرد حافظ در غمت در گردنِ تو خونِ من

تیرے غم میں حافظ مرگیا، میرا خون تیری گردن پر ہے

دادِ من بستاند از تو روزِ محشر ذوالمنن

خدا حشر کے دن تجھ سے میرا بدلہ لے گا

بالا بلند عشوہ گرِ سرو نازِ من — کوتاہ کرد قصۂ زہدِ درازِ من

میرے بلند قد، عشوہ گر، سرو ناز نے — میرے دراز زہد کے قصہ کو مختصر کر دیا

دیدی دلا کہ آخر پیری و زہد و علم — با من چہ کرد دیدۂ معشوقہ بازِ من

اے دل! تو نے دیکھا کہ بڑھاپے اور زہد اور علم کے آخر میں — میری معشوقہ باز آنکھوں نے میرے ساتھ کیا کیا؟

از آبِ دیدہ بر سرِ آتش نشستہ ام — کو فاش کرد در ہمہ آفاق رازِ من

میں آنکھوں کے آنسوؤں سے بیقرار ہوگیا ہوں — اس لیے کہ انھوں نے تمام زمانے میں میرا راز فاش کر دیا

میترسم از خرابیِ ایماں کہ می برد — محرابِ ابروئے تو حضور از نمازِ من

مجھے ایمان کی خرابی کا ڈر ہے، اس لیے کہ لیجاتی ہے — تیری ابرو کی محراب میری نماز سے دل کی لگن کو

مست ست یار و یادِ حریفاں نمیکند — یادش بخیر ساقیِ مسکیں نوازِ من

دوست مست ہے، اور عاشقوں کو یاد نہیں کرتا ہے — میرے مسکین نواز، ساقی کی یاد بخیر ہو

یارب کے آں صبا بوزد کز نسیمِ او — گردد شمامۂ کرمش کارسازِ من

اے خدا! وہ صبا کب چلے گی جس کی نسیم سے؟ — اُس کے کرم کی خوشبو میری کارساز بن جائے

بر خود چو شمع خندہ زناں گریہ میکنم — تا با تو سنگدل چہ کند سوز و سازِ من

میں شمع کی طرح، اپنے اوپر ہنستا ہوا روتا ہوں — دیکھئے، تجھ سنگدل پر میرا سوز و ساز کیا اثر کرتا ہے؟

نقشے برآب میزنم از گریہ حالیا — تا کے شود قرینِ حقیقت مجازِ من

فی الحال تو میں بے نتیجہ روتا ہوں — دیکھئے، میرا مجاز کب حقیقت کے قریب ہوتا ہے؟

محمود درا دمے کہ بآخر رسید عمر — میداد جاں بزاری و میگفت ایازِ من

جس وقت محمود کی عمر آخر پر پہونچی — عاجزی کے ساتھ جان دیرہا تھا اور کہتا تھا "اے میرے ایاز"

گفتم بدلقِ زرق بپوشم نشانِ عشق — غماز بود اشک و عیاں کرد رازِ من

میں نے کہا تھا، مکر کی گدڑی سے عشق کا نشان چھپالوں گا — آنسو چغلخور تھے، اور انہوں نے میرا راز کھولدیا

زاہد ازیں نمازِ تو کارے نمیرود — ہم مستیِ شبانہ و راز و نیازِ من

اے زاہد! تیری اس نماز سے کچھ کام نہیں چلتا — میری رات کی مستی، اور راز و نیاز سے بھی

۱ محبوب کا بال میری جان کا دھاگا ہے، اس کا مُنہ آفتاب کا ذرہ ہے یا موتیوں کی ڈبیہ۔

۲ بوسہ کے سوال پر غصہ میں دانتوں سے ہونٹ کاٹتا ہے جو میری جان ہیں۔

۳ میرے محبوب نے میرا زہد و تقوی ختم کر ڈالا۔

۴ پوری زندگی زہد و علم میں گذاری اب آخر عمر میں عشقباز آنکھوں نے سب کچھ ختم کردیا۔

۵ بر سرِ آتش نشستن، بیقرار ہوجانا۔

۶ نماز میں اگر تیری ابرو کے محراب کا تصور آجاتا ہے تو نماز میں دل نہیں لگتا یہ ایمان کی خرابی کی دلیل ہے۔

۷ شمع کو خنداں اور گریاں مانا جاتا ہے اس کا نور خندہ ہے اور پگھلنا رونا ہے۔

۸ عاشق نزع کے وقت بھی معشوق کو یاد کرتا ہے محمود ایاز ایاز کہتا دنیا سے گیا۔

۹ زہد کی گدڑی میں عشق چھپانا چاہتا تھا لیکن آنسوؤں نے چغلی کھادی۔

۱۰ نہ زاہد کی نماز ۲ موجب وصال بن رہی ہے نہ میری مستی اور راز و نیاز۔

یاراں بناز و نعمت و ما غرقِ محنتیم
دوست ناز و نعمت میں ہیں، اور ہم مصیبت میں ڈوبے ہیں
بارے بساز کارِ من اے کارسازِ من
اے میرے کارساز! اب تو میرا کام بنا دے

حافظ ز غصہ سوخت بگو حالش اے صبا
حافظ رنج سے جل مرا، اے صبا! اس کی حالت بتا دے
باشاہِ دوست پرورِ دشمن گدازِ من
میرے دوست پرور، دشمن سوز، بادشاہ کو

بہارِ گل طرب انگیز گشت و توبہ شکن
پھولوں کی بہار، مستی پیدا کرنے والی، اور توبہ شکن بن گئی ہے
بشادیِ رُخِ گل بیخ غم ز دل برکن
پھول کے رُخ کی خوشی میں، غم کی جڑ دل سے اکھاڑ پھینک

طریقِ صدق بیاموز ز آبِ صاف اے دل[1]
اے دل! صاف پانی سے دل کی سچائی کا طریقہ سیکھ لے
براستی طلب آزادگی ز سروِ چمن
چمن کے سرو سے، سچائی کے ساتھ آزادی طلب کر

رسید بادِ صبا غنچہ از ہواداری
بادِ صبا آپہنچی، محبت میں غنچہ
ز خود برون شد و بر تن درید پیراہن[2]
آپے سے باہر ہو گیا، اور جسم پر پیرہن کو چاک کر ڈالا

زدہ ست بردِ صبا گردِ گل کلالہ ببیں[3]
صبا کی دستبرد سے، گل کے چاروں طرف زلف کو دیکھ
شکنجِ گیسوئے سنبل نگر بروئے سمن
سمن کے چہرے پر، سنبل کے گیسو کے بل دیکھ

عروسِ غنچہ بدیں زیور و تبسمِ خوش
غنچہ کی دلہن اس زیور، اور حسین تبسم کے ذریعہ
معاینہ دل و دیں میبرد بوجہِ حسن
اچھے طریقے پر کھلم کھلا دل اور دین لیے جا رہی ہے

صفیرِ بلبلِ شوریدہ و نفیرِ ہزار[4]
پریشان بلبل کی چہچہاہٹ، اور ہزار داستان کی آواز
برائے وصلِ گل آمد برون قلبِ حزن
غمگین دل سے وصلِ گل کے لئے باہر نکلی ہے

حدیثِ قصۂ دوراں ز جام جو حافظ
اے حافظ زمانہ کے قصے کی بات، جام سے سن
بقولِ مطرب و فتوائے پیرِ صاحبِ فن
مطرب کے قول، اور صاحبِ فن پیر کے فتوے کے مطابق

بفگن بر صفِ رنداں نظرے بہتر ازیں
رندوں کی صف پر، اس سے اچھی نظر ڈال
بر درِ میکدہ می کن گذرے بہتر ازیں
میکدہ کے در پر، اس سے اچھی طرح گذر

در حقِ من لبت آں لطف کہ میفرماید
میرے بارے میں جو مہربانی تیرے ہونٹ کرتے ہیں
گرچہ خوبست و لیکن قدرے بہتر ازیں
اگرچہ اچھی ہے، لیکن ذرا اس سے اور اچھی

آنکہ فکرش گرہ از کارِ جہاں بکشاید
جس کی فکر، دنیا کے کام کی گرہ کھولتی ہے
گو دریں نکتہ بفرما نظرے بہتر ازیں[5]
اس سے کہدو، کہ اس نکتہ میں اس سے بہتر غور و فکر کرے

دل بداں رودِ گرامی چہ کنم گر ندہم
اس معزز لڑکے کو دل نہ دوں، تو کیا کروں
مادرِ دہر ندارد پسرے بہتر ازیں
زمانہ کی ماں کے پاس اس سے بہتر کوئی لڑکا نہیں ہے

ناصحم گفت کہ جز غم چہ ہنر دارد عشق[6]
مجھ سے ناصح نے کہا، غم کے سوا عشق کیا ہنر رکھتا ہے
گفتم اے خواجۂ عاقل ہنرے بہتر ازیں
میں نے کہا: اے عقلمند خواجہ اس سے بہتر ہنر اور کونسا ہے؟

---

[1] صاف پانی اپنے ہر خس و خاشاک کو ظاہر کر دیتا ہے اس لیے صدقِ دل پانی سے سیکھنی چاہیے سرو چمن آزاد ہے اس سے آزادی کا سبق حاصل کرنا چاہیے۔

[2] غنچہ بھی عشق کی وجہ سے اپنی پتیاں کھول دیتا ہے اور باہر نکل آتا ہے۔

[3] ہوا نے گل کے چاروں طرف سنبل کی زلفیں بکھیر دی ہیں۔

[4] ہزار بلبل کی ایک قسم ہے یعنی بلبل و ہزار کا نالہ بھی طلبِ وصل کے لیے ہے۔

[5] عشق کے معاملہ میں زیادہ غور و فکر کی ضرورت ہے۔

[6] ناصح نے طنزاً کہا عشق میں غم کے سوا اور کیا ہے میں نے کہا اس ہنر سے بہتر اور کونسا ہنر ہو سکتا ہے۔

گر بگویم کہ قدح گیر و لبِ ساغر بوس — بشنو اے جاں کہ نگوید دگرے بہتر ازیں
اگر میں کہوں کہ پیالہ تھام، اور ساغر کا ہونٹ چوم — اے جان! سن لے اسلیے کہ کوئی دوسرا اس سے بہتر بات نہیں کہہ سکتا[1]

کلکِ حافظ شکریں شاخِ نباست بچیں
حافظ کا قلم، گنّے کی میٹھی شاخ ہے، چن لے

کہ دریں باغ نہ بینی ثمرے بہتر ازیں
اس لیے کہ اس باغ میں تو اس سے بہتر پھل نہ دیکھے گا

چنداں کہ گفتند غم با طبیباں — درماں نکردند مسکیں غریباں
انھوں نے ہرچند، طبیبوں کو غم بتایا — غریب، مسکین علاج نہ کر سکے[2]

آں گل کہ ہردم در دستِ خارست — گو شرم بادت از عندلیباں
جو پھول، ہر وقت کانٹے کے ہاتھ میں ہے — اس سے کہہ دو! تجھے بلبلوں سے شرم آنی چاہیے[3]

ما دردِ پنہاں با یار گفتیم — نتواں نہفتن درد از طبیباں
ہم نے چھپا ہوا درد دوست سے کہہ دیا — طبیبوں سے درد نہیں چھپایا جاسکتا ہے[4]

یارب اماں دہ تا باز بیند — چشمِ محباں روئے حبیباں
اے خدا! امن دے تاکہ پھر دیکھ لے — دوستوں کی آنکھ، معشوقوں کے چہرے کو

دُرجِ محبت بر مُہرِ خود نیست — یارب مبادا کامِ رقیباں
محبت کی ڈبیہ پر اپنی مہر نہیں ہے[5] — اے خدا! رقیبوں کا مقصد پورا نہ ہو

اے منعم آخر بر خوانِ وصلت — تا چند باشم از بے نصیباں
اے دولتمند! تیرے وصل کے دسترخوان پر آخر — میں کب تک بے نصیبوں میں سے بنا رہوں گا

با آہ و دردم با روئے زردم — مانندِ باراں سر در بیاباں
میں آہ اور درد میں ہوں، زرد چہرے والا ہوں — بارش کی مانند، جنگل میں سرد ھرے ہوں

حافظ نہ گشتی رسوائے گیتی
اے حافظ! تو رسوائے عالم نہ ہوتا

گر می شنیدی پندِ ادیباں
اگر ادب سکھانے والوں کی نصیحت سن لیتا

چو گُل ہردم بہ بویت جامہ بر تن — کنم چاک از گریباں تا بدامن
تیری خوشبو کی وجہ سے، پھول کی طرح ہر وقت بدن پر کپڑے — پھاڑتا ہوں، گریبان سے دامن تک

تنت را دیدہ گُل گوئی کہ در باغ — چو مستاں جامہ را بدرید بر تن
گویا کہ پھول نے تیرے جسم کو دیکھ لیا ہے کیونکہ باغ میں — مستوں کی طرح جسم پر لباس کو چاک کر لیا ہے[6]

من از دستِ غمت مشکل برم جاں — ولے دل را تو آساں بردی از من
میں تیرے غم کے ہاتھ سے مشکل سے جان بچاتا ہوں[7] — لیکن تو آسانی سے مجھ سے دل لے گیا

بقولِ دشمناں برگشتی از دوست — نگردد ہیچکس با دوست دشمن
دشمنوں کے کہنے سے تو دوست سے برگشتہ ہوگیا — کوئی شخص دوست کا دشمن نہیں ہوا کرتا

---

[1] کوئی دوسرا اس سے بہتر نصیحت نہیں کر سکتا
[2] مرضِ عشق کا علاج طبیبوں کے پاس نہیں ہے۔
[3] جو معشوق رقیبوں میں پھنسا ہے اس کو عاشق سے شرم آنی چاہیے۔
[4] کیونکہ میرے مرض کا طبیب معشوق ہی ہے۔
[5] چوں کہ محبوب اپنے اختیار میں نہیں ہے رقیبوں سے خلاملا ہے خدا کرے ان کا مقصد پورا نہ ہو۔
[6] پھول نے اپنے کپڑے تیرے عشق میں پھاڑے ہیں۔
[7] مجھے جان بچانا مشکل ہے تجھے دل لے لینا آسان ہے۔

تنت در جامہ چوں در جام بادہ | دلت[1] در سینہ چوں در سیم آہن
کپڑوں میں تیرا بدن، جیسا کہ جام میں شراب | سینہ میں تیرا دل، جیسا کہ چاندی میں لوہا

ببار اے شمع اشک از دیدہ چوں میغ | کہ سوز دل شود بر خلق روشن
اے شمع! ابر کی طرح آنکھوں سے آنسو بہا | تاکہ لوگوں پر دل کی جلن واضح ہو جائے

مرو کز سینہ ام آہِ جگر سوز[2] | بر آید ہمچو دود از راہِ روزن
نہ جا، اس لیے کہ میرے سینے سے جگر سوز آہ | اس طرح نکلتی ہے جس طرح سوراخ کے راستے سے دھواں

دلم[3] را مشکن و در پا میانداز | کہ دارد در سر زلف تو مسکن
میرا دل نہ توڑ، اور پیروں میں نہ ڈال | اس لیے کہ وہ تیری زلف میں ٹھکانا رکھتا ہے

چو دل را بست در زلفِ تو حافظ
جبکہ حافظ نے دل کو تیری زلف سے وابستہ کر دیا ہے

بدینساں کارِ او در پا میفگن
اس طرح سے اس کے کام کو پیروں میں نہ ڈال

چو[4] شوم خاکِ رہش دامن بیفشاند ز من | ور بگویم دل بگرداں رو بگرداند ز من
جب میں اُس کے راستہ کی خاک بنتا ہوں، مجھ سے دامن جھاڑتا ہے | اور اگر میں کہتا ہوں دل پھیر دے، مجھ سے منہ پھیر لیتا ہے

گر چو شمعش[5] پیش میرم بر غمم خندد چو صبح | ور برنجم خاطرِ نازک برنجاند ز من
اگر شمع کی طرح اسکے سامنے مرتا ہوں، میرے غم پر صبح کی طرح ہنستا ہے | اگر میں رنجیدہ ہوتا ہوں، نازک دل کو مجھ سے رنجیدہ کرلیتا ہے

عارضِ رنگیں بہر کس مینماید ہمچو گل[6] | ور بگویم باز پوشاں باز پوشاند ز من
پھول جیسا رنگین رخسار، سب کو دکھاتا ہے | اور اگر میں کہتا ہوں چھپالے، تو مجھ سے چھپا لیتا ہے

دوستاں[7] جاں دادم از بہرِ دہانش بنگرید | گو بچیزے مختصر چوں باز میماند ز من
اے دوستو! اسکے منہ کے لیے میں نے جان دیدی دیکھو | گو اتنی مختصر چیز کے لیے بھی وہ مجھ سے دریغ کرتا ہے

او بخونم تشنہ و من بر لبش تا چوں شود | کام بستانم از و یا داد[8] بستاند ز من
وہ میرے خون کا پیاسا ہے، میں اسکے ہونٹ کا، دیکھو کیا ہوتا ہے | میں اس سے مقصد حاصل کرتا ہوں یا وہ مجھ سے داد جیتتا ہے

چشمِ خود[9] را گفتم آخر یک نظر سیرش ببیں | گفت میخواہی مگر تا جوئے خوں راند ز من
میں نے اپنی آنکھ سے کہا بالآخر اسکو جی بھر کر ایک نظر دیکھ لے | اُس نے کہا، شاید تو یہ چاہتا ہے وہ مجھ سے خون کی ندی بہادے

گر چو فرہادم بتلخی جاں بر آید حیف نیست | بس حکایتہائے شیریں باز میماند ز من
اگر کڑواہٹ سے فرہاد کی طرح میری جان نکل جائے کوئی افسوس نہیں | بہت سی میٹھی حکایتیں تو میری باقی رہجائیں گی

ختم کن حافظ کہ گر زینگونہ خوانی درسِ عشق
اے حافظ ختم کردے اگر تو عشق کا سبق اسی طرح پڑھتا رہے گا

خلق در ہر گوشہ افسانہ خواند ز من
لوگ ہر گوشہ میں میرا ہی افسانہ پڑھیں گے

خدارا[10] کم نشیں با خرقہ پوشاں | رُخ از رندانِ بیساماں مپوشاں
خدا کے لیے گدڑی پہنے والوں کے ساتھ کم بیٹھ | بے سامان رندوں سے رُخ نہ چھپا

---

[1] سینہ چاندی ہے اور دل لوہا۔
[2] تیرے چلے جانے سے جگر سوز آہیں اس طرح نکلیں گی جیسے سوراخ سے دھواں نکلتا ہے۔
[3] دل کا مسکن جبکہ تیری زلف ہے اس کو پامال نہ کر۔
[4] خاک بنکر بھی دامن پر بیٹھنا نصیب نہیں ہے، دل واپس کرنیکو کہتا ہوں تو دل بھی واپس کرنے پر آمادہ نہیں ہے۔
[5] میں جان دیتا ہوں تو وہ ہنستا ہے میں اظہارِ غم کرتا ہوں تو خفا ہوتا ہے۔
[6] سب کو چہرہ دکھاتا ہے میں منع کرتا ہوں تو مجھ ہی سے منہ چھپا لیتا ہے۔
[7] ہم نے تو اس کو جان دے دی وہ اپنا ذرا سا منہ بھی نہیں دیتا ہے۔
[8] داد ستاندن بازی جیت لینا یعنی وہ میرے خون کا پیاسا ہے اور میں اسکے ہونٹوں کا پیاسا ہوں اب یا تو میرا ہی مقصد حاصل ہو گیا اس کا ہی۔
[9] سوئی نظر نے تو یہ حال کر دیا ہے دل بھر کر دیکھوں گا تو خون کی ندیاں بہنے لگیں گی۔
[10] گدڑی پہنے والے بد باطن ہیں، رند صاف باطن ہیں۔

دریں خرقہ بسے آلودگی ہست
اس گدڑی میں بڑی گندگی ہے
خوشا وقتِ قبائے مے فروشاں
مے فروشوں کی قبا کا وقت اچھا ہے

چو مستم کردہ مستور منشیں
جب تو نے مجھے مست کر دیا ہے، چھپ کر نہ بیٹھ
چو نوشم دادہ زہرم منوشاں[1]
جب تو نے مجھے شہد دیا ہے، تو زہر نہ پلا

تو نازک طبعی و طاقت نیاری
تو نازک طبع ہے، اور برداشت نہ کرے گا
گرانی ہائے مشتے دلق پوشاں
مٹھی بھر گدڑی پہننے والوں کی ناگواری کو

دریں صوفی وشاں دردے ندیدم
ان صوفی نما لوگوں میں، میں نے درد نہیں دیکھا
کہ صافی باد عیشِ دُرد نوشاں
خدا کرے تلچھٹ پینے والوں کا عیش صاف رہے

لبِ[2] میگون و چشمِ مست بکشائی
شراب جیسے ہونٹ، اور مست آنکھ کھول
کہ از شوقت مئے لعل ست جوشاں
کیونکہ تیرے شوق سے سرخ شراب جوش میں ہے

بیا و زرقِ ایں سالوسیاں بیں
آ، اور ان مکاروں کی مکاری دیکھ
صراحی خوں دل و بربط خروشاں[3]
صراحی کا دل خون ہو رہا ہے اور بربط شور کر رہی ہے

تو در خوابی کجا دانی کہ عاشق
تو خواب میں ہے، تجھے کیا معلوم ہے کہ عاشق
بسر در کوئے میگردد خروشاں
سر کے بل کوچہ میں شور کرتا پھر رہا ہے

زدل گرمیِ حافظ پُر حذر باش
حافظ کے دل کی گرمی سے ڈرتا رہ
کہ دارد سینۂ چوں دیگ جوشاں
اس لیے کہ اس کا سینہ دیگ کی طرح جوش مار رہا ہے

بہتر از فکرِ مے و جام چہ خواہد بودن
شراب اور جام کے خیال سے اور کیا بہتر ہوگا؟
تا بہ بینیم سرانجام چہ خواہد بودن
آخر ہم دیکھیں سرانجام کیا ہوگا؟

پیرِ میخانہ چہ خوش گفت معمائے دوش
میخانہ کے پیر نے، کل شب کیا اچھا معمہ بتایا
از خطِ[4] جام کہ فرجام چہ خواہد بودن
جام کے خط سے، کہ انجام کیا ہوگا؟

بادہ خور غم مخور و پندِ مقلد مشنو
شراب پی، غم نہ کر، اور مقلد کی بات نہ سن
اعتبارِ سخنِ[5] عام چہ خواہد بودن
عوام کی بات کا کیا اعتبار ہوگا؟

غمِ دل چند تواں خورد کہ ایام نماند
دل کا غم کب تک کھایا جائے، کہ زمانہ نہیں رہا
گو نہ دل باش و نہ ایام چہ خواہد بودن
کہہ دو، نہ دل رہے، نہ زمانہ کیا رہے گا؟

مرغِ کم حوصلہ را گو سرِ خود گیر و برو
کم حوصلہ پرند کو کہہ دو جائے، اپنا کام کرے
رحمِ[6] آنکس کہ نہد دام چہ خواہد بودن
جو شخص جال بچھائے، اس کا رحم کیا ہوگا؟

دستِ رنج تو ہماں بہ کہ شود صرف بکام
تیری وہ تکلیف بہتر ہے جو مقصد میں صرف ہو
تا بہ بینم کہ بنا کام چہ خواہد بودن
دیکھیے! ناکام کا کیا ہوگا

بُردم از رہ دلِ حافظ بدف و چنگ و غزل
دف، اور چنگ، اور غزل کے ذریعہ میں نے حافظ کے دل کو راستہ سے ہٹایا
تا جزائے منِ بدنام چہ خواہد بودن
دیکھیے! مجھ بدنام کی کیا سزا ہوگی؟

---

[1] جبکہ دیدار کا شہد پلایا ہے فراق کا زہر نہ دے۔
[2] تیرے ہونٹوں کی سرخی اور آنکھوں کی مستی کو دیکھ کر شراب جوش میں آ رہی ہے۔
[3] صراحی میں شراب نہیں ہے بلکہ صراحی کے دل کا خون ہے جو کہ زاہدوں کی مکاریوں کو دیکھ کر ہو رہا ہے، اور بربط بھی اسی کی فریادی ہے۔
[4] خطِ جام سے مراد وہ نشان ہوتا ہے جو مقدار متعین کرنے کے لیے لگا دیا جاتا ہے یعنی پیر نے جام کے خط سے یہ معمہ پڑھا ہے کہ دیکھو انجام کیا ہوتا ہے۔
[5] مقلد عوام میں سے ہے اور عوام کی بات ناقابلِ اعتبار ہے۔
[6] جو صیاد سے رحم کی توقع کرے وہ کم حوصلہ پرندہ ہے۔

دانی کہ چیست دولت دیدار یار دیدن
تو جانتا ہے کہ یار کے دیکھنے کی دولت کیا ہے؛

در کوئے او گدائی بر خسروی گزیدن
اس کے کوچہ کی گداگری کو بادشاہت پر ترجیح دینا ہے

از جاں طمع بریدن آساں بود ولیکن
جان سے توقع اٹھا لینا آسان ہے لیکن

از دوستانِ جانی مشکل بود بریدن
جانی دوستوں سے قطع تعلق کرنا مشکل ہوتا ہے

خواہم شدن بہ بستاں چوں غنچہ با دلِ تنگ
غنچہ کی طرح تنگدل ہو کر باغ میں جانا چاہتا ہوں

وآنجا بہ نیکنامی پیراہنے دریدن
ق اور اس جگہ نیکنامی کے ساتھ جامہ چاک کرنا چاہتا ہوں

گہ چوں نسیم با گل رازِ نہفتہ گفتن
کبھی نسیم کی طرح پھول سے چھپے راز کہنا

گہ سرِ عشقبازی از بلبلاں شنیدن
کبھی عشقبازی کے راز بلبلوں سے سننا

بوسیدنِ لبِ یار اوّل ز دست مگذار
شروع ہی سے دوست کے ہونٹ کے بوسہ کو ہاتھ سے نہ دے

کآخر ملول گردی از دستِ لب گزیدن
کیونکہ آخر ہونٹ کاٹنے کے ہاتھوں رنجیدہ ہو گا

فرصت شمار صحبت کزایں دو راہہ منزل
صحبت کو غنیمت سمجھ اس لیے کہ اس دو راستہ والی منزل سے

چوں بگذریم نتواں دیگر بہم رسیدن
جب ہم نکل جائیں گے، پھر جمع نہ ہو سکیں گے

گوئی برفت حافظ از یادِ شاہ منصور
گویا کہ، حافظ، منصور بادشاہ کے حافظہ سے نکل گیا ہے

یا رب بیادش آور درویش پروریدن
اے خدا! اس کو فقرا پروری یاد دلا دے

دلم را در سرِ زلفِ تو مسکن
میرے دل کا گھر، تیری زلف میں ہے

بدینسانش فرو مگذار و مشکن
اس طرح سے اس کو نہ چھوڑ، اور مت توڑ

وگر دل سرکشد چوں زلف از خط
اور اگر دل تیرے حکم سے زلف کی طرح سرکشی کرے

بدست آرش ولے در پاش مفگن
اس کو قابو میں کرے لیکن اس کو پیروں میں نہ ڈال

چو شمع ار پیشم آئی در شبِ تار
اگر تو اندھیری رات میں شمع کی طرح میرے سامنے آئے

شود چشمم بدیدارِ تو روشن
تیرے دیدار سے میری آنکھیں روشن ہو جائیں

بہ گلزار ارم چہ کار اکنوں کہ گشتہ است
مجھے اب چمن سے کیا کام، اس لیے کہ بن گیا ہے

جہاں بر چشم از رویت چو گلشن
جہاں میری آنکھ میں تیرے چہرہ کی وجہ سے باغ جیسا

ز سروِ قامتت بنشینم آزاد
تیرے قد کے سروے میں فارغ ہو کر بیٹھوں گا

ہمہ تن گر زباں باشم چو سوسن
اگرچہ میں سوسن کی طرح ہمہ تن زبان بن جاؤں

ز مہرت گر بتابم ذرّہ روی
اگر میں تیری محبت سے ذرہ برابر منہ موڑوں

چو خورشیدم فرود آید ز روزن
سورج کی طرح وہ سوراخ سے میرے اوپر اتر آئے

کجا بر تنگِ شکر دست یابد
شکر کے بورے پر کب قابو پا سکتی ہے

گر اندیشد مگس از بادِ بیزن
اگر مکھی پنکھے کا خوف کرے

چو حافظ ماجرائے عشقبازی
عشقبازی کا قصہ، حافظ کی طرح

نمی گوید کسے بر وجہِ احسن
کوئی اچھے طریقہ پر بیان نہیں کرتا ہے

سلہ یار کے دیدار سے ایسی دولت حاصل ہو جاتی ہے کہ عاشق یار کے کوچہ کو بادشاہی پر ترجیح دیتا ہے۔

سلہ دوستوں سے جدا ہونا مشکل ہے جان دینا آسان ہے۔

سلہ غنچہ جب تنگ بند ہے تو گویا دل گرفتہ ہے باغ میں جب کھلتا ہے اور اپنا پیراہن چاک کرتا ہے تو اس کو نیکنامی حاصل ہوتی ہے۔

سلہ نسیم پھول کے کان میں راز کہتی ہے، بلبل چھپا کر عشق کے راز بیان کرتی ہے۔

سلہ محبوب کے ہونٹ کا بوسہ لینا نہ چھوڑ ورنہ شرمندہ ہو گا۔

سلہ دنیا، ایک ایسا مکان ہے جس کے دو دروازے ہیں ایک آنے کا ایک جانے کا جب جا نکلے راستے دو دوست نکل جاتے ہیں پھر آپس میں ملاقات ممکن نہیں ہے۔

سلہ میرا دل تیری زلف میں رہتا ہے لہذا اسکو ذلیل نہ کر۔

سلہ زلف کو سرکش مانا گیا ہے یعنی دل اگر سرکشی کرے تو اس کو پکڑ لے پامال نہ کر۔

سلہ تیرے چہرے کی وجہ سے تمام عالم چمن ہے اب مجھے چمن میں جانیکی ضرورت نہیں سلہ اگر میرا رونگٹا رونگٹا تیرے قد کی تعریف کرے تو بھی حق ادا نہیں ہو سکتا ہے سلہ ذرہ اور خورشید کا تعلق ہے، نور شید کی رسی

دلبرِ جانانِ من بُرد دل و جانِ من
میرا دلبر، معشوق میرا دل، اور جان لے گیا
بُرد دل و جانِ من دلبرِ جانانِ من
میرا دل، اور جان لے گیا، میرا دلبر، معشوق

از لبِ جانانِ من زندہ شود جانِ من
میرے محبوب کے ہونٹوں سے، میری جان زندہ ہوتی ہے
زندہ شود جانِ من از لبِ جانانِ من
میری جان زندہ ہوتی ہے، میرے محبوب کے ہونٹوں سے

روضۂ رضوانِ من خاکِ سرکوی دوست
میرا روضۂ رضوان، دوست کے کوچہ کی خاک ہے
خاکِ سرکوئے دوست روضۂ رضوانِ من
دوست کے کوچہ کی خاک، میرا روضۂ رضوان ہے

ایں دلِ حیرانِ من والہ و شیدائے تست
یہ میرا حیران دل، تیرا دیوانہ، اور عاشق ہے
والہ و شیدائے تست ایں دلِ حیرانِ من
تیرا دیوانہ، اور عاشق ہے، یہ میرا حیران دل

یوسفِ کنعانِ من مصرِ ملاحت تراست
اے میرے یوسفِ کنعان، ملاحت کا ملکِ مصر تیرا ہے
مصرِ ملاحت تراست یوسفِ کنعانِ من
ملاحت کا ملکِ مصر تیرا ہے، اے میرے یوسفِ کنعان

سروِ گلستانِ من قامتِ دلجوئے تست
میرے باغ کا سرو، تیرا دل جو قد ہے
قامتِ دلجوئے تست سروِ گلستانِ من
تیرا دل جو قد، میرے باغ کا سرو ہے

حافظِ خوش خوانِ من نقدِ کمالِ غیاث
میرا خوش الحان حافظ، فریاد کے کمال کا نقد ہے
نقدِ کمالِ غیاث حافظِ خوشخوانِ من
فریاد کے کمال کا نقد، میرا خوش الحان حافظ ہے

زدر درآ و شبستانِ ما منوّر کن
دروازے سے آجا، اور ہمارا گھر روشن کر
دماغِ مجلسِ روحانیاں معطّر کن
روحانی لوگوں کی مجلس کے دماغ کو خوشبودار بنا

بچشم و ابروئے جاناں سپردہ ام دل و جاں
میں نے دل و جان، محبوب کی چشم و ابرو کے سپرد کر دیئے ہیں
بیا بیا و تماشائے طاق و منظر کن
آ آ، اور طاق و منظر کی سیر کر

از آں شمائلِ الطاف و حسن خوش کہ تراست
اس مہربانیوں کی عادت اور خوبصورتی کی وجہ سے جو تجھے حاصل ہے
میانِ بزمِ حریفاں چو شمع سر بر کن
دوستوں کی مجلس میں شمع کی طرح سر بلند کر

بگو بخازنِ جنت کہ خاکِ ایں مجلس
جنت کے پہرہ دار سے کہدو کہ اس مجلس کی خاک کو
بتحفہ بر سوئے فردوس، و عودِ مجمر کن
بطور تحفہ فردوس میں لیجائے اور انگیٹھی کی عود بنائے

طمع بنقد وصالِ تو حدِّ ما نبود
تیرے نقدِ وصال کی طمع، ہمارے مرتبہ کی نہیں ہے
حوالتم بلبِ لعلِ ہمچو شکر کن
مجھے شکر جیسے لبِ لعل کے حوالے کر دے

چو شاہدانِ چمن زیرِ دستِ حسنِ تواند
جبکہ چمن کے معشوق، تیرے حسن کے ماتحت ہیں
کرشمہ بر سمن و ناز بر صنوبر کن
سمن کو ادا، اور صنوبر کو ناز دکھا

ستارۂ شبِ ہجراں نمی فشاند نور
شبِ ہجر کا ستارہ، روشنی نہیں دیتا ہے
ببامِ قصر برآ و چراغِ مہ بر کن
محل کے بالاخانہ پر آ اور چاند کے چراغ کو روشن کر دے

ازیں مرقعِ پشمینہ نیک در تنگم
اس ادنی گدڑی سے میں بہت تنگ ہوں
بیک کرشمۂ صوفی و شم قلندر کن
مجھ کو ایک صوفیانہ ادا سے قلندر بنا دے

۱؎ اس پوری غزل میں دوسرا مصرع پہلے مصرع کے الفاظ کو ردو بدل کر لیا ہے یہی اس غزل میں صنعت ہے اور کوئی خاص خوبی نہیں ہے۔

۲؎ طاق سے محبوب کے ابرو اور منظر سے محبوب کی آنکھیں مراد ہیں اور خطاب عام ہے۔

۳؎ حسن و اخلاق کی دولت کا تقاضا ہے کہ اس کی نمائش کی جائے۔

۴؎ محبوب کے کوچہ کی خاک اس قابل ہے کہ اس سے جنت کو معطر کیا جائے۔

۵؎ ہماری یہ حیثیت تو نہیں ہے کہ وصال میسر آسکے ایک بوسہ ہی دیدے۔

۶؎ چاند اور ستارے تیرے چہرے سے نور حاصل کرتے ہیں۔

فضولِ نفس حکایت بسے کند ساقی
اے ساقی! نفس بہت سی فضول باتیں کرتا ہے
تو کارِ خود مدہ از دست و مے بساغر کن
تو اپنا کام نہ چھوڑ، اور ساغر میں شراب ڈال

لبِ پیالہ ببوس آنگہاں بمستاں دہ
پیالے کے ہونٹ چوم، پھر مستوں کو دے
بایں لطیفہ مشامِ خرد معطر کن
اس لطیفہ سے عقل کے دماغ کو خوشبودار بنادے

وگر فقیہِ نصیحت کند کہ مے مخورید
اور اگر فقیہ نصیحت کرے کہ شراب نہ پیو
پیالۂ بدہش گو دماغ را تر کن
اس کو ایک پیالہ دے اور کہدے کہ دماغ کو تر کرلے

حجابِ دیدۂ ادراک شد شعاعِ جمال
جمال کی شعاعیں، ادراک کی آنکھ کا پردہ بن گئیں
بیا و خرگہِ خورشید را منور کن
آ اور خورشید کی قیام گاہ کو روشن کردے

شنیدم از در و دیوارِ کوئے او صد بار
میں نے سو بار اس کے کوچہ کے در و دیوار سے سنا ہے
کہ خاکِ راہ شو اینجا و خاک بر سر کن
کہ اس جگہ راستہ کی خاک بنجا، اور سر پر خاک ڈال

پس از ملازمتِ عیش و عشقِ مہرویاں
عیش کی پابندی، اور حسینوں کے عشق کے بعد
زکارہا کہ کنی شعرِ حافظ از بر کن
جو کام تو کرے، حافظ کے اشعار کو یاد کرلے

شاہِ شمشاد قداں خسروِ شیریں دہناں
شمشاد جیسے قد والوں کا بادشاہ، شیریں دہن والوں کا شاہ
کہ بمژگاں شکند قلبِ ہمہ صف شکناں
جو پلکوں سے تمام صف شکنوں کا دل توڑ دے

مست بگذشت و نظر بر منِ درویش انداخت
مست ہوکر گذرا، اور مجھ فقیر پر نظر ڈالی
گفت کاے چشم و چراغِ ہمہ شیریں سخناں
ق بولا، اے تمام شیریں کلام والوں کے چشم و چراغ

تا کے از سیم و زرت کیسہ تہی خواہد بود
کب تک چاندی اور سونے سے تیری تھیلی خالی رہے گی
پندِ ما بشنو و بر خور ز ہمہ سیم تناں
ہماری نصیحت سن لے، اور تمام چاندی جیسے جسم والوں سے نفع اٹھا

کمتر از ذرہ نہ پست مشو مہر بورز
تو ذرہ سے تو کمتر نہیں ہے، پست نہ بن، محبت اختیار کر
تا بخلوتگہِ خورشید رسی چرخ زناں
تاکہ آفتاب کی خلوت گاہ میں چکر لگاتا ہوا پہونچ جائے

پیرِ پیمانہ کشِ ما کہ روانش خوش باد
ہمارے پیمانہ کش پیر نے خدا کرے اس کی روح خوش رہے
گفت پرہیز کن از صحبتِ پیماں شکناں
کہا عہد شکنوں کی صحبت سے بچ

دامنِ دوست بدست آر و ز دشمن بگسل
دوست کا دامن تھام لے، اور دشمن سے قطع تعلق کرلے
ق مردِ یزداں شو و ایمن گذر از اہرمناں
مردِ خدا بن، اور شیطانوں سے بچ نکل

بر جہاں تکیہ مکن ور قدحے مے داری
دنیا پر بھروسہ نہ کر، اور اگر تیرے پاس کوئی شراب کا پیالہ ہے
شادیِ زہرہ جبیناں خور و نازک بدناں
تو زہرہ جبیں، اور نازک بدن معشوقوں کی خوشی میں پی

با صبا در چمنِ لالہ سحر می گفتم
لالہ کے چمن میں صبح ہی میں صبا سے میں پوچھتا تھا
کہ شہیدانِ کہ اند ایں ہمہ خونیں کفناں
کہ یہ خونی کفن والے، کس کے شہید ہیں؟

گفت حافظ من و تو محرمِ ایں راز نہ ایم
اس نے کہا، اے حافظ میں اور تو اس راز کے محرم نہیں ہیں
از مے لعل حکایت کن و سیمیں ذقناں
سرخ شراب، اور چاندی جیسی ٹھوڑی والوں کی بات کر

۱ نفس کے بہانے میں نہ آ، ہمیں شراب دیئے جا۔ ۲ نقیہ کی یہ دیوانگی کی باتیں دماغ کی خشکی کی وجہ سے ہیں پیالہ دے اس کے دماغ کو تر کردے۔ ۳ عیش اور عشق کے بعد تیسرا کام یہ ہونا چاہیے کہ حافظ کی غزلیں یاد کیجائیں۔ ۴ اس غزل کے پہلے چار شعر قطعہ بند ہیں، میرا معشوق جو حسینوں کا شاہ ہے میرے پاس سے گذرا اور مجھ سے کہا تو شیریں کلام شاعروں کا سرتاج ہے تیری جیب تو ہمیشہ خالی رہیگی لہٰذا سیم تن معشوقوں سے دل لگا تو ذرہ سے تو کم نہیں ہے، آفتاب سے عشق پیدا کر اس تک پہونچ ہی جائے گا۔ ۵ یہ تین شعر بھی قطعہ بند ہیں یعنی ہمارے پیر مغاں نے سکھایا ہے کہ بد عہدوں سے دوستی نہ کرنی چاہیے، دوست کا دامن پکڑ لینا چاہیے تب مرد خدا بنے گا دنیا ناقابلِ اعتبار ہے حسین معشوق کی یاد میں شراب نوشی کرنی چاہیے۔ ۶ یہ دونوں شعر قطعہ بند ہیں یعنی لالہ کے باغ میں صبا سے میں نے دریافت کیا لالہ خونی کفن کس کا شہید ہے اس نے کہا اس راز کا نہ تجھے علم ہے نہ مجھے اپنے کام میں لگ شراب اور معشوق کی بات کر۔

شرابِ[1] لعل کش و روئے مہ جبیناں بیں
لعل جیسی شراب پی، اور چاندی جیسی پیشانی والوں کا چہرہ دیکھ

خلافِ مذہبِ آناں جمالِ اِیناں بیں
اُن کے مذہب کے خلاف، اِن کا حسن دیکھ

بزیرِ[2] دلق مُلمع کمند ہا دارند
لمع کی گدڑی کے نیچے بہت سی کندیں رکھتے ہیں

درازدستیِ ایں کوتہ آستیناں بیں
ان چھوٹی آستین والوں کی دراز دستی دیکھ

بخرمنِ[3] دو جہاں سر فرو نمی آرند
دونوں جہان کے کھلیان کے لئے بھی، سر نہیں جھکاتے ہیں

دماغِ کبرِ گدایانِ خوشہ چیناں بیں
خوشہ چیں، فقیروں کے متکبر دماغ کو دیکھ

گرہ ز ابروئے پُرچیں نمیکشاید یار
پرشکن ابروے، دوست گرہ نہیں کھولتا ہے

نیازِ اہلِ دل و نازِ نازنیناں بیں
اہلِ دل کی عاجزی اور نازنینوں کے ناز کو دیکھ

حدیثِ عہدِ محبت ز کس نمی شنوم
محبت کے عہد کی بات، میں کسی سے نہیں سنتا ہوں

وفائے صحبتِ یاران و ہمنشیناں بیں
دوستوں اور ہم نشینوں کی صحبت کی وفا کو دیکھ

اسیرِ عشق شدن چارۂ خلاصِ من ست
میرے چھٹکارے کی تدبیر، عشق کا قیدی ہو جانا ہے

ضمیرِ عاقبت اندیشِ پیش بیناں بیں
دور اندیشوں کی عاقبت اندیش طبیعت کو دیکھ

غبارِ خاطرِ حافظ بَبُرد صیقلِ عشق
عشق کی صیقل نے حافظ کی طبیعت کے غبار کو ختم کر دیا

صفائے نیتِ پاکان و پاک دیناں بیں
پاکوں اور پاک دین والوں کی نیت کی صفائی کو دیکھ

صبح[4] ست ساقیا قدحے پُر شراب کن
اے ساقی! صبح ہے شراب سے ایک پیالہ بھر دے

دورِ فلک درنگ ندارد شتاب کن
آسمان کی گردش دیر نہیں کرتی ہے، جلدی کر

زاں[5] پیشتر کہ عالمِ فانی شود خراب
اس سے پہلے کہ فنا ہونے والا عالم اُجڑے

ما را ز جامِ بادۂ گلگوں خراب کن
ہمیں سرخ شراب کے جام سے مست کر دے

خورشیدِ مے ز مشرقِ ساغر طلوع کرد
شراب کا سورج، ساغر کے مشرق سے نکل آیا ہے

گر برگِ عیش میطلبی ترکِ خواب کن
اگر عیش کا سامان چاہتا ہے، نیند کو ختم کر دے

روزیکہ[6] چرخ از گِلِ ما کوزہا کند
جس دن آسمان ہماری مٹی سے پیالے بنائے گا

زنہار کاسۂ سرِ ما پُر شراب کن
دیکھنا! ہمارے سر کے پیالے کو شراب سے بھر دینا

ما مردِ زہد و توبہ و طامات نیستیم
ہم زہد اور توبہ، اور ڈینگوں کے مرد نہیں ہیں

با ما بجامِ بادۂ صافی خطاب کن
صاف شراب کے پیالے کے متعلق ہم سے بات کر

ہمچوں[7] حباب دیدہ بروئے قدح کشائی
بلبلے کی طرح پیالے کے رُخ پر آنکھ کھول

ویں خانہ را قیاس اساس از حباب کن
اور اس گھر کو بلبلے کی بنیاد پر قیاس کر

ایامِ[8] گل چو عمر برفتن شتاب کرد
موسم بہار نے، زندگی کی طرح جانے میں جلدی کی

ساقی بدورِ بادۂ گلگوں شباب کن
اے ساقی! سرخ رنگ کی شراب کے دور میں جلدی کر

کارِ صواب بادہ پرستی ست حافظا
اے حافظ! شراب پرستی صحیح کام ہے

برخیز و روئے عزم بکارِ صواب کن
اٹھ، اور صحیح کام کی طرف ارادہ کا رخ کر

---

[1] آنان، سے زاہد مراد ہیں اور اینان سے حسین معشوق۔

[2] یہ شعر حافظ کے مشہور شعروں میں سے ہے یعنی بظاہر نیک ہیں لیکن بڑے مکار ہیں شرع کے پابند لوگ چوغہ کی آستین زیادہ لمبی نہیں رکھتے تھے اس لیے ان کو کوتاہ آستین کہا ہے۔

[3] گدائے متکبر دونوں جہان کے ماحصل کی طرف بھی سر نہیں جھکاتا ہے۔

[4] زمانہ کسی کا انتظار نہیں کرتا ہے پیالہ بھرنے میں جلدی کر۔

[5] عالم کے فنا ہونے سے پہلے ہمیں شراب سے مست کر دے۔

[6] مرنے کے بعد جب ہماری مٹی سے کمہار پیالے بنائے تو میرے سر کی مٹی کے پیالے میں شراب بھر دینا تاکہ مستی قائم رہے۔

[7] صراحی سے جب پیالہ میں شراب ڈالتے ہیں تو پیالے میں بلبلے پیدا ہو جاتے ہیں، دنیا کی مثال بلبلے سے زیادہ نہیں ہے۔

[8] موسم بہار عمر کی طرح جلد گذر رہا ہے لہذا شراب پلانے میں جلدی کر۔

فاتحہ چو آمدی بر سرِ خستہ بخواں
جب تو کسی خستہ کے سرہانے پہونچے، تو کچھ فاتحہ پڑھ

لب بگشا کہ میدہد لعلِ لبت بمردہ جاں
لب کشائی کر اس لیے کہ تیرا لعل جیسا ہونٹ مردے میں جان ڈال دیتا ہے

آنکہ بپرسش آمد و فاتحہ خواند و میرود
وہ جو پوچھنے کے لیے آیا، اور فاتحہ پڑھی، اور جارہا ہے

گو نفسے کہ روح را میکنم از پیش رواں
وہ سانس کہاں ہے کہ روح کو اس کے پیچھے روانہ کردوں؟

اے کہ طبیبِ خستۂ روی و زبانِ من ببیں
اے وہ کہ تو زخمی کا طبیب ہے، میرا چہرہ اور زبان دیکھ

کیں دم و دود سینہ ام بارِ دل است بر زباں
اس لیے کہ یہ سینہ کا سانس اور دھواں زبان کیلئے بارِ دل بنا ہوا ہے

گرچہ تپ استخوانِ من کرد ز مہر گرم و رفت
اگرچہ بخار نے میری ہڈیوں کو محبت سے گرم کردیا اور وہ جاتا رہا

ہمچو تپم نمیرود آتشِ مہر از استخواں
محبت کی آگ میری ہڈیوں سے بخار کی طرح نہیں جاتی ہے

باز نشاں حرارتم ز آبِ دو دیدہ و ببیں
دو آنکھوں کے پانی سے، میری گرمی کو پھر ختم کردے

نبضِ مرا کہ میدہد ہیچ ز زندگی نشاں
اور میری نبض کو دیکھ اگر زندگی کا کچھ پتہ دیتی ہے!

حالِ دلم چو خالِ تو ہست در آتشِ وطن
میرے دل کا حال تیرے تل کی طرح ہے جس کا وطن آگ ہے

جسمم از آں دو چشمِ تو خستہ شدہ است و ناتواں
میرا جسم تیری ان دو آنکھوں سے خستہ اور ناتواں ہوگیا ہے

آنکہ مدام شیشہ ام از مئے لعل دادہ است
جس نے ہمیشہ، مجھے لعل جیسی شراب کی بوتل دی ہے

شیشہ ام از چہ میبرد پیشِ طبیب ہر زماں
ہر وقت میرے قارورے کو طبیب کے سامنے کیوں لیجاتا ہے

حافظ از آبِ زندگی شعرِ تو داد شربتم
اے حافظ تیرے شعروں نے مجھے آبِ حیات کا شربت پلایا ہے

ترکِ طبیب کن بیا نسخۂ شعرِ من بخواں
طبیب کو چھوڑ، آ، اور میرے اشعار کی کتاب پڑھ

کرشمہ کن و بازارِ ساحری بشکن
ادا دکھادے، اور جادوگری کا بازار ختم کردے

بغمزہ رونقِ بازارِ سامری بشکن
اور آنکھ کے اشارے سے سامری کے بازار کی رونق ختم کردے

بباد دہ سر و دستارِ عالمے یعنی
ایک جہان کے سر اور دستار کو برباد کردے یعنی

کلاہ گوشہ بآئینِ دلبری بشکن
گوشہ دار ٹوپی کو معشوقانہ انداز سے ٹیڑھا کردے

برون خرام و ببر گوئے خوبی از ہمہ کس
باہر ٹہل، اور سب سے حسن کی بازی جیت لے

سزائے حور دہ و رونقِ پری بشکن
حور کو سزا دے، اور پری کی رونق ختم کردے

بآہوانِ نظر شیرِ آفتاب بگیر
نگاہ کے ہرنوں کے ذریعہ، آفتاب کے شیر کو پکڑلے

بابروانِ دوتا قوسِ مشتری بشکن
دُہری ابروؤں کے ذریعہ مشتری کی کمان توڑدے

چو عطر سائے شود زلفِ سنبل از دمِ باد
ہوا کے جھونکے سے جب سنبل کی زلف عطر چھڑکے

تو قیمتش ز سرِ زلفِ عنبری بشکن
تو اس کی قیمت عنبری زلف سے گھٹادے

بزلف گوئی کہ آئینِ سرکشی بگذار
زلف سے کہدے کہ سرکشی کا طریقہ چھوڑدے

بغمزہ گوئی کہ قلبِ ستمگری بشکن
ادا سے کہدے کہ ستمگری کے دل کو توڑدے

چو عندلیب فصاحت فروش شد حافظ
اے حافظ جبکہ بلبل فصاحت فروش ہوگئی

تو رونقش بسخن گفتنِ دری بشکن
تو فارسی کلام کہکر، اس کی رونق گھٹادے

۱؎ تیرے لعل جیسے ہونٹ میں یہ تاثیر ہے کہ اس سے مردہ زندہ ہوجاتا ہے لہٰذا میری قبر پر آکر فاتحہ پڑھ دینا۔
۲؎ محبوب فاتحہ پڑھ کر واپس ہورہا ہے میرے پاس اب جان نہیں ورنہ پیچھے روانہ کردیتا۔
۳؎ طبیب منہ اور زبان دیکھ کر مرض کی تشخیص کرتے ہیں۔
۴؎ محبت کی گرمی نے بخار کی گرمی تو ختم کردی لیکن اب اس گرمی سے شفا کی امید نہیں ہے۔
۵؎ معشوق کا تل رخسار کی آگ میں ہے اور میرا دل ہجر کی آگ میں۔
۶؎ میرا علاج شیشۂ شراب سے متعلق ہے نہ کہ قارورہ کی شیشی سے
۷؎ معشوق اور اس کی ادا کے سامنے سامری اور اس کا جادو ہیچ ہے سامری شہر سامرہ کا رہنے والا وہ جادوگر ہے جس نے جادو کا بچھڑا بنا کر بنی اسرائیل کو اسکی پوجا میں لگادیا تھا جبکہ حضرت موسیٰ کوہِ طور پر گئے ہوئے تھے۔
۸؎ کج کلاہی کے ساتھ رونمائی کر سارا عالم دیوانہ بن جائے گا۔
۹؎ تیرے حسن کے سامنے حور اور پری ہیچ ہو جائیں گی

۱۰؎ شیرِ آفتاب برج اسد کو کہا جاتا ہے مشتری ستارے کو بشکل انسانی ہاتھ میں کمان لیے دکھایا جاتا ہے محبوب کی آنکھوں کو ہرن سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ۱۱؎ حافظ کے اشعار کے بالمقابل بلبل کی فصاحت

گلبرگ[1] را ز سنبلِ مُشکیں نقاب کن
پھول کی پتیوں پر مشکیں سنبل کا نقاب ڈال دے
یعنی کہ رخ بپوش و جہانے خراب کن
یعنی چہرہ چھپا لے اور دنیا کو ویران کر دے

بکشا بعشوہ نرگسِ مست و خراب را
ادا سے، بدمست و مخمور نرگس کو کھول دے
و ز رشکِ چشمِ نرگسِ رعنا پر آب کن
اور رشک کی وجہ سے نرگس رعنا کی آنکھ کو آنسو سے بھر دے

بفشاں عرق ز چہرہ و اطرافِ باغ را
چہرے سے پسینہ چھڑک دے اور باغ کے اطراف کو
چوں شیشہائے دیدۂ ما پر گلاب کن
ہماری آنکھوں کے شیشوں کی طرح گلاب سے بھر دے

بوئے بنفشہ بشنو و زلفِ نگار گیر
بنفشہ کی خوشبو سونگھ اور معشوق کی زلف تھام
بنگر برنگِ لالہ و عزمِ شراب کن
لالہ کے رنگ کو دیکھ، اور شراب کا ارادہ کر

ز آنجا[2] کہ رسم و عادتِ عاشق کشی تست
چونکہ تیری عادت، اور رسم عاشق کشی ہے
شمشیرِ کیں بخونِ دلِ ما خضاب کن
کینہ کی تلوار کو ہمارے دل کے خون سے رنگ لے

ما بختِ خویش و خوئے ترا آزمودہ ایم
ہم نے اپنا نصیبہ، اور تیری عادت آزمائی ہے
با دشمناں قدح کش و با ما عتاب کن
دشمنوں کے ساتھ پیالہ پی، اور ہم پر عتاب کر

حافظ وصال می طلبد از رہِ دعا
حافظ، دعا کے ذریعہ وصل چاہتا ہے
یارب دعائے خستہ دلاں مستجاب کن
اے خدا! خستہ دلوں کی دعا قبول فرما

ما سر[3] خوشیم بادۂ ما در پیالہ کن
ہم سرور میں ہیں، ہماری شراب پیالہ میں ڈال دے
بدمست را بغمزۂ ساقی حوالہ کن
مدہوش کو، ساقی کے اشارۂ چشم کے حوالے کر دے

در جامِ ماہ بادۂ چوں آفتاب ریز
چاند کے جام میں، سورج جیسی شراب ڈال دے
بر روئے روز سنبلِ مُشکیں کلالہ کن
دن کے چہرے پر مشکیں زلف والی سنبل ڈال دے

اے[4] پیرِ خانقہ بخرابات شو دَمے
اے خانقاہ کے بوڑھے تھوڑی دیر کے لیے شراب خانہ میں جا
غسلے بر آر و توبۂ ہفتاد سالہ کن
نہا، اور ستر سالہ توبہ کر

صوفی بگریہ چہرۂ مجلس بشو چو شمع
اے صوفی: شمع کی طرح گریہ سے مجلس کا چہرہ دھو
آہنگِ رقصِ ما ہمہ از آہ و نالہ کن
آہ اور نالہ کے ساتھ ہم سب کے رقص کا ساتھ دے

گر نو عروسِ[5] عشق در آید بعقدِ تو
اگر عشق کی دلہن تیرے نکاح میں آئے
مہرِ دو کون حافظش اندر قبالہ کن
تو اے حافظ! دونوں جہانوں کا مہر اس کے قبالہ میں لکھ دے

مرغِ[6] دلم طائریست قدسیِ عرش آشیاں
میرا مرغِ دل! قدسی پرندہ ہے جس کا آشیانہ عرش ہے
از قفسِ تن ملول سیر شدہ از جہاں
بدن کے پنجرے سے رنجیدہ، دنیا سے دل بھرا ہوا

از درِ ایں خاکداں چوں بپرد مرغِ ما
اس خاکدان کے در سے جب ہمارا پرندہ اڑے گا
باز نشیمن کند بر سرِ آں آشیاں
اس گھونسلے میں، پھر اپنا ٹھکانا بنا دے گا

---

[1] گلبرگ سے چہرہ اور سنبلِ مشکیں سے زلفیں مراد ہیں۔
[2] چونکہ تیری عادت ہی عاشق کشی ہے لہذا مناسب ہے ہمارے خون سے تلوار رنگ لے۔
[3] سرخوش، وہ کہلائیگا جس کو نشہ سے صرف سرور ہو۔ بدمست، مدہوش کہلائیگا۔
[4] ستر سالہ عمر جو خانقاہ میں گذری ہے اس سے توبہ کر۔
[5] عشق کی دولت دونوں جہان خرچ کر کے حاصل ہو جائے تو بھی غنیمت ہے۔
[6] میرا دل عالمِ قدس کا پرندہ ہے دنیا سے تنگ آ چکا ہے۔

چوں بپرد زیں جہاں سدرہ بود جائے او
جب اس جہان سے اڑے گا، اس کی جگہ سدرہ ہوگی
تکیہ گہ بازِ ما کنگرۂ عرش داں
ہمارے باز کے بیٹھنے کی جگہ، عرش کا کنگرہ سمجھ

سایۂ دولت فتد بر سرِ عالم بسے
دنیا کے سر پر بہت زیادہ دولت کا سایہ پڑے گا
گر بزند مرغِ ما بال و پرے در جہاں
اگر دنیا میں ہمارا پرندہ بال و پر پھیلا جائے گا

در دو جہانش مکاں نیست بجز فوقِ عرش
دونوں جہان میں اس کا مکان نہیں ہے سوائے عرش کی بلندی کے
کانِ وے از معرفت جائے وے از لامکاں
اس کی کان معرفت ہے، اس کی جگہ لامکان ہے

عالمِ علوی بود جلوہ گہِ مرغِ ما
ہمارے پرند کی جلوہ گاہ، اوپر والا عالم ہے
آبخورِ او بود گلشنِ باغِ جناں
اس کے پانی کا گھاٹ جنتوں کے باغ کا گلشن ہے

چوں دم وحدت زنی حافظِ شوریدہ حال
اے شوریدہ حال حافظ جبکہ تو وحدت کا دم بھرتا ہے
خامۂ توحید کش بر ورقِ انس و جاں
انسانوں اور جنوں کے ورق پر توحید کا قلم پھیر دے

منم کہ شہرۂ شہرم بعشق ورزیدن
میں وہ ہوں کہ عشق اختیار کرنے میں تمام شہر میں مشہور ہوں
منم کہ دیدہ نیالودہ ام بہ بد دیدن
میں وہ ہوں کہ جس نے برا دیکھنے سے اپنی آنکھ کو گندہ نہیں کیا ہے

وفا کنیم و ملامت کشیم و خوش باشیم
ہم وفا کرتے ہیں، ملامت برداشت کرتے ہیں اور خوش رہتے ہیں
کہ در طریقتِ ما کافری ست رنجیدن
اس لیے کہ ہماری طریقت میں رنجیدہ ہونا کفر ہے

بمے پرستی از آں نقشِ خود بر آب زدم
شراب نوشی سے میں نے اپنے آپ کو اس لیے نقش بر آب بنایا ہے
کہ تا خراب کند نقشِ خود پرستیدن
تاکہ وہ خود پرستی کے نقش کو مٹا دے

بہ پیرِ میکدہ گفتم کہ چیست راہِ نجات
میں نے میکدہ کے پیر سے پوچھا کہ نجات کا راستہ کیا ہے
بخواست جامِ مے و گفت بادہ نوشیدن
اس نے شراب کا جام منگایا، اور کہا شراب پینا

عناں بمیکدہ خواہیم تافت زیں مجلس
ہم اس مجلس سے میکدہ کی طرف باگ موڑیں گے
کہ وعظِ بے عملاں واجب ست نشنیدن
اس لیے کہ بے عملوں کا وعظ نہ سننا واجب ہے

مرادِ ما ز تماشائے باغِ عالم چیست
دنیا کے باغ کی سیر سے، ہمارا کیا مقصد ہے؟
بدستِ مردمِ چشم از رخِ تو گل چیدن
آنکھوں کی پتلیوں کے ذریعہ تیرے رخسار سے پھول چننا

برحمتِ سرِ زلفِ تو واثقم ورنہ
میں تیری زلف کے کرم سے واقف ہوں ورنہ
کشش نبود چو ز آں سو چہ سود کوشیدن
جب ادھر سے کشش نہ ہو کوشش کرنے سے کیا فائدہ ہے

ز خطِ یار بیاموز مہر با رخِ خوب
حسین رخ کی محبت، یار کے خط سے سیکھ لے
کہ گرد عارضِ خوباں خوش ست گردیدن
حسینوں کے رخسار کے گرد چکر کاٹنا بہت خوب ہے

مبوس جز لبِ معشوق و جامِ مے حافظ
اے حافظ معشوق کے ہونٹ اور شراب کے جام کے سوا کسی کو بوسہ نہ لے
کہ دستِ زہد فروشاں خطاست بوسیدن
اس لیے کہ زہد فروشوں کا ہاتھ چومنا غلطی ہے

---

۱ عالمِ بالا میں عرش کے کنگرے پر اپنا آشیانہ بنائے گا۔
۲ خود کو ہما قرار دیا ہے جس کا سایہ پڑ جانے سے سلطنت حاصل ہوتی ہے۔
۳ شعر [illegible]
۴ میری آنکھ نے صرف لوگوں کی بھلائی کو دیکھا ہے کسی کی برائی کا میں کبھی جویاں نہیں ہوا ہوں۔
۵ شراب کی مستی کے ذریعہ میں اپنی خودی کو فنا کرتا ہوں۔
۶ ہمیں دنیا کی ہر چیز میں اسی کا جلوہ نظر آتا ہے۔
۷ شعر [illegible]
۸ معشوق کا سبز خط معشوق کے رخسار کا عاشق ہے۔
۹ زہد فروشوں کی دست بوسی گناہ ہے، معشوق اور جام کی لب بوسی چاہئے۔

میسوزم از فراقت رُو از جفا بگرداں
میں تیرے فراق سے جل رہا ہوں، ظلم سے رخ پھیر لے
ہجراں بلائے ما شد یارب بلا بگرداں
ہجر ہمارے لیے بلا ہے، اے خدا! بلا کو پھیر دے

مہ[1] جلوہ مینماید بر سبز خنگِ گردوں
چاند، آسمان کے سبز گھوڑے پر جلوہ نمائی کر رہا ہے
تا او بسر درآید بر رخش پا بگرداں
گھوڑے پر سوار ہو تاکہ وہ اوندھا گرے

یغمائے[2] عقل و دیں را بیروں خرام سرمست
عقل اور دین کی لوٹ مار کے لیے مست ہو کر باہر نکل
بر سر کلاہ بشکن در بر قبا بگرداں
سر پر ٹوپی ٹیڑھی کرلے، بدن پر قبا چست کرلے

مرغولہ را بگرداں یعنی برغمِ سنبل
بل دار زلفوں کو گھمادے، یعنی سنبل کی ذلت کے لئے
گردِ چمن بخورے ہمچوں صبا بگرداں
چمن کے چاروں طرف صبا کی طرح ایک دھونی دیدے

اے نورِ چشمِ مستاں در عینِ انتظارم
اے مستوں کے نورِ چشم! میں عینِ انتظار میں ہوں
چنگِ[3] حزین و جامے بنواز یا بگرداں
غمگین چنگ کو نواز، یا جام کو گردش میں لا

دوراں[4] چو مینویسد بر عارضِ بتاں خط
زمانہ چونکہ معشوقوں کے رخسار پر خط لکھتا ہے
یارب نوشتۂ بد از یارِ ما بگرداں
اے خدا! بری لکھائی کو ہمارے یار سے پھیر دے

حافظ ز خوبرویاں قسمت جز اینقدر نیست
اے حافظ حسینوں سے، تیری تقدیر میں اسکے سوا کچھ نہیں ہے
گر نیستت رضائے حکمِ قضا بگرداں
اگر تیری رضامندی نہیں ہے، تقدیر کا حکم لوٹا دے

نکتۂ[5] دلکش بگویم خالِ آں مہرو ببیں
میں تجھ سے ایک دلکش نکتہ کہتا ہوں اس چاند جیسے چہرے والے کا تل دیکھ
عقل و جاں را بستۂ زنجیرِ آں گیسو ببیں
عقل اور جان کو اس گیسو کی زنجیر میں بندھا ہوا دیکھ

عیبِ دل[6] کردم کہ وحشی طبع و ہرجائی مباش
میں نے دل پر عیب لگایا کہ وحشی طبع اور ہرجائی نہ بن
گفت چشمِ نیم مست و غنجِ آں آہو ببیں
اس نے کہا، اس ہرن کی نیم مست آنکھ اور ادا کو دیکھ

عاشقانِ[7] آفتاب از دلبرِ ما غافل اند
سورج کے عاشق، ہمارے معشوق سے بے خبر ہیں
اے نصیحت گو خدا را رُو مبیں و رُو ببیں
اے نصیحت گر! خدا کیلئے طرفداری نہ کر اور، چہرہ دیکھ

لرزہ بر اعضائے مہر از رشکِ آں مہرو نگر
سورج کے اعضاء پر اس مہرو کے رشک سے لرزہ دیکھ
نافہ را خوں در جگر زاں زلفِ عنبر بو ببیں
نافہ کے جگر میں اس عنبر کی سی خوشبو والی زلف سے، خون دیکھ

حلقۂ[8] زلفش تماشا خانۂ بادِ صباست
اس کی زلف کا حلقہ، بادِ صبا کی تماشاگاہ ہے
جانِ صد صاحبدل آنجا بستۂ یکمو ببیں
سو صاحبدلوں کی جان اس جگہ ایک بال میں بندھی ہوئی دیکھ

زلفِ دلبندش صبا را بند در گردن نہد
اس کی دلبند زلف، صبا کی گردن میں پھندا ڈالتی ہے
با ہواداران رہرو حیلۂ ہندو ببیں
عاشق، مسافروں کے ساتھ چور کا داؤ دیکھ

آنکہ من در جستجویش از خرد بیروں شدم
وہ جس کی تلاش میں، میں عقل سے بیگانہ ہو گیا
کس ندیدست و نہ بیند مثلش از ہر سو ببیں
اُس جیسا کسی نے نہیں دیکھا اور، نہ دیکھے گا، ہر طرف دیکھ

از مرادِ شاہِ منصور[9] اے فلک رخ برمتاب
اے آسمان! شاہ منصور کی مراد سے روگردانی نہ کر
تیزیِ شمشیر بنگر نیروئے بازو ببیں
تلوار کی تیزی دیکھ، بازو کی قوت دیکھ

[1] چاند نیلگوں آسمان پر سوار ہو کر رونمائی کر رہا ہے، تو اپنا چہرہ دکھا، وہ اوندھا ہو کر گر جائیگا۔
[2] محبوب جب چست قبا پہنکر اور ٹیڑھی ٹوپی اوڑھ کر نکلتا ہے تو دین اور عقل پر ڈاکہ ڈالتا ہے۔
[3] چونکہ چنگ کبڑی ہوتی ہے اور اس سے نالہ نکلتا ہے اس لیے اس کو غمگین قرار دیا جاتا ہے۔
[4] معشوق کا خطِ رخسار گویا ایک نوشتۂ بد ہے، خدا ہمارے محبوب کو اس سے بچائے۔
[5] نکتۂ دلکش یہی ہے کہ محبوب کے تل کو دیکھ۔
[6] لہذا ان آنکھوں اور ادا کو دیکھ کر کون وحشی اور ہرجائی نہ بنیگا۔
[7] آفتاب پرست اگر میرے معشوق کا چہرہ دیکھ لیں تو آفتاب پرستی چھوڑ دیں۔
[8] بادِ صبا جو زلف کو چھیڑتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ سینکڑوں دلوں کو پھنسا ہوا دیکھنا چاہتی ہے۔
[9] اے آسمان منصور بادشاہ کی مراد کو پورا کر دے ورنہ اس کی تلوار اور قوت کے مقابلہ میں تو کچھ نہیں ہے۔

حافظ ار در گوشۂ محرابِ و نالد رواست
اگر حافظ اس کی محراب کے گوشہ میں نالہ کرتا ہے تو درست ہے

اے نصیحت گو خدا را آں خمِ ابرو ببیں
اے نصیحت گر! خدا کے لیے ابرو کے اس خم کو دیکھ

یارب[1] آں آہوئے مشکیں بختن باز رساں
اے خدا! اس مشکیں ہرن کو، ختن میں واپس پہونچا

واں سہی سروِ رواں را بچمن باز رساں
اور اس دراز قد سروِ رواں کو چمن میں واپس پہونچا

دلِ آزردۂ ما را بہ نسیمے بنواز
ہمارے آزردہ دل کو، ایک نسیم سے نواز

یعنی آں جانِ ز تن رفتہ بتن باز رساں
یعنی اس جسم سے نکلی ہوئی جان کو جسم میں واپس پہونچا

ماہ[2] و خورشید بامرِ تو بمنزل چو رسند
جبکہ تیرے حکم سے چاند اور سورج منزل تک پہونچتے ہیں

یارِ مہ روئے مرا نیز بمن باز رساں
میرے چاند جیسے چہرے والے معشوق کو بھی مجھ تک واپس پہونچا

سخن[3] اینست کہ ما بے تو نخواہیم حیات
بات یہ ہے کہ ہم تیرے بغیر زندگی کے خواہاں نہیں ہیں

بشنو اے پیکِ سخن گیر و سخن باز رساں
اے بات لینے والے، قاصد سن، اور پھر جواب پہونچا

سنگ[4] و گل گشت عقیق از اثرِ گریۂ من
میرے رونے کے اثر سے، پتھر، اور مٹی عقیق بن گئے

یارب آں گوہرِ رخشاں بیمن باز رساں
اے خدا! اس چمکدار گوہر کو یمن میں واپس پہونچا

برو اے طائرِ میمونِ ہمایوں طلعت
اے مبترک، اور بابرکت چہرے والے پرندا جا

پیشِ عنقا سخن از زاغ و زغن باز رساں
عنقا کے پاس، کوے اور چیل کی بات پھر پہونچا

آنکہ بودے[5] وطنش دیدۂ حافظ یارب
جس کا وطن حافظ کی آنکھ تھی، اے خدا!

بمرادش ز غریبی بوطن باز رساں
اس کو با مراد، سفر سے وطن میں واپس پہونچا

ردیفِ واؤ

اے آفتاب آئینہ دارِ جمالِ تو
اے وہ کہ آفتاب، تیرے جمال کا آئینہ دار ہے

مشکِ سیاہ مجمرہ[6] گردانِ خالِ تو
سیاہ مشک، تیرے تل کو دھونی دینے والا ہے

اے نوبہارِ ما رخِ فرخندہ فالِ تو
اے کہ! ہماری نوبہار تیرا مبارک فال والا چہرہ ہے

مشروحِ کارنامۂ خوبی جمالِ تو
تیرا جمال، حسن کے کارنامہ کی شرح ہے

صحن[7] سرائے دیدہ بشستم ولے چہ سود
میں نے آنکھوں کا صحن سرائے دھو لیا لیکن کیا فائدہ

کایں گوشہ نیست در خورِ خیلِ خیالِ تو
جبکہ یہ گوشہ تیرے خیال کے لشکر کے مناسب نہیں ہے

مطبوع تر ز روئے تو صورت نبست ہیچ
تیرے چہرے سے زیادہ پسندیدہ، کوئی صورت نہیں بنائی

طغرا نویسِ ابروئے مُشکیں مثالِ تو
تیرے، مشکیں مثال ابرو کے طغرا نویس نے

در اوجِ ناز و نعمتی اے پادشاہِ حسن
اے حسن کے بادشاہ تو ناز و نعمت کی بلندی پر ہے

یارب مباد تا بقیامت زوالِ تو
خدا کرے، قیامت تک تیرا زوال نہ ہو

[1] یہ غزل خواجہ صاحب نے کسی دوست کے سفر میں چلے جانے پر کہی ہے۔
[2] خدا کے حکم سے چاند اور سورج بھی اپنی منزل میں پہونچتے ہیں معشوق کو بھی وہی واپس پہونچائے گا۔
[3] یہ محبوب کے لیے پیغام ہے۔
[4] یہ عقیق یمنی میرے سرخ آنسوؤں سے پیدا ہوا ہے۔
[5] وہ دوست میری آنکھوں میں رہتا تھا
[6] مجمرہ انگیٹھی مجمرہ گردان دھونی دینے والا۔
[7] تجھے فروکش کرنے کے لیے میں نے اپنی آنکھیں دھوئیں لیکن وہ اس قابل کہاں کہ اس میں تیری تصویر فروکش ہو۔

تا پیشوائے بخت روم تہنیت کناں
تاکہ نصیب کی پیشوائی میں مبارکباد دیتا ہوا جاؤں

کو مژدۂ ز مقدمِ عیدِ وصالِ تو
تیرے وصال کی عید کے آنے کی خوشخبری کہاں ہے؛

تا آسماں ز حلقہ بگوشانِ ما شود
تاکہ آسمان ہمارے حلقہ بگوشوں میں ہو جائے

کو عشوۂ ز ابروئے ہمچوں ہلالِ تو
تیرے، ہلال جیسے ابروؤں کی ادا کہاں ہے؛

در چینِ زلفش اے دلِ مسکیں چگونۂ
اے مسکین دل! تو اس کی زلف کے پیچ میں کیسا ہے

کآشفتہ گفت بادِ صبا شرحِ حالِ تو
کہ بادِ صبا نے تیرے حال کی تفصیل پریشان بتائی

برخاست بوئے گُل ز درِ آشتی درآئی
پھول کی خوشبو مہک گئی ہے، صلح کے راستے سے آجا

اے نوبہارِ ما رخِ فرخندہ فالِ تو
اے کہ! تیرا مبارک فال والا چہرہ، ہماری نوبہار ہے

در صدرِ خواجہ عرضِ کدامیں جفا کنم
خواجہ کے دربار میں کون کونسی جفا بیان کروں؛

شرحِ نیازمندیِ دل یا ملالِ تو
دل کی نیازمندی کی شرح، یا تیرا رنجیدہ ہونا

آں نقطۂ سیاہ کہ آمد مدارِ نور
وہ کالا نقطہ، کہ جو نور کا مدار ہے

عکیست در حدیقۂ بینش ز خالِ تو
تیرے تل کا ایک عکس ہے، آنکھ کے باغ میں

حافظ دریں کمند سرِ سرکشاں بسے ست
اے حافظ! اس کمند میں بہت سے سرکشوں کے سر ہیں

سودائے کج مپز کہ نباشد مجالِ تو
بیہودہ خیال نہ پکا، کہ تیری طاقت نہیں ہے

اے پیکِ راستاں خبرِ سروِ ما بگو
اے سچوں کے قاصد! ہمارے سرو کی خبر بتا

احوالِ گُل بہ بُلبلِ دستانسرا بگو
پھول کے احوال، داستان گو بُلبل کو بتا

ما محرمانِ خلوتِ اُنسیم غم مخور
ہم محبت کی خلوت کے محرم ہیں، غم نہ کھا

با یارِ آشنا سخنِ آشنا بگو
آشنا کی باتیں، آشنا دوست سے کہہ

دلہا ز دامِ طرّہ چو بر خاک می فشاند
زلف کے جال سے جب وہ دلوں کو خاک پر جھاڑ رہا تھا

باآں غریبِ ما چہ گذشت اے صبا بگو
اے صبا! بتا، ہمارے مسافر پر کیا گذری؟

پُرچیں چو میشد آں سرِ زلفینِ مُشکبار
جب وہ دونوں مشکیں زلفیں، پُرشکن بنی تھیں

باما سرِ چہ داشت ز بہرِ خدا بگو
اس کا ہمارے بارے میں کیا خیال ہوتا تھا، خدا کیلئے بتا

گر دیگرت برآں درِ دولت گذر فتد
اگر تیرا، دوبارہ اُس درِ دولت پر گذر ہو

ق بعد از ادائے خدمت و عرضِ دُعا بگو
آداب بجا لانے، اور دعا کے بعد کہنا

ہر کس کہ گفت خاکِ درِ دوست توتیاست
جس نے یہ کہا ہے کہ دوست کے دروازے کی خاک توتیا ہے

گو ایں سخن معائنہ در چشمِ ما بگو
کہہ دو کہ یہ بات علانیہ ہماری آنکھوں کے سامنے کہے

مُرغِ چمن بموئۂ من دوش میگریست
بلبل، کل میری آہ و زاری پر رو رہی تھی

آخر تو واقفی کہ چہ رفت اے صبا بگو
اے صبا! تو جانتی ہے، بتا نتیجہ کیا ہوا؟

در راہِ عشق فرقِ غنی و فقیر نیست
عشق کی راہ میں، مالدار اور فقیر کا فرق نہیں ہے

اے پادشاہِ حُسن سخن با گدا بگو
اے حسن کے بادشاہ! فقیر سے بات کر

---

۱ تیرے وصال کا مژدہ ملجائے تو میں اپنے نصیب کی پیشوائی میں مبارکباد پیش کرتا ہوا جاؤں۔
۲ آسمان اپنے چاند پر فخر کر رہا ہے تو اپنا ہلالی ابرو دکھادے تاکہ وہ سمجھ لے کہ جو چیز ہمیں حاصل ہے یعنی ابرو وہ اس کو میسّر نہیں ہے۔
۳ موسم بہار آگیا ہے اس میں تیری ناخوشی کسی طرح مناسب نہیں ہے۔
۴ ہماری آنکھ کی پتلی کا کالا نقطہ تیرے تل کا عکس ہے۔
۵ اس کمند سے خلاصی کا خیال پاگل پن ہے۔
۶ شعر
[illegible]
۷ اس کی بات کے لئے ہماری آنکھ دلیل ہے اس کی خاک نے ہماری آنکھوں میں توتیا کا کام کیا ہے۔

آں مے کہ در سبو دلِ صوفی بعشوہ بُرد
وہ شراب جو صراحی میں ہوتے ہوئے اداسے صوفی کا دل لیگئی

کے در قدح کرشمہ کند ساقیا بگو
اے ساقی بتا وہ پیالہ میں کب ناز دکھائے گی؟

آنکس کہ منعِ ما ز خرابات می کند
جو شخص ہمیں خرابات سے روکتا ہے

گو در حضورِ پیرِ من ایں ماجرا بگو[1]
اس سے کہدے کہ میرے پیر کی موجودگی میں یہ بات کہ

جاں پرورست قصۂ اربابِ معرفت[2]
معرفت والوں کا قصہ، جان پرور ہے

رمزے از و بپرس و حدیثے بما بگو
اس کا کوئی نکتہ معلوم کر، اور ہم سے کوئی بات کہہ

ہر چند ما بدیم تو ما را بداں مگیر
اگرچہ ہم بُرے ہیں، لیکن اس پر ہماری گرفت نہ کر

شاہانہ ماجرائے گناہِ گدا بگو[3]
شاہانہ انداز پر، فقیر کے قصور کا ذکر کر

برایں فقیر نامۂ آں محتشم بخواں
اس فقیر کے سامنے، اس باحشمت کا خط پڑھ

باایں گدا حکایتِ آں پادشا بگو
اس فقیر سے، اس بادشاہ کا قصہ بیان کر

حافظ گرت بمجلسِ او راہ مید ہند
اے حافظ! اگر تجھے اس کی محفل میں جانے دیں

مے نوش و ترکِ زرق برائے خدا بگو
شراب نوشی کر، اور خدا کے لیے مکاری چھوڑ دے

اے خونبہائے نافۂ چیں خاکِ راہِ تو[4]
اے وہ کہ تیرے راستہ کی خاک، چین کے نافہ کا خون بہا ہے

خورشید سایہ پرورِ طرفِ کلاہِ تو
سورج، تیری ٹوپی کے گوشہ کے سایہ کا پروردہ ہے

نرگس کرشمہ میبرد از حد بروں خرام
نرگس حد سے زیادہ ادائیں دکھارہی ہے، باہر ٹہل

اے جاں فدائے شیوۂ چشمِ سیاہِ تو
اے وہ کہ جان، تیری کالی آنکھ کی ادا پر قربان ہے

خونم بخور کہ ہیچ ملک با چنیں جمال
میرا خون پی لے، اس لیے کہ ایسے حسن کے ہوتے ہوئے کوئی فرشتہ

از دل نیایدش کہ نویسد گناہِ تو[5]
دل سے اس پر راضی نہ ہوگا، کہ تیرا گناہ لکھے

آرام و خوابِ خلقِ جہاں را سبب توئی
مخلوق کے آرام، اور نیند کا تو ہی سبب ہے

زاں شد کنارِ دیدہ و دل تکیہ گاہِ تو
اسی لیے آنکھ، اور دل کی گود، تیری تکیہ گاہ ہے

با ہر ستارۂ سروکارست ہر شبم[6]
مجھے ہر رات میں، ہر ستارہ سے سروکار رہے

از حسرتِ فروغِ رخِ ہمچو ماہِ تو
تیرے چاند جیسے چہرہ کے نور کی حسرت کی وجہ سے

یارانِ ہمنشیں ہمہ از ہم جدا شدند
ہمنشیں دوست، سب ایک دوسرے سے جدا ہوگئے

مائیم و آستانۂ دولت پناہِ تو
ہم ہیں اور تیرا دولت پناہ آستانہ

یارِ بداں مباش کہ مانند بختِ نیک
بروں کا دوست نہ بن، تاکہ اچھے نصیبہ کی طرح

یارِ تو باد ہر کہ بود نیک خواہِ تو
تیرا وہی دوست ہو، جو تیرا نیک خواہ ہو

فردائے روزِ حشر کہ عرضِ خلائق ست
کل حشر کے دن، جبکہ مخلوق کی پیشی ہے

باشد در آں میاں بمن افتد نگاہِ تو[7]
شاید ایسا ہو کہ اس درمیان میں، تیری نگاہ مجھ پر پڑ جائے

حافظ طمع مبر ز عنایت کہ عاقبت
اے حافظ! مہربانی سے، امید قطع نہ کر اس لیے کہ انجام کار

آتش زند بخرمنِ غم دودِ آہِ تو
تیری آہ کا دھواں غم کے کھلیان میں آگ لگادے گا

---

[1] ہمارے پیر کے پاس پہونچے گا تو اس کی کرامات سے خود بھی خراباتی بن جائے گا۔

[2] معرفت والوں سے معرفت کے رموز دریافت کرکے ہمیں بتا۔

[3] بادشاہ گدا کی باتوں پر گرفت نہیں کرتے ہیں، تو بھی ہمارے ساتھ یہی معاملہ کر۔

[4] تیرے راستہ کی خاک اور چین کے نافے کی ایک قیمت ہے، خون بہا، خون کا بدلہ،

[5] چونکہ فرشتے بھی تیرے حسن پر فریفتہ ہیں لہٰذا تیرا گناہ نہ لکھیں گے۔

[6] شب بیداری اور اختر شماری کرتا ہوں۔

[7] اگر محبوب کی نظر قیامت کے دن مجھ پر پڑ جائے تو سب مصیبتیں حل ہو جائیں گی

اے قبائے پادشاہی راست بر بالائے تو
اے وہ کہ بادشاہی قبا تیرے قد پر موزوں ہے

زینتِ[1] تاج و نگیں از گوہرِ والائے تو
تاج، اور مہر کی رونق تیرے بلند جوہر سے ہے

آفتابِ[2] فتح را بر دم طلوعے میدہد
فتحمندی کے سورج کو ہر وقت ایک طلوع بخشتا ہے

از کلاہِ خسروی رخسارِ مہ سیمائے تو
تیرا چاند جیسا رخسار، شاہی تاج سے

جلوہ گاہِ[3] طائرِ اقبال گردد ہر کجا
اقبال کے پرند کی جلوہ گاہ بنجاتی ہے، وہ جگہ

سایہ انداز د ہمائے چترِ گردوں سائے تو
جہاں تیرا آسمان سے لگنے والے چتر کا ہما سایہ ڈال دے

از رسومِ[4] شرع و حکمت با ہزاراں اختلاف
ہزاروں اختلاف کے باوجود، شرع اور دانائی کے طریقوں کا

نکتۂ ہرگز نشد فوت از دلِ دانائے تو
ایک نکتہ بھی، تیرے دانا دل سے نہیں چھوٹا ہے

آبِ[5] حیوانش ز منقارِ بلاغت میچکد
اس کی بلاغت کی چونچ سے آب حیات ٹپکتا ہے

طوطیِ خوش لہجہ یعنی کلکِ شکر خائے تو
خوش لہجہ طوطی، یعنی تیرے شکر چبانیوالے قلم سے

گرچہ خورشیدِ فلک چشم و چراغِ عالم ست
اگرچہ آسمان کا سورج، دنیا کا چشم و چراغ ہے

روشنائی بخش چشم اوست خاکِ پائے تو
تیرے پیر کی خاک اس کی آنکھ کو روشنی بخشنے والی ہے

آنچہ[6] اسکندر طلب کرد و ندادش روزگار
جو چیز سکندر نے چاہی، اور زمانہ نے اس کو نہ دی

جرعۂ بود از زلالِ جامِ جاں افزائے تو
وہ تیرے جان کو بڑھانے والے جام کے زلال کا ایک گھونٹ تھا

عرضِ حاجت در حریمِ حرمتت محتاج نیست
تیری حرمت کے احاطہ میں حاجت پیش کرنیکی ضرورت نہیں ہے

رازِ کس مخفی نماند بر فروغِ رائے تو
تیری رائے کے نور پر کسی کا راز چھپا ہوا نہیں رہتا ہے

خسروا پیرانہ سر حافظ جوانی میکند
اے بادشاہ! بڑھاپے میں حافظ جوانی کرتا ہے

بر امید عفوِ جاں بخش گنہ فرسائے تو
تیری جان بخشنے والی، گناہ کو مٹا دینے والی معافی کی امید پر

اے[7] در چمن خوبی رویت چو گلِ خودرو
اے وہ کہ، حسن کے چمن میں تیرا چہرہ خودرو پھول کی طرح ہے

چینِ شکنِ زلفت چوں نافۂ چیں خوشبو
تیری زلف کی شکن کے پیچ، چین کے نافہ کی طرح خوشبودار ہیں

ماہ[8] است رخت یا روز مشک است خطت یا شب
تیرا چہرہ چاند ہے یا دن، تیرا خط مشک ہے یا رات

سیم است برت یا عاج سنگ است دلت یا رو
تیرا جسم چاندی ہے یا ہاتھی دانت، تیرا دل پتھر ہے یا کانسی

لعلت بدرِ دنداں بشکست لبِ پستہ
تیرے ہونٹوں نے دانتوں کے موتیوں کے ذریعہ پستہ کے ہونٹ کو شکست دیدی

زلفت بخمِ چوگاں بر بود دلم چوں گو
تیری زلفیں بلے کے موڑ کے ذریعہ میرے دل کو گیند کی طرح لے گئیں

آں رائحۂ زلفست یا لخلخۂ[9] عنبر
وہ زلف کی خوشبو ہے، یا عنبر کا لخلخہ

یا غالیہ میساید در باغچۂ حسنِ او
یا وہ زلف اس کے حسن کے باغ میں غالیہ کو رگڑ رہی ہے

گفتی سخنِ خود را با یار بباید گفت
تو نے کہا اپنی بات دوست سے کہنی چاہئے

اے کاش توانستم گفتن سخنے با او
اے کاش! میں کوئی بات اس سے کہہ سکتا

بدگوئے تو آں باشد کز یار کند منعت
تیرا بدگو وہ ہوگا جو تجھے دوست سے روکے

گر یار نکو باشد مشنو سخنِ بدگو
اگر دوست اچھا ہو، تو بدگو کی بات نہ سن

---

[1] تاج اور نگین کی رونق تیری ذات سے ہے۔

[2] رخسار کو آفتاب اور کلاہِ خسروی کو مطلع قرار دیا ہے۔

[3] چترِ شاہی کو ہما قرار دیا ہے جس کا خاصہ یہ ہے کہ جس پر اس کا سایہ پڑجائے وہ بادشاہ بن جاتا ہے۔

[4] شریعت اور حکمت کے مسئلوں میں اگرچہ بہت سے اختلافات ہیں لیکن اس کی نظر ہر پہلو پر ہے۔

[5] قلم کو طوطی سے تشبیہ دی ہے اور مضامین کو آبِ حیات قرار دیا ہے۔

[6] سکندر جس آبِ حیات کی طلب میں مارا مارا پھرا وہ تیرے جام کا ایک گھونٹ ہے۔

[7] چہرہ کو خودرو پھول سے تشبیہ دی ہے اور زلف کی خوشبو کو چین کے نافہ سے۔

[8] چہرہ کو چاند اور دن سے، خط کو مشک اور رات سے، بدن کو چاندی اور ہاتھی دانت سے، دل کو پتھر اور کانسی سے تشبیہ دی ہے۔

[9] لخلخہ اس مرکب کو کہا جاتا ہے جو سونگھنے کے لیے چند خوشبوؤں سے بنایا جاتا ہے۔

باما بد ازیں میاش تا راز نگردد فاش
ہمارے ساتھ تو اس سے اچھا معاملہ کر تاکہ راز نہ کھلے

نبود بد اگر باشی با دل شدگاں نیکو
اگر عاشقوں کے ساتھ تو بھلائی کرے گا، تو کوئی برائی نہ ہوگی

استادِ غزل سعدی ست پیش ہمہ کس امّا
سب کی نظر میں، سعدی غزل کا استاد ہے لیکن

دارد سخنِ حافظ طرزِ سخنِ خاجو
حافظ کا کلام، خاجو کے کلام کا انداز رکھتا ہے

بجانِ پیرِ خرابات و حقِ صحبتِ او
پیر خرابات کی جان، اور اس کے حق صحبت کی قسم

کہ نیست در سرِ من جز ہوائے خدمتِ او
کہ میرے سر میں اس کی خدمت کی خواہش کے سوا کچھ نہیں ہے

بہشت اگرچہ نہ جائے گناہگاران ست
بہشت، اگرچہ گنہگاروں کی جگہ نہیں ہے

بیار بادہ کہ مستظہرم برحمتِ او
شراب لا، اس لیے کہ مجھے اس کی رحمت پر بھروسہ ہے

چراغِ صاعقۂ آں شراب روشن باد
خدا کرے اس شراب کی بجلی کا چراغ روشن رہے

کہ زد بخرمنِ من آتشِ محبتِ او
جس نے اس کی محبت کی آگ میرے کھلیان میں لگادی ہے

برآستانۂ میخانہ گر سرے بینی
اگر میخانہ کی چوکھٹ پر، تو کوئی سر دیکھے

مزن بپائے کہ معلوم نیست نیتِ او
اس کو ٹھوکر نہ مار، اس لیے کہ اس کی نیت معلوم نہیں ہے

بیار بادہ کہ دوشم سروشِ عالمِ غیب
شراب لا، اس لیے کہ کل مجھ کو عالم غیب کے فرشتے نے

نوید داد کہ عام ست فیضِ رحمتِ او
خوشخبری دی ہے، کہ اس کی رحمت کا فیض عام ہے

مکن بچشمِ حقارت نگاہ بر منِ مست
مجھ مست پر، حقارت سے نگاہ نہ ڈال

کہ نیست معصیت و زہد بے مشیتِ او
اس لیے کہ کوئی گناہ اور زہد اس کی منشا کے بغیر نہیں ہے

نمیکند دلِ من میل زہد و توبہ و لے
میرا دل، زہد اور توبہ کی طرف میلان نہیں کرتا ہے لیکن

بنامِ خواجہ بکوشم و فرِ دولتِ او
خواجہ اور اس کی دولت کے دبدبہ کے نام پر کوشش کرتا ہوں

دلا طمع مبر از لطفِ بے نہایتِ دوست
اے دل! دوست کی لا انتہا مہربانی سے امید نہ توڑ

کہ نیست جز کرم و رحم خلق رغبتِ او
اس لیے کہ مخلوق پر رحم و کرم کے سوا اسکو کسی چیز کی رغبت نہیں

مُدام خرقۂ حافظ ببادہ در گرو ست
حافظ کی گدڑی، ہمیشہ شراب میں گروی ہے

مگر ز خاکِ خرابات بود فطرتِ او
شاید، شراب خانہ کی خاک سے اس کی پیدائش تھی

تابِ بنفشہ میدہد طرۂ مشکسائے تو
تیری مشکبار زلف، بنفشہ کو بل دے رہی ہے

پردۂ غنچہ میدرد خندۂ دلکشائے تو
تیری دلکشا مسکراہٹ، غنچہ کی پردہ دری کر رہی ہے

اے گُلِ خوش نسیمِ من بلبلِ خویش را مسوز
اے میرے خوشبو دار پھول! اپنی بلبل کو نہ جلا

کز سرِ صدق میکند شب ہمہ شب دعائے تو
اسلیے کہ وہ سچائی کے ساتھ پوری پوری رات تجھے دعا دیتی ہے

دشمن و دوست گو بگو ہر غرضے کہ ممکن ست
دشمن اور دوست سے کہدے کہ جو اس کا جی چاہے کہے

جورِ ہمہ جہانیاں میکشم از برائے تو
میں تیری خاطر، تمام دنیا والوں کا ظلم برداشت کرتا ہوں

۱ اگر ہم سے بُرا سلوک کرے گا ہماری آہ وزاری عشق کا راز فاش کردیگی۔
۲ خاجو فارسی کے مشہور شاعر ہیں خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ اگرچہ تمام شعرا نے سعدی کو غزل کا استاد مانا ہے۔ لیکن ہمیں خاجو کا طرز پسند ہے۔
۳ ممکن ہے وہ خودی مٹانے اس جگہ آیا ہو۔
۴ چونکہ نیکی اور بدی سب اللہ کے اختیار سے ہے لہذا میری بدی کو برا کہنا اللہ کی مشیت کی برائی کرنا ہے۔
۵ بنفشہ میں بل اس کی زلف سے آتے ہیں اس کی مسکراہٹ غنچہ کی مسکراہٹ کو شرماتی ہے۔
۶ بلبل کو نہ جلا وہ تیری دعاگو ہے
۷ مجھے اب دوست دشمن کے کہنے سننے کی پرواہ نہیں ہے۔

خرقۂ زہد و جامِ مے گرچہ نہ درخورِ من ست
زہد کی گدڑی اور شراب کا جام، اگرچہ میرے لائق نہیں ہے

اینہمہ نقش میزنم در طلبِ وفائے تو
تیری وفا کی طلب میں، میں یہ سب نقشے بنا رہا ہوں

شورِ شراب و سوزِ عشق آں نفسم رود زیاد
شراب کا شور اور عشق کی سوزش میں اس وقت بھولوں گا

کایں سرِ پُر ہوس شود خاکِ درِ سرائے تو
جب یہ تمناؤں بھرا سر، تیرے گھر کے در کی خاک بن جائیگا

منکہ ملول گشتمے از نفسِ فرشتگاں
میں، جو کہ فرشتوں کے سانس سے بھی رنجیدہ ہوتا تھا

قال و مقالِ عالمے میکشم از برائے تو
تیرے لئے ایک دنیا کی باتیں برداشت کر رہا ہوں

مہرِ رخت سرشتِ من خاکِ درت بہشتِ من
تیرے رخ کی محبت میری سرشت ہے تیرے در کی خاک میری بہشت ہے

عشقِ تو سرنوشتِ من راحتِ من رضائے تو
تیرا عشق میرا نوشتۂ تقدیر ہے، میری راحت تیری رضامندی ہے

دلقِ گدائے عشق را گنج بود در آستیں
عشق کے بھکاری کی گدڑی کی آستین میں خزانہ ہوتا ہے

زود بسلطنت رسد ہر کہ بود گدائے تو
سلطنت پر جلد پہونچ جائے گا، جو تیرا بھکاری ہوگا

دولتِ عشق بیں کہ چوں از سرِ فخر و احتشام
عشق کی دولت کو دیکھ، کہ فخر و عزت کی وجہ سے کس طرح

گوشۂ تاجِ سلطنت میشکند گدائے تو
تیرا بھکاری سلطنت کے تاج کے گوشے کو خم دیتا ہے

شاہ نشینِ چشمِ من تکیہ گہِ خیالِ تست
میری آنکھ کا شاہ نشین، تیرے خیال کی آرامگاہ ہے

جائے دعاست شاہِ من بیتو مباد جائے تو
اے میرے شاہ! دعا کا موقع ہے، خدا کرے تیری جگہ تیرے بغیر نہ ہے

خوش چمنے ست عارضت خاصہ کہ در بہارِ حسن
تیرا رخسار حسین چمن ہے، خصوصاً جبکہ حسن کی بہار میں

حافظِ خوش کلام شد مرغِ سخن سرائے تو
خوش کلام حافظ تیرا چہکنے والا پرند بن گیا ہے

خطِ عذارِ یار کہ بگرفت ماہ ازو
یار کے رخسار کا وہ خط، جس سے چاند رنجیدہ ہے

خوش حلقہ ایست لیک بدر نیست راہ ازو
پیارا حلقہ ہے لیکن اس سے نکلنے کا راستہ نہیں ہے

ابروئے دوست گوشۂ محرابِ دولت ست
دوست کی ابرو، اقبال کی محراب کا گوشہ ہے

آنجا بسائی چہرہ و حاجت بخواہ ازو
وہاں چہرہ رگڑ، اور اس سے ضرورت مانگ

اے جرعہ نوشِ مجلسِ جم سینہ پاک دار
اے جمشید کی مجلس کے، جرعہ نوش! سینے کو پاک رکھ

کائینہ ایست جامِ جہاں بیں کہ آہ ازو
کیونکہ، جامِ جہاں بیں (سینہ) ایک ایسا آئینہ ہے جسکو پاک رکھنا مشکل ہے

سلطانِ غم ہر آنچہ تو اند بگو بکن
غم کے بادشاہ سے کہہ دو، جو کر سکے کر

من بردہ ام بباده فروشاں پناہ ازو
میں نے اس سے شراب فروشوں کی پناہ لے لی ہے

صوفی مرا بمیکدہ برد از طریقِ عقل
صوفی نے عقل کے راستہ سے مجھے شراب خانہ میں پہونچا دیا

ایں دود بیں کہ نامۂ من شد سیاہ ازو
اس دھوئیں کو دیکھ کہ اس سے میرا اعمالنامہ سیاہ ہو گیا ہے

کردارِ اہلِ صومعہ ام کرد مے پرست
عبادت خانہ والوں کے عمل نے مجھے شراب پرست بنا دیا

بنگر کہ کارِ من بچساں شد تباہ ازو
دیکھ اس سے میرا کام کیسا تباہ ہو گیا

ساقی چراغِ مے برہِ آفتاب دار
اے ساقی! شراب کا چراغ، سورج کے راستے میں رکھ

گو بر فروز مشعلۂ صبحگاہ ازو
کہہ دو کہ وہ صبح کی مشعل اس سے روشن کرے

---

۱ جب تیری چوکھٹ پر جان دیدوں گا۔ تو یہ سب کچھ مصیبتیں ختم ہو جائیں۔

۲ پہلے اس قدر نازک طبع تھا کہ فرشتوں کا سانس بھی ناگوار گذرتا تھا۔

۳ آستین میں جیب بنائی جاتی تھی۔

۴ میری آنکھوں میں ہر وقت تیرا تصور سمایا ہوا ہے خدا کرے یہ آنکھیں اس سے محروم نہ ہوں۔

۵ خطِ یار کا حسن دیکھ کر چاند شرمندہ ہوتا ہے لیکن جو اس حلقہ میں پھنس گیا وہ پھر نہیں نکل سکتا ہے۔

۶ غم اب ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ہے ہم نے شراب فروشوں کی پناہ لے لی ہے۔

۷ صوفیوں کے کارناموں سے نفرت کھا کر میں شراب خانہ میں پہونچ گیا۔

۸ سورج کو اپنی روشنی شراب سے حاصل کرنی چاہیے۔

آبے بروزنامۂ اعمالِ ما فشاں
ہمارے اعمال کے روزنامچہ پر، پانی چھڑک
بتواں مگر سترد حروفِ گناہ ازو
شاید گناہوں کے حروف اس سے دھوئے جائیں

آخر دریں خیال کہ دارد گدائے شہر
بالآخر، اس خیال کی وجہ سے جو شہر کا فقیر رکھتا ہے
روزے شود کہ یاد کند پادشاہ ازو
کوئی دن ہوگا، کہ بادشاہ اس کو یاد کرے گا

حافظ کہ سازِ مجلسِ عشاق ساز کرد
وہ حافظ، جس نے عاشقوں کی مجلس کے ساز کو تیار کیا ہے

خالی مباد عرصۂ ایں بزم گاہ ازو
خدا کرے اس مجلس کا میدان اس سے خالی نہ ہو

گفتا بروں شدی بتماشائے ماہِ نو
اس نے کہا تو نیا چاند دیکھنے باہر نکلا!
از ماہِ ابروانِ منت شرم نیست رو
تجھے، میرے ابروؤں کے چاند سے شرم نہ آئی، نکل جا

عمریست تا دلم زمقیمانِ زلفِ تست
ایک زمانہ گزر گیا، جب سے میرا دل تیری زلف کے ساکنوں میں ہے
غافل زحفظِ جانبِ یارانِ خود مشو
اپنے دوستوں کی جانب کی نگرانی کرنے سے غافل نہ ہو

مفروش عطرِ عقل بہندوئے زلفِ یار
یار کی کافر زلف کے پاس عقل کا عطر نہ بیچ
کانجا ہزار نافۂ مشکیں بہ نیم جو
اس لیے کہ اس جگہ مشک کے ہزار نافے، آدھے جو کے برابر ہیں

تخمِ وفا و مہر دریں کشت زارِ عشق
اس عشق کے کھیت میں وفا، اور محبت کا بیج
آنگہ عیاں شود کہ رسد موسمِ درو
جب پھوٹتا ہے جب کٹنے کا وقت آجاتا ہے

ساقی بیار بادہ کہ رمزے بگویمت
اے ساقی شراب لا کہ میں تجھ سے ایک راز کہوں
از سرِ اخترانِ کہن سال و ماہِ نو
پرانی عمر کے ستاروں اور نئے چاند کی سیر کا

ق

شکلِ ہلال ہر سرِ مہ میدہد نشاں
مہینہ کے شروع میں چاند کی شکل پتہ دیتی ہے
از افسرِ اتابک و پرِ کلاہِ گو
اتابک کے تاج، اور کسی بہادر کی ٹوپی کے پر کا

حافظ جنابِ پیرِ مغاں مامنِ وفاست
اے حافظ! پیر مغاں کی بارگاہ، وفا کا مامن ہے

درسِ وفا و مہر بر و خواں وزو شنو
وفا اور محبت کا سبق اس کو سنا اور اس سے سن

گلبنِ عیش میدمد ساقیِ گلعذار کو
عیش کے پھولوں کی شاخ کھل رہی ہے، گلعذار ساقی کہاں ہے!
بادِ بہار می وزد بادۂ خوشگوار کو
بہار کی ہوا چل رہی ہے، خوش گوار شراب کہاں ہے!

ہر گلِ نو ز گلرخے یاد ہمی کند و لے
ہر نیا پھول، ایک گلرخ کو یاد کر رہا ہے لیکن
گوشِ سخن شنو کجا دیدۂ اعتبار کو
بات سننے والا کان، عبرت حاصل کرنے والی آنکھ کہاں ہے!

مجلسِ بزمِ عیش را غالیۂ مراد نیست
عیش کی مجلس میں، مراد کی خوشبو نہیں ہے
اے دمِ صبح خوش نفس نافۂ زلفِ یار کو
اے خوش نفس صبح کے جھونکے! یار کی زلف کا نافہ کہاں ہے؟

حسن فروشیِ گلم نیست تحمل اے صبا
اے صبا! پھول کی حسن فروشی کی مجھ میں برداشت نہیں ہے
دست زدم بخونِ دل بہرِ خدا نگار کو
دل کے خون میں میں نے ہاتھ مارا ہے خدا کے لیے دوست کہاں ہے؟

۱؎ ہمارے اعمالنامہ پر شراب چھڑک دینا وہ گناہ دھو دیگی۔
۲؎ معشوق کی ابروؤں کو دیکھ لینے کے بعد چاند دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔
۳؎ زلف کے مقابلہ میں عقل کا عطر کوئی کام نہیں دیتا ہے۔
۴؎ عشق کا بیج بڑی مدت میں اُگتا ہے۔
۵؎ شراب پی کر چاند اور ستاروں کے راز بتا سکتا ہوں۔
۶؎ گو بمعنی شجاع۔ چاند کے تغیرات دنیا کی ناپائیداری کا اشارہ کرتے ہیں۔
۷؎ شعر
سب کہاں، کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

شمع سحر بزمگہ لاف بعارض تو زد
مجلس میں صبح کی شمع نے تیرے رخسار کے مقابلہ کی ڈینگیں ماریں
خصم زباں دراز شد خنجر آبدار کو
دشمن زبان دراز ہو گیا ہے، آبدار خنجر کہاں ہے؟

گفت مگر ز لعل من بوسہ نداری آرزو[1]
اس نے کہا، شاید تجھے میرے ہونٹ کے بوسہ کی آرزو نہیں ہے
مردم ازیں ہوس ولے قدرت و اختیار کو
میں اس تمنا میں مر گیا لیکن قدرت اور اختیار کہاں ہے؟

حافظ اگرچہ در سخن خازن گنج حکمت ست
حافظ، اگرچہ بات کہنے میں دانائی کے خزانہ کا خزانچی ہے
از غم روزگار دوں طبع سخن گزار کو
کمینہ، زمانہ کے غم کی وجہ سے آزاد کرنے والی طبیعت کہاں ہے؟

مرا چشمے ست خوں افشاں ز چشم آں کماں ابرو[2]
میری آنکھ خون چھڑکنے والی ہے اس کمان جیسے ابرو والے کی وجہ سے
جہاں پر فتنہ می بینم ازاں چشم و ازاں ابرو
میں دنیا کو اس آنکھ اور اس ابرو سے فتنوں بھری دیکھتا ہوں

غلام چشم آں ترکم کہ در خواب خوش مستی
میں اس معشوق کی آنکھ کا غلام ہوں کہ مستی کی میٹھی نیند میں
نگاریں گلشنش روئے ست و مشکیں سایباں ابرو
اس کا چہرہ خوبصورت باغ اور اسکا ابرو مشکیں سائبان ہے

ہلالی شد تنم زیں غم کہ با طغرائے مشکینش[3]
اس غم میں، میرا جسم کبڑا ہو گیا کہ اسکے مشکیں طغرے کی موجودگی میں
کہ باشد مہ کہ بنماید ز طاق آسماں ابرو
چاند کون ہوتا ہے کہ آسمان کے طاق سے ابرو دکھائے

ہمیشہ چشم مستش را کمان حسن در زہ باد
خدا کرے اسکی مست آنکھ پر حسن کی کمان کا چلہ ہمیشہ چڑھا رہے
کہ از پشتی تیر او کشد بر مہ کماں ابرو
اس لیے کہ اسکے تیر کی مدد سے ابرو، چاند پر کمان کھینچتا ہے

روان گوشہ گیراں را ز حسنش طرفہ گلزاریست
گوشہ نشینوں کی روح کے لیے اس کا حسن ایک عجیب باغ ہے
کہ بر طرف سمن زارش ہمیگردد چماں ابرو
کہ اسکے چنبیلی کے قطعہ کے کنارے پر ابرو ٹہل رہی ہے

رقیباں غافل اند از ما کز آں چشم سیہ ہر دم[4]
رقیب ہم سے غافل ہیں، اسلیے کہ اس کالی آنکھ سے ہر وقت
ہزاراں گونہ پیغام ست و حاجب در میاں ابرو
ہزاروں قسم کے پیغام ہیں اور ابرو پردہ دار ہے

دگر حور و پری را کس نگوید با چنیں حسنے[5]
ایسے حسن کے ہوتے ہوئے پھر حور اور پری کی نسبت کوئی نہ کہیگا
کہ ایں را ایں چنیں چشم ست و آں را آنچناں ابرو
کہ اس کی آنکھ ایسی ہے اور اس کا ابرو ویسا ہے

تو کافر دل نمی بندی نقاب زلف و میترسم[6]
اے کافر دل! تو زلف کا نقاب نہیں ڈالتا ہے اور میں ڈرتا ہوں
کہ محرابم بگرداند خم آں دلستاں ابرو
کہ اس دل چھیننے والے ابرو کا خم میری محراب پلٹ دے گا

اگرچہ مرغ زیرک بود حافظ در وفاداری
اگرچہ حافظ، وفاداری میں چالاک پرند تھا
بہ تیر غمزہ صیدش کرد چشم آں کماں ابرو
اس کمان جیسے ابرو والے کی آنکھ نے ادا کے تیر سے اسکا شکار کر لیا

مزرع سبز فلک دیدم و داس مہ نو[7]
میں نے آسمان کا سبز کھیت، اور چاند کی درانتی دیکھی
یادم از کشتۂ خویش آمد و ہنگام درو
مجھے اپنی کھیتی اور کھیتی کاٹنے کا وقت یاد آ گیا

گفتم اے بخت بخسپیدی و خورشید دمید
میں نے کہا، اے نصیبے! تو سو گیا، اور سورج نکل آیا
گفت با ایں ہمہ از سابقہ نومید مشو
اس نے کہا کہ باایں ہمہ تقدیر سے ناامید نہ ہو

---

[1] پہلا مصرع سوال ہے دوسرا مصرع جواب ہے۔
[2] اس کی چشم و ابرو نے مجھے ہی نہیں رلایا بلکہ تمام دنیا فتنوں میں مبتلا ہو گئی ہے۔
[3] ابروؤں کو اگرچہ ہلال سے تشبیہ دی جاتی ہے لیکن میرے معشوق کے ابروؤں کے سامنے ہلال کی کوئی حقیقت نہیں۔
[4] اس کی ابرو اس کی آنکھ کے ہزاروں پیغام لا کر دیتی ہے لیکن رقیبوں کو پتہ نہیں چلتا ہے۔
[5] اگر لوگ میرے محبوب کا حسن دیکھ لیں تو حور و پری کی تعریفیں کرنا چھوڑ دیں۔
[6] یعنی مسجد کی محراب میں سجدہ کرنا چھوڑ دونگا۔
[7] آسمان کا سبز کھیت اور چاند کی درانتی دیکھ کر مجھے اپنی ناپائیداری کا احساس ہوا۔

تکیہ بر اخترِ شبگرد مکن کیں عیار
ڈاکو ستارے پر بھروسہ کر اسلیے کہ اس چالاک نے

تاجِ کاؤس ربود و کمرِ کیخسرو
کاؤس کا تاج، اور کیخسرو کی پیٹی چھین لی ہے

گر روی پاک و مجرد چو مسیحا بہ فلک
اگر پاک اور مجرد ہو کر مسیحا کی طرح تو آسمان پر جائے گا

از فروغِ تو بخورشید رسد صد پرتو
تیرے نور سے، سورج تک سو جلوے پہنچیں گے

آسماں گو مفروش ایں عظمت کاندر عشق
آسمان سے کہہ دو، اپنی عظمت کی اتنی ڈینگیں نہ مارے اسلیے کہ عشق میں

خرمنِ مہ بجوے خوشۂ پرویں بدو جو
چاندوں کا انبار ایک جو کی اور ثریا کا خوشہ دو جو کی قیمت رکھتا ہے

جامِ جمشید مَن دہ کہ نیرزد برِ من
جمشید کا جام مجھے دے، اس لیے کہ میرے نزدیک قیمت نہیں رکھتا ہے

گنجِ قاروں بجو و ملکِ سلیماں بدو جو
قارون کا خزانہ ایک جو کی، اور سلیمان کا ملک دو جو کی

گوشوارِ دُر و لعل ارچہ گراں دارد گوش
موتی اور لعل کے گوشوارے اگرچہ کان کو بھاری معلوم ہوتے ہیں

دَورِ خوبی گذران ست نصیحت بشنو
نصیحت سن لے، حسن کا زمانہ گذر جانے والا ہے

چشمِ بد دور ز خالِ تو کہ در عرصۂ حسن
تیرے تل سے چشم بد دور، کہ حسن کی بساط پر

بیذقے راند کہ بُرد از مہ و خورشید گرو
اس نے ایسا پیادہ چلا جو چاند اور سورج سے بازی لے گیا

ہر کہ در مزرعِ دل تخمِ وفا سبز نکرد
جس نے دل کے کھیت میں وفا کا بیج سرسبز نہ کیا

زردروئی کشد از حاصلِ خود گاہِ درو
کاٹنے کے وقت اپنی پیداوار سے شرمندہ ہوگا

اندریں دائرہ میباش چو دف حلقہ بگوش
دف کی طرح حلقہ بگوش بنکر اس دائرہ میں رہ

ورقفائے خوری از دائرۂ خویش مرو
ورنہ طمانچہ کھائے گا۔ اپنے دائرے سے نہ نکل

آتشِ زرق و ریا خرمنِ دیں خواہد سوخت
فریب اور ریا کی آگ، دین کا کھلیان جلا دے گی

حافظ ایں خرقۂ پشمینہ بینداز و برو
اے حافظ! اس اونی گدڑی کو پھینک، اور چل دے

مُطربِ خوش نوا بگو تازہ بتازہ نو بنو
اے خوش آواز مُطرب، تازہ بتازہ نو بنو گا

بادۂ دلکشا بجو تازہ بتازہ نو بنو
دلکشا شراب ڈھونڈ، تازہ بتازہ، نو بنو

با صنمے چو لُعبتے خوش بنشیں بخلوتے
گڑیا جیسے بت کے ساتھ تنہائی میں مزے سے بیٹھ

بوسہ ستاں بکام از و تازہ بتازہ نو بنو
مقصد کے مطابق اس کے بوسے لے، تازہ بتازہ نو بنو

ساقیِ سیم ساقِ من نیست مُیَم بیار پیش
اے میرے چاندی جیسی پنڈلی والے ساقی میرے پاس شراب نہیں ہے جلد سے لا

زود کہ پُر کنم سبو تازہ بتازہ نو بنو
تاکہ میں تازہ بتازہ، نو بنو صراحی بھر لوں

بر ز حیات کے خوری گر نہ مدام مے خوری
تو زندگی کا پھل کب کھائیگا، اگر ہمیشہ شراب نہ پیے گا

بادہ بخور بیادِ او تازہ بتازہ نو بنو
اس کی یاد میں تازہ بتازہ، نو بنو شراب پی

شاہدِ دلربائے من میکند از برائے من
میرا دلربا معشوق، میرے لئے

نقش و نگار و رنگ و بو تازہ بتازہ نو بنو
تازہ بتازہ نو بنو، نقش و نگار رنگ و بو اختیار کرتا ہے

بادِ صبا چو بگذری بر سرِ کوئے آں پری
اے بادِ صبا اگر تو اس پری کے کوچے سے گذرے

قصۂ حافظش بگو تازہ بتازہ نو بنو
تو اسے حافظ کا تازہ بتازہ، نو بنو قصہ سنا دے

۱؎ شبگرد، چور چونکہ ستارے رات میں نکلتے ہیں اس لئے ان کو شبگرد کہا ہے یعنی ان ستاروں نے سینکڑوں بادشاہوں کو ختم کردیا ہے۔

۲؎ عاشق کی نظر میں نہ چاند کی قدر ہے نہ ثریا کی نہ وہ آسمان کی عظمت کا قائل ہے۔

۳؎ گوشوارۂ دُر و لعل سے نصیحت کی باتیں مُراد ہیں۔

۴؎ جس دل میں وفاداری نہیں اس کو انجام کار شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔

۵؎ گونج پیدا کرنے کیلئے دف کے چاروں طرف گھونگروؤں کا حلقہ کس دیا جاتا ہے۔ اس لئے اس کو حلقہ بگوش کہا ہے۔

۶؎ لطفِ زندگی یہی ہے کہ محبوب کی یاد میں مستقل شراب نوشی کی جائے۔

ردیفِ ہائے ہوّز

از خونِ دل نوشتم نزدیک یار نامہ
میں نے دل کے خون سے دوست کے پاس خط لکھا ہے
اِنّی رَاَیتُ دَھرًا مِن ھَجرِکَ القِیَامَۃ
میں نے تیرے ہجر میں زمانہ کو قیامت سمجھا ہے

ہر چند کآزمودم از وے نبود سودم
میں نے ہر چند آزمایا، اس سے مجھے فائدہ نہ پہونچا
مَن جَرَّبَ المُجَرَّبَ حَلَّت بِہِ النَّدَامَۃ
جس نے تجربہ شدہ چیز کا تجربہ کیا، وہ شرمندہ ہوا

دارم من از فراقت در دیدہ صد علامت
میں تیرے فراق کی وجہ سے آنکھ میں سو علامتیں رکھتا ہوں
لَیسَت دُمُوعُ عَینِی ھٰذَا لَنَا العَلَامَۃ
میری آنکھ کے یہ آنسو ہی ہمارے لئے علامت نہیں ہیں؟

پرسیدم از طبیبے احوالِ دوست گفتا
میں نے طبیب سے دوست کے احوال پوچھے، وہ بولا
فِی بُعدِھَا عَذَابٌ فِی قُربِھَا النَّدَامَۃ
اس کی دوری میں عذاب ہے، اس کے قرب میں ندامت ہے

گفتم ملامت آرد گر گردِ دوست گردم
میں نے کہا، وہ ملامت کرتا ہے، اگر دوست کے چاروں طرف چکر کاٹتا ہوں
وَاللہِ مَا رَاَینَا حُبًّا بِلَا مَلَامَۃ
خدا کی قسم ہم نے کوئی محبت، ملامت کے بغیر نہیں دیکھی ہے

حالِ درونِ ریشم محتاجِ شرح نبود
میرے زخمی دل کا حال، شرح کا محتاج نہیں ہے
خود میشود محقق از آبِ چشمِ خامہ
قلم کی آنکھ کے پانی سے خود ثابت ہو رہا ہے

بادِ صبا ز حالم ناگہ نقاب برداشت
میرے حال سے، بادِ صبا نے اچانک نقاب اٹھا دیا
کَالشَّمسِ فِی ضُحَاھَا تَطلُعُ مِنَ الغَمَامَۃ
جیسا کہ سورج چاشت کے وقت میں ابر سے نکل آئے

حافظ چو طالب آمد جامے و جانِ شیریں
جبکہ حافظ طلبگار بنکر آیا ہے، ایک جام سے اور شیریں جان لے
حَتّٰی یَذُوقَ مِنہُ کَاسًا مِنَ الکَرَامَۃ
تاکہ وہ اس سے، بزرگی کا ایک جام چکھ لے

اے از فروغِ رویت روشن چراغِ دیدہ
اے کہ تیرے چہرے کے نور سے آنکھوں کا چراغ روشن ہے!
مانندِ چشمِ مستت چشمِ جہاں ندیدہ
تیری مست آنکھ جیسی دنیا کی آنکھ نہیں دیکھی

ہمچوں تو نازنینے سر تا بپا لطافت
تجھ جیسا نازنین، از سر تا پا لطافت
گیتی نشاں ندادہ ایزد نیا فریدہ
دنیا نے نہیں دکھایا، خدا نے نہیں پیدا کیا

ہر زاہدے کہ دیدہ یاقوتِ مے فروشت
جس زاہد نے، تیرے شراب فروش سرخ ہونٹ کو دیکھ لیا
سجادہ ترک دادہ پیمانہ درکشیدہ
اس نے مصلے کو چھوڑا، شراب پینے لگا

در قصدِ خونِ عاشق ابرو و چشمِ شوخت
عاشق کے خون کے ارادے سے تیرے ابرو اور تیری شوخ آنکھ نے
گہ ایں کمیں کشادہ گہ آں کماں کشیدہ
کبھی اس نے گھات لگائی، کبھی اس نے کمان کھینچی

تا کے کبوترِ دل چوں مرغِ نیم بسمل
دل کا کبوتر نیم بسمل پرند کی طرح کب تک؟
باشد ز تیرِ ہجرت در خاک و خوں طپیدہ
تیرے ہجر کے تیر سے، خاک اور خون میں تڑپے گا

تا کے فروگزاری چوں زلفِ خود دلم را
اپنی زلفوں کی طرح تو میرے دل کو کب تک چھوڑے رکھے گا
سرگشتہ و پریشاں اے نورِ ہر دو دیدہ
سرگشتہ اور پریشان، اے دونوں آنکھوں کے نور!

۱؎ یعنی میں نے فراق کی کیفیت محبوب کو خون سے لکھ کر بھیجی ہے۔
۲؎ محبوب کو بار بار آزمایا لیکن شرمندگی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔
۳؎ حافظ تیرا چاہنے والا ہے جان لے اور ایک جام محبت اسکو پلا کر باعزت کر دے۔
۴؎ میری آنکھیں تیرے چہرے کے نور سے روشن ہیں۔
۵؎ جو زاہد تیرے ہونٹ دیکھے گا مصلے چھوڑ کر شراب خانے پہونچ جائے گا۔
۶؎ یعنی آنکھ نے گھات لگائی ہے اور ابرو نے کمان کھینچی ہے۔
۷؎ میرا دل ہجر میں نیم بسمل پرندہ کی طرح تڑپتا ہے۔

مَیلے اگر ندارد با عارضِ تو ابرو
اگر ابرو کو تیرے رخسار کا عشق نہیں ہے

پیوستہ از چہ باشد چوں قدِ من خمیدہ
تو میرے قد کی طرح ہمیشہ، جھکا ہوا کیوں رہتا ہے؟

گر بر لبم نہی لب یابم حیاتِ باقی
اگر تو میرے ہونٹوں پر ہونٹ رکھ دیگا تو مجھے حیاتِ جاوید مل جائیگی

آندم کہ جانِ شیریں باشد بلب رسیدہ
جبکہ شیریں جان، ہونٹوں پر پہونچ چکی ہو گی

از سوزِ سینہ ہر دم دودم بسر بر آید
میرے سینہ کی سوزش سے ہر وقت دھواں اٹھتا ہے

چوں عود چند باشم در آتش آرمیدہ
عود کی طرح میں کب تک آگ میں پڑا رہوں گا

در خار خارِ ہجراں افتادہ در کشاکش
میں ہجر کے کانٹوں ہی کانٹوں کی کشمکش میں پڑا ہوں

وز گلبنِ وصالت ہرگز گلے نچیدہ
اور تیرے وصل کی شاخ سے ہرگز کوئی پھول نہ چنا

بر چہرۂ بختِ نیکت تعویذِ چشمِ بد را
تیرے نیک نصیبہ نے چہرہ پر نظرِ بد کے تعویذ کے لئے

ہر دم وَاِن یَکَادُ دُز اخلاص بر دمیدہ
ہر وقت اخلاص سے وَاِن یَکَادُ دُز پڑھ کر پھونکا

گر دستِ من نگیری با خواجہ باز گویم
اگر تو میری دستگیری نہ کرے گا تو میں خواجہ سے کہدونگا

کز عشوہ دل ز حافظ چوں بر داد بدیدہ
کہ وہ حافظ کا دل اداے آنکھ کے ذریعہ کس طرح لے گیا ہے

از من جدا مشو کہ توام نورِ دیدۂ
مجھ سے جدا نہ ہو، کیونکہ تو میری آنکھ کا نور ہے

آرامِ جان و مونسِ قلبِ رمیدۂ
جان کا آرام ہے اور وحشی دل کا غمخوار ہے

از دامنِ تو دست ندارند عاشقاں
عاشق تیرے دامن سے ہاتھ نہ ہٹائیں گے

پیراہنِ صبوریِ ایشاں دریدۂ
تو نے ان کے صبر کا لباس چاک کر دیا ہے

از چشمِ زخمِ دہر مبادت گزند از آنک
خدا کرے زمانہ کی نظرِ بد سے تجھے نقصان نہ پہونچے، کیونکہ

در دلبری بغایتِ خوبی رسیدۂ
دلبری میں تو انتہائی خوبی کو پہونچ گیا ہے

منعم کنی ز عشقِ وے اے مفتیِ زماں
اے مفتیِ دوراں! تو مجھے اس کے عشق سے روکتا ہے

معذور دارمت کہ تو او را ندیدۂ
میں تجھے معذور سمجھتا ہوں، کیونکہ تو نے اس کو دیکھا نہیں ہے

چشمِ بد از تو دور کہ در طرزِ دلبری
تجھ سے نظرِ بد دور رہے، اس لیے کہ دلبری کے طرز میں

خط بر جمالِ یوسفِ کنعاں کشیدۂ
تو نے کنعان کے یوسف کے جمال پر خط کھینچ دیا ہے

پایم نمی رسد بزمیں دیگر از نشاط
اب خوشی سے میرا پاؤں زمین پر نہیں ٹکتا ہے

تا سوئے من بلطف و عنایت تو دیدۂ
جب سے تو نے مہربانی اور عنایت سے میری طرف دیکھا ہے

داری خیالِ پرسشِ عشاقِ بینوا
بے ساز و سامان، عاشقوں کی پرسش کا تجھے خیال ہے

گویا کہ بوئے صدق از ایشاں شنیدۂ
گویا کہ تو نے ان سے سچائی کی بو سونگھ لی ہے

زیں سرزنش کہ کرد ترا دوست حافظا
اے حافظ! دوست نے جو تجھے یہ سرزنش کی ہے

بیش از گلیمِ خویشتن مگر پا کشیدۂ
شاید تو نے اپنی کملی (چادر) سے زیادہ پیر پھیلائے ہیں

---

۱ یعنی تیری ابرو بھی تیرے رخ پر عاشق ہے اسی لیے جھک جھک کر اس کو دیکھتا ہے۔
۲ مجھے کبھی وصال میسر نہ آیا ہمیشہ ہجر میں تڑپتا رہا ہوں۔
۳ آیت وَاِن یَکَادُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا الخ نظرِ بد سے بچانے کے لیے پڑھ کر دم کی جاتی ہے۔
۴ چونکہ تو نے عاشقوں کو بے صبر بنا دیا ہے لہٰذا اب وہ تیرے دامن سے دست کش نہ ہوں گے۔
۵ اگر مفتی میرے محبوب کو دیکھ لے تو کبھی مجھے نہ روکے۔
۶ جب سے تیری نظر عنایت ہوئی خوشی سے اچھل رہا ہوں۔
۷ چونکہ تو نے اپنے مرتبہ سے بڑھ کر کوئی حرکت کی اسی لیے دوست نے تجھے جھڑک دیا ہے۔

اے کہ با سلسلۂ زلفِ دراز آمدۂ
اے وہ! کہ تو زلف دراز کی زنجیر لیکر آیا ہے
فرصتت باد کہ دیوانہ نواز آمدۂ
خدا تیری عمر دراز کرے کیونکہ تو دیوانہ نواز واقع ہوا ہے

آب و آتش بہم آمیختۂ از لبِ لعل
لعل جیسے ہونٹ سے تونے آگ اور پانی کو آپس میں ملادیا ہے
چشمِ بد دور کہ خوش شعبدہ باز آمدۂ
چشم بد دور، تو اچھا شعبدہ باز واقع ہوا ہے

چشمِ تو گرچہ بہر غمزہ دلم بر باید
تیری آنکھیں اگرچہ ہر ادا سے میرے دل کو اچک لیتی ہیں
لیک صد حیف کہ بیگانہ نواز آمدۂ
لیکن صد افسوس کہ تو بیگانہ نواز واقع ہوا ہے

ساعتے ناز مفرمای و بگرداں عادت
تھوڑی دیر کے لیے ناز نہ دکھا، اور عادت بدل لے
چوں بپرسیدنِ اربابِ نیاز آمدۂ
جبکہ تو نیاز مندوں کو پوچھنے آیا ہے

آفریں بر دلِ نرمِ تو کہ از بہرِ ثواب
تیرے نرم دل کو شاباش ہے اسلیے کہ تو ثواب کی خاطر
کشتۂ غمزۂ خود را بنماز آمدۂ
اپنی ادا کے شہید کی نماز پڑھنے آیا ہے

زہدِ من با تو چہ سنجد کہ بیغمائے دلم
تیرے سامنے میرے زہد کا کیا وزن ہے جبکہ تو میرا دل لوٹنے
مست و آشفتہ بخلوتگہِ راز آمدۂ
مست اور برہم ہوکر راز کی خلوت گاہ میں آیا ہے

پیشِ بالائے تو میرم چہ بصلح و چہ بجنگ
میں تیرے قد پر جان دیتا ہوں، خواہ صلح ہو خواہ جنگ
کہ بہر حال برانداز ناز آمدۂ
اس لیے کہ تو ہر حال میں ناز کے ایک انداز کے ساتھ آیا ہے

گفت حافظ دگرت خرقہ شراب آلودہ است
اس نے کہا کہ حافظ تیری گدڑی پھر شراب آلود ہے
مگر از مذہبِ ایں طائفہ باز آمدۂ
شاید تو اس گروہ کے مذہب سے پھر گیا ہے

چراغِ روئے ترا شمع گشت پروانہ
تیرے چہرے کے لیے شمع، پروانہ بن گئی ہے
مرا ز عشقِ تو از حالِ خویش پروا نہ
مجھے تیرے عشق کی وجہ سے اپنے حال کی پروا نہیں ہے

خرد کہ قیدِ مجانینِ عشق می فرمود
وہ عقل، جو عشق کے دیوانوں کو قید کرنے کا حکم فرماتی تھی
ببوئے حلقۂ زلفِ تو گشت دیوانہ
تیری زلف کے حلقہ کی خوشبو سے دیوانی بن گئی ہے

بمژدہ جاں بصبا داد شمع در نفسے
شمع نے فوراً ہی خوشخبری کے بدلے صبا کو جان دیدی
ز شمعِ روئے تواش چوں رسید پروانہ
جب تیرے چہرے کی شمع سے اس کے پاس خبر پہونچی

ببوئے زلفِ تو گر جاں بباد رفت چہ شد
تیری زلف کی خوشبو کی وجہ سے اگر جان برباد ہوئی تو کیا ہوا؟
ہزار جانِ گرامی فدائے جانانہ
سیکڑوں معزز جانیں، محبوب پر قربان ہیں

بر آتشِ رُخِ زیبائے تو بجائے سپند
تیرے حسین رخسار کی آگ پر سپند کے دانے کی بجائے
بغیرِ خالِ سیاہت کہ دید بہ دانہ
تیرے سیاہ تل کے سوا، بہتر دانہ کس نے دیکھا ہے

چہ نقشہا کہ برانگیختیم و سود نداشت
کتنے نقش ہیں جو ہم نے کھینچے اور انہوں نے کوئی فائدہ نہ دیا
فسونِ ما برِ او گشتہ است افسانہ
ہمارا جادو اس پر، افسانہ بن گیا

مرا بدورِ لبِ دوست ہست پیمانے
دوست کے ہونٹ کے دور سے میرا عہد ہے
کہ بر زباں نبرم جز حدیثِ پیمانہ
کہ زبان پہ پیمانہ کی بات کے سوا کچھ نہ لاؤں گا

---

۱ زلف کی دیوانہ نوازی یہی ہے کہ اس کو باندھ دے۔
۲ ہونٹوں کی سرخی آگ ہے اور بات کی بات آب حیات ہے آگ اور پانی کو شعبدے باز جمع کردیتے ہیں۔
۳ تو دل تو میرا لے گیا اور تیری نوازشیں دوسروں پر ہیں۔
۴ محبوب کیا ہی نرم دل ہے قتل کیا اور پھر نماز پڑھنے آیا۔ شعر
۵ تو جب مست و برہم ہوکر دل لوٹنے کے لیے آئے تو میرا زہد اس کا کس طرح مقابلہ کرسکتا ہے۔
۶ پہلے مصرع میں پروانہ اپنے معروف معنی میں ہے دوسرے مصرع میں پروا کے معنی "پروا نیست" ہے۔
۷ شمع صبا سے بجھ جاتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بادِ صبا نے تیرے رُخ کی خوشخبری اس کو دیدی تو فوراً اس نے بطور انعام جان دیدی۔
۸ شعر: چشمِ بد دور خالِ ... ۹ ہمارے تمام منتر اور جادو بیکار ثابت ہوئے

مَنِ غریب؛ غیرت فتادم از پادوشس | نگارِ خویش چو دیدم بدستِ بیگانہ
میں غریب، کل غیرت سے گر پڑا | جب میں نے اپنے معشوق کو غیر کے قابو میں دیکھا

حدیثِ مدرسہ و خانقہ مگوے کہ باز
مدرسہ اور خانقاہ کی بات نہ کر اس لیے کہ پھر

فتادہ در سرِ حافظ ہوائے میخانہ
حافظ کے سر میں میخانہ کی محبت سمائی ہے

خنک نسیم معنبر شمامۂ دلخواہ | کہ در ہوائے تو برخاست بامدادِ پگاہ
دلپسند عنبر جیسی خوشبو والی نسیم، مبارک ہے | جو تیری محبت میں صبح کے وقت چل پڑی ہے

دلیلِ راہ شو اے طائرِ خجستہ لقا | کہ دیدہ آب شد از شوقِ خاکِ آں درگاہ
اے مبارک رخ پرند! راستہ کا راہبر بن | اس لیے کہ اس درگاہ کی خاک کے شوق میں آنکھیں پانی بن گئی ہیں

منم کہ بے تو نفس میزنم زہے خجلت | مگر تو عفو کنی ورنہ چیست عذرِ گناہ
میں جو کہ تیرے بغیر سانس لے رہا ہوں، بہت شرمندگی ہے | شاید کہ تو معاف کر دے، ورنہ گناہ کا عذر کیا ہے؟

ببیں بشخصِ نزارم کہ غرقِ خونِ دلست | ہلال را ز کنارِ شفق کنند نگاہ
میرے لاغر جسم کو دیکھ جو دل کے خون میں ڈوبا ہے | ہلال کو شفق کے کنارے سے دیکھتے ہیں

ز دوستانِ تو آموخت در طریقتِ مہر | سپیدہ دم کہ صبا چاک زد شعارِ سیاہ
تیرے عاشقوں سے سیکھا ہے، محبت کے راستہ میں | صبح کے وقت جو صبا نے سیاہ لباس چاک کیا ہے

بعشقِ روئے تو روزے کہ از جہاں بردم | ز تربتم بدمد سرخ گل بجائے گیاہ
جس دن کہ میں دنیا سے جاؤں گا، تیرے چہرے کے عشق کی وجہ سے | میری قبر سے گھاس کی بجائے سرخ پھول اگیگا

مدہ بخاطرِ نازک ملالت از من راہ
میری طرف سے نازک طبیعت میں رنج کو راستہ نہ دے

کہ حافظِ تو ہمیں لحظہ گفت بسم اللہ
اس لیے کہ تیرے حافظ نے اسی وقت بسم اللہ کہدی ہے

دامن کشاں ہمی شد در شربِ زر کشیدہ | صد ماہ رو ز رشکش جیبِ قصب دریدہ
وہ کتان کا زری کا لباس پہنے، دامن کھینچتا ہوا جاتا تھا | سیکڑوں ماہرو اس پر رشک سے کتان کے لباس کا گریبان چاک کیے ہوئے تھے

از تابِ آتشِ مے بر گردِ عارضش خوی | چوں قطرہائے شبنم بر برگِ گل چکیدہ
شراب کی آگ کی گرمی سے اسکے رخساروں کے چاروں طرف پسینہ تھا | جیسے کہ گلاب کی پتیوں پر شبنم کے قطرے ٹپکے ہوئے ہوں

یاقوتِ جانفزایش از آبِ لطف زادہ | شمشادِ خوشخرامش از ناز پروریدہ
اس کے جانفزا ہونٹ، لطافت کے پانی سے بنے ہوئے ہیں | اس کا خوبصورت رفتار، سرو ناز سے پلا ہوا ہے

لفظِ فصیح شیریں قدِ بلند چابک | روئے لطیف نازک چشمِ خوش کشیدہ
اس کے فصیح الفاظ میٹھے ہیں، اس کا بلند قد چست ہے | اس کا لطیف چہرہ نازک ہے، اس کی حسین آنکھیں لمبی ہیں

آں لعلِ دلکشش بیں و آں خندۂ پر آشوب | واں رفتنِ خوشش بیں واں گام آرمیدہ
اس کے وہ دلکش ہونٹ اور پرفتنہ ہنسی دیکھ | اور اس کی حسین چال، اور ناز بھرے قدم دیکھ

ے اپنے دوست کو غیروں کے ساتھ دیکھکر ایسی غیرت آئی کہ میں گر پڑا۔
ے صبح کو نسیم تیری محبت میں چل پڑی ہے۔
ے تیرے بغیر میرا زندہ رہنا میری ایسی خطا ہے جس کا میرے پاس کوئی عذر نہیں ہے۔
ے لاغر جسم کو ہلال اور خونِ دل کو شفق قرار دیا ہے۔
ے صبا نے سیاہ لباس کا گریبان چاک کرنا تیرے عاشقوں سے سیکھا ہے۔
ے حافظ کو تیری سنگدلی منظور نہیں ہے اگر تو اسکی موجودگی سے رنجیدہ ہے تو وہ ابھی بسم اللہ کہکر تجھ سے رخصت ہوتا ہے۔
ے شرب۔ کتان کا باریک کپڑا مشہور ہے کہ اسی کی چھال کا بنا ہوا قیمتی کپڑا چاندنی میں پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔
ے رخسار کو گل سے اور پسینہ کو شبنم سے تشبیہ دی ہے۔

آں آہوئے سیہ چشم از دامِ ما بروں شد
وہ کالی آنکھ والا ہرن، ہمارے جال سے نکل گیا

یاراں[1] چہ چارہ سازم با ایں دلِ رمیدہ
یارو! اس بھاگتے ہوئے دل کی میں کیا تدبیر کروں؟

تا کے کشم عتابت از چشمِ نیم خوابت
تیرا غصہ، تیری نیم خواب آنکھوں سے کب تک برداشت کروں

روزے کرشمہ کن اے نورِ ہر دو دیدہ
اے دونوں آنکھوں کی روشنی! کسی دن انداز دکھا دے

زنہار تا توانی اہلِ نظر میازار
خبردار! جب تک تجھ سے ہو سکے، اہلِ نظر کو نہ ستا

دنیا وفا ندارد اے یارِ برگزیدہ
اے منتخب دوست! دنیا وفادار نہیں ہے

بس شکر باز گویم در بندگیِ خواجہ
خواجہ کی خدمت میں بہت کچھ شکریہ پھر ادا کروں

گر اوفتد بدستم آں میوۂ رسیدہ
اگر وہ پکا پھل، میرے ہاتھ لگ جائے

ہر[2] بد کہ گفت دشمن در حقِ ما شنیدی
دشمن نے جو ہماری برائی کی، تو نے سن لی

یا رب کہ مدعی را باد از زباں بریدہ
اے خدا! رقیب کی زبان کٹ جائے

گر خاطرِ[3] شریفت رنجیدہ شد ز حافظ
اگر تیرا مزاج شریف، حافظ سے رنجیدہ ہوا ہے

باز آ کہ توبہ کردیم از گفتہ و شنیدہ
واپس آ جا، کہ کہے، سنے سے ہم نے توبہ کی

درِ سرائے مغاں رُفتہ بود و آب زدہ
مغوں کی سرائے کا دروازہ، جھاڑ دیا ہوا اور چھڑکاؤ کیا ہوا تھا

نشستہ پیر و صلائے بشیخ و شاب زدہ
پیرِ مغاں بیٹھا ہوا تھا اور بوڑھے اور نوجوان کو بلا رہا تھا

سبو[4] کشاں ہمہ در بندگیش بستہ کمر
سب صراحی کش، اس کی خدمت میں کمر بستہ تھے

ولے ز طرفِ کلہ خیمہ بر سحاب زدہ
لیکن ٹوپی کے کنارے سے ابر پر خیمہ لگائے ہوئے تھے

فروغِ جام و قدح نورِ ماہ پوشیدہ
پیالے اور جام کی روشنی چاند کے نور کو چھپائے ہوئے تھی

عذارِ مغبچگاں راہِ آفتاب زدہ
مغبچوں کے رخسار، سورج کو مات کر رہے تھے

گرفتہ[5] ساغرِ عشرت فرشتۂ رحمت
رحمت کے فرشتے نے عیش کا ساغر تھاما تھا

ز جرعہ بر رخِ حور و پری گلاب زدہ
حور اور پری کے رخسار پر شراب کے گھونٹ سے گلاب چھڑکا ہوا تھا

ز شور[6] و عربدۂ شاہدانِ شیریں کار
شیریں کار، معشوقوں کے شور اور فساد سے

شکر شکستہ سمن ریختہ رباب زدہ
شکر بکھری ہوئی، پھول گرے ہوئے ستار ٹوٹا ہوا تھا

عروسِ بخت در آں حجلہ با ہزاراں ناز
اُس چھپر کھٹ میں، نصیبہ کی دلہن ہزاروں ناز کے ساتھ

کشیدہ وسمہ و بر برگِ گل گلاب زدہ
وسمہ لگائے ہوئے تھی اور گلاب کی پتیوں پر گلاب چھڑکے ہوئے تھی

سلام کردم و با من بروئے خنداں گفت
میں نے سلام کیا، اور اس نے مجھ سے ہنس کر کہا

کہ اے خمار کش مفلسِ شراب زدہ
اے مفلس نشہ باز! شراب کے مارے ہوئے ق

کہ کرد[7] اینکہ تو کردی بضعفِ ہمت و رائے
یہ کس نے کیا ہے جو تو نے کیا، کمزور ہمت اور کمزور رائے کے ساتھ

ز کنجِ خانہ شدہ خیمہ بر خراب زدہ
گھر کے گوشہ سے نکل آیا اور شراب خانہ میں ڈیرہ جما لیا

وصالِ دولتِ بیدار ترسمت ندہند
مجھے ڈر ہے، تجھے بیدار دولت کا وصل نہ دیں گے

کہ خفتۂ تو در آغوشِ بختِ خواب زدہ
کیونکہ تو خواب زدہ نصیبہ کی گود میں سویا پڑا ہے

---

[1] محبوب کا چلا جانا دل کا چلا جانا ہے۔
[2] ہماری ہر برائی تو رقیب کی زبان سے سن لیتا ہے خدا کرے اسکی زبان ہی کٹ جائے تاکہ برا نہ کہہ سکے۔
[3] جو کہا سنا معاف کر دے اور واپس آ جا۔
[4] یعنی پیر کے اگرچہ خادم تھے لیکن بڑے باعظمت تھے۔
[5] مجلسوں میں گلاب پاشی کی جاتی تھی تاکہ مجلس معطر رہے۔
[6] معشوقوں کی باہمی چھیڑ چھاڑ سے شکر جو نقل کے کام آتی ہے بکھری پڑی ہے۔ پھول گرے پڑے ہیں، ستار بھی ٹوٹ گیا ہے۔
[7] یہ مع آئندہ دو شعروں کے قطعہ بند ہے۔
[8] شراب خانہ میں آکر مقیم ہونا ہمت والوں کا کام ہے۔

فلک جنیبہ کشِ شاہِ نصرۃ الدین باد
آسمان، شاہ نصرت الدین کا کوتل گھوڑا کھینچنے والا ہو

بیا ببیں فلکش دست در رکاب زدہ
آ، دیکھ، آسمان نے اس کی رکاب تھام رکھی ہے

ہلال تا کہ مگر نعلِ مرکبش گردد
ہلال نے، تاکہ اُس کی سواری کا نعل بن جائے

زبامِ عرش صدش بوسہ بر تراب زدہ
عرش کے بالاخانہ سے اس کی مٹی کو سیکڑوں بوسے دیے ہیں

خرد کہ مُلہمِ غیب ست بہرِ کسبِ شرف
عقل جو غیبی باتوں کا الہام کرنے والی ہے شرف حاصل کرنے کے لئے

ز روئے صدق صدش بوسہ بر جناب زدہ
صدق دلی سے اسکی بارگاہ کو سینکڑوں بوسے دیتی ہے

بیا بمیکدہ حافظ کہ بر تو عرضہ کنم
اے حافظ! میکدہ میں آ، تاکہ تجھ پر پیش کروں

ہزار صف ز دعاہائے مستجاب زدہ
قبول شدہ، دعاؤں کی ہزاروں صفیں

دوش رفتم بدرِ میکدہ خواب آلودہ
کل میں شراب خانہ کے دروازہ پر خواب آلود چلا گیا

خرقہ تر دامن و سجّادہ شراب آلودہ
کفنی تر دامن تھی اور مصلیٰ شراب آلود تھا

آمد افسوس کناں مُغبچۂ بادہ فروش
بادہ فروش مُغبچہ، افسوس کرتا ہوا آیا

گفت بیدار شوائے رہروِ خواب آلودہ
بولا اے خواب آلود مسافر! بیدار ہو جا

شست و شوئی کن و آنگہ بخرابات خرام
نہا دھو لے، پھر شراب خانہ میں چل پھر

تا نگردد ز تو ایں دیرِ خراب آلودہ
تاکہ تجھ سے یہ بتخانہ گندا نہ ہو جائے

بہوائے لبِ شیریں دہناں چند کنی
شیریں دہن معشوقوں کے عشق میں کب تک کرے گا

جوہرِ روح بیاقوتِ مذاب آلودہ
روح کے جوہر کو پگھلے ہوئے یاقوت سے آلودہ

بطہارت گذراں منزلِ پیری و مکن
بڑھاپے کی منزل کو پاکی سے گذار، اور

خلعتِ شیب بتشریفِ شباب آلودہ
بڑھاپے کے خلعت کو جوانی کے لباس سے گندا نکر

آشنایانِ رہِ عشق دریں بحرِ عمیق
عشق کے راستے کے شناسا، اس گہرے سمندر میں

غرقہ گشتند و نگشتند بآب آلودہ
ڈوب گئے، لیکن پانی سے آلودہ نہوئے

پاک و صافی شو و از چاہِ طبیعت بدر آئی
پاک و صاف بن، اور طبیعت کے کنویں سے باہر نکل

کہ صفائے ندہد آبِ تراب آلودہ
اس لیے کہ مٹی ملا ہوا پانی، صفائی نہیں دیتا ہے

گفتم اے جانِ جہاں دفترِ گل عیبے نیست
میں نے کہا، اے جانِ جہاں! کوئی عیب نہیں ہے کہ پھول کی کتاب

کہ شود وقتِ بہار از مئے ناب آلودہ
بہار کے موسم میں خالص شراب سے آلودہ ہو جائے

گفت حافظ برو و نکتہ بیاراں مفروش
بولا اے حافظ! چلا جا، اور دوستوں کے سامنے نکتہ فروشی نہ کر

آہ ازیں لطف بانواعِ عتاب آلودہ
غصہ کی قسموں سے ملی ہوئی اس مہربانی پر، افسوس ہے

سحر گاہاں کہ مخمورِ شبانہ
صبح کے وقت جبکہ میں رات کا مخمور تھا

گرفتم بادہ با چنگ و چغانہ
میں نے چنگ، اور چغانہ کے ساتھ شراب تھامی

۱؎ ہلال گھوڑے کے نعل کے مشابہ ہوتا ہے یعنی ہلال کی تمنا ہے کہ اس کے گھوڑے کا نعل بنجائے۔
۲؎ یعنی میخانہ کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔
۳؎ ان تینوں شعروں کا مضمون مسلسل ہے یعنی میں کل نیم خوابی کی حالت میں شراب خانہ میں آیا وہاں ایک مُغبچہ آگیا اور بولا نہا دھولے ورنہ شراب خانہ گندا ہو جائے گا۔
۴؎ یہ بھی مُغبچہ نے کہا۔ یاقوتِ مذاب سے سرخ آنسو مراد ہیں۔
۵؎ بڑھاپے کو پاکی سے گذار اور بڑھاپے میں جوانی کے کارنامے چھوڑ دے۔
۶؎ یعنی عاشق دنیا میں رہتے ہیں اور دنیا کی گندگیوں سے آلودہ نہیں ہوتے ہیں۔
۷؎ میں نے مُغبچہ کے جواب میں کہا کہ اگر موسم بہار میں کچھ تھوڑی بہت پی لیجائے تو اس میں کوئی عیب نہیں ہے۔
۸؎ مُغبچہ نے کہا، جا یہ نکتہ بازی ہم سے نہ کر۔ یہ اس مُغبچہ کی غصے سے بھری مہربانی تھی۔
شراب [illegible]
۹؎ [illegible]

نہادم عقل رازادِ رہ از مے
میں نے عقل کو شراب کا توشہ دیا
ز شہرِ ہستیش کردم روانہ
ہستی کے شہر سے، میں نے اس کو روانہ کر دیا

نگارِ مے فروشم عشوۂ داد
میرے شراب فروش، معشوق نے ایسی ادا دکھائی
کہ ایمن گشتم از مکرِ زمانہ
کہ میں زمانہ کے مکر سے محفوظ ہو گیا

ز ساقیِ کماں ابرو شنیدم
کمان جیسے ابرو والے ساقی سے میں نے سنا
ق
کہ اے تیرِ ملامت را نشانہ
کہ اے وہ جو کہ ملامت کے تیر کا نشانہ ہے!

نہ بندی[1] زآں میاں طرفے کمروار
اس کمر سے تو خادمانہ کوئی نفع نہ حاصل کرے گا
اگر خودرا بہ بینی درمیانہ
اگر اپنے آپ کو درمیان میں دیکھے گا

برو[2] ایں دام بر مرغِ دگر نہ
جا، یہ جال دوسرے پرند پر ڈال
کہ عنقا را بلندست آشیانہ
اس لیے کہ عنقا کا آشیانہ بلند ہے

ندیم[3] و مطرب و ساقی ہمہ اوست
شراب کا ساتھی اور مطرب اور ساقی سب وہی ہے
خیالِ آب و گل در رہ بہانہ
راستہ میں پانی اور مٹی کا خیال ایک بہانہ ہے

کہ بندد[4] طرفِ وصل از حسنِ شاہے
ایسے شاہ کے حسن سے کون وصل کا فائدہ اٹھا سکتا ہے؟
کہ باخود عشق ورزد جاودانہ
جو ہمیشہ خود اپنے آپ سے عشق کرے

بدہ کشتیِ مے تا خوش برآئیم
شراب کی کشتی عنایت کر دے تاکہ ہم اچھی طرح باہر آ سکیں
ازیں دریائے ناپیدا کرانہ
اس دریائے ناپیدا کنارے سے

سرا خالی ست از بیگانہ مے نوش
مکان غیروں سے خالی ہے، شراب پی
کہ نبود جز تو اے مردِ یگانہ
کیونکہ اے یگانہ مرد! تیرے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے

وجودِ[5] ما معمائیست حافظ
اے حافظ! ہمارا وجود ایک معما ہے
کہ تحقیقش فسون ست و فسانہ
کہ جس کی تحقیق ایک منتر اور افسانہ ہے

عید[6] ست و موسمِ گل ساقی بیار بادہ
عید ہے، اور موسم بہار، اے ساقی شراب لا!
ہنگامِ گل کہ دیدست بے مے قدح نہادہ
شراب کے بغیر رکھا ہوا پیالہ موسم بہار میں کسنے دیکھا ہے؟

زیں زہد و پارسائی بگرفت خاطرِ من
اس زہد اور پارسائی سے میں رنجیدہ ہوگیا ہوں
ساقی پیالۂ دہ تا دل شود کشادہ
اے ساقی ایک پیالہ دے! تاکہ دل کھلے

واعظ کہ دی نصیحت میکرد عاشقانرا
جو واعظ، کل عاشقوں کو نصیحت کر رہا تھا
امروز دیدمش مست، تقویٰ بباد دادہ
آج میں نے اس کو مست دیکھا، تقوے کو برباد کئے ہوئے

ایں[7] یک دو روزِ دیگر گل را غنیمتے داں
بہار کے ان دو ایک باقی دنوں کو غنیمت سمجھ
گر عاشقی طرب کن با ساقیانِ سادہ
اگر تو عاشق ہے، سادہ رو ساقیوں کے ساتھ عیش کر

در مجلسِ[8] صبوحی دانی چہ خوش نماید
تجھے معلوم ہے صبح کی شراب کی مجلس میں کس قدر اچھا لگتا ہے؟
عکسِ عذارِ ساقی بر جامِ مے فتادہ
شراب کے جام پر ساقی کے رخسار کا عکس پڑا ہوا

---

[1] جب تک محبوب کی کمر کی طرح خود کو معدوم نہ کرے گا، کمر سے لطف اندوز نہ ہوگا، محبوب کی کمر کو معدوم تصور کیا جاتا ہے۔

[2] نادر محبوب کے حاصل کرنے میں بہت ہی زیادہ کوشش کی ضرورت ہے۔

[3] اس شعر میں خواجہ صاحب نے وحدت الوجود کے مسئلہ کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی یہ تعینات ظاہری محض ایک بہانہ ہیں ورنہ موجود صرف ایک ذات واحد ہے

[4] جو خود پرست معشوق ہو اس سے کوئی عاشق کیا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

[5] ہمارا وجود ایک معما ہے جس کو نہ موجود ہی کہا جا سکتا ہے نہ معدوم، اور اس کی تحقیق بھی پوری طرح نہیں ہو سکتی ہے۔

[6] موسم بہار ہو اور عید تو پھر کوئی بھی بغیر شراب و جام کے نہیں رہ سکتا ہے۔

[7] موسم بہار عارضی ہے اس میں امرد معشوقوں سے مستی کرنی چاہئے۔

[8] صبوحی کی مجلس میں سب سے پر لطف منظر یہ ہے کہ ساقی کا عکس شراب میں نظر آئے۔

گُل رفت اے حریفاں غافل چرا نشینید — بے بانگِ رود و چنگ و بے یار و جامِ بادہ
اے دوستو! موسم بہار جا رہا ہے، تم غافل کیوں بیٹھے ہو؛ رود اور چنگ کی آواز کے بغیر اور یار اور شراب کے جام کے بغیر

مُطرب چو پردہ سازد شاید اگر بخواند
مُطرب جب ساز درست کرے، مناسب ہوگا اگر پڑھے

ازطرزِ شعرِ حافظ در بزمِ شاہزادہ
حافظ کے اشعار کے طرز پر شاہزادہ کی مجلس میں

عیشم مدام ست از لعلِ دلخواہ — کارم بکام ست اَلحمدُللہ
دلپسند ہونٹ سے مجھے، دائمی عیش حاصل ہے — خدا کا شکر ہے میرا کام مقصد کے مطابق ہے

اے بختِ سرکش تنگش ببر کش[1] — گہ جامِ زرکش گہ لعلِ دلخواہ
اے سرکش نصیبہ! اس کو زور سے بغل میں دبا — کبھی سنہرا پیالہ پی، کبھی دلخواہ ہونٹ سے لطف حاصل کر

مارا بمستی افسانہ کردند — پیرانِ جاہل شیخانِ گمراہ
ہمیں مستی میں مشہور کر دیا — جاہل پیروں، اور گمراہ شیخوں نے

از قولِ زاہد کردیم توبہ — وز فعلِ عابد اَستغفِرُاللہ[2]
ہم نے زاہد کے قول سے توبہ کی — اور عابد کے فعل سے استغفراللہ

جاناں چہ گویم شرحِ فراقت — چشمے[3] و صد نم جانے و صد آہ
اے جاناں! میں تیرے فراق کی کیا شرح کروں؛ — ایک آنکھ ہے اور سو آنسو، ایک جان ہے اور سو آہیں

کافر مبینا[4] دایں غم کہ دیدہ است — از قامتت سرو از عارضت ماہ
خدا کرے یہ غم کافر بھی نہ دیکھے، جو دیکھا ہے — سرو نے تیرے قد سے اور چاند نے تیرے رخسارے

رُو برنتابم از راہِ خدمت — سر برندارم از خاکِ درگاہ
خدمت کے راستے، میں روگردانی نہ کروں گا — درگاہ کی خاک سے، میں سر نہ اٹھاؤں گا

از صبر عاشق خوشتر نباشد — صبر از خدا خواہ صبر از خدا خواہ
عاشق کے صبر سے، کوئی چیز بہتر نہ ہوگی — صبر خدا سے چاہ، صبر خدا سے چاہ

دلقِ[5] ملمع زنّارِ راہ است — صوفی نداند ایں رسم و ایں راہ
ملمع کی گدڑی، راہ کا زنّار ہے — صوفی اس رسم، اور اس راہ کو نہیں جانتا ہے

دیشب بروُیش خوش بود وقتم — از وصلِ جاناں صد لوحشَ اللہ[6]
کل رات میں اس کے چہرے سے خوش وقت تھا — جانان کے وصل سے سو آفریں ہے

شوقِ رخت بُرد از یادِ حافظ
حافظ کو، تیرے رخ کے شوق نے بھلا دیا

وردِ شبانہ درسِ سحر گاہ
رات کا وظیفہ، صبح کا درس

گر تیغ[7] بارد در کوئے آں ماہ — گردن نہادیم اَلحُکمُ للہ
اُس چاند کے کوچہ میں، اگر تلوار برسے — ہم نے تو گردن رکھ دی ہے، حکم خدا کا ہے

---

[1] معشوق کو بغل میں دبا کبھی جام کا بوسے کبھی اس کے ہونٹ کا۔
[2] زاہدوں کے قول سے توبہ کرنی چاہئے اور عابدوں کے افعال پر استغفراللہ پڑھنی چاہئے۔
[3] ایک آنکھ ہے اور سو سو آنسو ہیں ایک جان ہے اور سو سو آہیں ہیں۔
[4] سرو اس کا قد دیکھ کر اور چاند اس کا چہرہ دیکھ کر ایسے غم میں مبتلا ہیں جو خدا دشمن کو بھی نہ دکھائے۔
[5] راہِ عشق میں ریا کی گدڑی زنّار کا کام کرتی ہے ریاکار صوفی ان باتوں سے واقف نہیں ہے۔
[6] لوحش اللہ لا اوحشہ اللہ کا مخفف ہے اس کا لفظی ترجمہ ہے خدا اس کو وحشت میں نہ ڈالے دعا اور تعجب کے موقع پر بولا جاتا ہے۔
[7] ہم نے تو تلوار کے نیچے سر دھر دیا ہے اب خدا جو چاہے فیصلہ کرے۔

منؔ رند و عاشق آنگاہ توبہ
میں رند اور عاشق ہوں ، اور پھر توبہ!
اَستَغفِرُ اللہ اَستَغفِرُ اللہ
استغفر اللہ ، استغفر اللہ

آئینِ تقوےٰؔ مانیز دانیم
تقوے کے طریقے ہم بھی جانتے ہیں
آما چہ چارہ با بخت گمراہ
لیکن گمراہ نصیبے کے ہوتے ہوئے کیا چارہ ہے؟

ما شیخؔ و زاہد کمتر شناسیم
ہم شیخ ، اور زاہد کو بہت کم پہچانتے ہیں
یا جامِ بادہ یا قصہ کوتاہ
یا شراب کا جام ، یا قصہ مختصر

مہرؔ تو عکسے برما نیفگند
تیری محبت نے ہم پر ذرا سا بھی عکس نہیں ڈالا
آئینہ رُویا آہ از دلت آہ
اے آئینہ جیسے چہرے والے! تیرے دل سے آہ ہے آہ

اَلصَّبرُ مُرٌّ اَلعُمرُ فَانٍ
صبر کڑوا ہے ، زندگی فنا ہونیوالی ہے
یَا لَیتَ شِعرِی حَتّٰی مَ اَلقَاہ
اے کاش میں جان جاتا کب تک اس سے ملوں گا؟

عاشق مخور غم گر وصل خواہی
اے عاشق! غم نہ کر ، اگر تو وصل چاہتا ہے
خوں بایدت خورد در گاہ و بیگاہ
موقع اور بے موقع تجھے خون پینا چاہیے

حافظ نبودی زینگونہ بیدل
اے حافظ! تو اس قسم کا بے دل نہ بنتا
گرمی شنیدی پندِ نکو خواہ
اگر تو خیر خواہ کی نصیحت سنتا

ماہِ منؔ پردہ بر انداختۂ یعنی چہ
اے میرے چاند! تو نے پردہ اٹھا دیا ہے کیوں؟
مست از خانہ برون تاختۂ یعنی چہ
تو مست ہو کر گھر سے نکل آیا ہے، آخر کیوں؟

شاہِ خوبانیؔ و منظورِ گدایان شدۂ
تو حسینوں کا شاہ ہے ، اور فقیروں کا منظورِ نظر ہو گیا ہے
قدرِ ایں مرتبہ نشناختۂ یعنی چہ
نہ معلوم اس مرتبہ کی قدر تو نے کیوں نہیں پہچانی ہے؟

زلف در دستِ صبا گوش بہ پیغامِ رقیب
زلف صبا کے ہاتھ میں ، کان رقیب کے پیغام پر
اینچنیں باہمہ در ساختۂ یعنی چہ
نہ معلوم کیوں تو نے اس طرح سب کے ساتھ سازباز کر لی ہے؟

نہ سرِ زلفِ خود اوّل تو بدستم دادی
کیا تو نے پہلے اپنی زلف میرے ہاتھ میں نہ پکڑائی تھی؟
بازم از پائے در انداختۂ یعنی چہ
نہ معلوم پھر کیوں مجھے تو نے گرا دیا ہے؟

سخنتؔ رمزِ دہاں گفت و کمر سِرِّ میاں
تیری گفتگو نے منہ کا ، اور پٹی نے کمر کا راز ظاہر کر دیا
وز میاں تیغ بما آختۂ یعنی چہ
نہ معلوم ہم پر تو نے میان سے کیوں تلوار سونتی ہے!

ہر کس از مہرۂ مہرِ تو بشغلے مشغول
ہر شخص تیری محبت کے مہرے سے ایک شغل میں مشغول ہے
عاقبت باہمہ درباختۂ یعنی چہ
آخر تو نے سب کے ساتھ کیوں بازی لگائی ہے؟

حافظا درؔ دلِ تنگت چو فرود آید یار
اے حافظ! تیرے تنگ دل میں یار کس طرح آئے؟
خانہ از غیر نپرداختۂ یعنی چہ
تو نے کیوں گھر کو غیر سے خالی نہیں کیا؟

۱؎ رند اور عاشق توبہ کرے؟ اس خیال پر بھی استغفراللہ پڑھنا چاہیے۔
۲؎ شعر
جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی
۳؎ تو نے ہم پر تھوڑی سی مہربانی بھی نہ کی تیرے سخت دل پر آہ ہے۔
۴؎ میرے معشوق نے چہرے سے نقاب الٹ دیا ہے اور مست ہو کر نہ معلوم کیوں گھر سے نکل کھڑا ہوا ہے یہ کسی طرح پر مناسب نہ تھا، فتنہ بپا ہو جائے گا۔
۵؎ فقیروں کا منظورِ نظر بنجانا بہت بڑا امر ہے
۶؎ تیرے منہ اور کمر کا لوگوں کو علم نہ تھا تو نے بات کی اور پٹی کس لی اس لئے ان دونوں چیزوں کا راز ظاہر ہو گیا اس میں ہم بے قصور ہیں۔
۷؎ جب تک تو غیر کی محبت سے دل کو خالی نہ کریگا محبوب تیرے دل میں فروکش نہ ہوگا۔

نصیبِ من چو خرابات کردہ است اِلٰہ
خدا نے جب شراب خانہ میرے مقدر میں کر دیا ہے

دریں میانہ بگو زاہدا مرا چہ گناہ
اے زاہد! بتا اس میں میرا کیا گناہ ہے؟

کسیکہ در ازلش جامِ مے نصیب افتاد
ازل میں جس کے نصیب میں شراب کا جام واقع ہوا ہے

چرا بحشر کنند ایں گناہ را در خواہ
اس گناہ کا سوال، حشر میں کیوں کرتے ہیں؟

بگو بزاہدِ سالوسِ خرقہ پوشِ دو روی
دو رخے گدڑی پوش، مکار، زاہد سے کہہ دو

کہ دستِ زرق دراز ست و آستیں کوتاہ
کہ مکر کا ہاتھ دراز، اور آستین کوتاہ ہے

تو خرقہ راز برائے ہوا ہمی پوشی
تو گدڑی، خواہشِ نفسانی کے لیے پہنتا ہے

ق کہ تا بزرق بری بندگانِ حق از راہ
تاکہ مکاری سے بندگانِ خدا کو راستے سے ہٹا دے

غلامِ ہمتِ رندانِ بے سر و پایم
میں مفلس رندوں کی باطنی توجہ کا غلام ہوں

کہ ہر دو کون نیرزد بہ پیشِ شاں یک کاہ
کہ ان کی نظر میں دونوں جہاں ایک تنکے کے برابر نہیں ہیں

مرادِ من ز خرابات چونکہ حاصل شد
چونکہ میرا مقصد شراب خانہ سے پورا ہو گیا ہے

دلم ز مدرسہ و خانقاہ گشت سیاہ
میرا دل مدرسہ اور خانقاہ سے بیزار ہو گیا ہے

برو گدائے درِ ہر گدائے شو حافظ
اے حافظ! جا، اور ہر گدا کے در کا گدا بن

تو ایں مراد نیابی مگر بشیئاً للّٰہ
بجز شیئاً للّٰہ کے تو یہ مراد نہ پائے گا

وصالِ او ز عمرِ جاوداں بہ
اس کا وصل عمرِ جاوداں سے بہتر ہے

خداوندا مرا آں دہ کہ آں بہ
اے خدا! مجھے وہ دے کیونکہ وہ بہتر ہے

بہ شمشیرم زد و با کس نگفتم
اس نے مجھے تلوار سے مارا، اور میں نے کسی سے نہ کہا

کہ رازِ دوست از دشمن نہاں بہ
دوست کا راز، دشمن سے چھپانا بہتر ہے

شبے میگفت چشمِ کس ندیدہ است
ایک شب وہ کہہ رہا تھا، کسی کی آنکھ نے نہیں دیکھا ہے

ز مروارید گوشم در جہاں بہ
دنیا میں، میرے کان کے موتی سے بہتر

دلا دائم گدائے کوئے او باش
اے دل! ہمیشہ اس کے کوچے کا فقیر بنا رہ

بحکمِ آنکہ دولت جاوداں بہ
اس لیے کہ مستقل دولت بہتر ہوتی ہے

بخلدم زاہدا دعوت مفرمای
اے زاہد! مجھے جنت کی دعوت نہ دے

کہ ایں سیبِ زنخ زاں بوستاں بہ
اس لیے کہ یہ ٹھوڑی کا سیب اس باغ سے بہتر ہے

بداغِ بندگی مردن بریں در
اس در پر غلامی کا داغ لے کر مرنا

بجانِ او کہ از مُلکِ جہاں بہ
اس کی جان کی قسم، دنیا کی سلطنت سے بہتر ہے

گلے کاں پایمالِ سروِ ما گشت
جو پھول ہمارے سرو سے پائمال ہوا

بود خاکش ز خونِ ارغواں بہ
اس کی خاک، ارغواں کے خون سے بہتر ہے

خدارا از طبیبِ من بپرسید
خدا کے لیے! میرے طبیب سے پوچھو

کہ آخر کے شود ایں ناتواں بہ
کہ آخر یہ بیمار کب اچھا ہوگا!

---

۱ جبکہ میرے مقدر میں شراب نوشی لکھی ہے تو میرا کیا قصور ہے اور مجھ سے حشر میں کیوں بازپرس ہے۔

۲ زاہدوں اور فقیہوں کی آستین چھوٹی ہوتی تھی یعنی اُن کی آستیں تو چھوٹی ہے لیکن مکاری میں بڑے دراز دست ہیں۔

۳ شیئاً للّٰہ مجھے خدا کے لیے کچھ دو یہ فقیروں کی صدا ہے جو دروازے پر جا کر لگاتے ہیں۔

۴ معشوق کا وصال عمرِ جاودانی سے بہتر ہے، اے خدا مجھے وصل ہی عنایت فرما دے۔

۵ مستقل دولت اُسکے کوچہ کی گداگری ہے۔

۶ محبوب کی غلامی یا جان دینا دنیا کی سلطنت سے بہتر ہے۔

۷ جو پھول محبوب کے پیروں سے پامال ہو گیا اس کی خاک ارغواں کے خون سے بہتر ہے۔

جوانا[۱] سر متاب از پندِ پیراں
اے جوان! بوڑھوں کی نصیحت سے روگردانی نہ کر

کہ رائے پیر از بختِ جواں بہ
اس لیے کہ بوڑھے کی رائے جوان نصیبہ سے بہتر ہے

اگرچہ زندہ رود[۲] آبِ حیات ست
اگرچہ زندہ رود، آبِ حیات ہے

ولے شیرازِ ما از اصفہاں بہ
لیکن ہمارا شیراز اصفہان سے بہتر ہے

سخن اندر دہانِ دوست گوہر
دوست کے منہ میں بات، گوہر ہے

ولیکن گفتۂ حافظ ازآں بہ
لیکن حافظ کا کلام، اُس سے بہتر ہے

ردیفِ یائے تحتانی

آں غالیہ خط گر سوئے ما نامہ نوشتے
اگر وہ غالیہ جیسے خط والا، ہمیں خط لکھتا

گردوں[۳] ورقِ ہستیِ ما در ننوشتے
تو آسمان ہماری ہستی کے ورق کو طے نہ کرتا

ہر چند[۴] کہ ہجراں ثمرِ وصل برآرد
اگرچہ ہجر، وصل کا پھل لاتا ہے

دہقانِ ازل کاش کہ ایں تخم نہ کشتے
کاش کہ ازل کا کاشتکار یہ بیج نہ بوتا

آمرزشِ[۵] نقد ست کسے را کہ دریں جا
اس کو نقد عطا حاصل ہے، جس کا یہاں

یارے ست چو حورے و سرائے چو بہشتے
حور جیسا دوست ہے اور بہشت جیسا گھر ہے

مفروش بباغِ ارم و نخوتِ شداد
باغِ ارم، اور شداد کے تکبر کے بدلے نہ بیچ

یک[۶] شیشۂ مے و نوشِ لبے و لبِ کشتے
شراب کی ایک بوتل کو اور ہونٹ کے شہد اور کھیت کے کنارے کو

تنہا نہ منم کعبۂ دل بتکدہ کردہ
تنہا میں ہی اپنے دل کو بتکدہ بنائے نہیں ہوں

در ہر قدمے[۷] صومعۂ ہست و کنشتے
ہر قدم پر ایک صومعہ، اور ایک آتشکدہ ہے

در مصطبۂ عشق تنعم نتواں کرد
عشق کے شراب خانہ میں، عیش پرستی نہیں کی جاسکتی ہے

چوں بالشِ زر نیست بسازیم بخشتے
جب سونے کا تکیہ نہیں ہے، ہم کسی اینٹ کا بنالیں گے

کلکت[۸] کہ مریزاد زبانِ شکریںش
تیرے قلم نے، خدا اس کی میٹھی زبان نہ گرائے

مہر از تو ندید ارنہ جوابے بنوشتے
تیری محبت نہ دیکھی، ورنہ کوئی جواب لکھتا

معمارِ[۹] وجود ارنہ زدے رنگِ تو از عشق
وجود کا معمار، اگر تجھ میں عشق کی رنگ آمیزی نہ کرتا

در آبِ محبت گلِ آدم نہ سرشتے
آدم کی مٹی کو محبت کے پانی سے نہ گوندھتا

تا کے غمِ دنیائے دنی اے دلِ ناداں
اے نادان دل! کمینی دنیا کا غم کب تک

حیف[۱۰] ست زخوبے کہ شود عاشقِ زشتے
افسوس ہے! اس حسین پر جو بُرے کا عاشق بنے

آلودگیِ خرقہ خرابیِ جہان ست
گدڑی کی گندگی، دنیا کی بربادی ہے

کو راہروے پاک دلے خوب سرشتے
ایسا راہبر کہاں ہے، جو پاک دل، نیک طبیعت ہو

[۱] جو خوبی بوڑھوں کی تدبیر میں ہے وہ جوان تقدیر میں بھی نہیں ہے۔
[۲] زندہ رود اصفہان کی ایک نہر کا نام ہے
[۳] یعنی ہم فراق سے نہ مرتے۔
[۴] ہجر کے بعد اگرچہ وصل میسر آجاتا ہے لیکن کیا اچھا ہوتا کہ ہجر ہی نہ ہوتا۔
[۵] جنت کی حور و قصور تو اُدھار ہے یہاں جس کو اچھا دوست اور اچھا گھر میسر آجائے اس کو یہ چیزیں نقد حاصل ہیں۔
[۶] شراب کا شیشہ اور معشوق کا بوسہ اور کھیتی کا کنارہ دیکر اگر باغِ ارم جو شداد نے جنت بنائی تھی اور شداد کا تکبر بھی ملے تو نہ لینا چاہیے۔
[۷] ہر قدم پر اس کا جلوہ ہے۔
[۸] تیرے قلم نے چونکہ تجھ میں محبت کا رنگ نہ پایا اس لیے ہمیں جواب نہ لکھا۔
[۹] تیری ذات ایسی ہی ہے کہ اس سے عشق کیا جائے اگر منظورِ قدرت یہ نہ ہوتا تو آدم کی مٹی کو محبت کے پانی سے نہ گوندھا جاتا۔
[۱۰] انسان کو خدا نے حسین ساخت عنایت کی ہے تو اب دنیا جیسی کمینی چیز پر عاشق ہونا بری بات ہے۔

از دست چرا هشت سرِ زلف تو حافظ
حافظ نے تیری زلف کیوں ہاتھ سے چھوڑی؟
تقدیر چنیں بود چہ کردے کہ نہ ہشتے
تقدیر ہی ایسی تھی، کیا کرتا اگر نہ چھوڑتا

اَنَتْ رَوَائِحُ[1] رَنْدِ الْحِمٰی وَزَادَ غَرَامِیْ
حمیٰ کے رند کی خوشبوئیں آئیں، اور میرا عشق بڑھادیا
مَنِ الْمُبَلِّغُ عَنِّیْ اِلٰی سُعَادَ سَلَامِیْ
میری جانب سے میرا سلام، سعاد کو پہونچانیوالا کون ہے؟

پیامِ دوست شنیدن سعادت است و سلامت
دوست کا پیغام سننا سعادت اور سلامتی ہے
فدائے خاکِ درِ دوست باد جانِ گرامی
خدا کرے ہماری بزرگ جان، دوست کے در پر فدا ہوجائے

بیا بشامِ غریبان و آبِ دیدۂ من بیں
شامِ غریباں میں آ، اور میری آنکھ کے آنسوؤں کو دیکھ
بسانِ بادۂ صافی در آبگینۂ شامی
صاف شراب کی طرح، شامی شیشے میں

اِذَا تَقَرَّبَ[2] عَنْ ذِی الْاَرَاکِ طَائِرُ خَیْرٍ
بھلائی کا پرند جب ذی الاراک کے قریب آئے
فَلَا تَفَرَّدَ عَنْ رَوْضِہَا اَنِیْنُ حَمَامِیْ
تو میرے کبوتر کا رونا اس کے باغ سے جدا نہ ہو

خوشا دمے کہ در آئی و گویمت بسلامت
وہ وقت کیسا اچھا ہوگا کہ تو آئے، اور میں تجھے سلامتی سے کہوں
قَدِمْتَ خَیْرَ قُدُوْمٍ نَزَلْتَ خَیْرَ مَقَامٍ
تو خوب آیا، بہترین جگہ اترا

بسے نماند کہ روزِ فراقِ ما بسر آید
زیادہ وقت نہیں رہا کہ ہمارے فراق کا زمانہ ختم ہو جائے
رَاَیْتُ مِنْ بَیْضَاتِ الْحِمٰی قِبَابَ خِیَامٍ
میں نے حمیٰ کے چٹیل میدانوں میں خیموں کے قبے دیکھے ہیں

من ارچہ ہیچ ندارم سزائے خدمتِ شاہاں
میں اگرچہ بادشاہوں کے دربار کے لائق کچھ نہیں رکھتا ہوں
زِ بہرِ کارِ صوابم قبول کن بغلامی
میرے درست کاموں کی وجہ سے مجھے غلامی میں قبول کرلے

امید ہست کہ زودت بکامِ خویش ببینم
امید ہے کہ میں جلد تجھے اپنے مقصد کے مطابق پالوں گا
تو شاد گشتہ بفرماندہی و من بغلامی
کہ تو آقائی میں خوش ہوگیا ہے، اور میں غلامی میں

بَعُدْتُ مِنْکَ وَقَدْ صِرْتُ ذَائِبًا کَہِلَالٍ
میں تجھ سے دور ہوا اور میں پگھل کر ہلال جیسا ہوگیا
اگرچہ روئے چو ماہت ندیدہ ام بتمامی
اگرچہ میں نے تیرا چاند جیسا چہرہ مکمل نہیں دیکھا

وَاِنْ دُعِیْتُ[3] بِلَحْدٍ وَصِرْتُ نَاقِضَ عَہْدٍ
اور اگر میں لحد میں بلایا جاؤں اور میں عہد شکن ہوگیا ہوں
فَمَا تَطِیْبُ نَفْسِیْ وَمَا اسْتَطَابَ مَنَامِیْ
تو خدا کرے میں بے خوش نہوں اور نیند خوشگوار نہو

چو سلکِ درِّ خوشاب است شعرِ نظمِ تو حافظ
اے حافظ! تیری نظم کے اشعار آبدار موتیوں کی لڑی کی طرح ہیں
کہ گاہِ لطف سبق می برد ز نظمِ نظامی
کہ لطف کے وقت نظامی کی نظم سے سبقت لیجاتے ہیں

اکنوں[4] کہ ز گل باز چمن شد چو بہشتے
اب جبکہ چمن پھول کی وجہ سے پھر ایک بہشت جیسا ہوگیا ہے
ساقی مئے گلگوں بطلب بر لبِ کشتے
اے ساقی! کسی کھیتی کے کنارے سرخ شراب منگا

اے کاج[5] قضا نامۂ عمرم ننوشتے
اے کاش، قضا میرا عمر نامہ نہ لکھتی
واکنوں کہ نوشت است بزودی ننوشتے
اور اب جبکہ اس نے لکھ دیا ہے، تو جلدی نہ لپیٹتی

[1] سعاد محبوبہ کے جنگل کی خوشبو نے میرے عشق کو بھڑکا دیا کوئی میرا سلام ہی اس تک پہونچا دے۔ رَند ایک خوشبودار درخت ہے حمیٰ چراگاہ یہاں سعاد کی منزل مراد ہے۔

[2] اراک، پیلو کا درخت، ذی الاراک پیلو کا جنگل، مراد مقامِ محبوب ہے۔

[3] اگر میری موت اس حالت میں ہو کر میں وفادار نہ رہوں تو مجھے قبر کی اچھی حالت میسر نہ آئے۔

[4] موسم بہار آگیا ہے شراب نوشی ہونی چاہئے۔

[5] یا تو ہم پیدا ہی نہ ہوئے ہوتے اب ہوگئے ہیں تو دراز عمر ملنی چاہئے تھی۔

زنگِ غمت از دل مئے گلرنگ زداید
گو گلرنگ شراب تیرے دل سے، غم کے زنگ کو صاف کر دیگی
بشنو کہ چنیں گفت مرا پاک سرشتے
سن! مجھ سے ایک پاک طبیعت نے ایسا ہی کہا ہے

گر محتسبت بر کدوئے بادہ زند سنگ
اگر محتسب تیری شراب کی تو مڑی پر پتھر مارے
بشکن تو کدوئے سرِ او نیز بخشتے
تو بھی اس کے سر کا کدو اینٹ سے توڑ دے

جہلِ[1] من و علمِ تو فلک را چہ تفاوت
میری نادانی، اور تیرے علم میں آسمان کے لیے کیا فرق ہے؟
آنجا کہ بصر نیست چہ خوبے و چہ زشتے
جہاں بینائی نہیں ہے، کیا اچھائی اور کیا برائی؟

زاہد[2] نکنم نسیہ حکایت کہ بنقدم
اے زاہد! مجھ سے ادھار کا قصہ بیان نہ کر اسلیے کہ مجھے نقد حاصل ہے
ترکیست چو حورے و سرائے چو بہشتے
حور جیسا ایک معشوق، اور بہشت جیسا ایک مکان

بر خاکِ رہِ خواجہ کہ ایوانِ کمال ست
خواجہ کے راستہ کی خاک پر، جو کہ کمال کا محل ہے
گر بالشِ زر نیست بسازیم بخشتے
اگر سونے کا تکیہ حاصل نہیں ہے، کسی اینٹ پر گذارا کر لیں گے

ترسا[3] بچہ دوش ہمی گفت کہ حافظ
اک ترسا بچہ، کل کہہ رہا تھا کہ حافظ
حیف ست کہ ہر دم کند آہنگِ کنشتے
افسوس ہے، ہر وقت آتشکدہ کا قصد کرتا ہے

اے[4] باد، نسیمِ یار داری
اے ہوا! تیرے پاس یار کی خوشبو ہے
زآں نفحۂ مشکبار داری
اسی وجہ سے تیری مشکبار خوشبو ہے

زنہار مکن دراز دستی
ہرگز، دراز دستی نہ کر
با طرۂ او چہ کار داری
تیرا، اس کی زلف سے کیا مطلب ہے؟

اے[5] گل تو کجا و روئے زیباش
اے پھول! کہاں تو اور کہاں اس کا حسین چہرہ!
او مشکِ تر و تو خار داری
وہ تازہ مشک ہے، اور تو خار دار ہے

ریحاں تو کجا و خطِ سبزش
اے ریحان! کجا تو، اور کجا اس کا سبز خط!
او تازہ و تو غبار داری
وہ تازہ ہے، اور تو غبار دار ہے

نرگس[6] تو کجا و چشمِ مستش
اے نرگس! کجا تو، اور کجا اس کی مست آنکھ!
او سرخوش و تو خمار داری
وہ مست ہے، اور تجھ پر خمار ہے

اے سرو تو با قدِ بلندش
اے بلند سرو! تو اس کے بلند قد کے مقابلہ میں
در باغ چہ اعتبار داری
باغ میں کیا عزت رکھتا ہے!

اے[7] عقل تو با وجودِ عشقش
اے عقل! تو اس کے عشق کے ہوتے ہوئے
در دست چہ اختیار داری
اپنے ہاتھ میں کیا، اختیار رکھتی ہے؟

روزے برسی بوصل حافظ
اے حافظ! تو ایک دن وصل تک پہونچ جائیگا
گر طاقتِ انتظار داری
اگر تو انتظار کی طاقت رکھتا ہے

[1] آسمان اندھا ہے اس کے سامنے جہل و علم یکساں ہیں۔
[2] زاہد اُدھار کا وعدہ کرتا ہے ہمیں حور و قصور نقد حاصل ہیں۔
[3] حافظ مسلمان ہو کر ہر وقت آتشکدہ کا رخ کرتا ہے۔
[4] ہوا اس لیے مشکبار بنی ہوئی ہے کہ اس میں محبوب کی خوشبو مل گئی ہے۔
[5] پھول میں کانٹا ہے محبوب کا رخسار اس عیب سے بری ہے۔
[6] محبوب کی آنکھ مست ہے اور نرگس خمار میں مبتلا ہے۔
[7] عشق کے سامنے عقل بے اختیار ہے۔

اے[1] بیخبر بکوش کہ صاحب خبر شوی
اے بے خبر! کوشش کرتا کہ تو صاحبِ خبر بنے
تا راہرو نباشی تو کے راہبر شوی
جب تک تو مسافر نہ بنے گا، راہبر کیسے بنے گا

در مکتبِ[2] وجود بپیشِ ادیبِ عشق
زندگی کے مکتب میں، عشق کا ادب سکھانیوالے کے سامنے
ہاں اے پسر بکوش کہ روزے پدر شوی
ہاں اے بیٹا! کوشش کر تاکہ کسی دن باپ بنے

دست[3] از مسِ وجود چو مردانِ رہ بشوئی
مردانِ راہ کی طرح، وجود کے تانبے سے ہاتھ دھولے
تا کیمیائے عشق بیابی و زر شوی
تاکہ تو عشق کی کیمیا، پالے اور سونا بنجائے

خواب[4] و خورت زمرتبۂ عشق دور کرد
تجھے سونے اور کھانے نے عشق کے مرتبہ سے دور کردیا ہے
آندم رسی بدوست کہ بیخواب و خور شوی
تو دوست تک اس وقت پہونچے گا جب بے خواب و خور بنجائیگا

گر نورِ[5] عشقِ حق بدل و جانت اوفتد
اگر اللہ کے عشق کا نور تیرے دل اور جان پر پڑ جائے
باللہ کز آفتابِ فلک خوبتر شوی
خدا کی قسم تو آسمان کے سورج سے بہتر ہو جائے گا

از پائے تا سرت ہمہ نورِ خدا شود
تیرے سر سے پیر تک، سب خدا کا نور ہو جائے گا
در راہِ ذوالجلال چو بے پاؤ سر شوی
جب تو ذوالجلال کی راہ میں بے سر و پا بن جائے گا

بنیادِ[6] ہستیِ تو چو زیر و زبر شود
تیری ہستی کی بنیاد جب زیر و زبر ہو جائے
در دل مدار ہیچ کہ زیر و زبر شوی
کچھ دل میں نہ لا کہ تو زیر و زبر ہو جائے گا

وجہِ حقیقت ار شودت منظرِ نظر
اگر تیرے پیشِ نظر، حقیقت کا چہرہ ہو جائے گا
زیں پس شکے نماند کہ صاحب نظر شوی
اس کے بعد کوئی شک نہیں کہ تو صاحب نظر ہو جائیگا

گر در سرت ہوائے وصال ست حافظا
اے حافظ! اگر تیرے سر میں وصل کی تمنا ہے
باید کہ خاکِ درگہِ اہلِ بصر شوی
تجھے چاہیے کہ تو اہلِ بصر کی درگاہ کی خاک بن جائے

اے پادشہِ خوباں داد از غمِ تنہائی
اے حسینوں کے بادشاہ! تنہائی کے غم سے فریاد ہے
دل بے تو بجاں آمد وقت است کہ باز آئی
تیرے بغیر دل جان سے عاجز آگیا ہے، وقت ہے کہ تو لوٹ آئے

اے[7] دردِ توام درماں در بسترِ ناکامی
اے وہ کہ ناکامی کے بستر میں تیرا درد میرا علاج ہے
وے یادِ توام مونس در گوشۂ تنہائی
اے وہ کہ گوشۂ تنہائی میں تیری یاد میری مونس ہے

مشتاقی و مہجوری دور از تو چنانم کرد
عشق اور ہجر نے، تجھ سے دور ہو کر، مجھے ایسا کر دیا
کز دست بخواہد شد دامانِ شکیبائی
کہ صبر کا دامن، ہاتھ سے چھوٹ جائے گا

دائم گلِ[8] ایں بستاں شاداب نمی ماند
اس باغ کا پھول، ہمیشہ شاداب نہیں رہتا ہے
دریاب ضعیفاں را در وقتِ توانائی
طاقت کے وقت کمزوروں کی دلجوئی کر

صد[9] بادِ صبا اینجا بے سلسلہ میرقصند
اس جگہ سیکڑوں بادِ صبا، بدون زنجیر کے رقص کرتی ہیں
اینست حریف اے دل تا بادیہ پیمائی
اے دل یہ دوست موجود ہے تاکہ تو صحرا نوردی کرے

در[10] دائرۂ قسمت ما نقطۂ پرکاریم
ہم قسمت کے دائرہ میں، پرکار کا نقطہ ہیں
لطف آنچہ تو اندیشی حکم آنچہ تو فرمائی
مہربانی وہی ہے جو تو خیال کرے، حکم وہ ہے جو تو دے

[1] انسان محنت سے باخبر بنتا ہے جب سفر کی مصیبتیں اٹھاتا ہے تب رہبری کرسکتا ہے۔
[2] مکتب، عشق میں جب تو محنت کریگا تب ہی بڑا بنے گا۔
[3] جب انسان خودی کو مٹا دیتا ہے کامل بنجاتا ہے۔
[4] انسان کا سونا اور کھانا راہِ عشق میں رکاوٹیں ہیں۔
[5] عشقِ الٰہی کا نور انسان کو آفتاب سے افضل بنا دیتا ہے۔
[6] اگر تو اپنے وجود کو مٹائے گا تو یہ نہ سمجھ کر تو تباہ ہو جائے گا
[7] تیرا درد ہی میری دوا ہے۔
[8] حسن ناپائیدار چیز ہے اس کے ہوتے ہوئے ناتوانوں پر رحم کر۔
[9] سیکڑوں بادِ صبا اس کی زلف میں رقص کرتی ہیں اگر تجھے صحرا نوردی کرنی ہے تو یہ تیری دوست ہیں۔
[10] ہم دائرۂ قسمت میں پرکار کے نقطہ کی طرح بے اختیار ہیں۔

فکرِ خود و رائے خود در عالمِ رندی نیست
رندی کی دنیا میں اپنی فکر اور اپنی رائے نہیں ہوتی ہے

کفرست دریں مذہب خود بینی و خود رائی
اس مذہب میں خود بینی، اور خود رائی کفر ہے

یا ربٰ بکہ بتواں گفت ایں نکتہ کہ در عالم
اے خدا یہ نکتہ کس سے کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں؟

رخسارہ بکس ننمود آں شاہدِ ہر جائی
اُس ہر جائی معشوق نے کسی کو رخسار نہیں دکھایا ہے

دیشبٰ گلۂ زلفت با بادِ صبا کردم
کل رات میں نے تیری زلف کا شکوہ بادِ صبا سے کیا

گفتا غلطی بگذر زیں فکرتِ سودائی
اُس نے کہا تو غلطی پر ہے، اس پاگل پن کو چھوڑ دے

ساقیٰ چمنِ گل را بے روئے تو رنگے نیست
اے ساقی پھول کے چمن میں تیرے چہرے کے بغیر کوئی رونق نہیں ہے

شمشاد خراماں کن تا باغ بیارائی
شمشاد کو ٹہلا تاکہ تو باغ کو رونق بخشے

زیں دائرۂ مینا خونیں جگرم مے دہ
اس مینائی دائرہ سے میں خونی جگر ہوں شراب دے

تا حل کنم ایں مشکل زیں ساغرِ مینائی
تاکہ اس جڑاؤ ساغر سے میں اس مشکل کو حل کروں

حافظ شبِ ہجراں شد بوئے خوشِ صبح آمد
اے حافظ ہجر کی رات ختم ہوئی، صبح کی خوشبو آئی

شادیت مبارکباد اے عاشقِ شیدائی
اے شیدائی عاشق! تجھے خوشی مبارک ہو

اےٰ در رُخِ تو پیدا انوارِ پادشاہی
اے وہ کہ تیرے رُخ میں بادشاہی نور ظاہر ہیں

در فکرتِ تو پنہاں صد حکمتِ الٰہی
تیری فکر میں، سو خدائی حکمتیں پوشیدہ ہیں

کلکٰ تو بارک اللہ در مُلک و دیں کشادہ
خدا تیرے قلم میں برکت دے جس نے ملک اور دین کے معاملے میں کھول دیے ہیں

صد چشمہ آبِ حیواں از قطرۂ سیاہی
سیاہی کے ایک قطرے سے آبِ حیات کے سیکڑوں چشمے

برٰ اہرمن نتابد انوارِ اسمِ اعظم
شیطان پر اسمِ اعظم کے نور نہیں چمکتے ہیں

مُلک آنِ تست و خاتم فرما ہر آنچہ خواہی
ملک اور انگوٹھی تیری ملکیت ہے، تو جو چاہے حکم دے

در حشمتِ سلیماں ہر کس کہ شک نماید
سلیمان کے دبدبہ میں، جو شخص شک ظاہر کرے

بر عقل و دانشِ او خندند مُرغ و ماہی
پرند اور مچھلیاں اس کی عقل اور سمجھ پہ ہنسیں گی

تیغےٰ کہ آسمانش از فیضِ خود دہد آب
وہ تلوار، جس پر آسمان اپنے فیض سے آب چڑھائے

تنہا جہاں بگیرد بے منتِ سپاہی
سپاہیوں کے احسان کے بغیر، تنہا ملک فتح کر لے گی

گر پرتوے ز تیغت بر کان و معدن افتد
اگر تیری تلوار کا ذرا سا عکس کان اور معدن پر پڑ جائے

یاقوتِ سُرخ رُو را بخشند رنگِ کاہی
سُرخ رُو یاقوت کو، کاہی رنگ دیدیں گے

دانم دلت بخشد بر اشکِ شب نشیناں
مجھے معلوم ہے تیرا دل رحم کھائے گا شب نشینوں کے آنسوؤں پر

گر حالِ ما بپرسی از بادِ صبح گاہی
اگر تو صبح کی ہوا سے ہمارا حال دریافت کرے گا

ساقیٰ بیار آبے از چشمۂ خرابات
اے ساقی! شراب خانہ کے چشمے سے پانی لا

تا خرقہ ہا بشوئیم از عُجبِ خانقاہی
تاکہ ہم خانقاہی تکبّر سے گدڑی دھو لیں

بازٰ ارچہ گاہ گاہے بر سر نہد کلاہے
اگرچہ کبھی کبھی، باز بھی سر پہ تاج رکھتا ہے

مُرغانِ قاف دانند آئینِ پادشاہی
بادشاہی کے طریقے، کوہ قاف کے پرند جانتے ہیں

۱ خدا ہر جگہ ہے لیکن اسکو کسی نے نہیں دیکھا ہے۔
۲ اس کی قید سے رہائی ممکن نہیں ہے لہٰذا شکوہ بیکار ہے۔
۳ چمن کی رونق محبوب سے ہی ہے جب وہ خرامِ ناز سے چلیگا تب رونق آئے گی۔
۴ یہ قصیدہ شاہ منصور کی تعریف میں ہے جس نے شاہ یحییٰ کو شکست دیکر شیراز پر قبضہ کر لیا تھا۔
۵ تیرا قلم لوگوں کے لیے آبِ حیات کا کام کرتا ہے۔
۶ مشہور ہے کہ حضرت سلیمان کی انگشتری پر اسمِ اعظم کندہ تھا جس کی وجہ سے وہ انسانوں اور جنوں پر حکومت کرتے تھے صخرہ نامی دیو نے وہ انگوٹھی چرالی تھی لیکن پھر بھی حکومت اس کو راس نہ آئی۔
۷ تیری تلوار کو آسمانی تائید حاصل ہے بلا لشکر کے بھی تو ملک فتح کر سکتا ہے۔
۸ اگر تیری تلوار کا عکس کانوں پر پڑ جائے تو یاقوت خوف کی وجہ سے زرد رنگ ہو جائے۔
۹ عبادت کا تکبر شراب سے ہی دھویا جا سکتا ہے۔
۱۰ باز سے مراد شاہ یحییٰ ہے یا امیر تیمور جس نے اس کو شیراز پر قابض بنا دیا تھا۔ مشہور ہے ہما کوہ قاف میں رہتا ہے مرغانِ قاف سے مراد شاہ منصور ہے۔

در دُودمانِ آدم تا وضعِ سلطنت ہست
آدم کے خاندان میں جب سے سلطنت کا طریقہ ہے

مثلِ تو کس ندیدہ است ایں علم را کماہی
اس علم کو کما حقہٗ تیری طرح کسی نے نہیں جانا ہے

کلکِ[1] تو خوش نویسد در شانِ یار و اغیار
تیرا قلم دوستوں، اور غیروں کے حق میں خوب لکھتا ہے

تعویذِ جانفزائی و افسونِ عمر کاہی
جانفزائی کا تعویذ، اور عمر گھٹانے کا منتر

عمریست پادشاہا کز مے تہی ست جامم
اے بادشاہ! کافی وقت گزر گیا ہے کہ شراب سے میرا جام خالی ہے

اینک ز بندہ دعویٰ وز محتسب گواہی
یہ بندہ کا دعویٰ ہے، اور محتسب کی گواہی ہے

اے عنصرِ تو مخلوق از کیمیائے عزت
اے وہ! کہ تیری حقیقت عزت کی کیمیا سے بنی ہے

وے دولتِ تو ایمن از صدمتِ تباہی
اور وہ! کہ تیری دولت تباہی کے صدمے سے محفوظ ہے

جائے[2] کہ برقِ عصیاں بر آدمِ صفی زد
جس جگہ، کہ گناہ کی بجلی آدم صفی اللہ پر گری

مارا چہ گونہ زیبد دعوائے بیگناہی
ہمیں بے گناہی کا دعویٰ کیسے زیب دے سکتا ہے!

یا ملجاءَ البرایا یا واہبَ العطایا
اے مخلوق کے ملجا! اے عطیوں کے دینے والے!

عطفاً علیٰ مقلٍ حلّت بہِ الدواہی
مہربانی کر، اُس تنگدست پر جس پر مصیبتیں نازل ہو گئیں ہیں

جور[3] از فلک نیاید تا تو ملک صفاتی
جب تک تو فرشتہ صفت موجود ہے، آسمان ظلم نہ کر سکے گا

ظلم از جہاں بروں شد تا تو جہاں پناہی
دنیا سے ظلم غائب ہو گیا ہے جب تک تو دنیا کی پناہ ہے

حافظ چو دوست از تو گہ گاہ میبرد نام
اے حافظ! جبکہ دوست تیرا کبھی کبھی نام لیتا ہے

رنجش ز بخت منما باز آ بعذر خواہی
نصیبے سے رنجیدہ نہ ہو، عذر خواہی کے لئے واپس آجا

اے[4] دل آں بہ کہ خراب از مئے گلگوں باشی
اے دل! یہ بہتر ہے کہ تو سرخ شراب سے مست ہو

بے زر و گنج بصد حشمتِ قاروں باشی
بغیر سونے اور خزانے کے، قارون کی سی سیکڑوں حشمتوں کے ساتھ ہو

در مقامے کہ صدارت بفقیراں بخشند
جس جگہ کہ فقیروں کو صدارت دیں

چشم دارم کہ بجاہ از ہمہ افزوں باشی
مجھے توقع ہے، کہ تو مرتبہ میں سب سے بڑھا ہوا ہوگا

تاجِ[5] شاہی طلبی گوہرِ ذاتی بنما
اگر تو شاہی تاج چاہتا ہے، ذاتی جوہر دکھا

ور خود از گوہرِ جمشید و فریدوں باشی
اگرچہ تو جمشید اور فریدوں کی نسل سے ہو

در رہِ[6] منزلِ لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں
لیلیٰ کی منزل کے راستہ میں جان کے لیے بہت سے خطرے ہیں

شرطِ اول قدم آنست کہ مجنوں باشی
پہلے ہی قدم کے لئے یہ شرط ہے کہ تو مجنون بن جائے

کارواں[7] رفت و تو در خواب و بیاباں در پیش
قافلہ چلا گیا اور تو نیند میں ہے اور آگے جنگل ہے

کے روی رہ ز کہ پرسی چہ کنی چوں باشی
کب چلے گا، راستہ کس سے پوچھے گا، کیا کرے گا، کیسے رہیگا؟

نقطۂ عشق نمودم بتو ہاں سہو مکن
میں نے تجھے عشق کا نقطہ دکھا دیا ہے، دیکھنا بھول نہ جانا

ورنہ چوں ننگری از دائرہ بیروں باشی
ورنہ جب تو نہ دیکھے گا، دائرے سے باہر نکل جائے گا

ساغرے نوش کن و جرعہ بر افلاک فشاں
ایک ساغر پی، اور آسمانوں پر ایک گھونٹ چھڑک

تا بچند از غمِ ایام جگر خوں باشی
کب تک زمانہ کے غم سے جگر کو خون کئے رکھے گا؟

---

[1] تیرے قلم کے ذریعہ دوستوں کی عمر بڑھتی اور دشمنوں کی عمر گھٹتی ہے۔

[2] جب حضرت آدم گناہ سے نہ بچ سکے تو ہم کیا بچیں گے۔

[3] جب تک تیری بادشاہت ہے آسمان کوئی ظلم نہیں کر سکتا ہے اور دنیا سے ظلم ختم ہو گیا ہے۔

[4] دل میں اگر دولتِ عشق ہے تو پھر بغیر خزانوں کے قارون کی دولت میسر ہے۔

[5] بادشاہت کیلئے ذاتی جوہر درکار ہے صرف نسل شرافت سے کام نہیں چلتا ہے۔

[6] عشق کے راستہ میں جان کے لیے بہت خطرے ہیں، پہلا قدم رکھنے کی یہ شرط ہے کہ انسان مجنون صفت بنے۔

[7] انسان اگر خوابِ غفلت میں پڑا رہے گا تو پھر منزل طے نہ کر سکے گا۔

حافظ از فقر مکن ناله که گر شعر اینست
اے حافظ! افلاس سے نالاں نہو، اس لیے کہ اگر یہی شعر ہیں
هیچ خوشدل نه پسندد که تو محزون باشی
کوئی خوش دل، یہ نہ پسند کرے گا کہ تو غمگین رہے

اے دل بکوئے عشق گذارے نمیکنی
اے دل! تو عشق کے کوچہ میں کیوں نہیں گذرتا ہے

اسباب جمع داری و کارے نمیکنی
تیرے پاس سارے اسباب ہیں اور تو کوئی کام نہیں کرتا ہے

چوگانِ کام در کف و گوئے نمیزنی
ہاتھ میں مقصد کا بلّا ہے، اور گیند نہیں مارتا ہے

بازے چنیں بدست و شکارے نمیکنی
ایسا باز ہاتھ میں ہے، اور تو کوئی شکار نہیں کرتا ہے

ایں خوں که موج میزند اندر جگر چرا
یہ خون جو جگر میں موجیں مار رہا ہے، کیوں

در کارِ رنگ و بوئے نگارے نمیکنی
کسی معشوق کے رنگ و بو کے کام میں نہیں لگاتا ہے؟

مشکیں ازاں نشد دمِ خُلقت که چوں صبا
تیرے اخلاق کا سانس اسی وجہ سے مشکیں نہیں ہوا ہے کہ صبا کی طرح

بر خاکِ کوئے دوست گذارے نمیکنی
تو دوست کے کوچہ کی خاک پر سے نہیں گذرتا ہے

گر دیگراں بجاں غمِ جاناں خریده اند
اگر دوسروں نے محبوب کا غم جان کے بدلے خریدا ہے

اے دل تو ایں معامله بارے نمیکنی
اے دل! تو یہ معاملہ اب کیوں نہیں کرتا ہے؟

ترسم کزیں چمن نبری آستینِ گل
مجھے ڈر ہے کہ تو اس چمن سے پھولوں بھری آستین نہیں لیجا سکیگا

کز گلبنش تحمّلِ خارے نمیکنی
اس لیے کہ تو اس کی شاخ سے کسی کانٹے کی برداشت نہیں کرتا ہے

در آستینِ کام تو صد نافه مندرج
تیرے مقصد کی آستین میں سیکڑوں نافے بھرے ہیں

و آنرا فدائے طرّهٔ یارے نمیکنی
تو ان کو یار کی زلف پر قربان نہیں کرتا ہے

ساغر لطیف و دلکش و مے افکنی بخاک
ساغر لطیف اور دلکش ہے اور تو شراب خاک پر بہا رہا ہے

و اندیشه از بلائے خمارے نمیکنی
اور تو خمار کی مصیبت کی فکر نہیں کرتا ہے

حافظ برو که بندگیِ بارگاهِ دوست
اے حافظ! جا، دوست کی بارگاہ کی غلامی
گر جمله می کنند تو بارے نمیکنی
اگر سب کرتے ہیں، تو ایک بار بھی نہیں کرتا ہے

اے دل اگر از چاهِ زنخداں بدر آئی
اے دل اگر تو ٹھوڑی کے کنوئیں سے باہر نکلے گا

هر جا که روی زود پشیماں بدر آئی
جہاں بھی جائیگا، جلد پشیمان ہو کر واپس آجائے گا

هشدار که گر وسوسهٔ عقل کنی گوش
ہوشیار بن، اگر عقل کے وسوسہ کی طرف کان لگائے گا

آدم صفت از روضهٔ رضواں بدر آئی
آدم کی طرح رضوان کے باغ سے باہر نکل آئے گا

تا کے چو صبا بر تو گمارم دمِ همّت
صبا کی طرح کب تک تجھ پر اپنی ہمت کو متوجہ رکھوں

کز غنچه چو گل خرّم و خنداں بدر آئی
کہ غنچے سے پھول کی طرح تو ہنسی، خوشی باہر نکل آئے

در تیره شبِ هجرِ تو جانم بلب آمد
تیرے ہجر کی تاریک رات میں، میری جان ہونٹوں پر آگئی

وقت ست که همچوں مه تاباں بدر آئی
وقت ہے کہ روشن چاند کی طرح، تو باہر نکل آئے

۱؎ اگر حافظ کے اشعار کی یہی خوبی ہے تو اس کو فقر کی شکایت نہ رہیگی۔
۲؎ جب سارے اسباب مہیا ہیں تو عشق کی راہ میں کچھ کام کرنا چاہیے۔
۳؎ اگر خونِ جگر کسی محبوب کے کام نہ آیا تو بیکار ہے۔
۴؎ اخلاق میں مُشک کی خوشبو جب پیدا ہوگی جب تیرا دوست کے کوچہ سے گذر ہوگا۔
۵؎ اگر کانٹے کی برداشت نہ کرے گا آستین کو پھولوں سے نہ بھر سکے گا۔
۶؎ جو دل معشوق سے رہائی چاہیگا شرمندہ ہوگا۔
۷؎ عقل بہکاتی ہے اگر اس کی بات کی طرف دھیان کیا تو جنت ہاتھوں سے جاتی رہیگی۔

جاں میدہم از حسرتِ آں لعلِ روان بخش
اس روح بخش ہونٹ کی حسرت میں میں جان دیتا ہوں
باشد کہ چو خورشید درخشاں بدر آئی
ہو سکتا ہے کہ چمکدار سورج کی طرح تو باہر نکل آئے

شاید کہ بآبے فلکت دست بگیرد
شاید کہ آسمان کچھ پانی سے تیری دست گیری کرے
گر تشنہ لب از چشمۂ حیواں بدر آئی
اگر تو چشمۂ حیوان سے پیاسا باہر نکل آئے

درخانۂ غم چند نشینی بملامت
غم کے گھر میں تو کب تک ملامت کیوجہ سے بیٹھا رہے گا؟
وقت ست کہ از دولتِ سلطاں بدر آئی
وقت ہے کہ بادشاہ کی دولت کی وجہ سے تو باہر نکلے

برخاکِ درت بستہ ام از دیدہ دو صد جوی
تیرے در کی خاک پر میں نے آنکھوں سے سینکڑوں نہریں جاری کی ہیں
باشد کہ تو چوں سروِ خراماں بدر آئی
ہو سکتا ہے کہ تو سروِ خراماں کی طرح باہر نکل آئے گا

حافظ مکن اندیشہ کہ آں یوسفِ مصری
اے حافظ! فکر نہ کر، کیونکہ وہ مصری یوسف
بازآید و از کلبۂ احزاں بدر آئی
لوٹ آئے گا، اور تو غموں کی کوٹھری سے باہر نکل آئے گا

اے قصۂ بہشت ز کویت حکایتے
اے وہ کہ بہشت کا قصہ تیرے کوچہ کی ایک معمولی کہانی ہے
شرحِ جمالِ حور ز رویت روایتے
حور کے حسن کی شرح تیرے چہرے کی ایک حقیر روایت ہے

انفاسِ عیسیٰ از لبِ لعلت لطیفۂ
حضرتِ عیسیٰ کے سانس تیرے ہونٹوں کا معمولی نکتہ ہیں
وآبِ خضر ز نوشِ لبانت کنایتے
اور آبِ خضر تیرے ہونٹوں کے شہد کا ایک اشارہ ہے

کے عطر سائے مجلسِ روحانیاں شدے
روحانی لوگوں کی مجلس میں عطر مہکانیوالا کب ہوتا
گل را اگر نہ بوئے تو کردے رعایتے
اگر تیری خوشبو پھول کے ساتھ رعایت نہ برتتی

در آرزوئے خاکِ درِ دوست سوختیم
دوست کے در کی خاک کی آرزو میں ہم جل گئے
یاد آور اے صبا کہ نکردی حمایتے
اے صبا! یاد رکھنا تو نے کوئی حمایت نہیں کی

در آتش ار خیالِ رخش دست میدہد
آگ میں اگر اس کے رخ کا خیال حاصل ہو جاتا ہے
ساقی بیا کہ نیست ز دوزخ شکایتے
تو اے ساقی تو آجا کیونکہ دوزخ کی کوئی شکایت نہیں ہے

بوئے دلِ کبابِ من آفاق را گرفت
میرے کباب شدہ دل کی بو نے تمام دنیا کو گھیر لیا
ویں آتش اندر او بکند ہم سرایتے
اور یہ آگ اس میں بھی سرایت کرے گی

اے دل بہ ہرزہ دانش و دینت ز دست رفت
اے دل! تیری عقل اور دین بیکار ہاتھ سے گئے
صد مایہ داشتی و نکردی کفایتے
تو بہت سرمایہ رکھتا تھا اور تو نے کوئی کفایت شعاری نہ کی

ہر پارہ از دلِ من و از غصہ قصۂ
میرے دل کا ہر ایک ٹکڑا، رنج و غم کا ایک قصہ ہے
ہر سطرے از خیالِ تو از رحمت آیتے
تیرے خیال کی ہر سطر، رحمت کی ایک آیت ہے

دانی مرادِ حافظ ازیں آہ و نالہ چیست
تجھے معلوم ہے اس آہ اور نالے سے حافظ کا کیا مقصد ہے؟
از تو کرشمۂ و ز خسرو عنایتے
تیری ایک ادا اور بادشاہ کی ایک عنایت

ا؎ محرومیوں کے بعد بھی حضرت حق دستگیری کرتے ہیں۔
۲؎ سرو نہروں کے کنارے پر لگایا جاتا ہے۔
۳؎ کلبۂ احزان وہ کوٹھری کہلاتی ہے جہاں حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ کے فراق کے دن گذارے تھے۔
۴؎ تیرے کوچہ کی سی رونق بہشت میں کہاں ہے حور کو تیرا حسن میسر نہیں ہے
۵؎ حضرت عیسیٰؑ کے سانس سے مردہ زندہ ہو جاتا تھا تیرے ہونٹوں میں اس سے بڑھ کر اثر ہے، تیرے ہونٹ آبِ حیات سے بڑھ کر ہیں۔
۶؎ اگر صبا اس کی خوشبو لے آتی تو ہمارا یہ حال نہ بنتا۔
۷؎ اگر محبوب کے رخسار کا خیال جہنم میں بھی حاصل ہو جاتا ہے تو پھر شراب سے بچنے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ شراب نوشی کی سزا جہنم ہو سکتی ہے جو ہمارے اصل مقصد یعنی خیالِ یار سے مانع نہیں ہوگی۔
۸؎ فراق میں ہمارا دل کباب بن گیا ہے اور اس کی خوشبو دنیا میں پھیل رہی ہے شاید معشوق تک بھی پہونچ جائے اور وہ رحم کر دے۔ ۹؎ میرا دل پارہ پارہ ہو گیا اور ہر پارہ میں ایک رنج کا قصہ مضمر ہے، تیرے خیال کی ہر سطر میرے لیے رحمت کی آیت ہے۔

اے زشرمِ عارضت گُل کردہ خوئی
اے وہ کہ تیرے رخسار کی شرم سے پھول پسینے پسینے ہے

در عرق پیشِ عقیقت جامِ مے
تیرے عقیق "لب" کے سامنے شراب کا جام پسینہ میں ڈوبا ہوا ہے

ژالہ بر لالہ است یا بر گُل گلاب
لالہ پر اوس ہے، یا گُل پر گلاب

یا بر آتش آب یا بر روت خوئے
یا آگ پر پانی ہے، یا تیرے چہرے پر پسینہ

میشد از چشم آں کمان ابرو و دل
وہ کمان جیسے ابروں والا آنکھوں سے اوجھل ہو رہا تھا اور دل

از پئش میرفت و گم می کرد پے
اس کے پیچھے جا رہا تھا، اور راستہ بھول رہا تھا

امشب از زلفش نخواہم داشت دست
آج کی رات، اس کی زلف سے ہاتھ نہ ہٹاؤں گا

رو مؤذن بانگ بر میزن کہ حے
مؤذن جا، اذان دے کہ آؤ

چوں بنی عامر بسے مجنوں شوند
بنی عامر کی طرح، بہت سے مجنوں ہو جائیں گے

گر بروں آید یکے لیلیٰ زحے
اگر تھوڑی دیر کے لیے، لیلیٰ قبیلے سے باہر آجائے

نے دمے لب بر لبِ مطرب نہاد
نَے نے تھوڑی دیر کے لیے مطرب کے ہونٹ پر ہونٹ رکھا

چنگ را در زیرِ ناخن کردنے
نَے نے، چنگ کو ناخن میں کر دیا

آنکہ بر ہر جرعہ جاں مید ہد
جو شخص، ہر گھونٹ پر جان دیتا ہے

جاں از و بستان و جامے دہ بوے
اس سے جان لے لے اور اس کو ایک جام دے

عُود بر آتش نہ و منقل بسوز
آگ پر عود رکھ، اور انگیٹھی سُلگا

غم مدار از کثرتِ سرمای دے
دے (مہینہ) کے زیادہ جاڑے کا غم نہ کر

باتو زیں پس گر فلک خواری کند
اس کے بعد، اگر تجھے آسمان ذلیل کرے

باز گو در حضرتِ دارائے رے
رے کے بادشاہ کے دربار میں جاکر کہدے

خسروِ آفاقِ بخشش کز سخا
بخشش کی دنیا کا بادشاہ کہ سخاوت کیوجہ سے

نامۂ حاتم ز نامش گشت طے
حاتم نامہ اس کے نام کی وجہ سے طے ہوگیا

چنگ را بر دستِ مطرب نہ دمے
تھوڑی دیر کے لیے چنگ کو مطرب کے ہاتھ پر رکھ

گو رگش بخراش و بخروشم زوے
کہدے کہ اس کی رگ کو چھیلے اور میں اس سے شور کروں

جامِ مے پیش آر و چوں حافظ مخور
شراب کا پیالہ سامنے رکھ، اور حافظ کی طرح نہ کھا

غم کہ جم کے بود یا کاؤس کے
غم، کہ جمشید کب تھا، اور کاؤس کب؟

ایکہ بر ماہ از خطِ مشکیں نقاب انداختی
اے وہ کہ تو نے مشکی خط سے چاند پر نقاب ڈالا ہے

لطف کردی سایۂ بر آفتاب انداختی
تو نے مہربانی کی، آفتاب پر ایک سایہ ڈالا ہے

تا چہ خواہد کرد بر ما تابِ زلفِ عارضت
دیکھیے تیرے رخسار کی زلف کی چمک ہم سے کیا کرتی ہے؟

حالیا نیرنگِ نقش خوش بر آب انداختی
فی الحال تو تو نے ایک خوشرنگ نقش پانی پر کھینچا ہے

گوئے خوبی بردی از خوبانِ عالم شاد باش
شاباش! دنیا کے حسینوں سے تو حسن کی بازی جیت لے گیا

جامِ کیخسرو طلب کافراسیاب انداختی
کیخسرو کا جام طلب کر کیونکہ تو نے افراسیاب کو پچھاڑ دیا ہے

۱۔ محبوب کے عرق آلود رُخ کی یہ تشبیہات ہیں۔
۲۔ مؤذن اذان میں حی علی الصلوٰۃ کہتا ہے "نماز کے لیے آؤ" یعنی ہم مؤذن کی اس پکار کی پرواہ نہ کریں گے اور محبوب سے جدا نہ ہوں گے۔
۳۔ قیس جس کو مجنوں کہا جاتا ہے بنی عامر قبیلہ کا تھا "حے" بمعنی قبیلہ۔
۴۔ بانسری کو یہ مرتبہ ملا کہ اس نے مطرب کے لب پر لب دھرا اس غم میں چنگ لاغر ہوکر اس قابل ہوگئی کہ اس کو ناخن میں رکھ لیا جائے چنگ کو ناخن سے بجایا جاتا ہے۔
۵۔ دے جاڑوں کا مہینہ ہے جو عموماً نومبر دسمبر میں پڑتا ہے۔
۶۔ "رے" وہی شہر ہے جہاں کے امام فخرالدین رازی رہنے والے تھے یہ شعر حاکم "رے" کی تعریف میں ہے۔
۷۔ ممدوح کی بخشش حاتم طائی سے بڑھی ہوئی ہے اسی لئے اس کا کارنامہ طے کرکے رکھدیا گیا ہے اس کو کوئی نہیں پڑھتا ہے۔
۸۔ دنیا کی ناپائیداری کا غم نہ کر اور شراب پی۔ ۹۔ سبزۂ خط کو مشکی نقاب اور رخ کو آفتاب و ماہتاب سے تشبیہ دی ہے ۱۰۔ چہرہ کو آب اور زلف کو نقش بر آب قرار دیا ہے۔ ۱۱۔ افراسیاب توران کا بادشاہ [illegible]

گرچہ از مستی خرابم طاعتِ من رد مکن
اگرچہ میں مستی کی وجہ سے خراب ہوں میری بندگی کو رد نہ کر
کاندریں شغلم بامّیدِ ثواب انداختی
کیونکہ تو نے مجھے اس شغل میں ثواب کی امید پر لگایا ہے

گنجِ عشقِ خود نہادی در دلِ ویرانِ من
تو نے میرے ویران دل میں اپنے عشق کا خزانہ رکھ دیا ہے
سایۂ دولت بریں کنجِ خراب انداختی
اس برباد گوشہ پر تو نے دولت کا سایہ ڈال دیا ہے

خوابِ بیداراں ببستی آنگہ از نقشِ خیال
تو نے بیداروں کی نیند کو باندھ دیا ہے پھر خیال کے نقش سے
تہمتے بر شبروانِ خیلِ خواب انداختی
نیند کے لشکر کے ڈاکوؤں پر تو نے تہمت رکھ دی ہے

پردہ از رُخ برفگندی یک نظر در جلوہ گاہ
جلوہ گاہ میں تھوڑی دیر کے لیے تو نے رُخ سے پردہ اٹھا دیا ہے
وز حیا حور و پری را در حجاب انداختی
اور حیا کی وجہ سے تو نے حور و پری کو پردے میں ڈال دیا

از برائے صیدِ دل در گردنم زنجیرِ زلف
دل کے شکار کے لیے میری گردن میں زلف کی زنجیر
چوں کمندِ خسروِ مالکِ رقاب انداختی
گردنوں کے مالک، بادشاہ کی کمند کی طرح تو نے ڈال دی

نصرۃ الدین شاہ یحییٰ اے کہ تاجِ آفتاب
اے نصرۃ الدین بادشاہ یحییٰ! آفتاب کے تاج کو
از سرِ تعظیم و قدرت در تُراب انداختی
تعظیم اور قدرت کی وجہ سے تو نے مٹی میں ملا دیا

داورِ دارا شکوہ اے آنکہ تاجِ آفتاب
اے دارا کے دبدبہ والے بادشاہ! آفتاب کے تاج کو
از سرِ تعظیم بر خاکِ جناب انداختی
تعظیم کی وجہ سے اپنی بارگاہ کی خاک پر تو نے گرا دیا ہے

زینہار از آبِ شمشیرت کہ شیراں را از آں
تیری تلوار کی آب سے پناہ ہے کہ شیروں کو اس سے
تشنہ میکردی و گرداں را در آب انداختی
تو نے پیاسا کر دیا، اور پہلوانوں کو پانی میں گرا دیا

بادہ نوش از جامِ عالم بیں کہ بر اورنگِ جم
جہاں بین جام سے شراب پی، اس لیے کہ جمشید کے تخت پر
شاہدِ مقصود را از رُخ نقاب انداختی
مقصود کے معشوق کے رخ سے تو نے نقاب الٹ دیا

ہر کسے با شمعِ رخسارت بنوعے عشق داشت
ہر شخص تیرے رخسار کی شمع سے ایک قسم کا عشق رکھتا ہے
زیں میاں پروانہ را در اضطراب انداختی
ان میں سے پروانے کو تو نے پریشانی میں ڈال دیا ہے

از فریبِ نرگسِ مخمور و چشمِ مے پرست
نشیلی نرگس، اور شراب پرست آنکھوں کے فریب کی وجہ سے
حافظِ خلوت نشیں را در شراب انداختی
گوشہ نشین حافظ کو تو نے شراب میں مبتلا کر دیا ہے

اے کہ دایم بخویش مغروری
اے وہ کہ تو ہمیشہ خودی میں مغرور ہے
گر ترا عشق نیست معذوری
اگر تجھے عشق نہیں ہے، تو تو معذور ہے

گردِ دیوانگانِ عشق مگرد
عشق کے دیوانوں کے چاروں طرف چکر نہ کاٹ
کہ بعقلِ عقیلہ مشہوری
کیونکہ تو بلند رتبہ عقل میں مشہور ہے

مستیِ عشق نیست در سرِ تو
تیرے سر میں عشق کی مستی نہیں ہے
رَو کہ تو مستِ آبِ انگوری
جا تو انگور کے پانی کا مست ہے

روئے زرد است و آہِ درد آلود
زرد چہرہ، اور درد بھری آہ
عاشقاں را گواہِ رنجوری
عاشقوں کی بیماری کے، گواہ ہیں

---

۱ تیرے خیال نے عاشقوں کی نیند اڑا دی ہے اور تہمت نیند کے لشکر پر دھری جا رہی ہے کہ وہ حملہ میں ناکام ہے۔

۲ شاہ یحییٰ وہ بادشاہ ہے جس کو امیر تیمور نے شیراز فتح کرنے کے بعد گدی پر بٹھا دیا تھا۔

۳ چونکہ تو جمشید کے ملک کا مالک ہے لہٰذا جامِ جہاں نما سے شراب پی۔

۴ ہر شخص کو ایک خاص قسم کا عشق ہے پھر پروانہ ہی کیوں مضطرب رہے۔

۵ خود پسندی کے ساتھ دولتِ عشق حاصل نہیں ہوتی ہے۔

۶ عشق کی مستی ہونی چاہئے شراب کی مستی بے حقیقت ہے۔

بگذر از ننگ و نامِ خود حافظ
اے حافظ! اپنی ذلت و عزت کو چھوڑ
ساغرِ مے طلب کہ مخموری
شراب کا ساغر مانگ، کیونکہ تو خمار میں ہے

اے کہ در کشتنِ ما ہیچ مدارا نکنی
اے وہ کہ تو ہمارے قتل کرنے میں کوئی رعایت نہیں کرتا ہے
سود و سرمایہ بسوزی و محابا نکنی
تو نفع اور سرمایہ کو جلاتا ہے اور کوئی خوف نہیں برتتا ہے

درد مندانِ غمت زہرِ ہلاہل نوشند
تیرے غم کے بیمار، قاتل زہر پیتے ہیں
قصدِ ایں قوم خطا باشد ہیں تا نکنی
اس قوم کو قتل کرنا، غلطی ہوگی، ہرگز نہ کرنا

رنج ما را کہ تواں برد بیک گوشۂ چشم
ہمارا رنج، جو ایک گوشۂ چشم سے دور کیا جا سکتا ہے
شرطِ انصاف نباشد کہ مداوا نکنی
انصاف نہ ہوگا، اگر تو اس کا علاج نہ کرے

دیدۂ ما کہ بامیدِ تو دریاست چرا
ہماری آنکھ جو تیری تمنا میں دریا ہے کیوں
بتفرج گذرے بر لبِ دریا نکنی
تفریح کے لیے، تو دریا کے کنارے نہیں جاتا ہے؟

نقلِ ہر جور کہ از خلقِ کریمت گویند
تیرے شریف اخلاق کا لوگ، جو ظلم بیان کرتے ہیں
قولِ صاحب غرضاں ست تو اینہا نکنی
وہ خود غرضوں کی بات ہے، تو یہ نہیں کرتا ہے

بر تو گر جلوہ کند شاہدِ ما اے زاہد
اے زاہد! اگر ہمارا معشوق تجھے جلوہ دکھا دے
از خدا جز مے و معشوق تمنا نکنی
تو شراب اور معشوق کے سوا تو خدا سے کوئی تمنا نہ کرے

حافظا سجدہ بمحرابِ دو ابرویش کن
اے حافظ! اُس کے دونوں ابروؤں کی محراب میں سجدہ کر
کہ دعائے زِ سرِ صدق جز آنجا نکنی
اس لیے کہ سچی دعا اُس جگہ کے سوا تو نہیں کر سکتا ہے

اے کہ در کوئے خرابات مقامے داری
اے وہ کہ تو شراب خانہ کے کوچہ میں قیام رکھتا ہے
جمِ وقتِ خودی ار دست بجامے داری
اگر تیرے ہاتھ میں جام ہے تو تو اپنے وقت کا جمشید ہے

اے کہ با زلف و رخِ یار گذاری شب و روز
اے وہ کہ تو دن رات دوست کی زلف اور رُخ کے ساتھ گذارتا ہے
فرصتت باد کہ خوش صبحے و شامے داری
تجھے زیادہ موقع ملے کیونکہ تو اچھی صبح و شام رکھتا ہے

اے صبا سوختگاں بر سرِ رہ منتظر اند
اے صبا! جلے ہوئے راستہ پر منتظر ہیں
اگر از یارِ سفر کردہ پیامے داری
اگر سفر میں گئے ہوئے دوست کا تیرے پاس کوئی پیغام ہے

بوئے جاں از لبِ خندانِ قدح میشنوم
میں جان کی خوشبو پیالے کے ہنستے ہوئے ہونٹ سے سونگھتا ہوں
بشنو اے خواجہ تو گر زانکہ مشامے داری
اے خواجہ! اگر تیرے پاس دماغ ہے تو بھی سونگھ

کامے ار می طلبد از تو غریبے چہ شود
اگر تجھ سے کوئی پردیسی کسی مقصد کا طلبگار ہے تو کیا ہو جائیگا؟
توئی امروز دریں شہر کہ نامے داری
تو ہی ہے، جو آج اس شہر میں مشہور ہے

خالِ سر سبزِ تو خوش دانۂ عیشے ست ولے
تیرا ہرا بھرا تل عیش کا بہترین دانہ ہے لیکن
بر کنارِ چمنش وہ کہ چہ دامے داری
ہائے اس کے چمن کے کنارے تو کیا جال رکھتا ہے

۴۔ نام مشہور ہے اگر کسی پردیسی کی حاجت روائی کر دیگا تو تیرا کیا بگڑ جائے گا۔ ۱۰ حسن سبزت بخط سبز مرا کرد اسیر ٭ دام ہمرنگِ زمیں بود گرفتار شدم

۱ جب تک خام عشق ہوتا ہے انسان نام و ننگ میں مبتلا رہتا ہے۔ مکمل عشق ان چیزوں کو ختم کر دیتا ہے۔
۲ تو نے ہمارا سب کچھ تباہ کر دیا پھر بھی ہم سے مروت نہیں برتتا ہے۔
۳ زہرِ ہلاہل، قاتل زہر جو کسی دوا سے اچھا نہ ہو۔ ہلاہل چین کے علاقہ میں ایک پہاڑ کا نام ہے اس پر ایک بوٹی اگتی ہے اس کی جڑ قاتل زہر ہے۔
۴ شعر در ارباب کرم ... [illegible]
۵ تیرے ظلم و جفا کے قصے مطلب کے بندے بیان کرتے پھرتے ہیں جن کی بات ناقابلِ اعتبار ہے۔
۶ اگر شراب خانہ میں کسی کے ہاتھ میں جام ہے تو وہ اپنے وقت کا جمشید ہے۔
۷ جس کو محبوب کا رخ اور زلف میسر آ جائے وہ بڑا خوش وقت ہے۔
۸ فراق میں جلے ہوئے عاشق منتظر کھڑے ہیں اے صبا کوئی پیغام
۹ اس شہر میں تیرا ہی

گو بہنگامِ[۱] وفا گرچہ ثباتت نبود
عہد وفا کے وقت اگرچہ تیرا ٹکاؤ نہیں ہے

میکنم شکر کہ بر جور دوامے داری
میں شکر گذار ہوں، کہ ظلم پر تو جماؤ رکھتا ہے

مہرباں شد فلک و ترکِ جفا کاری کرد
آسمان مہربان بنا، اور اس نے جفا کاری چھوڑ دی

تو ئی ایجاں کہ دریں شیوہ قوامے داری
اے جان! تو ہی ہے جو اس طریقہ میں مستقل ہے

اے کہ با وصلِ دلآرام گزیدی خلوت
اے وہ! کہ تو معشوق کے وصل کے ساتھ خلوت نشیں بنا

بغنیمت شمر ایں عیش کہ کامے داری
اس عیش کو غنیمت سمجھ، کہ تو بامراد ہے

بس[۲] دعائے سحرت حافظِ جاں خواہد بود
صبح کی بہت سی دعا تیری جان کی نگہبان ہو گی

تو کہ چوں حافظِ شب خیز غلامے داری
چونکہ تو شب بیدار، حافظ جیسا غلام رکھتا ہے

اے کہ مہجوریِ عشاق روا میداری
اے وہ! کہ عاشقوں کی مہجوری کو تو جائز رکھتا ہے

بندگاں را ز برِ خویش جدا میداری
غلاموں کو اپنے پاس سے، تو علیحدہ رکھتا ہے

تشنۂ[۳] بادیہ را ہم بزلالے دریاب
جنگل کے پیاسہ کی بھی، صاف پانی سے مدد کر

بامیدے کہ دریں رہ بخدا میداری
اس امید پر جو تو اس راستہ میں خدا سے رکھتا ہے

دل[۴] ربودی و بحل کردمت ایجاں لیکن
تو دل لے گیا، اور اے جان میں نے تجھے معاف کر دیا لیکن

بہ ازیں دار نگاہش کہ مرا میداری
اس کی حفاظت اس سے زیادہ کر جتنی تو میری کرتا ہے

ساغرِ ما کہ حریفانِ دگر می نوشند
ہمارا وہ ساغر جو دوسرے حریف پی رہے ہیں

ما تحمل نکنیم ار تو روا میداری
ہم برداشت نہیں کرتے ہیں، اگر تو جائز رکھتا ہے

اے[۵] مگس عرصۂ سیمرغ نہ جولانگہِ تست
اے مکھی! سیمرغ کا میدان تیری جولانگاہ نہیں ہے

عرضِ خود میبری و زحمتِ ما میداری
تو اپنی آبرو ریزی کرتی ہے اور ہمیں تکلیف پہونچاتی ہے

تو[۶] بتقصیرِ خود افتادی ازیں در محروم
تو اپنی کوتاہی سے اس در سے محروم ہوا ہے

از کہ می نالی و فریاد چرا میداری
کس سے نالہ کرتا ہے، اور کیوں فریاد کرتا ہے؟

اے دلِ خام طمع شرمے ازیں قصہ بدار
اے خام تمنا والے دل! اس معاملہ سے ذرا شرم کر

کار ناکردہ چہ امیدِ عطا میداری
کام کئے بغیر، تو بخشش کی کیا امید کرتا ہے؟

حافظا عادتِ خوباں ہمہ جور ست و جفا
اے حافظ! حسینوں کی عادت تو سراسر ظلم و زیادتی ہے

تو کہ زیں طائفہ امیدِ وفا میداری
تو کون ہے جو اس گروہ سے وفا کی امید رکھتا ہے؟

ایں خرقہ کہ من دارم در رہنِ شراب اولیٰ
یہ گدڑی جو میں پہنے ہوئے ہوں، اس کا شراب میں رہن ہونا بہتر ہے

ویں دفتر[۷] بیمعنی غرقِ مےِ ناب اولیٰ
اور اس بے معنیٰ دفتر کا خالص شراب میں ڈوبنا بہتر ہے

چوں عمر تبہ کردم چندانکہ نگہ کردم
چونکہ میں نے عمر تباہ کر دی ہے، جس قدر بھی میں نے غور کیا

در کنجِ خراباتے افتادہ خراب اولیٰ
کسی شرابخانہ کے گوشے میں، مست پڑا رہنا بہتر ہے

---

۱ تو وفا میں مستقل مزاج نہیں ہے۔ جفا میں بڑا مستقل مزاج ہے۔ اسی پر ممنون ہوں،
۲ شب بیدار حافظ تیرا غلام ہے اور صبح کے وقت تیرے لئے دعا کرتا ہے جو عموماً مقبول ہوتی ہے۔
۳ پیاسے کو پانی پلانا بڑے ثواب کا کام ہے
۴ تو نے دل چرا لیا ہے اور میں نے تجھے معاف کر دیا ہے۔ تو نے میری تو بلندی کی ہے اسکی بے قدری نہ کرنا۔
۵ عشق کے میدان میں جانا بڑی ہمت والوں کا کام ہے۔ کم ہمت خود بھی ذلیل ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی پریشان کرتا ہے۔
۶ جبکہ انسان اپنی ہی بے عملی کی وجہ سے محروم ہو تو پھر نالہ اور فریاد لغو ہے۔
۷ دفتر سے مراد علوم ظاہری کی وہ کتابیں ہیں جو تصوف سے خالی ہیں۔ شراب عمر کو کار آمد بنانا چاہئے اور اس کی یہی صورت ہے۔

من حالِ دلِ شیدا با خُلق نخواہم گفت
میں دیوانے دل کا حال، لوگوں سے نہ کہوں گا

کایں قصہ اگر گویم با چنگ و رباب اولیٰ
اس لیے کہ اگر میں یہ قصہ بیان کروں تو چنگ و رباب کے ساتھ بیان کرنا بہتر ہے

تا بے سر و پا باشد اوضاعِ فلک زیں ساں
جب تک آسمان کے حالات اسی طرح بے سر و پا رہیں گے

در سر ہوسِ ساقی در دست شراب اولیٰ
تو سر میں ساقی کا عشق اور ہاتھ میں شراب رہنا بہتر ہے

از ہمچو تو دلدارے دل بر نکنم آرے
تجھ جیسے معشوق سے میں دل نہ ہٹاؤں گا، ہاں

گر تاب کشم بارے زاں زلفِ بتاب اولیٰ
اگر اب میں اس پرشکن زلف سے رنج اٹھاؤں تو بہتر ہے

چوں مصلحت اندیشی دور است ز درویشی
چونکہ درویشی سے مصلحت اندیشی بعید ہے

ہم سینہ پُر آتش بہ ہم دیدہ پُر آب اولیٰ
سینہ کا آگ سے بھرا ہوا ہونا بہتر ہے، آنکھوں کا پُر نم رہنا بہتر ہے

چوں پیر شدی حافظ از میکدہ بیروں شو
اے حافظ! جب تو بوڑھا ہو گیا ہے، شرابخانہ سے باہر چلا جا

رندی و ہوسناکی در عہدِ شباب اولیٰ
رندی، اور عشقبازی، جوانی میں بہتر ہے

اَلحمدُ لِلّٰہ علےٰ مَعْدِلَۃِ السُّلطان
میں شاہ کے انصاف پر خدا کی تعریف کرتا ہوں

احمدِ شیخ اویسِ حسن ایلخانی
جو احمد شیخ اویس حسن، ایلخانی ہے

خانِ بن خان شہنشاہِ شہنشاہ نژاد
وہ خان کا بیٹا خان، شہنشاہ کا بیٹا شہنشاہ ہے

آنکہ می زیبد اگر جانِ جہانش خوانی
اگر تو اس کو جانِ جہاں کہے، تو مناسب ہے

دیدہ نادیدہ باقبالِ تو ایماں آورد
آنکھ بن دیکھے، تیرے اقبال پر ایمان لائی

مرحبا اے بہمہ لطفِ خدا ارزانی
خوش آمدید، تو خدا کی، تمام مہربانیوں کے لائق ہے

بر شکنِ طرۂ ترکانہ کہ در کاکلِ تست
تیری کاکلوں میں، جو ترکوں والا طرہ ہے اُس کی شکن پر

بخشش و کوششِ قاآنی و چنگز خانی
قاآنی اور چنگیز خانی بخشش، اور کوشش ہے

ماہ اگر بے تو بر آید بدو نیمش بزنند
اگر تیرے بغیر چاند نکلے تو اس کے دو ٹکڑے کر دیں

دولتِ احمدی و معجزۂ سبحانی
احمدی دولت، اور خدائی معجزہ

جلوۂ حسنِ تو دل میبرد از شاہ و گدا
تیرے حسن کا جلوہ شاہ و گدا کا دل اچک لیتا ہے

چشمِ بد دور کہ ہم جانی و ہم جانانی
چشم بد دور کہ تو جان بھی ہے، اور جاناں بھی

گرچہ دوریم بیادِ تو قدح مینوشیم
اگرچہ ہم دور ہیں، تیری یاد میں پیالہ پی رہے ہیں

بُعدِ منزل نبود در سفرِ روحانی
روحانی سفر میں، منزل کی دوری نہیں ہوتی ہے

از گلِ فارسیم غنچۂ عیشے نشگفت
فارس کی مٹی سے میرے عیش کا کوئی غنچہ نہ کھلا

حبذا دجلۂ بغداد و مے روحانی
بغداد کے دجلے، اور روحانی شراب پر آفرین ہے

سرِ عاشق کہ نہ خاکِ درِ معشوق بود
عاشق کا وہ سر، جو معشوق کے در کی خاک نہ بنے

کے خلاصش بود از محنتِ سرگردانی
اس کو سرگردانی کی تکلیف سے کب نجات ممکن ہے؟

ہمہ اطراف گرفت و ہمہ آفاق کشاد
تمام اطراف پر قبضہ کر لیا، پورے آفاق کو فتح کر لیا

صیتِ مسعودی دادارشہ سلطانی
انصاف کرنے والے بادشاہ کی مبارک شہرت نے

---

[۱] فقیروں کا کام مصلحت اندیشی نہیں ہے لہذا ہر وقت سینہ میں عشق کی آگ اور آنکھوں میں آنسو رہنے چاہئیں۔

[۲] یہ قصیدہ سلطان احمد ابن شیخ اویس ابن حسن الخاقانی کی تعریف میں کہا ہے جو بغداد کا حاکم تھا۔

[۳] قاآن، چنگیز خاں کا لڑکا تھا جو نہایت سخی تھا۔ چنگیز خاں ترکستان کا مشہور بہادر بادشاہ تھا جس کی پیدائش ۵۴۹ھ میں ہوئی۔ اس نے بغداد سے عباسی حکومت کا خاتمہ کر دیا تھا، یہ خود آتش پرست تھا۔ اس کے بعد اس کا پوتا قوبلا قاآن مسلمان ہوا ہے۔

[۴] دجلہ بغداد کا مشہور دریا ہے۔ بغداد کی آبادی اسی دریا کے دونوں کناروں پر ہے۔

[۵] جو عاشق معشوق کے در کی خاک نہ بنیگا ہمیشہ پریشان رہیگا۔

اے نسیمِ سحری خاکِ رہِ یار بیار
اے صبح کی نسیم! دوست کے راستہ کی خاک لا

تا کند حافظ ازآں دیدۂ جاں نورانی
تاکہ حافظ اس سے جان کی آنکھ کو نورانی بنائے

اے بادِ صبا بگذر آنجا کہ تو میدانی
اے بادِ صبا! اس جگہ جا، جس کو تو جانتی ہے

احوالِ دلم برگو پیدا کہ تو میدانی
میرے دل کے احوال صاف صاف بتادے جیسا کہ تو جانتی ہے

در پردۂ اسرارش ہرگہ کہ شوی محرم
جب تو اس کے راز کے پردوں کی محرم بن جائے

سِرّیست بگو با او زآنہا کہ تو میدانی
ان رازوں میں سے وہ راز اس سے کہدے جو تو جانتی ہے

چوں جور و جفایش را دیدی کز حد بگذشت
جب تو نے دیکھلیا ہے کہ اس کا ظلم وجور حد سے بڑھ گیا ہے

پیشش تو بیاں فرما از ما کہ تو میدانی
ہماری وہ حالت، جو تو جانتی ہے اس سے کہدے

دردِ دلِ ریشم را چوں نیست دوا پیدا
میرے زخمی دل کی جبکہ کوئی دوا موجود نہیں ہے

لطفے کن و درمانش فرما کہ تو میدانی
تو ہی مہربانی کر، اور اس کا علاج کر کیونکہ تو جانتا ہے

چوں سرمۂ بینائی در دیدہ کشم گردے
گرد کو بینائی کے سرمہ کی طرح آنکھ میں لگاؤں

گر بادِ صبا آرد زآنجا کہ تو میدانی
اگر بادِ صبا، اس جگہ سے لے آئے جو تجھے معلوم ہے

گفتم ز لبت بوسہ وز حافظِ مسکیں جاں
میں نے کہا، تیرے ہونٹ کا بوسہ اور مسکین حافظ کی جان

ہستی تو بدیں راضی گفتا کہ تو میدانی
تو اس پر راضی ہے، اس نے کہا کہ تو جانتا ہے

بچشمِ مہر اگر با منِ مہم را یک نظر بودے
میرے چاندنی اگر میری طرف مہربانی کی آنکھ سے ایک نظر ہوتی

ازآں سیمیں بدن کامم بخوبی ہمچو زر بودے
تو اس چاندی جیسے بدن والے سے میرا مقصد رونق میں سونے کی طرح ہوتا

ز شوق افشاندمے ہردم سرے در پائے جانانم
اپنے محبوب کے قدموں پر ہر گھڑی شوق سے ایک سر نثار کرتا

دریغا گر متاعِ من نہ ازایں مختصر بودے
ہائے افسوس اگر میری پونجی اس سے بھی مختصر نہ ہوتی

اگر برقع برافگندے ازآں روئے چو مہ روزے
اگر کسی دن وہ اس چاند جیسے رخ سے برقع الٹ دیتا

مدام از نرگسِ مستش جہاں پر شور و شر بودے
تو اس کی مست آنکھ سے دنیا ہمیشہ شور و شر سے بھری رہتی

ہمش مہر آمدے بر من زمہر آں شاہِ خوباں را
اس حسینوں کے بادشاہ کو بھی مجھ پر محبت کی وجہ سے رحم آتا

گر از دردِ دلِ زارم یکے روزش خبر بودے
اگر میرے دلِ زار کے درد کی اس کو ایک دن بھی خبر ہو جاتی

بوصلش گر مرا روزے ز ہجراں فرصتے بودے
اس کے وصل کے ذریعہ اگر میرے لئے کسی دن ہجر سے چھٹکارا ہوتا

مبارک ساعتے بودے چہ خوش بودے اگر بودے
مبارک وقت ہوتا، کیا اچھا ہوتا اگر ایسا ہوتا

شبے ناگہ گر افتادے میانش در کنارِ من
اگر کسی شب بھی اچانک اس کی کمر میری بغل میں آجاتی

نثارِ خاکِ راہِ او مرا ایں جان و سر بودے
میری یہ جان اور سر اس کے راستہ کی خاک پر قربان ہو جاتا

نہ گفتے کس بشیرینی چو حافظ شعر در عالم
مٹھاس میں دنیا کے اندر حافظ کی طرح کوئی شعر نہ کہتا

اگر طوطی طبعش را ز لعلِ او شکر بودے
اگر اس کی طبیعت کی طوطی کو اس کے ہونٹ کی شکر حاصل ہوتی

---

۱ یعنی محبوب کی منزل۔
۲ کہ ہجر میں انتہائی تکالیف میں مبتلا ہے۔
۳ وہ راز یہی ہے کہ ہم اس کے عاشق ہیں اور ہجر میں مبتلا ہیں۔
۴ ہم جور و جفا کی وجہ سے انتہائی رنج و غم میں مبتلا ہیں۔
۵ تیری عنایت اور مہربانی ہی اس کا علاج ہے۔
۶ یعنی محبوب کے کوچہ کی گرد۔
۷ میں نے کہا ایک بوسہ دیدے اور جان لے لے اُس نے کہا کہ یہ سودا بڑا گراں ہے تیری جان میرے بوسے کی قیمت نہیں ہوسکتی ہے۔
۸ افسوس ایک ہی سر ہے جو ایک بار ہی نثار کیا جاسکتا ہے۔
۹ اگر حافظ کو محبوب کے لب کا ایک بوسہ میسر آجائے تو پھر اشعار کی مٹھاس میں اس کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔

با مدعی مگوئید اسرارِ عشق و مستی
ڈینگیں مارنے والے، سے مستی اور عشق کے راز نہ کہو

تا بیخبر بمیرد در رنجِ خود پرستی
تاکہ خود پرستی کے رنج میں، بے خبر ہی مر جائے

با ضعف[1] و ناتوانی ہمچوں نسیم خوش باش
ضعف اور کمزوری کے باوجود، نسیم کی طرح خوش رہ

بیماری اندریں غم خوشتر ز تندرستی
اس غم میں بیماری، تندرستی سے اچھی ہے

تا فضل[2] و علم بینی بے معرفت نشینی
جب تک علم و فضل پر نظر رکھے گا معرفت سے خالی بیٹھا رہیگا

یک نکتہ ات بگویم خود را مبیں کہ رستی
تجھ سے ایک نکتہ کہتا ہوں، خود بینی نہ کر نجات پا جائیگا

در آستانِ جاناں از آسماں میندیش
معشوق کی چوکھٹ پر، آسمان کا خیال نہ کر

کز اوجِ سربلندی افتی بخاکِ پستی
کیونکہ سربلندی کے اوج سے، پستی کی خاک پر گر جائے گا

عاشق شو[3] ار نہ روزے کارِ جہاں سر آید
عاشق بن، ورنہ ایک دن دنیا کا کام ختم ہو جائے گا

ناخواندہ نقشِ مقصود از کارگاہِ ہستی
وجود کے کارخانہ سے مقصود کا نقش پڑھے بغیر

آں روز دیدہ بودم ایں فتنہا کہ برخاست[4]
میں نے یہ فتنے اسی دن دیکھ لئے تھے، کہ اٹھے تھے

کز سرکشی زمانے با ما نمی نشستی
جبکہ سرکشی کی وجہ سے تھوڑی دیر بھی تو ہمارے پاس بیٹھتا تھا

خار ار چہ جاں بکاہد گل عذرِ آں بخواہد[5]
کانٹا اگرچہ جان کو گھٹاتا ہے، پھول اسکی عذر خواہی کرتا ہے

سہل ست تلخیٔ مے در جنبِ ذوقِ مستی
مستی کے ذوق کے پہلو میں شراب کی تلخی آسان ہے

صوفی پیالہ پیما ساقی قرابہ پُر کن
اے صوفی! پیالہ تھام، اے ساقی! صراحی بھر دے

اے کوتہ آستیناں[6] تا کے دراز دستی
اے چھوٹی آستین والو! دراز دستی کب تک؟

در حلقۂ مُغانم دوش آں پسر چہ خوش گفت
مغوں کے حلقے میں، کل اس لڑکے نے کیا اچھی بات کہی

با کافراں چہ کارت گر بُت نمیپرستی
تجھے کافروں سے کیا واسطہ، اگر تو بت پرستی نہیں کرتا ہے

در مذہبِ طریقت خامی نشانِ کفرست
طریقت کے مذہب میں کچا پن، کفر کی علامت ہے

آرے طریقِ رنداں چالاکیست و چستی
ہاں رندوں کا طریقہ، چالاکی اور چستی ہے

سلطانِ ما خدارا زلفت شکست مارا
اے ہمارے بادشاہ، خدا کے لئے تیری زلف نے ہمیں شکستہ کر دیا

تا کے کند سیاہے چندیں دراز دستی
ایک حبشی کب تک، اتنی دراز دستی کرے گا

گر خرقہ[7] بینی مشغولِ کارِ خود باش
اگر تو کوئی گدڑی دیکھے، اپنے کام میں لگ جا

ہر قبلہ کہ باشد مشغولِ خود پرستی
جو کوئی بھی قبلہ ہے، خود پرستی میں مشغول ہے

در گوشۂ سلامت مستور چوں تواں بود
سلامتی کے گوشہ میں کس طرح چھپا جا سکتا ہے

تا نرگسِ تو گوید با ما رموزِ مستی
جب تک آنکھیں ہم سے مستی کے راز کہہ رہی ہیں

عشقت[8] بدستِ طوفاں خواہد سپرد ایجاں
اے جان! تجھے عشق طوفان کے حوالے کر دے گا

چوں برق ازیں کشاکش پنداشتی کہ رستی
تو نے سمجھا ہے کہ بجلی کی طرح اس کشاکش سے چھوٹ جائیگا

از راہِ دیدہ حافظ تا دیدہ زلف پستت
حافظ نے جب سے آنکھوں سے تیری نیچی زلفوں کو دیکھا ہے

با جملہ سربلندی شد پایمالِ پستی
تمام سربلندیوں کے ہوتے ہوئے پستی سے پائمال ہو گیا ہے

[1] نسیم بھی اس کی عاشق ہے لیکن باوجود ضعف اور کمزوری کے خوش رہتی ہے۔
[2] جب تک انسان میں اپنے علم و فضل کا غرور ہے وہ خود بینی میں مبتلا ہے اور معرفتِ خداوندی اسکو حاصل نہیں ہے۔
[3] زندگی کا مقصد حصولِ عشق ہے۔
[4] جب تو نے بیرخی برتی تھی ہم جب ہی سمجھ گئے تھے کہ اب مصیبتوں میں پھنسیں گے۔
[5] اچھائی کے لیے برائی برداشت کرنی پڑتی ہے۔
[6] کوتاہ آستین سے مراد فقہا اور علما ہیں یہ لوگ چھوٹی آستینوں کا چوغہ پہنتے تھے۔
[7] جو لوگ فقیرانہ لباس پہنے ہوئے ہیں اور قبلۂ عالم کہلاتے ہیں عموماً خود پرست ہیں، ان سے تعلق نہ رکھنا چاہیے۔
[8] تیرا خیال غلط ہے کہ عشق کی مصیبتوں سے جلد نجات پا جائے گا، عشق تو تجھے طوفانِ غم میں مبتلا کر دیگا۔

بجان او کہ گرم دسترس بجاں بودے
اس کی جان کی قسم اگر میرا جان پر قابو ہوتا

کمینہ پیشکش بندگانش آں بودے
اس کے غلاموں کے لیے، وہ حقیر پیش کش ہوتی

اگر[1] دلم نشدے پائے بندِ طرّۂ او
اگر میرا دل! اس کی زلف کا پابند نہ ہوتا

کیَم قرار دریں تیرہ خاکداں بودے
اس اندھیرے خاکدان میں مجھے کب قرار ہوتا

بگفتمے کہ بہا[2] چیست خاکِ پائے ترا
میں کہتا کہ تیرے پیروں کی خاک کی کیا قیمت ہے!

اگر حیاتِ گرانمایہ جاوداں بودے
اگر قیمتی زندگی ہمیشہ رہنے والی ہوتی

بخواب نیز نمی بینمش چہ جائے وصال
میں اس کو خواب میں بھی نہیں دیکھتا ہوں چہ جائیکہ وصال

چو ایں[3] نبود و ندیدیم بارے آں بودے
جب یہ نہ تھا اور ہم نے نہ دیکھا تو کاش وہی ہوتا

بہ بندگیِ قدش سرو معترف گشتے
سرو اس کے قد کی غلامی کا اقرار کرتا

اگر چو سوسنِ[4] آزادہ دہ زباں بودے
اگر آزاد سوسن کی طرح، دس زبانوں والا ہوتا

زپردہ نالۂ حافظ بروں کے افتادے
حافظ کا نالہ پردے سے باہر کب آتا

اگر نہ ہمدمِ مرغانِ صبح خواں بودے
اگر وہ صبح کو چہکنے والے، پرندوں کا ساتھی نہ ہوتا

بچشم[5] کردہ ام ابروئے ماہ سیمائے
ایک چاند جیسے چہرے والے کے ابرو کو میں نے آنکھ میں کر لیا ہے

خیالِ سرو قدے نقش بستہ ام جائے
ایک سرو قد کے خیال کا میں نے ایک جگہ نقش بنا لیا ہے

زمامِ دل بکسے دادہ ام منِ مسکین
مجھ مسکین نے دل کی باگ اس کو پکڑوا دی ہے

کہ نیستش بکس از تاج و تخت پروائے
کہ جس کو کسی کے تخت و تاج کی پروا نہیں ہے

سرم ز دست شد و چشم ز انتظار بسوخت
میرا سر ہاتھ سے جاتا رہا اور آنکھیں انتظار میں جل گئیں

در آرزوئے سرو چشمِ مجلس آرائے
کسی مجلس کو آراستہ کرنے والے کے خیال اور انتظار کی آرزو میں

زہے کمال کہ منشورِ[6] عشقبازیِ من
بہت کمال ہوگا کہ میری عشقبازی کا حکمنامہ

ازاں کمانچۂ ابرو رسد بطغرائے
اس ابرو کے کمانچے سے دستخط شدہ پہنچ جائے

مرا کہ از رخِ تو ماہ در شبستان است
میرے گھر میں جبکہ تیرے رخ کی وجہ سے چاند موجود ہے

کجا بود بفروغِ ستارہ پروائے
تو ستارے کی روشنی کی، کیا پروا ہوگی

تکدرست دل آتش بخرقہ خواہم زد
دل مکدر ہے، گدڑی میں آگ لگا دوں گا

بیا ببیں تو اگر می کنی تماشائے
آ جا، دیکھ، اگر تو کچھ تماشا دیکھنا چاہتا ہے

بروزِ[7] واقعہ تابوتِ ما ز سرو کنید
موت کے دن، ہمارا تابوت سرو کا بنانا

کہ مردہ ایم ز داغِ بلند بالائے
اس لیے کہ ہم ایک بلند قد والے کا داغ لیکر مرے ہیں

درآں مقام کہ خوباں بغمزہ تیغ زنند
جس جگہ حسین، ادا کی تلوار مارتے ہیں

عجب مکن ز سرے کو فتادہ در پائے
اگر کوئی سر کسی پیر پر پڑا ہوا ہو، تو تعجب نہ کر

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب
فراق اور وصل کیا ہوتا ہے، دوست کی رضامندی چاہ!

کہ حیف باشد ازو غیرِ او تمنائے
کیونکہ اس سے اس کے غیر کی کوئی تمنا کرنا، ظلم ہے

---

[1] یعنی میں تو اس کی زلف کی پابندی نے دنیا میں ٹھہرا رکھا ہے ورنہ ہمارا یہاں کیا کام تھا۔

[2] فانی زندگی اس کی خاک پا کی قیمت کے لائق نہیں ہے۔ اگر عمر جاودانی ہوتی تو وہ دیکر اس کی خاکپا حاصل کرتا۔

[3] وصل تو کجا، خواب میں بھی اس کو دیکھنا میسر نہیں ہے "ایں" سے مراد وصل ہے "آں" سے اس کا خواب میں آنا مراد ہے

[4] سوسن کے پھول کی دس پتیاں زبان کی شکل کی ہوتی ہیں، اس لیے سوسن کو دس زبانوں والا کہا جاتا ہے۔

[5] محبوب کی ابرو آنکھوں میں اور اسکے قد کا خیال دل میں جما ہوا ہے۔

[6] منشور شاہی حکم، طغرا سے مراد وہ مہر ہے جس میں شاہی آداب و نام ہوتا تھا جو حکمناموں پر لگائی جاتی تھی۔

[7] چونکہ مجھے سرو قد سے عشق ہے لہذا مرنے کے بعد سرو کی لکڑی کے صندوق میں رکھ کر دفن کرنا۔

زشوق سر بدر آرند ماہیان از آب
شوق کی وجہ سے مچھلیاں پانی سے سر ابھار لیں گی

اگر سفینۂ حافظ رسد بدریائے
اگر حافظ کا دیوان کسی دریا پر پہونچے گا

بروزاہد بامیدے کہ داری | کہ دارم ہمچناں امیدواری
اے زاہد تو اس امید کو لئے پھر جو تو رکھتا ہے | اس لیے کہ میں اسی طرح کی امیدواری رکھتا ہوں

بجز ساغر کہ دارد لالہ در دست | بیا ساقی بیاور آنچہ داری
اس ساغر کے سوا کہ جو لالہ ہاتھ میں لئے ہے | ساقی آجا، جو کچھ تیرے پاس ہے، لے آ

مرا در رشتۂ دیوانگاں کش | کہ مستی خوشتر ست از ہوشیاری
مجھے دیوانوں کے دھاگے میں پرو لے | اس لیے کہ ہوشیاری سے مستی بہتر ہے

بپرہیز از من اے صوفی بپرہیز | کہ کردم توبہ از پرہیز گاری
بچ، اے صوفی! مجھ سے، بچ | اس لیے کہ میں نے پرہیزگاری سے توبہ کرلی ہے

بیا دل در خمِ گیسوئے او بند | اگر خواہی خلاص و رستگاری
آ، اس کی زلفوں کے پیچ میں دل کو باندھ | اگر خلاصی اور چھٹکارا چاہتا ہے

بوقتِ گل خدارا توبہ بشکن | کہ عہدِ گل ندارد استواری
بہار کے موسم میں خدا کے لیے توبہ توڑ ڈال | اس لیے کہ موسم بہار میں پائداری نہیں ہے

عزیزا نو بہارِ عمر بگذشت | چو بر طرفِ چمن بادِ بہاری
اے پیارے! عمر کی بہار گذر گئی | جس طرح کہ بادِ بہاری، چمن کے کنارے پر سے

بیا حافظ بہ پندِ تلخ کن گوش
اے حافظ! آ، کڑوی نصیحت سن لے

چرا عمرے بغفلت میگذاری
عمر کو کیوں غفلت میں گذار رہا ہے؟

بشنو ایں نکتہ کہ خود راز غم آزادہ کنی | خوں خوری گر طلبِ روزیِ ننہادہ کنی
یہ نکتہ سن لے تاکہ تو اپنے آپ کو غم سے آزاد کرلے | اگر مقدر نہ کی ہوئی روزی کی طلب کرے گا خون پئے گا

آخر الامر گِلِ کوزہ گراں خواہی شد | حالیا فکرِ سبو کن کہ پُر از بادہ کنی
انجام کار تو کمہاروں کی مٹی بنے گا | اب تدبیر کرلے تاکہ صراحی کو شراب سے بھرلے

جہد بنما کہ در ایامِ گل و عہدِ شباب | عیش با آدمیِ چند پریزادہ کنی
کوشش کر کہ جوانی، اور بہار کے زمانے میں | چند، پریزاد، آدمیوں کے ساتھ عیش کرلے

تکیہ بر جائے بزرگاں نتواں زد بگزاف | مگر اسبابِ بزرگی ہمہ آمادہ کنی
بکواس سے بزرگوں کی جگہ پر تکیہ لگا کر نہیں بیٹھا جاسکتا | مگر یہ کہ تو بزرگی کے تمام اسباب جمع کرلے

اجر ہا باشدت اے خسروِ شیریں حرکات | گر نگاہے سوئے فرہادِ دل افتادہ کنی
اے میٹھی حرکتوں والے بادشاہ! تجھے بہت ثواب ملیگا | اگر دل گمشدہ فرہاد کی جانب ذرا نگاہ کریگا

ا؎ تو اپنی تمنا میں خوش رہ میں اپنی تمنا میں لگا ہوں۔
۲؎ [illegible]
۳؎ دنیا کے افکار اور غموں سے نجات کی یہی صورت ہے کہ زلف یار میں گرفتار ہوجائے
۴؎ جس طرح بادِ بہاری تیزی سے چمن سے گذر جاتی ہے اسی طرح میری عمر گذر رہی ہے۔
۵؎ جو روزی مقدر میں نہیں ہے اسکی طلب، خونِ جگر پینا ہے۔
۶؎ انجام کار انسان مٹی میں ملتا ہے اور کمہار اس سے کوزے تیار کرتا ہے۔

خاطرت کے رقمِ فیض پذیرد ہیہات | مگر از نقش پراگندہ ورق سادہ کنی
افسوس تیرا دل فیض کا نقش کب قبول کر سکتا ہے؟ | سوائے اس کے کہ ورق کو بیہودہ نقوش سے صاف کرے

اے صبا بندگیِ خواجہ جلال الدیں کن | کہ جہاں پُرسمن و سوسنِ آزادہ کنی
اے صبا، خواجہ جلال الدین کی غلامی کر | تاکہ تو جہاں کو سمن، اور آزاد سوسن سے بھر دے

کارِ خود گر بخدا باز گزاری حافظ
اے حافظ! اگر تو اپنے کام کو خدا پر چھوڑے گا

اے بسا عیش کہ با بختِ خداداده کنی
خداداد نصیبہ کی بدولت، بہت عیش کرے گا

بصوتِ بلبل و قمری اگر ننوشی مے | علاج کے کنمت آخر الدواء الکیّ
بلبل اور قمری کی صدا پر اگر تو شراب نہ پیئے گا | میں تیرا علاج داغ سے کروں گا، آخری علاج داغ دینا ہے

ذخیرہ بنہ از رنگ و بوئے فصلِ بہار | کہ میرسند ز رہ رہزنانِ بہمن و دے
فصلِ بہار کے رنگ و بو سے، کوئی ذخیرہ جمع کر لے | اس لیے کہ بہمن اور دے کے ڈاکو راستے آ رہے ہیں

زمانہ ہیچ نبخشد کہ باز نستاند | مجوز سفلہ مروت مجوز ناکس شے
زمانہ کوئی ایسی چیز نہیں بخشتا ہے جو واپس نہ لے | کمینے سے انسانیت اور ناکس سے کسی چیز کا طلبگار نہ بن

چو گل نقاب برافگند و مرغ زد ہو ہو | منہ ز دست پیالہ چہ میکنی ہے ہے
جب پھول نے نقاب پلٹ دی، اور پرندے نے ہو ہو کے نعرے لگائے | ہاتھ سے پیالہ نہ رکھ، ہائے ہائے، کیا کرتا ہے؟

خزینہ داریِ میراث خوارگاں کفر ست | بقولِ مطرب و ساقی بفتوئے دف و نے
میراث خوروں کا خزانہ جمع کرنا، کفر ہے | مطرب اور ساقی کے قول، دف اور نے کے فتوے کے مطابق

چو ہست آبِ حیاتت بدست تشنہ ممیر | فلا تمت و من الماء کل شیء حیّ
جبکہ آبِ حیات تیرے ہاتھ میں ہے پیاسا نہ مر | پس نہ مر، اور پانی سے ہر چیز زندہ ہے

نوشتہ اند بر ایوانِ جنۃ الماویٰ | کہ ہر کہ عشوۂ دنیا خرید وائے بوے
جنۃ الماویٰ کے محل پر لکھا ہے | کہ جس نے دنیا کی ادا خریدی اس پر افسوس ہے

سخا نماند سخن طے کنم بیا ساقی | بدہ بشادیِ روح و روانِ حاتم طے
سخاوت نہیں رہی، بات طے کرتا ہوں، ساقی آجا | اور حاتم طائی کے روح اور ان کی خوشی کی خاطر شراب پلا

شکوہ سلطنت و حکم کے ثباتے داشت | ز تختِ جم سخنے ماندہ است و افسر کے
حکم اور سلطنت کا دبدبہ کب باقی رہ سکا ہے | جمشید کے تخت، اور کیخسرو کے تاج کی باتیں ہی باقی ہیں

بخیل بوئے خدا نشنود بیا حافظ
بخیل خدا کی خوشبو نہیں سونگھتا ہے، حافظ آجا

پیالہ گیر و کرم کن کہ الضمان علیّ
پیالہ تھام، اور سخاوت کر، مجھ پر ذمہ داری ہے

بفراغ دل زمانے نظرے بماہرو ئے | بہ از آنکہ چترِ شاہی ہمہ روز ہای و ہوئے
دل جمعی کے ساتھ تھوڑی دیر کیلئے کسی ماہرو کی طرف دیکھنا | اس سے بہتر ہے کہ شاہی چتر ہو اور دن بھر ہاؤ ہو ہو

۱؎ انسان کو غیر کے تصورات سے دل کو صاف کر لینا چاہئے جب کہیں محبوب کا نقش دل پر قائم ہوتا ہے۔

۲؎ جلال الدین توران شاہ، شاہ شجاع کا وزیر تھا جو خواجہ قوام کے قتل کے بعد برسرِ اقتدار آیا تھا۔

۳؎ آخر الدواء الکیّ عربی مثل ہے یعنی آخری علاج داغ لگانا ہے جب اور دوائیں مفید نہیں تو پھر آخر میں لوہا گرم کر کے عضو کو داغ دیا جاتا ہے یعنی اگر بلبل و قمری کی آواز بھی تجھے شراب نوشی پر آمادہ نہیں کر سکتی تو اب تیرا علاج سوائے داغ دینے کے اور کچھ نہیں ہے۔

۴؎ بہمن اور دے، جاڑے کے مہینے ہیں جو خزاں کا موسم ہوتا ہے۔

۵؎ دیکر واپس لینا کمینہ پن ہے لہذا زمانہ کمینہ ہے اس سے کوئی چیز نہ مانگنی چاہئے۔

۶؎ ہائے ہائے کیا کرتا ہے پیالہ ہاتھ سے نہ رکھنا۔

۷؎ میراث خوارگان وہ لوگ کہلاتے ہیں جو باپ دادا کی کمائی پر گزارا کریں اور خود کمائی نہ کریں۔

۸؎ و جعلنا من الماء کل شیء حیّ ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے پیدا کیا ہے، یہ قرآن پاک کی آیت ہے یعنی شراب آبِ حیات ہے اگر یہ نہ پیئے گا تو تجھے زندگی میسر نہ ہوگی۔ ۹؎ انسان مر جاتا ہے اس کے کارنامے زندہ رہتے ہیں، حاتم طائی [illegible]

بخدا کہ رشکم آید بدو چشم روشن خود
خدا کی قسم، مجھے اپنی دونوں روشن آنکھوں پر رشک آتا ہے

کہ نظر دریغ باشد بچنیں لطیف روئے
کہ ایسے پاکیزہ چہرہ کو دیکھنا، افسوس کی بات ہے

دل من شد و ندانم چہ شد آں غریب مارا
میرا دل گم ہو گیا، اور مجھے معلوم نہیں کہ ہمارا وہ مسافر کیا ہوا

کہ گذشت عمر و نامد خبرے ز ہیچ سوئے
اس لیے کہ ایک عمر گذر گئی، اور کسی طرف سے کوئی خبر نہیں آئی

نفسم باخر آمد نظرم ندید سیرت
میرا سانس ختم ہونے پر آگیا، میری نگاہ نے تیری رفتار نہ دیکھی

بجز ایں نماند مارا ہوسے و آرزوئے
اسکے علاوہ ہماری کوئی ہوس اور آرزو نہیں رہی

مکن اے صبا مشوش سر زلف آں پری را
اے صبا! اس پری کی زلفوں کو پریشان نہ کر

کہ ہزار جان حافظ بفدائے تار موئے
کہ حافظ کی ہزار جانیں؛ ایک بال پر قربان ہیں

بگرفت کار حسنت چوں عشق من کمالے
تیرے حسن کے کام نے بھی میرے عشق کی طرح کمال حاصل کرلیا ہے

خوش باش زانکہ نبود ایں ہر دو را زوالے
خوش رہ، اسلیے کہ ان دونوں کو زوال نہیں ہوگا

در وہم می نگنجد کاندر تصور عقل
یہ بات وہم میں بھی نہیں آتی ہے کہ عقل کے تصور میں

آید بہیچ معنیٰ زیں خوب تر مثالے
کسی اعتبار سے بھی اس سے بہتر تصویر آسکے گی

شد حظ عمر حاصل گر زانکہ با تو مارا
زندگی کا لطف ملا، اگر ہمیں تجھ سے

یکدم بعمر روزے روزی شود وصالے
زندگی میں کسی دن، ذرا سی دیر کے لیے بھی وصل میسر آجائے

آندم کہ با تو باشم یکسال ہست روزے
جس وقت میں تیرے ساتھ ہوتا ہوں ایک سال ایک دن ہوتا ہے

و آندم کہ بے تو باشم یک روز ہست سالے
اور جس وقت تیرے بغیر ہوتا ہوں ایک دن ایک سال ہوتا ہے

من چوں خیال رویت جاناں بخواب بینم
اے جاناں! میں تیری خیالی تصویر کو خواب میں کس طرح دیکھوں؟

کز خواب می نہ بیند چشمم بجز خیالے
اس لیے کہ میری آنکھیں، سوائے خیالی نیند کے اور کچھ نہیں دیکھتی ہیں

رحم آر بر دل من کز مہر روئے خوبت
میرے دل پر رحم کر، اس لیے کہ تیرے حسین چہرے کی محبت سے

شد شخص ناتوانم باریک چوں ہلالے
میرا کمزور جسم ہلال کی طرح باریک ہو گیا ہے

حافظ مکن شکایت گر وصل یار خواہی
اے حافظ! اگر تو وصل یار چاہتا ہے شکایت نہ کر

زیں بیشتر بباید بر ہجر احتمالے
ہجر کا اس سے بھی زیادہ احتمال ہے

بلبل ز شاخ سرو بگلبانگ پہلوی
بلبل نے سرو کی شاخ سے فارسی صدا میں

میخواند دوش درس مقامات معنوی
کل رات معنوی مقامات کا سبق پڑھ رہی تھی

یعنی بیا کہ آتش موسےٰ نمود گل
یعنی آجا اس لیے کہ پھول نے موسیٰ کی آگ دکھا دی ہے

تا از درخت نکتۂ تحقیق بشنوی
تاکہ تو درخت سے، تحقیق کا نکتہ سنے

مرغان باغ قافیہ سنجند و بذلہ گو
باغ کے پرندے، قافیہ سنج، اور بذلہ گو ہیں

تا خواجہ مے خورد بغزلہائے پہلوی
تاکہ، فارسی غزلوں کے ساتھ خواجہ شراب پیئے

---

۱ شعر

۲ تیرا حسن اور میرا عشق دونوں مکمل ہیں اب ان کو زوال نہ ہوگا۔

۳ اگر ایک لمحہ بھی وصل میسر آجائے تو زندگی کا لطف حاصل ہو جائے۔

۴ شعر

۵ چونکہ میری آنکھیں نیند سے ناآشنا ہیں لہذا میں تجھے خواب میں کیسے دیکھ سکتا ہوں۔

۶ بلبل سرو کی شاخ سے صدا دے رہی تھی کہ پھول نے آتش موسوی کو ظاہر کر دیا ہے۔ حضرت موسیٰ آگ کو دیکھ کر آگے بڑھے تھے وہاں درخت سے یہ آواز آئی تھی کہ میں خدا ہوں۔

جمشید جز حکایتِ جام از جہاں نبرد
جمشید دنیا سے، جام کے قصہ کے سوا کچھ نہ لے گیا
زنہار دل مبند بر اسبابِ دنیوی
خبردار، دنیوی اسباب سے دل نہ جوڑ

خوش فرشِ بوریا و گدائی و خوابِ امن
بوریئے کا فرش، اور گدائی، اور اطمینان کی نیند خوب ہے
کاین عیش نیست درخورِ اورنگِ خسروی
اس لیے کہ یہ عیش شاہی تخت کے بھی لائق نہیں ہے

درویشم و گدا و برابر نمی کنم
میں درویش، اور گدا ہوں، اور برابر نہیں کرتا ہوں
پشمیں کلاہِ خویش بصد تاجِ خسروی
اپنی کمبل کی ٹوپی کے، سو شاہی تاجوں کو

ایں قصۂ عجب شنو از بختِ واژگوں
یہ عجیب قصہ سن، اوندھے نصیبہ کی وجہ سے
ما را بکشت یار بانفاسِ عیسوی
عیسوی سانسوں سے، ہمیں دوست نے قتل کر دیا

چشمت بغمزہ خانۂ مردم خراب کرد
تیری آنکھوں نے، ادا سے لوگوں کے گھر برباد کر دیئے
مخموریت مباد کہ خوش مست میروی
تجھے اعضا شکنی نہ ہو کیونکہ تو بہت مست ہو کر چلتا ہے

دہقانِ سالخوردہ چہ خوش گفت با پسر
بوڑھے کاشتکار نے لڑکے سے کیا اچھی بات کہی
کاے نورِ چشمِ من بجز از کشتہ ندروی
اے میرے نورِ چشم! بوئے ہوئے کے سوا کچھ نہ کاٹے گا

مے خور بشعرِ بندہ کہ دلتنگیت مباد
بندے کے اشعار پر شراب پی خدا کرے تجھے دل تنگی نہ ہو
بعد از تو خاک بر سرِ اسبابِ دنیوی
تیرے بعد، دنیا کے اسباب کے سر پر خاک

ساقی مگر وظیفۂ حافظ زیادہ داد
شاید ساقی نے، حافظ کو زیادہ مقدار دیدی
کاشفتہ گشت طرۂ دستارِ مولوی
اس لیے، کہ مولوی کی پگڑی کا طرّہ بگڑ گیا

بگردِ مہ ز عنبر خط کشیدی
تو نے چاند کے چاروں طرف عنبر کا خط کھینچا
دو ہفتہ ماہ را در خط کشیدی
چودھویں کے چاند کو، تو نے غلام بنا لیا

عطارد را اگر خواہی خط آموخت
تو شاید تو عطارد کو لکھنا سکھائے گا
کہ بر سطحِ قمر سر خط کشیدی
اس لیے کہ تو نے چاند پر نقشے کھینچے ہیں

نہادی خارِ غم آں لحظہ گل را
پھول پر، تو نے اس وقت غم کا کانٹا چبھویا
کہ چوں لالہ ز عنبر خط کشیدی
جبکہ لالہ کی طرح، تو نے عنبر کا خط کھینچا

گر افسونِ تبِ عشقم نہ کردی
اگر تو نے میرے عشق کے بخار کا تعویذ نہیں کیا ہے
چرا بر گردِ عنبر خط کشیدی
تو تو نے، عنبر کی گرد پر خط کیوں کھینچا ہے؟

غمِ دردِ دلِ حافظ نداری
تجھے حافظ کے دل کے درد کا، غم نہیں ہے
کہ گردِ روئے دلبر خط کشیدی
اس لیے، کہ تو نے دلبر چہرے کے گرد خط کھینچا ہے

مبتا با ما گذار ایں کینہ داری
اے محبوب! ہم سے یہ کینہ پروری چھوڑ دے
کہ حقِ صحبتِ دیرینہ داری
کیونکہ، تجھ پر قدیم دوستی کا حق ہے

---

۱ آرام کی نیند جس طرح بوریئے پر فقیری میں آتی ہے بادشاہی میں وہ میسّر نہیں ہے
۲ حالانکہ عیسیٰ کے سانس سے مُردے زندہ ہوتے تھے۔
۳ حافظ کو آج شراب مقدار سے زیادہ مل گئی ہے اسی لیے دستار بگڑ گئی ہے۔
۴ محبوب کا رخ بناؤ، سنگھار سے ایسا حسین ہو گیا ہے کہ اس نے چودھویں رات کے چاند کو محکوم بنا لیا ہے۔ در خط کشیدن، بمعنے محکوم ساختن۔
۵ عُطارد کو آسمان کا منشی مانا گیا ہے تو نے اس کو خط سکھانے کے لیے چاند پر نقشے کھینچ دیئے ہیں۔
۶ مُشک و عنبر سے تعویذ لکھے جاتے ہیں۔

نصیحت گوش کن کاین دُر بسے بہ
نصیحت سن لے، اس لیے کہ یہ موتی بہت بہتر ہے

ازآں گوہر کہ در گنجینہ داری
اس موتی سے، جو تو خزانہ میں رکھتا ہے

بفریادِ خمارِ مُفلساں رس[1]
مُفلسوں کے خمار کی فریاد رسی کر

خدارا اگر مے دوشینہ داری[2]
خدا کیلئے، اگر تیرے پاس رات کی بچی ہوئی شراب ہے

ولیکن کے نمائی رُخ بہ رنداں
لیکن تو رندوں کو چہرہ کب دکھا سکتا ہے؟

تو کز خورشید و مہ آئینہ داری
جبکہ تو آفتاب اور ماہتاب کا آئینہ رکھتا ہے

بدِ رنداں مگو اے شیخ ہُشدار[3]
اے شیخ! ہوش کر، رندوں کو برا نہ کہہ

کہ با حکمِ خدائے کینہ داری
اس لیے کہ تو خدا کے حکم کے ساتھ کینہ رکھتا ہے

نمی ترسی زآہِ آتشینم
میری آتشیں آہ سے، تو نہیں ڈرتا ہے

تو دانی خرقۂ پشمینہ داری
تجھے معلوم ہے، تو اونی گدڑی رکھتا ہے

ندیدم خوشتر از شعرِ تو حافظ
میں نے، اے حافظ! تیرے اشعار سے زیادہ اچھے نہیں دیکھے

بقرآنے کہ اندر سینہ داری
اُس قرآن کی قسم، جو تو سینہ میں رکھتا ہے

بیار بادہ و بازم رہاں ز رنجوری
شراب لا، اور مجھے پھر رنج سے نجات دے

کہ ہم ببادہ تواں کرد دفعِ مخموری
اسلئے کہ اعضا شکنی کو شراب ہی سے دور کیا جاسکتا ہے

بہیچ وجہ نباشد فروغِ مجلسِ اُنس[4]
محبت کی مجلس کسی طریقہ پر منور نہیں ہوتی

مگر برُوئے نگار و شرابِ انگوری
محبوب کے چہرے، اور انگوری شراب کے سوا

زسحرِ غمزۂ فتّانِ خویش غرّہ مباش
اپنی فتنہ میں مبتلا کرنے والی ادا کے جادو پر گھمنڈ نہ کر

کہ آزمودم و سودے نداشت مغروری
اس لیے کہ میں نے آزمایا ہے اور گھمنڈ نے کوئی فائدہ نہیں دیا ہے

بیک فریب بدادم صلاحِ خویش از دست
ایک دھوکے پر ہی میں نے، اپنی نیکی ہاتھ سے دیدی

دریغ آنہمہ زہد و صلاحِ مستوری
اس تمام زہد، اور گوشہ نشینی کی نیکی پر افسوس ہے

ادیب[5] چند نصیحت کنی کہ عشق مباز
اے ادیب! کتنی نصیحت کرے گا کہ عشق بازی نہ کر

اگرچہ نیست ادب ایں سخن چہ دستوری
اگرچہ یہ بات کہنا ادب نہیں ہے، تو کیسا آدمی ہے؟

بعشق[6] زندہ بود جانِ مردِ صاحبدل
صاحبِ دل انسان کی جان، عشق سے زندہ ہوتی ہے

اگر تو عشق نداری برو کہ معذوری
اگر تو عشق نہیں رکھتا ہے تو جا کیونکہ تو معذور ہے

رسید دولتِ وصل و گذشت محنتِ ہجر
وصل کی دولت آگئی، ہجر کی مشقت گذر گئی

نہادہ کشورِ دل باز رہ بمعموری
دل کے ملک نے، پھر آبادی کی طرف رخ کیا ہے

بہر[7] کسے نتواں گفت رازِ دل حافظ
اے حافظ! دل کا راز ہر کسی سے نہیں کہا جا سکتا

مگر بدانکہ کشیدہ است محنتِ دوری
سوائے اس کے جس نے فراق کی مصیبت سہی ہے

---

[1] ایں دُر سے نصیحت ہی مراد ہے

[2] اگر رات کی بچی ہوئی شراب ہے تو اس سے مُفلسوں کے خمار کا علاج کر۔

[3] رندوں پر اعتراض کرنا خدائی حکم سے کینہ رکھنا ہے۔

[4] مجلس صرف محبوب کے چہرے اور انگوری شراب سے پر رونق بنتی ہے۔

[5] اگرچہ میرا یہ کہنا بے ادبی ہے لیکن تیرا بار بار عشق بازی کو ترک کرنے کی نصیحت کرنا کونسا ادب ہے۔

[6] شعر
ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

[7] دل کا راز اسی کو بتایا جاسکتا ہے جو ہجر کے مصائب جھیل چکا ہو۔

پدید آمد رسومِ بیوفائی[1]
بیوفائی کے نشانات ، ظاہر ہو گئے

نماند از کس نشانِ آشنائی
کسی کی دوستی کا نشان ، نہ رہا

بر ند از فاقہ پیشِ ہر خسیسے
ہر بخیل کے سامنے ، فاقہ کیوجہ سے لیجاتے ہیں

کنوں اہلِ ہنر دست گدائی
اب اہلِ ہنر بھیک کا ہاتھ

کسے کو فاضل ست امروز در دہر
آج جو زمانہ میں ، صاحبِ فضیلت ہے

نمی بیند ز غم یکدم رہائی
غم سے تھوڑی دیر کے لیے بھی رہائی نہیں دیکھتا ہے

کسے[2] کو جاہل ست اندر تنعّم
جو جاہل ہے ، عیش پرستی میں

متاعِ او بود ہر دم بہائی
اُس کا سامان ہر وقت قیمتی ہے

اگر شاعر[3] بخواند شعر چوں آب
اگر شاعر ، پانی جیسے اشعار سنائے

کہ دل را زو فزاید روشنائی
جس سے دل میں نور پیدا ہو

نبخشندش جوے از بخل و امساک
بخل اور کنجوسی کی وجہ سے اس کو ایک جو نہ بخشیں گے

اگر خود فی المثل باشد سنائی
مثلاً ، وہ اگر خود سنائی ہو

خرد در گوشِ ہوشم دوش میگفت
کل عقل میرے ہوش کے کان میں کہہ رہی تھی

بر و صبرے بکن در بینوائی
جا ، بے سروسامانی میں صبر کر

قناعت را بضاعت ساز و میسوز
صبر کو پونجی بنالے ، اور جلتا رہ

دریں درد و عنا در بینوائی
اس درد ، اور مشقت میں ، بینوائی میں

بیا حافظ بجاں ایں پند مینوش
اے حافظ! آ جان سے یہ نصیحت سن لے

کہ گر[4] از پا بیفتی بر سر آئی
کہ اگر تو گرے گا ، تو سربلند ہوگا

ترا کہ ہر[5] چہ مراد ست در جہاں داری
دنیا میں ، جو تیری مرادیں ہیں وہ تجھے حاصل ہیں

چہ غم ز حالِ منِ زار و ناتواں داری
تو مجھ لاغر ، اور کمزور کے حال کا کیا غم رکھتا ہے؟

بخواہ[6] جان و دل از بندہ و رواں بستاں
بندہ سے جان ، اور دل طلب کر ، اور فوراً لے لے

کہ حکم بر سرِ آزادگاں رواں داری
اس لیے کہ آزاد لوگوں پر تیرا حکم جاری ہے

بنوش مے چو سبکروحی اے حریفِ مدام
اے دوست! جو تجھ تو ہلکی روح والا ہے ہمیشہ شراب پی

علی الخصوص دریں دم کہ سر گراں داری
خصوصاً اب ، جبکہ تو خمار میں ہے

بیاضِ[7] روئے ترا نیست نقش درخور از آنکہ
تیرے چہرے کی سفیدی کو نقش کی ضرورت نہیں ہے اس لیے کہ

سوادے از خطِ مشکیں بر ارغواں داری
تو ارغوان میں ، مشکی خط کی ایک سیاہی رکھتا ہے

میاں[8] نداری و دارم عجب کہ ہر ساعت
تو کمر نہیں رکھتا ہے ، اور مجھے تعجب ہے کہ ہر وقت

میانِ مجمعِ خوباں کنی میاں داری
حسینوں کے مجمع میں ، تو سرداری کرتا ہے

مکن عتاب[9] ازیں بیش و جور بر دلِ من
میرے دل پر اس سے زیادہ غصہ ، اور ظلم نہ کر

بکن ہر آنچہ توانی کہ جائے آں داری
جو کچھ تو کر سکتا ہے کر ، تو اس کا حق رکھتا ہے

---

[1] یہ غزل زمانہ کے شکوے میں ہے یعنی دنیا میں کسی سے بھی وفا کی امید نہیں ہے۔

[2] ہر جاہل مزے اڑا رہا ہے ، دنیا کا قیمتی سامان اس کو حاصل ہے۔

[3] کسی شاعر کی قدر نہیں خواہ وہ حکیم سنائی کیوں نہ ہو ، اس کو کوئی کوڑی نہیں دیتا ہے۔

[4] مصیبتوں کے بعد ہی سربلندی حاصل ہوتی ہے۔

[5] محبوب جبکہ بامراد ہے اس کو ہم جیسوں کی کیا پرواہ ہے۔

[6] تمام عاشق تیرے فرمانبردار ہیں جو چاہے حکم دے اگر جان مانگے گا وہ بھی تجھے دیدیں گے۔

[7] تیرا سبز خط بمنزلہ مشکی خط کے ہے جو سیاہ ہے اب یہ ممکن نہیں ہے کہ تیرے چہرے پر کوئی نقش و نگار بنایا جاسکے اس لیے کہ سیاہی پر کوئی نقش قائم نہیں ہو سکتا ہے۔

[8] میاں دار سردار وہ شخص جو دو کشتی لڑنے والوں کا بیچ بچاؤ کرنے کے لیے کھڑا رہتا ہے یعنی تیرے خود میاں کمر نہیں ہے لیکن تو میانداری کرتا ہے۔

[9] یعنی عتاب اور ظلم کے سوا جو تیرا جی چاہے وہ کر۔

(۵۰)

باختیار گرت صد ہزار تیرِ جفاست — بقصدِ جانِ منِ خستہ در کماں داری
اگر تیرے اختیار میں ظلم کے لاکھ تیر ہیں — وہ میری خستہ جان کے ارادے سے تو کمان میں رکھتا ہے

بکش جفائے رقیباں مدام و دل خوش دار — کہ سہل باشد اگر یارِ مہرباں داری
ہمیشہ رقیبوں کا ظلم برداشت کر اور دل کو خوش رکھ — کیونکہ یہ آسان ہے اگر تو وفادار دوست رکھتا ہے

وصالِ دوست گرت دست مید ہد روزے — برو کہ ہر چہ مراد ست در جہاں داری
اگر تجھے کسی دن دوست کا وصال حاصل ہو جائے — تو جا، کہ دنیا میں جتنی مرادیں ہیں، تجھے حاصل ہو گئیں ہیں

چو ذکرِ لعلِ لبت میکنم خرد گوید — حدیث یا شکر ست اینکہ در دہاں داری
میں جب تیرے لعل جیسے ہونٹ کا ذکر کرتا ہوں تو عقل کہتی ہے؟ — بات ہے یا شکر یہ جو تو منہ میں رکھتا ہے

چو گُل بدامن ازیں باغ میبری حافظ
اے حافظ! جبکہ تو اس باغ سے دامن پھولوں سے بھر کر لیجا رہا ہے

چہ غم ز نالہ و فریادِ باغباں داری
تو باغبان کے نالہ و فریاد کا کیا غم رکھتا ہے؟

تو مگر بر لبِ جوئے زہوس بنشینی — ورنہ ہر فتنہ کہ بینی ہمہ از خود بینی
تو شاید ہوس کی وجہ سے نہر کے کنارے پر بیٹھتا ہے — ورنہ جو فتنہ تو دیکھتا ہے خود تیری ہی وجہ سے ہے

بخدائے کہ توئی بندۂ بگزیدۂ او — کہ بجائے منِ بیدل دگرے نگزینی
تجھے اس خدا کی قسم جس کا تو برگزیدہ بندہ ہے — کہ مجھ بیدل کی بجائے دوسرے کو منتخب نہ کر

صبر بر جورِ رقیباں چہ کنم گر نکنم — عاشقاں را نبود چارہ بجز مسکینی
اگر رقیبوں کے ظلم پر صبر نہ کروں، تو کیا کروں؟ — عاشقوں کے لیے مسکینی کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے

ادب و شرم ترا خسروِ مہرویاں کرد — آفریں بر تو کہ شائستۂ صد تحسینی
ادب اور شرم نے تجھے ماہرو ولبرں کا بادشاہ بنادیا — تجھے شاباش ہے کیونکہ تو سیکڑوں تعریفوں کا مستحق ہے

عجب از لطفِ تو اے گل کہ نشینی با خار — ظاہراً مصلحتِ وقت در آں می بینی
اے پھول تیری مہربانی پر تعجب ہے کہ تو کانٹے کا ہم نشین ہے — بظاہر تو اس میں وقت کی مصلحت دیکھتا ہے

حیفم آید کہ خرامی بتماشائے چمن — کہ تو خوشتر ز گل و تازہ تر از نسرینی
مجھے افسوس ہوتا ہے کہ تو چمن کی سیر کو جائے — اس لیے کہ تو پھول سے زیادہ حسین اور نسرین سے زیادہ تازہ ہے

گر امانت بسلامت برم باکے نیست — بیدلی سہل بود گر نبود بیدینی
اگر میں امانت کو صحیح و سالم لیجاؤں تو پھر پرواہ نہیں ہے — بیدل ہونا آسان ہے، اگر بے دینی نہ ہو

بادِ صبحی بہوایت ز گلستاں برخاست — کہ تو خوشبو چو گلِ سوری و چوں نسرینی
صبح کی ہوا، تیری محبت میں باغ سے اٹھی — چونکہ تو گلِ سوری اور نسرین کی طرح خوشبودار ہے

سخنِ بیغرض از بندۂ مخلص بشنو — اے کہ منظورِ بزرگانِ حقیقت بینی
بے غرض بات، مخلص خادم سے سن — اے وہ کہ تو حقیقت شناس بزرگوں کا منظورِ نظر ہے

نازنینے چو تو پاکیزہ رخ و پاک نہاد — بہتر آنست کہ با مردمِ بد ننشینی
تجھ جیسا پاکیزہ رخ، اور پاک باطن نازنین — بہتر یہ ہے کہ تو بروں کے ساتھ نہ بیٹھے

۱؎ اگر دوست راضی ہو تو رقیبوں کے ظلم سہنے آسان ہوتے ہیں۔
۲؎ تو حسن کے نظارے کے لیے دریا کے کنارے کیوں جاتا ہے تو خود اس قدر حسین ہے کہ سب فتنے اس سے پیدا ہوتے ہیں۔
شعر

۳؎ عاشق رقیبوں کا ظلم سہنے پر مجبور ہے۔
۴؎ گل سے محبوب، اور خار سے رقیب مراد ہے۔
۵؎ امانت سے صلاحیت ایمان مراد ہے جس کا ذکر انا عرضنا الامانۃ میں کیا گیا ہے یعنی انسان بیدل ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے بے دینی بری چیز ہے۔
۶؎ سخن بے غرض کی تشریح اگلے شعر کے دوسرے مصرعہ میں ہے۔

شیشہ بازیِ سرشکم نگری از چپ و راست
دائیں بائیں سے تو میرے آنسوؤں کی شیشہ بازی دیکھے گا
گر بدیں منظرِ بینش نفسے بنشینی
اگر تو اس بینائی کے منظر میں تھوڑی دیر کے لئے بیٹھے گا

بعد ازیں ما و گدائی بسرِ منزلِ عشق
اس کے بعد ہم ہوں گے اور عشق کی منزل کی فقیری ہوگی
راہرو را نبود چارہ بجز مسکینی
مسافر کے لئے مسکینی کے سوا چارہ نہیں ہے

تو بدیں دلکشی و نازکی اے مایۂ حسن
اے حسن کے سرمایہ! تو اس دل کشی اور نزاکت کے ساتھ
لایقِ بزمگہِ خواجہ جلال الدینی
خواجہ جلال الدین کی مجلس کے لائق ہے

سیلِ ایں اشکِ رواں صبرِ دلِ حافظ برد
ان جاری آنسوؤں کا بہاؤ، حافظ کے صبر کو بہالے گیا
بَلَغَ الطَّاقَةُ يَا مُقْلَةَ عَينِي بِينِي
قوت ختم ہوگئی، اے میری آنکھ کی پتلی! تو جدا ہوجا

جاں فدائے تو کہ ہم جانی و ہم جانانی
جان تجھ پر قربان، کہ تو جان بھی ہے اور جاناں بھی ہے
ہر کہ شد خاکِ درت رست ز سرگردانی
جو تیرے در کی خاک بنگیا پریشانی سے نجات پاگیا

سر بری از سرِ کوئے تو نیارم برخاست
میں تیرے کوچہ سے آسانی سے نہیں اٹھ سکتا
کارِ دشوار نگیرند بدیں آسانی
اس آسانی سے، دشوار کام نہیں کرتے ہیں

خام را طاقتِ پروانۂ پرسوختہ نیست
خامکار میں پر جلے ہوئے پروانہ کی طاقت نہیں ہے
نازکاں را نرسد شیوۂ جاں افشانی
جان قربان کرنا نازک لوگوں کا شیوہ نہیں ہے

بے تو آرام گرفتن بود از ناکامی
تیرے بغیر آرام کرنا، ناکامی ہے
با تو گستاخ نشستن بود از حیرانی
تیرے پاس گستاخی سے بیٹھنا، حیرانی ہے

فاش کردند رقیبانِ تو سرِ دلِ من
تیرے رقیبوں نے میرے دل کا راز ظاہر کر دیا
چند پوشیدہ بماند خبرِ پنہانی
چھپی ہوئی خبر، کب تک چھپ سکتی ہے!

تا بماند تر و شاداب نہالِ قدِ تو
تاکہ تیرے قد کا پودا تر اور شاداب رہے
واجب آنست کہ بر دیدۂ ما بنشانی
مناسب یہ ہے کہ تو ہماری آنکھوں پر لگا دے

در خمِ زلفِ تو دیدم دلِ خود را روزے
میں نے ایک دن اپنے دل کو تیری زلف کے پیچ میں دیکھا
گفتمش چونی و چوں میرہی اے زندانی
میں نے اس سے کہا، تو کیسا ہے اور اے قیدی تو کیسے چھوٹے گا!

گفت آرے چہ کنی گر نبری رشکِ من
وہ بولا، ہاں تو کیا کرے اگر مجھ پر رشک نہ کرے
ہر گدا را نبود مرتبہ سلطانی
ہر فقیر کو، بادشاہی کا مرتبہ حاصل نہیں ہوتا ہے

راستی حدِ تو حافظ نبود صحبتِ ما
سچ تو یہ ہے، اے حافظ تیرا رتبہ ہماری صحبت کے لائق نہیں ہے
بس اگر بر سرِ ایں کوئے کنی سگبانی
یہی کافی ہے، اگر تو اس کوچہ کے کتوں کی نگرانی کرے

جائے حضور و گلشنِ امنست ایں سرائے
یہ گھر حاضری کی جگہ، اور امن کا باغ ہے
زیں در بشادمانی و عیش و طرب درآئے
اس دروازہ سے خوشی اور عیش اور مستی میں داخل ہو

۱؎ شیشہ بازی، رقاصی کا ایک طریقہ ہے جس میں گلاب اور شراب سے شیشہ بھر کر سر پر رکھ کر ناچتے ہیں اور شیشہ کو سر پر سے نہیں گرنے دیتے یعنی تو میرے آنسوؤں کا رقص دیکھے گا۔

۲؎ جلال الدین شاہ شجاع کا وزیر تھا جو حافظ کا ممدوح ہے۔

۳؎ تیرے در سے آسانی سے اٹھنا ممکن نہیں ہے یعنی مشکل کام ہے اور مشکل کام آسانی سے کوئی نہیں کرتا مجبوراً کرنا پڑتا ہے۔

۴؎ معشوق کے بغیر آرام سے رہنا ناکامی کی دلیل ہے، تیرے سامنے بے ادبی سے بیٹھنا حیرانی کی بات ہے

۵؎ سرو عموماً نہروں کے کنارے پر بویا جاتا ہے۔

۶؎ میں نے دل کو زلفوں میں پھنسا ہوا دیکھ کر کہا تو اس قید سے نجات نہ پا سکے گا، وہ بولا تو مجھ پر رشک کرتا ہے چونکہ یہ رتبہ تجھے حاصل نہیں ہے۔

اے کاخِ دولت توچہ کاخے کہ مد جست
اے وہ کہ تیری دولت کا محل کیسا محل ہے کہ داخل ہے؟

در شاخسارِ گلشنِ تو سایۂ ہُمائے
تیرے باغ کی شاخوں میں، کسی ہما کا سایہ

ہر صبح درہوائے درت میکند صبوح
تیرے دروازے کی خواہش میں ہر صبح کو صبوحی پیتا ہے

جمشیدِ تختِ چرخ بجامِ جہاں نمائے
جام جہاں نما کے ذریعہ، آسمان کے تخت کا جمشید

بادِ تو ہمچو آتشِ موسیٰ خجستہ پے
تیری ہوا، موسیٰ کی آگ کی طرح، مبارک قدم ہے

خاکِ تو ہمچو آبِ خضر زندگی فزائے
تیری خاک، آبِ خضر کی طرح زندگی بڑھانیوالی ہے

فرخندہ نوگلِ تو چمن را حیات دہ
تیرا مبارک، تازہ پھول چمن کو زندگی عطا کرنیوالا ہے

جعدِ بنفشۂ تو صبا را گرہ کشائے
تیرے بنفشہ کے گھنگریالے بال صبا کی گرہ کھولنے والے ہیں

مرغولِ سنبل از دمِ کوئے تو خوش نسیم
سنبل کے بل دار بال تیرے کوچہ کی ہوا سے خوشبودار ہیں

زلفِ صبا ز خاکِ جنابِ تو مشکسائے
صبا کی زلف تیرے دربار کی خاک سے مشکبار ہے

خورشید در ہوائے تو چوں ذرہ پائے کوب
آفتاب تیری محبت میں، ذرہ کی طرح ناچ رہا ہے

جمشید در حریمِ تو چوں بندگاں بپائے
جمشید تیرے احاطہ میں غلاموں کی طرح کھڑا ہے

حافظ مقیم درگہِ اُو باش و عیش کن
اے حافظ! اس کے دربار میں مقیم ہو جا، اور عیش کر

کاندر بہشت بہتر ازیں گوشہ نیست جائے
اس لیے کہ اس گوشہ سے بہتر بہشت میں بھی جگہ نہیں ہے

چو سرو گر بخرامی دمے بگلزارے
اگر تو تھوڑی دیر کے لیے، باغ میں سرو کی طرح ٹہلے

خورد ز غیرتِ روئے تو ہر گلے خارے
تو تیرے چہرے کی غیرت سے ہر پھول خار کھائے

ز کفرِ زلفِ تو ہر حلقۂ و آشوبے
تیری زلف کے کفر کی وجہ سے ہر حلقہ میں ایک فتنہ برپا ہے

ز سحرِ چشمِ تو ہر گوشۂ و بیمارے
تیری آنکھ کے جادو سے، ہر گوشے میں ایک بیمار ہے

نثارِ خاکِ رہت نقدِ جانِ ما ہر چند
تیرے راستہ کی خاک پر ہماری نقد جان قربان ہے اگرچہ

کہ نیست نقدِ رواں را بر تو مقدارے
جان کی نقدی کی تیرے یہاں کوئی قدر نہیں ہے

مرو چو بختِ من اے چشمِ مستِ یار بخواب
اے یار کی مست آنکھ تو میرے نصیبہ کی طرح نہ سو

کہ در پئے ست ز ہر سوت آہِ بیدارے
اس لیے کہ ہر جانب سے ایک بیدار کی آہ تیرے درپے ہے

دِلا ہمیشہ مزن لافِ زلفِ دلبنداں
اے دل! ہمیشہ حسینوں کی زلف کی ڈینگیں نہ مار

چو تیرہ رائے شدی کے کشایدت کارے
جب تو تاریک رائے ہو گیا، پھر تیرے کام کی کشادگی کہاں

سرم برفت و زمانے بسر نرفت ایں کار
میرا سر چلا گیا، اور یہ کام ایک مدت تک انجام کو نہ پہونچا

دلم گرفت و نبودت سرِ گرفتارے
میرا دل رنجیدہ ہو گیا اور تجھے گرفتار کا خیال نہ آیا

چو نقطہ گفتمش اندر میانِ دائرہ آئے
میں نے اس سے کہا، نقطہ کی طرح دائرہ کے درمیان آجا

بخندہ گفت کہ حافظ برو چو پرکارے
اُس نے ہنسکر کہا کہ اے حافظ پرکار کی طرح چکر کاٹ

ا؎ اس محل کے گلستاں کی شاخوں کا جس پر سایہ پڑ جائے اس کو سلطنت حاصل ہے، یہی ہما کے سایہ کی تاثیر ہے۔

۲؎ آفتاب ہر روز صبح کو تیرے در کی تمنا میں صبوحی کے جام پیتا ہے۔

۳؎ جس طرح حضرت موسیٰ کی آگ بابرکت ثابت ہوئی اسی طرح تیری ہوا بابرکت ہے

۴؎ نوگل سے رخسارہ اور بنفشہ سے محبوب کی زلف مراد ہے۔

۵؎ ذرہ کو آفتاب کا عاشق مانا جاتا ہے آفتاب تیرے در کا عاشق ہے۔

۶؎ محبوب کا دربار بہشت سے بھی زیادہ بہتر ہے۔

۷؎ تیری زلف کے ہر حلقہ نے ایک فتنہ پیدا کر دیا ہے تیری آنکھ کا ہر جانب ایک بیمار پڑا ہے۔

۸؎ چونکہ بیداروں کی آہیں درپے ہیں لہذا غافل سونا مناسب نہیں ہے۔

۹؎ میں نے اس سے کہا تو عاشقوں کے لیے اس طرح بنا جس طرح دائرہ میں نقطہ ہوتا ہے

چوں درجہانِ خوبی امروز کامگاری
چونکہ تو آج حسن کی دنیا میں کامیاب ہے
شاید کہ عاشقاں را کامے زلب برآری
مناسب ہے تو عاشقوں کا کچھ مقصد ہونٹوں سے پورا کردے

با عاشقانِ بیدل تا چند ناز و عشوہ
بے دل عاشقوں سے، ناز و ادا کب تک کرے گا؟
بر بیدلانِ مسکیں تا کے جفا و خواری
بیدل مسکینوں پر ظلم اور ذلت کب تک رکھے گا؟

تا چند ہمچو چشمت در عینِ ناتوانی
تیری آنکھوں کی طرح میں کب تک عین ناتوانی میں رہوں گا؟
تا چند ہمچو زلفت در تاب و بیقراری
تیری زلفوں کی طرح کب تک پیچ و تاب اور بیقراری میں رہوں گا؟

جورے کہ از تو دیدم دردے کہ از تو بردم
تیرا جو ظلم میں نے دیکھا، تیرا جو درد میں نے اٹھایا
گر شمۂ بدانی شاید کہ رحمت آری
اگر اس کا تھوڑا سا بھی تو جان جائے، شاید تو رحم کرے

از بادۂ وصالت گر جرعۂ بنوشم
اگر تیرے وصل کی شراب کا ایک گھونٹ میں پی لوں
تا زندہ ام نورزم آئینِ ہوشیاری
جب تک زندہ ہوں ہوش کا طریقہ نہ اختیار کروں

در ہجر ماندہ بودم بادِ صبا رسانید
میں ہجر میں تھک گیا تھا، بادِ صبا نے پہونچا دی
از بوستانِ وصلت بوئے امیدواری
امید کی خوشبو، تیرے وصل کے باغ سے

ما بندہ ایم و عاجز تو خواجۂ و قادر
ہم غلام ہیں اور عاجز، تو آقا ہے، اور قادر
گر میکشی بزورم ور میکشی بزاری
خواہ مجھے زور سے کھینچ لے، خواہ مجھے بری طرح سے مار ڈالے

دُکانِ عاشقی را بسیار مایہ باید
عاشقی کی دکان کے لیے، بہت سرمایہ چاہیے
دلہائے ہمچو آتش چشمانِ رودباری
آگ جیسے دل، نہروں جیسی آنکھیں

گرچہ ببوئے وصلت در حشر زندہ گردم
اگرچہ تیرے وصل کی خوشبو سے، میں حشر میں زندہ ہو جاؤں گا
سر بر نیارم از خاک از روئے شرمساری
شرمندگی کی وجہ سے، مٹی سے سر نہ اٹھاؤں گا

آخر ترحمے کن بر حالِ زارِ حافظ
حافظ کے حالِ زار پر، آخر کچھ رحم کر
تا چند نا اُمیدی تا چند خاکساری
نا امیدی کب تک۔ خاکساری کب تک؟

چہ بودے ار دلِ آں ماہ مہرباں بودے
اگر اس چاند کا دل، مہربان ہوتا تو کیا اچھا ہوتا
کہ کارِ ما نہ چنیں بودے ار چناں بودے
اگر ایسا ہوتا، تو ہمارا کام ایسا نہ ہوتا

بگفتمے کہ چہ ارزد نسیمِ طرّۂ دوست
میں بتاتا کہ دوست کی زلف کی نسیم کس قیمت کی ہے
گرم بہر سرِ موئے ہزار جاں بودے
اگر میرے ہر بال میں، ہزار جانیں ہوتیں

براتِ خوشدلِ ما چہ کم شدے یارب
اے خدا کیا کمی آجاتی، ہماری خوشدلی کی دستاویز کو؟
گرش نشانِ اماں از یدِ زماں بودے
اگر زمانہ کے ہاتھ سے امان کا نشان لکھا ہوتا

گرم زمانہ سرافراز داشتے و عزیز
اگر زمانہ مجھے سربلند، اور باعزت رکھتا
سریرِ عزتم آں خاکِ آستاں بودے
اس در کی خاک، میری عزت کا تخت ہوتی

خیال اگر نشدے سدِّ آبِ دیدۂ من
اگر تیرا خیال، میری آنکھوں کے پانی کی روک نہ ہوتا
ہزار چشمہ بہر گوشۂ رواں بودے
ہر طرف ہزاروں چشمے، رواں ہو جاتے

۱ تیری وجہ سے جس قدر تکالیف میں مبتلا ہوں اگر تجھے ان کا علم ہو جائے تو تجھے ترس آنے لگے
۲ تیرے وصل کی شراب کا ابدی نشہ ہوگا جس سے کبھی ہوش میں نہ آؤں گا
۳ عاشقی کی دکان کا سرمایہ آگ جیسے دل دریا جیسی آنکھیں ہیں۔
۴ حشر میں تیرے وصل کی خوشبو سے زندہ ہو جاؤں گا لیکن شرمساری کی وجہ سے قبر سے سر باہر نہ نکالوں گا۔
۵ یعنی اگر اس کی مہربانی ہوتی تو ہم اس قدر تکالیف میں نہ ہوتے۔
۶ کیا کروں صرف ایک جان ہے اگر ہر بال میں ہزاروں جانیں ہوتیں تب بتاتا کہ اس کی زلف کی خوشبو کی کیا قیمت ہے یعنی وہ سب اس پر قربان کر دیتا۔
۷ برات، دستاویز یعنی اگر ہماری خوش دلی کی دستاویز پر زمانہ سے امن کے لیے دستخط ہوتے تو اے خدا تیرے مہربان کیا کمی آجاتی۔
۸ شہر سے لیے وجہ
۹ عزت یہی ہے کہ مجھے تیرے در کی خاک کا تخت میسر آجائے۔

کسے بکوئے ویم کاشکے نشاں دادے
کاش! کوئی مجھے اس کے کوچہ کا پتہ بتا دیتا
کہ تا[1] فراغتے از باغ و بوستاں بودے
تاکہ باغ، اور چمن سے کچھ فراغت ہو جاتی

برُخ چو مہرِ فلک بے نظیرِ آفاق ست
وہ رخسار کے اعتبار سے آسمان کے سورج کی طرح دنیا میں بےمثال ہے
بدل دریغ کہ یک ذرہ مہرباں بودے
افسوس، دل کے اعتبار سے اگر ذرہ برابر مہربان ہوتا

ز پردہ کاش بروں آمدے چو قطرۂ اشک
کاش وہ پردے سے آنسوؤں کے قطرے کی طرح باہر آتا
کہ بر دو دیدۂ ما حکمِ او رواں بودے
تاکہ ہماری دونوں آنکھوں پر اس کا حکم جاری ہوتا

اگر[2] نہ دائرۂ عشق راہ بر بستے
اگر عشق کا دائرہ راستہ بند نہ کرتا
چو نقطہ حافظِ بیدل در آنمیاں بودے
تو حافظ بے دل، نقطہ کی طرح اس کے درمیان ہوتا

چہ[3] قامتے کہ ز سر تا قدم ہمہ جانی
کیا قد ہے، کہ سر سے پیر تک سب جان ہے
چہ صورتے کہ بہیچ آدمی نمی مانی
کیا صورت ہے، کہ تو کسی آدمی کے مشابہ نہیں ہے؛

نہ صورتی کہ گلِ گلستانِ فردوسی
صورت نہیں ہے، بلکہ تو جنت کے باغ کا پھول ہے
نہ قامتی کہ سہی سروِ باغ و بستانی
قد نہیں ہے، بلکہ تو باغ، اور بستان کا سروِ سہی ہے

بسے[4] حکایتِ حسنت شنیدہ ام جاناں
اے جاناں! میں نے تیرے حسن کے بہت قصے سنے ہیں
کنوں کہ دیدمت الحق ہزار چندانی
اب جبکہ میں نے تجھے دیکھا، یقیناً تو ہزار گنا ہے

تنم چو چشمِ تو دارد نشانِ بیماراں
میرا جسم، تیری آنکھ کی طرح، بیماروں جیسا ہے
دلم چو زلفِ تو دارد سرِ پریشانی
میرا دل، تیری زلف کی طرح، پریشان ہے

ز جستجوئے[5] تو ننشینم ارچہ ہر نفسم
میں تیری طلب نہ چھوڑوں گا، اگرچہ مجھے ہر سانس میں
میانِ خونِ دل و آبِ دیدہ بنشانی
تو دل کے خون، اور آنکھ کے آنسوؤں میں بٹھائے

ز خاکِ پائے عزیزِ تو سر نہ گردانم
تیرے پیر کی معزز خاک سے میں سرگردانی نہ کروں گا
گرم ز دستِ فراقت بسر بگردانی
اگرچہ تو فراق کے ہاتھوں، مجھے سرگرداں کرے

تو چوں[6] سپہرِ جفا پیشہ و احوالم
تو آسمان کی طرح ظلم پیشہ ہے، اور میرے احوال نے
چو روزگار نہاد ست رُو بویرانی
زمانہ کی طرح، ویرانی کا رخ کیا ہے

ز رُوئے[7] لطف و ترحم چرا نہ بخشانی
تو از روئے مہربانی، اور رحم، بخشش کیوں نہیں کرتا ہے؟
چو درد و محنتِ حافظ بیقیں ہمیدانی
جبکہ تو حافظ کے درد اور مشقت کو یقین سے جانتا ہے

خوشتر[8] از کوئے خرابات نباشد جائے
شرابخانہ کے کوچہ سے بہتر کوئی جگہ نہ ہوگی
گر بہ پیرانہ سرم دست دہد ماوائے
اگر بڑھاپے میں، مجھے کوئی ٹھکانا میسر آجائے

آرزو[9] میکندم از تو چہ پنہاں دارم
میری آرزو ہے، تجھ سے کیا چھپاؤں؟
شیشۂ بادہ و کنجے و رُخِ زیبائے
شراب کی بوتل، اور گوشہ، اور تیرا رُخِ زیبا

---

[1] اس لیے کہ محبوب کا کوچہ باغ و بوستاں سے بہتر ہے۔
[2] حافظ کو موقع نہیں ملا ورنہ وہ دائرۂ عشق کا مرکز ہوتا۔
[3] اس قدر حسین قد ہے کہ سر سے قدم تک جانِ عاشقاں ہے۔
[4] میں نے تیرے حسن کے بہت سے قصے سنے تھے لیکن جب دیکھا تو ان سے ہزار گنا زیادہ پایا۔
[5] اگرچہ میرا دل خون شدہ اور آنکھیں اشکبار ہیں لیکن میں تیری طلب سے دست کش نہ ہوں گا۔
[6] آسمان ظلم میں، اور زمانہ ویرانی میں ضرب المثل ہے۔
[7] جب کسی کے درد اور مشقت کا یقین ہو جاتا ہے تو رحم آ ہی جاتا ہے۔
[8] بڑھاپے میں اگر خرابات کا گوشہ میسر آجائے تو اس سے بہتر کوئی ٹھکانا نہ ہوگا۔
[9] تو حالِ دل سے واقف ہے تجھ سے کوئی تمنا چھپانی مناسب نہیں ہے۔ میری آرزو ہے کہ گوشۂ تنہائی، شیشۂ شراب، اور تیرا چہرہ مل جائے۔

جائے من دیرِ مُغانست و مُروّج وطنے
میری جگہ دیرِ مُغاں ہے، اور یہ ایک مُروّج وطن ہے

رأیِ من روئے بتانست و مبارک رائے
میری رائے معشوقوں کا چہرہ ہے اور یہ مبارک رائے ہے

چہ کنی گوش کہ در دہر چو من شیدا نیست
کیا سنتا ہے کہ زمانہ میں مجھ جیسا شیدا کوئی نہیں ہے

نیست ایں جز سخنِ بوالہوسے رعنائے
یہ محض ایک بوالہوس، احمق کی بات ہے

صنما غیرِ تو در خاطرِ ما کے گنجد
اے صنم تیرا غیر ہمارے دل میں کب سما سکتا ہے

کہ مرا نیست بغیر از تو زکس پروائے
اس لیے کہ مجھے تیرے سوا کسی کی پرواہ نہیں ہے

بادب باش کہ ہرگز نتواند گفتن
باسلیقہ بن، اس لیے کہ ہرگز نہیں بتا سکتا ہے

سخنِ دیر مگر برہمنے دانائے
بتخانہ کی بات، سوائے عقلمند برہمن کے

رحم کن بر دلِ مجروحِ خرابِ حافظ
حافظ کے تباہ زخمی دل پر رحم کر

زانکہ ہست از پئے امروز یقیں فردائے
اس لیے کہ آج کے بعد یقیناً ایک کل ہے

خوش کرد یاوری فلکت روزِ داوری
آسمان نے انصاف کے دن تیری اچھی مدد کی

تا شکر چوں کنی و چہ شکرانہ آوری
دیکھیے تو کس طرح شکر کرتا ہے، اور کیا شکرانہ لاتا ہے؟

در کوئے عشق شوکتِ شاہی نمی خرند
عشق کے کوچہ میں شاہی دبدبہ نہیں خریدتے ہیں

اقرارِ بندگی کن و دعوائے چاکری
غلامی کا اقرار، اور نوکری کا دعویٰ کر

آنکس کہ اوفتاد خدایش گرفت دست
جو شخص گرا، خدا نے اس کا ہاتھ پکڑا

پس بر تو باد تا غمِ افتادگاں خوری
پس تیرا فرض ہو کہ گرے ہوؤں کا غم کھائے

ساقی بمژدگانیِ عیش از درم در آی
اے ساقی عیش کی خوشخبری کے انعام میں تو میرے دروازے کے اندر آ

تا یکدم از دلم غمِ دنیا بدر بری
تاکہ تھوڑی دیر کے لیے میرے دل سے دنیا کے غم کو نکال دے

در شاہراہِ جاہ و بزرگی خطر بسے ست
مرتبہ اور بڑائی کے راستہ میں بہت خطرے ہیں

آں بہ کزیں گریوہ سبکبار بگذری
یہ بہتر ہے کہ اس ٹیلہ سے تو ہلکا پھلکا گذرے

سلطان و فکرِ لشکر و سودائے تاج و گنج
بادشاہ ہے اور لشکر کا فکر اور تاج اور خزانے کا جنون

درویش و امنِ خاطر و کنجِ قلندری
درویش ہے، اور اطمینانِ خاطر اور فقیری کا گوشہ

نیلِ مراد بر حسبِ فکر و ہمت ست
مقصد کا حصول، فکر اور ہمت کے موافق ہے

از شاہ نذرِ خیر وز توفیق یاوری
بادشاہ کی جانب سے نذر خیر ہے اور توفیق کی جانب سے مدد ہے

یک حرفِ صوفیانہ بگویم اجازت ست
میں ایک صوفیانہ بات کہتا ہوں، اجازت ہے؟

اے نورِ دیدہ صلح بہ از جنگ و داوری
اے نورِ چشم! صلح، لڑائی اور شاہی سے بہتر ہے

گر بر حسابِ روزِ جزا مُطّلع شوی
اگر تو، جزا کے دن کے حساب سے باخبر ہو جائے

درویشی اختیار کنی بر تونگری
مالداری سے، درویشی کو پسند کرے

حافظ غبارِ فقر و قناعت زِ رخ مشوی
اے حافظ! قناعت اور فکر کا غبار منہ پر سے نہ دھو

کایں خاک بہتر از عملِ کیمیا گری
اس لیے کہ یہ خاک کیمیا گری کے عمل سے بہتر ہے

۱؎ یہ بات سننے کے قابل نہیں ہے یہ تو کوئی بوالہوس ہی کہہ سکتا ہے کہ میں ہی تیرا شیدائی ہوں تیرے تو لاکھوں شیدائی ہیں۔

۲؎ دیر کے راز برہمن ہی بتا سکتا ہے اس سے معلوم کرنے چاہئیں۔

۳؎ کل سے مراد قیامت ہے یعنی تو رحم کریگا تو کل تیرے اوپر رحم ہوگا۔

۴؎ عشق کے کوچہ میں شاہی دبدبہ کام نہیں دیتا ہے، وہاں غلامی اور انکساری کام آتی ہے۔

۵؎ دنیاوی جاہ اور بزرگی میں بہت خطرے ہیں اس لیے مناسب ہے رضا و قناعت اختیار کر لیجائے۔

۶؎ شعر یہ قیامت میں مالداروں کو بہت کچھ حساب دینا پڑے گا۔

درہمہ دیرِ مُغاں نیست چو من شیدائے
کسی آتشکدہ میں مجھ جیسا شیدائی نہیں ہے

خرقہ جائے گروِ بادہ و دفتر جائے
کفنی ایک جگہ شراب میں رہن ہے، کتاب دوسری جگہ

دل کہ آئینۂ شاہی ست غبارے دارد
جو دل، شاہی آئینہ ہے، وہ دھندلا ہو گیا ہے

از خدا می طلبم صحبتِ روشن رائے
میں خدا سے کسی روشن رائے کی صحبت مانگتا ہوں

کردہ ام توبہ بدستِ صنمے بادہ فروش
ایک شراب فروش بُت کے ہاتھ پر میں نے توبہ کی ہے

کہ دگر مے نخورم بے رُخِ بزم آرائے
کہ پھر کبھی بزم آرا رُخ کے بغیر، شراب نہ پیوں گا

جوئیہا بستہ ام از دیدہ بداماں کہ مگر
میں نے آنکھوں سے دامن میں نہریں بہادی ہیں کہ شاید!

در کنارم بنشانند سہی بالائے
کسی سرو قد کو میرے پہلو میں بٹھادیں

سِرِ ایں نکتہ مگر شمع بر آرد بزباں
اس نکتہ کا راز شاید شمع زبان پر لے آئے

ورنہ پروانہ ندارد ز سخن پروائے
ورنہ پروانہ کو بات کرنے کی پروا نہیں ہے

کشتیِ بادہ بیاور کہ مرا بے رُخِ دوست
شراب کی کشتی لا، اس لیے کہ دوست کے رُخ کے بغیر میری

گشتہ ہر گوشۂ چشم از غمِ دل دریائے
آنکھ کا ہر گوشہ دل کے غم سے ایک دریا بن گیا ہے

سخنِ غیر مگو با منِ معشوقہ پرست
مجھ معشوق پرست سے، غیر کی بات نہ کر

کز وے و جامِ مَیَم نیست بکس پروائے
اس لیے کہ اس کے اور شراب کے جام کے سوا مجھے کسی کی پروا نہیں ہے

نرگس ار لاف زد از شیوۂ چشمِ تو مرنج
نرگس نے، اگر تیری آنکھ کے شیوے کی ڈینگیں ماریں تو رنجیدہ نہ ہو

نروند اہلِ نظر از پئے نابینائے
نظر والے، نابینا کے درپے نہ ہوں گے

عہد کردم کہ دگر خونِ دلِ خود نخورم
میں نے عہد کر لیا ہے کہ اب اپنے دل کا خون نہ پیوں گا

مگر از دستِ حریفے صنمے رعنائے
مگر کسی دوست کے ہاتھ سے جو حسین بُت ہو

ہمہ شب گریہ کناں بر درِ میخانہ درآئی
ہر رات کو روتا ہوا، میخانہ کے دروازے پر آ،

تا دہد بادِ صبا مژدہ بخاکِ پائے
تاکہ صبا کسی کی خاکِ پاک کی تجھے خوشخبری دے

ایں حدیثم چہ خوش آمد کہ سحرگہ می گفت
یہ بات مجھے کیسی پسند آئی، کہ صبح وقت کہہ رہا تھا

بر درِ میکدۂ با دف و نے ترسائے
ایک آتش پرست شرابخانہ کے دروازے پر دف اور بانسری کے ساتھ

گر مسلمانی ازین ست کہ حافظ دارد
اگر مسلمانی ایسی ہی ہے، جو حافظ رکھتا ہے

آہ اگر از پئے امروز بود فردائے
تو اگر آج کے بعد کل ہو، تو آہ ہے

دو یارِ زیرک و از بادۂ کہن دو منے
دو ذہین دوست ہوں، اور دو من پرانی شراب

فراغتے و کتابے و گوشۂ چمنے
فراغت ہو، اور کتاب اور کسی چمن کا گوشہ

ز تُندبادِ حوادث نمی تواں دیدن
حوادث کی تیز ہوا کی وجہ سے، نہیں دیکھا جا سکا

دریں چمن کہ گلے بودہ است یا سمنے
کہ اس چمن میں کوئی پھول تھا یا کوئی چنبیلی

من ایں مقام بدنیا و آخرت ندہم
میں اس مقام کو دنیا اور آخرت کے بدلے میں نہیں دوں گا

اگرچہ در پیم افتند خلق انجمنے
خواہ مخلوق گروہ در گروہ میرے پیچھے پڑے

دیوانِ حافظ مترجم

۱ دیرِ مُغاں میں مجھ جیسا دیوانہ اور دوسرا نہ ملے گا خرقہ اگر ایک جگہ شراب کے بدلہ گروی کیا ہے تو کتاب دوسری جگہ۔
۲ میں نے ایک صنم کے ہاتھ پر توبہ کی ہے کہ بغیر معشوق کے کبھی شراب نہ پیوں گا۔
۳ سرو کو نہروں کے کناروں پر لگایا جاتا ہے۔
۴ شمع کی زبان مشہور ہے، شاید وہ عشق کا کچھ راز بتائے ورنہ پروانہ کو تو بات کرنے کی پرواہ نہیں ہے۔
۵ غم کے دریائے شراب کی کشتی ہی پار لگا سکتی ہے۔
۶ نرگس کی لاف زنی بالکل بیکار ہے وہ اندھی ہے محبوب کی آنکھ کو کب پہونچ سکتی ہے۔
۷ یہ مشہور ہے کہ خواجہ صاحب اور عماد فقیہ میں چشمک پیدا ہو گئی تھی جو شاہ شجاع کے مقرب تھے انہوں نے خواجہ کی اس غزل کا مقطع شاہ شجاع کو سنا کر کہا کہ اس سے قیامت کا انکار لازم آتا ہے اس لیے کہ فردا سے مراد فردائے قیامت ہے شاہ شجاع نے خواجہ صاحب کو طلب کیا اور مقطع پر گفتگو چھیڑی تو خواجہ نے مقطع سے پہلے ایک شعر کا غزل میں اضافہ کر دیا اور کہا کہ یہ میرا قول نہیں ہے بلکہ ترسا کا مقولہ ہے۔
۸ دو یار ہوں اور دو من شراب، فراغت ہو، کتاب اور چمن کا گوشہ ہو تو عیش ممکن ہے۔
۹ مقام عشق وہ مقام ہے جس پر دونوں جہاں قربان ہیں۔

ہر آنکہ کنجِ قناعت بگنجِ دنیا داد
جس نے قناعت کے گوشہ کو دنیا کے خزانے کے بدلے میں دیدیا

فروخت یوسفِ مصری بکمتریں ثمنے
اس نے کم داموں میں مصری یوسف کو بیچ ڈالا

بیا کہ رونقِ ایں کارخانہ کم نشود
آ کیونکہ اس کارخانہ کی رونق کم نہ ہوگی

ز زُہدِ ہمچو توئے یا ز فسقِ ہمچو منے
تجھ جیسے کے زہد اور مجھ جیسے کے فسق سے

نگارِ خویش بدستِ خساں ہمی بینم
میں اپنے معشوق کو، کمینوں کے قبضے میں دیکھ رہا ہوں

چنیں شناخت فلک حقِ خدمتِ چو منے
مجھ جیسے کی خدمت کا حق، آسمان نے خوب پہچانا

ببیں در آئینۂ نقشبند صورتِ غیب
خدائی آئینہ میں، غیب کی صورت دیکھ

گرت ز مُلکِ قناعت ہوس کند وطنے
اگر ہوس قناعت کے ملک میں تیرا وطن بنادے

ازیں سموم کہ بر طرفِ بوستاں بگذشت
یہ لُو جو باغ کی جانب چلی، اس سے

عجب کہ رنگِ گُلے ماند و بوئے یاسمنے
تعجب ہوگا اگر پھول کا رنگ اور یاسمن کی خوشبو باقی ہے

بصبر کوش تو اے دل کہ حق رہا نہ کند
اے دل تو صبر کی کوشش کر اس لیے کہ اللہ نہیں چھوڑتا ہے

چنیں عزیز نگینے بدستِ اہرمنے
ایسا قیمتی نگینہ، کسی دیو کے ہاتھ میں

بگوشہ بنشیں سرخوش و تماشا کن
مست ہوکر گوشہ میں بیٹھ جا، اور سیر کر

ز حادثاتِ زمانے رُخِ شکر دہنے
کسی شکر جیسے مُنہ والے کے رُخ کی، حوادثِ زمانہ سے بچ کر

بروزِ حادثہ غم با شراب باید گفت
مصیبت کے دن، غم شراب سے کہنا چاہیے

کہ اعتماد بکس نیست در چنیں زمنے
اس لیے کہ ایسے زمانہ میں، کسی پر بھروسہ نہیں ہے

مزاجِ دہر بتر شد دریں بلا آرے
زمانہ کا مزاج بدتر ہوگیا، ہاں اس مصیبت میں

کجاست فکرِ حکیمے و رائے برہمنے
کسی حکیم کی فکر اور کسی برہمن کی رائے کہاں ہے!

بخواہ آئنۂ جام و ببر در وے بیں
جام کا آئینہ مانگ، اور اس میں سیر کر

کہ کس بباد نداد ست اینچنیں زمنے
اس لیے کہ ایسا وقت کسی نے برباد نہیں کیا ہے

شنیدہ ام کہ سگاں را قلادہ می بندی
میں نے سنا ہے، کہ تو کتوں کے پٹہ ڈالتا ہے

چرا بگردنِ حافظ نمی کنی رسنے
تو حافظ کی گردن میں تو رسی کیوں نہیں باندھتا ہے

دیدم بخواب دوش کہ ماہے برآمدے
میں نے کل رات خواب میں دیکھا کہ ایک چاند نکلا ہے

کز عکسِ روئے او شبِ ہجراں سر آمدے
جس کے چہرے کے عکس سے، ہجر کی رات ختم ہوگئی

تعبیر رفت یارِ سفر کردہ میرسد
یہ تعبیر ہوئی کہ سفر میں گیا ہوا دوست آرہا ہے

اے کاش ہر چہ زودتر از در در آمدے
اے کاش جس قدر بھی جلد ممکن ہو دروازے سے اندر آجائے

ذکرش بخیر ساقیِ فرخندہ فالِ من
اس کا ذکر خیر سے ہو، میرا مبارک فال والا ساقی

کز در مدام با قدح و ساغر آمدے
جو ہمیشہ پیالہ اور ساغر لیکر دروازے سے آتا تھا

فیضِ ازل بزور و زر ار آمدے بدست
ازلی فیض اگر طاقت، اور روپے سے ہاتھ آتا

آبِ خضر نصیبۂ اسکندر آمدے
تو آبِ حیات، سکندر کے نصیب میں ہوتا

لہ خدا کی خدائی میں نہ کسی کے زہد سے اضافہ ہوتا ہے نہ کسی کی رندی سے کمی۔
ٹہ صبر کر محبوب رقیب کے قبضے میں نہ رہیگا۔
سہ حوادثِ زمانہ سے قطع نظر کرکے انسان کو معشوق کا جلوہ دیکھنا چاہیے۔
سہ غمِ دل شراب سے کہا جا سکتا ہے وہی رازدار ہے ہر شخص پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا ہے۔
ھہ ایک زمانہ میں ہندوستان کے برہمن علم و فن میں مشہور تھے یعنی دنیا کا فساد ناقابلِ علاج ہے
ٹہ حافظ تیرے در کا کتا ہے اس کے گلے میں بھی قلادہ ڈال دے
ےہ خواب میں چاند دیکھنے کی تعبیر یہ ہے کہ معشوق سفر سے واپس آجائے گا۔
ٹہ شعر [illegible]

آں عہد یاد باد کہ از بام و در مرا
وہ زمانہ یاد ہے کہ بالاخانہ اور دروازے سے میرے پاس
ہر دم پیامِ یار و خطِ دلبر آمدے
ہر وقت یار کا پیام، اور دلبر کا خط آتا تھا

خوش بودے ار بخواب بدیدے دیارِ خویش
اچھا ہوتا، اگر وہ اپنا وطن خواب میں دیکھتا
تا یادِ صحبتش سوئے ما رہبر آمدے
تاکہ اُس کی صحبت کی یاد، ہماری طرف رہبر بن کر آتی

آنکو ترا بسنگدلی گشت رہنموں
جو شخص سنگدلی کے ساتھ، تیرا رہنما بنا
اے کاشکے کہ پاش بہ سنگے بر آمدے
اے کاش کہ اُس کا پیر کسی پتھر پر پڑتا

کے یافتے رقیبِ تو چنداں مجالِ ظلم
تیرے رقیب کو، اس قدر ظلم کا موقع کب ملتا؟
مظلومے ار شبے بدرِ داور آمدے
اگر مظلوم کسی رات مُنصف کے دروازے پر آجاتا

خامانِ رہ نرفتہ چہ دانند ذوقِ عشق
راستہ طے نہ کئے ہوئے کچے لوگ عشق کا ذوق کیا جانیں
دریا دلے بجوئی و دلیرے سر آمدے
کسی دریا دل اور دلیر بلند مرتبہ کو ڈھونڈ

جانہا نثار کردمے آں دلنواز را
اس دلنواز پر، میں جانیں نثار کر دیتا
گر ہمچو روح جلوہ کناں در بر آمدے
اگر وہ روح کی طرح جلوہ دکھاتا ہوا بغل میں آجاتا

گر دیگرے بشیوۂ حافظ زدے رقم
اگر کوئی دوسرا بھی حافظ کے طریقہ پر لکھتا
مقبولِ طبعِ شاہِ سخن پرور آمدے
تو وہ سخن پرور، بادشاہ کی طبیعت کو پسند آجاتا

رفتم بباغ تاکہ بچینم سحر گلے
میں صبح کو باغ میں گیا تاکہ کوئی پھول توڑوں
ق آمد بگوش ناگہم آوازِ بلبلے
اچانک میرے کان میں، ایک بلبل کی آواز آئی

مسکیں چو من بعشقِ گلے گشتہ مبتلا
وہ مسکین میری ہی طرح کسی پھول کے عشق میں مبتلا تھی
واندر چمن فگندہ بفریاد غلغلے
اور اس نے چمن میں، فریاد سے شور مچا رکھا تھا

میگشتم اندر آں چمن و باغ دمبدم
میں برابر اس چمن، اور باغ میں گشت کر رہا تھا
ق میکردم اندراں گل و بلبل تاملے
اس پھول، اور بلبل کے بارے میں غور کر رہا تھا

چوں کرد در دلم اثر آوازِ عندلیب
بلبل کی آواز نے جب میرے دل پر اثر کیا
گشتم چنانکہ ہیچ نماندم تحملے
میں ایسا ہو گیا، کہ مجھ میں برداشت نہ رہی

بس گل شگفتہ میشود ایں باغ را ولے
اس باغ میں بہت سے پھول کھلتے ہیں، لیکن
کس بے جفائے خار نچیدست ازو گلے
کسی نے کانٹے کے ظلم کے بغیر اُس سے پھول نہیں چنا ہے

گل یارِ خار گشتہ و بلبل قرینِ عشق
پھول کانٹے کا یار بنا، اور بلبل عشق کی ساتھی
آنرا تغیرے و نہ ایں را تبدلے
نہ اس میں کوئی تغیر ہے، نہ اس میں کوئی تبدیلی

حافظ مدار امیدِ فرح از مدارِ چرخ
اے حافظ! آسمان کی گردش سے، خوشی کی امید نہ رکھ
دارد ہزار عیب و ندارد تفضلے
وہ ہزاروں عیب رکھتا ہے، اور کوئی خوبی نہیں رکھتا ہے

ا؎ ایک زمانہ تھا کہ ہر وقت نامہ و پیام تھا اب بالکل فراموش کر دیا۔
۲؎ پا بسنگ بر آمدن، مصیبت میں گرفتار ہونا یعنی جس نے سفر کے لئے محبوب کی رہنمائی کی وہ بڑا سنگدل تھا خدا اسے مصیبت میں مبتلا کر دے۔
۳؎ ہم سخن سنج ہیں غالب کے طرفدار نہیں یعنی اگر کوئی دوسرا بھی حافظ جیسا کلام کہتا تو بادشاہ اس کی بھی قدر کرتا۔
۴؎ پھول توڑنے باغ میں گیا دیکھا وہاں بھی میری طرح بلبل پھول کے عشق میں مبتلا ہے اور فریاد کرتی پھر رہی ہے۔
۵؎ میں چمن کی سیر میں گل اور بلبل کے تعلق پر غور کر رہا تھا لیکن بلبل کے نالوں نے اس قدر متاثر کیا کہ برداشت نہ رہی۔
۶؎ باوجودیکہ پھول کا تعلق عاشق سے نہ ہوا بلکہ غیر سے ہوا لیکن عاشق نے اپنی وضعداری ترک نہ کی۔

روزگاریست[1] کہ ما را نگراں میداری
ایک زمانہ گذر گیا، کہ تو ہمیں انتظار میں رکھتا ہے
مخلصاں را نہ بوضعِ دگراں میداری
کیا تو مخلصوں کو غیروں کے طرز میں نہیں رکھتا ہے؟

گوشۂ چشمِ رضائے بمنت باز نشد
تیری رضامندی کا گوشۂ چشم، مجھ پر نہ کھلا
ایں چنیں عزتِ صاحب نظراں میداری
تو صاحب نظروں کی یہی عزت کرتا ہے؟

نہ گل[2] از داغِ غمت رست نہ بلبل در باغ
تیرے غم کے داغ سے، باغ میں نہ پھول چھوٹا نہ بلبل
ہمہ را نعرہ زناں جامہ دراں میداری
تو نے سب کو نعرے مارنیوالا، کپڑے پھاڑنیوالا بنایا ہے

پدرِ تجربہ[3] آخر توئی اے دل زچہ روی
اے دل تو آخر بڑا تجربہ کار ہے، پھر کیوں؟
طمعِ مہر و وفا زیں پسراں میداری
محبت اور وفا کا لالچ، ان لڑکوں سے رکھتا ہے

گرچہ رندی و خرابی گنہِ ماست ولے
اگرچہ رندی، اور خرابی ہمارا گناہ ہے لیکن
عاشقے گفت کہ ما را تو بر آں میداری
ایک عاشق نے کہا، کہ تو ہی ہمیں اس حالت پر آمادہ کرتا ہے

جوہرِ جامِ[4] جم از کانِ جہانِ دگرست
جامِ جم کا جوہر دوسرے جہان کی کان کا ہے
تو تمنا ز گلِ کوزہ گراں میداری
تو کمہاروں کی مٹی سے، تمنا کرتا ہے

کیسۂ سیم و زرت نیک بباید پرداخت
چاندی اور سونے کی تھیلی تجھے بالکل خالی کردینی چاہئے
زیں تمنا کہ تو از سیمبراں میداری
اس تمنا پر جو تو چاندی جیسے جسم والوں سے رکھتا ہے

اے[5] کہ در دلقِ ململع طلبی ذوقِ حضور
اے وہ کہ تو ملمع کی گدڑی میں ذوقِ حضور طلب کرتا ہے
چشمِ سیرے عجب از بے بصراں میداری
تعجب کی ہے، اندھوں سے سیر کی توقع رکھتا ہے

چوں توئی نرگسِ باغِ نظر اے چشم و چراغ
اے چشم و چراغ! چونکہ نظر کے باغ کی نرگس تو ہی ہے
سر چرا بر منِ دلخستہ گراں میداری
مجھ دل خستہ سے، تو سرگرانی کیوں رکھتا ہے؟

دین[6] و دل رفت ولے راست نمی آرم گفت
دین اور دل برباد ہو گیا لیکن میں سچی بات نہیں کہہ سکتا
کہ منِ سوختہ دل را تو بر آں میداری
کہ مجھ سوختہ دل کو، تو ان باتوں پر آمادہ کر رہا ہے

تا صبا بر گل و بلبل ورقِ حسنِ تو خواند
جب سے صبا نے گل اور بلبل کو تیرے حسن کا ورق پڑھکر سنایا ہے
ہمہ را شیفتہ و دل نگراں میداری
تو سب کو فریفتہ، اور پریشان رکھتا ہے

ساعدآں[7] بہ کہ بپوشی چو تو از بہرِ نگار
یہ بہتر ہے کہ تو گٹے کو نہ چھپائے، جبکہ تو نے نقش و نگار کی خاطر
دست در خونِ دلِ پُر ہنراں میداری
ہاتھ کو ہنرمندوں کے دل کے خون میں ڈالا ہے

بگذراں[8] روزِ سلامت بملامت حافظ
اے حافظ! سلامتی کے دن کو ملامت کی حالت میں نہ گذار
چہ توقع ز جہانِ گذراں میداری
تو گذرنے والی دنیا سے، کیا توقع رکھتا ہے؟

زاں مئے صاف کز و پختہ شود ہر خامے
اس صاف شراب کا جس سے ہر کچا، پکا بن جاتا ہے
گرچہ ماہِ رمضان ست بیاور جامے
اگرچہ رمضان کا مہینہ ہے، ایک جام لا

روزہا رفت کہ دستِ منِ مسکیں نگرفت
ایک زمانہ گذر گیا کہ مجھ مسکین کی دستگیری نہیں کی
ساقِ شمشاد قدے ساعدِ سیم اندامے
شمشاد جیسے قد والے کی پنڈلی نے چاندی جیسے جسم والے کی کلائی نے

---

[1] یعنی مخلصوں کے ساتھ تیرا وہ طرزِ عمل ہے جو غیروں کے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔

[2] گل نے اپنا جامہ تیرے عشق میں چاک کیا ہے اور بلبل تیرے عشق میں نعرے لگا رہی ہے۔

[3] پدرِ تجربہ یعنی بڑا تجربہ کار، پدر اور پسر کی مناسبت ظاہر ہے۔

[4] جامِ جم میں جو خوبی ہے وہ کوزے میں نہیں ہو سکتی غالب نے کہا ہے
اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا
جامِ جم سے تو مرا جامِ سفال اچھا ہے

[5] جو لوگ ریا کی گدڑی پہنے ہیں انکو مشاہدۂ حق حاصل نہیں ہو سکتا وہ اندھے ہیں ان سے ملکوت کی سیر کی توقع بیکار ہے

[6] سچی بات تو یہی ہے لیکن بے ادبی کی وجہ سے میں کہہ نہیں سکتا کہ تونے ہی ہمیں بے دل اور بے دین بنایا ہے۔

[7] تاکہ مشتاق تیرے گٹے کو دیکھ سکیں۔

[8] سلامتی کے زمانہ میں کچھ کام کرلے دنیا پائدار ہے۔

روزہ ہر چند کہ مہمانِ عزیز ست دلا
اے دل! یقیناً روزہ معزز مہمان ہے
رفتنش موہبتے داں شدنش انعامے
اس کے جانے کو، عطا، اسکے ہونے کو انعام سمجھ

مُرغِ زیرک بدرِ صومعہ اکنوں نپرد
اب سمجھ دار پرند عبادت خانہ کے در پر پرواز نہ کرے گا
کہ نہادہ است بہر مجلسِ وعظے دامے
اس لیے کہ وعظ کی ہر مجلس میں ایک جال لگا ہوا ہے

گلہ از زاہدِ بدخو چہ کنم رسم ایں ست
بدمزاج، زاہد کا میں کیا شکوہ کروں، یہی طریقہ ہے
کہ چو صبحے بدمد در پیش افتد شامے
کہ جب صبح نمودار ہوتی ہے، شام اس کا پیچھا کرتی ہے

یارِ من چوں بخرامد بتماشائے چمن
میرا دوست جب چمن کی سیر کو جائے
برسانش ز من اے پیکِ صبا پیغامے
اے صبا کے قاصد! میرا اس کو ایک پیغام پہونچا دے

کو حریفے کہ شب و روز مے صاف کشد
وہ دوست کہاں ہے جو دن رات صاف شراب پیتا ہے؟
بود آیا کہ کند یاد ز دُرد آشامے
کیا ایسا ہوگا کہ وہ کسی تلچھٹ پینے والے کو یاد کرے

حافظا گر ندہد دادِ دلت خسرو عہد
اے حافظ! اگر وقت کا بادشاہ تیرے دل کی داد نہ دیگا
کام دشوار بدست آوری از خود کامے
ایک خود غرض سے تیرا مقصد مشکل سے حاصل ہوگا

ز دلبرم کہ رساند نوازشِ قلمے
معشوق کی جانب سے قلمی نوازش مجھ تک کون پہونچائیگا؟
کجاست پیکِ صبا گو بیا بکن کرمے
صبا کا قاصد کہاں ہے، کہدو آجائے، کرم کرے؟

دلم گرفت ز سالوس و طبلِ زیرِ گلیم
مکاری، اور چادر کے نیچے کے نقارے سے میں دل گرفتہ ہوں
خوشا دمے کہ بمیخانہ بر کنم علمے
وہ وقت کیسا اچھا ہوگا کہ میں شراب خانہ پر جھنڈا گاڑدوں گا

حدیثِ چون و چرا دردِ سر دہد ساقی
اے ساقی! چون و چرا کی بات دردِ سر پیدا کرتی ہے
پیالہ گیر و بیاسا بعمرِ خویش دمے
پیالہ تھام، اور اپنی زندگی میں تھوڑی دیر آرام کرلے

طبیبِ راہ نشیں سرِ عشق نشناسد
راستہ پر بیٹھا ہوا، طبیب، عشق کا راز نہیں پہچانتا ہے
برو بدست کن اے مردہ دل مسیح دمے
اے مردہ دل! جا کسی مسیح جیسے سانس والے کو حاصل کر

قیاس کردن و تدبیرِ عقل در رہِ عشق
عشق کے راستہ میں قیاس آرائی اور عقل کی تدبیر
چو شبنمے ست کہ در بحر میکشد رقمے
اُس شبنم کی طرح ہے جو سمندر پر نشان بنائے

بیا کہ وقت شناساں دو کون بفروشند
آ، اسلیے کہ وقت کو پہچاننے والے، دونوں جہان کو بیچتے ہیں
بیک پیالۂ صافی و صحبتِ صنمے
ایک صاف پیالے، اور ایک بت کی صحبت کے بدلے

دوامِ عیش و تنعّم نہ شیوۂ عشق ست
ہمیشہ عیش اور تنعّم، عشق کا طریقہ نہیں ہے
اگر معاشرِ مائی بنوش جامِ غمے
اگر تو ہمارا ساتھی ہے، تو کوئی غم کا جام پی

نمیکنم گلہ لیک ابرِ رحمتِ دوست
میں شکوہ نہیں کرتا ہوں لیکن دوست کے ابرِ رحمت نے
بکشتِ زارِ جگر خستگاں نداد نمے
جگر خستہ لوگوں کی کھیتی کو سیراب نہیں کیا

بیا کہ خرقۂ من گرچہ وقفِ میکدہ ہاست
آ، اگرچہ میری گدڑی شرابخانوں میں گروی ہے
ز مالِ وقف نہ بینی بنامِ من درمے
تو وقف کے مال کا میرے نام ایک درہم نہ دیکھے گا

ا؎ رمضان ایک معزز مہمان ہے لیکن اسکے جانے پر عید منائی جاتی ہے۔
۲؎ وعظ کی ہر مجلس میں جال بچھا ہوا ہے ہوشیار آدمی کو وہاں نہ جانا چاہیے۔
۳؎ ہر صبح کے پیچھے شام لگی ہے اور ہر اچھی چیز کا بُری چیز پیچھا کر رہی ہے اگر زاہد میرا پیچھا کر رہا ہے، کیا شکوہ ہے۔
۴؎ معشوق کا وصل شاہِ وقت کی مدد ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔
۵؎ مکاری سے تنگ دل ہو چکا ہوں اب علی الاعلان رندی اختیار کرونگا طبلِ زیرِ گلیم بمعنی رازِ پوشیدہ۔
۶؎ شعر ۶؎ عشق کی راہ میں عقل کی تدبیر ایسی ہے جیسے کہ شبنم دریا میں نقش بنائے۔
از سرِ بالینِ من برخیز اے نادان طبیب
دردمندِ عشق را دارو بجز دیدار نیست
۷؎ عاشقوں کا کام مزے اڑانا نہیں ہے بلکہ غم کے گھونٹ پینا ہے
۸؎ ہم اپنی گدڑی تو شراب خانوں میں گروی کر دیتے ہیں لیکن اوقاف کی رقمیں ہضم نہیں کرتے ہیں۔

چرا بیک نے قندش نمیخرند آنرا
اس کو ایک گنّے کے بدلے میں بھی کیوں نہیں خریدتے ہیں؟
کہ کرد صد شکر افشانی از نئے قلمے
جس نے قلم کی نے سے شکر کے سیکڑوں چھوارے کر دیئے

سزائے قدرِ تو شاہا بدست حافظ چیست[1]
اے بادشاہ! تیرے مرتبہ کے مناسب حافظ کے پاس کیا ہے؟
بجز نیازِ شبے یا دعائے صبحدمے
سوائے رات کی عاجزی، اور صبح کے وقت کی دعا کے

زیں[2] خوش رقم کہ بر گلِ رخسار میکشی
اس حسین نقش و نگار سے جو تو رخسار پر بناتا ہے
خط بر صحیفۂ گل و گلزار میکشی
گل، اور گلزار کی کتاب پر تو خط کھینچتا ہے

اشکِ[3] حرم نشینِ نہانخانۂ مرا
میرے نہاں خانے کے حرم نشین، آنسو کو تو
زانسوئے ہفت پردہ ببازار میکشی
سات پردوں کے پیچھے سے بازار کی طرف کھینچتا ہے

ہردم بیادِ آں لبِ میگوں و چشمِ مست
ان شراب جیسے ہونٹوں اور مست آنکھوں کی یاد میں ہر وقت
از خلوتم بخانۂ خمار میکشی
تو مجھے خلوت سے شراب خانہ کی طرف کھینچتا ہے

گفتی[4] سرِ تو بستۂ بفتراکِ ما سزد
تو نے کہا، تیرا سر ہمارے فتراک سے بندھنے کے لائق ہے
سہلست اگر تو زحمتِ ایں بار میکشی
آسان ہے، اگر تو اس بوجھ کی تکلیف برداشت کرے

با چشم و ابروئے تو چہ تدبیرِ دل کنم
تیری آنکھ اور ابرو کے مقابلہ میں، دل کی کیا تدبیر کروں؟
وہ زیں کماں کہ بر سرِ[5] بیمار میکشی
اس کمان کو شاباش ہے جو تو ایک بیمار پر کھینچتا ہے

باز آکہ چشمِ بد ز رخت دور میکنم
لوٹ آ، تاکہ بد نظر کو تیرے رخ سے دور کر دوں
اے تازہ گل کہ دامن ازیں خار میکشی
اے وہ تازہ پھول، جو اس کانٹے سے دامن کھینچتا ہے

کاہل روے چو بادِ صبا را ببوئے زلف
بادِ صبا جیسی سست رفتار کو زلف کی خوشبو کے لیے
ہر دم بقیدِ سلسلہ در کار میکشی
ہر وقت زنجیر کی بیڑی کے ذریعہ، بیگار میں کھینچتا ہے

حافظ دگر چہ[6] می طلبی از نعیمِ دہر
اے حافظ! دنیا کی لذت تو اور کیا چاہتا ہے؟
مے می چشی و طرۂ دلدار میکشی
تو شراب پیتا ہے، اور معشوق کی زلف کو کھینچتا ہے

ز کوئے یار می آید نسیم بادِ نوروزی
معشوق کے کوچہ سے، نوروزی ہوا کی خوشبو آ رہی ہے
ازیں باد ار مدد خواہی چراغِ دل برافروزی
اس ہوا سے اگر تو مدد چاہے گا دل کے چراغ کو روشن کریگا

چو گل گر خردۂ[7] داری خدارا صرفِ عشرت کن
اگر تو پھول کی طرح زیرہ رکھتا ہے، خدا کیلئے عیش میں خرچ کر
کہ قاروں را غلطہا داد سودائے زر اندوزی
اس لیے کہ قارون کو سونا جمع کرنے کی محبت نے نقصانات پہونچائے

سخن[8] در پردہ میگویم چو گل از پردہ بیروں آئی
در پردہ بات کہتا ہوں، پھول کی طرح پردے سے باہر نکل آ
کہ بیش از پنج روزے نیست حکمِ میرِ نوروزی
اسلیے کہ نوروز کے سردار کا حکم، پانچ دن سے زیادہ نہیں ہے

مے دارم چو[9] جاں صافی و صوفی میکند عیبش
میں جان جیسی صاف شراب رکھتا ہوں اور صوفی اس میں عیب نکالتا ہے
خدایا ہیچ عاقل را مبادا بختِ بدروزی
اے خدا! کسی عقلمند کا بدبخت مقدر نہ ہو

[1] حافظ بادشاہ کی خدمت میں رات کی دعائیں پیش کر سکتا ہے۔
[2] خط کشیدن، کسی چیز کو باطل قرار دینا یعنی تو اپنے چہرے کے نقش و نگار سے گل و گلزار کی کتاب کو باطل بنا رہا ہے۔
[3] آنکھ کے سات پردے ہیں یعنی میرے آنسو جو سات پردوں میں چھپے ہوئے تھے تو ان کو سرِ بازار لا رہا ہے۔
[4] فتراک، شکاربند یعنی ہم اپنا سر پیش کرنے کو تیار ہیں اگر تو یہ بوجھ برداشت کرے۔
[5] بیمار سے، خود معشوق کی آنکھ یا عاشق مراد ہے۔
[6] دنیا میں اس سے زیادہ اور کیا چاہیئے معشوق ہو اور جامِ شراب۔
[7] خردۂ گل وہ ریزہ جو پھول کے اندر ہوتا ہے اس کو زرِ گل بھی کہتے ہیں۔
[8] ایام نوروزی ناپائدار ہیں ان سے جلد لطف اندوز ہو۔
[9] میری صاف شراب پر صوفی عیب لگا رہا ہے بڑا بدبخت ہے۔

طریقِ کام جستن چیست ترکِ کامِ خود گفتن
مقصد تلاش کرنے کا طریقہ کیا ہے، اپنا مقصد چھوڑ دینا
کلاہِ[۱] سروری اینست اگر این ترک بدوزی
سرداری کی ٹوپی یہی ہے، اگر تو یہ ٹوپی سی لے

جدا شد یارِ شیرینت کنون تنہا نشین اے شمع
اے شمع! تیرا شیریں یار جدا ہو گیا، اب اکیلی بیٹھی رہ
کہ حکمِ آسمان اینست اگر سازی وگر سوزی
کیونکہ آسمان کا حکم یہی ہے، خواہ تو موافقت کرے خواہ جلے

بعُجبِ[۲] علم نتوان شد ز اسبابِ طرب محروم
علم کے غرور کے باعث مستی کے اسباب سے محروم نہیں ہو سکتے
بیا زاہد کہ جاہل را زیادت میرسد روزی
اے زاہد! آ، اس لیے کہ جاہل کو روزی زیادہ پہونچتی ہے

ندانم نوحۂ قمری بطرفِ جوئباران چیست
مجھے معلوم نہیں قمری کا نوحہ نہر کے کنارے کیوں ہے؟
مگر او نیز ہمچون من غمے دارد شبا روزی
شاید وہ بھی میری طرح دن رات کوئی غم رکھتی ہے

برو مے نوش و رندی ورز و ترکِ زرق کن زاہد
اے زاہد! جا شراب پی، رندی اختیار کر، اور مکر چھوڑ دے
کزین بہتر ہنر دیگر عجب دارم گر آموزی
مجھے تعجب ہوگا اگر تو اس سے بہتر اور ہنر سیکھے گا

بہ بستان[۳] رو کہ از بلبل طریقِ عشق گیری یاد
باغ میں جا، تاکہ بلبل سے عشق کا طریقہ یاد کر لے
بمجلس آئی کز حافظ سخن گفتن بیاموزی
مجلس میں آ، تاکہ حافظ سے بات کرنا سیکھ لے

ساقیا[۴] سایۂ ابر است و بہار و لبِ جوی
اے ساقی ابر کا سایہ ہے اور بہار ہے اور دریا کا کنارہ
من نگویم چہ کن از اہلِ دلی خود تو بگوی
میں نہیں کہتا، تو کیا کام کر تو صاحبدل ہے خود ہی بتا

بوئے[۵] یکرنگی ازین قوم نیاید بر خیز
یکرنگی کی خوشبو اس قوم سے نہیں آتی ہے، اٹھ
دلقِ آلودۂ صوفی بمئے ناب بشوی
صوفی کی گندی گدڑی کو، خالص شراب سے دھو

سفلہ طبع ست جہان بر کرمش تکیہ مکن
دنیا کمینہ طبیعت ہے، اس کے کرم پر بھروسہ نہ کر
اے جہاندیدہ ثباتِ قدم از سفلہ مجوی
اے جہاندیدہ! کمینے سے ثابت قدمی نہ ڈھونڈھ

گوش بکشای کہ بلبل بفغان میگوید
کان کھول لے کہ بلبل چیخ چیخ کر کہہ رہی ہے
خواجہ تقصیر مفرما گلِ توفیق ببوی
اے خواجہ! کوتاہی نہ کر، توفیق کا پھول سونگھ

یک نصیحت[۶] کنمت بشنو و صد گنج ببر
میں تجھے ایک نصیحت کرتا ہوں سن لے، اور سو خزانے لیجا
از رہِ عشق در آ و برہِ عیب مپوی
عشق کے راستہ چلا آ اور عیب کا راستہ نہ چل

شکر ایزد کہ دگر بار رسیدی بہ بہار
خدا کا شکر ہے تو دوبارہ موسمِ بہار کو پہونچ گیا ہے
بیخ نیکی بنشان و رہِ توفیق بجوی
نیکی کا بیج بو، اور توفیق کا راستہ ڈھونڈھ

روئے[۷] جانان طلبی آئنہ را قابل ساز
تو معشوق کے چہرے کا طالب ہے، تو آئینہ کو قابل بنا
ورنہ ہرگز گل و نسرین ندمد ز آہن و روی
ورنہ گل اور نسرین کبھی لوہے اور کانسی سے نہیں اگتے ہیں

پیشتر زانکہ شوی خاک درِ میکدہ ہا
اس سے پہلے کہ تو شرابخانوں کے دروازے کی خاک بنے
یک دو روزے بسر اندر رہِ میخانہ بپوی
ایک دو روز شرابخانہ کے راستہ پر سر کے بل چل

گفتی[۸] از حافظِ ما بوئے ریا می آید
تو نے کہا، ہمارے حافظ سے ریاکاری کی بو آتی ہے
آفرین بر نفست باد کہ خوش بردی بوی
تیرے سانس کو شاباش، کہ خوب بو سونگھی

---

[۱] انسان خود غرضی چھوڑ کر جب کام میں لگتا ہے تو مقصد حاصل ہوتا ہے اور جب ہی سرداری حاصل ہوتی ہے۔
[۲] راہِ عشق میں علم ایک پردہ ہے علم کے غرور کی وجہ سے مستی سے محروم نہ رہنا چاہیئے۔
[۳] باغ میں جا کر بلبل سے عشق کرنا سیکھ مجلس میں آ کر حافظ سے شعر کہنے کا سلیقہ حاصل کر۔
[۴] ظاہر ہے کہ ساقی شراب نوشی ہی کا مشورہ دیگا۔
[۵] مکار، صوفی مخلص نہیں ہیں بلکہ ان میں ریاکاری کا عیب ہے ان کی گدڑی کو شراب سے دھو کر ریاکاری سے پاک کرنا چاہیے۔
[۶] یہ نصیحت سو خزانوں کے برابر ہے کہ عشق کا راستہ طے کر، اور برائی میں نہ لگ۔
[۷] جب تک قلب کو صاف نہ کرے گا اس میں یار کا جلوہ نظر نہ آئے گا۔
[۸] بیشک حافظ ریاکار ہے تو نے خوب پہچانا۔

ساقی بیا کہ شد قدحِ لالہ پُر زمے
اے ساقی! آ کہ لالہ کا پیالہ شراب سے بھر گیا
طامات تا بچند و خرافات تا بکے
کرامات کی ڈینگیں کب تک، اور خرافات کب تک؟

بگذر ز کبر و ناز کہ دیدہ است روزگار
تکبر، اور ناز چھوڑ دے کیونکہ زمانہ دیکھ چکا ہے
چینِ قبائے قیصر و طرفِ کلاہِ کے
قیصر کی قبا کی شکن، اور کیخسرو کی ٹوپی کا کنارہ

ہُشیار شو کہ مُرغِ سحر گشت مست ہاں
ہاں ہوشیار ہو جا، کہ صبح کا پرند مست ہوگیا ہے
بیدار شو کہ خوابِ عدم در پے ست ہے
خبردار! بیدار ہو جا، کہ خوابِ عدم درپے ہے

خوش ناز کانہ می چمی اے شاخِ نوبہار
اے نوبہار شاخ! تو بہت خوب نزاکت سے ٹہل رہا ہے
کاشفتگی مبادت از آشوبِ بادِ دے
خدا کرے تجھے دے کی ہوا کے فتنے سے پریشانی نہ ہو

بر مہرِ چرخ و عشوۂ او اعتماد نیست
آسمان کی محبت اور اس کی ادا پر بھروسہ نہیں ہے
اے وائے بر کسے کہ شد ایمن ز مکرِ وے
اس پر افسوس ہے، جو اس کے مکر سے مطمئن ہوگیا

فردا شرابِ کوثر و حور از برائے ماست
کل کوثر کی شراب، اور حور ہمارے لیے ہے
وامروز نیز دلبرِ مہ روی و جامِ مے
اور آج بھی چاند جیسے رخ والا دلبر، اور جامِ مے حاصل ہے

بادِ صبا ز عہدِ صبیٰ یاد میدہد
بادِ صبا، بچپن کا زمانہ یاد دلاتی ہے
جاں دارُوئے کہ غم ببرد در دہ اے صُنے
اے لڑکے! جان کی دوا، جو غم دور کر دے، دے

حشمت مبین و سلطنتِ گُل کہ گستر بد
پھول کی سلطنت، اور دبدبہ دیکھ کر بکھا دیا ہے
فرّاشِ باد ہر ورقے را بزیرِ پے
ہوا کے فراش نے، ہر پتّی کو پیر کے نیچے

دردہ بیادِ حاتمِ طے جامِ یک منی
حاتمِ طائی کی یاد پر، ایک منی جام دے
تا نامۂ سیاہِ بخیلاں کنیم طے
تاکہ ہم بخیلوں کا سیاہ نامۂ اعمال لپیٹ دیں

زاں مے کہ داد رنگِ طبیعی بارغواں
وہ شراب جس نے ارغواں کو طبعی رنگ دیا
بیروں فگند لطفِ مزاج از رخش بخوے
مزاج کی پاکیزگی نے اس کے رخ سے پسینے کے ذریعہ باہر پھینک دی

بشنو کہ مُطربانِ چمن راست کردہ اند
سُن، کیونکہ چمن کے مُطربوں نے درست کرلیا ہے
آہنگِ چنگ و بربط و طنبور و نای و نے
چنگ، بربط، طنبور، نائی، اور بانسری کی آواز کو

مسند بباغ بر کہ بخدمت چو بندگاں
مسند کو باغ میں لیجا کہ خدمت میں غلاموں کی طرح
استادہ است سرو و کمر بستہ است نے
سرو کھڑا ہے، اور بانسری نے کمر باندھی ہے

اشیائے روزگار بمے ساز در گرو
دنیا کی چیزوں کو، شراب کے بدلے گروی رکھدے
کز مُرد در راہ باز نماندہ است ہیچ شے
اس لیے کہ راستے کے مردے، کوئی چیز باقی نہیں رہتی ہے

حافظ حدیثِ سحر فریبِ خوشت رسید
اے حافظ! تیری جادو کی طرح فریب دینے والی اچھی بات پہونچ گئی ہے
تا حدِّ چین و شام و باقصائے روم و رَے
چین اور شام کی حد تک، اور روم اور رے کے آخری حصہ تک

سحر با باد میگفتم حدیثِ آرزومندی
صبح کو ہوا سے میں کچھ آرزومندی کی بات کہہ رہا تھا
خطاب آمد کہ واثق شو بالطافِ خداوندی
آواز آئی، تو خدا کی مہربانیوں پر یقین رکھ

---

۱ لالہ کے بارے میں یہ مانا گیا ہے کہ گویا وہ شراب کا پیالہ ہاتھ میں لیے کھڑا ہے یعنی بہار کا موسم آگیا ہے اب شراب نوشی ہونی چاہئے
۲ زمانہ ناپائدار ہے اس نے قیصر اور کیخسرو جیسے بادشاہوں کی سلطنتیں دیکھیں لیکن کسی کو باقی نہ چھوڑا۔
۳ صبح ہوگئی ہے پرند مستی میں چہچہارہے ہیں بیدار ہو جا کیونکہ موت سر پر کھڑی ہے۔
۴ آسمان کی محبت اور ناز و ادا بالکل ناقابلِ بھروسہ ہے۔
۵ ہمیں آج بھی معشوق اور جامِ شراب حاصل ہے اور قیامت میں شرابِ کوثر اور حور ملیگی۔
۶ پھول کی سلطنت اور جاہ و جلال کو بادِ خزاں پائمال کر دیتی ہے اس کی پتّیاں جھڑتی ہیں اور پیروں میں روندی جاتی ہیں۔
۷ یہ شراب نے ارغواں کو طبعی رنگ عطا کیا اس پر جو قطرات ہیں وہ پسینہ کی صورت میں وہی شراب ہے جو اس نے پی تھی۔
۸ بانسری پر پٹیاں کسی جاتی ہیں اسی لیے اس کو کمربستہ قرار دیا ہے۔ ۹ شعر: چند تصویرِ بتاں، چند حسینوں کے خطوط ٭ بعد مرنے کے مرے گھر سے یہ ساماں نکلا ۱۰ حافظ کے کلام کی شہرت دور دراز ممالک میں پہونچ چکی ہے۔

قلم را آں زباں نبود کہ سرِّ عشق گوید باز
قلم کے لئے وہ زبان نہیں ہے کہ عشق کا راز کھول کر کہہ دے

ورائے حدِّ تقریر ست شرحِ آرزومندی
آرزومندی کی تشریح، تقریر کی حد سے آگے ہے

دل اندر زلفِ لیلیٰ بند و کارِ عشقِ مجنوں کن
لیلیٰ کی زلف سے دل وابستہ کر، اور مجنوں کے عشق کا کارنامہ کر

کہ عاشق را زیاں دارد مقالاتِ خردمندی
اس لیے کہ عقلمندی کی باتیں، عاشق کو نقصان پہونچاتی ہیں

الا اے یوسفِ مصری کہ کردت سلطنت مغرور
آگاہ اے مصری یوسف! تجھے سلطنت نے مغرور بنا دیا

پدر را باز پرس آخر کجا شد مہرِ فرزندی
باپ کو پوچھ، آخر پسری محبت کہاں چلی گئی؟

بسحرِ غمزۂ فتاں دوا بخشی و درد انگیز
فتنہ پیدا کرنیوالی آنکھوں کی ادا کے جادو سے تو دوا بخشنے والا اور بیمار کرنیوالا ہے

بچینِ زلفِ مشک افشاں دل آویزی و دلبندی
مشک چھڑکنے والی زلفوں کے شکن کے ذریعہ تو دل آویزا اور دل کو قید کرنیوالا ہے

جہانِ پیرِ رعنا را مروّت در جبلّت نیست
بوڑھے، خوبصورت جہان کی فطرت میں مروت نہیں ہے

ز مہرِ او چہ میخواہی در و ہمّت چہ می بندی
اس کی محبت سے تو کیا چاہتا ہے، اس کا ارادہ کیوں کرتا ہے؟

ہمائے چوں تو عالی قدر و مہرِ استخواں تا کے
تجھ جیسا بلند مرتبہ ہما، اور ہڈی کی محبت کب تک؟

دریغ ایں سایۂ دولت کہ بر نا اہل افگندی
اس دولت کے سایہ پر افسوس جو تو نے نا اہل پر ڈالا

دریں بازار اگر سود ست با درویشِ خرسندست
اس بازار میں اگر نفع ہے، تو خوش و خرم فقیر کو ہے

خدایا منعمم گرداں بدرویشی و خرسندی
اے خدا! فقیری، اور خوشی سے مجھے مالدار بنا دے

دعائے صبح و شامِ تو کلیدِ گنجِ مقصود ست
تیری صبح اور شام کی دعا، مقصود کے خزانے کی کنجی ہے

بایں راہ و روش میرو کہ با دلدار پیوندی
اس راستہ اور رفتار سے چلا چل، تو محبوب سے ملجائے گا

بخوباں دل مدہ دیگر ببیں آں بیوفائیہا
حسینوں کو دل نہ دے، اُن بیوفائیوں کو پھر دیکھ

کہ با تیغِ زباں کردند مکارانِ الوندی
جو زبان کی تلوار کے ذریعہ کوہِ الوند کے رہنے والے مکاروں کی ہیں

زشعرِ حافظِ شیراز میگویند و میرقصند
شیراز کے حافظ کے اشعار کو پڑھتے ہیں اور رقص کرتے ہیں

سیہ چشمانِ کشمیری و ترکانِ سمرقندی
کشمیری سیاہ چشم، اور سمرقندی معشوق

سحر گہ رہروے در سر زمینے
صبح کو ایک مسافر، ایک سرزمین میں

ہمی گفت ایں معما با قرینے
یہ معما، ایک ساتھی سے کہہ رہا تھا

کہ اے صوفی شراب آنگہ بود صاف
کہ اے صوفی! شراب اس وقت صاف ہوتی ہے

کہ در شیشہ بماند اربعینے
جبکہ چالیس روز، بوتل میں رہتی ہے

گر انگشتِ سلیمانی نباشد
اگر سلیمان کی انگلی نہ ہو

چہ خاصیت دہد نقشِ نگینے
نگ کا نقش کیا تاثیر دکھائے گا؟

خدا زاں خرقہ بیزارست صد بار
خدا اس گدڑی سے، سو بار ناراض ہے

کہ صد بُت باشدش در آستینے
جس کی آستین میں، سو بُت ہوں

درونہا تیرہ شد باشد کہ از غیب
باطن تاریک ہو گئے ہیں، ہو سکتا ہے کہ غیب سے

چراغے بر کند خلوت نشینے
کوئی خلوت نشیں، چراغ روشن کر دے

---

۱ دیوانہ بنکر مجنوں کے کام میں لگ جا عقلمندی نقصان پہونچاتی ہے۔
۲ معشوق کو زوال پذیر حسن پر مغرور ہوکر عاشق کو فراموش نہ کرنا چاہیے۔
۳ تیری آنکھیں درد بھی پیدا کرتی ہیں اور دوا بھی دیتی ہیں تیری زلف دل کو خوش بھی کرتی ہے اور رنجیدہ بھی۔
۴ مشہور ہے کہ ہما کی خوراک صرف ہڈیاں ہیں دوسرا مصرع پہلے مصرع کی تشریح ہے۔
۵ دنیا میں صرف خوش مزاج فقیر خوش رہ سکتا ہے۔
۶ انسان صبح و شام جدّ و جہد میں لگا رہتا ہے تو مقصود حاصل ہو ہی جاتا ہے۔
۷ معما یہی ہے کہ انسان مشقتیں برداشت کرتا ہے تب اس میں صفائی پیدا ہوتی ہے جس طرح شراب چالیس روز شیشے میں بند رہتی ہے تب نکھرتی ہے۔
۸ لوگ تاریک باطن ہو گئے ہیں۔ مردے از غیب بروں آید و کارے بکند۔

مُروّت گرچہ نامِ بے نشانست
مُروّت، اگرچہ بے معنیٰ لفظ ہے

نیازے عرضہ کن بر نازنینے
کسی نازنین کی خدمت میں، نیاز مندی پیش کر

ثوابت باشد اے دارائے خرمن
اے کھلیان رکھنے والے! تجھے ثواب ہوگا

اگر رحمے کنی بر خوشہ چینے
اگر تو کسی خوشہ چیں پر، ذرا رحم کرے گا

نمی بینم نشاط و عیش در کس[1]
میں کسی میں کبھی عیش و نشاط نہیں دیکھتا ہوں

نہ درمانِ دلے نے دردِ دینے
نہ کسی دل کا علاج، نہ دین کا درد

اگرچہ رسمِ خوبان تندخوئیست
اگرچہ بد مزاجی، حسینوں کی عادت ہے

چہ باشد گر بسازی با غمینے
کیا ہو جائے گا، اگر تو ایک غمگین کی دلجوئی کرلے گا؟

درِ میخانہ[2] بکشا تا بپرسم
میخانہ کا دروازہ کھول، تاکہ میں دریافت کروں

مآلِ حالِ خود از پیش بینے
کسی پیش بیں سے، اپنے حال کا انجام

نہ ہمت را امیدِ سربلندیست
نہ ہمت کو سربلندی کی امید ہے

نہ دعوت را کلیدِ آہنینے
نہ دُعا کے پاس، لوہے کی کنجی ہے

نہ حافظ را حضورِ درسِ قرآں
نہ حافظ کو، قرآن کے درس میں حضورِ قلب ہے

نہ دانشمند را علم[3] الیقینے
نہ فقیہ کو، علم الیقین حاصل ہے

سحرم[4] ہاتفِ میخانہ بدولتخواہی
صبح مجھے شراب خانہ کی غیبی آواز نے خیر خواہی کے طور پر

گفت باز آی کہ دیرینۂ ایں درگاہی
کہا کہ تو اس دربار کا پرانا رہنے والا ہے، لوٹ آ

ہمچو جم جرعۂ مے کش کہ زسرّ ملکوت
جمشید کی طرح شراب کا گھونٹ پی تاکہ عالم بالا کے راز سے

پرتوِ جامِ جہاں بیں دہدت آگاہی
جہان بین جام کا عکس، تجھے خبردار کردے

بر گدایانِ درِ میکدہ اے سالکِ راہ
اے راستہ کے سالک! شرابخانہ کے دروازے کے فقیروں سے

باادب باش گر از سرّ خدا آگاہی
ادب کے ساتھ رہ، اگر تو خدائی راز سے باخبر ہے

بر درِ میکدہ رندانِ قلندر باشند
میکدے کے در پر قلندر رند ہوتے ہیں

کہ ستانند و دہند افسرِ شاہنشاہی
جو شاہی تاج، اتارتے، اور عطا کرتے ہیں

خشت[5] زیرِ سر و بر تارکِ ہفت اختر پائے
سر کے نیچے اینٹ، اور پیر سات ستاروں کے سر پر

دستِ قدرت نگر و منصبِ صاحب جاہی
قدرت کا ہاتھ، اور رتبہ والے کا رتبہ دیکھ

اگرت[6] سلطنتِ فقر ببخشند اے دل
اے دل! اگر تجھے فقر کی بادشاہی دیدیں

کمتریں ملکِ تو از ماہ بود تا ماہی
تو تیرا سب سے چھوٹا ملک، چاند سے، مچھلی تک ہوگا

قطعِ ایں مرحلہ بے ہمرہیِ خضر مکن
خضر کی ہمراہی کے بغیر، اس منزل کو طے نہ کر

ظلماتست بترس از خطرِ گمراہی
اندھیرے ہیں، گمراہی کے خطرے سے ڈر

سرِ ما و درِ میخانہ کہ طرفِ بامش
ہمارا سر ہے اور میخانہ کا در، اسلئے کہ اس کے بالا خانہ کا کنارہ

بفلک بر شدہ دیوار بایں کوتاہی
باوجود چھوٹے ہونے کے اس کی دیوار آسمان سے بلند ہے

---

[1] دنیا میں خلفشار ہے عیش و نشاط ختم ہو چکا ہے بے دینی عام ہے۔
[2] شاید میخانہ میں کوئی ایسا آدمی مل جائے جو پیش بیں ہو اس سے اپنا انجام معلوم کرلوں
[3] یقین کی تین قسمیں ہیں علم الیقین کسی چیز کی حقیقت کو جان کر یقین کرنا مثلاً یہ کہ زہر کھانے والا مر جاتا ہے عین الیقین آنکھوں سے دیکھ کر یقین کرنا مثلاً زہر کھا کر مرنے والے کو دیکھ کر یقین کرنا حق الیقین خود تجربہ کرکے یقین حاصل کرنا مثلاً زہر کھا کر اپنے آپ کو ہلاک کرکے زہر کے قاتل ہونیکا یقین کرنا۔
[4] غیبی آواز نے کہا تو پلانار ند ہے جام شراب پی تاکہ تجھے عالم بالا کی سیر نصیب ہو۔
[5] شعر: فاکساران جہاں را بحقارت منگر / تو چہ دانی کہ درین گرد سوارے باشد۔ انہیں اینٹ کے علاوہ تکیہ بھی میسر نہیں لیکن ان کا رتبہ بہت بلند ہے۔
[6] اگر کسی کو فقر کی سلطنت حاصل ہو جائے تو پوری کائنات اس کی سلطنت کا تھوڑا سا حصہ ہے۔

تو درِ فقر ندانی زدن از دست مده
توفقر کے دروازے کو کھٹکھٹانا نہیں جانتا ہے، نہ چھوڑ
مسندِ خواجگی و مجلسِ توران شاہی
خواجگی کی مسند، اور توران شاہی مجلس کو

اے سکندر بنشین و غمِ بیہودہ مخور
اے سکندر! بیٹھا رہ، اور بیکار غم نہ کھا
کہ نہ بخشند ترا آبِ حیات از شاہی
اس لیے کہ شاہی کی وجہ سے تجھے آبِ حیات نہ دینگے

اے گدایانِ ترا عار زشاہنشاہی
اے وہ کہ تیرے گداؤں کو شہنشاہی سے عار ہے
ہمہ کس را تو دہی منصبِ صاحب جاہی
سب کو تو ہی صاحبِ جاہ کا مرتبہ دیتا ہے

حافظِ خام طمع شرمے ازیں قصہ بدار
اے غلط لالچ کرنے والے حافظ! اس قصہ سے کچھ شرم کر
عملت چیست کہ مزدش دو جہاں میخواہی
تیرا کام کیا ہے کہ تو اس کی اجرت دونوں جہان چاہتا ہے

سَلَامُ اللّٰہِ مَا کَرَّ اللَّیَالِیْ
اللہ کا سلام ہو، جب تک بھی راتیں مکرر ہوں
عَلٰی مَلِکِ الْمَکَارِمِ وَ الْمَعَالِیْ
بزرگیوں، اور بلندیوں کے بادشاہ پر

عَلٰی وَادِی الْاِرَاکِ وَمَنْ عَلَیْہَا
پیلو کے جنگل پر، اور ان پر جو وہاں ہیں
وَدَارِیْ بِاللِّوٰی فَوْقَ الرِّمَالِ
اور میرے گھر پر جو لوی میں ریتیلی زمین پر ہے

دعا گوئے غریبانِ جہانم
میں دنیا کے مسافروں کا دعاگو ہوں
وَاَدْعُوْ بِالتَّوَاتُرِ وَ التَّوَالِیْ
اور میں متواتر، اور پے در پے دعا کرتا ہوں

منال اے دل کہ در زنجیرِ زلفش
اے دل! نالہ کر اس لیے کہ اس کی زلف کی زنجیر میں
ہمہ جمعیت ست آشفتہ حالی
پریشان حالی، پورا اطمینان ہے

اَمُوْتُ صَابِرًا یَا لَیْتَ شِعْرِیْ
میں صبر کرتے کرتے مرا جاتا ہوں، اے کاش میں جان جاتا
مَتٰی نَطَقَ الْبَشِیْرُ عَنِ الْوِصَالِ
وصل کی خوشخبری دینے والا کب بولے گا؟

فَحُبُّکَ رَاحَتِیْ فِیْ کُلِّ حِیْنٍ
ہر گھڑی، تیری محبت، میری راحت ہے
وَذِکْرُکَ مُوْنِسِیْ فِیْ کُلِّ حَالِ
اور ہر حالت میں تیرا ذکر، میرا مونس ہے

سویدائے دلِ من تا قیامت
میرے دل کا سیاہ نقطہ، قیامت تک
مبادا از سوزِ سودائے تو خالی
خدا کرے تیرے عشق، کی جلن سے خالی نہ ہو

کجا یابم وصالِ چوں تو شاہے
تجھ جیسے بادشاہ کا میں وصل کب حاصل کر سکتا ہوں؟
منِ بدنام رندِ لا اُبالی
میں بدنام، لاپرواہ رند

زخطت صد جمالِ دیگر افزود
تیرے سبزۂ خط سے سو حسن اور زیادہ ہو گئے
کہ عمرت باد صد سالِ ہلالی
خدا کرے تیری عمر، سو قمری سالوں کی ہو

برآں نقاشِ قدرت آفریں باد
قدرت کے اس نقاش کو شاباش ہے
کہ گردِ مہ کشد خطِ ہلالی
جو چاند کے چاروں طرف ہلالی خط کھینچتا ہے

بہر منزل کہ رو آرد خدایا
وہ جس منزل کی طرف بھی رُخ کرے، اے خدا!
نگہدارش بحفظِ لایزالی
دائمی حفاظت سے، تو اس کی حفاظت کر

[1] آبِ حیات سلطنت کے زور سے نہیں حاصل ہوتا ہے۔
[2] تو تمام انسانوں کو منصبِ جاہ دیتا ہے لیکن تیرے در کے گدا شاہی کو عار سمجھتے ہیں۔
[3] حافظ کے ایسے کون سے کارنامے ہیں جن کی اجرت میں دونوں جہان مانگتا ہے
[4] بادشاہ پر اور محبوبہ پر جو پیلو کے جنگل میں مقیم ہے اور میرے گھر پر خدا کا سلام ہو۔
[5] اس کی زلف میں گرفتار ہونے سے ہی دل جمعی حاصل ہے۔
[6] سویدا خون کا ایک نقطہ ہے جو دل کے درمیان میں ہے اور وہی مدارِ زندگی ہے۔
[7] مہ، سے چہرہ اور خطِ ہلالی سے سبزۂ خط مراد ہے۔

تو می باید کہ باشی ورنہ سہلست — زیانِ مایۂ جانی و مالی
چاہئے کہ تو رہے، ورنہ آسان ہے — جانی، اور مالی سرمایہ کا نقصان

خدا داند کہ حافظ را غرض چیست
خدا جانتا ہے کہ حافظ کا کیا مدعا ہے؟
وَعِلْمُ اللّٰہِ حَسْبِیْ مِنْ سُوَالِیْ
اور میرے مانگنے کی بجائے اللہ کا جاننا میرے لیے کافی ہے

سلامے چو بوئے خوش آشنائی — بداں مردمِ دیدۂ روشنائی
آشنائی کی خوشبو جیسا، سلام — اُن روشن آنکھوں کی پُتلی پر

درودے چو نورِ دلِ پارسایاں — بداں شمعِ خلوتگہِ پارسائی
نیکوں کے دلوں کے نور جیسا، سلام — اس نیکی کی خلوت گاہ کی شمع پر

نمی بینم از ہمدماں ہیچ برجا — دلم خوں شد از غصہ ساقی کجائی
میں ساتھیوں میں سے کسی کو بھی جگہ پر نہیں دیکھتا ہوں — اے ساقی! تو کہاں ہے، غم سے میرا دل خون ہوگیا ہے؟

ز کوئے مُغاں رو مگرداں کہ آنجا — فروشند مفتاحِ مُشکلکشائی
مُغوں کے کوچہ سے روگردانی نہ کر اس لئے کہ وہاں — مشکل کشائی کی کنجی فروخت کرتے ہیں

عروسِ جہاں گرچہ در حدِ حُسن ست — ز حد می برد شیوۂ بیوفائی
دنیا کی دلہن، اگرچہ حسن کی حد میں ہے — بے وفائی کی عادت حد سے بڑھا رہی ہے

مَے صوفی افگن کجا می فروشند — کہ در تابم از دستِ زُہدِ ریائی
صوفی کو پچھاڑ دینے والی شراب کہاں بیچتے ہیں؟ — اس لیے کہ ریاکاری کے زہد کے ہاتھوں میں بل کھا رہا ہوں

رفیقاں چناں عہدِ صحبت شکستند — کہ گوئی نبودست خود آشنائی
دوستوں نے دوستی کا عہد اس طرح توڑ ڈالا — کہ گویا، دوستی تھی ہی نہیں

دلِ خستۂ من گرش ہمتے نیست — نخواہد ز سنگیں دلاں مومیائی
اگرچہ میرے ٹوٹے ہوئے دل میں ہمت نہیں ہے — وہ پتھر جیسے دل والوں سے مومیائی نہ مانگے گا

مرا گر تو بگذاری اے نفسِ طامع — بسے بادشاہی کنم در گدائی
اے لالچی نفس! اگر تو مجھے چھوڑ دے — فقیری میں، بہت بادشاہی کروں گا

بیا موزمت کیمیائے سعادت — ز ہم صحبتِ بد جدائی جدائی
میں تجھے، نیک بختی کی کیمیا سکھاتا ہوں — بُرے ہم صحبت سے، جدائی ہی جدائی ہو

مکن حافظ از جورِ گردوں شکایت
اے حافظ! زمانہ کے ظلم کی شکایت نہ کر
چہ دانی تو اے بندہ کارِ خدائی
اے بندے، خدائی کام کو تو کیا جانے؟

سُلَیْمٰی مُنْذُ حَلَّتْ بِالْعِرَاقِ — اُلَاقِیْ فِیْ ہَوَاہَا مَا اُلَاقِیْ
پیاری سلمٰی، جب سے عراق میں مقیم ہوگئی ہے — میں اُس کی محبت میں برداشت کر رہا ہوں جو بھی برداشت کر رہا ہوں

۱؎ خدا میرا مدعا جانتا ہے لہٰذا مجھے سوال کرنے کی ضرورت نہیں ہے وہ بغیر مانگے دیگا۔
۲؎ دوست سب بچھڑ گئے رنج سے میرا دل خون ہو رہا ہے شراب پلا۔
۳؎ دیرِ مُغاں میں ہی مشکلیں آسان ہونگی
۴؎ ایسی شراب درکار ہے جو صوفیوں کو پچھاڑ دے اس لیے کہ میں ان کی ریاکاری سے عاجز آگیا ہوں
۵؎ اگرچہ میرا دل بے ہمت ہو چکا ہے لیکن پھر بھی کمینوں کا احسان اٹھانے کے لیے تیار نہیں ہے۔
۶؎ سعادت کی کیمیا یہ ہے کہ بُروں کی صحبت نہ اختیار کیجئے
۷؎ میری محبوبہ مجھ سے دور، عراق میں جا بسی میں ہجر کے مصائب برداشت کر رہا ہوں

الا اے ساربانِ محملِ دوست
اے دوست کے کجاوے کے ساربان!
إلی رُکبانِکُم طَالَ اشتیاقی
تمہارے سواروں کی طرف، میرا شوق بڑھ گیا ہے

بسازِ[1] اے مطربِ خوشخواں وخوشگوی
اے خوش خواں اور خوشگو، مطرب! گا
بشعرِ پارسی صوتِ عراقی
فارسی اشعار، عراقی لہجے میں

بیا ساقی بدہ رطلِ گرانم
ساقی آ، مجھے بھاری پیالہ دے
سقاکَ اللہُ مِن کاسٍ دِھاقٍ
خدا، تجھے لبالب پیالے سے سیراب کرے

جوانی[2] بازمی آرد بیادم
مجھے جوانی، پھر یاد دلا رہی ہے
صدائے چنگ و نوشانوشِ ساقی
چنگ کی آواز، اور ساقی کی نوشانوش

مے باقی بدہ تامست وخوشدل
بچی ہوئی شراب دیدے، مست اور خوش دل ہو کر
بیاراں بر فشانم عمرِ باقی
دوستوں پر قربان کردوں بقیہ زندگی

درونم خوں شد از نادیدنِ دوست
دوست کے نہ دیکھنے سے، میرا دل خون ہوگیا
اَلا تَعساً لِاَیّامِ الفِراقِ
فراق کے دنوں کے لیے، بلا کی ہو

دمے[3] بانیکخواہاں متفق باش
تھوڑی دیر کے لیے، خیر خواہوں کے ساتھ مل بیٹھ
غنیمت داں امورِ اتفاقی
اتفاقی باتوں کو غنیمت سمجھ

مسیحائے[4] مجرّد را برازد
مجرّد، مسیحا کو یہ بات زیب دیتی ہے
کہ با خورشید سازد ہم وثاقی
کہ آفتاب کے ساتھ، ہم خانہ ہو

عروسِ بس خوشی اے دخترِ رز
اے انگور کی بیٹی! تو بہت حسین دلہن ہے
ولے گہ گہ سزاوارِ طلاقی
لیکن کبھی کبھی، طلاق کے قابل ہے

رَبیعُ[5] العُمرِ فی مَرعیٰ حِماکُم
زندگی کا موسم بہار، تمہارے حمیٰ کی چراگاہ میں ہے
حَماکَ اللہُ یا عَہدَ التَّلاقِ
اے ملاقات کے زمانے، خدا تیری حفاظت کرے

خرد[6] در زندہ رود انداز و مے نوش
عقل کو زندہ رود میں پھینک دے اور شراب پی
بگلبانگِ جوانانِ عراقی
عراقی جوانوں کی آواز پر

نہانی[7] الشَّیبُ مِن کُلِّ العَذاری
بڑھاپے نے، مجھے ہر باکرہ لڑکی سے روک دیا
سِوی تقبیلِ خَدٍّ واعتِناقِ
سوائے رخسار کے بوسہ لینے اور گلے لگانے کے

وصالِ دوستاں چوں روزیِ ماست
چونکہ دوستوں کا وصال، ہمارا مقدر ہے
مگو واعظ سخنہائے فراقی
اے واعظ! جدائی کی باتیں نہ کر

دُموعی بعدکُم لا تحقِروہا
ہمارے آنسو، جو تمہارے فراق میں ہیں ان کو حقیر نہ سمجھو
فکم بحرٍ جمعنا من سواقِ
بہت سے سمندر ہیں، جو ہم نے نہروں سے جمع کئے ہیں

مَضَت فُرَصُ الوِصالِ وما شَعَرنا
وصل کی فرصتیں گذر گئیں، اور ہمیں پتہ نہ چلا
بگو حافظ غزلہائے فراقی
اے حافظ! اب فراق کی غزلیں گا

---

۱ چونکہ محبوبہ عراقی ہوگئی ہے لہٰذا اب مجھے فارسی اشعار عراقی لہجے میں پسند آتے ہیں۔
۲ چنگ کی آواز، ساقی کی نوشانوش کی صدا، جوانی کا زمانہ یاد دلاتی ہے۔ فراق کے زمانہ کا خدا برا کرے جس نے دل کو خون بنادیا ہے
۳ تھوڑی دیر کے لیے ہم جیسے خیرخواہوں کے ساتھ مل بیٹھنے کو غنیمت سمجھ۔
۴ حضرت مسیح علیہ السلام نے شادی نہ کی تمام عمر عالم تجرد میں گذاری اسی لئے ان کو چرخ چہارم پر جگہ ملی۔ شعر
چو عیسیٰ گر توانی خفت [illegible] مدہ نقد تجرد از کف مفت
۵ ربیع، موسم بہار حمیٰ، وہ چراگاہ جو کوئی اپنے لیے مخصوص کرے
۶ زندہ رود اصفہان کی مشہور ندی ہے جس کا پانی بہت ستھرا ہے۔
۷ بڑھاپے نے صرف اسکی اجازت دے رکھی ہے کہ باکرہ لڑکیوں سے بوس و کنار کروں۔
۸ وصال کی فرصتیں غفلت میں گذر گئیں اب سوائے فراق کی غزلیں پڑھنے کے اور کوئی چارہ نہیں ہے۔

سَبَتْ سَلْمٰی[1] بِصُدْغَیْھَا فُؤَادِیْ
اپنی دونوں زلفوں سے سلمیٰ نے میرا دل قید کرلیا

وَرُوْحِیْ کُلَّ یَوْمٍ لِیْ یُنَادِیْ
اور میری روح، مجھے ہر روز پکارتی ہے

خدارا بر من بیدل ببخشای
خدا کے لئے، مجھ بیدل پر بخشش کر

وَوَاصِلْنِیْ عَلیٰ رَغْمِ الْاَعَادِیْ
اور دشمنوں کی خواہش کے برخلاف مجھے وصل عطا کر

اَمَنْ اَنْکَرْتَنِیْ عَنْ حُبِّ سَلْمٰی
اے وہ شخص کہ تو نے مجھے سلمیٰ کی محبت سے روکا

غَرِیْقُ الْعِشْقِ فِیْ بَحْرِ الْوِدَادِ
میں محبت کے سمندر میں عشق کا ڈوبا ہوا ہوں

نگارا در غمِ سودائے عشقت
اے محبوب! تیرے عشق کے جنون کے غم میں

تَوَکَّلْنَا عَلیٰ رَبِّ العِبَادِ
ہم نے بندوں کے خدا پر توکّل کیا ہے

دلِ[2] حافظ شد اندر چینِ زلفت
تیری زلفوں کی شکن میں، حافظ کا دل گم ہوگیا

بِلَیْلٍ مُظْلِمٍ وَاللّٰہُ ھَادِ
اندھیری رات میں، اور خدا راستہ دکھانے والا ہے

سینہ مالا مالِ درد است اے دریغا مرہمے
سینہ درد سے مالا مال ہے، ہائے افسوس مرہم ہوتا

دل ز تنہائی بجاں آمد خدارا ہمدمے
دل تنہائی کی وجہ سے عاجز آگیا، خدا کے لئے کوئی ہمدم ہوتا

خیز تا خاطر بداں ترکِ سمرقندی دہیم
اُٹھ، تاکہ ہم اُس سمرقندی معشوق کو دل دیدیں

کز نسیمش بوئے زلفِ حوریاں آید ہمے
جس کی نسیم سے حوروں کی زلف کی خوشبو آرہی ہے

چشمِ آسائش کہ دارد زیں سپہرِ گرم رو
اس تیز رفتار، آسمان سے آرام کی اُمید کون رکھتا ہے؟

ساقیا جامے بیاور تا بیاسایم دمے[3]
اے ساقی جام دے، تاکہ تھوڑی دیر کے لئے میں آرام کرلوں

زیرکے[4] را گفتم ایں احوال خود خندید و گفت
میں نے ایک عقلمند کو اپنے یہ احوال سنائے وہ ہنسا اور بولا

صعب کارے بوالعجب دردے پریشاں عالمے
سخت کام ہے، عجب درد ہے، ایک پریشان حالت ہے

سوختم در چاہِ صبر از بہرِ آں شمعِ چگل[5]
اس چگل کی شمع کی خاطر، میں صبر کے کنوئیں میں جل اٹھا

شاہِ ترکاں غافلست از حالِ ما کو رستمے
ترکوں کا شاہ ہمارے حال سے غافل ہے، رستم کہاں ہے؟

در طریقِ عشقبازی امن و آسائش خطاست
عشقبازی کے راستہ میں اطمینان اور آرام غلطی ہے

ریش باد آں دل کہ با دردِ تو جوید مرہمے
خدا کرے وہ دل زخمی ہو، جو تیرے درد کے ہوتے ہوئے مرہم تلاش کرے

اہلِ کام و ناز را در کوئے رنداں راہ نیست
غرض اور ناز والوں کے لئے رندوں کے کوچہ میں راستہ نہیں ہے

رہروے باید جہاں سوزے نہ خامے بے غمے
جہاں سوز مسافر درکار ہے، نہ کہ کچا اور بے غم

آدمِ[6] خاکی بدیں عالم نمی آید بدست
خاکسار آدمی اس دنیا میں دستیاب نہیں ہوتا ہے

عالمے دیگر بباید ساخت از نو آدمے
ایک نئے آدم سے دوسرا عالم بنانا چاہیئے

گریۂ حافظ چہ سازد پیشِ استغنائے دوست
دوست کی بے نیازی کے سامنے حافظ کا رونا کیا کام بنائیگا؟

کاندریں طوفاں نماید ہفت دریا شبنمے
اس لیے کہ اس طوفان میں ساتوں سمندر ایک شبنم ہیں

---

[1] سلمیٰ ایک خاص معشوقہ کا نام تھا لیکن اب ہر معشوقہ کو سلمیٰ کہا جاتا ہے جیسا کہ لیلیٰ۔

[2] تاریک رات سے زلفیں مراد ہیں جن میں دل اپنا راستہ بھول گیا ہے

[3] اس دنیا میں شراب سے سکون مل سکتا ہے۔

[4] کوئی عقلمند عشق کی باریکیوں کو نہیں سمجھ سکتا ہے۔

[5] چگل، ترکستان میں ایک حسن خیز شہر ہے، مشہور ہے کہ کیخسرو کے دور میں رستم کا بھانجہ بیژن افراسیاب شاہِ توران کی بیٹی منیژہ پر عاشق ہوگیا افراسیاب نے موقعہ پاکر بیژن کو گرفتار کرلیا اور کنوئیں میں قید کردیا جب رستم کو پتہ چلا تو وہ تاجرانہ بھیس میں توران گیا اور بیژن کو چھڑا کر لایا اس شعر میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

[6] اس دنیا میں خاکسار نہیں رہے اب کسی نئے آدم سے نئی دنیا بنانی چاہیے۔

شد بہار و گذشت موسمِ دَے
موسم بہار ختم ہوگیا، اور دے کا مہینہ گذر گیا

آگہی گر ز چرخ و گردشِ وے
اگر تو آسمان، اور اس کی گردش سے باخبر ہے

سوئے[1] من یار آمد و بگذشت
یار میری جانب آیا، اور نکل گیا

رفت بر باد عمرِ من ہے ہے
ہائے ہائے، میری عمر برباد ہوگئی

زیرِ ایں قصر صد ہزار گذشت
اس محل کے نیچے، لاکھوں گذر گئے

ہمچو کاؤس و قیصر و جم و کے
کاؤس، اور قیصر، اور جمشید، اور کیخسرو جیسے

دل[2] بدنیا مبند اگر مردی
اگر تو مرد ہے، دنیا سے دل نہ لگا

زانکہ دنیاست لاشہ و لاشے
اس لیے کہ دنیا مردار، اور ہیچ ہے

زندگی یافتیم ز مے آرے
ہاں ہم نے شراب سے زندگی حاصل کی

وَ مِنَ الماءِ کُلُّ شیءٍ حَیّ
اور ہر زندہ، پانی ہی سے ہے

یار با ماست روز و شب حافظ
اے حافظ! یار دن رات ہمارے ساتھ ہے

ہمچو جانے کہ ہست در رگ و پے
اس جان کی طرح جو رگ، اور پٹھے میں ہے

شہر یست پُر ظریفاں از ہر طرف نگارے
ظریفوں سے شہر بھرا پڑا ہے، اور ہر جانب ایک معشوق ہے

یاراں صلائے عشق ست ار میکنید کارے
اے یارو! عشق کی پکار ہے، اگر کوئی کام کرو

چشمِ[4] فلک ندیدہ زیں خوبتر حریفے
اس سے زیادہ حسین دوست آسمان کی آنکھ نے نہیں دیکھا ہے

در دامِ کس نیفتد زیں خوب تر شکارے
اس سے بہتر شکار کسی کے جال میں نہ پھنسے گا

اے روئے خوبت از گل صد بار نازنینی
اے دوست تیرا چہرہ، پھول سے سوگنا نازنین ہے

یارب کہ رہ نیابد بر دامنِ تو خارے
خدا کرے تیرے دامن کی طرف، کانٹے کو راستہ نہ ملے

چشمے[5] کہ دیدہ باشد جسمے ز جاں مرکب
ایسا جسم جو جان سے بنا ہو کس کی آنکھ نے دیکھا ہوگا؟

بر دامنش مبادا زیں خاکداں غبارے
خدا کرے اس کے دامن پر اس خاکدان سے غبار نہ پڑے

چوں من شکستہ را از پیشِ خود چہ رانی
مجھ جیسے شکستہ کو اپنے سامنے سے تو کیوں بھگاتا ہے؟

کم[6] غایتِ تمنا بوسے ست یا کنارے
اس لیے کہ میری انتہائی تمنا، بوسہ ہے یا معانقہ

مے بیغش ست بشتاب وقتِ خوش ست دریاب
خالص شراب ہے جلدی کر، اچھا وقت ہے پالے

سالِ[7] دگر کہ دارد امیدِ نو بہارے
دوسرے سال نوبہار کی امید کون رکھتا ہے؟

چوں ایں گرہ کشائیم ویں راز وا نمائیم
میں کس طرح یہ گرہ کھولوں اور اس راز کو کس طرح ظاہر کردوں

دردے و صعب دردے کارے و سخت کارے
درد ہے اور سخت درد، کام ہے اور مشکل کام

در بوستاں حریفاں مانندِ لالہ و گل
یار لوگوں نے باغ میں لالہ و گل کی طرح

ہر یک گرفتہ جامے بر یادِ گلعذارے
ہر ایک نے جام تھام رکھا ہے کسی گل رخسار معشوق کی یاد میں

ہر تارِ[8] موئے حافظ در دستِ ترکِ شوخیست
حافظ کے بالوں کا ہر تار، ایک شوخ ترک کے ہاتھ میں ہے

مشکل تواں نشستن در ایں چنیں دیارے
اس جیسے وطن میں، بیٹھنا مشکل ہے

---

[1] یار میرے پاس سے ہوکر گذر گیا اور ہمارے پاس نہ ٹھہرا، گویا ہماری عمر برباد گئی۔

[2] دنیا سے دل نہ لگانا چاہیے اس نے سیکڑوں بڑے آدمیوں کو ہلاک کیا ہے۔

[3] شعر [illegible]

[4] میرے معشوق جیسا آج تک نہیں پیدا ہوا، اس سے زیادہ حسین شکار کسی کے جال میں نہیں پھنسا ہے۔

[5] اس کا جسم ہماری جان سے بنا ہے خدا اس کو مصائب سے بچائے۔

[6] کم، کہ مرا کا مخفف ہے یعنی میری تمنا صرف بوسہ و کنار ہے۔

[7] دوسرے موسم بہار تک کون جیتا ہے اسی موسم میں کام کرلے۔

[8] حافظ کا رونگٹا رونگٹا ایک شوخ معشوق کے ہاتھ میں ہے لہذا وہ چین سے کیسے بیٹھ سکتا ہے۔

صبا تو نکہتِ آں زلفِ مُشکبو داری
اے صبا! تو اس مشک جیسی خوشبو والی زلف کی خوشبو رکھتی ہے
بیادگار بمانی کہ بوئے او داری
تو یادگار رہے گی کیونکہ تو اس کی خوشبو رکھتی ہے

دلم کہ گوہرِ اسرارِ حسن و عشق در دست
میرا وہ دل، جس میں حسن اور عشق کے راز کے موتی ہیں
تواں بدستِ تو دادن گرش نکو داری
تیرے ہاتھ میں دیا جا سکتا ہے، اگر تو اسکو اچھی طرح رکھے

دراں شمائلِ مطبوع ہیچ نتواں گفت
ان پسندیدہ اخلاق کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے
جزایں قدر کہ رقیبانِ تند خو داری
اس کے علاوہ کہ تو بد مزاج نگہبان رکھتا ہے

نوائے بلبلت اے گل کجا پسند افتد
اے پھول! تجھے بلبل کی آواز کب پسند آئے گی؟
کہ گوشِ ہوش بمرغانِ ہرزہ گو داری
اس لیے کہ تیرا ہوش کا کان بیہودہ گو پرندوں کی طرف ہے

ز جرعۂ تو سرم مست گشت نوشت باد
تیرے ایک گھونٹ سے میرا سر مست ہو گیا، خدا کرے تیرے لئے خوشگوار ہو
خود از کدام خمست اینکہ در سبو داری
یہ کون سے مٹکے کی ہے، جو تیری ٹھلیا میں ہے؟

قبائے حسن فروشی ترا زیبد و بس
حسن فروشی کی قبا، صرف تجھے زیب دیتی ہے
کہ ہمچو گل ہمہ آئینِ رنگ و بو داری
اس لیے کہ تو پھول کی طرح رنگ اور خوشبو کے سب طریقے رکھتا ہے

زمانہ گر ہمہ مُشکِ ختن دہد بر باد
اگر زمانہ ختن کا سارا مشک برباد کر دے
فدائے تو کہ خط و خال مُشکبو داری
میں تجھ پر قربان کہ تو مشک کی خوشبو والے خط و خال رکھتا ہے

دم از ممالکِ خوبی چو آفتاب زدن
آفتاب کی طرح حسین غلاموں کا دم بھرنا
ترا رسد کہ غلامانِ ماہرو داری
تجھے پھبتا ہے، کیونکہ تو چاند جیسے چہرے والے غلام رکھتا ہے

بسر کشیِ خود اے سروِ جویبار مناز
اے نہر کے سرو! اپنی سربلندی پر ناز نہ کر
کہ گر باو رسی از شرم سر فرو داری
اس لیے کہ اگر تو اس کے پاس پہونچے گا شرم سے سر جھکا لیگا

دعاش گفتم و خنداں بزیرِ لب میگفت
میں نے اس کو دعا دی، اور وہ زیر لب مسکراتا ہوا کہہ رہا تھا
کہ کیستی تو و با ما چہ گفتگو داری
کہ تو کون ہے، اور تجھے ہم سے کیا کہنا ہے؟

ز کنجِ مدرسہ حافظ مجوئی گوہرِ عشق
اے حافظ! مدرسہ کے گوشہ میں عشق کا گوہر تلاش نہ کر
قدم بروں نہ اگر میلِ جستجو داری
اگر جستجو کی خواہش ہے تو باہر قدم نکال

صبحست و ژالہ میچکد از ابرِ بہمنی
صبح ہے، اور بہمن کے مہینے کے ابر سے برف برس رہی ہے
برگِ صبوح ساز و بدہ جامِ یکمنی
صبح کی شراب کا سامان تیار کر اور ایک من والا جام دے

در بحرِ مائی و منی افتادہ ام بیار
میں خودی اور انانیت کے سمندر میں پڑا ہوں، لا
مے تا خلاص بخشدم از مائی و منی
شراب، تاکہ وہ مجھے خودی اور انانیت سے نجات دیدے

خونِ پیالہ خور کہ حلالست خونِ او
پیالہ کا خون پی، اس لیے کہ اس کا خون حلال ہے
در کارِ یار کوش کہ کاریست کردنی
یار کے معاملہ میں کوشش کر، کیونکہ یہ کرنے کا کام ہے

گر صبحدم خمار ترا دردِ سر دہد
اگر تجھے خمار صبح کے وقت دردِ سر میں مبتلا کرے
پیشانیِ خمار ہماں بہ کہ بشکنی
یہی بہتر ہے کہ تو خمار کا سر پھوڑ دے

۱؎ چونکہ صبا میں محبوب کی زلف جیسی خوشبو ہے لہٰذا وہ یادگار رہیگی۔
۲؎ اس کی خوبیوں میں کوئی گفتگو کا موقع نہیں ہے بس اس قدر ہے کہ اس کے نگہبان سخت مزاج ہیں۔
۳؎ چونکہ محبوب غیار کی طرف متوجہ ہے تو ہماری کب سنے گا۔
۴؎ اگر زمانہ نے ختن کا مشک مفقود ہو جائے تو کوئی ہرج نہیں محبوب کے خد و خال کافی ہیں۔
۵؎ دوسرے ستاروں کی روشنی آفتاب کی عطا کردہ ہے لہٰذا وہ اگر حسن کا دعویٰ کرے تو اس کو حق ہے۔ اسی طرح معشوق بمنزلہ آفتاب کے ہے اور دوسرے حسین ستارے ہیں۔
۶؎ سرو محبوب کے سامنے جا کر اس کے قد کے مقابلہ میں شرما جائیگا۔
۷؎ عشق کا موتی مدرسہ سے باہر قدم نکالنے سے حاصل ہو سکیگا۔
۸؎ بہمن ایک فارسی مہینہ کا نام ہے، برگ: ساز و سامان۔ من: ایک سیر یا ڈھائی سیر کا ہوتا ہے۔
۹ شعر م

م کجز دیگ لحظہ بودن صد خطر در آستیں دارد ۔ خدا اجرے دہد مے را کہ بے ما میکند ما را ۱۰؎ خمار وہ اعضا شکنی ہے جو نشہ کے اترتے وقت ہوتی ہے یعنی خمار کو شراب سے دور کر۔

ساقی بہوش باش کہ غم در کمین ماست
اے ساقی ہوشیار! کیونکہ غم ہماری گھات میں ہے
مطرب نگاہ دار ہمیں رہ کہ میزنی
اے مطرب! اس سُر کا خیال رکھ جو تو گا رہا ہے

مے دہ کہ سر بگوش من آورد چنگ و گفت
شراب دے، اس لیے کہ چنگ، سر میرے کان کے پاس لائی اور کہا
خوش باش و پند بشنو ازیں پیر منحنی[1]
خوش رہ، اور اس کبڑے بوڑھے کی نصیحت سن لے

ساقی بہ[2] بے نیازیِ یزداں کہ مے بیار
اے ساقی! تجھے خدا کی بے نیازی کی قسم، شراب لا
تا بشنوی زصوتِ مغنّی ہُوَالغَنی
تاکہ تو مطرب کی آواز سے "وہ بے نیاز ہے" سنے

حافظ نہالِ قدِ تو در جویبارِ چشم
حافظ نے تیرے قد کے پودے کو آنکھوں کی نہر میں
خوں خورد و برنشاند و تو خواہی کہ برکنی
خون پیا، اور لگایا، اور تو چاہتا ہے کہ اکھیڑ دے

طفیلِ ہستیِ[3] عشقند آدمی و پری
آدمی، اور پری عشق کے وجود کا طفیل ہیں
ارادتے بنما تا سعادتے ببری
ارادت ظاہر کر، تاکہ تو سعادت حاصل کرے

چو مستعدِ نظر نیستی وصال مجوی
جبکہ تجھ میں دیکھنے کی استعداد نہیں ہے وصال ڈھونڈھ
کہ جامِ جم ندہد سود وقتِ بے بصری
اس لیے کہ نابینائی کے وقت جامِ جم فائدہ نہیں دیتا ہے

مۓ صبوح و شکر خوابِ صبحدم تا چند
صبوحی شراب، اور صبح کی میٹھی نیند کب تک؟
بعذرِ نیم شبی کوش و نالۂ سحری
آدھی رات کے وقت عذر، اور صبح کی گریہ وزاری کی کوشش کر

بوئے[4] زلف و رخت میروند و می آیند
تیری زلف کی خوشبو اور رخ کے پاس آتے جاتے ہیں
صبا بغالیہ سائی و گل بجلوہ گری
صبا خوشبو مہکانے کے لیے اور پھول جلوہ دکھانے کی وجہ سے

بکوش خواجہ و از عشق بے نصیب مباش
اے خواجہ! کوشش کر، اور عشق سے بے نصیب رہ
کہ بندہ را نخرد کس بہ عیب بے ہنری
اس لیے کہ بے ہنری کا عیب ہوتے ہوئے غلام کو کوئی نہیں خریدتا ہے

بیا و سلطنت از ما بخر بمایۂ حسن
آ، اور حسن کے سرمایہ کے بدلے ہم سے سلطنت خرید لے
ازیں معاملہ غافل مشو کہ حیف خوری
اس معاملے سے غافل نہ ہو، ورنہ افسوس کرے گا

دعائے[5] گوشہ نشیناں بلا بگرداند
گوشہ نشینوں کی دعا، مصیبت ٹال دیتی ہے
چرا بگوشۂ چشمے بما نمی نگری
کن انکھیوں سے، تو ہمیں کیوں نہیں دیکھتا ہے؟

مرا[6] ازیں ظلمات آنکہ رہنمائی کرد
جس نے میری ان تاریکیوں میں راہنمائی کی
دعائے نیم شبی بود و گریۂ سحری
وہ آدھی رات کی دعا، اور صبح کا رونا تھا

ز ہجر و وصلِ تو در حیرتم چہ چارہ کنم
میں حیران ہوں، تیرے ہجر اور وصل کی کیا تدبیر کروں؟
نہ در برابرِ چشمی نہ غائب از نظری
نہ تو آنکھوں کے سامنے ہے، نہ نظر سے غائب ہے

طریقِ[7] عشق طریقے عجب خطرناک ست
عشق کا راستہ عجب خطرناک راستہ ہے
نعوذ باللہ اگر رہ بمامنے نبری
خدا کی پناہ اگر تجھے کسی امن کی جگہ کا راستہ نہ ملے

ہزار جانِ گرامی بسوخت زیں غیرت
اس غیرت سے ہزاروں قیمتی جانیں جل گئیں
کہ ہر صباح و مسا شمع مجلسِ دگری
کہ تو ہر صبح و شام دوسرے کی مجلس کی شمع ہے

---

[1] پیر منحنی سے چنگ مراد ہے چونکہ وہ کبڑی ہوتی ہے اور چونکہ اس کا کنارہ مطرب کے کان کے پاس ہوتا ہے لہٰذا سر بگوش آورد کہا ہے

[2] خدا کی ذات بے نیاز ہے وہ ہماری شراب خوری پر کیا گرفت کرے گا، ہُوَالغَنی یعنی وہ اللہ بے نیاز ہے۔

[3] ایک حدیث میں آیا ہے خدائے تعالےٰ نے فرمایا، میری ذات ایک مخفی خزانہ تھی میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں، اسی پہچان کی خاطر جن و انس کو پیدا فرمایا

[4] یعنی صبا اور پھول کی آمد و رفت اس لیے ہے کہ صبا تیری زلف سے خوشبو حاصل کرے اور پھول تیرے رُخ سے جلوہ گری حاصل کرے۔

[5] ہماری طرف گوشۂ چشم سے التفات کر اور ہم گوشہ نشینوں کی دعائیں لے لے۔

[6] دنیا کی تاریکیوں سے مجھے دعا اور رونے نے نجات دی ہے۔

[7] اگر عشق کا راستہ کسی امن کی جگہ تک نہ پہنچائے تو پھر بہت ہی خطرے میں۔

چو۱ ہر خبر کہ شنیدم رہے بحیرت داشت
چونکہ میں نے جو خبر بھی سنی اس نے حیرت تک پہونچایا
ازیں سپس من و ساقی و وضعِ بیخبری
اس کے بعد میں ہوں گا، اور ساقی! اور بیخبری کی حالت

زمن بحضرتِ آصفؔ کہ می برد پیغام
میری جانب سے آصف کے دربار میں کون پیغام لیجاتا ہے؛
کہ۲ یاد گیرد دو مصرع ز من بلفظِ دری
کہ فارسی زبان کے میرے دو مصرعے یاد کرلے

بیا کہ وضعِ جہاں را چنانکہ می بینم
آ، دنیا کی حالت جیسی میں دیکھ رہا ہوں
گر امتحاں بکنی مے خوری و غم نخوری
اگر تو آزمائیگا تو شراب پیے گا اور غم نہ کھائے گا

کلاہِ سروریت کج مباد بر سرِ حسن
حسن کے سر پر تیری بادشاہی کی ٹوپی ٹیڑھی نہ ہو
کہ زیبِ تخت و سزاوارِ بخت و تاجِ سری
اس لیے کہ تو تخت کی زینت اور اقبال کے لائق اور سر کا تاج ہے

بہ یُمنِ ہمّتِ حافظ امید ہست کہ باز
حافظ کی باطنی توجہ کی برکت سے امید ہے کہ پھر

اَرٰی اُسَامِرُ لَیْلَایَ لَیْلَۃَ الْقَمَرِ
میں اپنی لیلیٰ سے، چاندنی رات میں قصہ گوئی کرتے ہوئے دیکھوں گا

عمر بگذشت۳ بہ بیحاصلی و بو الہوسی
ناکامی، اور بوالہوسی میں زندگی بیت گئی
اے پسر جامِ مَیَم دہ کہ بہ پیری برسی
لے لڑکے! مجھے شراب کا جام دے تاکہ تو بڑھاپے کو پہونچے

چہ شکر۴ ہاست دریں شہر کہ قانع شدہ اند
اس شہر میں کیا مٹھاس ہے، کہ قانع ہوگئے ہیں
شاہبازانِ طریقت بہ شکارِ مگسی
طریقت کے شاہباز مکھی کے شکار پر

بال بکشا و صفیر از شجرِ طوبیٰ زن
پر کھول اور، طوبیٰ کے درخت سے چہچہا
حیف باشد چو تو مرغے۵ کہ اسیرِ قفسی
افسوس ہے کہ تجھ جیسا پرندہ قفس کا قیدی ہے

کارواں۶ رفت و تو در خواب و بیابان در پیش
قافلہ چلا گیا اور تو سویا ہے، اور گھات کی جگہ سامنے ہے
وہ کہ بس بیخبر از غلغلِ بانگِ جرسی
افسوس ہے کہ تو گھنٹے کی آواز کے شور سے بہت بیخبر ہے

دوش۷ در خیلِ غلامانِ درش میرفتم
کل میں اس کے در کے نوکروں کے گروہ میں جا رہا تھا
گفت کاے بیکس و بیچارہ تو یارِ چہ کسی
اس نے کہا کہ اے بے کس اور بے چارے تو کس کا دوست ہے؟

تا چو مجمر۸ نفسے دامنِ جاناں گیرم
تاکہ انگیٹھی کی طرح تھوڑی دیر کے لئے معشوق کا دامن پکڑ لوں
دل بر آتش بنہادم زپئے خوش نفسی
میں نے دل کو آگ پر رکھدیا، سانس کو خوشبودار بنانے کے لئے

لَمَعَ الْبَرْقُ مِنَ الطُّوْرِ وَ اٰنَسْتُ بِہٖ
طور سے بجلی چمکی اور میں نے وہ دیکھی
فَلَعَلِّیْ لَکَ اٰتِیْ بِشِہَابٍ قَبَسٍ
پس، شاید کہ میں تیرے لیے ایک شعلہ لے آؤں

با دلِ۹ خوں شدہ چوں نافہ خوشش باید بود
نافہ کی طرح خوں شدہ دل پر اسکو خوش ہونا چاہیے
ہر کہ مشہورِ جہاں گشت بہ مشکیں نفسی
جو دنیا میں مشک جیسے سانس میں مشہور ہوگیا ہو

چند پوید بہوائے تو ز ہر سو حافظ
حافظ، ہر جانب سے تیرے عشق میں کتنا دوڑے

یَسَّرَ اللّٰہُ طَرِیْقًا بِکَ یَا مُلْتَمَسِیْ
اے میرے مدعیٰ! خدا تیری طرف راستہ کو آسان کردے

۱ دنیا کی باتیں مجھے حیرت میں ڈالدیتی ہیں اب شراب پیکر اپنے آپ کو بیخبر بناؤنگا۔
۲ وہ فارسی کے دونوں مصرعے اگلے شعر میں مذکور ہیں۔
۳ حاصلِ زندگی شراب نوشی ہے۔ دوسرے مصرع میں ساقی کے لیے دعا ہے۔
۴ معلوم نہیں دنیا میں کیا مٹھاس ہے کہ بڑے بڑے صوفیا اس میں پھنسے ہیں۔
۵ مُرغ سے مراد روح ہے یعنی جسم کے پنجرے سے نکل اور طوبیٰ جو جنّت کا درخت ہے اس پر پہونچ۔
۶ ساتھی چلے جا رہے ہیں اور تو خوابِ غفلت میں سوا پڑا ہے۔
۷ میں کل اس کے غلاموں کے ہمراہ جا رہا تھا تو بطور تجاہلِ عارفانہ مجھ سے دریافت کرنے لگا تو کس کا عاشق ہے۔
۸ انگیٹھی کی آگ پر خوشبو ڈالی جاتی ہے تاکہ وہ مہکے میں نے بھی دل کو آتشِ عشق پر رکھدیا ہے تاکہ اسمیں مہک پیدا ہو۔
۹ خون جلتا ہے تو جب نافہ میں مُشک بنتا ہے لہذا ہر بڑے کو خون جلانا پڑتا ہے۔ ۱۰ آصف سے عماد بن محمود وزیر قطب الدین مراد ہے۔

(۲۷)

كَتَبْتُ قِصَّةَ شَوْقِي وَمَدْمَعِي بَاكٍ[۱]
میں نے اپنے عشق کا قصہ لکھا، اور میری آنکھیں رو رہی ہیں

بیا کہ بے تو بجاں آمدم زغمناکی
آجا، اس لیے کہ تیرے بغیر غم کی وجہ سے جان سے عاجز ہوں

بسا کہ گفتہ ام از شوق با دو دیدۂ خویش
بسا اوقات میں نے اپنی دونوں آنکھوں سے ازروئے شوق کہا ہے

اَیَا مَنَازِلَ سَلْمٰی وَاَیْنَ سَلْمَاكِ
اے سلمیٰ کے مقامات، اور تیری سلمیٰ کہاں ہے؟

عجیب[۲] واقعہ و بس غریب حادثہ ایست
عجیب واقعہ، اور بہت نادر حادثہ ہے

اَنَا اضْطَرَبْتُ قَتِیْلًا وَقَاتِلِیْ شَاكٍ
میں قتل ہو کر تڑپا، اور میرا قاتل شاکی ہے

کرا رسد[۳] کہ کند عیب دامنِ پاکت
کس کی طاقت ہے، کہ تیرے پاک دامن پر عیب لگائے

کہ ہمچو قطرہ کہ بر برگِ گل چکد پاکی
اس لیے کہ تو اس قطرے کی طرح جو پھول کی پتی پر ٹپکے پاک ہے

زخاکِ[۴] پائے تو داد آبروئے لالہ و گل
تیرے پیروں کی خاک سے، لالہ اور گل کو آبرو دی

چو کلکِ صنع رقم زد ز آبی و خاکی
جب قدرت کے قلم نے آبی اور خاکی کا نقش بنایا

صبا عبیر فشاں گشت ساقیا برخیز
اے ساقی اٹھ صبا عبیر چھڑکنے والی بن گئی ہے

وَهَاتِ شَمْسَةَ کَرْمٍ مُطَیَّبٍ زَاكٍ
اور پاک وصاف انگور کی شراب لا

اثر نماند ز من بے شمائلت آرے
تیری صورت کے بغیر، میرا نشان نہ رہا، ہاں

اَرٰی مَآثِرَ مَحْیَایَ مِنْ مُحَیَّاكِ
میں اپنی زندگی کے نشان تیری صورت سے سمجھتا ہوں

دَعِ التَّکَاسُلَ تَغْنَمْ فَقَدْ جَرٰی مَثَلٌ[۵]
سستی چھوڑ دے، مال غنیمت حاصل کریگا اسلیے کہ مثل مشہور ہے

کہ زادِ راہروان چستی ست و چالاکی
کہ مسافروں کا توشہ، چستی اور چالاکی ہے

بآبروئے گل و خاکِ پائے سرو کہ نیست
پھول کی آبرو، اور سرو کے پیروں کی خاک کی قسم کہ نہیں ہے

چنیں بدیع جمالے ز آبی و خاکی
ایسے عمدہ جمال والا، آبی اور خاکی میں

ز وصفِ حُسنِ تو حافظ چگونہ نطق زند
حافظ تیرے حسن کی خوبیوں کو کس طرح بیان کرے؟

کہ چوں صفاتِ الٰہی ورائے ادراکی[۶]
تو خدائی صفات کی طرح، ادراک سے پرے ہے

کہ برد بنزدِ شاہاں زمنِ گدا پیامے
مجھ فقیر کا بادشاہوں کے پاس کون پیام لے جائے

کہ بکوئے مے فروشاں دو ہزار جم[۷] بجامے
کہ شراب فروشوں کے کوچہ میں دو ہزار جمشید ایک جام کے ہیں

اگر ایں شراب خام[۸] ست اگر آں حریف پختہ
اگر یہ شراب کچی ہے، اگر وہ رقیب پختہ ہے

بہزار بار بہتر ز ہزار پختہ خامے
ایک کچا ہزار بار، ہزار پختہ سے بہتر ہے

شدہ ام خراب و بدنام و ہنوز امیدوارم
میں برباد اور بدنام ہو گیا ہوں، اور اب بھی امیدوار ہوں

کہ ز بد خلاص یابم بدعائے نیکنامے
کہ کسی نیکنام کی دعا کے ذریعہ، بدی سے نجات پا جاؤں

تو کہ کیمیا[۹] فروشی نظرے بقلبِ ما کن
تو جو کہ کیمیا فروش ہے، ہمارے قلب پر ایک نظر ڈال دے

کہ بضاعتے نداریم و فگندہ ایم دامے
اس لیے کہ ہم کوئی سرمایہ تو رکھتے نہیں ہیں اور ہم نے جال بچھا دیا ہے

بکجا برم[۱۰] شکایت بکہ گویم ایں حکایت
شکایت کہاں لیجاؤں، یہ حکایت کس سے کہوں

کہ لبت حیاتِ ما بود و نداشتی دوامے
کہ تیرے ہونٹ ہماری زندگی تھے اور تجھے ٹکاؤ نہ ہوا

---

۱ میں نے روتے ہوئے اس کو اپنے شوق کا حال لکھا، اور لکھا کہ اب آجا۔

۲ محبوب نے ہمیں قتل تک کر ڈالا لیکن پھر بھی اس کی شکایتیں رفع نہ ہوئیں۔

۳ تو اس قطرۂ شبنم کی طرح پاک صاف ہے جو پھول کی پتی پر ہوتا ہے

۴ آدم کا پتلا پانی اور مٹی سے بنایا گیا لہٰذا انسان آبی اور خاکی ہے۔

۵ انسان چستی اور چالاکی ہی سے کچھ حاصل کر سکتا ہے سست محروم رہتا ہے۔

۶ جس طرح خدا کی صفتوں کا عقل ادراک نہیں کر سکتی ہے اسی طرح تیری خوبیاں بھی ہیں لہٰذا ان کی تعریف ممکن نہیں ہے۔

۷ شراب فروشوں کے کوچہ میں دو ہزار جمشید وں کی قیمت ایک جام ہے۔

۸ کچی شراب پختہ رقیب سے ہزار گنا بہتر ہے۔

۹ ایک نظر ڈال کر ہمارے دل کی حالت بدل دے۔

۱۰ مجھے یہ شکایت ہے کہ تیرے ہونٹوں سے میری زندگی وابستہ تھی لیکن تو نے وفاداری سے کام نہیں لیا۔

عجب از وفائے جاناں کہ تفقدے نفرمود — نہ بہ نامہ و پیامے نہ بپرسش و سلامے

معشوق کی وفاداری پر تعجب ہے، کہ مہربانی نہ فرمائی — نہ تو نامہ و پیام سے، نہ پرسش اور سلام سے

بروید پارسایاں کہ نماند پارسائی[1] — مے ناب درکشیدیم و نماند ننگ و نامے

اے نیکو! چلے جاؤ، اس لیے کہ نیکی ختم ہوگئی — ہم نے خالص شراب پی لی، اور ننگ و نام نہیں رہا

زرہم میفگن اے شیخ تو بدانہائے تسبیح[2] — کہ چو مرغ زیرک افتد نفتد بہیچ دامے

اے شیخ! تسبیح کے دانوں سے تو مجھے راستہ سے نہ ہٹا — اس لیے کہ سمجھدار پرند جب اترتا ہے تو کسی جال میں نہیں پھنستا ہے

سر خدمت تو دارم بخرم بہیچ و مفروش — کہ چو بندہ کمتر افتد بمبارکی غلامے

مجھے تیری خدمتگذاری کا خیال ہے، مجھے مفت لے لے اور نہ بیچ — اس لیے کہ بندہ کی طرح مبارک ہونے میں کوئی غلام کم ہوگا

بکشائی تیر مژگان و بریز خون حافظ[3]

تو پلکوں کے تیر چلادے، اور حافظ کا خون بہا دے

کہ چناں کشندہ را نکشد کس انتقامے

اس لیے کہ ایسے قاتل سے کوئی بدلہ نہیں لیتا

گفتند خلائق کہ توئی یوسف ثانی[4] — چوں نیک بدیدم بحقیقت بہ ازانی

لوگوں نے کہا، تو یوسف ثانی ہے — جب میں نے خوب دیکھا، تو حقیقتاً تو اس سے بہتر ہے

در عشق توام شہرہ چو فرہاد و عجب نیست — اے خسرو خوباں کہ تو شیرین زمانی

میں تیرے عشق میں فرہاد کی طرح مشہور ہوں اور تعجب نہیں ہے — اے حسینوں کے بادشاہ تو اپنے زمانہ کی شیریں ہے

تشبیہ دہانت نتواں کرد بہ غنچہ[5] — ہرگز نبود غنچہ بایں تنگ دہانی

تیرے منہ کو غنچہ سے تشبیہ نہیں دی جا سکتی ہے — غنچہ ایسا تنگ دہن کبھی نہیں ہوسکتا ہے

صد بار بگفتی کہ دہم زاں دہنت کام — چوں سوسن آزاد چرا جملہ زبانی

تو نے سو بار کہا کہ اس منہ سے تیرا مقصد پورا کر دوں گا — آزاد سوسن کی طرح، تو مجسم زبان کیوں ہے؟

گفتی کہ دہم کامت و جانت بستانم — ترسم ندہی کامم و جانم بستانی

تو نے کہا، تیرا مقصد پورا کر دوں گا، اور تیری جان لے لونگا — مجھے ڈر ہے، تو میرا مقصد پورا نہ کریگا اور میری جان لے گا

چشم[6] تو خدنگ از سپر جاں گذرانید — بیمار کہ دیدہ است بایں سخت کمانی

تیری آنکھ نے، تیر، جان کی ڈھال کے پار کر دیا — ایسی سخت کمان والا بیمار، کس نے دیکھا ہے؟

چوں[7] اشک بیندازیش از دیدۂ مردم — آنرا کہ دمے از نظر خویش برانی

آنسوؤں کی طرح، تو اس کو لوگوں کی نظروں سے گرا دیتا ہے — جس کو تھوڑی دیر کے لئے، تو اپنی نظر سے ہٹا دے

گر سرو بماند از قد و رفتار تو بر پائے — بخرام کہ از سرو گذشتی بروانی

اگر سرو تیرے قد اور رفتار کے سامنے ٹھہرا رہ گیا — تو تو ٹہل، اس لیے کہ تو روانی میں سرو سے بڑھ گیا ہے

در راہ تو عاشق چو قلم کرد ز سر پائے[8] — چوں نامہ چرا یکدمش از لطف نخوانی

عاشق نے تیرے راستہ میں قلم کی طرح، سر کو پیر بنا لیا — تو مہربانی سے تھوڑی دیر کے لئے اس کو خط کی طرح کیوں نہیں پڑھتا ہے؟

حافظ[9] بجفا از تو شکایت ننماید — زاں رو کہ بہر جور تو لطفیست نہانی

حافظ، تیرے ظلم کی شکایت نہیں کرتا ہے — اس لیے کہ تیرے ہر ظلم میں، ایک چھپی ہوئی مہربانی ہے

---

[1] اب میں نے شراب پی کر پارسائی اور ننگ و نام کا معاملہ ختم کر دیا لہذا میرے پاس اب پارساؤں کا کوئی کام نہیں ہے۔

[2] اے شیخ میں تیری تسبیح کے دانوں سے تیرے جال میں نہیں پھنس سکتا ہوں میں ایک مُرغ زیرک ہوں۔

[3] تجھ جیسے قاتل کو بدلہ میں قتل نہیں کیا جا سکتا ہے لہذا تو بے تأمل مجھے قتل کر دے۔

[4] لوگ تجھے یوسف ثانی کہتے ہیں لیکن جب میں نے غور سے دیکھا تو تو یوسف سے بڑھ کر ہے۔

[5] لوگ تیرے منہ کو غنچہ سے تشبیہ دیتے ہیں لیکن یہ غلط ہے ایسی تنگ دہنی اسکو میسر نہیں ہے۔

[6] تیری آنکھیں بیمار ہیں لیکن بڑی سخت کمان والی ہیں، تیری آنکھ کا تیر ڈھال کو پار کر گیا۔

[7] جس کو تو نظر سے گرا دے وہ آنسوؤں کی طرح لوگوں کی نظر سے گر جاتا ہے۔

[8] قلم سر کے بل چلتا ہے، خط کو ہر آدمی قریب سے پڑھتا ہے۔

[9] جب تیرے ظلم میں بھی کرم ہے تو حافظ شکوہ کیسے کرے۔

از پیش مراں حافظِ غمدیدهٔ خود را
اپنے غمزدہ حافظ کو، سامنے سے نہ ہٹا

کز عشقِ رخت داد دل و دین و جوانی
اسلیے کہ اُس نے تیرے رخ کے عشق میں، دل اور دین اور جوانی دیدی ہے

گذشتی بر منِ[۱] غمدیده از راہِ جفا کاری
مجھ غمزدہ پر تو از روئے جفا کاری گذرا

بلے تو عمری و بر عمر کے باشد وفاداری
ہاں تو زندگی ہے، اور زندگی میں وفاداری کب ہوتی ہے؟

رقیبے[۲] در پئے آزارِ جانِ ماست واویلا
ہائے افسوس! رقیب ہماری جان کے درپے آزار ہے

سگِ کوئے تو پیدا کرد خوئے مردم آزاری
تیرے کوچہ کے کتے نے مردم آزاری کی عادت بنالی ہے

خطا باشد بدورِ عارض و زلفینِ او گفتن
اس کے رخسار اور دونوں زلفوں کے دور میں غلط ہو گا کرنا

سخن از لُعبتانِ چینی و از مُشکِ تاتاری
باتیں چینی گڑیوں، اور تاتاری مشک کی

بدہ[۳] ساقی مے نابم کہ یکدم بیخبر گردم
اے ساقی مجھے خالص شراب دے، تاکہ فوراً بیخود ہو جاؤں

کہ جانم بر لب آمد از تکلفہائے ہشیاری
کیونکہ ہوش کی تکلیفوں سے، میری جان ہونٹوں پر آگئی ہے

تو خواہی خونِ ما ریزی و خواہی لطف و احساں کن
تو خواہ ہمارا خون بہائے، خواہ مہربانی اور احسان کرے

عنانِ اختیارِ ما بدستِ تست و مختاری
ہمارے اختیار کی باگ تیرے ہاتھ میں ہے اور تو مختار ہے

گشتہ[۴] از آتشِ مے عارضِ تو گل وارے
شراب کی آگ سے تیرا رخسار پھول جیسا ہو گیا

چوں ننالم منِ دل سوختہ بلبل وارے
میں دل جلا، بلبل کی طرح کیسے نالہ نہ کروں

دلبرا بر[۵] رخِ زیبائے تو آں زلفِ سیاہ
اے دلبر! تیرے حسین رخ پر، وہ کالی زلف

سایہ بر سمن انداختہ سنبل وارے
سمن پر سنبل کی طرح سایہ ڈالے ہوئے ہے

وائے آنکس کہ ننوشد مے و رندی نکند
اس شخص پر افسوس ہے، جو شراب نہ پئے اور رندی نہ کرے

شیشۂ مے چو صلا بر زدہ ات قُل وارے
جبکہ شراب کی بوتل نے تجھکو شراب کی طرح آواز دی ہے

میکند قمریِ محنت زدہ در گوشۂ باغ
مصیبت زدہ قمری، باغ کے گوشہ میں نالہ کرتی ہے

از غمِ لالہ و گل نالۂ بلبل وارے
لالہ اور پھول کے غم میں بلبل کی طرح

ظاہر[۶] آنست کہ از بہرِ پریشانیِ ماست
یہ ظاہر ہے کہ ہماری پریشانی کے لیے

حلقہ حلقہ شدہ آن زلفِ تسلسل وارے
وہ سلسلہ دار زلف، حلقہ در حلقہ ہوئی ہے

کے شود نیم نفس چو تو گدائے حافظ
اے حافظ! تجھ جیسا نیم جاں گدا کب بن سکتا ہے؟

بادشاہے کہ بود اہلِ تجمل وارے
وہ بادشاہ جو شان و شوکت والوں کی طرح ہے

لبش[۷] می بوسم و در میکشم مے
میں اس کے ہونٹوں کا بوسہ لیتا ہوں اور شراب پیتا ہوں

بآبِ زندگانی بردہ ام پے
مجھے آبِ حیات کا پتہ لگ گیا ہے

---

[۱] محبوب میری زندگی ہے اور زندگی گذرنیوالی چیز ہے اس سے وفا کی امید غلط ہے۔

[۲] رقیب کتا ہے اور بعض کتے مردم آزار ہوجاتے ہیں۔

[۳] دنیا کی تکالیف سے عاجز ہوں شراب بے مدہوش کردے۔

[۴] شراب پی کر معشوق کا چہرہ گل کی طرح چمک اُٹھا تو میں بلبل جیسے نالے کیوں نہ کروں۔

[۵] چہرے کو سمن اور زلفوں کو سنبل قرار دیا ہے۔

[۶] زلفیں ہماری پریشانی میں اضافہ کرنے کے لئے گرہ در گرہ ہوتی ہیں۔

[۷] آبِ زندگانی یہی ہے کہ معشوق کے ہونٹوں کو بوسہ دیا جائے اور شراب پی جائے۔

نہ رازش می توانم گفت باکس
میں نہ اس کا راز کسی سے کہہ سکتا ہوں

نہ کس را میتوانم دید باوے
نہ اس کے ساتھ، میں کسی کو دیکھ سکتا ہوں

گُل[1] از خلوت بباغ آورد مسند
پھول، خلوت سے باغ میں مسند لے آیا

بساطِ زہد را چوں غنچہ کن طے
زہد کے بستر کو غنچہ کی طرح لپیٹ دے

بدہ[2] جامِ مے واز جم مکن یاد
شراب کا جام دے، اور جمشید کو یاد نہ کر

کہ میداند کہ جم کے بود و کے کے
کون جانتا ہے کہ جمشید کب تھا اور کیخسرو کب تھا؟

بزن بر چنگ چنگ اے ماہِ مُطرب
اے چاند جیسے مُطرب! چنگ پر چنگل مار

رگش بخراش تا بخروشم از وے
اس کے تار کو حرکت دے تاکہ میں اس سے خروش میں آؤں

چو چشمت[3] مست را مخمور مگذار
اپنی آنکھوں جیسے مست کو اعضا شکنی میں نہ چھوڑ

بیادِ لعلش اے ساقی بدہ مے
اس کے ہونٹوں کی یاد پر اے ساقی شراب دے

نجوید[4] جاں از آں قالب جدائی
اس جسم سے، جان، جدائی نہیں چاہتی ہے

کہ باشد خونِ جامش در رگ وپے
جس کے رگ وپے میں جام کا خون ہو

لبش[5] می بوسم وخوں میخورد جام
میں اس کے ہونٹ کو بوسہ دیتا ہوں، اور جام خون پیتا ہے

رخش می بینم وگُل میکند خوے
میں اس کا رخسار دیکھتا ہوں اور پھول کو پسینہ آتا ہے

چو مُرغِ[6] باغ میگوید کہ ہُو ہُو
جب باغ کا پرند ہُو ہُو کہے

مدہ از دست جامِ بادہ ہے ہے
ہائے ہائے، تو ہاتھ سے شراب کا جام نہ چھوڑ

چو مجنوں در پئے دیدارِ لیلےٰ
لیلےٰ کے دیدار کی خواہش میں مجنوں کی طرح

ببایدگشتن اے دل گردِ ہر حے
ہر قبیلہ کے گرد، اے دل اگر دش کرنی چاہیے

تو با سلطانِ گُل خوش باش ومے نوش
تو پھول کے بادشاہ کے ساتھ خوش رہ اور مے نوشی کر

غنیمت داں خلاصِ بہمن از دے
بہمن کے دے سے نجات پانے کو غنیمت سمجھ

زبانت درکش اے حافظ زمانے
تھوڑی دیر کے لئے اے حافظ! اپنی زبان بند کرلے

حدیثِ بے زباں را بشنواز نے
بانسری سے، بے زبان کی بات سُن لے

مخمورِ جامِ عشقم ساقی بدہ شرابے
اے ساقی شراب دے، میں جامِ عشق سے خمار میں ہوں

پُر کن قدح کہ بے مے مجلس ندارد آبے
پیالہ بھر دے اس لیے کہ شراب کے بغیر مجلس پر رونق نہیں ہوتی ہے

عشقِ رُخِ چو ماہش در پردہ[8] است ناید
اس کے چاند جیسے رخسار کا عشق در پردہ ٹھیک نہیں لگتا

مُطرب بزن نوائے ساقی بدہ شرابے
اے مُطرب! ساز بجا، اے ساقی! شراب دے

شد[9] قامتم چو حلقہ تا بعد ازیں رقیبت
میرا قد حلقہ کی طرح ہوگیا تاکہ رقیب اس کے بعد

زیں در دِگر نراند مارا بہیچ بابے
ہمیں پھر اس دروازے سے دوسرے در کی طرف نہ بھگائے

چوں آفتابِ رویش در دیدہ می نگنجد
جبکہ اس کے چہرے کا سورج آنکھوں میں نہیں سماتا ہے

اے دل چہ سود داری در دیدہ اضطرابے
اے دل! آنکھوں کے اضطراب سے تجھے کیا فائدہ ہے؟

---

[1] موسم بہار آگیا ہے اب غنچے کی طرح زہد کی بساط کو طے کرکے رندی شروع کرنی چاہئے۔

[2] نہ اب کسی کو معلوم کہ جمشید کب ہوا تھا اور کیخسرو کس زمانہ کا بادشاہ تھا لہٰذا اس دنیا کی ناپائداری کے پیش نظر شراب نوشی مناسب ہے۔

[3] مست وہ ہے جس پر شراب کا نشہ چڑھا ہوا ہو، مخمور وہ ہے جس پر نشہ کا اتار ہو۔

[4] جو شخص شراب سے سیراب ہوتا ہے اسکی رُوح جسم کو چھوڑنا نہیں چاہتی ہے۔

[5] میں اس کے لب کا بوسہ لیتا ہوں تو جام کو رشک پیدا ہوتا ہے اس کے رُخ کو دیکھتا ہوں تو پھول شرمندگی سے پسینہ پسینہ ہوتا ہے۔

[6] یعنی جب موسم بہار میں پرند چہچہانے لگیں تو شراب کا پیالہ ہاتھ میں رہنا چاہئے۔

[7] شعر
بشنو از نے چوں حکایت میکند
وز جدائی ہا شکایت میکند

[8] در پردہ عشق زیادہ بہتر نہیں ہے کھل کر رندی ہونی چاہئے

[9] میں کبڑا ہوگیا ہوں اور میرا قد حلقہ کی طرح ہوگیا ہے تاکہ حلقہ در سمجھا جاؤں اور رقیب در سے نہ بھگائے۔

در انتظارِ رویت ماؤ امیدواری	**وز عشوۂ لبانت ماؤ خیالِ خوابے**
تیرے چہرے کے انتظار میں ہم ہیں اور امیدواری	اور تیرے ہونٹوں کی ادا کا خواب و خیال ہے اور ہم
دست غرض میالائی بر کاسہ کہ دانی	**انجام کار نبود از وے امید آبے**
تو غرض کا ہاتھ آلودہ نہ کر ایسے پیالہ پر، جس کے بارے میں تو جانتا ہے	کہ انجام کار، اس سے پانی کی امید نہیں ہے

حافظ چہ می نہی تو دل بر وصالِ جاناں
اے حافظ! محبوب کے وصال پر تو کیا دل لگاتا ہے؟

کے تشنہ سیر گردد از لمعۂ سرابے
پیاسہ، سراب کی چمک سے کب سیراب ہوتا ہے؟

منم وآں زلف چوں زنجیر مارے	**پریشاں حال و رُو دیوانہ وارے**
میں ہوں، اور وہ زلف زنجیر جیسا سانپ	پریشان حال، اور دیوانوں جیسا چہرہ
بغیر از عاشقی و مے پرستی	**ز دستم بر نیاید ہیچ کارے**
مے پرستی، اور عاشقی کے سوا	میرے ہاتھ سے کوئی کام نہیں بنتا ہے
نگردد گردِ او غم ہر کہ بگرفت	**چو چشمش گوشۂ از کنجِ غارے**
غم اس کے پاس کبھی نہیں آ سکتا جس نے اختیار کر لیا	اس کی آنکھوں کی طرح، غار کا گوشہ
زبارانِ سرشک از چشمِ پُر خوں	**حریمِ کوئے او شد لالہ زارے**
پُر خون آنکھوں کے آنسوؤں کی بارش سے	اس کے کوچہ کا صحن، لالہ زار بن گیا ہے
دریں صحرائے غم چوں گردبادم	**ہمیشہ بیقرارے خاکسارے**
اس غم کے جنگل میں میں، بگولے کی طرح ہوں	ہمیشہ ایک بے قرار، خاکسار
دریں گلشن ندیدم جانبِ گُل	**کز و دریائے دل نشکستہ خارے**
اس چمن میں میں نے ایک پھول نہیں دیکھا	جس کی وجہ سے دل کے پیر میں کانٹا نہ ٹوٹ گیا ہو

نباشد ہیچ عاشق ہمچو حافظ
کوئی عاشق حافظ کی طرح نہ ہوگا

فقیرے بیکسے بے اعتبارے
فقیر، بے کس، بے اعتبار

ماتیم و غمِ عشقِ جوانے و خیالے	**وز ماہِ رُخش گشتہ تنم ہمچو ہلالے**
ہم ہیں اور ایک جوان کے عشق کا غم اور ایک خیال	اور اس کے رُخ کے چاند سے، میرا جسم ہلال کی طرح ہوگیا ہے
با محنتِ ہجر تو شب و روز قرینم	**تا با تو کجا دست دہد روزِ وصالے**
میں دن رات تیرے ہجر کی تکلیف کا ساتھی ہوں	دیکھئے! تیرے وصال کا دن کب میسر آئے؟
احوالِ مرا عرضہ کنی پیشِ نگارم	**اے بادِ صبا گر بود آنجات مجالے**
میرے احوال، میرے محبوب پر پیش کر دینا	اے بادِ صبا، اگر اس جگہ تیرا گذر ہو
ور زانکہ زحالِ منِ بیچارہ بپرسد	**گو از غمِ ہجرانِ تو گشتہ ست خلالے**
اور اگر وہ مجھ بے چارے کا حال پوچھے	کہہ دینا تیرے فراق کے غم میں تنکا بن گیا ہے

ملا شعر
در زلف تابدار او بچشم اشکبار من
بپیچم کہ اندر وے شکستہ ماند مارا

ملا چونکہ میں اس کے کوچہ میں خون کے آنسو روتا پھرتا ہوں لہٰذا اس کا کوچہ لالہ زار بنا ہوا ہے۔

ملا جس معشوق سے بھی محبت کی ہے لامحالہ تکلیف اٹھانی پڑی ہے۔

ملا فی الحال تو شب و روز ہجر میں مبتلا ہوں اب دیکھئے وصال کا دن کب آتا ہے۔

ہرکسؒ زجہاں منصب و مالے طلبیدہ
ہر شخص نے دنیا میں مرتبہ اور مال کی طلب کی ہے
مارا غمِ عشقِ تو بہ از منصب و مالے
ہمارے لئے تیرے عشق کا غم، مرتبہ اور مال سے بہتر ہے

حقّا کہ نخواہیم بدنیاؤ بہ عقبےٰ
سچی بات یہ ہے کہ ہم دنیا اور عقبیٰ کے بدلے میں نہیں چاہتے ہیں
جز خاکِ سرِ کوئے تو مالے و منالے
کوئی مال و دولت سوائے تیرے کوچہ کی خاک کے

گفتم بجہاں آرزوئے وصلِ تو دارم
میں نے کہا دنیا کے بدلے تیرے وصل کی آرزو رکھتا ہوں

گفتا چہ کنی حافظ سودائے محالے
اس نے کہا اے حافظ تو ایک ناممکن چیز کا خیال کیا کرتا ہے؟

مےؔ خواہ و گُل افشاں کن از دہر چہ میجوئی
شراب مانگ اور پھول چھڑک۔ زمانہ سے کیا تلاش کرتا ہے؟
ایں گفت سحر گہ گل بلبل تو چہ میگوئی
پھول نے صبح کے وقت یہ کہا، بلبل تو کیا کہتی ہے؟

مسندؔ بگلستاں بر تا شاہد و ساقی را
مسند باغ میں بچھا، تاکہ تو معشوق اور ساقی کا
لب گیری و رُخ بوسی مے نوشی و گل بوئی
ہونٹ پکڑے، چہرہ چومے، شراب پئے اور پھول سونگھے

شمشادؔ خراماں کن آہنگِ گلستاں کن
شمشاد کو ٹہلا، گلستاں کا ارادہ کر
تا سرو بیاموزد از قدِ تو دلجوئی
تاکہ سرو تیرے قد سے دلجوئی سیکھ لے

اے غنچۂؔ خندانت دولت بکہ خواہد بود
اے مسکراتے غنچے! تیری دولت کس کو حاصل ہوگی؟
اے شاخِ گُلِ رعنا از بہر کہ میروئی
اے حسین پھول کی شاخ! تو کس کے لئے اُگ رہی ہے؟

امروز کہ بازارت پُر جوشِ خریدارست
آج جبکہ تیرا بازار، خریداروں سے پرجوش ہے
دریاب و بنہ گنجے از مایۂ نیکوئی
غنیمت سمجھ اور بھلائی کے سرمایہ سے خزانہ جمع کرلے

آںؔ طرہ کہ ہر مویش صد نافۂ چیں ارزد
وہ زلف جس کا ہر بال چین کے سو نافوں کی قیمت کا ہے
خوش بودے اگر بودے بوئیش ز خوشخوئی
کیا اچھا ہوتا، اگر اس میں خوش اخلاقی کی خوشبو ہوتی

چوںؔ شمع نکو روئی در رہگذرِ بادست
خوبصورتی، شمع کی طرح ہوا کے راستہ پر ہے
طرفِ ہنرے بر بند از طورِ نکو روئی
خوبصورتی کے طریقے سے کسی ہنر کا فائدہ حاصل کرلے

ہر مُرغ بدستانے در گلشن شاہ آمد
ہر پرند ایک داستان لیکر، بادشاہ کے باغ میں آیا ہے

بُلبل بنوا سازی حافظ بدعاگوئی
بلبل نغمہ سرائی کے ساتھ، حافظ دعاگوئی کے ساتھ

نسیمؔ صبحِ سعادت بداں نشاں کہ تو دانی
اے خوش نصیبی کی صبح کی نسیم اس پتہ پر، جو تو جانتی ہے
خبر بکوئے فلاں بر بداں زباں کہ تو دانی
فلاں کے کوچہ میں خبر لیجا اس زبان میں جو تو جانتی ہے

تو پیکِ حضرتِ شاہی مرا دو دیدہ براہست
تو شاہی دربار کی قاصد ہے، میری دونوں آنکھیں منتظر ہیں
کرم نما و بفرما خبر چناں کہ تو دانی
کرم کر، اور خبر سنا جس طرح کہ تو جانتی ہے

بگو کہ جانِ ضعیفم ز دست رفت خدارا
کہنا کہ میری کمزور جان ہاتھ سے چلی گئی، خدا کے لیے
ز لعلِ رُوح فزایت ببخش از آنکہ تو دانی
اپنے روح کو بڑھانے والے ہونٹ سے وہ چیز دے جو تو جانتا ہے

ـلہ دنیا میں ہر شخص جاہ و مال کا طالب ہے لیکن ہم تو صرف غم عشق چاہتے ہیں۔
ـلہ پھول نے بلبل سے کہا، تو کیا کہتی ہے یہ سب بیکار باتیں ہیں۔ شراب نوشی کر اور گل افشانی کر۔
ـلہ باغ میں مسند بچھا معشوق کے ہونٹوں اور رخسار کو بوسہ دے ساقی سے شراب پی اور پھول سونگھ۔
ـلہ اے شمشاد جیسے قد والے محبوب باغ میں ٹہل تاکہ سرو تیرے قد سے دلجوئی حاصل کرے۔
ـلہ جو محبوب مسکراتے ہوئے غنچہ کی طرح ہے اور حسین پھول کی شاخ معلوم ہوتا ہے نہ معلوم اس کا وصل کس کے مقدر میں ہے۔
ـلہ محبوب کی زلف کے ہر بال میں سیکڑوں نافوں کی خوشبو تو ہے کاش اس میں خوش اخلاقی کی بھی خوشبو ہوتی۔
ـلہ رہگذر کی شمع کا ہوا سے بجھنے کا ہر وقت خطرہ ہے اسی طرح حسن بھی زوال پذیر ہے۔
ـلہ یعنی عشق و محبت کی زبان میں ہمارے محبوب تک ہمارا پیغام ہم پہونچا دے۔

من[1] ایں دو حرف نوشتم چنانکہ غیر ندانست
میں نے یہ دو حرف اس طور پر لکھے ہیں کہ دوسرا نہ جان سکے

تو ہم ز روئے کرامت چناں بخواں کہ تو دانی
تو بھی کرم کر کے ایسے طریقے پر پڑھ کہ تو ہی جانے

خیالِ[2] تیغ تو با من حدیثِ تشنہ و آبست
تیری تلوار کا خیال میرے لیے، پیاسہ اور پانی کا قصہ ہے

اسیرِ عشق چو کردی بکُش چناں کہ تو دانی
عشق کا قیدی جب تو نے بنا دیا تو مار ڈال جس طرح تو جانے

اُمید در کمرِ زرکشت چگونہ ببندم
میں تیرے زری کے کمربند سے امید کیسے باندھوں؟

دقیقہ[3] ایست نگارا در آں میاں کہ تو دانی
اے معشوق! اس کے اندر ایک ایسا نکتہ ہے جس کو تو جانتا ہے

یکیست ترکی و تازی دریں معاملہ حافظ
اے حافظ! اس معاملہ میں ترکی، اور عربی زبان یکساں ہیں

حدیثِ عشق بیاں کن بہر زباں کہ تو دانی
عشق کی بات بیان کر ہر اس زبان میں جو تو جانتا ہے

نو بہارست در آں کوش کہ خوشدل باشی
نو بہار ہے، اس میں کوشش کر کہ تو خوش دل رہے

کہ بسے گل بدمد باز و تو در گِل باشی
اس لیے کہ پھر بہت پھول کھلیں گے، اور تو مٹی میں ہوگا

چنگ[4] در پردہ ہمی میدہدت پند و لے
چنگ پردہ کے اندر تجھے نصیحت دیتی ہے، لیکن

وعظت آنگاہ دہد سود کہ قابل باشی
تجھے وعظ اس وقت فائدہ دیگا جبکہ تجھ میں صلاحیت ہو

من نگویم کہ چہ کن با کہ نشین وچہ بنوش
میں نہیں کہتا کہ، کہ تو کیا کر، کس کے ساتھ بیٹھ اور کیا پی

کہ تو خود دانی اگر زیرک و عاقل باشی
اس لیے کہ تو خود جانتا ہے اگر تو ذہین اور سمجھدار ہے

در چمن[5] ہر ورقے دفترِ حالے دگرست
چمن میں ہر ورق، دوسرے کے حال کا دفتر ہے

حیف باشد کہ ز حالِ ہمہ غافل باشی
افسوس ہوگا، کہ تو سب کے حال سے غافل ہو

گرچہ[6] راہیست پُر از بیم ز ما تا بر دوست
ہم سے دوست تک اگرچہ خطرناک راستہ ہے

رفتن آساں بود ار واقفِ منزل باشی
اگر تو منزل سے واقف ہے تو جانا آسان ہے

نقدِ عمرت ببرد غصۂ دنیا بگزاف
دنیا کا رنج تیرے نقدِ عمر کو فضول ہی برباد کر دے گا

گر شب و روز دریں قصہ باطل باشی
اگر تو دن رات، اس باطل قصہ میں لگے گا

حافظا[7] گر مدد از بختِ بلندت باشد
اے حافظ! اگر بلند نصیبہ کی تجھے مدد حاصل ہوگی

صیدِ آں شاہدِ مطبوعِ شمائل باشی
تو تو اس پسندیدہ اخلاق معشوق کا شکار ہوگا

نورِ[8] خدا نمایدت آئینۂ مجردی
یکسوئی کا آئینہ، تجھے خدا کا نور دکھائے گا

از درِ ما درآ اگر طالبِ عشقِ سرمدی
ہمارے دروازے سے اندر آ، اگر تو دائمی عشق کا طالب ہے

بادہ[9] بدہ کہ دوزخ ار نامِ گناہِ ما برد
شراب دے اس لیے کہ اگر دوزخ ہمارے گناہ کا نام لے گا

آب بر آتش زند معجزۂ محمدی
محمدی معجزہ اس کی آگ پر پانی چھڑک دے گا

شعبدہ بازیے کنی ہر دم و نیست ایں روا
تو ہر وقت شعبدہ بازی کرتا ہے، اور یہ جائز نہیں ہے

قَالَ رَسُوْلُ رَبِّنَا مَا اَنَا قَطُّ بِمَنْ اَدِیْ
ہمارے رب کے رسول نے فرمایا ہے میں وہ آدمی نہیں ہوں جسکو فریب دیا جائے

---

[1] میں نے رقیب سے چھپا کر تجھے خط لکھا ہے تو بھی چھپا کر پڑھ۔

[2] مجھے تیرے ہاتھوں قتل کی ایسی ہی تمنا ہے جیسے پیاسے کو پانی کی۔

[3] ظاہر ہے زری کی پٹی کے درمیان کمر ہے جو بہت دقیق اور باریک ہے۔

[4] چنگ اپنے پردۂ ساز سے نصیحت سناتی ہے اگر صلاحیت ہے تو نصیحت کا اثر ہوگا۔

[5] شعر
سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

[6] محبوب تک پہنچنے کا راستہ بہت خطرناک ہے واقف کار ہی منزل تک پہونچ سکتا ہے۔

[7] انسان مقدر ہی سے کسی معشوق کا شکار بن سکتا ہے۔

[8] جبتک انسان دنیاوی دھندوں سے قطع تعلق نہیں کرتا ہے خدا کا جلوہ اسے نظر نہیں آتا ہے۔

[9] شراب دے، آنحضور کا معجزہ جہنم کی آگ بجھا دے گا۔

ازچہ بعمد میکشی تیغ جفا بکینِ من
جان بوجھ کر تو ظلم کی تلوار میری دشمنی کے لیے کیوں سونتتا ہے

فکر نمی کنی مگر فی عمدٍ ممدّدِ
شاید تو فی عمدٍ ممدّدۃ پہ غور نہیں کرتا ہے

گر تو باین جمال و فر سوئے چمن کنی گذر
اگر تو اس حسن اور شان شوکت سے چمن کی طرف گذرے

سوسن و سرو و گل بتو جملہ شوند مقتدی
سوسن، اور سرو، اور گلاب سب تیرے مقتدی بنجائیں

نقشِ خودی زلوحِ دل پاک کنی تو درزماں
خودی کا نقش دل کی تختی سے تو اس وقت دھو ڈالے گا

گر بری بجان و دل راہ بکوئے بخردی
اگر تو عقل کے کوچہ کا دل اور جان سے راستہ طے کرے گا

جان و دلِ تو حافظا بستۂ دامِ آرزوست
اے حافظ! تیری جان اور دل تمنا کے جال میں گرفتار ہیں

اے متعلّق خجل دم مزن از مجرّدی
اے شرمندگی میں پھنسے ہوئے، آزادی کا دم نہ بھر

نوش کن جامِ شرابِ یکمنی
شراب کا یکمنی جام پی

تا بداں بیخ غم از دل برکنی
تاکہ اس کے ذریعہ تو دل سے غم کی جڑ اکھاڑ پھینکے

دل کشادہ دار چوں جامِ شراب
جام شراب کی طرح دل کو کشادہ رکھ

سرگرفتہ چند چوں خُمِ دنی
تو کب تک کینہ مٹکے کی طرح سر پکڑے رہیگا؟

چوں زجامِ بیخودی رطلے کشی
جب بیخودی کے جام سے تو ایک رطل پی لیگا

کم زنی از خویشتن لافِ منی
پھر خودی کی ڈینگیں اپنے متعلق نہ مارے گا

دل بمے بربند تا مردانہ وار
شراب سے دل لگا، تاکہ مردانہ وار

گردنِ سالوس و تقویٰ بشکنی
تو، مکر اور تقوے کی گردن مروڑ دے

خاکِ ساں شو در قدم نے ہمچو ابر
قدموں میں، خاک کی طرح بنجا، نہ کہ ابر کی طرح

جملہ رنگ آمیزی و تردامنی
سب رنگ آمیزی، اور تردامنی ہو

خیز و جہدے کن چو حافظ تامگر
اُٹھ اور حافظ کی طرح کوشش کر تاکہ شاید!

خویش را در پائے معشوق افگنی
تو اپنے آپ کو معشوق کے قدموں میں ڈالدے

وقت را غنیمت داں آنقدر کہ بتوانی
جس قدر تجھ سے ہو سکے وقت کو غنیمت جان

حاصل از حیات ایجاں یکدم ست تادانی
اے جان! اگر تو سمجھے تو زندگی کا خلاصہ ایک سانس ہے

پیشِ زاہد از رندی دم مزن کہ نتواں گفت
رندی کی بات زاہد سے نہ کہہ، اسلیے کہ نہیں کہا جاسکتا ہے

با طبیبِ نامحرم حالِ دردِ پنہانی
چھپے درد کا حال نامحرم طبیب سے

بادعائے شبخیزاں اے شکر دہاں مستیز
اے شیریں دہن! شب بیداروں کی دعا سے نہ لڑ

در پناہِ یک اسمست خاتمِ سلیمانی
سلیمانی انگوٹھی ایک نام کی پناہ میں ہے

کام بخشیِ دوراں عمر در عوض دارد
زمانہ سے مقصد برآری کا بدلہ پوری عمر ہے

جہد کن کہ از عشرت کامِ خویش بستانی
کوشش کر کہ عیش و مسرت سے تو اپنا مقصد نکال لے

---

[1] قرآن پاک میں جہنم کے متعلق آیا ہے اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝ وہ آگ ان پر بند کردی جائیگی، وہ لوگ آگ سے لمبے لمبے ستونوں میں گھرے ہوں گے، یعنی تو مجھے قتل کرتا ہے اور اس آیت پہ عقیدہ نہیں رکھتا ہے۔

[2] اگر تو عقل سے کام لے گا تو کبر و خودی کو فوراً چھوڑ دے گا۔

[3] جام کا منہ کھلا ہوا ہوتا ہے مٹکے کا سر بندھا ہوا ہوتا ہے۔

[4] ابر میں طرح طرح کے رنگ پیدا ہوتے ہیں اور وہ تر دامن ہوتا ہے۔

[5] نہ گذرے ہوئے سانس کا اعتبار نہ آنیوالے کا بھروسہ، صرف موجودہ سانس کا نام زندگی ہے۔

[6] حضرت سلیمان کی حکمرانی صرف اسم اعظم کی برکت کیوجہ سے تھی جو آپ کی انگوٹھی پر کھدا ہوا تھا جب اس ایک نام میں یہ اثر تھا تو شب بیدار اللہ کے بہت سے ناموں کا ورد کرتے ہیں ان کی قوت کا خود اندازہ لگا لے۔

یوسفِ عزیزم رفت اے برادراں رحمے — کز غمش عجب دیدم حالِ پیرِ کنعانی
اے بھائیو! رحم کرو میرا پیارا یوسف چلا گیا — اس لیے کہ اس کے غم میں میں نے کنعان کے بوڑھے کا عجب حال دیکھا ہے

میروی و مژگانت خونِ خلق میریزد — تند میروی جاناں ترسمت فرومانی
تو جاتا ہے، اور تیری پلکیں لوگوں کا خون بہاتی ہیں — اے جاناں! تو تیز چل رہا ہے میں ڈرتا ہوں تو تھک جائیگا

پندِ عاشقے بشنو و زرہِ طرب باز آ — کاینہمہ نمی ارزد شغلِ عالمِ فانی
عاشق کی نصیحت سن، اور خوشی اور مستی کے راستے سے لوٹ آ — کیونکہ فانی دنیا کے یہ تمام شغل، کچھ قیمت نہیں رکھتے

زاہدِ پشیماں را شوقِ بادہ در جانست — عاقلا مکن کارے کاورد پشیمانی
شرمندہ زاہد کی جان میں شراب کا شوق ہے — اے عقلمند! وہ کام نہ کر جو شرمندہ کرے

خم شکن نمیداند ایں قدر کہ صوفی را — جنسِ خانگی باشد ہمچو لعلِ رمانی
مٹکا توڑنے والا، یہ نہیں جانتا ہے کہ صوفی کے — گھر کی جنس رمانی لعل جیسی ہوتی ہے

گر تو فارغی از من اے نگارِ سنگیں دل — حالِ خود بخواہم گفت پیشِ آصفِ ثانی
اے سنگین دل معشوق! اگر تو مجھ سے بے نیاز ہے — میں اپنا حال آصفِ ثانی کے سامنے جا کہوں گا

از درم درآمد مست میزنم بشادی دست — روشنی بما پیوست راستی بہ ارمانی
وہ مست ہو کر میرے دروازے سے آگیا میں خوشی میں تالی بجا رہا ہوں — اگر تو واقعی قیام کرے تو روشنی ہم سے وابستہ ہو گئی

باغباں چو من زینجا بگذرم حرامت باد — گر بجائے من سروے غیرِ دوست بنشانی
اے باغباں! اگر میں یہاں سے چلا جاؤں تو تجھے حرام ہے — اگر میری جگہ دوست کے علاوہ تو کوئی سرو لگائے

دل ز ناوکِ چشمت گوشہ داشتم لیکن — ابروئے کماندارت می برد بہ آسانی
میں نے تیری آنکھ کے تیر سے دل کی حفاظت کر لی، لیکن — تیرا کماندار ابرو اس کو آسانی سے لیجاتا ہے

جمع کن باحسانے حافظِ پریشاں را
ذرا سا احسان کر کے پریشان حافظ کو دل جمعی عطا کردے
اے شکنجِ گیسویت مجمعِ پریشانی
اے وہ کہ تیری زلفوں کے خم پریشانی کا مجموعہ ہیں

ہزار جہد بکردم کہ یارِ من باشی — قرار بخشِ دلِ بیقرارِ من باشی
میں نے ہزاروں کوششیں کرلیں، کہ تو میرا دوست بنے — میرے بیقرار دل کو اطمینان بخشنے والا بنے

دمے بکلبۂ احزانِ عاشقاں آئی — شبے انیسِ دلِ سوگوارِ من باشی
تھوڑی دیر کے لیے عاشقوں کی غموں کی کوٹھری میں آئے — کسی رات کو میرے غمگین دل کا دوست بنے

در آں چمن کہ بتاں دستِ عاشقاں گیرند — گرت ز دست برآید نگارِ من باشی
جس چمن میں معشوق عاشقوں کی دستگیری کرتے ہیں — اگر تجھ سے بھی یہ ہو سکے، تو تو میرا معشوق بنے

چراغِ دیدۂ شب زندہ دارِ من گردی — امیرِ روزِ من و روزگارِ من باشی
تو میری شب بیدار آنکھ کا چراغ بنجائے — میرے دن اور وقت کا بھی حاکم بن جائے

رفیق و مونس و آرامِ جانِ من گردی — انیسِ خاطرِ امیدوارِ من باشی
تو میری جان کا آرام، رفیق اور مونس ہوجائے — میرے امیدوار، دل کا دوست بھی بن جائے

۱؎ عاشقوں کے سامنے سے اس قدر تیزی سے نہ گذر اگر تھک کر رہجائے گا۔
۲؎ محتسب ہمارے مٹکے پھوڑتا پھرتا ہے اس کو یہ معلوم نہیں کہ صوفی بھی گھر کی کھنچی ہوئی بادۂ پندار سے مست ہے۔
۳؎ میں آصفِ ثانی سے جاکر شکایت کرونگا خواجہ صاحب آصفِ ثانی ہماد بن محمود سلطان قطب الدین کے وزیر کو کہتے ہیں۔
۴؎ جب ہم دنیا سے چلے جائیں تو ہماری قبر پہ دوست کے قد کا سایہ ہو۔
۵؎ نظروں کے تیر سے تو میں دل کو بچا گیا لیکن ابرو سے نہ بچ سکا
۶؎ کلبۂ احزان غموں کی کوٹھری وہ جگہ کہلاتی ہے جہاں حضرت یعقوب نے حضرت یوسف کے ہجر میں دن گذارے تھے۔
۷؎ جس چمن میں معشوق عاشقوں کی دستگیری کرتے ہیں اگر تو میری دستگیری کرے تو پھر تو میرا محبوب ہے۔
بشارت بھر تیرا تصور میرے لیے بمنزلہ چراغ کے ہوتا ہے دن میں بھی اگر تو مجھے اپنا بنالے تو کیا کہنا۔

چو خسروانِ ملاحت بہ بندگاں نازند
جب حسن ملیح کے بادشاہ غلاموں پر فخر کریں
دراں میانہ خداوندگارِ من باشی
اس وقت تو میرا آقا بن جائے

ازاں عقیق کہ خونیں دلم ز عشوۂ او
اس عقیق کا، جس کے ناز سے میں خونی دل ہوں
اگر کنم گلہ راز دارِ من باشی
اگر میں شکوہ کروں، تو میرا رازدار بن جائے

شود غزالۂ خورشید صیدِ لاغرِ من
سورج کا ہرن میرا کمزور شکار بن جائے
گر آہوئے چو تو یکدم شکارِ من باشی
اگر تجھ جیسا ہرن تھوڑی دیر کے لیے میرا شکار بن جائے

سہ بوسہ کز دو لبت کردۂ وظیفۂ من
اپنے دو ہونٹوں کے تین بوسے جو تو نے میرے لیے مقرر کیے ہیں
اگر ادا نہ کنی وامدارِ من باشی
اگر تو ادا نہ کرے گا تو میرا قرض دار ہوگا

من ایں مراد نہ بینم بعمرِ خود کہ شبے
کیا میں اپنی زندگی میں یہ مراد حاصل نہ کر سکوں گا کہ کسی رات کو
بجائے اشکِ رواں در کنارِ من باشی
جاری آنسوؤں کی بجائے تو میری بغل میں ہو

من ارچہ حافظِ شہرم جوے نمی ارزم
میں اگرچہ شہر کا حافظ ہوں ایک جَو کے برابر بھی نہیں ہوں
مگر تو از کرمِ خویش یارِ من باشی
ہاں، اگر تو کرم کر کے میرا یار بن جائے

ہوا خواہِ توام جاناں و میدانم کہ میدانی
اے جاناں! میں تیرا خیر خواہ ہوں اور مجھے معلوم ہے کہ تو جانتا ہے
کہ ہم نادیدہ میدانی و ہم ننوشتہ میخوانی
کیونکہ تو بدوں دیکھے بھی جانتا ہے، بدوں لکھے بھی پڑھ لیتا ہے

ملامت گر چہ دریابد زرازِ عاشق و معشوق
عاشق اور معشوق کے راز کو ملامت گر کیا جان سکتا ہے!
نہ بیند چشمِ نابینا خصوص اسرارِ پنہانی
اندھی آنکھ، چھپے رازوں کو خاص طور پر نہیں دیکھتی ہے

ملک در سجدۂ آدم زمیں بوسِ تو نیت کرد
فرشتہ نے آدم کو سجدہ کرنے میں تیری زمین بوسی کی نیت کی
کہ در حسنِ تو چیزے یافت بیش از طورِ انسانی
کیونکہ اس نے تیرے حسن میں انسانی طور طریقہ کے علاوہ کوئی چیز پائی

خمِ زلفت بنام ایزد کنوں مجموعۂ دلہاست
بنام خدا تیری زلف کا خم، اب دلوں کا مجموعہ ہے
مبادا ایں جمع را یارب غم از بادِ پریشانی
ایخدا! اس مجمع کو پریشانی کی ہوا کا غم نہ ہو

بیفشاں زلف و صوفی را بہ بازی و برقص آور
زلف کو جھٹک دے، اور صوفی کو بازی اور رقص میں لا
کہ از ہر رقعۂ دلقش ہزاراں بت بیفشانی
تاکہ اس کی گدڑی کے ہر پیوند سے تو ہزاروں بت جھاڑ دے

دریغا عیشِ شبگیرے کہ در خوابِ سحر بگذشت
اس رات بھر کے عیش پر افسوس ہے جو صبح کی نیند میں گذر گیا
بداں قدرِ وصال اے دل کہ در ہجراں فرومانی
اے دل! وصل کی قدر جان لے کیونکہ تو ہجر میں عاجز آجائیگا

ملول از ہمرہاں بودن طریقِ کاردانی نیست
ساتھیوں سے تنگ ہونا، تجربہ کاری کا طریقہ نہیں ہے
بکش دشواریِ منزل بیادِ عہدِ آسانی
آسانی کے زمانہ کی یاد میں منزل کی دشواری کو برداشت کرلے

کشادِ کارِ مشتاقاں دراں ابروئے دلبند ست
عاشقوں کے کام کی کشادگی، اس دلبند ابرو میں ہے
خدارا یک نفس باما گرہ بکشا ز پیشانی
خدا کے لئے تھوڑی دیر ہم سے پیشانی کے بل کھول

چراغ افروزِ چشمِ ما نسیمِ زلفِ خوبانست
ہماری آنکھوں کا چراغ روشن کرنیوالی، حسینوں کی زلف کی نسیم ہے
مبادا ایں قوم را یارب غم از بادِ پریشانی
اے خدا! اس قوم کو پریشانی کی ہوا کا غم نہ ہو

---

۱ جب حسین اپنے عاشقوں کی کثرت پر فخر کریں تو مجھے تو اپنا غلام شمار کرا دے۔
۲ اگر تو میرا بنجائے تو پھر آفتاب میرا معمولی خادم ہو۔
۳ تو نے ہر روز تین بوسے میرے لئے مقرر کیے ہیں اگر نہ دے گا تو مقروض رہے گا۔
۴ حافظ شہر ہونیکے باوجود کسی قابل نہیں ہوں اگر تو میرا یار بن جائے تو سب عزت کرنے لگیں۔
۵ ملامت گر ان رازوں کو نہیں سمجھ سکتا جو عاشق و معشوق کے درمیان ہیں وہ نابینا ہے۔
۶ تیری زلفوں کے پیچ میں عاشقوں کے دلوں کا مجمع ہے، خدا کرے ان کو پریشانی نہ ہو۔
۷ اگر تو اپنا جال دکھا دے تو صوفی رقص کرنے لگیں اور ان کی گدڑیوں میں جو بت پوشیدہ ہیں، وہ گر جائیں یعنی ریاکاری ظاہر ہو جائے۔
۸ شب وصال کو عیش سے گذارنا چاہیے تاکہ ہجر کی مصیبتیں آسان معلوم ہوں۔

۹ اگر تیری پیشانی پر بل ہوتے ہیں تو عاشق رنجیدہ رہتے ہیں اگر کشادہ پیشانی ہوتا ہے تو ان کا دل خوشی محسوس کرتا ہے۔

امید از بخت میدارم کہ بکشایم کمر بندت
مجھے نصیبہ سے امید ہے کہ تیرا پٹکا کھولوں گا

بآں شرطیکہ خاطر را ازیں مسکیں نرنجانی
اس شرط پر کہ تو اس مسکین سے طبیعت کو رنجیدہ نہ کرے

خیالِ چنبرِ زلفش فریبت میدہد حافظ
اے حافظ! تجھے اس کی زلف کے حلقہ کا خیال فریب دیتا ہے

نگر تا حلقۂ اقبالِ ناممکن نجنبانی
دیکھ لے تاکہ تو ناممکن اقبال کا حلقہ نہ ہلائے

یَا مُبْسِمًا یُحَاکِیْ دُرْجًا مِّنَ اللَّاٰلِیْ
اے میرے حال پر موتیوں کی ڈبیہ سے مسکرانے والے!

یارب چہ در خور آمد گردت خطِ ہلالی
یا خدا! تیرے چاروں طرف خطِ ہلالی کس قدر اچھا ہے

اے با غمِ تو مارا پیوندِ لایزالی
اے وہ کہ تیرے غم کے ساتھ ہمارا ہمیشہ کا جوڑ ہے

قَدْ ضَاعَ فِیْ ہَوَاکُمْ عُمْرِیْ وَلَا اُبَالِیْ
تمہاری محبت میں میری عمر ضائع ہو گئی اور میں پرواہ نہیں کرتا ہوں

یَا رَاکِبًا تَبَرَّا عَنْ مُّوْثِقِیْ وَہَادِیْ
اے سوار! میرے قید کرنیوالے اور رہنمائی کرنیوالے کی خبر حاصل کر

اِنْ تَلْقَ اَہْلَ نَجْدٍ کَلِّمْ بِحَسْبِ حَالِیْ
اگر تم نجد والوں سے ملو، میرے حسب حال بات کہہ دینا

مسند فرازِ دولت کانِ شکوہ و شوکت
دولت کی مسند کو بلند کرنیوالا، دبدبے اور شوکت کی کان

برہانِ ملک و ملت بونصر بوالمعالی
ابونصر ابوالمعالی، برہان الملک والملت ہے

دل رفت و دیدہ خوں شد تن خست و جاں رواں شد
دل چلا گیا، آنکھیں خون ہو گئیں، جسم خستہ ہو گیا، جان روانہ ہو گئی

فِی الْعِشْقِ مُوْجِبَاتٌ یَاْتِیْنَ بِالتَّوَالِیْ
عشق کے ایسے لوازمات ہیں جو پے در پے آتے ہیں

حالی خیالِ وصلت خوش میدہد فریبم
فی الحال تو تیرے وصل کا خیال مجھے حسین فریب دے رہا ہے

تا خود چہ نقش بازد ایں صورتِ خیالی
دیکھئے! پھر یہ خیالی صورت کیا نقش کھینچے؟

خوئے تو گر نگردد ہرگز دگر نگردد
اگر تیری عادت نہ بدلے گی، ہرگز پھر چکر نہ لگائیں گے

عاشق دریں جوانب عارف دریں حوالی
عاشق ان جانبوں کا، عارف اس علاقہ کا

دل خوں شدم ز دستش از نازِ چشمِ مستش
اس کے ہاتھوں میرا دل خون ہو گیا اس کی مست آنکھ کے ناز سے

اُوْذِیْتُ بِالرَّزَایَا مَا لِلْہَوٰی وَبَالِیْ
میں مصیبتوں سے ستایا گیا، محبت اور میرے دل کو کیا ہوا ہے؟

لِلّٰہِ ذَاتُ رَمْلٍ کَانَ الْحَبِیْبُ فِیْہَا
اُس ریگستان کی خوبی خدا ہی کے لیے ہے، جس میں دوست تھا

طَارَ الْعُقُوْلُ طُرًّا مِّنْ نَّظْرَۃِ الْجِبَالِ
سب عقلیں اڑ گئیں، پہاڑوں کو تکنے سے

اَلْعَیْنُ مَا تَنَامَتْ شَوْقًا بِاَہْلِ نَجْدٍ
اہل نجد کے عشق میں میری آنکھ نہیں سوئی

وَالْقَلْبُ ذَاتُ وَجْدٍ فِیْ دَابَۃِ الْغِزَالِ
اور دل غمگین ہے، ہرن کی رفتار کے معاملہ میں

دلبر بہ عشقبازی خونم حلال دانست
دلبر نے عشقبازی میں میرا خون حلال سمجھا

فتوائے عشق چونست اے زمرۂ موالی
اے آقاؤں کی جماعت! عشق کا فتویٰ کیا ہے؟

مے دہ کہ گرچہ گشتم نامہ سیاہِ عالم
شراب دے اگرچہ میں دنیا بھر کا سیاہ اعمال نامہ والا بن گیا ہوں

نومید کے تواں بود از لطفِ لایزالی
ابدی، مہربانی سے ناامید کب ہوا جا سکتا ہے؟

از چار چیز مگذر گر زیرکی و عاقل
چار چیزوں کو نہ چھوڑ اگر تو عقلمند اور ذہین ہے

امن و شرابِ بیغش معشوق و جائے خالی
اطمینان، اور بے میل شراب، معشوق اور تنہائی کی جگہ

۱۔ تیرا وصل تو محال ہے لیکن تیری زلف کا خیال ہمیں فریب میں مبتلا کئے ہوئے ہے

۲۔ یعنی مسکرانے والے "منہ کو" موتیوں کی ڈبیہ قرار دیا ہے۔

۳۔ اصل شعر میں تبرّا ہے جس کے کوئی صحیح معنی نہیں بنتے ہیں ہم نے تخبّر کا نسخہ قائم کرکے ترجمہ کر دیا ہے۔ موثق اور ہادی سے مراد محبوب ہے۔

۴۔ اب تو تیرے وصل کا خیال مجھے بہت حسین فریب دے رہا ہے دیکھئے آئندہ کیا رنگ لاتا ہے۔

۵۔ اگر تو نے اپنی بدخوئی نہ چھوڑی تو عاشقوں کا جھگڑا ختم ہو جائے گا۔

۶۔ ذاتِ رمل، ریگستان یعنی اس صحرا میں محبوبہ تھی اب صرف ہم اسکے پہاڑوں کو دیکھ کر دیوانے بن رہے ہیں۔

۷۔ محبوب ہمارے خون کو حلال سمجھتا ہے کیا فتویٰ یہی ہے۔

۸۔ انسان کو چار چیزوں کو نہ چھوڑنا چاہیے، امن، خالص شراب، معشوق اور گوشۂ تنہائی۔

ساقی بیار جامے وز خلوتم بروں کن | تا دربدر بگردم قلاش و لاابالی
اے ساقی! ایک جام لا، اور مجھے خلوت سے نکال | تاکہ میں مفلس اور بے پروا در بدر پھروں

صافیست جام خاطر در دورِ آصفِ عہد | قُمْ فَاسْقِنِیْ رَحِیْقاً اَصْفٰی مِنَ الزُّلَالِ
آصفِ زمانہ کے دور میں، دل کا جام صاف ہے | کھڑا ہو، اور مجھے نیر پانی سے بھی زیادہ صاف شراب پلا

اَلْمُلْکُ مِنْ تَبَاهِیْ مِنْ جَدِّهٖ وَجَدِّهٖ | یارب کہ جاوداں باد ایں قدر وایں معالی
ملک قائم ہے، اس کے نصیبہ وعظمت پر فخر کی وجہ سے | اے خدا یہ مرتبہ اور یہ بلندیاں ہمیشہ رہیں

چوں نیست نقشِ دوراں در ہیچ حال ثابت
جبکہ دنیا کا نقش کسی حالت میں جمنے والا نہیں
حافظ مکن شکایت گر مے خوریم حالی
اے حافظ! شکایت نہ کر، اگر اب ہم شراب پی رہے ہیں

دیوان تمام شد

۱؎ خلوت نشینی اچھی نہیں مست ہوکر دربدر مارا پھرنا چاہیے۔
۲؎ سلطنت کا بقا اسی وجہ سے ہے کہ وہ آصف کی عظمت اور بخت پر فخر کر رہی ہے۔
۳؎ اب موقع ہے تو شراب ہی پی لیجائے دنیا ناپائیدار ہے۔

متفرقاتِ دیوانِ خواجہ حافظ رحمۃ اللہ تعالیٰ

افراد

زبختِ[1] خویش بود شکر بیشمار مرا
میں اپنے نصیب کا بے شمار شکر ادا کرتا ہوں
کہ درد یار خریدہ است درِ دیار مرا
کہ مجھے وطن میں یار کے درد نے خرید لیا ہے

در دلم جائے گرفتہ است چناں صورتِ دوست
دوست کی صورت نے میرے دل میں ایسی صورت اختیار کرلی ہے
ہر کجا می نگرم جلوۂ حُسنِ رُخِ اوست
جہاں بھی دیکھتا ہوں اُس کے رُخ کے حُسن کا جلوہ ہے

حریمِ[2] منزلِ جاناں چو حافظ است اے دل
اے دل! جبکہ حافظ، محبوب کی منزل کا مقام ہے
خوشا کسیکہ دریں گفتگوی محرمِ ماست
وہ کس قدر خوش نصیب ہے جو اس گفتگو میں ہمارا محرم ہے

امروز روئے حُسنِ تو باپردہ ظاہر ست
آج تیرے حُسن کا چہرہ پردے کے باوجود ظاہر ہے
در حیرتم کہ وعدۂ فردا برائے چیست
میں حیرت میں ہوں کہ کل کا وعدہ کس لیے ہے؟

شکر فیضِ[3] تو چمن چوں کند اے ابرِ بہار
اے ابرِ بہار! تیرے فیض کا چمن کس طرح شکر ادا کرے؟
کہ اگر خار و گر گل ہمہ پروردۂ تست
اسلیے کہ خواہ کانٹا ہے خواہ پھول سب تیرے پروردہ ہیں

کجا لبِ صدف و شکرِ ابرِ نیساں ست
کہاں سیپ کا مُنہ اور ماہِ نیساں کے ابر کا شکریہ؟
کہ از شمار بروں قطرہائے باراں ست
اس لیے کہ بارش کے قطرے، شمار سے باہر ہیں

اگرچہ دلبرِ من ہمچو یوسف است صبیح[4]
اگرچہ میرا دلبر، یوسف کی طرح صبیح ہے
ولیکن از سرِ تا پا فتادہ است ملیح
لیکن سر سے پیر تک ملیح واقع ہوا ہے

مگر ز کوئے تو آمد نسیم وقتِ صباح
شاید، صبح کے وقت، نسیم، تیرے کوچہ سے آئی
کہ زندہ گشت ببوئے لطیف ارواح
اس لیے کہ اس کی لطیف خوشبو سے رُوحیں زندہ ہوگئیں

شبے[5] با عارضش مہ ہمسری کرد
چاند نے ایک رات اس کے رخسار کا مقابلہ کیا
دِگر شب دیدمش قالب تہی کرد
میں نے اس کو دوسری رات دیکھا کہ اس کا جسم گھٹ گیا

صد شکر کہ آفتابِ مقصود
سو شکر کہ مقصد کے آفتاب نے
از برجِ امید چہرہ بنمود
اُمید کے برج سے چہرہ دکھایا

اے پسر دولتِ باقی بادب یافتہ اند
اے فرزند! باقی رہنے والی دولت لوگوں نے ادب سے پائی ہے
در طلب باش کہ آنہا بطلب یافتہ اند
طلب میں لگا رہ، کیونکہ انہوں نے جستجو سے پائی ہے

گر برتنِ[6] من زباں شود ہر موئے
اگر میرے جسم کا ہر رونگٹا زبان بنجائے
یک شکر تو از ہزار نتوانم کرد
ہزاروں میں سے میں تیرا ایک شکر بھی نہیں ادا کرسکتا ہوں

بوئے مُشکِ ختن از بادِ صبا می آید
بادِ صبا سے خُتن کے مشک کی خوشبو آتی ہے
ایں چہ بادیست کز و بوئے شما می آید
یہ کیسی ہوا ہے، جس سے تمہاری خوشبو آرہی ہے؟

متفرقات

[1] اس شعر میں دو جگہ در دیار ہے ایک جگہ دردِ یار ہے دوسری جگہ در۔ دیار ہے۔
[2] حریم اور حرم خانہ کعبہ کے چاروں طرف کی زمین کو کہا جاتا ہے لیکن فارسی والے مطلقاً مکان کے معنیٰ میں استعمال کرتے ہیں۔
[3] ابرِ بہار کا کانٹے پر بھی احسان ہے اور پھول پر بھی۔
[4] صباحت وہ حُسن ہے جو گورے رنگ کے ساتھ ہو اور ملاحت وہ حُسن ہے جو گندم گوں رنگ کے ساتھ ہو۔
[5] قالب تہی کردیعنی اس کا جسم گھٹ گیا۔
[6] اگر بدن کے ہر رونگٹے کی زبان ہو اور وہ شکریہ ادا کرے تو بھی ہزاروں میں سے ایک شکریہ بھی ادا نہ کرسکے گا۔

ترکِ مہ پیکرِ من بیں کہ چساں میگذرد
میرے چاند جیسے جسم والے معشوق کو دیکھنا، کہ کیسے جا رہا ہے،
آفتابیست پسِ پردہ نہاں میگذرد
آفتاب ہے جو پردے کے پیچھے سے چھپ کر جا رہا ہے

سودائے سرِ زلفش تا در سرِ ما باشد
اس کی زلفوں کا عشق جب تک ہمارے سر میں رہے
گر عاشقِ سودائیش باشیم روا باشد
اگر ہم اس کے دیوانے عاشق رہیں، تو مناسب ہے

ہر کرا خاکِ سرِ کوئے تو مسکن باشد
جس کا ٹھکانا تیرے کوچہ کی زمین ہو
پیشِ او گلشنِ فردوس چو گلخن باشد
اس کے نزدیک جنت کا باغ بھاڑ کی طرح ہے

صد شکر کہ روز شد شبِ ہجر
سو شکر ہیں کہ ہجر کی رات، دن ہو گئی
دل یافت خلاص از تبِ ہجر
دل کو ہجر کے بخار سے نجات مل گئی

اے دل از شامِ فراقِ روزِ ہجراں غم مخور
اے دل! ہجر کے دن کی، جدائی کی رات کا غم نہ کر
شامِ ہجراں ہم رسد روزے بپایاں غم مخور
ہجر کی شام بھی کسی دن ختم ہوگی، غم نہ کر

گرم چو مشک در آتش نہند و بگدازند
اگر مجھے مشک کی طرح آگ میں رکھیں اور پگھلائیں
خیالِ نقشِ نگارم نمیرود ز ضمیر
معشوق کے نقش کا خیال میرے دل سے نہ مٹے گا

با یارِ بیوفا نتواں گفت حالِ خویش
بے وفا یار سے اپنے دل کا حال نہیں کہا جا سکتا ہے
آں بہ بود کہ دم کشم از قیل و قالِ خویش
یہ مناسب ہے کہ اپنی قیل و قال سے دم بخود ہو جاؤں

آنکہ او فکرِ دلِ شاد نکردہ است منم
جس نے خوشدلی کی کوئی فکر نہ کی، وہ میں ہوں
وانکہ ایں غمکدہ آباد نکردہ است منم
جس نے یہ غمکدہ آباد نہ کیا، وہ میں ہوں

ذرہ ساں من در ہوائے مہرِ رخسارِ توام
میں تیرے رخسار کے آفتاب کی محبت میں، ذرہ کی طرح ہوں
نیست یک ساعت قرار از شوقِ دیدارِ توام
مجھے تیرے دیدار کے شوق سے تھوڑی دیر کیلئے بھی قرار نہیں ہے

صد شکر کہ یافت جانم آرام
سو شکر ہیں کہ میری جان کو راحت ملی
از دولتِ وصلِ آں دلآرام
اس دل کو آرام پہنچانے والے وصل کی دولت کے ذریعہ

ز جورِ چرخ بفریادم اے مسلماناں
اے مسلمانو! آسمان کے ظلم سے میری فریاد ہے
فلک بکینِ منِ ممتمند بستہ میاں
مجھ مظلوم کے کینہ پر آسمان نے کمر کسی ہے

گفتم اے دوست شدم عاشقِ آں روئے چو ماہ
میں نے کہا، اے دوست اس چاند جیسے چہرہ کا میں عاشق ہو گیا ہوں
گفت لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللہ
اس نے کہا، لاحول ولا قوۃ الا باللہ

از بت پرست وقتِ تماشائے حسنِ او
اس کے حسن کے دیدار کے وقت، بت پرست سے
حرفے بغیرِ نامِ خدا نشنود کسے
کوئی حرف خدا کے نام کے سوا کوئی نہیں سنتا ہے

جاناں خیالِ روئے تو دارند ہر کسے
اے محبوب! تیرے چہرے کا ہر شخص کو خیال ہے
لیکن ز من نباشد مشتاق تر کسے
لیکن مجھ سے زیادہ مشتاق کوئی نہ ہوگا

نیست در خیلِ بتاں مثلِ تو شاہِ عجبی
معشوقوں کی جماعت میں تجھ جیسا کوئی عجیب بادشاہ نہیں ہے
بر فلک نیست چو رخسارِ تو ماہِ عجبی
آسمان پر تیرے رخسار جیسا کوئی عجیب چاند نہیں ہے۔

تشریحات

۱؎ جب تک اس کی زلف کا عشق ہے ہم شیدائی اور عاشق بنے رہیں گے۔
۲؎ جس کو تیرا کوچہ میسر آ جائے وہ جنت کو بھی پسند نہ کریگا۔
۳؎ ہجر کی شام کی بھی لامحالہ کوئی انتہا ہے لہٰذا اس قدر غم نہ کرنا چاہیئے۔
۴؎ میرے دل کو آگ پر رکھ کر بھی اگر پگھلائیں گے تو محبوب کا نقش اس سے نہ مٹے گا۔
۵؎ ذرہ کو سورج کا عاشق مانا جاتا ہے یعنی میں بھی ذرہ کی طرح تیرا عاشق ہوں اس ہی لئے بے قرار ہوں۔
۶؎ میں نے محبت کا اظہار کیا اس پر اس نے لاحول پڑھی۔
۷؎ ہر اچھی چیز کو دیکھ کر زبان پر خدا کا نام آ جاتا ہے اس کا حسن اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ اس کو دیکھ کر بت پرست بھی خدا کا نام لینے لگتا ہے۔

رُباعیات

دیروز[1] چناں وصالِ جاں افروزے — وامروز چنیں فراقِ عالم سوزے
کل ایسا جاں افروز وصل! — اور آج ایسا عالم سوز فراق!

افسوس کہ در دفترِ عمرم ایام — آنرا روزے نویسد ایں را روزے
افسوس کہ زمانہ میری زندگی کی کتاب میں — اس کو بھی ایک دن لکھے گا، اور اس کو بھی ایک دن

عمرے زپئے مراد ضائع دارم — در دورِ فلک چیست کہ نافع دارم
مقصد کے پیچھے میری ایک عمر برباد ہوگئی ہے — دورِ فلک سے مجھے کیا مفید بات ملی ہے

وقتے[2] کہ بگفتم کہ ترا دوست شدم — شد دشمنِ من بیں کہ چہ طالع دارم
جس وقت میں نے کہا کہ میں تیرا دوست ہوگیا ہوں — وہ میرا دشمن بن گیا، دیکھو میرا کیا نصیب ہے!

جز نقشِ[3] تو در نظر نیاید مارا — جز کوئے تو رہگذر نیاید مارا
تیری صورت کے سوا ہمیں کچھ نظر نہیں آتا ہے — تیرے کوچہ کے سوا ہمیں کوئی راستہ نہیں آتا ہے

خوش آمدہ خواب جملہ را در دیدہ — حقّا کہ بچشم در نیاید مارا
سب کی آنکھوں میں نیند، پیاری لگتی ہے — بیشک، ہماری آنکھوں میں وہ نہیں آتی ہے

برگیر شرابِ طرب انگیز و بیا — پنہاں ز رقیبِ سفلہ بستیز و بیا
مستی ہم پیدا کرنے والی شراب لے اور آجا — در پردہ کمینہ رقیب سے لڑ پڑ، اور آجا

مشنو سخنِ[4] خصم کہ بنشین و مرو — بشنو ز من اے نگار برخیز و بیا
دشمن کی یہ بات نہ سن کہ بیٹھ جا اور مت جا — اے معشوق! میری سن لے، اُٹھ اور آجا

روزیکہ فلک از تو بریدہ است مرا — کس بالبِ پُرخندہ ندیدہ است مرا
جس دن سے آسمان نے مجھے تجھ سے جدا کیا ہے — کسی نے مسکراتے ہونٹوں کے ساتھ مجھے نہیں دیکھا ہے

چنداں غمِ ہجرانِ تو بر دل دارم — من دانم و آنکہ آفریدہ است مرا
تیرے فراق کا کس قدر دل پر غم رکھتا ہوں — میں جانتا ہوں، اور وہ جس نے مجھے پیدا کیا ہے

با دوست نشین و بادہ و جام طلب — بوسہ ز لبِ سرو گل اندام طلب
دوست کے ساتھ بیٹھ، اور شراب اور جام مانگ — گلاب جیسے جسم والے، سرو کے لب کا بوسہ مانگ

مجروح[5] چو راحتِ جراحت طلبد — تو از سرِ زخم نیشِ حجام طلب
زخمی، جب زخم کی راحت چاہے — تو زخم کے منہ سے حجام کا نشتر مانگ

گفتم کہ مگر باتفاقِ اصحاب — در موسمِ گل ترک کنم بادۂ ناب
میں نے کہا کہ شاید دوستوں کے ساتھ متفق ہوکر — موسم بہار میں، خالص شراب چھوڑ دوں گا

بلبل زچمن نعرہ زناں داد جواب — کاے بیخبراں فصلِ گل و ترکِ شراب
بلبل نے چمن سے نعرہ لگاتے ہوئے جواب دیا — کہ اے بے خبرو! پھول کا موسم اور ترکِ شراب!

---

[1] کبھی اس کا جاں فروز وصل میسر آتا ہے، کبھی عالم سوز ہجر، مجھے اس پر افسوس ہے کہ زمانہ روزِ وصال اور روزِ ہجر دونوں کو برابر لکھے گا حالانکہ روزِ ہجر روزِ وصال سے بہت دراز ہوتا ہے دونوں برابر کس طرح ہوسکتے ہیں۔

[2] جب سے میں نے تیری دوستی کا دم بھرا ہے تو میرا دشمن ہوگیا ہے۔

[3] ہماری نظروں میں صرف تو سمایا ہوا ہے اور ہم سوائے تیرے کوچہ کے کوئی راستہ نہیں جانتے اور ہم میٹھی نیند سے محروم ہیں۔

[4] رقیب تجھے اپنے پاس بٹھاتا ہے اور اٹھ کر میرے پاس آنے کو منع کرتا ہے تو اس کا کہنا نہ مان۔

[5] عاشق زخم دل کی دوا کا طلبگار نہیں ہوتا ہے اور درد کا سوا ہونا چاہتا ہے۔

اے سایۂ آفتاب زلفِ سیہت
اے وہ کہ تیری کالی زلف، آفتاب کا سایہ ہے
شب پوشِ مہِ دو ہفتہ طرف کُلہت
تیری ٹوپی کا کنارہ چودھویں کے چاند کا شب پوش ہے

اے شامِ شمیم آرِ خطِ مشکینت
اے وہ کہ تیرا مُشکین خط، خوشبو لانے والی شام ہے
وے صبح جبینت کشِ روئے چو مہت
اے وہ کہ تیرے چاند جیسے چہرے کیلئے صبح کو تیل گھوڑا لیکر چلنے والی ہے

امروز کہ روزِ فرقتِ احباب ست
آج جبکہ دوستوں کی جدائی کا دن ہے
نہ وقت نشاط و عیش با اصحاب ست
دوستوں کے ساتھ نشاط اور عیش کا وقت نہیں ہے

ہُشیار از آں نیم کہ مے نیست مرا
میں اس وجہ سے ہوش میں نہیں ہوں کہ میرے پاس شراب نہیں ہے
مے ہست ولے حریفِ مے نایاب ست
شراب ہے، لیکن شراب کا ساتھی نایاب ہے[1]

آں تُرکِ پری چہرہ کہ قصدِ جاں داشت
وہ پری چہرہ معشوق، جو جان لینا چاہتا تھا
مانند پری چہرہ ز من پنہاں داشت
پری کی طرح، مجھ سے چہرہ چھپاتا تھا

گفتم دہنِ تنگِ تو گوئی ہیچ ست
میں نے کہا تیرا تنگ منہ، گویا کہ معدوم ہے[2]
گفتا کہ ازیں ہیچ طمع نتواں داشت
اس نے کہا اس معدوم سے کوئی امید نہیں رکھی جا سکتی

با آنکہ دلم در غمِ عشقت خونست
اس کے باوجود کہ میرا دل تیرے غمِ عشق میں خون ہے
حُسنِ تو ز ادراکِ خرد بیرونست
تیرا حُسن، عقل کی سمجھ سے باہر ہے

در زلفِ تو بیچارہ غریب ست دلم
میرا دل تیری زلف میں بے چارہ مسافر ہے
یارب کہ در آں شام غریبم چونست
اے خدا اس شام میں میرا مسافر کس حالت میں ہے؟

تو بدری و خورشید ترا بندہ شدہ ست
تو پورا چاند ہے، اور سورج تیرا غلام بنا ہے
تابندہ تو شدہ ست تابندہ شدہ ست
جب سے تیرا غلام بنا ہے، چمکدار بنا ہے

زاں رو کہ از شعاعِ روئے مہِ تو
اس لیے کہ تیرے چاند جیسے چہرے کی شعاعوں سے
خورشید منیر و ماہ تابندہ شدہ ست
آفتاب روشن، اور چاند، چمکدار بنا ہے[3]

تا مرغِ دلم فتادہ در دامِ غمت
جب سے میرے دل کا پرند تیرے غم کے جال میں پھنسا ہے
بر گردنِ دل شدہ ست صمصامِ غمت
دل کی گردن پر تیرے غم کی تلوار رکھی گئی ہے

از شربتِ جامِ دہر بیزار شدم
زمانہ کے جام کے شربت سے میں بیزار ہو گیا ہوں
تا خونِ جگر میخورم از جامِ غمت
جب سے تیرے غم کے جام سے خون جگر پی رہا ہوں

در کوئے تو بیخانہ تر از ما کس نیست
تیرے کوچہ میں ہم سے زیادہ بے گھرا کوئی نہیں ہے
نزدیکِ تو بیگانہ تر از ما کس نیست
تیرے نزدیک ہم سے زیادہ بیگانہ کوئی نہیں ہے

در سلسلۂ طنابت آویختہ ام
تیری طنابوں کی زنجیر میں لٹکا ہوا ہوں
زاں رو کہ دیوانہ تر از ما کس نیست
اس لیے کہ ہم سے زیادہ دیوانہ کوئی نہیں ہے[4]

در شوخی و دلبری بُتِ من طاقست
میرا معشوق، شوخی اور دلبری میں طاق ہے
بیچارہ دلم بوصلِ او مشتاق ست
میرا بیچارہ دل اس کے وصل کا مشتاق ہے

پستہ دہن و لالہ رُخ و سیمیں تن
وہ پستہ دہن اور لالہ رُخ، چاند جیسے جسم والا ہے
شیریں سخن و ظریف و سیمیں ساق ست
شیریں سخن، خوش طبع، اور چاند جیسی پنڈلیوں والا ہے

ردیف ت

[1] مجھے شراب تو میسر ہے لیکن کوئی ایسا دوست نہیں ہے جو ساتھ بیٹھکر شراب پیے۔
[2] معشوق کے مُنہ کو ایک موہوم نقطہ اور معدوم مانا جاتا ہے۔
[3] چاند اور سورج تیرے نور سے نور حاصل کرتے ہیں لہذا وہ تیرے غلام ہیں۔
[4] دیوانے کو زنجیروں میں باندھا جاتا ہے اس لیے میں تیری زلف میں بندھا ہوا ہوں۔

مے نوش کہ عمرِ جاودانی این ست
شراب پی، اس لیے کہ ہمیشگی کی زندگی یہی ہے[1]

خاصیت روزگارِ فانی این ست
فانی زمانے کی خاصیت یہی ہے

ہنگامِ گل و لالہ و یاراں سرمست
گل اور لالہ کا موسم، اور سرمست دوست

خوش باش دمے کہ زندگانی اینست
تھوڑی دیر خوشی منالے، اس لیے کہ زندگی یہی ہے

اے روئے تو در لطافت آئینۂ روح
اے وہ کہ تیرا چہرہ پاکیزگی میں روح کا آئینہ ہے

خواہم کہ قدمہائے خیالت بصبوح
میں چاہتا ہوں کہ تیرے خیال کے قدموں کو صبح کے وقت

در دیدہ کشم ولے زخارِ مژہ ام
آنکھوں میں رکھوں، لیکن اپنی پلکوں کے کانٹوں سے

ترسم کہ شود پائے خیالت مجروح[2]
ڈرتا ہوں کہ تیرے خیال کے قدم زخمی ہو جائیں گے

اوّل بوفا جامِ وصالم در داد
پہلے تو وفا سے مجھے وصل کا جام دیا

چوں مست شدم دامِ جفا را سر داد
میں جب مست ہو گیا، ظلم کا جال ڈال دیا

با آبِ دو دیدۂ پُر از آتشِ دل
دونوں روتی ہوئی آنکھوں اور آگ بھرے دل کے ساتھ

خاکِ رہِ او شدم ببادم در داد[3]
اس کے راستہ کی خاک بنا، تو اس نے مجھے ہوا میں اڑا دیا

با یار کسے دست در آغوش نکرد
دوست کی بغل میں کسی نے ہاتھ نہیں ڈالا

تا ترکِ زر و سیم و دل و ہوش نکرد
جب تک اس نے سونا، چاندی اور دل، اور ہوش کو نہ چھوڑا

بے زر بُتِ شوخ دیدہ ہرگز سخنم
شوخ چشم معشوق نے بغیر روپے پیسے کے ہرگز میرا کلام

با آنکہ چو گوہر ست در گوش نکرد[4]
حالانکہ گوہر کی طرح ہے، کان میں نہ ڈالا

با مردمِ نیک بد نمی باید بود
نیکوں کے ساتھ بد نہ بننا چاہئے

در بادیہ دیو و دَد نمی باید بود
جنگل میں دیو اور درندہ نہ بننا چاہئے

مفتونِ معاشِ خود نمی باید شد
اپنی روزی کا دیوانہ نہ بننا چاہئے

مغرور بعقلِ خود نمی باید بود
اپنی عقل پر مغرور نہ بننا چاہئے

با مے بکنارِ جوئے می باید بود
نہر کے کنارے مع شراب کے ہونا چاہئے

وز غصہ کنارہ جوئے می باید بود
اور رنج سے کنارہ کرنے والا، ہونا چاہئے

چوں عمر گرانمایہ مادہ روز ست
جب ہماری قیمتی عمر دس روزہ ہے

خنداں لب و تازہ روئے می باید بود
خنداں لب، اور تازہ رو ہونا چاہئے

تا حکمِ قضائے آسمانی باشد
جب تک آسمانی فیصلہ کا حکم جاری ہوگا

کارِ تو ہمیشہ شادمانی باشد
تیرا کام ہمیشہ خوشی ہوگا

گر جامِ مے ز دستِ تو نوش کنم
اگر میں تیرے ہاتھ سے شراب کا جام پیوں

سرمایۂ عمرِ جاودانی باشد[5]
تو جاودانی عمر کا سرمایہ ہوگا

جاں در خمِ زلفِ یار جائے طلبید
جان نے یار کی زلف کے خم میں جگہ چاہی

وز بند و بلا گرہ کشائے طلبید
اور قید و بلا سے کسی گرہ کشا کو چاہا

جاں پیشکشِ ابروئے جاناں کردم
میں نے جان محبوب کے ابرو کو پیش کردی

چوں حاجب او نعلِ بہائے طلبید[6]
جبکہ اس کے ڈیوڑھی بان نے نذرانہ چاہا

[1] اصل زندگی یہی ہے کہ دنیا میں یہ سب عیش میسر آجائیں۔
[2] تیری خیالی تصویر کو آنکھوں میں لانا چاہتا ہوں لیکن اندیشہ ہے کہ پلکوں سے اس کے قدم زخمی نہ ہو جائیں۔
[3] عناصرِ اربعہ کا اجتماع پر لطف ہے۔
[4] جب تک انسان دنیا کی ہر قیمتی چیز کو قربان نہ کرے وصل دوست میسر نہیں آتا ہے، در گوش نکرد کے لطف سے لطف اندوز ہونا چاہئے۔
[5] شعر — اگر معشوق کے ہاتھ سے جام شراب مل جائے تو عمرِ جاودانی حاصل ہو سکتی ہے۔ [illegible]
[6] نعل بہا، وہ رقم کہلاتی ہے جو کسی حملہ آور فوج کو دے کر واپس کر دیا جائے یہاں مراد نذرانہ ہے

خطت بسراپردهٔ مہ میگردد
تیرا سبزۂ خط چاند کے خیمہ کے گرد گھوم رہا ہے
بازارِ تکبرت تبہ میگردد
تیرے تکبر کا بازار تباہ ہو رہا ہے

مارا خجل[1] و دروغ زن میگفتی
تو ہمیں شرمندہ اور جھوٹا کہتا تھا
پیداست کہ روئے کہ سیہ میگردد
ظاہر ہے کہ کس کا کالا منہ ہو رہا ہے؟

راہِ طلب تو خارِ غمہا دارد
تیری طلب کے راستہ میں غموں کے کانٹے ہیں
کو راہروے کہ ایں قدمہا دارد
وہ راہرو کہاں ہے جو اس راہ میں قدم رکھے؟

دانی تو کہ روشناسِ عقلست آں کو
تجھے معلوم ہے کہ وہ شخص عقلمندی سے روشناس ہے جو
بر چہرۂ جاں چراغِ غمہا دارد
جان کے سامنے غموں کا چراغ رکھے

روزیکہ فراق از تو دورم سازد
جس دن فراق تجھ سے مجھ کو دور کر دے
در ہجرِ رخِ تو ناصبورم سازد
تیرے رخ کے ہجر میں مجھے بے صبر بنا دے

گر چشم بروئے دگرے[2] باز کنم
اگر میں کسی دوسرے کے چہرے پر نظر ڈالوں
حقِ نمکِ حسنِ تو کورم سازد
تو تیرے حسن کا حق نمک مجھے اندھا بنا دے

زاں بادۂ دیرینہ کہ دہقاں پرورد
وہ پرانی شراب جو دہقان نے کھینچی ہے
در دہ کہ بساطِ غم طے خواہم کرد
دے تاکہ غم کی بساط لپیٹ دوں

مستم کن و بیخبر ز احوالِ جہاں
مجھے مست، اور دنیا کے احوال سے بے خبر بنا دے
تا سرِ جہاں بگویمت اے سرہ مرد
تاکہ اے عقلمند انسان! میں تجھ سے دنیا کا راز کہوں

شیریں دہناں عہد بپایاں نبرند
شیریں دہن والے، عہد پورا نہیں کرتے ہیں
صاحب نظراں ز عاشقی جاں نبرند
نظر باز، عاشقی سے جان نہیں بچاتے ہیں

معشوق چو[3] بر مراد و رائے تو بود
اگر معشوق تیرے مقصد اور رائے کا ہو
نامِ تو میانِ عشقبازاں نبرند
تو عشقبازوں میں تیرا نام شمار نہ کریں گے

گویند[4] کسانیکہ ز مے پرہیزند
جو لوگ شراب سے پرہیز کرتے ہیں وہ کہتے ہیں
زانساں کہ بمیرند چناں برخیزند
جس طرح سے مریں گے، اسی طرح سے اٹھیں گے

ما با مے و معشوق از ینیم مدام
ہم ہمیشہ شراب اور معشوق کے ساتھ اس لئے رہتے ہیں
تابو کہ ز خاک باچناں انگیزند
تاکہ شاید قبر سے، ہمیں اسی حالت میں اٹھائیں

من بندۂ آنکسم کہ شوقے دارد
میں اس کا غلام ہوں جو کچھ شوق رکھتا ہو
بر گردنِ خود ز عشق طوقے دارد
اپنی گردن میں عشق کا طوق رکھتا ہو

تو لذتِ عشق و عاشقی کے دانی
تو عشق اور عاشقی کی لذت کب جان سکتا ہے؟
ایں بادہ کسے خورد کہ ذوقے دارد
یہ شراب وہی پیتا ہے جو کچھ ذوق رکھتا ہو

نے دولتِ دنیا[6] بستم می ارزد
دنیا کی دولت، ظلم کی قیمت نہیں رکھتی ہے
نے لذتِ ہستی بہ الم می ارزد
نہ ہستی کی لذت تکلیف کی قیمت رکھتی ہے

نے ہفت ہزار سال شادیٔ جہاں
دنیا کی سات ہزار سال کی خوشی
با محنتِ پنج روزۂ غم می ارزد
پنج روزہ غم کی تکلیف کی قیمت نہیں رکھتی ہے

---

[1] تو ہمیں جھوٹا بتاتا تھا لیکن خط نکل آنے سے منہ تیرا کالا ہوا ہے
[2] راہِ عشق بہت پر خار ہے اس راستہ میں جو غموں کا چراغ سامنے رکھے وہی عقلمند ہے۔
[3] تیرے سوا اگر کسی رُخ پر نظر ڈالوں تو خدا کرے میں اندھا ہو جاؤں۔
[4] اگر معشوق بالکل فرمانبردار ہو جائے تو پھر عشقبازی ختم ہے، عشقبازی کا کمال یہی ہے کہ ہجر اور درد ہو۔
[5] مشہور ہے کہ آدمی جس حالت میں مرے گا اسی حالت میں قیامت میں قبر سے اٹھے گا میں اسی لیے ہر وقت شراب اور معشوق ساتھ رکھتا ہوں تاکہ حشر میں اسی حالت میں اٹھوں۔
[6] ایک ظلم برداشت کرنے سے دنیا کی دولت ملے تو بھی نہ خریدنا چاہئے تھوڑا سا غم برداشت کرکے اگر رہتی دنیا تک خوشی ملے تو بھی بیکار ہے۔

هجرت که بجانِ منِ درویش آمد — گوئی نمکے بر جگرِ ریش آمد
تیرا فراق، جو مجھ فقیر کی جان کو لگا ہے — گویا، زخمی جگر پر نمک لگا ہے

ترسیدم ازیں کز تو شوم روزے دور — دیدی کہ ہماں روزِ بدم پیش آمد
میں ڈرتا تھا اگر کسی دن تجھ سے دور نہ ہو جاؤں — تو نے دیکھا، مجھے وہی برا دن پیش آگیا

یا کار بکامِ دلِ مجروح شود — یا مرغِ دلم بر فلکِ روح شود
یا تو تمام زخمی دل کے منشا کے مطابق ہو جائے — یا میرا مرغِ دل، روح کے آسمان پر چلا جائے

امیدِ من آنست بدرگاہِ خدا — کابوابِ سعادت ہمہ مفتوح شود
خدا کے دربار سے مجھے یہ امید ہے — کہ نیک بختی کے تمام دروازے کھل جائیں گے

یاری چونکرد بختِ شوریدہ چہ سود — شادی چو ندید ایں دلِ غمدیدہ چہ سود
پریشان نصیبہ نے جب مدد نہ کی تو کیا فائدہ! — اس غمزدہ دل نے جب خوشی نہ دیکھی تو کیا فائدہ!

آں مردمِ دیدہ بود کز دیدہ برفت[1] — چوں مردمِ دیدہ نیست در دیدہ چہ سود
وہ آنکھ کی پتلی تھا جو نگاہ کے سامنے سے چلا گیا — جب آنکھ میں پتلی ہی نہیں آنکھ سے کیا فائدہ!

ایامِ شباب ست شراب اولیٰ تر — ہر غمزدہ مست و خراب اولیٰ تر
جوانی کا زمانہ ہے، شراب زیادہ بہتر ہے — ہر غم زدہ کا مست اور خراب ہونا زیادہ بہتر ہے

عالم ہمہ سر بسر خرابست و خراب — در جائے خراب ہم خراب اولیٰ تر
عالم تمام خراب ہی خراب ہے — خراب جگہ میں خراب ہی رہنا زیادہ بہتر ہے

دوش[2] از غمِ تو دمے نخفتم تا روز — یاقوت بنوکِ مژہ سفتم تا روز
تیرے غم کی وجہ سے کل رات، دن نکلنے تک گھڑی بھر نہ سونا — پلکوں کی نوک سے صبح تک یاقوت ایند حتارہا

دردت کہ بکس نمیتوانم گفتن — ہم با دلِ خویشتن بگفتم تا روز
تیرا درد جو میں کسی سے نہیں کہہ سکتا ہوں — اپنے دل سے ہی دن نکلنے تک کہتا رہا

مردی ز کنندۂ درِ خیبر[3] پرس — اسرارِ کرم ز خواجۂ قنبر پرس
بہادری کی بات خیبر کا دروازہ اکھاڑ نے والے سے پوچھ — کرم کے راز قنبر کے آقا سے پوچھ

گر تشنۂ فیضِ رحمتی اے حافظ — سرچشمۂ آں ز ساقیِ کوثر[4] پرس
اے حافظ اگر تو فیض رحمت کا پیاسا ہے — اس کا سرچشمہ کوثر کے ساقی سے پوچھ

چشمِ تو کہ سحرِ[5] بابلست استادش — حقّا کہ فسوں ہا نرود از یادش
تیری آنکھ، جس کا استاد، بابل کا جادو ہے — یقیناً جادو اس کی یاد سے نہیں مٹتے ہیں

آں زلف کہ کرد حلقہ در گوشِ جمال — آویزہ ز دُرِّ نظمِ حافظ بادش
وہ زلف جس نے حسن کے کان میں حلقہ ڈالا ہے — اس کے لیے حافظ کی نظم کے موتی کا آویزہ چاہیے

چوں[6] جامہ ز تن بر کشد آں مشکیں خال — حقّا کہ نظیرِ خود ندارد بمثال
جب وہ مشکین تل والا، بدن سے کپڑے اتارتا ہے — یقیناً اپنے جیسی کوئی مثال نہیں رکھتا ہے

در سینہ دلش ز نازکی بتواں دید — مانندۂ سنگریزہ در آبِ زلال
نزاکت کی وجہ سے سینہ میں اس کا دل دیکھا جا سکتا ہے — جیسے کہ نیر پانی میں پتھر کا ٹکڑا

رباعیات

[1] محبوب کو آنکھ کی پتلی قرار دیا ہے یعنی جب محبوب نگاہوں کے سامنے نہیں ہے تو گویا آنکھ بغیر پتلی کے ہے جو بیکار ہے۔
[2] میں تمام رات نہ سویا اور خون کے آنسو روتا رہا تیرا درد کسی سے بیان بھی نہیں کر سکتا دل سے ہی رات بھر بیان کرتا رہا۔
[3] حضرت علی کرّم اللہ وجہ نے خیبر کا دروازہ اکھاڑ پھینکا تھا اور آپ ہی کے ایک غلام کا نام قنبر تھا۔
[4] ساقی کوثر سے مراد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔
[5] مشہور ہے کہ ہاروت و ماروت دو جادوگر تھے جو چاہ بابل میں الٹے لٹکے ہوئے ہیں اسی لیے بابل کا جادو مشہور ہے۔
[6] معشوق کے جسم کو صفائی میں شفاف پانی اور دل کو سنگدلی کی وجہ سے سنگریزہ سے تشبیہ دی ہے۔

رباعیات

ہرگز نہ کنی یادِ من اے شمعِ چگل
اے چگل کی شمع! تو مجھے کبھی یاد نہیں کرتی ہے

نزدِ من اگرچہ ہست کارے مشکل
اگرچہ میرے نزدیک یہ مشکل کام ہے

دردے کہ من از غمِ تو دارم در دل
تیرے غم سے جو درد میں، دل میں رکھتا ہوں

دل داند و من دانم و من دانم و دل
دل جانتا ہے اور میں، میں جانتا ہوں اور دل

از یار[۱] وفا کہ دید تا من بینم
یار سے کس نے وفا دیکھی ہے کہ میں دیکھوں؟

راحت ز جفا کہ دید تا من بینم
ظلم سے آرام کس نے دیکھا ہے کہ میں دیکھوں!

تو عمرِ منی و بیوفائی چہ کنم
تو میری عمر ہے اور بے وفا ہے، کیا کروں؟

از عمر وفا کہ دید تا من بینم
عمر سے کس نے وفا دیکھی ہے کہ میں دیکھوں!

آوازِ پرِ مرغِ طرب می شنوم
میں مستی کے پرند کے پروں کی آواز سنتا ہوں

یا نفحۂ گلزارِ ادب می شنوم
یا ادب کے گلزار کی خوشبو سونگھتا ہوں

یا باد حدیثے ز لبش میگوید
یا ہوا اس کے ہونٹ کی بات کہہ رہی ہے

القصہ حکایتے عجب می شنوم
القصہ، میں عجب حکایت سنتا ہوں

جاناں چو شبے با تو بروز آوردم
اے جاناں! جبکہ میں نے تیرے ساتھ تمام رات گزار دی

گر بے تو دمے بر آورم نامردم
اگر تیرے بغیر ایک سانس بھی لوں تو میں نامرد ہوں

از مرگ[۲] نترسم پس ازیں کآبِ حیات
اس کے بعد میں مرنے سے نہ ڈروں گا، اس لیے کہ آبِ حیات

از چشمۂ نوشِ آبدارت خوردم
میں نے تیرے آبدار، شہد کے چشمہ سے پی لیا ہے

در آرزوئے بوس و کنارت مردم
میں تیرے بوس و کنار کی آرزو میں مر گیا

در حسرتِ لعلِ آبدارت مردم
میں تیرے آبدار لعل کی حسرت میں مر گیا

قصہ چہ کنم دراز کوتاہ کنم
قصہ کو دراز کیا کروں، مختصر کرتا ہوں

باز آ باز آ کز انتظارت مردم
آجا، آجا اس لیے کہ میں تیرے انتظار میں مر گیا

من ترکِ[۳] تو اے نگار آساں ندہم
اے معشوق میں تجھے آسانی سے نہیں چھوڑوں گا

تا پیشِ زمردِ خطت جاں ندہم
جب تک تیرے زمرد جیسے خط کے سامنے جان نہ دیدوں گا

یاقوتِ لبت کہ قوتِ جانست مرا
تیرا یاقوت جیسا ہونٹ جو میری جان کی روزی ہے

آنرا بدو صد ہزار مرجاں ندہم
اس کو لاکھوں مرجان کے بدلے میں بھی نہیں دوںگا

اے باد بگو ز راہِ دلداریِ من
اے ہوا! میری دلداری کی وجہ سے کہہ دے

آنرا کہ نباشد غمے از زاریِ من
اس سے جس کو میرے نالہ وزاری سے کوئی غم نہیں ہے

تو خفتہ بمہدِ عیش شبہائے دراز
تو لمبی راتوں میں عیش کے گہوارے میں سویا پڑا ہے

آیا داری خبر ز بیداریِ من
آیا تجھے میری بیداری کی بھی خبر ہے!

تا کے[۴] بود ایں جور و جفا کردنِ تو
کب تک ہوگا تیرا یہ ظلم و ستم کرنا!

بیہودہ ہمہ خلائق آزردنِ تو
تمام مخلوق کو بیکار ستانا

تیغ ست بدستِ اہلِ دل خون آلود
اہلِ دل کے ہاتھ میں، خون آلود تلوار ہے

گر بر تو رسد خونِ تو بر گردنِ تو
اگر تیرے لگ جائیگی تو تیرا خون تیری ہی گردن پر ہوگا

---

[۱] معشوق، زندگی ہے اور زندگی نے کسی سے وفا نہیں کی لہذا معشوق سے وفا کی امید فضول ہے۔

[۲] جب تیرے ہونٹ سے مجھے آبِ زندگی مل گیا ہے تو اب موت کا ڈر نہیں ہے۔

[۳] زمرد سبز پتھر ہے جس سے سبزۂ خط کو تشبیہ دی جاتی ہے، یاقوت سُرخ پتھر ہے جس سے ہونٹوں کو تشبیہ دیجاتی ہے، مرجان، مونگا۔

[۴] اہلِ دل کو ستانا اچھا نہیں ہے اُن کی بددعا خون آلود تلوار ہے اگر تو اس سے ہلاک ہوگیا تو تو خود ذمہ دار ہے۔

رباعیات

گویند کہ فردوس بریں خواہد بود — فردا مئے ناب و حور عیں خواہد بود
لوگ کہتے ہیں کہ فردوس بریں ہو گا — کل، خالص شراب اور خوش چشم حوریں ہوں گی

گر ما مے و معشوق گزیدیم چہ باک[1] — چوں عاقبت کار چنیں خواہد بود
اگر ہم نے، شراب اور معشوق پسند کیا تو کیا ہوا! — جب انجام کار یہی ہوگا

اے شرم زدہ غنچۂ مستور از تو — حیران و خجل نرگس مخمور از تو
اے وہ کہ چھپا ہوا غنچہ تجھ سے شرمندہ ہے — نشیلی نرگس تیری وجہ سے حیران اور شرمندہ ہے

گل با تو برابری کجا آرد کرد — کو نور زمہ دارد و مہ نور از تو
گل، تیری کیا برابری کر سکتا ہے؟ — کیونکہ اس کو چاند سے نور حاصل ہوتا ہے اور چاند کو تجھ سے

آں باز طرب[2] شکار در دستم نہ — آں ساغر چوں نگار در دستم نہ
وہ مستی کا شکار کرنے والا باز میرے ہاتھ میں دیدے — وہ معشوق جیسا ساغر میرے ہاتھ میں دیدے

آں زلف چو زنجیر بہ بپیچد بر خود — دیوانہ شدم بیار و بر دستم نہ
وہ زلف جو زنجیر کی طرح خود بخود بل کھاری ہے — میں دیوانہ ہو گیا، لا اور میرے ہاتھ میں ڈال دے

اے کاش کہ بخت سازگاری کردے — یا چرخ زمانہ باز یاری کردے
اے کاش نصیب موافقت کرتا — یا زمانہ کا آسمان دوبارہ مدد کرتا

از دست جوانیم چو بر بود عناں — پیری چو رکاب[3] پایداری کردے
جب جوانی میرے ہاتھ سے باگ چھڑا لیگی — کاش بڑھاپا رکاب کی طرح پائداری کرتا

با شاہد شوخ و شنگ و با بربط و نے — کنجے و کبابے و یکے شیشۂ مے
شوخ اور چنچل معشوق اور بربط اور نے کے ساتھ — ایک گوشہ ہو اور کباب اور ایک بوتل شراب ہو

چوں گرم شود زبادہ مارا رگ و پے — منت نبرم[4] بیک جو از حاتم طے
جب ہماری رگیں اور پٹھے، شراب سے گرم ہو جائیں — تو میں حاتم طائی کا ایک جو برابر احسان نہ اٹھاؤں

گر ہمچو من افتادۂ ایں دام شوی — اے بس کہ خراب بادہ و جام شوی
اگر تو میری طرح اس جال میں پھنس جائے گا — یقیناً شراب اور جام سے خراب ہو جائے گا

ما عاشق و رند و مست عالم سوزیم — با ما منشیں وگرنہ بدنام شوی
ہم عاشق اور رند اور عالم سوز مست ہیں — ہمارے ساتھ نہ بیٹھ، ورنہ تو بدنام ہو جائے گا

ماہے کہ قدش بسرو میماند راست — آئینہ بدست و روئے خود می آراست
وہ چاند جس کا قد سرو کی طرح سیدھا ہے — ہاتھ میں آئینہ تھا اور چہرے کو سنوار رہا تھا

دستارچہ پیشکش کردم گفت — وصلم طلبی زہے خیالے[5] کہ تراست
میں نے عمامہ اس کو پیش کیا، تو بولا — تو میرا وصل چاہتا ہے، تیرا خیال بھی کیا عجیب ہے

ہر روز[6] دلم بزیر بارے دگرست — در دیدۂ من زہجر خارے دگرست
میرا دل ہر روز ایک نئے بوجھ کے نیچے ہے — میری آنکھ میں ہجر کا ایک نیا کانٹا ہے

من جہد ہمی کنم قضا میگوید — بیروں زکفایت تو کارے دگرست
میں کوشش کرتا ہوں، تو تقدیر کہتی ہے — تیرے بس سے باہر کا ایک اور کام ہے

۱؎ جب کل جنت میں معشوق اور شراب ملے گی، اگر ہم نے آج دنیا میں یہ چیزیں حاصل کرلیں تو کیا ہوگیا۔

۲؎ باز طرب شکار سے مراد شراب ہے، دیوانہ کو زنجیروں سے جکڑا جاتا ہے میں دیوانہ ہوں۔ مجھے زلف کی زنجیر سے جکڑ دے۔

۳؎ رکاب کا لفظ عناں کی مناسبت اور پائداری کی بنا پر استعمال کر دیا ہے یعنی جوانی تو چلی گئی اب کچھ بڑھاپا ہی ٹھہرے۔

۴؎ یعنی جب عیش کے تمام اسباب مہیا ہو جائیں تو پھر مجھے کسی کا احسان برداشت کرنیکی ضرورت نہیں ہے

۵؎ یعنی مجنونانہ خیال ہے کہ تجھے میرا وصل میسر آسکے۔

۶؎ میں وصل کی کوشش کرتا ہوں لیکن تقدیر کہتی ہے ابھی ایک اور مشکل در پیش ہے جو تیرے بس سے باہر ہے۔

رباعیات

آں لعل در آبگینۂ سادہ بیار
وہ لعل، سادے شیشہ میں لا
واں محرم و مونسِ ہر آزادہ بیار
اُس، ہر آزاد کے محرم اور مونس کو لا

چوں میدانی کہ مدّتِ عالمِ خاک
جب تو جانتا ہے کہ خاکی عالم کی مدت
بادست ازو درگذر و بادہ بیار
ہوا ہے، اس سے قطع نظر کر، اور شراب لا

شب رفت بپایان و حکایت باقیست
رات بیت چلی، اور قصہ باقی ہے
شکرِ تو بگفتیم و شکایت باقیست
ہم نے تیرا شکریہ تو ادا کر دیا، شکایت باقی ہے

گستاخیِ ما ز حد بروں رفت ولے
ہماری گستاخی حد سے بڑھ گئی، لیکن
اَلمِنّۃُ لِلّٰہ کہ عنایت باقیست
خدا کا شکر ہے، کہ عنایت باقی ہے

پیوستہ خیالِ دوست در پیشِ من ست
دوست کا خیال ہمیشہ میرے سامنے ہے
گوئی غم و دردِ عشقِ او خویشِ من ست
گویا اس کے عشق کا درد و غم میرا رشتہ دار ہے

گر تیرِ جفا زند کہ ترکش نہ کنم
اگر وہ ظلم کا تیر چلائے تو بھی میں اس کو نہ چھوڑوں گا
قرباں شدنم بہ پیشِ او کیشِ من ست
اس کے سامنے قربان ہو جانا ہی میرا مذہب ہے

وقت ست کہ بلبل بہ گل آواز کند
وقت ہے کہ بلبل، پھول کو پکارے
ایں نالہ در افزاید واں ناز کند
یہ نالہ کرے اور وہ ناز کرے

بلبل سخنِ فصاحت آغاز کند
بلبل فصاحت کی باتیں شروع کرے
تا گل بہ شکر خندہ دہن باز کند
تاکہ پھول مسکرا کر منہ کھول دے

بلبل بہزار خوں گلے حاصل کرد
بلبل نے ہزار مصیبت سے ایک پھول حاصل کیا
باداز سرِ غیرتش پریشاں دل کرد
ہوا نے غیرت سے اس کا دل پریشان کر دیا

طوطی بہوائے شکرے دل خوش بود
طوطی شکر کی خواہش میں خوش دل تھی
مرگ آمد و نقشِ اَملش باطل کرد
موت آئی اور اس نے اس کی امید کا نقش مٹا دیا

از بادِ اجل چو من سر افگندہ شوم
جب موت کی ہوا سے میں سر ڈال دوں
وز بیخِ درختِ عمر برکندہ شوم
اور عمر کے درخت کی جڑ سے میں اکھیڑ دیا جاؤں

زنہار گلم بجز صراحی مکنید
ہرگز میری مٹی سے صراحی کے علاوہ کچھ نہ بنانا
تا بو کہ ز بادہ پر شود زندہ شوم
ہو سکتا ہے کہ جب وہ شراب سے بھر جائے تو میں زندہ ہو جاؤں

عشقِ رُخِ یار بر منِ زار مگیر
مجھ عاجز پر یار کے رُخ کے عشق کی گرفت نہ کر
بر خستہ دلاں خردہ بیکبار مگیر
خستہ دلوں کی یکبارگی خطا نہ پکڑ

صوفی چو تو رسمِ رہرواں میدانی
اے صوفی! اگر تو راہگیروں کی رسم جانتا ہے
بر مردمِ رند نکتۂ بسیار مگیر
تو رند انسانوں پر زیادہ نکتہ چینی نہ کر

کم گوی و بجز مصلحتِ خویش مگوی
کم بول، اور اپنی مصلحت کے علاوہ کچھ نہ کہہ
چیزیکہ نپرسند تو از پیش مگوی
جو بات تجھ سے نہ پوچھیں پہلے سے نہ کہہ

گوشِ تو دو دادند و زبانِ تو یکے
تجھے دو کان دیئے ہیں، اور ایک زبان
یعنے کہ دو بشنو و یکے بیش مگوی
یعنی کہ دو سُن، اور ایک سے زیادہ نہ کہہ

۱؎ ہر شخص اپنی تمنا پوری کرنے کی فکر میں ہے لیکن موت سب امیدوں کو ختم کر دیتی ہے۔

۲؎ جب میں مر جاؤں تو میری مٹی سے صرف صراحی بنانا ممکن ہے کہ جب وہ شراب سے بھری جائے تو میں زندہ ہو جاؤں۔

۳؎ خدا نے ایک زبان اور دو کان اسی لیے دیئے ہیں کہ جب دو باتیں سنے تو ایک بات کہے۔

آنم کہ پدید گشتم از قدرتِ تو
میں وہ ہوں جو تیری قدرت سے پیدا ہوا ہوں

پروردہ شدم بناز در نعمتِ تو
تیری نعمت میں ناز سے پلا ہوں

صد[1] سال بہ امتحان گنہ خواہم کرد
آزمائش کے طور پر سو سال گناہ کروں گا

تا جرمِ منست بیش یا رحمت تو
تاکہ معلوم ہو کہ میرے گناہ زیادہ ہیں یا تیری رحمت

اے باد حدیثِ من نہانش میگو
اے صبا! میری بات اس سے چپکے چپکے کہنا

سوزِ دلِ من بصد زبانش میگو
اس سے میرے دل کا سوز، سو زبانوں سے کہنا

اما نہ بد[2] آنساں کہ ملالش گیرد
لیکن نہ اس طور پر کہ اس کو رنج پہونچے

میگو سخنے و در میانش میگو
اس سے بات کہنا اور درمیانہ طرز پر کہنا

لب باز مگیر یک زماں از لبِ جام
تھوڑی دیر کے لیے بھی، جام کے ہونٹ سے ہونٹ ہٹا

تا برداری کامِ جہاں از لبِ جام
تاکہ تو دنیا کا مقصد جام کے ہونٹ سے حاصل کرے

در[3] جامِ جہاں چو تلخ و شیریں بہم ست
دنیا کے جام میں چونکہ کڑوا اور شیریں ملا ہوا ہے

ایں از لبِ یار خواہ و آں از لبِ جام
یہ معشوق کے ہونٹ سے حاصل کر اور وہ جام کے ہونٹ سے

عشقِ تو منِ غمزدہ را دل خوں کرد
تیرے عشق نے مجھ غم زدہ کے دل کا خون کر دیا

واں خوں زرہِ دو دیدہ ام بیروں کرد
اور وہ خون میری دونوں آنکھوں کے ذریعہ باہر نکال دیا

تن کاست[4] مرا ز عشق لیکن عشقت
عشق سے میرا جسم گھٹ گیا، لیکن تیرے عشق نے

چوں حُسنِ تو ہر روز غمم افزوں کرد
تیرے حُسن کی طرح روز بروز میرے غم کو بڑھایا

دلدار بمن گفت مدار اندیشہ
معشوق نے مجھ سے کہا، فکر نہ کر

دل خوش کن و بر صبر گمار اندیشہ
دل خوش رکھ، اور اپنی فکر کو صبر میں لگا

کو صبر[5] و چہ دل کانچہ دلش میدانی
صبر کہاں، اور دل کیا، اس لیے کہ جس کو تو دل سمجھتا ہے

یک قطرۂ خونست و ہزار اندیشہ
خون کا ایک قطرہ ہے اور ہزاروں فکر ہیں

چشمان و خطت بیکدگر پیوستند
تیری آنکھوں اور خط نے باہمی اتفاق کر لیا

بر خونِ منِ دل شدہ محضر بستند
مجھ گم شدہ دل کے خون پر انھوں نے محضر نامہ تیار کیا

قاضی[6] تو دریں مسئلہ فتویٰ چہ دہی
اے قاضی! تو اس مسئلہ میں کیا فتویٰ دیتا ہے؟

خطیست پریشاں و گواہاں مستند
خط تو پریشان ہے اور گواہ مست ہیں

در صحبت[7] آں کسے کہ صاحب ہنر ست
اس شخص کی صحبت میں جو ہنر مند ہے

گر زہر خوری بداں کہ شہد و شکر ست
اگر تو زہر بھی کھائے، سمجھ لے کہ شہد اور شکر ہے

اما نفسے بصحبت نااہلاں
لیکن تھوڑی دیر کے لیے بھی نااہلوں کی صحبت میں

گر خلدِ بریں بود کہ نارِ سقر ست
اگر خلد بریں ہو تو جہنم کی آگ ہے

اے دوست[8] ترا دوست کہ دارد جز من
اے دوست! تجھے میرے سوا کون دوست بنا سکتا ہے؟

با خوئے بدت پائے کہ دارد جز من
تیری بدخوئی کے مقابلہ میں میرے سوا کون ٹھہر سکتا ہے؟

ہر جا کہ روم خوئے بدت خواہم گفت
میں جہاں بھی جاؤں گا تیری بداخلاقی بیان کروں گا

تا ہیچ کست دوست ندارد جز من
تاکہ تجھے میرے سوا کوئی دوست نہ بنائے

---

[1] شعر ... مرے گناہ زیادہ ہیں یا تری رحمت ...

[2] شکوہ ایسی زبان سے کرنا چاہیے جو محبوب کو ناگوار نہ ہو۔

[3] دنیا میں تلخ و شیریں ملا جلا ہے۔ لبِ محبوب سے شیریں حاصل کرو اور لبِ جام سے تلخ۔

[4] میرا جسم تو روز بروز گھٹ رہا ہے لیکن عشق تیرے حسن کی طرح روز افزوں ہے۔

[5] محبوب کہتا ہے دل میں صبر کا خیال پیدا کر، جس کو وہ دل سمجھا ہے وہ تو ایک قطرۂ خون ہے اور اس میں سو فکر ہیں۔

[6] گواہ عقلمند ہونے چاہئیں لیکن اس کی آنکھیں نشہ میں ہیں اور خط پریشان ہے ظاہر ہے کہ قاضی یہی فتویٰ دیگا کہ خط پریشان اور گواہ مست ہونے کی وجہ سے مقدمہ ناقابلِ سماعت اور جرم غیر ثابت ہے۔

[7] ہنرمند کی صحبت میں اگر زہر بھی ملے تو اس کو شہد اور شکر سمجھنا چاہیے، نااہل کی صحبت میں اگر جنت بھی ملے تو نہ اختیار کرنی چاہیے۔

[8] میں تمام دنیا میں تیری بدمزاجی کا چرچا کروں گا تاکہ تجھ سے کوئی دوستی کرنے پر آمادہ نہ ہو۔

رباعیات

صوفی بسماع دست ازآں افشاند — تاآتش دل بحیلۂ بنشاند
قوالی میں صوفی اس لیے رقص کرتا ہے — کہ کسی تدبیر سے دل کی آگ بجھائے
عاقل داند کہ دایہ گہوارۂ طفل — از بہرِ سکونِ طفل می جنباند
عقلمند جانتا ہے، کہ دایہ بچے کے پالنے کو — بچے کو آرام دینے کے لیے ہلاتی ہے

اے چشمِ تو بادام و دہانت پستہ — از پستہ و بادامِ تو جانم خستہ
اے وہ، کہ تیری آنکھیں بادام ہیں، اور تیرا منہ پستہ ہے — تیرے پستہ اور بادام سے میری جان خستہ ہے
آیا بود آنکہ ماؤ تو بنشینیم — تو ساقی و من حریف و درہا بستہ
آیا یہ ہو سکتا ہے کہ تو اور ہم بیٹھیں؟ — تو ساقی ہو اور میں دوست! اور دروازے بند ہوں

گفتی کہ بمہ نظر کن وانگار منم — روئے توام آرزوست مہ را چکنم
تو نے کہا چاند کو دیکھ لے اور سمجھ لے کہ میں ہوں — مجھے تو تیرے چہرے کی تمنا ہے، چاند کا کیا کروں!
مہ چو تو کجا بود کہ اندر ماہے — یک شب چو رخت باشد و باقی چو تنم
چاند تجھ جیسا کہاں ہو سکتا ہے، اس لیے کہ چاند ایک مہینہ میں! — ایک رات تیرے رخ کی طرح ہوتا ہے اور باقی راتوں میں میرے جسم کی طرح

من بودم و خورشید و مہے چوں ناہید — بودیم بہم نشستہ چوں صبحِ امید
میں تھا اور آفتاب اور زہرہ جیسا چاند — ہم ملے بیٹھے تھے، امید کی صبح کی طرح
روز آمد و خورشیدِ من از من برمید — روز آمدن و رفتنِ خورشید کہ دید
دن نکلا اور میرا سورج مجھ سے بھاگ گیا — دن نکلنا اور سورج کا چلا جانا کس نے دیکھا ہے؟

از بیکسی و عاجزی و مسکینی — وز سرکشی و تکبر و خود بینی
بے کسی اور عاجزی اور مسکینی کی وجہ سے — اور سرکشی اور تکبر اور خود بینی کی وجہ سے
برآتش اگر نشانیم بنشینم — بر دیدہ اگر نشانمت ننشینی
اگر تو مجھے آگ پہ بٹھائے گا تو میں بیٹھ جاؤں گا — اگر میں تجھے آنکھ میں بٹھاؤں گا تو نہ بیٹھے گا

نوباوۂ گلبنِ جوانی عشق ست — سرمایۂ عمرِ جاودانی عشق ست
جوانی کی شاخ کا تازہ پھل عشق ہے — عمرِ جاودانی کا سرمایہ عشق ہے
چوں خضر گر آبِ زندگانی طلبی — سرچشمۂ آبِ زندگانی عشق ست
اگر تو خضر کی طرح، آبِ حیات چاہتا ہے — تو آبِ حیات کا سرچشمہ، عشق ہے

عشقِ تو ز ہیچ بیخبرے خالی نیست — دردِ تو ز ہیچ بے بصرے خالی نیست
تیرا عشق کسی بے خبر سے بھی جدا نہیں ہے — تیرا درد کسی بے بصر سے بھی جدا نہیں ہے
ہر چند کہ در خلقِ جہاں می نگرم — سودائے تو در ہیچ سرے خالی نیست
میں جس قدر بھی دنیا کی مخلوق کو دیکھتا ہوں — تیرا جنون کسی سر سے جدا نہیں ہے

جانِ تو باسرارِ الٰہی پرداخت — نے در طلبِ نامتناہی پرداخت
تیری جان، خدائی رازوں میں مشغول ہو گئی ہے — نہیں، لامحدود کی طلب میں لگ گئی ہے
دردا کہ چناں بہ نقش مشغول شدی — کز نقش بہ نقاش نخواہی پرداخت
ہائے افسوس! تو نقش میں ایسا لگا ہے — کہ نقش سے نقاش کی طرف متوجہ نہ ہو سکے گا

۱؎ اس نے کہا چاند کو میرا رخ سمجھ لے اور دیکھ لے میں نے کہا چاند تیرے چہرے جیسا کب ہو سکتا ہے وہ تو صرف چودھویں رات میں تیرے چہرے کی طرح ہوتا ہے باقی دنوں میں ایسا لاغر ہوتا ہے جیسا کہ میرا جسم۔

۲؎ دن کے ساتھ تو سورج نکلتا ہے لیکن میرا سورج دن نکلتے ہی مجھ سے جدا ہو گیا۔

۳؎ میں تو اس قدر بے کس ہوں کہ اگر وہ مجھے آگ پر بھی بٹھانا چاہے تو بیٹھ جاؤں گا وہ اس قدر سرکش ہے کہ اگر اس کو آنکھوں پر بھی بٹھانا چاہوں تو کبھی نہ بیٹھے گا۔

۴؎ شعر [illegible]

۵؎ یہ رباعی بظاہر خواجہ حافظ کی نہیں ہے جو صحیح ترجمہ ہو سکتا تھا وہ تحریر کر دیا گیا ہے اگرچہ عبارت اس کی زیادہ متحمل نہیں ہے۔

مخمس[5]

ہے مخمس وہ نظم کہلاتی ہے جس کے پہلے بند میں پانچوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں[6] اس کے بعد جس قدر بند کہے جائیں ان کے چار مصرعے ہم قافیہ، اور پانچواں مصرع پہلے بند کا ہم قافیہ ہوگا۔

در عشقِ تو اے صنم چنانم[1] — کز ہستیِ خویش در گمانم
اے صنم! میں تیرے عشق میں ایسا ہوں — کہ اپنے وجود کے بارے میں وہم میں ہوں

ہر چند کہ زار و ناتوانم — گر دست دہد ہزار جانم
اگرچہ میں لاغر اور کمزور ہوں — اگر ہزاروں جانیں میرے ہاتھ آ جائیں

در پائے مبارکت فشانم
تیرے بابرکت قدم پر نثار کردوں

کو بخت[2] کہ از سرِ نیازے — در حضرتِ چون تو دلنوازے
وہ نصیب کہاں ہے کہ نیاز مندی سے — تجھ جیسے دلنواز کی خدمت میں

معروض کنم نہفتہ رازے — ہیہات کہ چوں تو شاہبازے
ایک چھپا ہوا راز پیش کروں — کاش، کہ تجھ جیسا شہباز

تشریف دہد در آشیانم
مجھے آشیانہ میں شرفِ ملاقات بخشے

اے بستہ کمر ز دور و نزدیک — برخونِ تمام تُرک و تاجیک[3]
اے وہ کہ جس نے دور اور نزدیک کے متعلق کمر باندھی ہے — تمام ترک اور تاجیک کی خونریزی پر

در مسکنِ اخلص الممالیک — گر خانہ محقرست و تاریک
مخلص ترین غلام کے گھر میں — اگرچہ گھر حقیر اور تاریک ہے

در دیدۂ روشنت نشانم
میں تجھے روشن آنکھ میں بٹھا لوں

ہر چند ستمگری تراخوست — کم کن تو جفا کہ ایں نہ نیکوست
اگرچہ تیری عادت ستمگری ہے — تو ظلم نہ کر اس لیے کہ یہ اچھی بات نہیں ہے

گیرم کہ دلت ز آہن و رُوست[4] — آخر بسرم گذر کن اے دوست
میں نے مانا کہ تیرا دل لوہے اور کانسی کا ہے — بالآخر اے دوست! میرے پاس سے گذر

انگار کہ خاکِ آستانم
سمجھ لے کہ میں چوکھٹ کی خاک ہوں

---

[1] میں تیرے عشق میں ایسا کھو گیا ہوں کہ مجھے اپنی ہستی میں شک ہے۔

[2] ہمارا ایسا مقدر کہاں ہے کہ ہم محبوب کی بارگاہ میں اپنا ایک چھپا راز یعنی عشق کہہ سکیں اور وہ ہمیں اپنے دربار میں پہونچنے کا موقع دیدے۔

[3] تاجیک اور تاژیک وہ عربی النسل لوگ کہلاتے ہیں جو عجم میں آباد ہو گئے ہیں ان کا پیشہ عموماً تجارت تھا لہٰذا اب ہر تاجر کو تاجیک کہہ دیا جاتا ہے مخلص ترین غلام سے خود شاعر کی ذات مراد ہے۔

[4] روی ایک مرکب دھات ہے جس کو کانسی اور بھرت بھی کہا جاتا ہے۔

یعنی مجھے اپنی چوکھٹ کی خاک ہی سمجھ کر میرے پاس سے گذر۔

گفتم کہ چو کُشتیم بزاری زاں پس رہِ مرحمت سپاری
میں نے کہا، جبکہ تو نے مجھے، بری طرح مار ڈالا اس کے بعد تو رحم کا راستہ اختیار کرے گا

بر دل رقمِ وفا نگاری تو خود سرِ وصلِ ما نداری
دل پر وفا کا نشان قائم کر دے گا تجھے خود ہی ہمارے وصل کا خیال نہیں ہے

من عادتِ بختِ خویش دانم
میں اپنے نصیب کی عادت جانتا ہوں

منّ از تو بجز وفا نجویم بیروں ز گلِ وفا نبویم
میں تجھ سے وفا کے سوا کچھ نہیں چاہتا ہوں میں وفا کے پھول کے سوا نہیں سونگھتا ہوں

اِلّا رہِ بندگی نپویم اسرارِ تو پیشِ کس نگویم
میں غلامی کے راستہ کے سوا نہیں چلتا ہوں میں تیرے راز کسی کے سامنے نہیں بیان کرتا ہوں

اوصافِ تو پیشِ کس نخوانم
تیری خوبیاں میں کسی کے سامنے نہیں بیان کرتا ہوں

گر غمزۂ تو زند بہ تیرم گر ترکِ فلک کند اسیرم
اگر تیری ادا میرے اوپر تیر چلائے اگر آسمان کا ترک مجھے قیدی بنائے

یک دم نبود ز تو گزیرم من ترکِ وصالِ تو نگیرم
تھوڑی دیر کے لیے بھی مجھے تجھ سے چارہ نہیں ہو میں تیرے وصل کا خیال نہ چھوڑوں گا

اِلّا بہ فراقِ جسم و جانم
مگر یہ کہ جسم اور جان میں فراق ہو جائے

گیرم نہ رہِ وفا کشودیم نے مہر بہ مہر بر فزودیم
میں مانتا ہوں کہ ہم نے وفا کا راستہ نہیں کھولا نہ ہم نے محبت پر محبت کا اضافہ کیا

نہ بود ہر آنچہ می نمودیم آخر نہ من و تو دوست بودیم
جو ہم نے دکھایا وہ نہیں تھا آخر میں اور تو دوست نہ تھے

عہدِ تو شکست و من ہمانم
تیرا عہد ٹوٹ گیا اور میں وہی ہوں

گر سر ببری بہ تیغ تیزم از کوئے وفات بر نخیزم
اگر تیز تلوار سے تو میرا سر بھی کاٹ دے گا میں تیری وفا کے کوچہ سے نہ اٹھوں گا

ورز آنکہ کنند ریز ریزم من مہرۂ مہرِ تو نریزم
اور اگر مجھے ریزہ ریزہ کر دیں گے میں تیری محبت کا مہرہ نہ پھینکوں گا

اِلّا کہ بریزد استخوانم
مگر یہ کہ میری ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو جائیں

۱؎ جبکہ تو نے ظلم کر کے مار ڈالا ہے اب تو کیا رحم کریگا، تجھے میرے وصل کا خیال نہیں ہے یہ سب میرے نصیب کی بات ہے۔
۲؎ میں صرف وفا کا طالب ہوں ہر حال میں تیرا غلام اور راز دار ہوں رقابت کے خوف سے تیری خوبیاں بھی کسی سے نہیں کہتا ہوں۔
۳؎ اگر تو ہلاک بھی کر دیگا اور آسمان مجھے قید کر ڈالیگا تب بھی جیتے جی وصل کا خیال نہ چھوڑوں گا۔
۴؎ یہی مانا کہ مجھ سے زیادہ وفاداری نہیں ہوئی اور محبت میں بھی اضافہ نہ ہوا لیکن بہر حال تو اور ہم دوست تھے تو نے عہد توڑ ڈالا میں عہد پر قائم ہوں۔
۵؎ میں جب تک زندہ ہوں ترک محبت نہ کروں گا۔

آنانکہ نشانِ عہد جویند | جز راہِ مزارِ من نپویند
وہ لوگ جو وفاداری کا نشان تلاش کریں گے | میرے مزار کے راستہ کے سوا نہ دوڑیں گے
خاکِ منِ زار چوں بویند | گر نامِ تو بر سرم بگویند
جب مجھ عاجز کی خاک سونگھیں گے | اگر میرے سرہانے تیرا نام لیں گے

فریاد بر آید از رُوانم
میری رُوح سے فریاد بلند ہوگی

گر بگذردم بہ پیش خیلے | ہر یک بہ صفا بہ از سہیلے
اگر میرے سامنے سے ایک جماعت گذرے | جس میں ہر ایک رونق میں سہیل سے بہتر ہو
جز تو نہ کنم بغیر میلے | مجنوں نیم ار بہائے لیلیٰ
تیرے سوا کسی دوسرے کی طرف میں میلان نہ کروں گا | میں مجنوں نہیں ہوں، اگر لیلیٰ کی قیمت میں

مُلکِ عرب و عجم ستانم
عرب اور عجم کا مُلک لے لوں

گشتم صنما در آرزویت | آشفتہ و تیرہ دل چو مویت
اے صنم میں تیری آرزو میں ہوگیا ہوں | تیرے بال کی طرح پریشان، اور سیاہ دل
ہر چند نمی رسم بکُویت | شب نیست کہ از فراقِ رویت
ہر چند کہ میں تیرے کوچہ تک نہیں پہونچتا ہوں | کوئی رات نہیں گذرتی ہے کہ تیرے چہرے کے فراق سے

زاری بفلک نمی رسانم
آہ وزاری آسمان تک نہیں پہونچاتا ہوں

اے وصلِ تو اصلِ شادمانی | دائم بمرادِ دل بمانی
اے وہ کہ تیرا وصل اصل خوشی ہے | خدا کرے تو ہمیشہ دلی مراد کے مطابق رہے
با حافظِ خود بگو عیانی | ہر حکم کہ بر سرم برانی
اپنے حافظ سے کُھلم کُھلا کہہ | جو حکم بھی تو مجھ پر جاری کرے

سہل ست ز خویشتن مرانم
وہ آسان ہے، مجھے اپنے سے دور نہ کر

مخمس
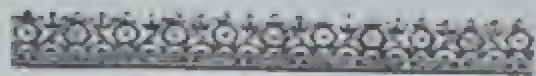
۱ وفائے عہد کا نشان صرف میری قبر ہوگی لوگ وفا کے نشان کی تلاش میں میری قبر کی طرف دوڑیں گے اور اگر قبر کے سرہانے تیرا نام لیں گے تو میں فریاد کرنے لگوں گا۔

۲ اگر میرے سامنے حسینوں کی ایسی جماعت آئے جو ہر ایک سہیل ستارے سے بہتر ہو تو بھی میں کسی کی طرف مائل نہ ہونگا۔ اگر میں اپنی لیلیٰ کے بدلے مُلکِ عرب و عجم کو لینا پسند کر لوں تو پھر میں مجنوں کب ہوا۔

۳ تیرا ہر حکم ماننا میرے لیے آسان ہے ہاں فراق کا حکم نہ دینا۔

مسدّس[1]

اے حریمِ بارگاہت کعبۂ عزّو علا
اے وہ کہ تیری بارگاہ کا حرم، عزت اور بلندی کا کعبہ ہے

نورِ چشمِ مصطفےٰ یعنی علی موسیٰ رضا
مصطفےٰ کی آنکھوں کا نور یعنی علی موسیٰ رضا

ماہِ گردونِ ولایت شمعِ جمعِ اصطفا
ولایت کے آسمان کا چاند، برگزیدہ جماعت کی شمع

میوۂ بستانِ جنّت بلبلِ نیکو سرا
جنت کے باغ کا میوہ، عمدہ گانیوالی بلبل

دائماً از غیب می آید بگوشم ایں ندا
ہمیشہ غیب سے میرے کان میں یہ آواز آتی ہے

کالسلام اے حضرتِ شاہِ خراساں السلام
کہ السلام، اے حضرت شاہ خراساں، السلام

جدِّ تو سلطانِ کونین ست یعنی مصطفےٰ[2]
تیرے نانا، دونوں جہان کے بادشاہ ہیں یعنی مصطفےٰ

جدۂ تو فاطمہؑ اُمِّ امامِ مجتبےٰ
تیری نانی فاطمہ ہیں، برگزیدہ امام کی ماں

جدِّ دیگر حیدرِ صفدر علیِ مرتضیٰ
دوسرے دادا صف شکن حیدر علی مرتضیٰ ہیں

ہم غریب و ہم شہیدی چوں حسینؑ کربلا
تو کربلا کے حسین کی طرح پردیسی بھی ہے اور شہید بھی ہے

در محبت ہر زماں گوئیم و باشد وِردِ ما
ہم ہر وقت محبت سے کہتے ہیں اور یہی ہمارا وِرد ہے

کالسلام اے حضرتِ شاہِ خراساں السلام
کہ السلام، اے حضرت شاہ خراساں، السلام

نورِ چشمی بہرِ زین العابدیں باقر امام[3]
اے امام! تو زین العابدین اور باقر کا نور چشم ہے

جعفرِ صادقؓ کہ دادہ دین و دنیا را نظام
اور جعفر صادقؓ کا نور چشم ہے جس نے دین اور دنیا کا نظم کیا ہے

بابِ تو موسیٰؑ کاظم آں شفیعِ خاص و عام
تیرے باپ ہر خاص و عام کے شفیع موسیٰ کاظم ہیں

گشتہ خورشیدِ فلک در گہت یا شہ غلام
اے شاہ آسمان کا سورج، تیری درگاہ کا غلام ہے

بعدِ ذکرِ حق ہمیگوئیم ما در صبح و شام
ہم اللہ کے ذکر کے بعد صبح اور شام کہتے ہیں

کالسلام اے حضرتِ شاہِ خراساں السلام
کہ السلام، اے حضرت شاہ خراساں، السلام

چوں تقی از حالِ بابِ خویشتن آگاہ شد
جبکہ تقی اپنے باپ کے حال سے آگاہ ہوئے

نزدِ بابِ خویشتن آمد ز چندیں راہ شد
اتنے دور کے راستہ سے اپنے باپ کے پاس آئے

دید چوں حالِ پدر با نالہ و با آہ شد
جب باپ کا حال دیکھا آہ اور نالہ کیا

پیشِ خود خواندش پدر تا واصلِ باللہ شد
باپ نے اسکو اپنے پاس بلایا یہاں تک کہ اللہ سے واصل ہوئے

---

[1] مسدّس وہ نظم ہوتی ہے جس کے ہر بند میں چھ مصرعے ہوتے ہیں ابتدائی چار مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں بقیہ دو مصرعوں کا قافیہ جدا گانہ ہوتا ہے اور پھر ہر بند کے آخری دو مصرعے، پہلے بند کے آخری دو مصرعوں کے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ یہ مسدس حضرت علی الرضا کی منقبت میں ہے جو امامیہ فرقہ کے امام ہشتم اور حضرت موسیٰ کاظم امام ہفتم کے صاحبزادہ ہیں جن کا مزار خراسان میں مشہد کے اندر ہے

[2] امام مجتبیٰ سے حضرت حسین مراد ہیں۔ جدِ دیگر یعنی جدِ بزرگوار حضرت علی ہیں۔

[3] زین العابدین سے حضرت امام زین العابدین سجاد مراد ہیں جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے اور امام چہارم ہیں حضرت محمد باقر امام پنجم اور حضرت زین العابدین کے صاحبزادے ہیں حضرت جعفر صادق امام ششم اور حضرت محمد باقر کے صاحبزادے ہیں حضرت موسیٰ کاظم امام ہفتم اور حضرت جعفر صادق کے صاحبزادے ہیں اس مسدس میں جہاں لفظ باب آیا ہے اس سے مراد باپ ہے محمد تقی امام نہم اور علی الرضا امام ہشتم کے صاحبزادے ہیں اس بند میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ خلیفہ ہارون رشید نے انکو

بر زبانِ او ز بعدِ ذکرِ اِلّا اللہ شد
ان کی زبان پر الّا اللہ کے ذکر کے بعد جاری ہو گیا

کالسلام اے حضرتِ شاہِ خراساں السلام
کہ السلام، اے حضرتِ شاہِ خراساں السلام

چوں نقی و عسکری با آرزویت در خیال — در خیالِ روئے تو گویند اے مقصودِ حال
جب نقی اور عسکری تیری آرزو کے خیال میں — تیرے چہرے کے خیال میں اے حال کے مقصود کہتے ہیں

شاہِ سلطانِ خراساں اخترِ برجِ کمال — دُرِّ دریائے ولایت بحرِ علمِ ذو الجلال
خراسان کے سلطان کے شاہ کمال کے برج کے تارے — ولایت کے دریا کے موتی اللہ کے علم کے سمندر

دائما گفتیم و میگوئیم ما از روئے حال
از روئے حال، ہم نے ہمیشہ کہا ہے اور کہیں گے

کالسلام اے حضرتِ شاہِ خراساں السلام
کہ السلام اے حضرتِ شاہِ خراساں السلام

مہدیِ ہادی کہ نورِ کلِ عالم روئے اوست — آبِ حیواں شبنمے زاں آب کاندر جوئے اوست
مہدی ہادی کہ کل عالم کا نور اس کا چہرہ ہے — آبِ حیات اس پانی کی شبنم ہے جو پانی اس کی نہر میں ہے

روضہ اش بستانِ جنت خاطرِ ما سوئے اوست — در خراساں روز و شب اندر دلم ہا ہوئے اوست
اس کا مزار جنت کا باغیچہ ہے، ہمارا دل اسکی طرف ہے — دن رات خراسان میں میرے دل میں اس کی وجہ ہائے اور ہوئے

بر دلِ ما دائما اینست گفت و گوئے اوست
ہمارے دل پر ہمیشہ اس کی یہ گفتگو ہے

کالسلام اے حضرتِ شاہِ خراساں السلام
کہ السلام اے حضرتِ شاہِ خراساں السلام

ہست اینَدم کوہِ طوس از مقدمش چوں کوہِ طور — چوں تو موسیٰ نسبتی کردی درآں منزل ظہور
اب طوس کا پہاڑ اس کی تشریف آوری سے کوہِ طور ہے — تجھ جیسے موسیٰ نسبت والے نے اس منزل میں ظہور کیا ہے

دار داز فیضِ جمالت روئے مہر و ماہ نور — روضہ ات بستانِ جنت آستانت جائے حور
تیرے حسن کے فیض سے سورج اور چاند کے چہرہ کو نور حاصل ہے — تیرا مزار جنت کا باغیچہ ہے، تیری چوکھٹ حور کا مقام ہے

آمدہ خلقے باُمیدِ شما از راہِ دور
تمہاری امید میں لوگ دور و دراز راستے سے آتے ہیں

کالسلام اے حضرتِ شاہِ خراساں السلام
کہ السلام اے حضرتِ شاہِ خراساں السلام

خردہ بینانے کہ ایشاں سکہ بر زر میزنند — سکۂ دولت بنامِ آلِ حیدر میزنند
وہ باریک بیں جو سونے کا سکہ بناتے ہیں — حکومت کا سکہ آلِ حیدر کے نام پر بناتے ہیں

شہ نشیناں جملہ آنجا حلقہ در میزنند — مؤذناں ہر صبح و شام اللہ اکبر میزنند
شہ نشین لوگ سب اس جگہ در کی زنجیر ہلاتے ہیں — مؤذن ہر صبح و شام اللہ اکبر کہتے ہیں

۱؎ علی النقی امام دہم اور محمد تقی کے صاحبزادے ہیں۔ حسن عسکری امام یازدہم اور علی النقی کے صاحبزادے ہیں۔
۲؎ محمد مہدی امام دوازدہم اور حسن عسکری کے صاحبزادے ہیں فرقۂ امامیہ کے عقیدہ کے مطابق اگرچہ بارھواں امام پیدا ہو چکا ہے لیکن اس کے ظہور کا وقت ابھی نہیں آیا جب اس کے ظہور کا وقت ہوگا تو ظاہر ہوگا۔
۳؎ کوہِ طور پر حضرت موسیٰ کو تجلی حاصل ہوئی تھی اسی لیے کوہِ طور مقدس مقام ہے اسی طرح کوہِ طوس کو امام علی الرضا کی وجہ سے تقدس حاصل ہو گیا ہے۔
۴؎ خردہ بیناں باریک بیں یعنی سکہ آلِ حیدر کے نام کا بنایا جاتا ہے۔

مُقرباں بر چرخ ہر دم ایں ندا بر میزنند
بڑھنے والے آسمان پر ہر وقت یہ پکارتے ہیں

کالسلام اے حضرتِ شاہِ خراساں السلام
کہ السلام اے حضرت شاہِ خراساں السلام

سینہ ام پر درد و دل در سینہ از غم می طپید
بر اسینہ درد سے پُر اور دل سینے میں غم سے تڑپ رہا تھا

از فراقِ آں شہنشاہِ عرب میرِ شہید
عرب کے اس شہنشاہ کے فراق کی وجہ سے جو شہیدوں کا سردار ہے

در عنب چوں زہر خورد از دستِ ہارون الرشید
جبکہ اس نے ہارون الرشید کے ہاتھ سے انگور میں زہر کھایا

رازِ خود با کس نگفت و سرِ او را کس ندید
اپنا راز کسی کو نہ بتایا اور اس کے راز کو کسی نے نہ دیکھا

چونکہ شد در خانہ ایں آوازہ از رضواں شنید
جب گھر میں اس کی شہرت ہو گئی تو رضوان سے اس نے سنا

کالسلام اے حضرتِ شاہِ خراساں السلام
کہ السلام اے حضرت شاہِ خراساں السلام

دائما خورشید و مہ بر درگہت جا کردہ اند
سورج اور چاند نے تیری درگاہ پر مستقل ٹھکانا بنایا ہے

زاں سبب ہر لحظہ ایشاں قصدِ بالا کردہ اند
اسی سبب سے انھوں نے ہر وقت بلندی کا ارادہ کیا ہے

شمع را ازیں سبب ہر روز برپا کردہ اند
شمع کو اسی سبب سے ہر روز کھڑا کیا ہے

زیرکانِ روزگار ایں نکتہ انشا کردہ اند
زمانہ کے سمجھداروں نے یہ نکتہ پیدا کیا ہے

باد را فراشِ آں درگاہِ اعلیٰ کردہ اند
ہوا کو اس بلند درگاہ کا فراش بنایا ہے

کالسلام اے حضرتِ شاہِ خراساں السلام
کہ السلام اے حضرت شاہِ خراساں، السلام

صبح و شام اندر غمِ او شمع با سوز و گداز
شمع سوز و گداز کے ساتھ اس کے غم میں، صبح و شام

گریہ و استادہ اندر درگہش تا روز باز
روتی ہے اور دن نکلنے تک اس کی درگاہ میں کھڑی ہے

حافظانِ بارگاہِ او بشبہائے دراز
اس کی بارگاہ کے محافظ، لمبی راتوں میں

تا بروز اندر تلاوت با خدا گویند راز
دن نکلنے تک قرآن خوانی میں خدا سے راز کہتے ہیں

بلبلاں اندر گلستاں کردہ اند ایں نغمہ ساز
باغوں میں بلبلوں نے یہ نغمہ گایا ہے

کالسلام اے حضرتِ شاہِ خراساں السلام
کہ السلام اے حضرتِ شاہِ خراساں، السلام

دوش بودم در طوافِ روضۂ خیر الانام
میں کل خیر الانام کے مزار کے طواف میں تھا

شاہِ سلطانِ خراساں آں امام ابنِ امام
کہ جو سلطان خراسان کا شاہ، اور امام ابن امام ہے

آں امامے کز شرف ذاتش بود در دیں مدام
وہ امام جس کی ذات شرافت کی وجہ سے دین میں ہمیشہ

قبلۂ اہلِ خراساں کعبۂ ہر خاص و عام
اہل خراسان کا قبلہ اور ہر خاص و عام کا کعبہ ہے

ا مشہور ہے کہ امام علی الرضا کو خلیفہ ہارون رشید نے انگوروں میں زہر دلوادیا تھا۔

بودم اندر روضہ اش کامد بگوشم ایں کلام
میں اس کے مزار پر تھا کہ میرے کان میں یہ کلام آیا

کالسلام اے حضرتِ شاہِ خراساں السلام
کہ السلام اے حضرتِ شاہِ خراساں السلام

ایں[1] بہ معجز کرد چوبِ خشک را اصلِ شجر
اس نے معجزے سے خشک لکڑی کو درخت کی جڑ بنا دیا

ہم بمعنی نقشِ پایت گشتہ پیدا در حجر
نیز حقیقتاً تیرے پیر کا نقش پتھر پر آگیا

اہلِ معنی را توئی چوں شاہِ سلطاں راہبر
چونکہ اے شاہِ سلطاں! اہلِ باطن کا تو ہی راہبر ہے

گشتہ[2] شیرِ پردہ بر اعدا از امرت پردہ در
پردے پر کا شیر تیرے حکم سے دشمنوں کا پردہ چاک کرنے والا ہوگیا

داد جبریلِ امیں در کلِ عالم ایں خبر
جبریلِ امین نے تمام عالم میں یہ خبر پہنچا دی

کالسلام اے حضرتِ شاہِ خراساں السلام
کہ السلام اے حضرتِ شاہِ خراساں السلام

ایکہ دارد روضہ ات بر جنت الماوا شرف
اے وہ کہ تیرا مزار جنت الماوٰی پر شرف رکھتا ہے

در خراساں مشہدت باشد بمعنی چوں نجف
خراسان میں تیرا مشہد حقیقتاً نجف کی طرح ہے

دوست باشد مر ترا در دنیا و عقبیٰ خلف
خاص تیرا دوست ہوگا دنیا اور آخرت میں جانشیں

گشتہ جانِ دشمنت تیرِ ملامت را ہدف
تیرے دشمن کی جان ملامت کے تیر کا نشانہ بن گئی ہے

ہر زماں آید بگوشِ جانِ من از ہر طرف
ہر جانب سے ہر وقت میری جان کے کان میں یہ آواز آتی ہے

کالسلام اے حضرتِ شاہِ خراساں السلام
کہ السلام اے حضرتِ شاہِ خراساں السلام

مرغِ روحم در ہوائے تست یا سلطانِ دیں
اے دین کے بادشاہ میری روح کا پرند تیری محبت میں ہے

یک زماں اے شاہِ من بر حالِ مسکیناں ببیں
تھوڑی دیر کے لئے اے میرے بادشاہ مسکینوں کے حال کو دیکھ

ہمچو مرغِ نیم بسمل اوفتادہ در زمیں
نیم بسمل پرند کی طرح زمین پر پڑا ہوا ہے

خاصہ حافظ را کہ دارد داغِ مہرت بر جبیں
خاص طور پر حافظ کو جو کہ پیشانی پر تیری محبت کا داغ رکھتا ہے

گوید از صدق و صفا ہر دم بآوازِ حزیں
سچائی اور خلوص سے غمگین آواز کے ساتھ ہر وقت کہتا ہے

کالسلام اے حضرتِ شاہِ خراساں السلام
کہ السلام، اے حضرتِ شاہِ خراساں، السلام

---

[1] مشہور ہے کہ امام علی الرضا کی کرامت سے سوکھی لکڑی تازہ درخت بن گئی تھی۔ نیز ان کی کرامت تھی کہ ان کے پیر کا نقش پتھر پر آجاتا تھا۔

[2] مشہور ہے کہ حضرت علی الرضا کو دعوت طعام پر بلایا گیا جب کھانا دسترخوان پر چن دیا گیا اور حضرت نے کھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو جادوگروں نے جادو کے زور سے کھانا غائب کر دیا۔ حضرت کو اس پر ناگواری ہوئی اور آپ نے پردے پر شیر کی جو تصویر بنی ہوئی تھی اس پر توجہ ڈالی آپ کی توجہ سے وہ واقعی شیر بنکر جادوگروں پر حملہ آور ہوا اور ان کا تمام جادو کا کھیل ختم ہوگیا۔

قطعات [۱]

گر کساں قدرِ مے بدانندے
اگر لوگ شراب کی قدر جان لیتے

شب نخفتند و رز نشانندے
رات کو نہ سوتے اور انگور کی بیل لگاتے

تاکہا را از چوبِ عود کنند
انگور کی بیل کے لیے عود کی لکڑیاں لگاتے

جو بہارا گلاب رانندے
نہروں میں عرق گلاب بہاتے

صد و سی گز کنند دیوارش
ایک سو تیس گز کی اسکی چہار دیواری بناتے

پاسباناں باو نشانندے
وہاں چوکیدار بٹھاتے

پائے ہر خوشہ [۲] کنیزکِ ترک
ہر خوشہ کے نیچے ترک باندی کو

بنشانندے مگس برانندے
بٹھاتے جو مکھیاں اڑاتی

خسروا داد گرا شیر دلا بحر کفا
اے بادشاہ! اے منصف، اے شیر دل، اے سمندر جیسی ہتھیلی والے

اے کمالِ تو بانواعِ ہنر ارزانی
اے وہ کہ تیرا کمال مختلف ہنروں میں مسلم ہے

ہمہ آفاق گرفت و ہمہ اطراف کشاد
تمام اطراف کو لے لیا اور تمام آفاق کو فتح کر لیا

صیتِ مسعودی و آوازِ شہِ سلطانی
تیری سعادتمندی کی شہرت نے اور شہنشاہیت کے آوازے نے

گفتہ باشد مگرت مُلہمِ غیب [۳] احوالم
شاید میرے احوال تجھسے غیب کے الہام کرنیوالے کہہ چکے ہونگے

اینکہ شد روزِ منیرم چو شبِ ظلمانی
یہ کہ میرا روشن دن، تاریک رات کی طرح ہو گیا ہے

در دو سال آنچہ بنید و ختم از شاہ و وزیر
میں نے دو سال میں بادشاہ اور وزیر سے جو کچھ جمع کیا تھا

ہمہ بربود بیکدم فلکِ چوگانی
چوگان کھیلنے والا آسمان سب کو ایک دم لے گیا

دوش در خواب چناں دید خیالم کہ سحر
کل رات میرے خیال نے خواب میں یہ دیکھا کہ صبح کے وقت

گذر افتاد بر اصطبلِ شہم پنہانی
خفیہ طور پر شاہی اصطبل سے میرا گزر ہوا

بستہ بر آخورِ او استرِ من جو میخورد
میرا خچر اُس کی چرنی پر بندھا ہوا جو کھا رہا تھا

توبرہ افشاند و بمن گفت مرا میدانی
اس نے توبرا جھاڑ دیا اور مجھ سے بولا کہ تو مجھے جانتا ہے؟

ہیچ تعبیر نمیدانمش این خواب کہ چیست
میں اس خواب کی کوئی تعبیر نہ جان سکا کہ کیا ہے؟

تو بفرمائے کہ در فہم نداری ثانی [۴]
تو بتا، کیونکہ سمجھ میں تیرا کوئی ثانی نہیں ہے

پادشاہا لشکرِ توفیق ہمراہِ تو اند
اے بادشاہ! توفیق کے لشکر تیرے ساتھ ہیں

خیز اگر بر عزمِ تسخیرے کماں زہ میکنی
اٹھ اگر کسی فتح کے ارادے سے تو کمان کا چلہ چڑھاتا ہے

با چنیں جاہ و جلال از پیشگاہِ سلطنت
سلطنت کی طرف سے اس قدر مرتبہ اور جلال ہوتے ہوئے

آگہی و خدمتِ دلہائے آگہ میکنی
تو باخبر دل ہے اور باخبر دلوں کی خدمت کرتا ہے

با فریبِ این خمِ زنگار [۵] گونِ نیلفام
اس زنگاری نیلگوں مٹکے کے فریب کے باوجود

کار بر وفقِ مرادِ صبغۃ اللہ میکنی
تو شریعت کے مقصد کے مطابق کام کرتا ہے

---

۱ قطعہ اشعار کے اس مجموعہ کو کہا جاتا ہے جس میں ایک شعر کا مطلب دوسرے سے متعلق ہو اس میں قصیدے کی طرح مطلع کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہونے ضروری نہیں ہیں ہاں قطعہ کے ہر شعر کا مصرعۂ ثانی ہم قافیہ ہوگا۔ اس کے اشعار کی تعداد دو سے ایک سو تک ہو سکتی ہے۔

۲ اگر لوگ شراب کی صحیح قدر جان جائیں تو انگور کی بیلوں کی انتہائی قدر و منزلت کریں اور طرح طرح سے اس کی حفاظت اور دیکھ بھال رکھیں۔

۳ وہ خدا جو غیب کی باتیں دل میں ڈالتا ہے اُس نے شاید بتایا ہوگا کہ میں انتہائی پریشانی میں ہوں۔

۴ ظاہر ہے کہ اس خواب کی یہی تعبیر ہے کہ حافظ کو ممدوح سے کچھ حاصل ہوگا۔

۵ خمِ زنگاری سے آسمان مراد ہے صبغۃ اللہ خدائی رنگ اس سے دینِ محمدی مراد ہے۔

آنکہ دہ با ہفت و نیم آورد بس سودے نکرد
جس نے دس کو ساڑھے سات بنایا کوئی فائدہ نہ کیا

فرصتت بادا کہ ہفت و نیم را دہ میکنی
تیری عمر دراز ہو تو ساڑھے سات کو دس بناتا ہے

سال و فال و مال و حال و اصل و نسل و بخت و تخت
سال اور فال، مال اور حال، اصل اور نسل، نصیبا اور تخت

بادت اندر ہر دو گیتی برقرار و بر دوام
تیرے لیے دونوں جہان میں ہمیشہ برقرار ہیں

سالِ خرم فالِ نیکو مالِ وافر حالِ خوش
مبارک سال، نیک فال، گھنا مال، خوش حال

اصلِ ثابت نسلِ باقی تختِ عالی بخت رام
پائیدار اصل، باقی رہنے والی نسل، بلند تخت، فرمانبردار نصیبہ

شاہا مبشرے ز بہشتم رسیدہ است
اے بادشاہ! ایک ایسا خوشخبری دینے والا جنت سے میرے پاس پہونچا ہے

رضواں سرِیرہ و حور روش و سلسبیل موی
جو رضوان طبیعت، حور صفت، سلسبیل جیسے بالوں والا ہے

خوش لفظ و پاک معنی و موزون و دلفریب
خوش لفظ، پاک معنی، اور موزوں، اور دلفریب ہے

صاحب جمال و نازک و خوب و لطیفہ گوی
حسین، نازک، خوبصورت اور لطیفہ گو ہے

گفتم دریں سرا چہ ز بہرِ چہ آمدی
میں نے کہا اس گھر میں تو کس لیے آیا ہے

گفتا ز بہرِ مجلسِ شاہِ غریب جوی
اس نے کہا مسافر نواز بادشاہ کی مجلس کے لیے

اکنوں ز صحبتِ منِ مفلس بجاں رسید
اب وہ مجھ مفلس کی صحبت سے تنگ ہو گیا ہے

نزدیکِ خویش خوانش و کامِ دلش بجوی
اپنے پاس اسے بلا لے اور اس کے دل کا مقصد معلوم کر لے

آں کیست تا بحضرتِ سلطاں ادا کند
وہ کون ہے جو بادشاہ کے دربار تک پہونچا دے؟

کز جورِ چرخ گم شتر و گربہا پدید
کہ آسمان کے ستم سے اونٹ گم ہو گئے اور بلیاں نکل پڑیں

رندے نشستہ بر سرِ سجادۂ قضا
قضا کے مصلے پر ایک رند بیٹھا ہوا ہے

حیزے دگر بمرتبۂ سروری رسید
ایک اور ہیجڑا، سرداری کے رتبے کو پہونچ گیا ہے

آں رند گفت چشم و چراغِ جہاں منم
وہ رند بولا، میں دنیا کا چشم و چراغ ہوں

آں حیز گفت ہمچو منی در جہاں کہ دید
وہ ہیجڑا بولا! مجھ جیسا دنیا میں کس نے دیکھا ہے؟

اے آصفِ زمانہ ز بہرِ خدا بگوی
اے آصفِ دوراں خدا کے لئے کہدے

باآں شہے کہ دولتِ او باد بر مزید
اس بادشاہ سے جس کی حکومت خدا کرے ترقی پر رہے

شاہا روا مدار کہ مفعول من یراد
اے بادشاہ اس کو جائز نہ رکھ کہ ہر شخص کا مفعول جو اس سے چاہے

گردد بروزگارِ تو فعالِ ما یرید
تیرے زمانہ میں من مانی کرنے والا ہو

دل بمند ایجانِ من بر وعدۂ شاہ و وزیر
اے میری جان! بادشاہ اور وزیر کے وعدے سے دل نہ لگا

کس نمیداند کہ کارش از کجا خواہد کشاد
کوئی نہیں جانتا کہ اس کا کام کہاں سے بنے گا

رو توکل کن نمیدانی کہ نوکِ کلکِ من
جا، توکل کر تو نہیں جانتا کہ میرے قلم کی نوک نے

نقش ہر صورت کہ زد رنگے دگر بیروں فتاد
جس صورت کا نقش بنایا دوسرا ہی رنگ نکلا

شاہِ ہرموزم ندید و بے سخن صد لطف کرد
شاہِ ہرموز نے مجھے نہیں دیکھا اور بغیر بات کے سو مہربانیاں کیں

شاہِ یزدم دید و مدحش گفتم و ہیچم نداد
شاہِ یزد نے مجھے دیکھا اور میں نے اس کی تعریف کی پر اس نے کچھ نہ دیا

کارِ شاہاں اینچنیں باشد تو اے حافظ مرنج
اے حافظ! تو رنج نہ کر، بادشاہوں کے کام ایسے ہی ہوتے ہیں

داورِ روزی رساں توفیق نصرتشاں بداد
روزی پہونچانے والا خدا ان کو مدد کرنے کی توفیق دے

قطعات

۱؎ یعنی اے ممدوح تجھے دنیا اور آخرت میں عمدہ سال اور خوشی وغیرہ نصیب ہو۔

۲؎ یہ قطعہ ایک قاضی اور ایک حاکم کی شکایت میں ہے اور حاکم ہیجڑا ہے۔ آصف سے عماد بن محمود، قطب الدین کا وزیر مراد ہے۔

مفعول من یراد یعنی بدفعلی کرانے کا عادی ہے

فعال ما یرید یعنی اتنا اقتدار حاصل ہو کر جو چاہے کر گذرے

۳؎ یہ قطعہ شاہ یزد کی شکایت میں ہے یزد شیراز کے قریب ایک شہر کا نام ہے اسی کے قریب ہرموز شہر ہے۔

قطعات

گفتند شعرِ من زبنفشہ شکر رُباست
لوگ کہتے ہیں میرے اشعار نے بنفشہ کی شیرینی ختم کر دی
زآں غیرتِ طبرزد[1] و کعب الغزال شد
اس وجہ سے وہ مصری اور بتاشے کے لیے باعثِ رشک بن گئے

بادا دہانش تلخ کہ عیبِ نبات گفت
اُس کا منہ کڑوا ہو، جو مصری میں عیب نکالے
خاکش بسر کہ مُنکرِ آبِ زلال شد
اُس کے سر پہ خاک، جو صاف پانی کا منکر ہو

آنکس کہ کور زاد زمادر بعمرِ خویش
جو شخص ماں کے پیٹ سے اندھا پیدا ہوا ہو وہ اپنی عمر میں
کے مُشتری دلبرِ صاحب جمال شد
کب حسین، دلبر کا خریدار بنا ہے!

بسمعِ خواجہ رساں اے رفیقِ وقت شناس
اے وقت شناس دوست خواجہ کے کان تک پہونچا دے
بخلوتے کہ دراں اجنبی صبا باشد
اس خلوت میں جہاں صبا بھی اجنبی ہو

لطیفۂ بمیان آر و خوش بخندانش
کوئی لطیفہ سنا، اور اس کو خوب ہنسا دے
بہ نکتہ کہ دلش را دراں رضا باشد
اس نکتہ سے جس سے اس کا دل راضی ہو جائے

پس آنگہے زکرم آنقدر بپرس زلطف
پھر اس وقت کرم کرکے نرمی سے اس قدر پوچھ لے
کہ گر وظیفہ تقاضا کنم روا باشد
کہ اگر میں وظیفہ کا تقاضا کروں تو مناسب ہوگا؟[2]

زدانش مطلقًا بے بہرہ باشد
وہ عقل سے بالکل بے بہرہ ہوگا
کہ از دنیا بشادی بہرہ جوید
جو دنیا سے خوشی کا حصہ طلب کرے گا

بود از شربِ شادی صائم الدہر[3]
وہ خوشی کے شربت سے ہمیشہ کا روزہ دار ہوگا
کہ جُلّابِ طرب از دہر جوید
جو خوشی کا عرقِ گلاب زمانہ سے چاہے گا

کسے چوں نوشدارو جوید از دہر
جب کوئی شخص زمانہ سے نوشدارو مانگتا ہے
کدامی نوشدارو زہر جوید
نوشدارو کیا، وہ تو زہر مانگتا ہے

بُلبل اندر نالہ و گُل خندۂ خوش میزند
بلبل نالہ کر رہی ہے اور گلاب خوب قہقہہ لگا رہا ہے
چوں نسوزد دل کہ دلبر در وے آتش میزند
دل کیوں نہ جلے کہ معشوق اس میں آگ لگا رہا ہے

ناخوشیہا دیدہ ام زاں زاہدِ پشمینہ پوش
اس کمبل پوش، زاہد سے میں نے غم اٹھائے ہیں
من غلامِ مُطربم کابریشم خوش میزند
میں اس مطرب کا غلام ہوں جو ریشم کے تار خوب بجا رہا ہے

زاہدا از تیرِ مژگانش حذر کردن چہ سود
اے زاہد! اس کی پلکوں کے تیر سے بچنے سے کیا فائدہ؟
زخمِ پنہاں چوں بابروئے کمانش میزند
جبکہ وہ پوشیدہ زخم، کمان جیسے ابروؤں سے لگاتا ہے

رُوح القدس[4] آں سروشِ فرخ
وہ مبارک غیبی فرشتہ، جبرئیل
از قبۂ طارمِ زبر جد
زبرجدی بالاخانہ کے قبے سے

میگفت سحر گہاں کہ یارب
صبح کے وقت کہہ رہا تھا کہ یارب
در دولت و حشمتِ مُخلّد
دولت اور مستقل حشمت میں

بر مسندِ خسروی بماناد
شاہی مسند پر رہے
منصور مُظفّر محمّد[5]
محمد منصور کامیاب

تو نیک و بدِ خود ہم از خود بپرس
تو اپنی نیکی اور بدی، خود اپنے آپ سے معلوم کر
چرا دیگرے باید ت مُحتسب
دوسرا، محتسب تجھے کیوں چاہیے؟

---

[1] طبرزد ایک سخت قسم کی مصری کو کہتے ہیں، کعب الغزال ہرن کا ٹخنہ بتاشے کو کہتے ہیں۔
[2] خواجہ کا مقررہ وظیفہ رُک گیا تھا اس پر یہ قطعہ کہا ہے، صبا کے اجنبی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایسی خاص تنہائی ہو کہ وہاں صبا بھی موجود نہ ہو۔
[3] صائم الدہر، وہ شخص جو بارہ مہینے روزے رکھتا ہو جلاب گُل اور آب سے بنا ہے وہ شربت جو عرقِ گلاب سے تیار کیا گیا ہو۔
[4] روح القدس، جبرئیل، یعنی جبرئیل نے وہ دعا دی جو اگلے اشعار میں مذکور ہے، قبہ سے آسمان مراد ہے۔
[5] یہ شاہ شجاع کا بھتیجہ ہے جس نے اس کے بیٹے سلطان زین العابدین کو شکست دیکر شیراز پر قبضہ کیا تھا۔

زہد دور باش و بہ نیکی بکوش | مکن عمر ضائع بلہو و لعب
بڑے سہام سے دور رہ اور نیکی کی کوشش کر | کھیل کود میں اپنی عمر ضائع نہ کر

چو دانی کہ روزی دہندت خداست | مدار از طمع قلب را منقلب
جب تجھے معلوم ہے کہ تجھے روزی دینے والا خدا ہے | لالچ کی وجہ سے دل کو الٹنے پلٹنے والا نہ بنا

چو دوناں دریں خاکدانِ دنی | زبہر دو نان از چہ مضطرب
کمینوں کی طرح اس کمینی دنیا میں | دو روٹی کے لیے تو کیوں پریشان ہے

وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ[1] | وَیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبْ
جو خدا سے ڈرتا ہے خدا اس کے لیے رہائی کی صورت پیدا فرما دیتا ہے | اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے کہ اس کو گمان نہیں ہوتا ہے

بگوشِ ہوش شبے منہیے ندا در داد | زحضرتِ احدی لا الٰہ الا اللہ
ایک رات گوش ہوش میں ایک خبر دینے والے نے کہا | اس اللہ کے دربار سے جس کے سوا کوئی معبود نہیں

کہ اے عزیز کسے را کہ خواریست نصیب[2] | یقیں بداں کہ نیابد بزور منصب و جاہ
کہ اے عزیز جس شخص کے نصیب میں ذلت ہے | یقین کر کہ طاقت سے منصب اور مرتبہ نہیں پا سکتا

بآب زمزم و کوثر سفید نتواں کرد | گلیم بخت کسے را کہ بافتند سیاہ
زمزم اور کوثر کے پانی سے سفید نہیں کیا جا سکتا ہے | اس شخص کے نصیب کی کملی کو جس کو کارکنانِ قضا و قدر نے سیاہ بنایا ہے

آں حبۂ[3] خضرا خور کز روئے سبکروحی | ہر کو بخورد یک جو بر سیخ زند سیمرغ
وہ سبز دانہ کھا کہ مزاج کی شگفتگی کی وجہ سے | جو کوئی ایک جو کے برابر کھاتا ہے سیمرغ کے کباب بناتا ہے

آں ذرہ کہ اعضا را در ولولہ اندازد | یک ذرہ و صد مستی یک حبہ و صد سیمرغ
وہ ذرہ جو اعضا کو ولولہ میں ڈال دے | ایک ذرہ ہے اور سو مستیاں، ایک دانہ ہے اور سو سیمرغ

سگ[4] بر آں آدمی شرف دارد | کہ دلِ مردماں بیازارد[5]
اس آدمی پر کتا فضیلت رکھتا ہے | جو لوگوں کے دلوں کو آزردہ کرے

ایں سخن را حقیقتے باید | تا معانی بدل فرود آید
اس کلام میں کوئی حقیقت ہونی چاہیے | تاکہ معنی دل میں اتر جائیں

آدمی با تو دست در مطعوم | سگ ز بیرونِ آستاں محروم
آدمی کا ہاتھ تیرے ساتھ کھانے میں ہے | کتا چوکھٹ کے باہر محروم ہے

حیف باشد کہ سگ وفا دارد | و آدمی دشمنی روا دارد
افسوس ہے کہ کتا وفاداری کرے | اور آدمی دشمنی کو روا رکھے

صاحبم دوش بادہ نفرستاد | آں خطا ایں خطاب می ارزد
میرے دوست نے کل شراب نہ بھیجی | وہ غلطی اس خطاب کے لائق ہے

لعل و یاقوت جامِ او گوئی | تنکِ مالکِ رقاب می ارزد
اس کے جام کا لعل اور یاقوت گویا | گردنوں کے مالک کے تنکے کی قیمت رکھتا ہے

قطعۂ پیشِ او فرستادم | کہ بصد خم شراب می ارزد
میں نے اس کے پاس ایسا قطعہ بھیجا | جو شراب کے سو مٹکوں کی قیمت کا ہے

قطعات

[1] یہ کلام اللہ کی ایک آیت کا اقتباس ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ جو شخص خدا پر بھروسہ کرتا ہے خدا اس کو بے سان و گمان رزق دیتا ہے۔

[2] جس کے مقدر میں ذلت ہے اس کو عزت نصیب نہیں ہو سکتی ہے۔ کالی گدڑی دھونے سے سفید نہیں ہو سکتی ہے۔

[3] سبز دانہ سے انگور کا دانہ مراد ہے یعنی شراب وہ نشاط پیدا کرتی ہے کہ انسان سیمرغ کے کباب بنانے کا ارادہ کرتا ہے۔

[4] مردم آزار انسان غداری کرے اور کتا وفاداری تو یہ انسان کتے سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔

[5] اس کے شراب نہ بھیجنے کی غلطی پر یہ اس بات کا مستحق ہے جو اگلے شعر میں کہی گئی ہے۔

[6] یہ دو شعر مثنوی کے ہیں۔ نہ معلوم قطعات کے ذیل میں کیوں لکھے گئے ہیں۔

قطعات

اے بادِ صبا اگر توانی — از راہِ وفا و مہربانی
اے صبا! اگر تجھ سے ہو سکے — تو وفا اور مہربانی کی راہ سے

از من خبرے بر بیارم — کو سوختہ تو در نہانی
میری خبر میرے یار کے پاس لے جا — کہ وہ جو تیرا پوشیدہ طور پر جلا ہوا ہے

می مُرد ز اشتیاق و میگفت — اے بے تو حرام زندگانی
اشتیاق سے مرا جاتا تھا اور کہتا تھا — اے دوست! تیرے بغیر زندگی حرام ہے

شرابِ[1] لعلِ مُروّق بجام گفت کہ من — چہار گوہرم اندر چہار جائے مدام
صاف سرخ شراب نے جام میں کہا کہ میں — ہمیشہ چار جگہوں میں چار گوہر ہوں

زمرّدم برتاک و عقیق در شیشہ — سُہیل در خمم و آفتاب اندر جام
میں انگور کی بیل پر زمرد ہوں، شیشہ میں عقیق ہوں — میں مٹکے میں سہیل ہوں، اور جام میں آفتاب ہوں

مرا حرام کہ گوید کہ وقتِ خوردنِ من — حلال زادہ برون آید از نتاجِ حرام
مجھے حرام کون کہتا ہے اس لئے کہ مجھے پینے کے وقت، — حرامی نطفہ سے حلال زادہ پیدا ہوتا ہے

اے معرّا[2] اصلِ عالی جوہرت از حقد و حرص — وے مبرا ذاتِ میمون اخترت از زرق و ریو
اے وہ کہ تیرے جوہر کی بلند اصل، کینے اور حرص سے پاک ہے — اور اے وہ! کہ تیرے مبارک ستارے والی ذات مکاری اور دھوکے سے بری،

از بزرگی کے روا باشد کہ تشریفات را — از فرشتہ باز گیری و آنگہے بخشی بدیو
بزرگی کی وجہ سے، کب جائز ہوگا کہ تو انعامات کو؟ — فرشتہ سے لوٹا لے اور پھر شیطان کو دیدے

سرائے مدرسہ و بحثِ علم و طاق و رواق — چہ سود چوں دلِ دانا و چشمِ بینا نیست
مدرسہ کی سرائے، اور علم کی بحث، اور محراب اور پردہ — کیا فائدہ جبکہ دانا دل اور بینا آنکھ نہیں ہے؟

سرائے[3] قاضیِ یزد ارچہ منبعِ فضل ست — خلاف نیست کہ علمِ نظر در آنجا نیست
یزد کے قاضی کا مکان اگرچہ علم کا سرچشمہ ہے — اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ نظر بازی کا علم وہاں نہیں ہے

ایکہ از روزگار می طلبی — فرح و عیش و خرمی و طرب
اے وہ! کہ تو زمانہ سے طلب کرتا ہے — فرحت، اور عیش، اور خوشی اور مستی

فکرِ مال و منال و حشمت و جاہ — ہمہ بگذار و ساغرے بطلب
مال و منال اور حشمت اور جاہ کا فکر — سب چھوڑ اور ایک ساغر مانگ

دلا[4] دیدی کہ آں فرزانہ فرزند — چہ دید اندر خمِ ایں طاقِ نیلیں
اے دل! تو نے دیکھا کہ اس عقلمند بچے نے — اس نیلگوں محراب کے خم میں کیا دیکھا

بجائے لوحِ سیمیں در کنارش — فلک بر سر نہادش لوحِ سنگیں
اس کی بغل میں چاندی کی تختی کی بجائے — آسمان نے اس کے سر پر پتھر رکھ دیا

مدّتے[5] در طلبِ مالِ جہاں کردم سعی — تا بآخر خبرم شد کہ ز نفعش ضرر ست
میں نے ایک مدت تک دنیا کا مال طلب کرنے میں کوشش کی — یہاں تک کہ آخر میں مجھے پتہ چل گیا کہ اس کے فائدہ میں نقصان ہے

عوضِ ہر چہ فلک داد بمن باز ستد — نکند فائدہ فریادِ جوانی چہ سر ست
جو چیزیں آسمان نے مجھے دیں ان کا بدلہ واپس لے لیا — جوانی کی فریاد کوئی فائدہ نہیں دیتی ہے کیا خیال ہے؟

[1] شراب نے کہا میں چار جگہ پر چار گوہروں کی طرح ہوں انگور کی بیل پر جب تک ہوں زمرد ہوں، شیشہ میں آکر سرخ عقیق ہوں مٹکے میں سہیل ستارہ اور جام میں آفتاب ہوں مجھے پیکر حلال زادہ حرام زادے سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ شراب پینے کے بعد انسان کی اصل حقیقت اور اس کے اخلاق ظاہر ہو جاتے ہیں۔

[2] یہ قطعہ بھی شکایتی ہے یعنی تیری ذات حرص سے پاک ہے تیری بزرگی کے یہ شایانِ شان نہیں ہے کہ دوسرے تیرے عطیات سے فائدہ اٹھائیں اور میں محروم رہوں۔

[3] علم نظر، علم بحث و مناظرہ کو کہا جاتا ہے لیکن یہاں اگر نظر بازی اور شاہد بازی کے معنی لئے جائیں تو زیادہ اچھا ہے۔

[4] یہ قطعہ کسی بچے کے مرثیہ میں کہا ہے۔ لوحِ سیمیں چاندی کی تختی لوحِ سنگین سے قبر کا پتھر مراد ہے۔

[5] یعنی دنیا کمانے میں آخرت کا نقصان ہے۔

عمر[1] ضائع شد و از مال زیانے دارد
عمر ضائع ہوگئی ، اور مال میں بھی نقصان ہے
اندہِ عمر کنوں از ہمہ غمہا بتر ست
اب عمر کا غم سب غموں سے بدتر ہے

بعد ازیں یک نفس از عمر بملک دو جہاں
اس کے بعد عمر کا ایک سانس دونوں جہان کے ملک کے بدلے
نفروشم کہ بچشم دو جہاں مختصر ست
میں نہ بیچوں گا اس لیے کہ میری آنکھوں میں دونوں جہان مختصر ہیں

مالکِ[2] ملکِ قناعت چو شدم گفتم فاش
میں جب قناعت کے ملک کا مالک ہو گیا تو کھلم کھلا میں نے کہا
کہ ز سر ہر چہ زیاد ست مرا دردِ سر ست
کہ سر کے علاوہ جو کچھ زیادہ ہے میرے لیے دردِ سر ہے

گنجہا یافتہ ام در دلِ ویراں ز ہنر
میں نے اپنے ویران دل میں ہنر کے خزانے پائے ہیں
گرچہ بحریست ضمیرم کہ سراسر ہنر ست
اگرچہ میرا دل ایسا سمندر ہے جو سراسر ہنر ہے

بعد ازیں ہر چہ رسد از بد و نیک اے حافظ
اے حافظ اس کے بعد جو کچھ نیک اور بد حاصل ہو
غم مخور شاد بزی زانکہ جہاں در گذر ست
غم نہ کر ، خوش رہ اس لئے کہ دنیا فانی ہے

ہر کہ آمد[3] در جہانِ پُر ز شور
پُر فساد دنیا میں جو آیا
عاقبت میبایدش رفتن بگور
انجام کار اس کو قبر میں جانا پڑے گا

در رہِ عقبیٰ ست دُنیا چوں پُلے
آخرت کے راستہ میں دُنیا ایک پُل کی طرح ہے
بے بقا جائے و ویراں منزلے
نہ باقی رہنے والی جگہ ، اور ایک ویران منزل ہے

دل[4] منہ بر ایں پُلِ پُر ترس و بیم
اس پُر خوف و خطر پُل سے دل نہ لگا
برگِ رہ سازو مشو اینجا مقیم
راستہ کا سامان تیار کر ، اور اس جگہ نہ ٹھہر

نزدِ اہلِ معنیٰ ایں کاخِ سپنج
یہ اسپنجی محل ، اہلِ باطن کے نزدیک
ہست چوں ویرانۂ خالی ز گنج
اس ویرانے کی طرح ہے جو خزانے سے خالی ہے

دور باش از دوستیِ مال و جاہ
مال اور مرتبہ کی دوستی سے دور رہ
زانکہ مالت مار و جاہت ہست چاہ
اس لیے کہ تیرا مال ، سانپ اور مرتبہ ، کنواں ہے

مَن[5] گرفتم خود توئی بہرامِ گور
میں نے مانا کہ تو خود بہرام گور ہے
خواہی افتاد آخر اندر دامِ گور
بالآخر تو قبر کے جال میں پھنسے گا

گر نہ کوری گور می بیں گفتمت
میں تجھ سے کہتا ہوں اگر تو اندھا نہیں ہے تجھے قبر کو دیکھنا چاہیے
یک زماں بیکار منشیں گفتمت
میں نے تجھ سے کہدیا ، تھوڑی دیر کیلئے بھی بیکار نہ بیٹھ

ہیچکس را نیست زیں منزل گزیر
اس منزل سے کسی کو چارہ نہیں ہے
از گدا و شاہ و از برنا و پیر
خواہ فقیر ہو یا بادشاہ ، خواہ جوان ہو یا بوڑھا

اے کہ بر ما بگذری دامن کشاں
اے وہ کہ جو ہمارے پاس سے دامن کھینچتا ہوا گذر رہا ہے
از سرِ اخلاص الحمدے[6] بخواں
مخلصانہ طور پر سورۂ فاتحہ پڑھ

فسادِ چرخ[7] نہ بینیم و نشنویم ہنوز
ہم ابھی تک آسمان کا فساد نہ دیکھتے ہیں نہ سنتے ہیں
کہ چشمہا ہمہ کور ست و گوشہا ہمہ کر
اس لیے کہ سب آنکھیں اندھی ہیں اور سب کان بہرے ہیں

بسا کساں کہ مہ و مہر باشدش بالیں
بہت سے وہ لوگ جن کے سرہانے سورج اور چاند ہوتے ہیں
بعاقبت ز گِل و خاک باشدش بستر
انجام کار ان کا بستر مٹی اور خاک سے ہوتا ہے

قطعات

[1] مال بھی ضائع ہوا اور عمر بھی برباد ہوگئی عمر کی بربادی کا زیادہ افسوس ہے۔
[2] قناعت حاصل ہو جانے کے بعد میں نے کہدیا کہ بس انسان کو اپنے سر کا مالک ہونا چاہیے اس سے علاوہ اگر کچھ ہے تو وہ دردِ سری کا باعث ہے۔
[3] دنیا میں آنے کے بعد لامحالہ ہر شخص کو قبر میں جانا ہے۔
[4] دنیا آخرت کا پُل ہے پُل پر کوئی شخص قیام نہیں کرتا ہے بلکہ وہ محض گذر جانے کے لئے ہوتا ہے۔
[5] بہرام بادشاہ کو گورخر کے شکار کا بہت زیادہ شوق تھا اس لئے بہرام گور کہلانے لگا دامِ گور یعنی مر کر قبر میں جائے گا۔
[6] جو شخص تکبر کے ساتھ ہماری قبر پر سے گذرے اس کو سورۃ فاتحہ پڑھ کر ہمیں ایصالِ ثواب کرنا چاہیے۔
[7] چونکہ ہم اندھے اور بہرے ہیں اس لیے زمانے کے فساد کو نہ دیکھتے ہیں نہ سنتے ہیں۔

چہ فائدہ ز زرہ با کشادِ تیرِ قضا
قضا کا تیر چھوٹنے پر زرہ سے کیا فائدہ؟
چہ منفعت ز سپر با نفاذِ تیغِ قدر
تقدیر کی تلوار چلنے پر ڈھال سے کیا فائدہ؟

اگر ز آہنِ[1] و فولادِ سودہ حصن کنی
اگر تو پسے ہوئے لوہے اور فولاد سے قلعہ بنادے
حوالہ چوں برسد زود اجل بکوبد در
جب وقت آجاتا ہے تو موت جلد دروازہ کھٹکھٹا دیتی ہے

بروشنی خوش و عیش و نوش غرہ مشو
اچھی روشنی اور عیش اور پینے پلانے سے دھوکا نہ کھا
کہ ظلمت از پئے نورست و زہر زیر شکر
اس لیے کہ تاریکی نور کے درپے ہے اور شکر کے نیچے زہر ہے

درے کہ بر تو کشایند از ہوا مکشائے
خواہش نفسانی کا جو دروازہ تجھ پر کھولیں اسے نہ کھول
رہے کہ بر تو نمایند از ہوس مسپر
ہوس کی جو راہ تجھے دکھائیں اس پر نہ چل

براہِ[2] تو ہمہ چاہ است سر نہادہ مرو
تیرے راستہ میں کنویں ہی کنویں ہیں، سر لٹکائے ہوئے چل
بجامِ تو ہمہ زہرست ناچشیدہ مخور
تیرے جام میں سب زہر ہے بغیر چکھے نہ پی

عیارِ چرخ بگیر و نہادِ دور نگر
آسمان کی آزمائش کر اور زمانہ کی فطرت دیکھ
بساطِ حرص بچین و لباسِ آز بدر
حرص کی بساط لپیٹ دے اور لالچ کا لباس پھاڑ دے

دل منہ[3] بر دنیا و اسبابِ او
دنیا اور اس کے سامان سے دل نہ لگا
زانکہ از وے کس وفاداری ندید
اس لیے کہ اس سے کسی نے وفاداری نہیں دیکھی ہے

کس عسل[4] بے نیش ازیں دکاں نخورد
اس دکان سے کسی نے بغیر ڈنک کے شہد نہیں کھایا
کس رطب بے خار ازیں بستاں نچید
کسی نے بدون کانٹے کے اس باغ سے کھجوریں نہیں چنیں

ہر کہ ایامے چراغے بر فروخت
جس نے چند دن چراغ جلایا
چوں تمام افروخت بادش در دمید
جب پورا روشن ہوگیا، ہوا نے اسکو بجھا دیا

بے تکلف ہر کہ دل بر وے نہاد
جس نے اس سے بے تکلف دل لگایا
چوں بدیدم خصم خود می پرورید
جب میں نے دیکھا تو وہ اپنا دشمن پال رہا تھا

شاہِ[5] غازی خسرو گیتی ستاں
غازی بادشاہ، دنیا کا فاتح خسرو
آنکہ از شمشیر او خوں می چکید
وہ کہ جس کی تلوار سے خون ٹپکتا تھا

گہ بیک حملہ سپاہے می شکست
کبھی ایک حملہ سے لشکروں کو شکست دیتا تھا
گہ بہوئے قلب کوہے می درید
کبھی ایک ہُو سے پہاڑ کا دل پھاڑتا تھا

سروراں را بے گنہ میکرد حبس
سرداروں کو بے خطا قید کردیتا تھا
گردناں را بے سخن سر می برید
بے بات لوگوں کے سر کاٹتا تھا

از نہیبش پنجہ می افگند شیر
اس کے خوف سے شیر پنجے ڈھیلے کردیتا تھا
در بیاباں نامِ او چوں می شنید
جنگل میں جب اس کا نام سن لیتا تھا

عاقبت شیراز و تبریز و عراق
انجام کار جب اس نے شیراز اور تبریز اور عراق کو
چوں مسخر کرد وقتش در رسید
فتح کرلیا تو اس کا وقت آگیا

آنکہ روشن بد جہاں بینش باو
جس کی وجہ سے اس کی آنکھ روشن تھی
میل در چشمِ جہاں بینش کشید
اس نے اس کی جہاں بیں آنکھ میں سلائی پھیردی

قطعات

[1] اگر انسان آہنی قلعوں میں بھی رہے تو موت کا وقت آنے پر لامحالہ مرجائے گا۔
[2] انسان کے راستے میں بہت سے کنویں ہیں اور اس کے جام میں زہر ہے، ہوش سے کام کرنا چاہیے۔
[3] یہ قطعہ امیر مبارز الدین کی گرفتاری پر لکھا ہے یعنی دنیا ناپائدار ہے اس پر بھروسہ مناسب نہیں ہے۔
[4] دنیا کی ہر راحت تکلیف سے ملی ہوئی ہے۔ دکان سے دنیا مراد ہے
[5] شاہ غازی سے، امیر مبارز الدین محمد مراد ہے جس کو اس کے بیٹے شاہ شجاع نے گرفتار کرکے اور آنکھوں میں گرم سلائیاں پھروا کر معزول کردیا تھا اور پھر خود شیراز کا بادشاہ بن گیا تھا۔

بعہدِ سلطنتِ شاہِ شیخ ابو اسحاق[1]
شیخ ابو اسحاق بادشاہ کی سلطنت کے زمانے میں
به پنج شخصِ عجب مُلکِ فارس بود آباد
ملک فارس پانچ عجیب شخصیتوں کی وجہ سے آباد تھا

نخست پادشہے ہمچو او ولایت بخش
اوّلاً، اس جیسا ملک بخشنے والا بادشاہ
کہ جانِ خویش بپرورد و دادِ عیش بداد
جس نے اپنی جان کی پرورش کی اور عیش کی داد دی

دگر مربّیِ اسلام شیخ مجد الدین
دوسرے اسلام کے مربّی شیخ مجد الدین
کہ قاضیے بہ ازآں آسماں ندارد یاد
کہ ان سے بہتر کوئی قاضی آسمان کو یاد نہیں ہے

دگر شہنشہِ دانش عضد کہ در تصنیف
تیسرے، عقل کا بادشاہ عضد الدین، کہ تصنیف میں
زیُمنِ ہمّتِ او کار ہائے بستہ کشاد
اس کی توجہ کی برکت سے بندھے ہوئے کام کھلے

دگر بقیۂ ابدال شیخ امین الدین
چوتھے، ابدال کے بقیہ شیخ امین الدین
بنائے کارِ موافق بنامِ شاہ بنہاد
جنہوں نے موافق کام کی بنیاد بادشاہ کے نام پر رکھی

دگر کریم چو حاجی قوام دریا دل
پانچویں، حاجی قوام جیسا سخی دریا دل
کہ نامِ نیک بَرد از جہاں ز بخشش و داد
جو بخشش اور عطا کی وجہ سے دنیا میں نیک نام پیدا کر گیا

نظیرِ خویش نہ بگذاشتند و بگذشتند
انہوں نے اپنی مثال نہ چھوڑی اور چلے گئے
خدائے عزّ و جل جملہ را بیامرزاد
اللہ تعالیٰ سب کی بخشش کرے

مثنوی[2]

الا اے آہوئے وحشی کجائی
اے وحشی ہرن تو کہاں ہے!
مرا با تست بسیار آشنائی
مجھے تجھ سے بہت محبت ہے

دو تنہا و دو سرگردانِ بیکس[3]
دو تنہا، اور دو حیراں، بیکس ہیں
دو راہ اندر کمیں از پیش و از پس
آگے اور پیچھے سے دو راستے گھات میں ہیں

بیا تا حالِ یک دیگر ببینیم
آ جا، تاکہ ہم ایک دوسرے کا حال جان لیں
زمانے پیشِ یکدیگر نشینیم
تھوڑی دیر مل کر بیٹھیں

حدیثِ دردِ دوری را نخوانیم[4]
فراق کے درد کا قصہ ہم نہ پڑھیں
مرادے ہم بجوئیم ار توانیم
اگر ہو سکے تو ایک دوسرے کی مراد ڈھونڈیں

کہ می بینم دریں دشت مشوّش[5]
اس لیے کہ میں اس تشویشناک جنگل میں دیکھتا ہوں
چراگاہے ندارم خرّم و خوش
کہ میرے پاس کوئی سرسبز اور اچھی چراگاہ نہیں ہے

کہ خواہد شد بگوئید اے حبیباں
اے دوستو! بتاؤ کون ہوگا؟
رفیقِ بیکساں یارِ غریباں
بیکسوں کا دوست، غریبوں کا یار

مگر خضرِ مبارک پے در آید
شاید با برکت خضر آ جائے
زیُمنِ ہمّتش ایں رہ سر آید
اس کی توجہ کی برکت سے یہ راستہ طے ہو جائے

---

[1] شاہ ابو اسحاق وہی شیراز کا والی ہے جس کو امیر مبارز الدین نے شکست دی تھی اس قطعہ میں ابو اسحاق کے دور کی پانچ (۵) شخصیتوں کا ذکر ہے۔

[2] مثنوی کے معنی دو دو والا ہیں چونکہ مثنوی کے ہر شعر میں دونوں مصرعے ایک قافیہ کے ہوتے ہیں گویا ہر شعر دو قافیوں والا ہے۔ قافیہ کے اعتبار سے مثنوی کا ہر شعر جداگانہ ہوتا ہے، لیکن مضمون مسلسل ہوتا ہے۔

[3] دو سے ہرن اور خود شاعر مراد ہے۔

[4] درد اور غم سے قطع نظر کر کے ایک دوسرے کی مدد کریں۔

[5] دشت مشوش سے میدان عشق مراد ہے۔

مثنوی

مگر وقتِ عطا پرور دن آمد[1] — کہ فالم لاتذرنی فرداً آمد
شاید عطا پروری کا وقت آگیا ہے — اس لیے کہ "مجھے اکیلا نہ چھوڑ" میری فال نکلی ہے

کہ روزے رہروے در سرزمینے — ہمی گفت ایں معمّا با قرینے
اس لیے کہ ایک دن ایک راہ چلنے والا ایک جگہ — ایک ساتھی سے یہ معمّا کہہ رہا تھا

کہ اے سالک چہ درانبانہ داری — بیا دامے بنہ گر دانہ داری
کہ اے سالک! تو تھیلے میں کیا رکھتا ہے! — آ، جال بچھا، اگر دانہ رکھتا ہے

جوابش[2] داد و گفتا دانہ دارم — ولے سیمرغ می باید شکارم
اس نے اس کو جواب دیا، "میرے پاس دانہ تو ہے — لیکن میں سیمرغ کا شکار کرنا چاہتا ہوں"

بگفتا چوں بدست آری نشانش — کہ از ما بے نشانست آشیانش
اس نے کہا، تو اس کا پتہ کیسے لگائے گا! — کیونکہ ہمیں اس کے آشیانہ کا کوئی پتہ نہیں ہے

بگفتا گرچہ ایں امرِ محال ست — ولیکن ناامیدی ہم وبال ست
اس نے کہا، اگرچہ یہ محال بات ہے — لیکن مایوسی بھی وبال ہے

ہمی تا جاں بود در تن بکوشم — بود کز جامِ او یک جرعہ نوشم
جب تک بدن میں جان ہے، میں کوشش کروں گا — ہو سکتا ہے کہ میں اس کے جام سے ایک گھونٹ پی لوں

مرا بگذشت آبِ فرقت از سر — دریں حالم مدارا اینست درخور
ہجر کا پانی میرے سر سے گذر گیا ہے — اس حالت میں تو مجھ کو مت رکھ یہ مناسب ہے

ہم اکنوں[3] راہِ مُلکِ خویش گیرم — وگر میرم ہم اندر راہ میرم
میں اب اپنے ملک کا راستہ اختیار کرتا ہوں — اگر مروں گا بھی تو راستہ میں مروں گا

غریبانے کہ حالم را ببینند — بمرگم بر سرِ بالیں نشینند
جو مسافر میرا حال دیکھیں گے — مرنے پر میرے سرہانے بیٹھ جائیں گے

غریباں را غریباں یاد آرند — کہ ایشاں یکدگر را یادگارند
پردیسیوں کو پردیسی یاد رکھتے ہیں — اس لیے کہ وہ ایک دوسرے کی یادگار ہیں

خدایا چارۂ بیچارگانی — مرادِ بندہ را چارہ تو دانی
اے خدا تو ہی بے چاروں کا چارہ ہے — بندے کے مقصد کی تو تدبیر جانتا ہے

چناں[4] کز شب برآری روزِ روشن — ازیں اندُہ برآور شادیِ من
جس طرح تو رات سے روشن دن برآمد کر دیتا ہے — اس غم میں سے میری خوشی برآمد کر دے

زہجرانت ہمی دارم شکایت — نمی گنجد درایجا ایں حکایت
تیرے فراق سے مجھے شکوہ ہے — اس جگہ اس قصہ کی گنجائش نہیں ہے

رفیقاں قدرِ یکدیگر بدانید — مرادے ہم بجوئید ار توانید
اے ساتھیو! ایک دوسرے کی قدر پہچانو — اگر کر سکتے ہو تو کسی مراد کی جستجو کرو

چو آں[5] سروِ رواں شد کاروانی — بگفتا صبر کن تا می توانی
جبکہ وہ سروِ رواں قافلہ والا بن گیا — بولا، جب تک تجھ سے ہو سکے صبر کر

---

[1] قرآن پاک میں ہے "رب لاتذرنی فرداً وانت خیرالوارثین" اے خدا مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو سب وارثوں سے بہتر ہے اس شعر میں اسی آیت کی طرف اشارہ ہے۔

[2] سالک نے جواب میں کہا کہ دانہ تو ہے لیکن میں اس سے سیمرغ کا شکار کرنا چاہتا ہوں۔

[3] میں اس دنیا میں پردیسی ہوں اپنے وطن کا راستہ اختیار کروں گا۔ اگر موت بھی آئے تو وطن کے راستہ میں آئے جو اور مسافر ہوں گے وہ تو میری تربت پر بیٹھیں گے اس لیے کہ مسافر مسافر کا ہمدرد ہوتا ہے

[4] جس طرح ظلمات کی تاریکی میں سے دن کی روشنی نمودار فرماتا ہے اسی طرح میرے غم میں سے خوشی نمودار فرما سکتا ہے۔

[5] یعنی جب محبوب قافلہ کے ساتھ چلا، اور مجھے صبر کی تلقین کرنے لگا۔

مثنوی

(۵۸)

مثنوی

مدہ[1] جام مے و پائے گل از دست
شراب کا جام اور گلزار، ہاتھ سے نہ چھوڑ
ولے غافل مشو از چرخ بدمست
لیکن بدمست آسمان سے غافل نہ ہو

لب سرچشمہ و بر طرف جوئے
چشمے کے کنارے، اور نہر پر
نم اشکے و با خود گفتگوئے
آنسوؤں کی نمی ہو اور اپنے آپ سے باتیں

بیاد[2] رفتگان و دوستداراں
دوستوں اور گذرے ہوؤں کی یاد پر
توافق کن تو با ابر بہاراں
تو موسم بہار کے ابر سے موافقت کر

چو نالاں آیدت ابر رواں پیش
جب ابر رواں، تیرے سامنے روتا ہوا آئے
مدد بخشش ز آب دیدۂ خویش
اپنی آنکھ کے آنسوؤں سے اس کی مدد کر

نکرد آں ہمدم دیرین مدارا
اس قدیم ساتھی نے مروت نہ برتی
مسلماناں مسلماناں خدارا
اے مسلمانو! دہائی ہے

چناں بیرحم زد تیغ جدائی
جدائی کی تلوار اس قدر بے رحمی سے چلائی
کہ گوئی خود نبودہ است آشنائی
کہ گویا دوستی تھی ہی نہیں

برفت و طبع خوش باشم حزیں کرد
وہ چلا گیا، اور میری خوش رہنے والی طبیعت کو غمگین کر گیا
برادر با برادر کے چنیں کرد
بھائی نے بھائی کے ساتھ ایسا کب کیا ہے؟

مگر خضر[3] مبارک پے تواند
شاید مبارک قدم، خضر ہی کے
کہ ایں تنہا باں تنہا رساند
کہ اس اکیلے کو اس اکیلے کے پاس پہونچادے

نیاز من چہ وزن آرد بدیں ساز
اس ٹھاٹ میں میری نیازمندی کا کیا وزن ہے
کہ خورشید غنی شد کیسہ پرداز
اس لیے کہ مالدار سورج خالی تھیلی والا ہوگیا

تو گوہر بین و از خر مہرہ بگذر
تو موتی کو دیکھ اور کوڑی کو چھوڑ دے
ز طرزے کاں نگردد شہرہ بگذر
اس طرز سے گذر جس سے شہرت نہ ہو

چو من[4] ماہی کلک آرم بتحریک
جب میں قلم کی مچھلی کو حرکت میں لاؤں
تو از نون و القلم می پرس تفسیر
تو نون اور قلم کی تفسیر پوچھ لے

رواں را با خرد درہم سرشتند
روح کو عقل کے ساتھ گوندھا
وز آں تخمے کہ حاصل بود کشتند
اس سے جو بیج پیدا ہوا اس کو بویا

بیاور نکہتے زاں طیب امید
اس امید کی خوشبو سے مہک لا
مشام جان معطر ساز جاوید
جان کے دماغ کو ہمیشہ معطر بنا

کہ ایں نافہ ز چین زلف حورست
اس لیے کہ یہ نافہ، حور کی زلف کی شکن کا ہے
نہ زاں آہو کہ از مردم نفورست
اس ہرن کا نہیں ہے جو انسانوں سے متنفر ہے

چرا با بخت خود چندیں ستیزم
میں اپنے نصیبے سے اس قدر کیوں لڑوں؟
چرا از طالع خود می گریزم
میں اپنے مقدر سے کیوں بھاگوں؟

درین[5] وادی ز بانگ چنگ بشنو
اس میدان میں چنگ کی آواز سے سن
کہ صد من خون مظلوماں بیک جو
کہ مظلوموں کا سو من خون ایک جو کی قیمت کا ہے

---

۱ جام اور گلستان کو ترک نہ کرنا چاہئے لیکن آسمان کی بدمستی سے غفلت بھی نہ اختیار کرنی چاہئے۔

۲ جس طرح ابر بہاری آنسو بہاتا ہے تو بھی گذرے ہوؤں کی یاد میں رو۔

۳ مجھ تنہا کو اس محبوب تک خضر مبارک قدم ہی پہونچا سکتا ہے۔

۴ ن والقلم و ما یسطرون قرآن پاک کی آیت ہے جس کی طرف اس شعر میں اشارہ ہے میرا قلم اسرار ظاہر کرتا ہے۔

۵ میدان عشق میں عاشقوں کے خون کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔

پرِ جبریل را اینجا بسوزند
اس جگہ جبریلؑ کے پر جلادیتے ہیں
بدامن کودکاں آتش فروزند
بچے دامن سے آگ روشن کردیتے ہیں

سخن گفتن کرا یارا ست اینجا
اس مقام پر کس کو بات کرنے کی طاقت ہے؟
تعالی اللہ چہ استغناست اینجا
خدا بلند ہے اس جگہ کیا بے نیازی ہے![1]

بروحافظ دریں معرض مزن دم
اے حافظ جا! اس میدان میں سانس نہ لے
سخن کوتاہ کن وَاللہُ اَعلَمُ
بات مختصر کر اور خدا زیادہ جاننے والا ہے

قصائد[2]

جوزا[3] سحر نہاد حمائل برابرم
صبح کو، جوزا نے پرتلا میرے سامنے رکھ دیا
یعنی غلامِ شاہم و سوگند میخورم
یعنی میں شاہ کا غلام ہوں، اور میں قسم کھاتا ہوں

ساقی بیاکہ از مددِ بختِ سازگار
اے ساقی! آجا اس لیے کہ موافق نصیبے کی مدد سے
کامے کہ خواستم زخدا شد میسّرم
جو مقصد میں نے خدا سے مانگا، وہ مجھے مل گیا

جامے بدہ کہ باز بشادیٔ روئے شاہ[4]
ایک جام دے، اس لیے کہ پھر شاہ کے دیدار کی خوشی میں
پیرانہ سر ہوائے جوانی ست بر سرم
بڑھاپے میں، جوانی کی خواہش میرے سر پر سوار ہے

راہم مزن بوصفِ زلالِ خضر کہ من
خضر کے نیر پانی کی تعریف کر کے مجھے نہ بھٹکا اس لیے کہ میں
از جامِ شاہ جرعہ کشِ حوضِ کوثرم
شاہ کے جام سے حوضِ کوثر کے گھونٹ پی رہا ہوں

شاہا من ار بعرش رسانم سریرِ فضل
اے بادشاہ اگر میں بزرگی کا تخت عرش پر بھی پہونچادوں
مملوکِ ایں جنابم و مسکینِ ایں درم
تو میں اس دربار کا غلام اور اس در کا فقیر ہوں

من جرعہ نوشِ بزمِ تو بودم ہزار سال[5]
میں ہزاروں سال تیری محفل کا جرعہ نوش رہا ہوں
کے ترکِ آبخور کند ایں طبعِ خوگرم
میری عادی طبیعت اس آبخور کو کب چھوڑ سکتی ہے!

گر باورت نمی شود از بندہ ایں حدیث
اگر تجھے غلام کی اس بات پر یقین نہیں ہے
از گفتۂ کمال دلیلے بیاورم
کمال بات سے ایک دلیل لاؤں گا

گر بر کنم دل از تو و بردارم از تو مہر
اگر تجھ سے دل ہٹاؤں، اور تجھ سے محبت ہٹالوں
آں مہر بر کہ افگنم آں دل کجا برم
وہ محبت کس سے کروں، اس دل کو کہاں لیجاؤں؟

منصور بن محمّدِ غازیست حرزِ من
منصور، محمد غازی کا بیٹا، میری حفاظت کا ذریعہ ہے
وز ایں خجستہ نام بر اعدا مظفّرم
اس بابرکت نام کی وجہ سے میں دشمنوں پر فتحیاب ہوں

عہدِ الستِ[6] من ہمہ با مہرِ شاہ بود
میرا پورا عہدِ الست شاہ کی محبت پر تھا
در شاہراہِ عمر ازیں عہد نگذرم
زندگی کی شاہراہ میں، میں اس سے نہ ہٹوں گا

گردوں چو کرد نظمِ ثریا بنامِ شاہ
جب آسمان نے ثریا کو شاہ کے نام پر پرو دیا ہے
من خود چرا چنیں نہ کنم از کہ کمترم
میں خود ایسا کیوں نہ کروں، میں کس سے کم ہوں؟

[1] یہ دربار اس قدر بے نیاز ہے کہ وہاں بات کرنے کی بھی مجال نہیں ہے۔
[2] قصیدہ اشعار کا وہ مجموعہ کہلاتا ہے جس میں کسی کی تعریف یا مذمت ہو اس کا مضمون مسلسل ہوتا ہے، اس کے مطلع کے دونوں مصرعوں کا قافیہ ایک ہوتا ہے، باقی اشعار میں ہر شعر کے دوسرے مصرع کا قافیہ مطلع کے قافیے کے مطابق ہوگا۔ یہ قصیدہ شاہ منصور کی تعریف میں ہے جس نے شاہ شجاع کے بیٹے زین العابدین کو شکست دیکر شیراز پر قبضہ کیا تھا۔
[3] جوزا سے برج جوزا مراد نہیں ہے بلکہ وہ آسمانی شکل مراد ہے جس میں ایک مرد دو کرسیوں پر کھڑا ہے اور ایک تلوار گلے میں لٹکائے ہوئے ہے۔
[4] بادشاہ کو دیکھنے کی خوشی سے بڑھاپے میں جوانی کے جذبات پیدا ہوگئے ہیں۔
[5] ہزار سال سے مراد ازل ہے یا طویل زمانہ۔
[6] عہدِ الست وہ عہد ہے جو ازل میں خدا نے اپنے بندوں سے ا
اپنے رب ہونے کا لیا تھا یعنی میرا عہدِ الست شاہ کی محبت پر ہوا تھا۔

شاہیں صفت چو طعمہ چشیدم بدست شاہ — کے باشد التفات بصید کبوترم

جب میں نے باز کی طرح شاہ کے ہاتھ کا لقمہ کھایا ہے — کبوتر کے شکار کی طرف میری توجہ کب ہو سکتی ہے؟

اے شاہ شیر گیر چہ کم گردد ار شود — در سایۂ تو ملک فراغت میسرم

اے شیر کو پکڑنے والے بادشاہ! کیا کم ہو جائے گا اگر ہو جائے — تیرے سایہ میں مجھ کو فراغت کا ملک حاصل؟

بال۱ و پرے ندارم و ایں طرفہ تر کہ نیست — غیر از ہوائے منزل سیمرغ در سرم

میں بال اور پر نہیں رکھتا ہوں، اور یہ عجیب بات ہے — کہ میرے سر میں کوئی خواہش سیمرغ کی قیامگاہ کے سوا نہیں ہے

بر گلشنے اگر بگذشتم چو باد صبح — نے عشق سرو بود و نہ شوق صنوبرم

اگر میں کسی چمن پر صبح کی ہوا کی طرح گذرا — تو نہ مجھے کسی سرو کا عشق تھا نہ کسی صنوبر کا شوق

بوئے تو می شنیدم و بر یاد روئے تو — دادند ساقیان طرب یکدو ساغرم

میں نے تیری خوشبو سونگھی اور تیرے رخ کی یاد پر — مستی کے ساقیوں نے مجھے ایک دو ساغر دیئے

مستی۲ بآب یکدو قدح وضع بندہ نیست — من سالخوردہ پیر خرابات پرورم

ایک دو پیالوں کے پانی سے مست ہو جانا بندہ کی وضع نہیں ہے — میں شراب خانہ میں پلا ہوا، پرانا بوڑھا ہوں

با سیر اختر و فلکم داوری بسے ست — انصاف شاہ باد دریں قصہ داورم

ستارے اور آسمان کی رفتار سے میرا بہت جھگڑا ہے — اس قصہ میں بادشاہ کا انصاف میرا منصف ہو

شکر خدا کہ باز دریں اوج بارگاہ — طاؤس۳ عرش می شنود صیت شہپرم

خدا کا شکر ہے کہ پھر اس دربار کی بلندی میں — تخت کا مور میرے شہپر کی آواز سن رہا ہے

نامم ز کارخانۂ عشاق محو باد — گر جز محبت تو بود شغل دیگرم

خدا کرے عاشقوں کے کارخانہ سے میرا نام مٹ جائے — اگر تیری محبت کے سوا میرا کوئی دوسرا شغل ہو

شبل۴ الاسد بصید دلم حملہ کرد و من — گر لاغرم و لیک شکار غضنفرم

شیر کے بچے نے میرے دل کو شکار کرنے کیلئے حملہ کیا اور میں — اگرچہ لاغر ہوں لیکن شیر ببر کا شکار ہوں

اے۵ عاشقان روئے تو از ذرہ بیشتر — من۶ کے رسم بوصل تو کز ذرہ کمترم

اے وہ کہ تیرے عاشق موتی سے بھی بڑھے ہوئے ہیں — میں تیرے وصل تک کب پہنچ سکتا ہوں کیونکہ ایک ذرہ سے بھی کم ہوں؟

بنما بمن کہ منکر حسن رخ تو کیست — تا دیدہ اش بگزلک غیرت برآورم

مجھے دکھا کہ تیرے رخ کے حسن کا منکر کون ہے؟ — کہ میں اپنی غیرت کی چھری سے اس کی آنکھیں نکال لوں

مقصود ازیں معاملہ بازار تیزی تست — نہ جلوہ می فروشم و نہ عشوہ می خرم

اس معاملہ سے مقصود تیرا تیز بازار ہے — نہ میں جلوہ فروشی کرتا ہوں نہ ناز خریدتا ہوں

بر من فتادہ سایۂ خورشید سلطنت — اکنوں فراغتست ز خورشید خاورم

میرے اوپر سلطنت کے آفتاب کا سایہ پڑ گیا ہے — مجھے اب مشرق کے سورج سے فراغت ہے

شعرم۷ بیمن مدح تو صد ملک دل کشاد — گوئی کہ تیغ تست زبان سخنورم

میرے اشعار نے تیری تعریف کی برکت سے دل کے سو ملک فتح کر لئے — گویا کہ میری سخنور زبان، تیری تلوار ہے

حافظ ز جاں محب رسول ست و آل او — بر ایں سخن گواست خداوند اکبرم

حافظ، جان سے رسول اور ان کی اولاد کا محب ہے — اس بات پر میرا رب اکبر گواہ ہے

---

۱ یعنی اگرچہ کمزور اور بے طاقت ہوں لیکن محبوب کامل کی جستجو میں ہوں۔

۲ یعنی پرانا شراب نوش ہوں ایک دو پیالوں سے بدمست نہیں ہوتا ہوں۔

۳ شاہی تخت کو مور کی شکل میں بنایا جاتا تھا شاہجہاں کا مشہور تخت طاؤسی بھی بشکل طاؤس ہی تھا۔

۴ یعنی معمولی درجہ کا ممدوح مجھے اپنا قصیدہ خواں نہیں بنا سکتا ہے۔

۵ تیرے چہرے کے وہ بھی مشتاق ہیں جو بمنزلہ مروارید کے ہیں۔

۶ میں ایک بے مقدار ذرہ ہوں مجھے تیرا وصل کیسے میسر آسکتا ہے۔

۷ جس طرح تیری تلوار ملک فتح کرتی ہے، میرے اشعار بھی دلوں کے فاتح ہیں۔

قصیدہ نمبر ۲

شد عرصۂ زمین چو بساطِ ارم جواں
زمین کا میدان جنت کے فرش کی طرح جوان ہوگیا ہے

از پرتوِ سعادتِ شاہِ جہانیاں
دنیا والوں کے بادشاہ کی نیک بختی کے سایہ سے

خاقانِ[1] شرق و غرب کہ در غرب و شرق اوست
مشرق اور مغرب کا خاقان جو کہ مغرب اور مشرق میں

صاحبقرانِ خسرو و شاہِ خدایگاں
صاحب قران بادشاہ، اور شہنشاہ ہے

خورشیدِ مُلک پرور و سلطانِ دادگر
ملک پرور آفتاب ہے، اور منصف بادشاہ ہے

دارائے عدل گستر و کسرائے کے نشاں
عدل کرنیوالا دارا ہے اور کیخسرو جیسا کسریٰ ہے

سلطاں نشانِ عرصۂ اقلیم سلطنت
سلطنت کی اقلیم کے میدان کا سلطان منزلت ہے

بالانشینِ مسندِ ایوانِ لامکاں
لامکاں کے محل کی مسند کا بالانشیں ہے

اعظم جلالِ[2] دولت و دیں آنکہ رفعتش
سلطنت اور دین کے بڑے جلال والا ہے جسکی بلندی

دارد ہمیشہ توسنِ ایام زیرِ راں
زمانہ کے گھوڑے کو ہمیشہ ران کے نیچے رکھتی ہے

دارائے دہر شاہ شجاع آفتابِ مُلک
وقت کا دارا شاہ شجاع جو سلطنت کا آفتاب ہے

خاقانِ کامگار و شہنشاہِ نوجواں
کامیاب خاقان اور نوجوان شہنشاہ ہے

ماہے کہ شد ز طلعتش افروختہ زمیں
ایسا چاند جس کی چمک سے زمین روشن ہوگئی ہے

شاہے کہ شد ز ہمتش افراختہ زماں
ایسا بادشاہ جس کی ہمت کا باز آشیانہ بناتا ہے

سیمرغِ وہم را نبود قوتِ عروج
وہم کے سیمرغ کو بھی چڑھنے کی طاقت نہیں ہے

آنجا کہ بازِ ہمتِ او سازد آشیاں
جس جگہ اس کی ہمت کا باز آشیانہ بناتا ہے

گر در[3] خیالِ چرخ فتد عکسِ تیغِ او
اگر اس کی تلوار کا عکس آسمان کے خیال میں آجائے

از یکدگر جدا شود اجزائے آسماں
آسمان کے اجزا ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں

حکمش رواں چو باد بر اطرافِ بحر و بر
اس کا حکم بحر و بر کے اطراف پر، ہوا کی طرح جاری ہے

مہرش رواں چو روح بر اعضائے انس و جاں
اس کی محبت انسانوں اور جنوں کے اعضا پر روح کی طرح جاری ہے

اے صورتِ تو مُلکِ جمال و جمالِ مُلک
اے وہ کہ تیری صورت حسن کی سلطنت اور سلطنت کا حسن ہے

وے طلعتِ تو جانِ جہان و جہانِ جاں
اور اے وہ کہ تیرا چہرہ دنیا کی جان اور جان کی ایک دنیا ہے

تختِ تو رشکِ مسندِ جمشید و کیقباد
تیرا تخت جمشید اور کیقباد کی مسند کا رشک ہے

تاجِ تو عینِ افسرِ دارا و داوراں
تیرا تاج دارا اور بادشاہوں کے تاج کا سردار ہے

تو آفتابِ مُلکی و ہر جا کہ میروی
تو سلطنت کا سورج ہے اور جہاں کہیں تو جاتا ہے

چوں سایہ از قفائے تو دولت بود رواں
سایہ کی طرح تیرے پیچھے سلطنت چلتی ہے

ارکاں نپرورد چو تو گوہر بہیچ قرن
کسی زمانہ میں بھی عناصر اربعہ، تجھ جیسا موتی پیدا نہیں کرسکتے ہیں

گردوں نیاورد چو تو اختر بصد قراں
سو قرانوں سے بھی آسمان تجھ جیسا ستارا نہیں لاسکتا ہے

بے[4] طلعتِ تو جاں نگراید بکالبد
تیرے چہرے کے بغیر، جان، جسم پر مائل نہیں ہوتی ہے

بے نعمتِ تو مغز نہ بندد در استخواں
تیری نعمت کے بغیر ہڈیوں میں گودا پیدا نہیں ہوتا ہے

---

[1] خاقان ایرانی بادشاہوں کا لقب تھا صاحب قران وہ بچہ کہلاتا ہے جس کی ولادت کے وقت زہرہ اور مشتری ستارے مل گئے ہوں ایسا بچہ بہت بڑا بادشاہ بنتا ہے۔

[2] یعنی زمانہ کی رفتار اس کے قابو میں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ جلال سے جلال الدین توران شاہ مراد ہو جو شاہ شجاع کا وزیر تھا۔ شاہ شجاع نے اپنے باپ مبارز الدین کو شکست دیکر شیراز پر قبضہ کیا تھا۔

[3] اس کی تلوار کا تصور بھی آسمان کو پارہ پارہ کردے گا۔

[4] روح کا جسم سے تعلق تیرے چہرے کی وجہ سے ہے، ہڈیوں کا گودا تیری نعمتوں کی پیداوار ہے۔

ہر دانشے کہ در دلِ دفتر نیامدہ است
عقل کی ہر وہ بات جو کتابوں میں نہیں سما سکی ہے
دارد جواب خامۂ تو بر سرِ زباں
تیرے قلم کا جواب اس کو نوکِ زبان پر رکھتا ہے

دستِ ترا با ابر کہ آرد شبیہ کرد
تیرے ہاتھ کو ابر کے ساتھ کون تشبیہ دے سکتا ہے!
چوں بدرہ بدرہ ایں دہد و قطرہ قطرہ آں[1]
جبکہ یہ تھیلی، تھیلی دیتا ہے اور وہ قطرہ قطرہ

با پایۂ جلالِ تو افلاک پایمال
تیرے جلال کے رتبہ کے سامنے آسمان پامال ہیں
وز بہرِ جودِ دستِ تو در دہر داستاں
زمانہ میں تیرے ہاتھ کی سخاوت کی داستان پھیلی ہوئی ہے

علم از تو با کرامت و عقل از تو با فروغ
علم تیری وجہ سے باعزت ہے، اور عقل تجھ سے پُر رونق ہے
شرع از تو در حمایت و دیں از تو در اماں
شریعت تیری وجہ سے پناہ میں ہے اور دین تیری وجہ سے امن میں ہے

بر چرخِ علم ماہی و بر فرقِ مہر تاج
تو علم کے آسمان کا چاند، اور سورج کے سر پر تاج ہے
در چشمِ فضل نوری و در جسمِ مُلک جاں
تو بزرگی کی آنکھ کا نور ہے اور سلطنت کے جسم کی جان ہے

اے خسروِ رفیع جناب و منیع قدر
اے بلند بارگاہ والے اور محفوظ رتبہ والے بادشاہ
اے داورِ عدیم مثال و عظیم شاں
اے عدیم المثال اور عظیم الشان بادشاہ!

اے آفتابِ مُلک کہ در جنبِ ہمتت
اے سلطنت کے آفتاب، تیری ہمت کے پہلو میں
چوں ذرۂ حقیر بود گنجِ شایگاں[2]
گنجِ شایگاں، حقیر ذرے کی طرح ہے

در جنبِ بحرِ جودِ تو از ذرہ کمتر ست[3]
تیری سخاوت کے سمندر کے پہلو میں ذرے سے بھی کم ہیں
صد گنجِ شایگاں کہ بہ بخشی برایگاں
سو گنجِ شایگاں، جو تو بلا وجہ بخش دیتا ہے

عصمت نہفتہ رُخ بہ سراپردۂ مخیم[4]
خیمہ کے سراپردے میں عصمت مُنہ ڈھکے ہوئے ہے
دولت کشادہ رو بصفا ریز کندلاں
رونق پھیلانے والے خیمہ میں دولت مُنہ کھولے ہوئے ہے

گردوں برائے خیمۂ خورشید فلکِ ات
آسمان نے تیرے آفتاب جیسے خیمہ کے فلک کے لئے
از کوہ ابر ساختہ تا زیرِ سائباں
پہاڑوں سے سائبان کے نیچے تک ابر تیار کر دیا ہے

ایں اطلسِ منقشِ نہ توئی زرنگار
اس نو تہ والے زرنگار، منقش، اطلس کو
چترِ بلند بر سرِ خرگاہِ خویش داں
اپنے خیمہ پر بلند چھتر، سمجھ

بودی دروں گلشن و از پُر دلانِ تو
تو چمن میں تھا، اور تیرے بہادروں کیو جہ سے
در ہند بود غلغل و در زنگ بُد فغاں[5]
ہندوستان میں شور تھا، اور زنگ میں فریاد

در دشتِ روم خیمہ زدی تا غریوِ کوس
تو نے روم کے جنگل میں خیمہ لگایا یہاں تک کہ نقارہ کی گونج
در دشتِ سند رفت و بیابانِ سیستاں
سندھ کے جنگل اور سیستان کے بیابان میں پہونچی

آں کیست کو بمُلک کند با تو ہمسری
وہ کون ہے جو سلطنت میں تیری برابری کرے؟
از مصر تا بروم و ز چیں تا بقیروان
مصر سے روم تک، اور چین سے قیروان تک

تو شاکری ز خالق و خلق از تو شاکرند
تو اللہ کا شکر گذار ہے اور مخلوق تیری شکر گذار ہے
تو شادماں بدولت و مُلک از تو شادماں
تو سلطنت سے خوش ہے اور سلطنت تجھ سے خوش ہے

اے مُلہمے کہ در صفِ کروبیانِ قدس[6]
اے وہ مُلہم جو عالمِ قدس کے فرشتوں کی صف میں ہے
فیضے رسد بخاطرِ پاکت زماں زماں
تیری پاک طبیعت کو ہر وقت فیض پہونچتا ہے

---

[1] سخاوت میں تیرا ہاتھ ابر سے بڑھا ہوا ہے، ابر سے قطرات برستے ہیں تیرے ہاتھ سے روپیوں کی تھیلیاں۔
[2] گنجِ شایگاں کیخسرو کے ایک خزانے کا نام ہے۔
[3] سمندر سخاوت میں مشہور ہے لیکن تو اس سے بھی بڑھا ہوا ہے۔
[4] تیرا خیمہ عصمت اور دولت کی پناہ گاہ ہے۔
[5] تیرے لشکر کی دھاک ہندوستان اور حبش تک ہے۔
[6] کروبیانِ قدس وہ فرشتے جو جنابِ باری میں مقرب ہیں۔ مُلہم وہ شخص جس کو خدا کی جانب سے الہام ہوتا ہو۔

دادا فلک عنانِ ارادت بدستِ تو
آسمان نے ارادہ کی باگ تیرے ہاتھ میں دیدی ہے
یعنی کہ من کیم بمرادِ خودم رساں
یعنی میں کیا چیز ہوں تو مجھے میری مراد تک پہونچادے

خصمت کجاست در تہِ پائے خودت فگن
تیرا دشمن کہاں ہے، اس کو اپنے پیر کے نیچے ڈال دے ؟
یارِ تو کیست بر سر و چشمِ منش نشاں
تیرا دوست کون ہے، اس کو میرے سر و چشم پر بٹھا دے ؟

ہم کامِ من بخدمتِ تو گشتہ منتظم
میرے مقصد کا بھی تیری خدمت کی وجہ سے بندوبست ہوگیا
ہم نامِ من بمدحتِ تو گشتہ جاوداں
میرا نام بھی تیری تعریف کی وجہ سے ہمیشگی اختیار کر گیا

قصیدہ نمبر ۳

سپیدہ دم کہ صبا بوئے بوستاں گیرد
صبح کے وقت جب صبا چمن کی خوشبو حاصل کر لیتی ہے
چمن زلطفِ ہوا نکتہ بر جناں گیرد[1]
چمن ہوا کی پاکیزگی کی وجہ سے جنتوں پر نکتہ چینی کرتا ہے

ہوا ز نکہتِ گل در چمن تتق بندد[2]
ہوا پھول کی خوشبو کی وجہ سے چمن میں پردے تان دیتی ہے
افق ز رنگِ شفق رنگِ گلستاں گیرد
شفق کے رنگ کی وجہ سے افق، گلستاں کا رنگ اختیار کرتا ہے

نوائے چنگ بدانساں زند صلائے صبوح
چنگ کی آواز اس طور پر صبح کی شراب کی دعوت دیتی ہے
کہ پیرِ صومعہ راہِ درِ مغاں گیرد
کہ عبادت خانہ کا پیر مغوں کے دروازے کا راستہ لیتا ہے

شہِ سپہر[3] چو زریں سپر کشد بر سر
آسمان کا بادشاہ جب سر پر زریں سپر لگا لیتا ہے
بہ تیغِ صبح و عمودِ افق جہاں گیرد
صبح کی تلوار اور افق کے گرز کے ذریعہ دنیا پر قبضہ کر لیتا ہے

برغمِ زاغِ[4] سیہ شاہبازِ زریں بال
سیاہ کوے کی ذلت کے لئے زریں پروالا شہباز
دریں مقرنسِ زنگاری آشیاں گیرد
اس زنگاری قلعہ میں گھونسلا بنا لیتا ہے

بزمگاہِ چمن رو کہ خوش تماشائیست
چمن کی محفل میں جا، کہ بہترین منظر ہے
چو لالہ کاسۂ زرّینِ ارغواں گیرد
جبکہ لالہ، ارغواں کا زریں پیالہ تھامتا ہے

چو شہسوارِ فلک بنگرد بجامِ صبوح
جب آسمان کا شہسوار صبح کے جام کے ذریعہ دیکھتا ہے
کہ خور بشعشعہ خود مہرِ خاوراں گیرد
یعنی آفتاب اپنی شعاعوں سے مشرق کو فتح کرتا ہے

صبا نگر کہ دمادم چو رندِ شاہد باز
صبا کو دیکھ کہ معشوق باز رند کی طرح پے در پے
گہے لبِ گل و گہ زلفِ ضیمراں[5] گیرد
کبھی گلاب کے ہونٹ اور کبھی ضیمران کی زلف پکڑتی ہے

ز اتحادِ ہیولیٰ و اختیارِ صور
ہیولیٰ کے اتحاد، اور صورتوں کو اختیار کرکے
خرد ز ہر گل و نقشے رخِ بتاں گیرد
عقل ہر پھول اور نقش سے معشوقوں کا رخ بنا لیتی ہے

من اندراں کہ دم[6] کیست آں مبارک دم
میں اس فکر میں ہوں کہ وہ مبارک سانس کس کا سانس ہے؟
کہ وقتِ صبح دریں تیرہ خاکداں گیرد
جو کہ صبح کے وقت اس تاریک زمین میں پھیلتا ہے

چہ حالتست کہ گل در چمن نماید روی
وہ کیا حالت ہے کہ پھول چمن میں رخ نمائی کرتا ہے
چہ آتش ست کہ در مرغِ صبح خواں گیرد
وہ کیا آگ ہے جو صبح کو چہکنے والے پرندے میں لگتی ہے؟

چہ پرتواست کہ نورِ چراغِ صبح دہد
وہ کیا روشنی ہے جو صبح کے چراغ کا نور دیتا ہے؟
چہ شعلہ است کہ در ماہِ آسماں گیرد
وہ کیا شعلہ ہے جو آسمان کے چاند میں لگتا ہے؟

---

[1] یعنی چمن ہوا کی لطافت کی وجہ سے رشک جناں بنا ہوا ہے۔ یہ قصیدہ شاہ ابو اسحاق کی تعریف میں ہے۔ جس نے سلطان ابو سعید بہادر کو شکست دیکر شیراز پر قبضہ کیا تھا۔

[2] تتق، سراپردہ یعنی ہوا نے گلاب کی خوشبو کے پردے تان دیے ہیں اور افق پر شفق گلستاں بنائے ہوئے ہے۔

[3] شہ سپہر سے مراد سورج ہے۔ عمودِ افق سے مراد صبحِ صادق ہے جو عمودی شکل میں نمودار ہوتی ہے۔

[4] زاغ سے رات کی سیاہی اور شاہباز سے سورج، مقرنسِ زنگاری سے آسمان مراد ہے۔

[5] ضیمران ناز بو یعنی صبا گلاب اور ناز بو کے بوسے لے رہی ہے۔

[6] صبح کی نسیم، معلوم کس مبارک سانس والے کا سانس ہے۔

ضمیرِ دل نکشایم بکس مرا آں بہ
میں دل کا راز کسی کے سامنے نہ کھولوں میرے لیے بہتر ہے

کہ روزگار غیور ست و ناگہاں گیرد
اس لیے کہ زمانہ غیرتمند ہے اور اچانک پکڑ لیتا ہے

چو شمع[1] ہر کہ بافشائے راز شد مشغول
جو شمع کی طرح راز پھیلانے میں مشغول ہوا

بِبُرش زمانہ چو مقراض در میاں گیرد
زمانہ اس کے ہونٹ کو قینچی کی طرح پکڑ لیتا ہے

کجاست ساقیِ مہ روئے من کہ از سرِ مہر
میرا چاند جیسے رُخ والا ساقی کہاں ہے جو محبت سے؟

چو چشمِ مستِ خودش ساغرِ گراں گیرد
اپنی مست آنکھوں کی طرح بھاری ساغر اٹھائے

بیامے آورد از یار و از پئش جامے
دوست کا پیام لائے اور اس کے بعد ایک جام

بشادیِ رُخِ آں ماہِ مہرباں گیرد
اس مہربان چاند کے رخ کی خوشی میں اٹھائے

نوائے نغمۂ نے را چو بر کشد مُطرب
جب مُطرب بانسری کے نغمہ کا سُر پیدا کرتا ہے

گہے عراق[2] زند گاہ اصفہاں گیرد
کبھی عراقی، اور کبھی اصفہانی نغمہ شروع کرتا ہے

چرا بصد غم و حسرت سپہر دائرہ شکل
دائرے کی شکل والا آسمان، کس لیے سو غم اور حسرت میں

مرا چو نقطۂ پرکار در میاں گیرد
مجھے پرکار کے نقطہ کی طرح، درمیان میں لیتا ہے

فرشتہ بحقیقت سروشِ عالمِ غیب
وہ حقیقتاً ایک فرشتہ، عالم غیب کی آواز ہے

کہ روضۂ کرمش نکتہ بر جناں گیرد
کہ اس کے کرم کا باغیچہ، جنتوں پر نکتہ چینی کرتا ہے

سکندرے[3] کہ مُقیمِ حریمِ او چوں خضر
وہ ایسا سکندر ہے کہ اس کے حریم میں رہنے والا خضر کی طرح

زفیضِ خاکِ درش عمرِ جاوداں گیرد
اس کے در کی خاک کے فیض سے عمرِ جاوداں حاصل کرلیتا ہے

جمالِ چہرۂ اسلام شیخ ابو اسحٰق
اسلام کے چہرے کا حسن، شیخ ابو اسحاق

کہ مُلک در قدمش زیبِ بوستاں گیرد
کہ مُلک اس کے قدموں میں باغ کی زینت حاصل کرتا ہے

کسیکہ بر فلکِ سروری عروج کند
وہ شخص کہ جب سرداری کے آسمان پر چڑھتا ہے

نخستِ پایۂ خود فرقِ فرقداں[4] گیرد
تو اپنی پہلی سیڑھی فرقدان کے سر کو بناتا ہے

چراغِ دیدۂ محمود آنکہ دشمن را
محمود کی آنکھوں کا چراغ، وہ کہ دشمن کے

زبرقِ تیغِ وے آتش بدودماں گیرد
خاندان میں اس کی تلوار کی بجلی سے آگ لگ جاتی ہے

باوجِ ماہ رسد موجِ خوں[5] چو تیغ کشد
جب وہ تلوار سونتتا ہے تو خون کی موج چاند کی بلندی تک پہنچتی ہے

بہ شیرِ چرخ برد حملہ چوں کماں گیرد
جب کمان اٹھا لیتا ہے تو آسمان کے شیر پر حملہ کرتا ہے

عروسِ[6] خاوری از شرعِ رائے انورِ شاہ
مشرقی دولہا، شاہ کی روشن رائے کے طریقہ کی وجہ سے

بجائے خود بود ار راہِ قیرواں گیرد
اگر قیروان کا راستہ اختیار کرلے تو مناسب ہوگا

ایا عظیم[7] وقارے کہ ہر کہ بندۂ تست
اے ایسے بڑے وقار والے کہ جو شخص تیرا غلام ہے

ز رفعِ قدر کمر بندِ تو اماں گیرد
مرتبہ کی بلندی کی وجہ سے جوزا کی پٹی پکڑ لیتا ہے

رشد ز چرخِ عطارد ہزار تہنیت
عطارد کے آسمان سے ہزاروں مبارکبادیاں پہونچتی ہیں

چو فکرتت صفتِ امرِ کن فکاں گیرد
جبکہ تیری تدبیر کن فکاں کے امر کی صفت اختیار کرتی ہے

مدام در پئے طفل ست در وجودِ عدوت
تیرا دشمن ہمیشہ اپنے وجود میں طفلِ شب کے در پے ہے

سماکِ رامح از آں روز و شب عناں گیرد
اسی وجہ سے نیزے والا سماک، رات دن اس کی لگام تھامتا ہے

---

[1] شمع کو زبان دلنہ اور رازدل کا اظہار کرنیوالی، مانگیا ہے قینچی سے شمع کے گل کو کاٹا جاتا ہے۔

[2] عراق در اصفہان دو مشہور شہر بھی ہیں اور موسیقی کے دو پردوں کے نام بھی ہیں۔

[3] سکندر آب حیات کی تلاش میں نکلا تھا۔ مشہور ہے کہ خضر کی بہت طویل عمر ہے۔

[4] فرقدان ایک ستارا ہے جو قطبِ شمالی کے پاس ہے یعنی ممدوح کے عروج کا ابتدائی قدم بھی فرقدان سے اونچا ہے۔

[5] جب دشمنوں پر حملہ کرتا ہے تو خون سے ایسے دریا بہادیتا ہے جن کی موجیں چاند تک پہونچتی ہیں اور کمان سے برجِ اسد پر حملہ کرتا ہے۔

[6] اس کی رائے سورج سے بھی زیادہ روشن ہے اگر اس کو دیکھ کر سورج حبش میں جا آباد ہو تو مناسب ہوگا۔

[7] اس کا غلام بھی اس قدر بلند مرتبہ ہے کہ توامان کی پٹی پکڑ کر اس کو ٹیک دیتا ہے توامان سے برجِ جوزا مراد ہے جو دو جڑواں[8] بچوں کی شکل میں ہے۔

[8] خدا کی صفت ہے کہ جس چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے اس کو کہدیتا ہے "کُن" یعنی ہو جا۔ تو وہ چیز پیدا ہو جاتی ہے۔

فلک چو جلوہ کناں بنگرد سمندِ ترا
آسمان جب تیرے گھوڑے کو جلوہ فگن دیکھتا ہے

کمینہ پایگہش اوج کہکشاں گیرد
اس کا ادنیٰ اصطبل کہکشاں کی بلندی اختیار کرتا ہے

ملامتے چو کشیدی سعادتے دیدت
جبکہ تو کوئی نامناسب بات برداشت کرتا ہے وہ بھی تجھے نیک بختی بخشتی ہے

کہ مشتری نسق کارِ خود از آں گیرد
اس لیے کہ مشتری اپنے کام کا انتظام اسی سے حاصل کرتا ہے

زامتحانِ[1] تو ایام را غرض آنست
تیرا امتحان لینے سے زمانہ کی یہ غرض ہے

کہ از صفائے ریاضت دلت نشاں گیرد
کہ ریاضت کی صفائی کی وجہ سے تیرے دل کا پتہ معلوم کرے

وگرنہ پایہ مصحف از آں بلند ترست
ورنہ قرآن کا مرتبہ اس سے زیادہ بلند ہے

کہ روزگار بر آں حرف امتحاں گیرد
کہ زمانہ اس پر امتحان کی حرف گیری کرے

زعمر برخورد آنکس کہ در ہمہ صفتے
اپنی زندگی سے وہ شخص فائدہ اٹھاتا ہے جو کہ تمام معاملوں میں

نخست بنگرد آنگہ طریق آں گیرد
پہلے غور کرے اس کے بعد اس کا راستہ اختیار کرے

مذاقِ[2] جانش ز تلخیِ غم شود ایمن
اس کی جان کا ذائقہ غم کی کڑواہٹ سے محفوظ ہو جاتا ہے

کسیکہ شکرِ شکرِ تو در دہاں گیرد
جو شخص تیرے شکریہ کی شکر منہ میں رہے لے

چو[3] جائے جنگ نہ بیند بجام آرد چنگ
جب کہ وہ جنگ کا موقع نہیں دیکھتا ہے جام ہاتھ میں لے لیتا ہے

چو وقتِ کار بود تیغ جانستاں گیرد
جب کام کا وقت آتا ہے جان لینے والی تلوار تھام لیتا ہے

زلطفِ غیب بسختی رخِ امید متاب
سختی میں، غیبی مہربانی سے امید کا رخ نہ پھیر

کہ مغز نغز مقام اندر استخواں گیرد
اس لیے کہ عمدہ مغز ہڈیوں میں مقام بناتا ہے

شکر کمالِ حلاوت پس از ریاضت یافت
شکر کو مکمل شیرینی محنت کے بعد ملی

نخست در شکنِ تنگ آں مکاں گیرد
پہلے بوری کی شکنوں میں وہ مقام بناتی ہے

درآں مقام کہ سیلِ حوادث از چپ و راست
اس جگہ، جہاں کہ حوادث کا بہاؤ، بائیں اور دائیں سے

چناں رسد کہ اماں از میاں کراں گیرد
اس طرح پہونچتا ہے کہ امن درمیان سے کنارہ اختیار کر لیتا ہے

چہ غم بود بہمہ حال کوہِ ثابت را
جمے ہوئے پہاڑ کو، بہر حال، کیا غم ہے!

کہ حملہ ہائے چناں قلزمے جہاں گیرد
اس لیے کہ ایسے سمندر کے حملے دنیا کو فتح کر لیتے ہیں

اگرچہ خصمِ تو گستاخ میرود حالی
اگرچہ تیرا دشمن، فی الحال گستاخانہ روش رکھتا ہے

تو شاد باش کہ گستاخیش عناں گیرد
تو خوش رہ اس لیے کہ اس کی گستاخی اس کی لگام پکڑ لے گی

کہ ہر چہ در حقِ ایں خاندانِ دولت کرد
اس لیے کہ اس نے جو کچھ بھی اس سلطنت کے خاندان کے حق میں کیا ہے

جزاش بر زن و فرزند و خانماں گیرد
اس کی سزا (کہ بیوی اور اولاد، اور خاندان پر بھگتے گا

خیالِ شاہی اگر نیست در سرِ حافظ
اگر حافظ کے سر میں بادشاہی کا خیال نہیں ہے

چرا بہ تیغِ زباں عرصۂ زماں گیرد
کیوں وہ زمانہ کا میدان، زبان کی تلوار سے فتح کرتا ہے؟

زمانِ عمرِ تو پایندہ باد کایں دولت
تیری زندگی کا زمانہ دراز ہو اس لیے کہ یہ دولت

عطیہ ایست کہ در کارِ انس و جاں گیرد
ایک ایسا عطیہ ہے جو انسانوں اور جنوں کے کام آئے گا

قصائد

[1] زمانہ ممدوح کی اس لیے آزمائش کرتا ہے کہ اس کے دل کی صفائی سے رہبری حاصل کرے ورنہ اس کی ذات قرآن کی طرح حرف گیری سے بالاتر ہے۔

[2] جو ممدوح کے شکریہ کی شکر منہ میں رکھے زمانہ اس کا منہ تلخ نہیں کر سکتا ہے۔

[3] وہ میر بزم بھی ہے اور میر رزم بھی۔

[4] سختیاں جھیلنے کے بعد راحتیں پیدا ہوتی ہیں شکر کو بوریوں میں بھر کر دبایا جاتا ہے۔ جب شکر بنتی ہے۔

قصیدہ نمبر۴

خیر مقدم مرحبا اے طائرِ میموں قدم
اے مبارک قدم پرند! تیرا خیر مقدم ہے مرحبا

شادماں کردی مرا نازم ترا سرتا قدم
تو نے مجھے خوش کر دیا مجھے سر سے لیکر قدم تک تجھ پر ناز ہے

میکنم در ہجرِ تو انجامِ آغازِ نیاز
میں تیرے ہجر میں نیاز مندی کے آغاز کا انجام کرتا ہوں

زانکہ شرحِ آرزومندی نیاید در قلم
اس لیے کہ آرزومندی کی شرح قلم سے بیان نہیں ہو سکتی ہے

تا بدانی تو کہ ہجراں خونِ عاشق میخورد
تاکہ تجھے معلوم ہو جائے کہ ہجر عاشق کا خون پی لیتا ہے

نالۂ شبگیر در کارست و آہِ صبحدم
شبگیر نالہ اور صبح کی آہ اپنے کام میں لگے ہوتے ہیں

صحبتِ عشاق بدنامت کند زاہد برو
اے زاہد! تو چلا جا، عاشقوں کی صحبت تجھے بدنام کر دیگی

خوش نگہ کن بادہ در جام ست و مجلس متہم
تو خوب دیکھ لے پیالہ میں شراب ہے اور مجلس تہمت زدہ ہے

گر چنیں در حلقہ پیچد زلفِ افعی بندِ یار
اگر اس طرح حلقہ بناتی رہیگی یار کی افعی بند زلف

مہرہ نتواں برد آساں ایدل افسونے بدم
تو اے دل کوئی بھی جادو جھاڑ پھونک سے بازی نہیں جیت سکتا ہے

گر حریمِ کعبہ خواہی واں جمالِ بے نقاب
اگر تو کعبہ کے اطراف اور اس بے نقاب حسن کا خواہشمند ہے

لالہ و گل داں ہمہ خارِ بیابانِ حرم
تو حرم کے جنگل کے تمام کانٹوں کو لالہ اور گل سمجھ

آں گذشت اے دل کہ خواری دیدی از دستِ رقیب
اے دل وہ زمانہ گذر گیا جب کہ تو نے رقیب کے ہاتھوں ذلت دیکھی

یار باز آمد بحمد اللہ عزیز و محترم
یار عزیز اور محترم بحمد اللہ واپس آگیا ہے

ساقیا مے دہ کہ رندیہائے حافظ سہو کرد
اے ساقی شراب دے کیونکہ حافظ کی رندیاں فراموش کر دیں

نوکِ کلکِ خواجہ بر منشورِ حافظ زد رقم
حافظ کے حکمنامہ پر خواجہ کے قلم کی نوک نے لکیر کھینچ دی ہے

خواجہ توراں شاہِ عادل دل جلالِ ملک و دیں
خواجہ توران شاہ، منصف مزاج، ملک اور دین کا جلال

بدرِ آفاقِ علٰی عونُ الوریٰ غوثُ الامم
بلندی کے آسمانوں کا چاند، مخلوق کی مدد، امتوں کی فریاد

صورتِ جاہ و جلال و مقصدِ فضل و کمال
جاہ اور جلال کی صورت، فضل اور کمال کا مقصود

منظرِ انوارِ رحمت مبصرِ حسنِ شیم
رحمت کے نوروں کا منظر، حسن اخلاق کے دیکھنے کی جگہ

کانِ مردی و مروت معدنِ صدق و صفا
انسانیت اور مروت کی کان، سچائی اور خلوص کا معدن

جوہرِ عدل و سیاست عنصرِ لطف و کرم
انصاف اور سیاست کا جوہر، مہربانی اور کرم کا عنصر

رافع و ضارع بدعت ناصرِ اعلامِ دیں
بدعت کی رسموں کو مٹانیوالا، دین کے جھنڈوں کا مددگار

ماحیِ آثارِ طغیاں قاطعِ ظلم و ستم
سرکشی کے آثار کو مٹانیوالا، ظلم اور ستم کو قطع کرنے والا

آستانت موضعِ دولت نہ اکنون ست و بس
تیری چوکھٹ صرف ابھی دولت کا مقام نہیں ہے

دار دایں قصرِ معلیٰ نقشِ تاریخِ قدم
یہ بلند محل، قدیم تاریخ کا نقش رکھتا ہے

بختِ بیدارت چو می آمد بصحرائے وجود
تیرا بیدار نصیبہ جب وجود کے جنگل میں آرہا تھا

خفتہ بُد گردوں ہنوز اندر شبستانِ عدم
تو آسمان ابھی تک عدم کے شبستان میں سویا ہوا تھا

قلبِ بدخواہاں شکست احوالِ پایدارِ تو
تیرے مستقل احوال نے بدخواہوں کا دل توڑ دیا

ہر کرا دل نشکند فیروز گردد لاجرم
جس کا دل نہیں ٹوٹتا ہے، وہ لامحالہ کامیاب ہو جاتا ہے

قصائد

سے پرندے سے نیک فال لی جاتی ہے، اسی لیے اس کو محبوب کا پیغامبر مانا جاتا ہے۔ یہ قصیدہ جلال الدین توران شاہ کی تعریف میں ہے۔ جو شاہ شجاع کا وزیر تھا۔

سے عاشقوں کی مجلس میں دور جام چلتا ہے اور وہ تہمت زدہ ہوتی ہے زاہد کو بدنام کر دیگی۔

سے زلفیں مراد ہیں جو کانوں کی لو کے پاس ہوتے ہوا فعی، کالا ناگ اس سے مراد لقیہ بال ہیں۔

سے توران شاہ کے چہرے پر انوار رحمت نظر آتے ہیں اور حسن اخلاق عیاں ہیں۔

سے توران شاہ کی سلطنت قدیم ہے نو دولتا بادشاہ نہیں ہے

ہاں[1] نہ پنداری کہ تنہا میزنی بر قلبِ خصم
ہاں تو یہ خیال نہ کر کہ دشمن کے قلب پر تو تنہا چوٹ مارتا ہے
ہمتِ اربابِ دل با تست و اربابِ کرم
اصحاب دل اور ارباب کرم کی توجہ تیرے ساتھ ہے

شرحِ احوالِ تو الحق بو العجائب دفتر یست
تیرے احوال کی شرح یقیناً عجب دفتر ہے
بندہ یارب کے تواند کرد شکرِ ایں نعم
اے خدا! بندہ ان نعمتوں کا شکر کب ادا کر سکتا ہے

تا لبم مہجور بود از خاک بوسِ درگہت
تیری درگاہ کی خاک بوسی سے جب میرا ہونٹ محروم تھا
دُردِ نوشِ درد بودم با ندیمانِ ندم
شرمندہ دوستوں کے ساتھ درد کا تلچھٹ نوش تھا

با شما اخلاصِ ہر یک حاجتِ تقریر نیست
تیرے ساتھ ہر شخص کے اخلاص کو بتانے کی ضرورت نہیں ہے
علمِ آصف دیدہ باشد سالہا در جامِ جم
جام جمشید میں سالوں آصف کا علم دیکھا ہوا ہو گا

تا جہاں باشد بہ نیکی در جہانت باد نام
جب تک دنیا نیکی کے ساتھ ہے دنیا میں تیرا نام ہے
ایں دعا بر انس و جاں گشت از دل و جاں فرض ہم
یہ دعا انسانوں اور جنوں پر دل اور جان سے فرض ہے

قصیدہ نمبر ۵

مقدرِ[2] یکہ ز آثارِ صنع کرد اظہار
اللہ ایسا اندازہ لگانیوالا ہے جس نے صنعت کے آثار سے ظاہر کیا
سپہر و مہر و مہ و سال و ماہ و لیل و نہار
آسمان اور سورج اور چاند اور سال اور مہینے اور رات دن

مدارِ سیرِ کواکب بامرِ کن فیکون
کن فیکون کے حکم سے ستاروں کی رفتار کا مدار
قرار داد بریں طاقِ گنبدِ دوّار
اس گھومنے والی گنبد کی محراب پر بنایا

ز ہفت کوکبِ سیّارہ و دوازدہ برج
سات پھرنیوالے ستارے اور بارہ برج سے
کنند سیر مخالف کواکبِ سیّار
جو چلنے والے ستاروں کے مخالف رفتار چلتے ہیں

نہ آسماں ز ملائک بامرِ حق مشغول
فرشتوں کے نو آسمان خدائی حکم بجا لانے میں مشغول ہیں
بہ سجدہ در گہِ تسبیح و ذکر و استغفار
بوقت تسبیح اور ذکر اور استغفار سجدہ میں مشغول ہیں

چہار[3] عنصر از و مختلف پدید آورد
چار عنصروں سے مختلف چیزیں بنائیں
مدار آتش و آب و غبارِ خاکِ بہار
وہی آگ، پانی، مٹی و غیرہ کا مدار ہے

قرار داد ببالائے خاک و باد آتش
خاک اور ہوا کے اوپر، آگ کو ٹھہرایا
گرفتہ کوہ و زمیں درمیانِ آب قرار
پہاڑ اور زمین، پانی کے درمیان ٹھہرے ہوئے ہیں

بدوستیِ[4] نبی و ولی اساس نہاد
نبی اور ولی کی دوستی پر، بنیاد دھری
جہان و ہر چہ در وہست خالق جبّار
دنیا کی اور جو کچھ اس میں ہے، خالق جبار نے

اگر نہ ذاتِ نبی و ولی بُدے مقصود
اگر نبی اور ولی کی ذات مقصود نہ ہوتی
جہاں بکتمِ عدم رفتے ہمچو اوّل بار
پہلے کی طرح دنیا عدم کے پردے میں چلی جاتی

نوشتہ[5] بر درِ فردوس کاتبانِ قضا
تقدیر کے کاتبوں نے۔ جنت کے دروازے پر لکھا ہے
نبی رسول و ولیعہد حیدرِ کرّار
نبی رسول ہے، اور حیدر کرار ولی عہد ہے

امامِ[6] جنّی و انسی علیؓ بود کہ علیؓ
جنوں اور انسانوں کے امام علی ہیں اس لیے کہ علی
زکُلِ خلق فزونست از صغار و کبار
تمام مخلوق سے بڑھے ہوئے ہیں، چھوٹوں اور بڑوں سے

---

[1] دشمنوں پر تنہا تو ہی حملہ آور نہیں ہوتا ہے بلکہ بزرگوں کی دعائیں بھی تیرے ساتھ ہوتی ہیں۔

[2] یہ قصیدہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کی منقبت میں ہے مقدرت مراد خدا ہے۔ یہ قصیدہ لفظی اور معنوی نقائص کیوجہ سے الحاقی معلوم ہوتا ہے۔

[3] چہار عنصر سے آگ، خاک، پانی ہوا مراد ہیں۔

[4] اللہ نے تمام کائنات نبی اور ولی کی دوستی کی وجہ سے پیدا فرمائی ہے۔

[5] ازل ہی میں حضرت علی کو نبی کا جانشین اور ولی عہد بنا دیا گیا تھا۔

[6] حضرت علی جن و انس کے امام ہیں، اس لیے کہ سب سے افضل ہیں۔

زنامِ اوست معلق سماؤ کرسی وعرش
انہی کے نام سے آسمان، اور کرسی وعرش معلق ہیں
زذاتِ اوست مطبق زمین بدین ہنجار
انہی کی ذات سے زمین اسی طور پر طبقہ وار ہے

علی امام وعلی اَیمن وعلی ایماں
علی امام ہیں اور علی بابرکت ہیں اور علی ایمان ہیں
علی امین وعلی سرور وعلی سردار
علی امین ہیں، اور علی سرور ہیں اور علی سردار ہیں

علی علیم وعلی عالم وعلی اعلم
علی علیم ہیں اور علی عالم ہیں اور علی اعلم ہیں
علی حکیم وعلی حاکم وعلی گفتار
علی حکیم ہیں، اور علی حاکم ہیں اور علی گفتار ہیں

علی نصیر وعلی ناصر وعلی منصور
علی نصیر ہیں، اور علی ناصر ہیں اور علی منصور ہیں
علی مظفّر وغالب علی سرو سردار
علی مظفر ہیں اور غالب ہیں علی سر اور سردار ہیں

علی عزیز وعلی عزت وعلی افضل
علی عزیز ہیں اور علی عزت ہیں اور علی افضل ہیں
علی لطیف وعلی انور وعلی انوار
علی لطیف ہیں، اور علی انور ہیں اور علی انوار ہیں

علی ست فتوح وعلی ست راحتِ روح
علی فتوں کی فتح ہیں، علی روح کی راحت ہیں
علی ست فاضل وافضل علی سرو سردار
علی فاضل اور افضل ہیں علی سر اور سردار ہیں

علی سلیم وعلی سالم وعلی مسلم
علی سلیم ہیں، علی سالم ہیں اور علی مسلم ہیں
علی قسیمِ قصور وعلی ست قاسمِ نار[1]
علی جنتیں بانٹنے والے ہیں اور علی جہنم تقسیم کرنیوالے ہیں۔

علی صفی وعلی صافی وعلی صوفی
علی صفی ہیں اور علی صافی ہیں اور علی صوفی ہیں
علی وفی وعلی صفدر وعلی سردار
علی وفادار ہیں اور علی صف شکن ہیں اور علی سردار ہیں

علی نعیم وعلی ناعم وعلی مُنعم
علی نعیم ہیں اور علی نعمتوں والے اور علی نعمتیں دینے والے ہیں
علی بوَد اسد اللہ قاتلِ کفار
علی اللہ کے شیر، کافروں کو قتل کرنیوالے ہیں

علی زبعد محمدؐ[2] زہرچہ ہست بہ است
علی، محمدؐ کے بعد ہر موجود سے بہتر ہیں
اگر تو مومنِ پاکی نظر دریغ مدار
اگر تو پاک مومن ہے نگاہ نہ ہٹا

بحقِ نورِ محمدؐ بآدمؑ وبہ خلیلؑ
محمدؐ کے نور کی قسم، آدم اور خلیل اللہ کی قسم
بحقِ شیثؑ وشعیبؑ وبہ ہودِ کم آزار
شیثؑ اور شعیبؑ اور نہ ستانیوالے ہودؑ کی قسم

بحقِ یوسف ویعقوبؑ ویحییٰ ولقمان
یوسف اور یعقوب اور یحییٰ اور لقمان کی قسم
بحقِ نوح نجی درمیان دریا بار
زبردست دریا میں نجات حاصل کرنیوالے نوح کی قسم

بحقِ عزتِ توریت وحرمتِ انجیل
توریت کی عزت اور انجیل کی حرمت کی قسم
بحقِ جمعِ زبور وبحقِ روزِ شمار
زبور کے مجموعہ، اور قیامت کی قسم

بحقِ[3] دانشِ اسحٰق وشوقِ اسمٰعیل
اسحاق کی دانش اور اسماعیل کے شوق کی قسم
کہ در رضائے خدا کرد جانِ خویش نثار
جس نے خدا کی رضامندی میں اپنی جان قربان کردی

بحقِ یوشع والیاس ولوط واسکندر
یوشع، اور الیاس، اور لوط اور سکندر کی قسم
بحقِ نغمۂ داؤدؑ وصوتِ خوش گفتار
داؤدؑ کے نغمہ اور خوش گفتار آواز کی قسم

بحقِ مُہرِ سلیمان وزہدِ ابراہیم
سلیمان کی انگوٹھی، اور ابراہیم کے زہد کی قسم
بحقِ عیسیٰؑ وموسیٰؑ ویونسِ غمخوار
عیسیٰ اور موسیٰ اور غمخوار یونس کی قسم

۱ـ شیعان علی، حضرت علی کو جنت اور جہنم کا تقسیم کنندہ مانتے ہیں۔

۲ـ تمام انبیاء کے حق کی قسمیں کھا کر کہا ہے کہ نیست دین ہدیٰ را یعنی حضرت علی ہی آنحضور کے بعد امام ہیں۔

۳ـ کیونکہ حضرت اسماعیل اپنی قربانی دینے پر راضی ہوگئے تھے اسی لیے ان کو ذبیح اللہ کہا جاتا ہے۔

قصائد

بحقِ قوتِ جبریل و صورِ اسرافیل
جبرئیل کی قوت، اور اسرافیل کے صور کی قسم

بحقِ قابضِ ارواح در یمین و یسار
دائیں اور بائیں طرف میں روحوں کو قبض کرنیوالے کی قسم

بحقِ حاملِ عرش و بقربِ میکائیل
عرش کو اٹھانے والے اور میکائیل کے قرب کی قسم

بحقِ چار کتابِ ستودۂ جبار
خدا کی تعریف کی ہوئی چاروں کتابوں کی قسم

بحقِ جملۂ قرآں بہ صحفِ ابراہیم
پورے قرآن اور ابراہیم کے صحیفوں کی قسم

بحقِ جملۂ مردانِ واقفِ اسرار
رازوں کے جان کار تمام مردوں کی قسم

بحقِ سوزِ فقیرانِ بیگنہ در بند
بے خطا قیدی فقیروں کے سوز کی قسم

بحقِ زاریِ رنجورِ بیکس و بے یار
بے یار اور بے کس، رنجیدہ کی آہ و زاری کی قسم

بحقِ چہرۂ زردِ فقیرِ سرگرداں
پریشان فقیروں کے زرد چہرے کی قسم

بحقِ دردِ اسیرانِ خانماں بیزار
گھروں کے بیزار، قیدیوں کے درد کی قسم

بحقِ ضربِ جوانانِ راہِ دیں باکفر
دین کے راستے کے جوانوں کی کفر کے ساتھ تلوار بازی کی قسم

بحقِ زاریِ پیرانِ خوار و زار و نزار
ذلیل، اور کمزور، اور عاجز بوڑھوں کی عاجزی کی قسم

بحقِ دینِ محمد بخونِ پاکِ حسینؑ
محمد کے دین اور حسین کے پاک خون کی قسم

بحقِ مردمِ نیکِ مہاجر و انصار
مہاجر اور انصار، نیک مردوں کی قسم

کہ نیست[1] دینِ ہدیٰ را بقولِ پاکِ رسولؐ
کہ نہیں ہے پاک رسول کے قول کے مطابق دینِ ہدیٰ کا

امام غیرِ علی بعدِ احمدِ مختار
امام علی کے سوا، احمد مختار کے بعد

ز بعدِ او حسنؑ است و حسین بعدِ او
ان کے بعد حسن ہیں اور ان کے بعد حسین

مجوئے جہل بریں کار مومنِ دیندار
اے دیندار مومن! اس کام میں نادانی نہ برت

بجہلِ غافلِ مستغرقی بغفلہ ہمی
تو جہل میں غافل اور ڈوبا ہوا ہے، غفلت کی وجہ سے

ز زنگ می نشناسی سفیدی از زنگار
زنگ کی وجہ سے تو سفیدی کو زنگار سے شناخت نہیں کرتا ہے

بجہد و سعیِ منِ خستہ دل چہ سود ترا
مجھ دل خستہ کی کوشش اور سعی سے تجھے کیا فائدہ؟

مگر ز خوابِ جہالت ہمی شوی بیدار
شاید نادانی کی نیند سے تو بیدار ہو جائے

بجہل بیشتر و بیش آنچناں ہستم
میں جہالت میں اس قدر زیادہ ہوں

کہ کس مباد چناں کامدم در اول بار
کہ خدا کرے کوئی ایسا نہ ہو جیسا کہ میں پہلے ہوا

سپاس و منت و عزت خدائے را کہ نمود
اس خدا کا احسان اور شکر ہے، جس نے دکھایا

رہِ نجات و شدم از حیات برخوردار
نجات کا راستہ، اور میں زندگی سے نفع اندوز ہوا

بگاہ[2] ہفصد و ہفتاد بُد کہ در شیراز
سات سو ستر کا وقت تھا، کہ شیراز میں

تمام گشت بیکروز جملہ ایں اشعار
ایک دن میں یہ تمام اشعار پورے ہوئے

بدشمناں منشیں حافظا تولا[3] کن
دشمنوں کے ساتھ نہ بیٹھ، اے حافظ تولا کر

نجاتِ خویش طلب کن بجانِ ہشت و چہار
آٹھ اور چار کے طفیل سے اپنی نجات کا طالب بن

حرامزادہ[4] و بدفعل و شوم و بے بنیاد
حرام زادہ، اور بدمعاش منحوس، اور بے اصل

بمدحِ شاہِ جہاں کے کجا کند اقرار
دنیا کے بادشاہ کی تعریف کا کب اقرار کرتا ہے؟

[1] یہ شعر تمام قسموں کا جواب ہے۔
[2] میں نے یہ قصیدہ ایک دن میں شیراز میں ۷۷۰ھ میں لکھا ہے۔
[3] تولا سے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، کی دوستی مراد ہے، ہشت اور چہار سے بارہ امام مراد ہیں۔
[4] جو حضرت علی کے مذکورہ اوصاف کا قائل نہیں ہے وہ ان اوصاف کا آدمی ہے۔

متابعت بمنافق چو میکنی بگذر — زیادہ گفتنِ نامش ہزار استغفار
منافق کی پیروی تو کیوں کرتا ہے؟ چھوڑ! — اس کا بیہودہ نام لینے سے ہزار استغفار پڑھ

ترکیب[1] بند

شاہے کہ پناہِ مُلک و دین ست — در خوردِ ہزار آفرین ست
وہ بادشاہ جو کہ دین اور ملک کی پناہ ہے — ہزار آفرین کے لائق ہے

نوبادہ[2] خاندانِ مُلک ست — گلدستہ بوستانِ دین ست
ملک کے خاندان کا تازہ پھل ہے — دین کے باغ کا گلدستہ ہے

ہم نسلِ شہنشہِ زمان ست — ہم نقدِ خلیفہ زمین ست
زمانہ کے شہنشاہ کا ہم نسل ہے — موجودہ وقت میں خلیفۂ زمین ہے

آثار و دلائلِ سعادت — تابندہ چو نورش از جبین ست
خوش نصیبی کی نشانیاں اور دلیلیں — اس کی پیشانی سے نور کی طرح چمکنے والی ہیں

در مُلکِ جہاں بکرّ شاہی — انصاف او کوکبِ یقین ست
ملک دنیا میں شاہی دبدبہ کے ساتھ — اس کا انصاف یقین کا ستارہ ہے

در خاتمِ قدرِ او نہفتہ — فیروزۂ[3] چرخ چوں نگین ست
اس کے مرتبہ کی انگوٹھی میں پوشیدہ — آسمان کا فیروزہ نگ کی طرح جڑا ہوا ہے

تیغش بمیانِ کفر و اسلام — سدّے[4] ست ولیک آہنین ست
اس کی تلوار کفر اور اسلام کے درمیان میں — دیوار ہے لیکن لوہے کی ہے

کلکش[5] از کفِ دستِ اوست دُربار
قلم اس کے ہاتھ سے موتی برسانے والا ہے

شمشیر بہ بازوش سزاوار
تلوار اس کے بازو کے لائق ہے

اے سایۂ رحمتِ الٰہی — وے غنچۂ باغِ پادشاہی
اے اللہ کی رحمت کے سائے! — اے بادشاہی باغ کے غنچے!

ہرگز بشمائلِ[6] تو سروے — نارستہ ز بوستانِ شاہی
تیری خوبیوں والا کوئی سرو کبھی — نہیں اُگا شاہی باغ میں

ہم چرخِ جمال را تو مہری — ہم برجِ جلال را تو ماہی
تو جمال کے آسمان کا بھی سورج ہے — تو جلال کے برج کا بھی چاند ہے

درخواستہ از خدائے بیچوں — بختت بدعائے صبحگاہی
بے مانند، خدا سے مانگا ہوا ہے — تیرا نصیبہ، کو صبح کی دعا کے ذریعے

---

[1] ترکیب بند، اس نظم کو کہا جاتا ہے جس میں ایک غزل مع مطلع کے کہی جائے اس کے بعد ایک مقفیٰ بیت جس کا قافیہ غزل کے قافیہ سے بدلا ہوا ہو لطور گرہ لایا جائے وہ غزل مع اس گرہ کے ایک بند ہوگا اسی طرح چند بند کہے جائیں ترکیب بند اور ترجیع بند میں صرف اتنا فرق ہے کہ ترکیب بند میں ہر گرہ بار بار لوٹائی نہیں جاتی ہے۔

[2] نوبادہ تازہ پھل

[3] فیروزہ زنگاری رنگ کا ایک پتھر ہے یعنی آسمان اس کی انگوٹھی کا نگینہ ہے۔

[4] سد، روک یعنی اسکی تلوار کفر کے حملوں کی روک ہے۔

[5] یعنی وہ قلم اور تلوار دونوں کا دھنی ہے۔

[6] شمائل عربی میں اخلاق کو کہا جاتا ہے فارسی والے وضع اور صورت کے معنی میں بھی استعمال کرتے ہیں۔

برنامِ تو مُہر کردہ گردوں
آسمان نے تیرے نام پر مہر لگادی ہے

منشورِ[1] اوامر و نواہی
کرنے اور نہ کرنے کے احکام کے فرمان پر

بر سلطنتِ تو بے تکلف
تیری سلطنت پر بے تکلف

تمکینِ تو مید ہد گواہی
تیرا وقار گواہی دیتا ہے

نامِ تو یقیں کہ می برآرد
یقیناً تیرا نام

آوازہ زماہ تا بماہی
شہرت حاصل کرے گا، چاند سے مچھلی تک

گردوں[2] کہ لطیفہ ہا برآرد
آسمان جو کہ عجائبات ظاہر کرتا ہے

دُرّے چو تو در صدف ندارد
سیپ میں تجھ جیسا کوئی موتی نہیں رکھتا ہے

اے خلعتِ مُلک بر تو زیبا
اے کہ شاہی پوشاک تجھ کو زیب دیتی ہے!

وے غُرّۂ[3] دولتِ تو غرّا
اے کہ تیری حکومت کی پیشانی روشن ہے!

اے آمدہ نو عروسِ دولت
اے کہ دولت کی نئی دلہن!

بر شکل و شمائلِ تو شیدا[4]
تیری شکل اور عادتوں پر عاشق ہوئی ہے

انوارِ شکوہ و شہریاری
دبدبہ اور شاہی کے نور

از روئے مبارکت ہویدا[5]
تیرے مبارک چہرے سے ظاہر ہیں

بر قامتِ[6] حشمتِ تو کوتاہ
تیری حشمت کے قد پر کوتاہ ہے

ایں اطلسِ نیلگونِ والا
یہ نیلا، بلند اطلس

بگذشت[7] صدائے صیتِ عدلت
تیرے انصاف کی شہرت کا چرچا گذر گیا

از سقفِ نہم رواقِ خضرا
سبز آسمان کی نویں چھت سے

بر شادیِ مجلسِ تو خورشید
تیری محفل کی خوشی میں سورج

ہر لحظہ کشیدہ جامِ صہبا
ہر لحظہ شراب کا جام چڑھا رہا ہے

تا روئے مبارکِ تو بیند
تاکہ تیرا مبارک چہرہ دیکھے

نرگس ہمہ دیدہ گشت عمدا
قصداً نرگس مجسم آنکھ بن گئی ہے

از بہرِ قبولیت دریں گوش
اس کان میں پسندیدگی کے لئے

لُولُوئے خوشاب گشتہ لالا
آبدار موتی چمکدار بن گیا ہے

در قصرِ[8] تو چرخ آستانے
آسمان، تیرے محل کی ایک چوکھٹ ہے

کیواں[9] بدرِ تو پاسبانے
زحل تیرے در کا محافظ ہے

تا یارِ خدائے باد یارت
جب تک باری تعالیٰ تیرا مددگار رہے

جز عیش مباد ہیچ کارت
عیش کے سوا تیرا کوئی کام نہ ہو

---

[1] منشور، فرمان، اوامر احکام، نواہی، ممانعتیں۔
[2] یعنی آسمان اگرچہ رنگ رنگ کی چیزیں نمودار کرتا ہے لیکن تجھ جیسا کوئی نہ پیدا کر سکا۔
[3] غُرّہ پیشانی کی سفیدی، غرّا، روشن۔
[4] شیدا، عاشق، دیوانہ۔
[5] ہویدا، ظاہر یعنی تیری پیشانی سے شاہی نور چمکتے ہیں۔
[6] اطلس نیلگوں سے مراد آسمان ہے یعنی تیری وسعتیں آسمان سے زیادہ ہیں۔
[7] رواقِ خضرا سے مراد آسمان ہے۔
[8] کیوان زحل ستارے کو کہا جاتا ہے جو ساتویں آسمان پر مانا گیا ہے یعنی آسمان تیری چوکھٹ ہے اور زحل تیرا دربان ہے۔

ہر آرزوئے کہ در دل آید — ایّام نہادہ در کنارت
جو تمنا تیرے دل میں آئے — زمانہ تیری آغوش میں ڈالدے

توفیق رفیق در یمینت — تائید ندیم در یسارت
توفیق تیرے داہنے ہاتھ کا دوست رہے — تائید تیرے بائیں ہاتھ کا دوست رہے

نصرت[1] کہ مباداز تو خالی — در رزم کمینہ دستیارت
نصرت جو تجھ سے جدا نہ رہے — میدانِ جنگ میں تیرا ادنیٰ ہتھیار ہے

آراستہ چوں بہشت گیتی — از کوششِ تیغِ آبدارت
دنیا، بہشت کی طرح حسین ہے — تیری آبدار تلوار کی کوشش سے

تا چرخ بپاست دور دورت — تا دہر بجاست کار کارت
جب تک آسمان قایم ہے تیرا دور دورہ رہے — جب تک زمانہ موجود ہے تیرا ہی کام، کام ہو

جاوید بعونِ جاہ و عزّت — بادا ہمہ چیز بر قرارت
مرتبہ اور عزّت کی مدد سے، ہمیشہ — تیری ہر چیز بر قرار رہے

آسودہ چو حافظ اند خلقاں — در سایۂ بختِ کامگارت
تمام دنیا، حافظ کی طرح چین و آرام سے ہے — تیرے کامیاب نصیبہ کے سایہ میں

کارت ہمہ حفظِ مُلک و دیں باد
تیرا تمام کام دین، اور مُلک کی حفاظت ہو

تا باد ہمیشہ ایں چنیں باد
جب تک ہو، ہمیشہ اسی طرح ہو

ماہے چو تو آسماں ندارد — سروے چو تو بوستاں ندارد
تجھ جیسا چاند، آسمان نہیں رکھتا ہے — تجھ جیسا، سرو، باغ نہیں رکھتا ہے

با روئے[2] تو آفتاب دیدم — نیک ست ولیکن آں ندارد
تیرے چہرے کے سامنے میں نے سورج کو دیکھا — اچھا ہے لیکن کوئی ادا نہیں رکھتا ہے

از حسن تو چوں کنم عبارت — کز ہیچ صفت نشاں ندارد
تیرے حسن کو کیسے بیان کروں؟ — اسلئے کہ کسی خوبی میں، کوئی مثال نہیں رکھتا ہے

حیراں[3] شدہ ام کہ ہیچ وصفے — در خورد رُخت بیاں ندارد
میں حیران ہوگیا ہوں، اس لئے کہ کوئی تعریف — تیرے رُخ کے مناسب، بیان نہیں رکھتی ہے

مُرغے کہ سوئے تو کرد پرواز — دیگر سرِ آشیاں ندارد
جس پرندے نے تیری جانب پرواز کرلی — پھر گھونسلے کا خیال نہیں کرتا ہے

ہر دل کہ زجاں ندار دت دوست — میداں بہ یقیں کہ جاں ندارد
جو دل کہ جان سے تجھے دوست نہ رکھے — سمجھ لے کہ یقیناً اس میں جان نہیں ہے

از بہرِ دلم کدام تیرست — کابروئے تو در کماں ندارد
میرے دل کے لیے کونسا تیر ہے — جسے تیری ابرو، کمان میں نہیں رکھتی ہے

[1] دستیار، ہتھیار یعنی کامیابی تیرا ادنیٰ ترین غلام ہے۔

[2] یعنی سورج اپنی جگہ خوبصورت چیز ہے لیکن تیرے چہرے کے بالمقابل ہیچ ہے۔

[3] تیری تعریف کے لئے بیان اور الفاظ ناکافی ہیں۔

چشمت نظرے بمابینداخت — مست ست و سرجہاں ندارد
تیری آنکھ نے ہم پر ذرا نظر نہ ڈالی — مست ہے اور اس کو دنیا کا خیال نہیں ہے
منظورِ شہنشہ است واز ناز — پروائے شکستگاں ندارد
بادشاہ کا منظور نظر ہے اور ناز کی وجہ سے — عاجزوں کی پرواہ نہیں کرتا ہے

سُلطانِ زمانہ ناصرالدیں
شاہ دوراں ناصر الدین
شد معتصم[1] بعزوتمکیں
عزت اور وقار کی وجہ سے میری جائے پناہ ہے

ساقی اگرت ہوائے ما[2] ہے — جز بادہ میار پیشِ ما شے
ساقی اگر تجھے ہم سے محبت ہے — شراب کے علاوہ ہمارے سامنے کچھ نہ لا
سجادہ وُ خرقہ در خرابات — بفروش وبیار جرعۂ مے
مصلّے اور گدڑی کو شراب خانہ میں — بیچ دے اور شراب کا گھونٹ لا
گر زندہ دلی شنوز مستاں — در گلشنِ جاں صدائے یا حے
اگر تو زندہ دل ہے تو مستوں سے سن — جان کے چمن میں یا حی کی آواز
بادرد در آبوئے درماں — کونین نگرز عشق لاشے
علاج کی امید پر درد لے کر آ — عشق کی وجہ سے دونوں جہان کو ہیچ سمجھ
اسرارِ دلست دررہِ عشق — بہتر زہزار حاتمِ طے
عشق کے راستہ میں دل کے راز — بنو طے کے ہزار حاتموں سے بہتر ہیں
سلطاں صفت آں بُتِ پریوش — می آمدو خلق شہراز پے
وہ پری کی جیسا بُت، شاہانہ انداز سے — آرہا تھا اور شہر کی مخلوق پیچھے تھی
مردم[3] نگراں بروئے خوبش — وزشرم رواں زعارضش خوے
لوگ اس کے حسین رخ کو دیکھ رہے تھے — اور شرم سے اس کے رخسار پر پسینہ بہ رہا تھا
حافظ زغمِ تو چند نالد — آخر دلِ من شکستہ تا کے
حافظ تیرے غم سے کب تک نالاں رہے — آخر میرا دل کب تک ٹوٹا رہے
بادردو غمِ تو یار باشم — وزعیشِ جہاں کنار باشم
تیرے درد و غم کا یار رہوں — اور دنیا کے عیش سے کنارے پر رہوں

ترجیع بند[4]

اے دادہ بباد دوستداری — ایں بود وفا وُ عہدِ یاری
اے کہ جس نے دوستی کو برباد کر دیا — وفا، اور دوستی کا یہی عہد تھا؟

---

[1] معتصم، جائے پناہ اور معتصم، مشہور عباسی خلیفہ کا نام بھی ہے۔
[2] ہے اوری زبان کا لفظ ہے اور اسی معنی میں مستعمل ہے جس معنی میں اُردو میں استعمال کیا جاتا ہے۔
[3] خوے، بروزنِ نے بمعدولہ واؤ کے ساتھ، پسینہ
[4] ترجیع بند کا مطلب ہم ترکیب بند کی تشریح میں سمجھا چکے ہیں۔ یعنی اسکے ہر بند میں وہی گرہ لگائی جائے گی جو پہلے بند میں ہوتی ہے
[5] یعنی تو نے دوستی کو برباد کر دیا وفا کا تقاضا کیا یہی تھا؟

ترجیع بند

(۶۰)

آخر دلِ ریش دردمندم — تا چند بدستِ غم سپاری
آخر میرے، زخمی، دردمند دل کو — تو کب تک غم کے سپرد رکھے گا؟

از زلفِ تو حاصلے ندیدم — جز شیفتگی و بیقراری
تیری زلف سے میں نے کوئی فائدہ نہ دیکھا — سوائے دیوانگی اور بے قراری کے

ای جانِ عزیز بر ضعیفاں — تا چند کنی جفا و خواری
اے پیاری جان! کمزوروں پر — جفا اور ذلت کب تک کریگا؟

ہر چند کہ سوختی بجورم[1] — کردم منِ خستہ سازگاری
ہر چند کہ تو نے مجھے ظلم سے جلایا — مجھ خستہ نے موافقت کی

گفتم مگر از سرِ ترحّم — دست از ستم و جفا بداری
میں نے کہا شاید رحم کھاکر — ظلم و ستم سے تو ہاتھ اٹھائے

چوں نیست امید آں کہ روزے — بر عاشقِ خستہ رحمت آری
چونکہ یہ امید نہیں ہے کہ کسی دن — خستہ عاشق پر تو رحم کرے

آں بہ کہ ز صبر رُخ نتابم
یہی بہتر ہے کہ صبر سے منہ نہ موڑوں

باشد کہ مرادِ دل بیابم
ہوسکتا ہے کہ دل کی مراد پاؤں

ترجیع بند

اے ساقی از آں مےِ شبانہ — دردہ دو سہ جامِ عاشقانہ
اے ساقی! اس رات کی بچی ہوئی شراب سے — دو، تین عاشقانہ جام دے

تا در سرِ[2] من ز عقل باقیست — از دست منہ مےِ مُغانہ
جب تک میرے سر میں عقل باقی ہے — مُغوں والی شراب ہاتھ سے نہ چھوڑ

بر داشتہ اند صوتِ داؤد — مُرغانِ چمن ز آشیانہ
داؤدی نغمہ بلند کیا ہے — چمن کے پرندوں نے آشیانہ سے

اے[3] مُطربِ ما تو نیز یکدم — مگذار ز کف دف و چغانہ
اے ہمارے مُطرب! تو تھوڑی کے لئے بھی — ہاتھ سے دف اور چغانہ نہ چھوڑ

بر گوئی بیادِ وصلِ جاناں — چوں عُود بسوزِ دل ترانہ
محبوب کے وصل کی یاد میں گا — عود کی طرح، دل کے سوز کے ساتھ، ترانہ

مے نوش تو حافظا بشادی — تا چند خوری غمِ زمانہ
اے حافظ! خوشی سے شراب پی — زمانہ کا غم کب تک کھائے گا؟

دیریست[4] کہ آتشِ غمِ دل — در سینہ ہمی کشد زبانہ
عرصہ ہوگیا ہے کہ دل کے غم کی آگ — سینہ میں لپٹیں مار رہی ہے

چوں نیست بہیچگونہ پیدا — دریائے فراق را کرانہ
جب کہ کسی طرح بھی پیدا نہیں ہے — فراق کے دریا کا کنارہ

---

۱ میں تیرے جلانے پر اسی وجہ سے راضی رہا کہ شاید کسی وقت رحم کرے۔
۲ یعنی جب تک سر میں کچھ بھی عقل باقی ہے برابر شراب پلائے جا تاکہ مدہوش ہو جاؤں۔
۳ چغانہ ایک ساز کا نام ہے اور موسیقی کا ایک پردہ بھی ہے۔
۴ زبانہ، آگ کا شعلہ یعنی میں ایک عرصہ سے فراق کی آگ میں جل رہا ہوں۔

آں بہ کہ ز صبر رُخ نتابم
یہی بہتر ہے کہ صبر سے منہ نہ موڑوں
باشد کہ مرادِ دل بیابم
ہو سکتا ہے کہ دل کی مراد پاؤں

درسختیٔ عشق اگر بمیرم
اگر میں عشق کی سختی سے مر بھی جاؤں
من دل ز غمِ تو بر نگیرم
تیرے غم سے دل نہ ہٹاؤں گا

بیشک[1] دلِ ماہ و خور بگیرد
یقیناً چاند اور سورج دلگیر ہو جائے
گر سوئے فلک رسد نفیرم
اگر میری فریاد آسمان پر پہونچے

پیوستہ کمانِ ابروانش
اس کی ابروؤں کی کمان، مسلسل
از غمزہ همی زند بہ تیرم
ادا سے مجھ پر تیر مار رہی ہے

نتواں بہ قلم نوشت شوقش
اس کا عشق قلم سے نہیں لکھا جا سکتا ہے
گر پیرِ فلک شود دبیرم
اگر چہ بوڑھا آسمان میرا منشی بن جائے

پیرِ[2] غمِ عشقم ارچہ طفلم
میں غم عشق سے بوڑھا ہوں اگرچہ لڑکا ہوں
طفلِ غمِ عشقم ارچہ پیرم
میں غم عشق کا لڑکا ہوں، اگرچہ بوڑھا ہوں

دارم سرِ آں کہ ہمچو سعدی
میرا یہ خیال ہے کہ سعدی کی طرح
بنشینم و صبر پیش گیرم
بیٹھ جاؤں اور صبر اختیار کروں

چوں کرد زمانۂ ستمگار
جب ظالم زمانہ نے تجھ سے دور ہونے کی وجہ سے
دور از تو بہ بندِ غم اسیرم
غم کی قید میں مجھے قیدی بنا دیا

آں بہ کہ ز صبر رُخ نتابم
یہ بہتر ہے کہ صبر سے منہ نہ موڑوں
باشد کہ مرادِ دل بیابم
ہو سکتا ہے کہ دل کی مراد پالوں

اے[3] غیرتِ لُعبتانِ طنّاز
اے نازنین گڑیوں کے لئے باعث غیرت!
بر قع ز رخ چو مہ بر انداز
چاند جیسے رخ سے برقع اُلٹ دے

تا من ز سرِ جہاں بہ کُلی
تاکہ میں بالکل دنیا کے خیال سے
بر خیزم و توبہ بشکنم باز
ہٹ جاؤں اور پھر توبہ توڑ دوں

اے دوست زرہگذارِ دیدہ
اے دوست! آنکھوں کے راستہ سے
شد فاش میانِ مردماں راز
لوگوں میں راز کھل گیا

تا خودٔ[4] چہ بود مرا سر انجام
دیکھئے، خود میرا کیا انجام ہوتا ہے!
در عشق چو ہجر کرد آغاز
جب عشق میں، ہجر نے آغاز کیا ہے

سرمایۂ عمر داد برباد
اپنی عمر کا سرمایہ برباد کر دیا
ہر کو بغمِ تو گشت انباز
جو تیرے غم کا شریک بنا

---

[1] نفیر، آواز، نوحہ یعنی اگر میرے نالے آسمان کی طرف پہنچیں تو ان کو سن کر ماہ اور خورشید دل گرفتہ ہو جائیں گے۔

[2] یعنی جوانی میں ہجر کی وجہ سے بوڑھا ہو گیا ہوں۔

[3] طناز، بہت زیادہ ناز و انداز دکھانے والا۔

[4] جبکہ عشق کے آغاز میں ہجر ہے تو نہ معلوم انجام کیا ہوگا۔

ترجیع بند

در آتشِ عشق و مجمرِ غم — میسوز دلا چو عود و می ساز
عشق کی آگ، اور غم کی انگیٹھی میں — اے دل! اگر کی طرح جل اور غم سے موافقت کر

حالی چو نمیسر مرادست — بوسیدنِ پائے آں سرافراز
اب چونکہ مجھ کو میسّر نہیں ہے — اس سربلند کی قدم بوسی

آں بہ کہ ز صبر رُخ نتابم
یہی بہتر ہے کہ صبر سے مُنہ نہ موڑوں

باشد کہ مرادِ دل بیابم
ہو سکتا ہے کہ دل کی مراد پالوں

اے سرو سمن بر گُل اندام — از عارضِ تو خجل مہِ شام
اے سمن جیسے جسم والے، پھول جیسے بدن والے سروا — تیرے رخسار سے شام کا چاند شرمندہ ہے

باز آ کہ ہجرِ جانگدازت — برداز دلِ من قرار و آرام
لوٹ آ، اس لیے کہ تیرا جانگداز فراق — میرے دل سے سکون اور آرام لے گیا

از دانۂ خال و دامِ زلفت — مرغِ دلِ من فتادہ در دام
تیرے تل کے دانہ اور زلف کے جال کی وجہ سے — میرے دل کا پرندہ جال میں پھنس گیا ہے

چوں کام نشد بہ سعی حاصل — قانع شدہ ام بہ ہجرِ ناکام
جب کہ کوشش سے مقصد حاصل نہ ہوا — ناکام ہجر پر صابر بن گیا ہوں

مائیم و غمِ فراق حالی — تا خود بہ کجا رسد سرانجام
اب تو ہم ہیں اور فراق کا غم — دیکھئے انجام کہاں تک پہونچے؟

جز محنت و درد گوئیا نیست — دور از تو نصیبِ من بایام
گویا درد اور تکلیف کے سوا نہیں ہے — زمانہ سے میرا حصہ (تجھ سے دور)

مقصودِ وجودِ حافظا چیست — جز صحبتِ یار و بادہ و جام
اے حافظ! وجود سے مقصود کیا ہے — دوست کی صحبت اور شراب اور جام کے سوا

حالی چو نمی شود مہیا — کامِ دلم از تو اے دلآرام
اب چونکہ حاصل نہیں ہوتا ہے — میرے دل کا مقصد اے دل آرام! تجھ سے

آں بہ کہ ز صبر رُخ نتابم
یہی بہتر ہے کہ صبر سے مُنہ نہ موڑوں

باشد کہ مرادِ دل بیابم
ہو سکتا ہے کہ دل کی مراد پالوں

اے راحتِ جانِ بیقرارم — امیدِ دلِ امیدوارم
اے میری بے قرار جان کی راحت! — اے میرے امید وار دل کی امید!

شادم بغمت کہ در ہمہ حال — سوزِ غمِ تست سازگارم
میں تیرے غم پر خوش ہوں اس لیے کہ ہر حال میں — تیرے غم کی سوزش میرے موافق ہے

ترجیع بند

۱؎ مجمر، انگیٹھی یعنی عشق کی آگ میں اگر کی طرح جل اور صبر کر۔
۲؎ میرا مرغِ دل تیرے تل کے دانہ کی وجہ سے زلف کے جال میں پھنس گیا ہے۔
۳؎ گویا زمانہ میں میرے لیے درد اور غم کے سوا کچھ نہیں ہے خدا تجھ سے اس درد کو دور رکھے۔
۴؎ شعر
[illegible]

ترجیع بند

تارفتہؒ از کنارم ایدوست — یکبار ز عیش برکنارم
اے دوست جب سے تو میری بغل سے گیا ہے — میں ایک دم عیش سے جدا ہو گیا ہوں

در آرزوئے وصالِ جانے — عمرے بفراق میگذارم
ایک معشوق کے وصال کی آرزو میں — زندگی فراق میں گذار رہا ہوں

امشب بگذشت خواہد از دوش — طوفانِ سرشکِ اشکبارم
آج کی رات کاندھے سے گذر جائے گا — میرے اشکبار آنسوؤں کا طوفان

تامرگؒ نہ گیردم گریباں — من دست زدامنت ندارم
جب تک موت میرا گریبان نہ پکڑ لے گی — میں تیرے دامن سے دست بردار نہ ہوں گا

چوں ہیچ نشد بسعی حاصل — کامِ دلِ خستہ فگارم
جب کہ کوشش سے کچھ حاصل نہ ہوا — میرے زخمی خستہ دل کا مقصد

آں بہ کہ ز صبر رُخ نتابم
یہی بہتر ہے کہ صبر سے منہ نہ موڑوں
باشد کہ مُرادِ دل بیابم
ہو سکتا ہے کہ میں دل کی مراد پاؤں

اے زخمِ غمِ تو مرہمِ دل — عشقِ تو انیس و محرمِ دل
اے وہ کہ تیرے غم کا زخم دل کا مرہم ہے — تیرا عشق دل کا محبوب اور محرم ہے

زلفِ تو کمندِ گردنِ جاں — لعلِ تو نگینِ خاتمِ دل
تیری زلف، جان کی گردن کی کمند ہے — تیرا لعل دل کی انگوٹھی کا نگ ہے

ابروئے تو بود شحنۂ جاں — چوں چشمِ تو گشت حاکمِ دل
تیری ابرو جان کی کوتوال ہے — جبکہ تیری آنکھ دل کی حاکم بن گئی ہے

اوؒ در دلِ ماؤ ما در آتش — مارا غمِ اوست نے غمِ دل
وہ ہمارے دل میں ہے اور ہم آگ میں ہیں — ہمیں اس کا غم ہے نہ کہ دل کا

نزدیک شد آنکہ من بدوری — گیرم گمِ خویش یا گمِ دل
بالکل قریب ہے کہ میں ہجر کی وجہ سے — اپنے آپ کو گم کر دوں گا یا دل کو

حافظ چہ شود اگر بیابی — نورے ز حضورِ عالمِ دل
اے حافظ! کیا ہو جائے گا اگر تو حاصل کرے گا؟ — دل کی دنیا کے حضور سے، کوئی نور

چوںؒ ملکِ وصالِ او نگردد — آساں آسان مسلمِ دل
جب کہ اس کے وصل کا ملک — آسانی سے دل کے زیر فرمان نہیں ہوتا ہے

آں بہ کہ ز صبر رُخ نتابم
یہی بہتر ہے کہ میں صبر سے منہ نہ موڑوں
باشد کہ مُرادِ دل بیابم
ہو سکتا ہے کہ میں دل کی مراد پاؤں

---

۱ جب سے تو مجھ سے جدا ہوا ہے میں رنج اور غم کی وجہ سے بے قرار ہوں۔
۲ میں جیتے جی تجھ سے دستبردار نہیں ہو سکتا ہوں۔
۳ معشوق ہمارے دل میں ہے، اور دل ہجر کی آگ میں جل رہا ہے۔ مجھے دل کی تو نہیں اس کی فکر ہے۔
۴ وصل کی سلطنت جبکہ آسانی سے قابو میں نہیں آرہی ہے تو صبر اختیار کرنا چاہیے۔

ساقی نامہ

سرِ فتنہ[1] دارد دگر روزگار
زمانہ، پھر فتنہ کا خیال رکھتا ہے

من و مستی و فتنۂ چشمِ یار
میں ہوں اور مستی، اور یار کی آنکھ کا فتنہ

ہمی مانم از دورِ گردوں شگفت
میں زمانہ کی گردش سے تعجب میں ہوں

ولے نیست در وے مجالِ گرفت
لیکن اس میں گرفت کی گنجائش نہیں ہے

یکے را قلم زن کند روزگار
کسی پر زمانہ قلم پھیر دیتا ہے

یکے را دھد تیغ در کارزار
کسی کو لڑائی کے میدان میں تلوار دیدیتا ہے

وگر ہمچو زند آتشے میزند
اور اگر وہ چقماق کی طرح آگ نکالتا ہے

ندانم چراغے کہ بر میکند
معلوم نہیں کس کا چراغ بجھاتا ہے؟

فریبِ[2] جہاں قصۂ روشنست
زمانہ کا مکر، ایک کھلا ہوا معاملہ ہے

ببیں تا چہ زاید شب آبستن ست
دیکھو کیا جنتی ہے، رات حاملہ ہے؟

دلا بر[3] جہاں دل منہ زینہار
اے دل! دنیا سے ہرگز دل نہ لگا

کہ کس بر سرِ پل نگیرد قرار
اس لیے کہ کوئی شخص پل پر نہیں ٹھہرتا ہے

ہماں[4] مرحلہ است ایں بیابانِ دور
یہ طویل جنگل وہی مقام ہے

کہ گم شد دروں لشکرِ سلم و تور
جہاں سلم اور تور کے لشکر گم ہو گئے ہیں

ہماں منزلست ایں جہانِ خراب
یہ جہانِ خراب وہی مقام ہے

کہ دیدست ایوانِ افراسیاب
جس نے افراسیاب کا محل دیکھا ہے

کجا رائے[5] پیرانِ لشکر کشش
اس کے لشکر کش پیران کی رائے کہاں ہے؟

کجا شیدۂ ترکِ خنجر کشش
اس کا خنجر کش شیدہ ترک کہاں ہے؟

نہ تنہا شد ایوان و کاخش بباد
اس کا محل اور قلعہ ہی صرف برباد نہیں ہوا ہے

کہ خاکش ندارد کسے ہم بیاد
بلکہ اس کی قبر بھی کسی کو یاد نہیں ہے

چہ خوش گفت جمشید[6] با تاج و گنج
باوجود تاج اور خزانہ حاصل ہونے کے جمشید نے کیا خوب کہا ہے

کہ یک جو نیرزد سرائے سپنج
کہ اس فانی سرائے ایک جو کے لائق بھی نہیں ہے

بیا ساقیا جامِ جم دہ مرا
اے ساقی! آ مجھے جامِ جمشید دے

تعلل مکن دمبدم دہ مرا
بہانے نہ کر مجھے پے در پے دے

مغنی کجائی بگلبانگِ رود
اے مطرب! تو کہاں ہے؟ رود کی آواز سے

بیاد آور آں خسروانی سرود
وہ خسروانی گانا یاد دلا

بہ مستاں نویدِ سرودے فرست
مستوں کو کسی گانے کی دعوت بھیج

بیارانِ رفتہ درودے فرست
گذرے ہوئے دوستوں پر درود بھیج

---

[1] چونکہ زمانہ مجھے کسی فتنے میں مبتلا کرنے کی فکر میں ہے لہذا میں محبوب کی آنکھوں کے فتنے میں مبتلا ہو کر اس سے بچنے کی تدبیر کرتا ہوں۔

[2] ہر رات اپنے اندر نئے فتنوں کو لے آتی ہے۔

[3] دنیا ایک پل ہے جس سے گذر کر عالمِ آخرت میں پہونچنا ہے۔

[4] سلم اور تور فریدوں کے دو لڑکوں کے نام ہیں۔

[5] پیران، افراسیاب کے وزیر کا نام ہے جو دانائی میں مشہور تھا۔ شیدہ افراسیاب کے لڑکے کا نام ہے۔

[6] جمشید مشہور بادشاہ گزرا ہے جس نے خدائی کا دعویٰ بھی کیا تھا۔ اور ضحاک کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔

مُغنّی[1] بزن چنگ بر ارغنوں
اے مُطرب! ارغنون پر چنگل مار

بر از دلم فکرِ دنیائے دوں
کمینی دنیا کا فکر میرے دل سے نکال

مگر خاطرم یابد آسایشے
شاید میری طبیعت ایک آرام حاصل کر لے

کہ نبود ز غم باوے آلایشے
کہ اُس کے ہوتے ہوئے غم سے آلودگی نہ ہو

مُغنّی بزن خسروانی سرود
اے مطرب! شاہی گانا گا

بگو با حریفاں بآوازِ رود
رود کی آواز سے دوستوں سے کہہ

کہ از آسماں مژدۂ فرصت است
کیونکہ آسمان سے فرصت کی خوشخبری آرہی ہے

مرا بر عدو عاقبت نصرت ست
انجام کار، دشمن پر میری فتح ہے

مُغنّی نوائے[2] طرب ساز کن
اے مطرب! مستی کا نغمہ گا

بقولِ غزل قصہ آغاز کن
غزل کہہ کر قصہ شروع کر

کہ بارِ غمم بر زمیں دوخت پای
اس لیے کہ غم کے بوجھ نے میرے پیر زمین میں دھنسا دیئے ہیں

بضربِ اصولم بر آور ز جائے
میری جڑوں پر مار کر مجھے جگہ سے اکھاڑ دے

مُغنّی ازیں پردہ نقشے بر آر
اے مطرب! اس پردے سے کوئی نقش باہر لا

ببیں تا چہ گفت از حرم پردہ دار
دیکھ، حرم سے پردہ دار نے کیا کہا ہے؟

چناں[3] بر کش آہنگِ ایں داوری
اس داوری کی تان کو ایسا بلند کر

کہ ناہیدِ چنگی برقص آوری
کہ چنگ والے ناہید کو جھوما دے

مُغنّی دف و چنگ را ساز دہ
اے مطرب! دف اور چنگ کو بجا

بیارانِ خوش نغمہ آوازہ دہ
اچھے گانے والے دوستوں کو پکار

رہے[4] زن کہ صوفی بحالت رود
ایسا سُر گا کہ صوفی کو حال آجائے

بہ مستیِ وصلش حوالت رود
وہ اس کے وصل کی مستی کے حوالہ ہو جائے

مُغنّی بیا[5] با منت جنگ نیست
اے مطرب! آجا، تیری مجھ سے لڑائی نہیں ہے

کفے بر دفے زن گرت چنگ نیست
اگر تیرے پاس چنگ نہیں ہے تو دف پر ہاتھ مار

شنیدم کہ چوں غم رساند گزند
میں نے سنا ہے کہ جب غم تکلیف پہونچائے

خروشیدنِ دف بود سودمند
دف کا شور مچانا مفید ہوتا ہے

مُغنّی کجائی کہ وقتِ گُل ست
اے مطرب! تو کہاں ہے، بہار کا موسم ہے

ز بُلبل چمنہا پر از غُلغل ست
چمن، بلبلوں سے گونج رہے ہیں

ہماں بہ کہ خونم بجوش آوری
یہی بہتر ہے کہ تو میرے خون کو جوش دیدے

دمِ چنگ را در خروش آوری
چنگ کے سانس کو شور میں لائے

مُغنّی بیا[6] عود را ساز کن
اے مطرب! آ، سارنگی بجا

نو آئیں نوائے نو آغاز کن
نیا طرز کا، نیا نغمہ شروع کر

بیک نغمہ دردِ مرا چارہ ساز
ایک نغمے سے میرے درد کا علاج کردے

دلم نیز چوں خرقہ صد پارہ ساز
میرے دل کو گدڑی کی طرح سو ٹکڑے بنادے

---

[1] ارغنوں ایک مشہور باجا ہے یعنی دنیا کا فکر ارغنوں کے ذریعہ دور کردے۔

[2] اے مطرب کوئی غزل سنا، غموں کے بوجھ سے قدم اٹھانے کی طاقت نہیں ہے کوئی ایسا نغمہ سنا جس سے وجد میں آجاؤں۔

[3] داوری ایک باجا ہے ناہید زہرہ ستارہ جس کو رقاصۂ فلک مانا گیا ہے۔

[4] حالت یعنی کیفیت وجد و رقص مستی کیفیت وصل ہے۔

[5] اگر چنگ موجود نہیں ہے تو دف بجا اس کی آواز بھی غموں کو دور کردیگی۔

[6] اے مطرب کوئی نیا نغمہ سنا، صوفی وجد کی حالت میں کپڑے پھاڑ ڈالتے ہیں یعنی کپڑوں کی طرح میرے دل کے بھی ٹکڑے کردے۔

مُغنّی کجائی کہ لطفے کنی
اے مطرب! تو کہاں ہے کہ مہربانی کردے

بروں آری از فکرِ خود یکدمم
مجھے اپنی فکر سے ایک دم نکال دے

مُغنّی کجائی نوائے بزن
اے مطرب! تو کہاں ہے کوئی گانا گا

چو خواہد شدن عالم از ما تہی
جب دنیا ہم سے خالی ہی ہوگی

مُغنّی بگو قول بردار ساز
اے مطرب! قوالی کہہ ساز اٹھا

رَوانِ بزرگانِ خود شاد دار
اپنے بزرگوں کی رُوح کو خوش رکھ

مُغنّی ازاں پردہ نقشے بباز
اے مطرب! اس پردے سے کوئی نقش بنا

تو بنمائی راہِ عراقم بزود
تو مجھے راہ عراق جلد دکھا

مُغنّی بیا بشنو و کاربند
اے مطرب! آ، سن اور عمل کر

چو غم لشکر آرد بیارا صفے
جب غم لشکر کشی کرے تو صف آراستہ کر

مُغنّی تو سِرِّ مرا محرمی
اے مطرب! تو میرا محرم راز ہے

بمے دور کن در دلت گر غمے ست
اگر تیرے دل میں کوئی رنج ہے، شراب سے دور کر

مُغنّی کجائی بزن بر بطے
اے مطرب! تو کہاں ہے؟ کوئی بربط بجا

کہ باہم نشینیم و عیشے کنیم
تاکہ ہم ملکر بیٹھیں اور کچھ عیش کریں

مُغنّی ز اشعارِ من یک غزل
اے مطرب! میرے اشعار میں سے ایک غزل

کہ تا وجد را کار سازی کنم
تاکہ میں بے خودی پیدا کردوں

زمے آتشے در دِلم افگنی
میرے دل میں شراب سے آگ لگادے

بہم برزنی کار و بارِ غمم
میرے غم کے کاروبار کو برباد کردے

بیکتائی او دوتائے بزن
اس کی یکتائی کی قسم دوتارا بجا

گدائی بسے بہ ز شاہنشہی
تو شہنشاہی سے گدائی بہت بہتر ہے

کہ بیچارگاں را توئی چارہ ساز
اسلئے کہ بے چاروں کا تو ہی چارہ ساز ہے

ز روزِ فرو ماندگی یاد دار
عاجزی کے دن کو یاد رکھ

ببیں تا چہ گفتم ازاں پردہ ساز
دیکھ میں نے اس پردہ ساز سے کیا کہا؟

کہ بکشایم از دیدہ صد زندہ رود
تاکہ میں آنکھوں سے سو زندہ رود جاری کردوں

ز قولِ من ایں پندِ دانا پسند
میرے قول سے عقلمند کی یہ نصیحت پسند کر

ز چنگ و رباب و زنای و دفے
چنگ اور رباب، اور نے، اور دف کی

زمانے بہ نے زن دمِ ہمدمی
تھوڑی دیر کے لئے نے کے ذریعہ ہمدمی کا دم بھر

دمے پیشِ دانا بہ از عالمیست
عقلمند کی صحبت کا تھوڑا سا وقت دنیا بھر سے بہتر ہے

بیا ساقیا پُر کن از مے بطے
اے ساقی! آ، شراب سے ایک بطخ بھر

دمے خوش بر آریم و جیشے کنیم
ذرا سا خوشی کا سانس لیں اور ایک لشکر تیار کریں

باہنگِ چنگ آر اندر عمل
چنگ کی دھن پر کام میں لا

برقص آیم و خرقہ بازی کنم
میں ناچنے لگوں اور گدڑی کا کھیل بناؤں

ساقی نامہ

۱ یعنی مجھے بیخود بنادے تاکہ غم سے نجات پا جاؤں۔
۲ بے چاروں کا چارہ ساز مُطرب ہی ہے۔
۳ عراق ساز کے پردے کا نام بھی ہے اور ایک مُلک بھی ہے۔ زندہ رود اصفہان کی مشہور نہر ہے۔
۴ جب غموں کا لشکر حملہ آور ہو تو اس کے مقابلہ کے لئے چنگ و رباب وغیرہ سے صف آرائی کرنی چاہیئے۔
۵ بربط ایک ساز کا نام ہے، بط شراب کی صراحی جو بطخ کی صورت کی بنائی جاتی ہے۔
۶ میری ایک غزل چنگ پر سُنا۔
۷ وجد میں سماع لذّت دیتا ہے۔ رقص میں صوفی کی گدڑی کھلونے کی طرح معلوم ہوتی ہے۔

باقبالِ دارائے دیہیم وتخت
اقبال مندی سے تخت وتاج کا مالک
بہیں میوۂ خسروانی درخت
شاہی درخت کا قیمتی میوہ

پناہِ زمیں پادشاہِ زماں
زمین کی پناہ، زمانہ کا بادشاہ
مہِ برجِ دولت شہِ کامراں
دولت کے برج کا چاند، کامیاب بادشاہ

کہ تمکین اورنگِ شاہی ازوست
کیونکہ شاہی تخت کا وقار، اس سے ہے
تن آسانی مرغ وماہی ازوست
مرغ وماہی کا آرام، اس سے ہے

فروغِ دل ودیدۂ مقبلاں
وہ بااقبال لوگوں کے دل اور آنکھ کا نور ہے
ولی نعمتِ جملہ صاحبدلاں
تمام صاحبانِ دل کا ولیِ نعمت ہے

الا اے ہمائے ہمایوں اثر
سُن، اے برکتوں والے ہما
خجستہ سروشِ مبارک خبر
مبارک آواز مبارک خبر والے

جہاں دار ودیں پرور وتاجور
وہ جہاندار ہے، اور دین پرور تاجدار ہے
کز وتختِ جم گشت بازیب وفر
جس کی وجہ سے جمشید کا تخت شان وشوکت والا ہوگیا ہے

چگونہ دہم شرحِ آثارِ او[1]
میں اس کی خوبیوں کی کس طرح شرح کردوں
کہ عقل ست حیراں در اطوارِ او
اس کے طور طریقوں میں عقل حیران ہے

چو قدرے وے از حدِ مدحت بیش
جبکہ اس کا مرتبہ تعریف کی حد سے باہر ہے
سر اندازم از عجز وتشویر پیش
عاجزی اور شرمندگی سے میں سر نیچا کرلیتا ہوں

بر آرم با خلاص دستِ دعا
میں اخلاص سے دعا کا ہاتھ اٹھاتا ہوں
کنم روئے در حضرتِ کبریا
اللہ کے دربار کی طرف متوجہ ہوتا ہوں

کہ یاربّ بآلائے ونعمائے تو
کہ اے خدا اپنی نعمتوں اور بخششوں کے طفیل
باسرارِ اسمائے حُسنائے تو[2]
اپنے اسمائے حُسنیٰ کے اسرار کے طفیل

بحقِ کلامت کہ آمد قدیم[3]
اپنے قدیم کلام کے طفیل
بحقِّ رسولؐ وبخلقِ عظیم
رسول کے حق اور بلند اخلاق کے طفیل

کہ شاہِ جہاں باد فیروز بخت
کہ دنیا کا بادشاہ کامیاب نصیبہ والا رہے
باقبال ہموارہ باتاج وتخت
اقبال کے ساتھ ہمیشہ تاج وتخت والا رہے

زمیں تا بود مظہرِ عدل وجور
زمین جب تک انصاف اور ظلم کا مظہر رہے
فلک تا بود مرتع جدی وثور[4]
فلک جب تک جدی اور ثور کی چراگاہ رہے

خدیوِ جہاں شاہ منصور باد
شاہ منصورؔ عالم کا بادشاہ رہے
غبارِ غم از خاطرش دور باد
غم کا غبار اس کی طبیعت سے دور رہے

بحمد اللہ اے خسروِ جم نگیں
بحمد اللہ، اے جمشید کی انگوٹھی والے بادشاہ!
شجاعے بمیدانِ دنیا ودیں
دنیا اور دین کے میدان کے بہادر

بمنصوریت در جہاں رفت نام
تیرا نام دنیا میں منصورؔ مشہور ہوا ہے
کہ منصور باشی بر اعدا مدام
تاکہ تو دشمنوں پر ہمیشہ کامیاب رہے

[1] اس بادشاہ کی تعریف کرنا ناممکن ہے اس کی خوبیاں بیان سے باہر ہیں۔
[2] خدا کے ننانوے ناموں کو اسماءِ حُسنیٰ کہا جاتا ہے۔
[3] کلام اللہ، اللہ کی صفت ہے اور قدیم ہے۔
[4] جدی اور ثور آسمان کے دو برجوں کے نام ہیں اور جدی بکری کا بچہ اور ثور بیل کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔

فریدوں شکوہی در ایوانِ بزم
تو محفل میں فریدوں جیسے دبدبہ والا ہے

تہمتن[1] نبردی بمیدانِ رزم
جنگ کے میدان میں رستم جیسا جنگجو ہے

فلک را گہر در صدف چوں تو نیست
آسمان کی سیپ میں تجھ جیسا موتی نہیں ہے

فریدون و جم را خلف چوں تو نیست
فریدوں اور جمشید کا جانشیں، تجھ جیسا کوئی نہیں ہے

نہ تنہا خراجت دہند از فرنگ
تجھے صرف فرنگی ہی خراج نہیں دیتے ہیں

کہ مہراج[2] با جت فرستد ز زنگ
بلکہ زنگ سے مہاراجہ تجھے خراج بھیجتے ہیں

اگر ترک و ہند ست وگر روم و چین
خواہ ترک اور ہند ہو، خواہ روم اور چین

چو جم جملہ داری بزیر نگیں
تو سب کو جمشید کی طرح حکم کے ماتحت رکھتا ہے

ہمائیست[3] چترت ہمایوں نظر
تیرا چتر مبارک نظر ایسا ہما ہے

کہ دارد بسیطِ زمیں زیر پر
جو کہ روئے زمین کو پر کے نیچے رکھتا ہے

زحل کمتریں ہندوی در وثاق
زحل، بیٹری میں تیرا ادنےٰ غلام ہے

سپہرت غلامے مرصّع نطاق
آسمان، تیرا جڑاؤ پر تلے والا غلام ہے

سکندر صفت روم تا چیں تراست
سکندر کی طرح روم سے چین تک تیرا ہے

گر او داشت آئینہ آئیں تراست
اگر اس کے پاس آئینہ تھا تو تیرا حکم ہے

بجائے سکندر بماں سالہا
سکندر کی جگہ تو سالہا سال رہ

بدانا دلی کشف کن حالہا
عقلمند دل سے حالات معلوم کر

چو دریائے وصفت ندارد کنار
جبکہ تیرے وصف کے دریا کا کنارہ نہیں ہے

ثنار اکنم بر دعا اختصار
اس لئے تعریف کو دعا پر ختم کرتا ہوں

ز نظم[4] نظامی کہ چرخِ کہن
اس نظامی کی نظم میں سے کہ پرانا آسمان

ندارد چو اوہیچ زیبا سخن
اس جیسا کوئی حسین کلام نہیں رکھتا ہے

بیارم بہ تضمیں سہ بیتِ متیں
تضمین میں تین عمدہ شعر لاتا ہوں

کہ نزدِ خرد بہ ز دُرِّ ثمیں
جو عقل کے نزدیک قیمتی موتی سے بہتر ہیں

ازاں[5] بیشتر کآوری در ضمیر
اس سے بھی زیادہ جتنا تو دل میں خیال کرے

ولایت ستاں باش و آفاق گیر
ملک لینے والا اور دنیا کو فتح کرنے والا ہو

زماں تا زماں از سپہر بلند
ابد الآباد تک، بلند آسمان کی طرف سے

بفتح دِگر باش فیروز مند
تو نئی فتح کے ساتھ کامیاب رہے

ازاں مے کہ جاں را بدو ہوش باد
وہ شراب جس سے جان کو ہوش رہے

مرا شربت و شاہ را نوش باد
میرے لیے شربت اور بادشاہ کے لیے شہد بنے

بیا ساقی آں مے کہ یکبارگی
اے ساقی! آ، وہ شراب جو ایک دم

بچارہ رساند ز بیچارگی
بے چارگی سے چارہ تک پہونچا دے

بمن دہ کہ سلطانِ دل بودہ ام
مجھے دے، اس لیے کہ میں دل کا بادشاہ ہوں

کنوں دُورم از وے کہ آلودہ ام
اب اس سے دور ہوں، کیونکہ ناپاک ہوں

---

[1] تہم بمعنی قوی اور بزرگ تن، بمعنی جسم یعنی قوی جسم والا یہ رستم کا لقب تھا۔

[2] مہراج، بڑا بادشاہ یہ ہندوستان اور حبش کے بادشاہوں کا لقب تھا۔

[3] تیرا چترِ شاہی بمنزلہ ہما کے ہے اور اپنے پروں میں روئے زمین کو لئے ہوئے ہے۔

[4] چونکہ نظامی سے بہتر کوئی شاعر نہیں ہے لہٰذا اس کے کلام کے تین دعائیہ اشعار پر تعریف ختم کرتا ہوں۔

[5] یہ شعر اور اگلے شعر نظامی کے ہیں۔

ساقی نامہ

فریدوں صفت کاویانی علم[۱] — برافرازم از پشتی جامِ جم
فریدوں کی طرح کاویانی جھنڈا — جام جمشید کی مدد سے میں بلند کروں

بیا ساقی ایں نکتہ بشنو زنے — کہ یک جرعہ مے بہ ز دیہیم کے
اے ساقی! آ بانسری سے یہ نکتہ سن — کہ شراب کا ایک گھونٹ کیخسرو کے تاج سے بہتر ہے

بمن دہ کہ در کیشِ مردانِ راہ — چہ طاعت در آنجا چہ آنجا گناہ
مجھے دے، اس لیے کہ راستہ کے مردوں کے مذہب میں — اس جگہ، کیا عبادت اور کیا گناہ

دم[۲] از سیرِ ایں دیرِ دیرینہ زن — صلائے بشاہانِ پیشینہ زن
اس پرانے آتشکدہ کی سیر کا دم بھر — گذشتہ بادشاہوں کو پکار

بیا ساقیا[۳] آں کیمیائے فتوح — کہ با گنجِ قاروں دہد عمرِ نوح
اے ساقی! آ، کامیابی کی وہ کیمیا — جو قارون کے خزانے کے ساتھ نوح کی عمر دیتی ہے

بدہ تا برویت کشایند باز — درِ کامرانی و عمرِ دراز
دے، تاکہ تیرے سامنے کھول دیں — کامیابی اور دراز عمر کا دروازہ

بیا ساقی آں ارغوانی قدح — کہ یابد ز فیضش دل و جاں فرح
اے ساقی! آ، وہ ارغوانی پیالہ — جس کے فیض سے دل اور جان فرحت حاصل کرے

بمن دہ کہ از غم خلاصم دہد — نشانِ رہِ بزمِ خاصم دہد
مجھے دے، تاکہ غم سے، وہ مجھے نجات دے — خاص لوگوں کی محفل کا مجھے پتہ بتادے

بیا ساقی آں مے کہ جاں پرورست — دلِ خستہ را ہمچو جاں در خورست
اے ساقی! آ، وہ شراب جو جان پرور ہے — جو زخمی دل کے لیے جان کی طرح ضروری ہے

بدہ[۴] کز جہاں خیمہ بیروں زنم — سراپردہ بالائے گردوں زنم
دے، تاکہ دنیا سے باہر خیمہ گاڑوں — آسمان پر خیمہ لگاؤں

بیا ساقی[۵] آں مے کہ حال آورد — کرامت فزاید کمال آورد
اے ساقی! آ، وہ شراب جو حال لائے — کرامت بڑھائے اور کمال پیدا کرے

بمن دہ کہ بس بیدل افتادہ ام — وزیں ہر دو بے حاصل افتادہ ام
مجھے دے، اس لیے کہ میں بہت بے دل ہوا پڑا ہوں — اور ان دونوں سے خالی پڑا ہوں

بیا ساقی آں آبِ اندیشہ سوز — کہ گر شیر نوشد شود بیشہ سوز
اے ساقی! آ، وہ پانی جو فکر کو جلانیوالا ہے — اگر شیر پی لے تو کچھار جلادے

بدہ[۶] تا روم بر فلک شیر گیر — بہم برزنم دامِ ایں گرگ پیر
دے، تاکہ میں آسمان پر شیر پکڑنے والا بن کر جاؤں — اس پرانے بھیڑیے کا جال پھاڑ ڈالوں

بیا ساقی آں بکرِ[۷] مستورِ مست — کہ اندر خرابات دارد نشست
اے ساقی! آ، وہ پردہ نشین، مست، باکرہ — جو شراب خانوں میں بیٹھی ہے

بمن دہ کہ بدنام خواہم شدن — مریدِ مے و جام خواہم شدن
مجھے دے کیونکہ میں بدنام ہونا چاہتا ہوں — شراب اور جام کا مرید ہونا چاہتا ہوں

---

۱ کاوہ ایک لوہار کا نام ہے کاویانی علم وہ جھنڈا کہلاتا تھا جو فریدوں بادشاہ کے پاس تھا۔
۲ دیرِ دیرینہ سے مراد دنیا ہے، صلا کھانے کی دعوت یا ہر پکار کو کہا جاتا ہے۔
۳ حضرتِ نوح کی عمر اور قارون کا خزانہ کثرت میں ضرب المثل ہے۔
۴ شراب کے بعد عالم بالا کی طرف پرواز اور دنیا سے لاپروائی ہوتی ہے۔
۵ شراب پینے سے وجد کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور کرامت اور کمال کے مراتب بلند ہوتے ہیں۔
۶ گرگ پیر سے مراد آسمان ہے یعنی آسمان کے تمام مکر و فریب کا جال پھاڑ ڈالوں۔
۷ بکرِ مستور، پردہ نشین کنواری یعنی شراب۔

ساقی نامہ (۲)

بیا ساقی[1] آں مے کہ حورِ بہشت
اے ساقی! آ وہ شراب کہ بہشتی حور نے

عبیرِ ملائک دراں مے سرشت
فرشتوں کی خوشبو اس شراب میں گوندھی ہے

بدہ[2] تا بخورے بر آتش کنم
دے، تاکہ آگ پر کچھ دھونی دوں

دماغِ خرد را دمے خوش کنم
تھوڑی دیر کے لئے عقل کا دماغ خوش کروں

بیا ساقی آں مے کہ تیزی کند
اے ساقی! آ وہ شراب جو تیزی دکھائے

بباغِ دلم مُشک بیزی کند
میرے دل کے باغ میں مُشک بکھیرے

بدہ تا بنوشم بیادِ کسے
دے، تاکہ اس شخص کی یاد میں پیوں

کہ ہست از غمش در دلم خوں بسے
جس کے غم سے میرے دل میں بہت خون ہو گیا ہے

بیا ساقی از مے ندارم گزیر
اے ساقی! آ میرے لیے شراب سے چارہ نہیں ہے

بیک جامِ باقی مرا دستگیر
ایک باقی جام سے میری دستگیری کر

کہ از دورِ گردوں بجاں آمدم
اس لیے کہ آسمان کی گردش سے میں جان سے عاجز آگیا ہوں

دواں سوئے دیرِ مُغاں آمدم
مغوں کے آتشکدے کی طرف بھاگتا ہوا آیا ہوں

بیا ساقی[3] از کنجِ دیرِ مُغاں
اے ساقی! مُغوں کے آتشکدہ کے گوشہ سے نکل آ

مشو دور کانجاست گنجِ رواں
دور نہ جا کیونکہ گنجِ رواں اسی جگہ ہے

ور ت[4] شیخ گوید مرو سوئے دیر
اور اگر تجھسے شیخ کہے کہ آتشکدہ کی طرف نہ جا

جوابش چہ گوئی بگو شب بخیر
تو اس کو کیا جواب دے گا؟ شب بخیر کہہ دے

بیا ساقی آں جامِ صافی صفت
اے ساقی! آ، وہ شفّاف جام

کہ بر دل کشاید درِ معرفت
جو دل پر معرفت کا دروازہ کھولدے

بدہ تا صفائے دروں آرَدم
دے، تاکہ مجھ میں اندرونی صفائی پیدا کردے

دمے از کدورت بروں آرَدم
تھوڑی دیر کے لیے مجھے کدورت سے باہر نکال دے

بیا ساقی[5] آں آتشِ تابناک
اے ساقی! آ وہ چمکتی ہوئی آگ

کہ زردشت میجویدش زیرِ خاک
جس کو زردشت خاک کے نیچے ڈھونڈتا ہے

بمن دہ کہ در کیشِ رندانِ مست
مجھے دے، اس لیے کہ مست رندوں کے مذہب میں

چہ دنیا پرست و چہ آتش پرست
کیا دنیا پرست اور کیا آتش پرست؟

بیا ساقی اکنوں کہ شد چوں بہشت
اے ساقی! آ اب جبکہ بہشت کی طرح ہو گئی ہے

زروئے تو ایں بزمِ عنبر سرشت
یہ عنبر مزاج مجلس تیرے رُخ کی وجہ سے

خُذِ الجَامَ لَا تَخْشَ فِیهِ الْجُنَاح
جام لے، اس بارے میں گناہ سے نہ ڈر

کہ در[6] باغِ جنّت بود مے مباح
اس لیے کہ جنّت کے باغ میں شراب حلال ہوتی ہے

---

[1] عبیر ایک خوشبو ہے جو صندل، گلاب اور مُشک سے بنائی جاتی تھی۔

[2] بخور، خوشبودار دھونی جو اگر، لوبان وغیرہ سے دیجاتی ہے۔

[3] گنجِ رواں کیخسرو کے خزانہ کا نام ہے۔ مراد شراب ہے۔

[4] دیر سے مراد آتش کدہ ہے یعنی شیخ کو شب بخیر کہکر رخصت کر دے۔

[5] زردشت آتش پرستی کے مذہب کا بانی ہے جو منوچہر کی نسل سے تھا اور حکیم فیثا غورث کا شاگرد تھا۔ ژند، اسی کی کتاب ہے، آتشِ تابناک سے مراد شراب ہے، زیرِ خاک سے مراد قبر ہے۔

[6] ساقی کے رُخ سے دنیا جنت بن گئی ہے اور جنت میں شراب کا پینا جائز ہے۔

ساقی نامہ

بیا ساقی آں جامِ یاقوت وش — کہ بر دل کشاید درِ وقتِ خوش
اے ساقی! آ وہ یاقوت جیسا جام — جو کہ دل پر اچھے وقت کا دروازہ کھولتا ہے

بدہ وزیں نصیحت زمن گوش کن — جہاں جملہ ہیچست مے نوش کن
دے، اور یہ نصیحت مجھ سے سن لے — دنیا سب ہیچ ہے، شراب پی

ساقی نامہ (۳)

بیا ساقی از بے وفائی عمر — ببین وز مے کن گدائی عمر
اے ساقی! آ، عمر کی بے وفائی کو — دیکھ، اور شراب سے عمر کی بھیک مانگ

کہ مے عمر باقی بیفزایدت — درے ہر دم از غیب بکشایدت
اس لیے کہ شراب تیری باقی عمر کو بڑھا دے گی — ہر وقت تیرے لئے غیب کا ایک دروازہ کھول دیگی

بیا ساقی از مے بنہ مجلسے — کہ دنیا ندارد وفا باکسے
اے ساقی آ، شراب کی ایک مجلس جما — اس لیے کہ دنیا کسی کے ساتھ وفا نہیں کرتی

کہ چوں بگذرد عمر و تو بگذری — ازو باز مانی و حسرت خوری
اس لیے کہ جب عمر اور تو گذر جائے گا — اس سے رُک جائے گا اور حسرت کرے گا

بیا ساقی از مے طلب کامِ دل — کہ بے مے ندارم من آرامِ دل
اے ساقی! آ، شراب سے دل کا مقصد طلب کر — اس لیے کہ شراب کے بغیر مجھے دل کا آرام نہیں ملتا

گر از ہجرِ جاں تن صبوری کند — دل از مے تواند کہ دوری کند
اگر جان کے ہجر پر، جسم صبر کرے — تو ہو سکتا ہے کہ دل شراب سے دوری اختیار کرے

بیا ساقی ایمن چہ باشی کہ دہر — برآنست کت خوں بریزد بقہر
اے ساقی! آ، مطمئن کیا ہوتا ہے، اس لیے کہ زمانہ — اس پر آمادہ ہے کہ ظلم سے تیرا خون بہادے

دریں خوں فشاں عرصۂ رستخیز — تو خونِ صراحی و ساغر بریز
جنگ کے اس خونریز میدان میں — تو صراحی اور ساغر کا خون بہا

بیا ساقی از من مکن سرکشی — کہ از خاکی آخر نہ از آتشی
اے ساقی! آ، مجھ سے سرکشی نہ کر — اس لیے کہ آخر تو خاکی ہے، نہ کہ آتشی

قدح پر کن از مے کہ مے خوش بود — خصوصاً کہ صافی و بیغش بود
شراب سے پیالہ بھر، اس لیے کہ شراب اچھی چیز ہے — خصوصاً جو صاف اور خالص ہو

بیا ساقی آں راحِ ریحاں نسیم — بمن دہ کہ نہ زر بماند نہ سیم
اے ساقی! آ وہ ریحان کی خوشبو والی شراب — مجھے دے، اس لیے کہ نہ سونا رہے گا نہ چاندی

زرے را کہ بے شک تلف درپے ست — بمے دہ کہ درمانِ دلہا مے ست
جس سونے کے، بلاشبہ، بربادی درپے ہے — شراب میں خرچ کر دے اس لیے کہ دلوں کا علاج شراب ہے

۱۔ مجھے بھی پلا اور نصیحت سن لے دنیا ہیچ ہے تو بھی پی لے۔
۲۔ زندگی کا لطف شراب ہی سے حاصل ہوتا ہے۔
۳۔ شراب پینے سے عمر دراز ہوگی اور غیب کے راز کھلیں گے۔
۴۔ شراب سے جدائی ایسی ہی ہے جیسا کہ جسم کی روح سے جدائی۔
۵۔ دنیا خوں ریز میدانِ جنگ ہے تو ساغر اور صراحی سے خون جیسی شراب لنڈھا۔
۶۔ آگ میں سرکشی اور خاک میں فروتنی ہوتی ہے آگ کی لپٹ اوپر کو جاتی ہے خاک زمین پر گرتی ہے۔

ساقی نامہ

بیا ساقی آں بادۂ لعلِ صاف
اے ساقی! آ، وہ صاف لعل جیسی شراب
بدہ تا کے ایں شید و تزویر و لاف
دے، یہ مکر اور جھوٹ اور لاف زنی کب تک؟

ز تسبیح[1] و خرقہ ملولم تمام
میں تسبیح اور گدڑی سے بالکل ملول ہوں
بمے رہن کن ہر دو را والسلام
دونوں کو شراب میں گروی کر دے والسلام

بیا ساقی[2] آں بادۂ رُوح بخش
اے ساقی! آ، وہ رُوح بخش شراب
بدہ تا نشینیم بر پشتِ رخش
دے، تاکہ ہم ابلق گھوڑے کی پشت پر بیٹھیں

تہمتن صفت رو بمیداں کنم
رستم کی طرح میدان کا رخ کروں
بکامِ دل آہنگِ جولاں کنم
دل کی تمنا کے مطابق گھومنے کا قصد کروں

بیا ساقی از من برو پیشِ شاہ
اے ساقی! آ، میری طرف سے شاہ کے پاس جا
بگویش ز من کاے شہِ جم کلاہ
میری جانب سے اس سے کہہ، کہ اے جمشید کے تاج والے بادشاہ

دلِ بینوایانِ مسکیں بجوی
بے سروسامان مسکینوں کی دل جوئی کر
پس آنگاہ جامِ جہاں بیں بجوی
پھر جامِ جہاں نما تلاش کر

بیا ساقی[3] آں مے کز آں جامِ جم
اے ساقی! آ، وہ شراب جس سے جمشید کا جام
زند لافِ بینائی اندر عدم
عدم میں بینائی کی ڈینگیں مارے

بمن دہ کہ باشم بتائیدِ جام
مجھے دے، تاکہ میں جام کی تائید سے ہو جاؤں
چو جم آگہ از سرِّ عالم تمام
آگاہ، جمشید کی طرح تمام دنیا کے راز سے

بیا ساقی آں جام پر کن ز مے
اے ساقی! آ، وہ جام، شراب سے بھر
کہ گویم ترا حالِ کسرےٰ و کے
کہ میں تجھ کو کسریٰ اور کیخسرو کے راز بتاؤں

بمستی تواں دُرِّ اسرار سفت
مستی میں رازوں کے موتی بیندھے جاسکتے ہیں
کہ در بیخودی راز نتواں نہفت
اس لیے کہ بیخودی میں راز نہیں چھپایا جاسکتا ہے

بیا ساقی آں مے کہ عکسش ز جام
اے ساقی! آ، وہ شراب کہ جس کا عکس جام سے
بکیخسرو و جم فرستد پیام
کیخسرو اور جمشید کو پیام بھیجتا ہے

بدہ تا بگویم بآوازِ نے
دے، تاکہ میں بانسری کی آواز کے ذریعہ کہوں
کہ جمشید کے بود و کاؤس کے
کہ جمشید کب تھا اور کاؤس کب تھا؟

بیا ساقی[4] آں مے کہ شاہی دہد
اے ساقی! آ، وہ شراب جو شاہی عطا کرے
بپاکیِ او دل گواہی دہد
دل اس کی پاکی پر گواہی دے

بمن دہ کہ تا گردم از عیب پاک
مجھے دے، تاکہ میں عیب سے پاک ہو جاؤں
خرامم بعشرت بہ تیرہ مُغاک
اندھیرے گڑھے میں عیش سے ٹہلوں

بیا ساقی آں جام چوں مہر و ماہ
اے ساقی! آ، وہ جام جو چاند اور سورج کی طرح ہے
بدہ تا زنم بر فلک بارگاہ
دے، تاکہ میں آسمان پر مجلس جماؤں

چو شد[5] باغِ رُوحانیاں مسکنم
جبکہ روحانیت والوں کا باغ، میرا ٹھکانا بن گیا
دریں جا چرا تختہ بندِ تنم
تو اس جگہ میں اپنے جسم کا قیدی کیوں بنوں؟

[1] تسبیح اور خرقہ سے رنجیدہ ہو چکا ہوں دونوں کو خیرباد کہہ دے اور شراب میں گروی کر دے۔

[2] رخش، سُرخ اور سفید رنگ، چونکہ رستم کے گھوڑے کا یہی رنگ تھا لہٰذا اس کے گھوڑے کو کہتے تھے پھر مطلقاً گھوڑے کے معنی میں آنے لگا۔

[3] جامِ جم اگرچہ گم ہو چکا ہے لیکن وہ شراب اگر اس کو میسر ہو جائے تو دوبارہ موجود ہو جائے۔

[4] وہ شراب دے جس کے پینے کے بعد شاہانہ مزاج بن جائے۔

[5] روحانیوں کا ٹھکانا عالمِ بالا ہے۔ لہٰذا مجھے بھی عالمِ بالا میں پہونچنا چاہیے اور جسم کی قید سے آزاد ہو جانا چاہیے۔

بیا ساقی آں جام چوں سلسبیل
اے ساقی! آ وہ جام جو سلسبیل کی طرح ہے
کہ دل را بفردوس باشد دلیل
جو دل کی جنت کی طرف رہنمائی کرتا ہے

بدستم[1] دہ و روئے دولت ببیں
میرے ہاتھ میں دے، اور دولت کا چہرہ دیکھ
خرابم کن و گنجِ حکمت ببیں
مجھے مست کر دے اور حکمت کا خزانہ دیکھ

بیا ساقی از بادہ ہائے کہن
اے ساقی! آ، پرانی شرابوں کے
ز جامِ پیاپے مرا مست کن
پے در پے جاموں سے مجھے مست کر دے

چو مستم[2] کنی از مے بے غشت
جبکہ تو مجھے اپنی خالص شراب سے مست کر دیگا
بمستی بگویم سرودِ خوشت
میں تیرے لئے اچھا گانا مستی میں گاؤں گا

اگر ہمچو جم جام گیری بدست
اگر تو جمشید کی طرح، ہاتھ میں جام لے گا
بہ بینی در آں آئنہ ہرچہ ہست
اس آئینہ میں، ہر موجود کو دیکھ لے گا

بمستی[3] در پارسائی زنی
تو مستی میں، نیکی کا دروازہ کھٹکھٹائے گا
درِ خسروی در گدائی زنی
فقیری میں، بادشاہت کا دروازہ کھٹکھٹائے گا

کہ حافظ چو مستانہ سازد سرود
اس لیے کہ حافظ جب مستانہ گانا گاتا ہے
ز چرخش دہد زہرہ آوازِ رود
تو زہرہ فلک سے اسکو رود کی آواز سناتی ہے

بتاثیرِ[4] صبح از طبقہائے نور
نور کے طبقوں سے صبح کی تاثیر کی وجہ سے
بگوش آیدم ہر دم از لفظِ حور
ق ہر وقت میرے کان میں حور کے الفاظ آتے ہیں

کہ اے خوشنوا مرغِ شیریں نفس
کہ اے شیریں نفس، خوش الحان پرندہ!
بیفشاں پر و بال و بشکن قفس
پر اور بال جھاڑ، اور پنجرا توڑ ڈال

بیا تا خرد را قلم در کشیم
آ، تاکہ ہم عقل پر قلم پھیر دیں
ز مستی بعالم علَم در کشیم
عالم پر، مستی کا جھنڈا گاڑ دیں

ز جامِ[5] دما دم دمے دم زنیم
پے در پے جام کا تھوڑی دیر کے لیے دم بھریں
ز مے آب بر آتشِ غم زنیم
شراب کا پانی، غم کی آگ پر چھڑک دیں

یک امروز باید کہ مے خوریم
آج تھوڑی دیر کے لیے ملکر شراب پی لیں
چو فرصت نباشد دگر کے خوریم
جب فرصت نہ ہوگی پھر کب پییں گے؟

کہ آنہا کہ بزمِ طرب ساختند
اس لئے کہ جن لوگوں نے محفل طرب بنائی
بہ بزمِ طرب ہم نپرداختند
وہ خود محفل طرب میں نہ لگ سکے

بایں تختِ فیروزہ فیروز کیست
اس فیروزی تخت پر کون کامیاب ہے؟
ز ایامِ عمر آنکہ بہروز کیست
جو زندگی کے ایام سے راحت میں ہو کون ہے؟

دریغا جوانی کہ بر باد شد
اس جوانی پر افسوس ہے جو برباد ہوگئی
خنک آنکہ از عالم آزاد شد
وہ آرام سے ہے جو دنیا سے آزاد ہوگیا

ساقی نامہ

[1] مجھے شراب پلادے تاکہ تجھے حکیمانہ باتیں سناؤں۔
[2] میں مستی میں تیرے لیے بہترین گانا گاؤں گا۔
[3] مستی میں ریاکاری ختم ہو جاتی ہے" اور انسان گدائی میں بادشاہی کرتا ہے۔
[4] صبح کے وقت نور کے طبقات سے حور کا وہ گانا کان میں آتا ہے جس کا بیان اگلے شعروں میں ہے
[5] آگ پر پانی ڈالنا یعنی اس کو بجھانا۔

ساقی نامہ (۴)

بدہ[1] ساقیا مے کہ تا دم زنیم
اے ساقی! شراب دے تاکہ ہم سانس لیں
قلم بر سرِ ہر دو عالم زنیم
دونوں جہان کے سر پر قلم پھیر دیں

سبک باش و رطلِ گرانم بدہ
چست ہو، اور مجھے بھاری پیمانہ دے
وگر فاش نتواں نہانم بدہ
اگر کھلم کھلا نہ ہو سکے، تو چھپا کر دے

کہ این[2] چرخ و این انجمِ آبنوس
اس لیے کہ یہ آسمان، اور یہ آبنوس کے ستارے
بسے یاد دارد چو بہرام و طوس
بہرام اور طوس جیسے کو بہت یاد رکھتے ہیں

کسے کو زدے کوس بر پشتِ پیل
وہ شخص جو ہاتھی کی پشت پر نقارہ بجاتا تھا
زدندش بنا کام طبلِ رحیل
ناکامی کے ساتھ اس کے کوچ کا انھوں نے نقارہ بجا دیا

جز[3] این مرکز ہفت پرکار نیست
سات پرکاروں کے اس مرکز کے علاوہ کچھ نہیں ہے
جز این ہفت پرکار پرکار نیست
ان ساتوں پرکار کے سوا کوئی چالاک نہیں ہے

تو در[4] خانۂ ششدری ششدری
تو اس چھ دروازے والے گھر میں پریشان ہے
کہ او ماندہ تا بنگری بگذری
کہ وہ رہے گا، جب تک تو دیکھے گا اور چل دیگا

بر[5] ایوانِ شش طاقِ خضرا نشیں
چھ سبز محرابوں والے قلعہ پر بیٹھ
بمنزل گہ جاں نشیمن گزیں
جان کی منزل میں گھونسلا بنا

بدہ ساقی آں آبِ آتش فشاں
اے ساقی! وہ آگ برسانے والا پانی دے
ازاں پیش کز ما نیابی نشاں
اس سے قبل کہ تو ہمارا نشان کبھی نہ پائے

کہ در آتش ست این دلِ روشنم
کیونکہ میرا یہ روشن دل آگ میں ہے
ہمانا کہ آبے بر آتش زنم
شاید کہ میں آگ پر کچھ پانی چھڑکوں

کہ فیروز[6] فرخ منوچہر چہر
اس لیے کہ منوچہر کامیاب، مبارک چہرے والے نے
شنیدم کہ در عہدِ بوزرجمہر
میں نے سنا ہے کہ بوزرجمہر کے زمانہ میں

نوشتہ است بر جامِ نوشیرواں
نوشیرواں کے جام پر لکھا ہوا ہے
کہ بفزائے از جامِ نوشیں رواں
کہ شیریں جام سے روح کو بڑھا

اگر پور[7] زالی وگر پیر زال
خواہ تو زال کا بیٹا ہے خواہ بوڑھی عورت
بدستاں نمانی شوی پایمال
مکر سے تو نہ بچے گا، پائمال ہو جائے گا

زمن بشنو اے پیر آموزگار
اے سکھانے والے بوڑھے! مجھ سے سن لے
مکن تکیہ بر گردشِ روزگار
زمانہ کی گردش پر بھروسہ نہ کر

کہ این منزلِ درد و جائے غمست
کہ یہ درد کی منزل اور غم کی جگہ ہے
دریں دامگہ شادمانی کم ست
اس جال کی جگہ میں خوشی کم ہے

---

[1] ہم سب شراب پی کر دنیا اور آخرت کے غم سے آزاد ہو جائیں۔

[2] انجم آبنوس اس لیے کہا ہے کہ آسمان سیاہ آبنوس کی طرح ہے جس میں ستارے نظر آتے ہیں، طوس بہرام گور بادشاہ کا پوتا تھا۔

[3] ہفت پرکار سے ساتوں آسمان مراد ہیں تمام انقلابات اور تغیرات انہیں کی بدولت ہیں اسی لیے آسمان کی مکاری ضرب المثل ہے۔

[4] خانۂ ششدر سے مراد دنیا ہے اس لیے کہ اس کی چھ سمتیں ہیں۔

[5] شش طاق خضرا سے مراد چھ آسمان ہیں۔

[6] منوچہر، بہشت جیسے چہرے والا مشہور بادشاہ گذرا ہے۔ بوزرجمہر، نوشیرواں شاہ ایران کا مشہور وزیر ہے۔

[7] پور زال یعنی زال کا بیٹا مراد رستم ہے پیر زال بڑھیا۔

بدیں[1] شاد مانیم کز درد و غم — نداریم غم گر نداریم کم
ہم اس پر خوش ہیں کہ درد اور غم کی وجہ سے — ہمیں غم نہیں اگر ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے

بدہ ساقی آں لعل یاقوت رنگ — کہ بُرد از رُخِ لعل و یاقوت رنگ
اے ساقی! وہ یاقوت جیسے رنگ والا لعل دے — جس نے لعل اور یاقوت کے رخ سے رنگ اڑا دیا ہے

رواں[2] در دہ آں مے چو آبِ رواں — نہ آبِ رواں کآفتابِ عیاں
فوراً وہ شراب دے جو بہتے پانی کی طرح ہے — نہ صرف بہتے پانی کی طرح ہے بلکہ روشن آفتاب کی طرح ہے

شہانیکہ[3] اینجا نشستند شاد — برفتند و از کس نہ کردند یاد
وہ بادشاہ جو اس جگہ خوش بیٹھے — وہ چلے گئے اور انھوں نے کسی کو یاد نہ کیا

کدام ست جامِ جم و جم کجاست — سُلیماں کجا رفت و حاتم کجاست
جام جم کونسا ہے، اور جمشید کہاں ہے؟ — سلیمان کہاں گیا، اور حاتم کہاں ہے؟

کہ میداند از فیلسوفانِ حے
قبیلہ کے فلسفیوں میں سے کون جانتا ہے؟
کہ جمشید کے بود و کاؤس کے
کہ جمشید کب تھا اور کاؤس کب تھا؟

ختم شد

کتابت: منشی نذیر الدین شیرکوٹی
۱۵۰۲ چوڑیوالان دہلی

[1] ہمیں یہ خوشی ہے کہ درد سے ہم ایسے مدہوش ہیں کہ مفلسی کا غم نہیں ہے۔
[2] ہمیں فوراً وہ شراب دے جس کو جاری پانی بلکہ چشمۂ آفتاب کہا جائے۔
[3] جن بادشاہوں نے خوشی سے زمانہ بسر کیا وہ سبھی دنیا سے چلے گئے نہ جمشید ہے نہ اس کا جام نہ سلیمان ہے نہ حاتم۔

Two previous editions of the present work, which were sold out in a short time, have made a third edition neeessary. I have tried to make it more useful and more beautiful. The verses have been translated afresh as literally as possible yet clearly, in simple Urdu. Where necessary, difficult expressions and allusions have been explained in the margin. A detailed Appendix shows the methods used for divination from the *diwan*. If my labours find favour with the readers I shall feel amply rewarded, and also take it as a sign that the Voice from Beyond has not lost its resonance.

I owe a deep debt to my friend Mr Kirpal Singh Bedar of Punjabi University for going through the manuscript and suggesting many improvements.

SAJJAD HUSAIN

INTRODUCTION

Khwajah Shams al-Din Muhammed Hafiz, born in Shiraz around A.D. 1320, is unquestionably the greatest Persian lyric poet. His subtlety of thought and matchless diction have so enthralled his readers that his *diwan* has been called the Voice from Beyond (*lisan al-ghaib*). Interest in his *diwan* in India dates back to the period immediately after his death in A.D. 1390. Not only was his *diwan* beautifully copied by hand by hundreds of calligraphers, but a great number of translations and commentaries was also produced. A great quality of the poems of Hafiz is that they appeal to all sections of the people, whether religious or worldly. It is because when he sings of love or intoxication, he uses the words so deftly that one could take them either as mundane love or divine love, as joy flowing from the bottle or spiritual ecstasy. Thus there is room enough for interpretation, and each interpreter and translator has seen different meanings in the verses of Hafiz.

India is also credited with producing authentic texts of the famous *diwan*. The first such text was published in Calcutta in 1791. The latest edition, published from Tehran by Mr Jalali Na'ini and Dr Nazir Ahmed, is also based on an Indian manuscript dated 824 A.H. which is considered to be the oldest. The present work is based on the famous Rahmat Ullah Ra'ds edition published from Kanpur.

It is surprising that while we are so familiar with the *diwan* of Hafiz, we know so little about his life. An attempt is now being made to reconstruct his life from his poems—an attempt that is unlikely to show any great result. Whatever is known about him is discussed very ably in the Urdu Introduction to this book by the famous Urdu critic and writer, Hakim 'Ali Kausar Chandpuri. He has also discussed in his inimitable style the poetry of Hafiz.

DIWAN -E- HAFIZ

TRANSLATED BY

MAULANA QAZI SAJJAD HUSAIN
PRINCIPAL,
MADRESA-E-ALIA FATEHPURI, DELHI

PUBLISHED BY
SABRANG KITAB GHAR
DELHI-6